انعام یافتہ ہستیاں

پروفیسر محمد اکرم رضا

قادری رضوی کُتب خانہ، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

marfat.com

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

marfat.com

انعام یافتہ ہستیاں

پروفیسر محمدّ اکرم رضا

قادری رضوی کتب خانہ

گنج بخش روڈ، لاہور 042-7213575

marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	انعام یافتہ ہستیاں
مصنف	پروفیسر محمد اکرم رضا
پیش کش	محمد نعیم اللہ خان قادری
نظر ثانی	محمد نعیم اللہ خان قادری
بار اوّل	1429ھ 2008ء
صفحات	816
تعداد	1100
کمپوزنگ	عزیز کمپوزنگ سنٹر 0344-4996495
سرورق	محمد رمضان مفیضی گرافکس ستا ہوٹل لاہور
زیر نگرانی	چوہدری محمد خلیل قادری
تحریک	چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر	چوہدری عبدالمجید قادری
ہدیہ	-/450 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

marfat.com

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
10	ابتدائیہ .... اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ	1
19	علامہ پروفیسر محمد اکرم رضا۔ اجمالی تعارف	2

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

26	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	3
33	اسوۂ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور قرون اولیٰ کی ایک جھلک	4
40	امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ	5
54	سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم	6
66	امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ	7
83	سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ	8
91	حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	9
101	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	10
107	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	11
118	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	12
128	حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ کا ذوق شہادت	13
137	حضرت زیاد رضی اللہ عنہ	14
142	سیدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ	15
149	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	16

محدثین عظام

157	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ	17
171	حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ	18

ائمہ کرام

181	سراج الامہ امام اعظم نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ	19

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
20	امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ	188
21	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	200

صوفیائے کرام اور اولیائے عظام

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
22	تصوف اور صوفیائے عظام	213
23	حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	237
24	حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ	248
25	حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	258
26	حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ	268
27	حضور داتا گنج بخش سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	273
28	محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	288
29	حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	305
30	مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	315
31	خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ	325
32	زہد الانبیاء حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	336
33	سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ	352
34	حضرت سخی سرور سلطان رحمۃ اللہ علیہ	357
35	حضرت میاں میر بالا قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	362
36	حضرت خواجہ محمد سلیمان چشتی تونسوی رحمۃ اللہ علیہ	376
37	حضرت سید جماعت علی شاہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ	386
38	امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ اور تحریک پاکستان	392
39	حضرت پیر سید علی اکبر شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ	406
40	حضرت شاہ رحمان نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ	412
41	حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ	417
42	شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ	424
43	حضرت سید محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کرمانوالہ	433

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
44	حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت کیلیانوالہ شریف	442
45	حضرت خواجہ محمد عمر بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ	453
46	شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ	460
47	حضرت خواجہ محمد دین ثانی سیال شریف رحمۃ اللہ علیہ	468
48	حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ	480
49	حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ	488
50	قطب عالم حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ	498
51	حضرت خواجہ محبوب احمد چشتی میروی رحمۃ اللہ علیہ	504
52	تحریک پاکستان اور مشائخ وعلمائے کرام	511
53	حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ	522
54	محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ	532
55	قطب مدینہ حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء الدین احمد مدنی قادری رحمۃ اللہ علیہ	538
56	شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	544
57	مجاہد تحریک پاکستان حضرت مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ	552
58	ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	564
59	قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ	570
60	بحر العلوم مولانا محمد فیض قادری رحمۃ اللہ علیہ	578
61	شمس العلماء حضرت مولانا محبوب عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ	586
62	سراج معرفت حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ	593
63	شہباز طریقت حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	604
64	فخر الاصفیاء حضرت ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ	613
65	مبلغ اسلام مولانا غلام احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ	621
66	حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ	626
67	حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ	637
68	حضرت سید بشیر احمد سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ	643

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
69	حضرت خواجہ دین محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ	646
70	حضرت خواجہ پیر محمد بڈھا رحمۃ اللہ علیہ	651
70	مفسر قرآن مولانا محمد عمر رتالوی رحمۃ اللہ علیہ	653
71	حضرت قبلہ پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ	657
72	حضرت مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ	661
73	حضرت علامہ مفتی بشیر حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ	664
74	حضرت مولانا محمد حسین اہل رحمۃ اللہ علیہ	670
75	حضرت محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ	672
76	حضرت موسیٰ بن سلیمان ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ	678
77	مجاہد اسلام سلطان محمود غزنوی	683
78	نیکی اور بدی کے دو کردار	689
79	حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ	695
80	شہریار خطابت صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ آلومہاروی رحمۃ اللہ علیہ	702
81	حضرت مولانا مفتی عبداللہ قادری مردانوی رحمۃ اللہ علیہ	711
82	رئیس المحدثین حضرت سیّد احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ	718
83	عالمی مبلغ اسلام حضرت شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ	732
84	مجاہد تحریک آزادی امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	743
85	حضرت قطب جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ	755
86	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	764
87	حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ	777
88	امام محمد ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	793
89	حضرت ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ	803
90	حضرت شیخ ابوالحسن علی بن احمد خرقانی رحمۃ اللہ علیہ	810
91	پیر سیّد محمد معصوم شاہ گیلانی نوری رحمۃ اللہ علیہ	817

marfat.com

انتساب

ان عظیم المرتبت محسنینِ اِسلام کے نام کہ جن کی زبان کی تاثیر، عمل کی سرفرازی، علم کی سربلندی، اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اور قلم کی تب و تاب سے بزمِ ہستی اپنی آخری ساعتوں تک جگمگاتی رہے گی۔

(پروفیسر محمد اکرم رضا)

marfat.com

ابتدائیہ

اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ

وقت ہمیشہ ان فرزندانِ روزگار کے سامنے سرخمیدہ نظر آتا ہے' جنہوں نے اپنی سیرت کی خوشبو' کردار کے حسن اور عمل کی قوت تسخیر سے ہر دور کو متاثر کیا ہوتا ہے۔ یہی خوش بخت اصحاب نظر ہوتے ہیں' جن کی زبان کی تاثیر اور فکر و عمل کی شوکت تعمیر سے ہر زمانے کو صراط حق سے آشنائی عطا ہوتی ہے۔ ظلمت جس قدر گہری ہو اجالوں کی تمنا اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اشرارِ باطل جس قدر بھی قوی ہوں' چراغ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کی تمنا اتنی ہی زیادہ دلوں میں ابھرنے لگتی ہے۔ تقدیر خداوندی تو بندگان حق و صداقت کے دلوں سے ابھرنے والی تمناؤں کی منتظر ہوتی ہے اور پھر یہیں سے الطاف خداوندی کا دھارا ایسے نفوس قدسیہ کو صدیوں کا اعزاز بنا دیتا ہے جو اپنے علم و عمل سے قلعوں کو نہیں بلکہ دلوں کو تسخیر کرتے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کا ظاہر و باطن احکامات خدا و مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں اس قدر ڈھل چکا ہوتا ہے کہ یہ جدھر بھی بڑھتے ہیں تقدیر خداوندی کا لہراتا ہوا پھریرا ان کے سروں پر جلوہ فگن رہتا ہے اور پھر دنیاوی و اخروی اعزازات اور ازلی و ابدی اکرامات ان کا سرمایۂ اعزاز بن جاتے ہیں۔ یہ اپنے کردار کو عشق و عقیدت کی روشنی بخش کر خود کو تقدیر یزداں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ خدائے لم یزل جو خطاکاروں کو بھی محروم کرم نہیں رکھتا ان کو اپنی لامتناہی قوتوں کا مظہر بنا دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

من یطع اللہ والرسول فاؤلئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا ذلك فضل من اللہ وکفی باللہ علیماً○

(پارہ ۵' رکوع ۱۰)

ترجمہ جس نے اطاعت کی اللہ اور اس کے رسول کی پس ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا اور وہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں' اور یہ حضرات اچھے ساتھی ہیں۔

marfat.com

یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ باعتبار علم کے۔

حق یہ ہے کہ جب بندہ خدا کی رضا میں ڈھل جاتا ہے' اس کی ایک ایک سانس' نبضوں کی حرارت' ذہنوں کی ذہانت' افکار کی ندرت' اس کا کھانا' اس کا پینا' اس کی نماز اور قربانی' اس کا ناز و نیاز اس کی سحر کا گداز' اس کے ایمان کی حرارت' اس کی ذہنی تب و تاب سب کچھ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف ہو جاتے ہیں۔ لفظ دم توڑ جاتے ہیں۔ عمل خمیدہ سر بارگاہ ایزدی میں ہدیۂ نیاز بجا لاتا ہے تو پھر خدا کی رحمتیں اس کے انعامات قدسیہ کا روپ دھار کر اس بندۂ مومن کے روپ میں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اس کے سر عجز و نیاز پر۔

''انعمت علیهم''

کا تاج روحانیت سجا دیا جاتا ہے۔ پوری کائنات اس کی جاگیر ہوتی ہے' وہ جو چاہتا ہے' ہو جاتا ہے کیونکہ اب اس کا اپنے لئے کچھ نہیں سب کچھ رب ذوالجلال کیلئے ہوتا ہے۔ وہ رب ذوالجلال جس کے انعامات اس خاک نشین کو افلاک بداماں کر دیتے ہیں مگر وہ عطا ہونے والے تمام انعامات کو محبوب دو عالم' ممدوح کائنات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی سے مشروط کر دیتا ہے رب کریم اسے ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' کا پیغام سرمدی عطا کر کے جلوہ ہائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت تجلیات ربانی سے بہرہ اندوز ہونے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ ''انعمت علیهم'' کے منصب نور پر فائز ہوتے ہی اس بندۂ حق پر فقر و درویشی کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔ اسے شریعت کے آئینہ خانے میں جھانک کر ہی طریقت اور معرفت کا حصۂ وافر عطا ہوتا ہے۔ اس کی ضرب' ضرب ید اللہی اور اس کی راست گوئی صدق صدیق کی ترجمان بن جاتی ہے مگر بات لفظ و آہنگ کی نہیں بلکہ عمل اور فقط عمل کی ہے۔ خدا کے نام پر عمل کی میزان پر تلنے والا کبھی سرنگوں نہیں ہوتا' اور ظاہریت کے جمال میں گم ہونے والا خرد کی پہلی ہی منزل پر گمراہ منزل ہو جاتا ہے۔ اس کے نصیب میں عشق سرفراز کی نوازشیں کہاں؟

فقر و تصوف کو جو نام چاہے دے لیں' اس کا خمیر ہمیشہ شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھا ہے۔ شریعت کا دشمن ہواؤں میں اڑ کر' آگ اور پانی پر چل کر شعبدہ باز تو ہو سکتا ہے' قرب الٰہی کی منزل اولین کا مسافر بھی نہیں بن سکتا۔ اب یہی فقر و درویشی اس کیلئے عطائے خداوندی بن جاتی ہے' عرفان ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرہ یاب ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جب قدم اس کے ہوتے ہیں حرکت خدا کی ہوتی ہے' ہاتھ اس کے ہوتے ہیں قوت خدا کی ہوتی ہے' زبان اس کی ہوتی ہے' ترجمانی رب ذوالجلال کی ہوتی ہے اور یہی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ جب

marfat.com

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
اللہ اللہ گفتن اللہ مے شود
ایں سخن حق است واللہ مے شود
یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اب ان کے مقامات ملاحظہ کیجئے جو ''انعمت علیھم'' کی رفعتوں کے حق دار بنے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''سات آدمی قیامت کے دن وہ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے کے نیچے رکھے گا' جس دن اللہ کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ حاکم عادل' وہ جوان جو اللہ کی عبادت کرتا ہوا جوان ہوا' وہ آدمی جس کا دل ہر وقت مسجد سے معلق رہے۔ وہ دو آدمی جو آپس میں صرف اللہ ہی کیلئے محبت کرتے ہیں' اس پر جمع ہوتے ہیں اس پر جدا ہوتے ہیں' وہ آدمی جس کو حسن و جمال والی عورت نے برائی کی دعوت دی لیکن وہ یہ کہہ کر کنارہ کش ہوگیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ جو اپنے دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے لیکن بائیں ہاتھ کو پتہ بھی نہیں لگنے دیتا کہ میں نے کیا خرچ کیا۔ وہ شخص جو اللہ کو یاد کرتا ہے' خوف خدا سے اس کے آنسو نکل آتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ''انعمت علیھم'' کے مقام پر فائز ہونے کیلئے عمر' لباس' وقت اور کسی مخصوص طرز عمل کی ضرورت نہیں۔ لازم ہے کہ وہ رضائے الٰہی اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا متلاشی رہے۔ اس کے قول و فعل میں معمولی سا تضاد نہ ہو' وہ جس نیک گفتاری کا سہارا لیتا ہے اس کی خلوتیں اور اس کی جلوتیں اس کی شاہد ہوں۔ وہ خوف خدا میں اس قدر ڈوب جائے کہ شاہان وقت کے سامنے کلمۂ حق کی سربلندی کے نام پر ہر سختی اور سزا کو خالق کونین کا انعام خیال کرے۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات' موت ہے اس پر حرام

یہی ''انعام یافتہ ہستیاں'' ہیں جو فقر و درویشی کو چراغ راہ بنا کر منزل معرفت الٰہی کی طرف بڑھتی ہیں۔ علم ان کا اعزاز' عشق خداوندی ان کا افتخار' محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا امتیاز' قرآن ان کی پہچان' عمل ان کی زندگی کا اعزاز' فقر ان کی ڈھال' سادگی و درویشی ان کی زرہ بن کر انہیں جادۂ

marfat.com

عمل پر چلتے رہنے کا حوصلہ بخشتے ہیں۔ زمانہ انہیں دیکھے تو پہچان نہ پائے' وقت ان کی گرد راہ تک نہ پہنچ سکے۔ شاعر مشرق نے بھی اس تصور خدا شناسی کو اس طور اجاگر کیا ہے۔

عقل ہے تیری سپر' عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تیری
ماسوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خدائے قدوس کی طرف سے رحمتوں کی خوشخبری ''ہم تیرے ہیں'' اور ہم ہی نہیں ''لوح وقلم بھی تیرے ہیں'' دراصل وہ انعام قدسی ہے جو مقدر سے ہی کسی کا اعزاز بنتا ہے۔ خدا کی طرف سے ''انعام یافتہ'' ہونے کی تمنا تو سبھی کرتے ہیں مگر اس کے حصول کیلئے جس طرح سے اپنی حیات مستعار کا لمحہ لمحہ انعامِ خداوندی کے نام پر تصدق کرنا پڑتا ہے۔ وہ شوکت ایمان کی داستان نور کا حسین باب ہے۔

معرفت شناسی کا نعرہ آسان ہے مگر اس کے پس پردہ قربانی وعزیمت کی لازوال داستان ہے۔ وہ خدا ہی کیا جو شریعت اور اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً بے بہرہ کو انعام واکرام ابدی کا حق دار قرار دے دے۔ بے شک وہ صاحب قدرت ہے مگر اس کی قدرت کے اسرار قرآن حکیم اور احادیث کے شہ پاروں سے انوار کی صورت چھن چھن کر ابھر رہے ہیں اور انہی فیوض کی قوسِ قزح سے بزم ہستی منور ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں یہ حکایت ہر صاحب نظر کی راہنمائی کرتی ہے۔

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر بہت بڑا تھا۔ جس سے اپنے بیگانے' مسافر' راہرو سبھی فیضیاب ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ سے شرف بیعت حاصل کرنے کی غرض سے آیا۔ اس نے آپ کی کرامات کا شہرہ سن رکھا تھا۔ وہ قریباً ایک سال وہاں مقیم رہا اور پھر اچانک واپسی کا ارادہ کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ روشن ضمیر حضرت جنید بغدادی نے پوچھا: اے مرد صالح تو ایک عرصہ ہمارے ہاں مقیم رہا' نہ آنے کا سبب بتایا اور اب جانے کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہے۔ اس نے کہا: حضرت! میں آپ کی کرامات کا شہرہ سن کر آیا تھا۔ مگر اس ایک سال کے عرصہ میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا: تم نے اور مقامات پر کیا کیا دیکھا ہے؟ اس آدمی نے کہا: میں نے ایک مقام پر ایک مرد درویش کو ہوا میں پرواز کرتے دیکھا۔

marfat.com

ایک اور مقام پر ایک درویش کو پانی پر چلتے دیکھا۔ ایک جگہ ایک صوفی کو آگ پر چلتے دیکھا' لیکن آپ کے ہاں تو میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ حضرت نے مسکرا کر کہا: کیا تم نے میرا کوئی عمل خلاف شریعت دیکھا ہے' میں نے نماز نہ پڑھی ہو' روزے نہ رکھے۔ قرآن و سنت کا درس نہ دیا ہو' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے کو چھوڑا ہو۔ کبھی کوئی ایسا جملہ میری زبان سے نکلا ہو جو خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے منافی ہو۔ اس شخص نے کہا: نہیں حضرت ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ نے فرمایا: شریعت کی یہی پابندی تو عین کرامت ہے۔ پھر فرمایا: تم ہوا میں اڑنے والے کو صاحب کرامت صوفی سمجھتے ہو تو ہوا میں تو مچھر اور مکھیاں بھی اڑتی ہیں' تم ان کی بیعت کرلو۔ تم نے پانی پر چلنے کو کرامت سمجھا ہے۔ پانی میں تو مچھلیاں اور مینڈک بھی تیرتے ہیں۔ تم ان کے جادہ پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ تم آگ پر چلنے کو کرامت سمجھتے ہو تو یہ تو سراسر شعبدہ بازی ہے۔ تم ان شعبدہ بازوں کے غلام کیوں نہیں بن گئے؟ اب اس شخص کی نگاہ باطن بہت کچھ دیکھ رہی تھی' وہ کرامت اور شعبدہ بازی میں فرق سمجھ رہا تھا' بے اختیار رونے لگا اور عرض کیا ''حضرت! پھر ارشاد فرمایئے کہ کرامت کسے کہتے ہیں؟ حضرت جنید بغدادی نے جلال کے عالم میں اس طالب حق کو دیکھا۔ اس کے دل پر نگاہ کی اور فرمایا ''اصل کرامت یہ ہے کہ مرد مومن کسی طالب حقیقی کے دل میں برمے کے بغیر سوراخ کر کے اللہ ہو کی ضرب لگاتا ہوا اس طرح جا بیٹھے کہ مومن کا دل اللہ کی تجلی گاہ بن جائے۔ یہ فرما کر آپ نے عظمت کبریائی کا نعرہ لگایا تو اس طالب حقیقی کو ایسا لگا جیسے حضور میرے دل کے ایوان میں تشریف فرما ہیں اور خدا کی رحمت و عنایات کے انوار سے اس کا دل بھرپور ہوتا جا رہا ہے۔

دراصل یہی وہ کرامت ہے جو خدا سے بے بہرہ انسانوں کو معرفت الٰہی کی منزل عطا کرتی ہے۔ دنیا کی برکات اور آخرت کی عنایات کو اس کے نام کر دیتی ہے۔ چار دانگ عالم میں اسلام جس تیزی سے پھیلا ہے اس کا سب سے بڑا سبق ان صوفیائے عظام کی کرامات ظاہری نہیں تھیں بلکہ وہ کرامات باطنی تھیں' جنہوں نے تاریک دل جگمگا دیئے۔ خدا سے بے خبر انسانوں کو خدا کی ذات سے آگاہی عطا کی۔ ان مردان حق کا اپنا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ مشرق و مغرب' شمال و جنوب سب ان کی جاگیر ہوتے ہیں۔ یہ عبادت الٰہی میں شب و روز محو رہ کر کرامات طلب نہیں کرتے بلکہ کرامات تو ان کیلئے اضافی انعام ہوتا ہے تاکہ ''انعمت علیہم'' کی منزل پر فائز ہونے والوں کو جو انعام عطا ہوتا ہے اس سے ساری دنیا باخبر ہو جائے' کیونکہ دنیا کی باخبری کیلئے کچھ ظاہری مظاہر بھی ہوتے ہیں' کسی مرد حق نے کبھی دعا میں کرامات طلب نہیں کیں۔ انہوں نے تو خدا سے خدا ہی کو مانگا ہے اور اس شان

marfat.com

سے خدا کی عبادت کے جلوؤں میں گم ہو گئے کہ عبد ہو کر معبود کے جلوؤں کے ترجمان بن گئے۔ یہی وہ منزل ہوتی ہے جب بندۂ مومن خدا کا ہاتھ بنتا ہے' اس کی زبان بنتا ہے' اس کی نظر اور اس کے پاؤں بنتا ہے۔ رب العالمین ان سب چیزوں سے بے نیاز ہے مگر ان بندگان خاص کے ذریعہ ہی پہچان کرانے کیلئے انہیں غیر معمولی جلالت' فہم و بصیرت' دور رس نظر اور کبھی شکست نہ کھانے والی قوت سے نوازتا ہے۔

وہ جس کے بازوؤں سے اک زمانہ سہما جاتا ہے
نگاہِ پاک سے آئینۂ دل جھلملاتا ہے
دلِ پرنور جس کا اک جہاں کو جگمگاتا ہے
قدم اس کا جدھر اٹھتا ہے باطل لڑکھڑاتا ہے
یہی ہیں جن پہ لطف خالق دارین ہوتا ہے
ہر اک درویش کامل حاصلِ کونین ہوتا ہے

(رضاؔ)

جن ہستیوں کا انعام خداوندی مقدر بنتا ہے' ان کے تذکرے رب العالمین از خود زمانے بھر میں عام کر دیتے ہیں۔ اپنی ولایت کا ڈھنڈورا خود پیٹنے والے تو بتان عجم کے پجاری ٹھہرے مگر ان کا کیا کہیے جو رضائے الٰہی میں زندگی گزار کر آسودۂ لحد ہو جاتے ہیں مگر بزم ہستی یکا یک ان کی روحانی چکا چوند اور ایمانی جگمگاہوں سے ضو بار ہو جاتی ہے۔ لاہور کے داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا اجمیر کے غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری' سرہند کے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہوں یا بغداد کے غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی' پاکپتن کے بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ہوں یا ملتان کے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی' دہلی کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہوں یا خواجہ نظام الدین اولیاء تونسہ کے صحراؤں میں معرفت الٰہی کے گلاب' اگانے والے حضرت شاہ سلیمان تونسوی ہوں یا عصر حاضر میں شرقپور کے شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری' ان میں سے کسی کی خوشبوئے کرم نوازی کتابوں' رسائل و جرائد اور من گھڑت کرامات کی مرہون منت نہیں ہے۔ یہ تو عین فضل الٰہی ہے جو بنجر وادیوں کو آب حیات بخشتا' ظلمتوں کو انوار سے ضو بار کرتا اور اپنی رضا میں سرمست ہو کر زندگی گزارنے والوں کو زمانے بھر کیلئے اپنی عظمتوں کا لافانی مظہر بنا دیتا ہے۔ وہی انعام سے نوازے تو کیسے ممکن ہے کہ کائنات کے سب سے بڑے حکمران کے انعام یافتہ افراد کے تذکار وقت کے دھندلکوں

marfat.com

میں چھپ جائیں۔ یہ لوگ تو خدا کی دلیل ہیں۔ ان کے کردار کی پاکیزگی سے تو رب پہچانا جاتا ہے' پھر رب العالمین اپنی دلیل کو کیسے تاریکیوں کے حوالے کر سکتا ہے۔ سچ کہا حکیم الامت نے۔

فطرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان' قیامت میں بھی میزان

یہ بندگان خدا گفتار اور کردار میں اللہ کی برہان ہوتے ہیں اس لئے ان کے ارادوں کی مضبوطی میں قوت خداوندی کا پرتو ہوتا ہے اور ان کے عزائم کی وسعت میں شوکت الٰہی کے لامتناہی مظاہر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جن کو ان کا خدا ہمیشگی عطا کر رہا ہو' حیات دوام سے نواز رہا ہو' جن کے ہر نقش حیات کو اہل ایمان کے جادۂ حق کی منزل قرار دے رہا ہو' وہ وقت کی آندھیوں سے کس طور مٹ پائیں گے۔ خدا کی قوت جب ان مردان حق کا اعزاز بنتی ہے تو انہی میں سے ایک درویش چنگیز و ہلاکو کی اولاد کو اسلام کی تجلیات میں گم کر دیتا ہے تاکہ چنگیز خاں کی قہر سامانیوں نے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے اس کی اولاد آنے والے ادوار میں نہ صرف اس نقصان کا ازالہ کرے بلکہ اسی کی بدولت فروغ اسلام اور ترویج دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی وسعت اور ہمہ گیری عطا ہو سکے۔

ہمارے الفاظ کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ یہ تو خدا کا فیصلہ ہے جو وہ مختلف ادوار میں صادر کر چکا ہے کہ۔

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

اگر ہم بنظرِ غائر دیکھیں تو ان حق پرستوں نے اپنے لئے قصر و ایوان تعمیر نہیں کئے۔ ارادت مندوں کی بڑی تعداد رکھتے ہوئے بھی سنگ مرمر کی خانقاہیں نہیں بنوائیں۔ میلوں تک پھیلے ہوئے لنگر خانے تعمیر نہیں کروائے' یہ تو رضائے الٰہی میں سرمست و سرخوش رہنے والے مردان خوش نہاد تھے۔ جو تختہ دار کو چوم کر بھی خوشنودیٔ خدا کے نام پر زندگی تابندگی کا نمونہ بنے رہے۔ برف کی سلوں پر لیٹ

marfat.com

کر بھی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مسکراتے رہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کوڑے کھا کر بھی رضائے الٰہی پر راضی رہے۔ امام شافعی کی طرح غریب الوطنی کی زندگی بسر کر کے بھی اپنے خالق و مالک کے جلوؤں میں گم رہے۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وطن سے بے وطن ہوئے۔ سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح افغانستان سے بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت کر کے لاہور میں دریائے راوی کے کنارے ڈیرہ ڈالے رہے۔ کس کس کا نام لیا جائے' ان میں سے کسی کا عمل بھی اپنی خواہشات کے تابع نہیں تھا' اور پھر انعامات خداوندی نے انہیں یوں نوازا کہ جہاں جہاں انہوں نے قیام کیا وہ مقامات اہل شوق کیلئے مرکز تجلیات بن گئے۔

رزم گاہ حق و باطل میں تاریخ نے ہزاروں معرکے دیکھے۔ ایک طرف یہ بے سروسامان اصحاب تصوف تھے' جن کا اسلحہ فقط رضائے الٰہی تھا' یہ خوشنودئ رسول کیلئے جیتے تھے' شریعت ان کا نور تھی' طریقت ان کا روحانی پیرہن تھا' صداقت ان کی صدائے حریت تھی' معرفت الٰہی ان کیلئے خدا کا انعام تھی' یہ دنیاوی سیاہ سے بے نیاز تھے' تیغ و سپر کے تصور سے بھی ناآشنا تھے۔ یہ جہاں جاتے تھے اپنا حجرہ بعد میں بناتے تھے' مسجد پہلے تعمیر کرتے تھے تاکہ قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجد آفریں صداؤں سے زمانہ منور ہو جائے۔ یہ بوریا نشین اپنی سادگی میں بھی قوت سکندر و دارا کو قدموں تلے روندنے کی قوت رکھتے تھے۔ یہ چلتے تھے تو ایک زمانہ ان کے ہمراہ ہوتا تھا' یہ بڑھتے تھے تو کہسار و دریا راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ یہ بولتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ جدھر نگاہیں اٹھاتے تھے زمانہ اپنی نگاہیں ان کے قدموں تلے بچھا دیتا تھا۔ یہ خدائے مہربان پر اعتماد کامل کا ثمر تھا۔ اپنے مالک اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر متزلزل وابستگی کا اعزاز تھا' ان کا ہر نقش عمل لوح فطرت کی تحریر تھا یہ خودی و خودداری کی تصویر تھے۔

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے کراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار و پرنیان و حریر
نہنگ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگ مردہ کو فوج سراب بھی زنجیر

اس کتاب کا عنوان ''انعام یافتہ ہستیاں'' اس حقیقت ابدی کا شاہد ہے کہ اس میں عظیم المرتبت

marfat.com

شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے' جن کی زندگیوں کے شب و روز رضائے الٰہی کے حصول میں بسر ہوئے' جنہوں نے اپنی زندگیوں کے عمل کا حسن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا پر نچھاور کر دیا۔ ان میں اصحاب رسول کا تذکرہ ہے جو "رضی اللہ عنہم و رضوعنہ" کے مصداق ٹھہرے۔ ان محدثین اور محسنین اسلام کا ذکر جمیل ہے جن کے علمی اور عملی کارناموں سے آج گلستان ہستی مہکا ہوا ہے۔ جملہ سلاسل روحانیت سے تعلق رکھنے والے ان صوفیائے عظیم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے' جن کے کارہائے نمایاں سے اب تک بزم ہستی جگمگا رہی ہے اور قیامت تک ان جگمگاہٹوں میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔

"انعام یافتہ ہستیاں" کا ابتدائیہ قلم بند کرتے ہوئے میں عزیز مکرم فاضل نوجوان رانا محمد نعیم اللہ خاں کا بے پناہ ممنون ہوں' محمد نعیم اللہ خاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صالح فکر نوجوان ہیں۔ اپنی زندگی دینی اور نظریاتی لٹریچر کے فروغ کیلئے وقف کر چکے ہیں۔ متعدد تصانیف اور تالیفات کے علاوہ کئی کتب کے مرتب بھی ہیں۔ میں ان کا ممنون و متشکر ہوں کہ انہوں نے اس ضخیم کتاب کا تمام مواد میری لائبریری سے برآمد کیا' ترتیب و تدوین اور کمپوزنگ سے لے کر پروف ریڈنگ تک کے تمام مشکل مراحل سے نبرد آزما ہوئے۔ ابھی ان کے پاس میری کئی کتب کے مسودات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ان مسودات سے بھی ایسے ہی حسن سلوک کا مظاہرہ کریں گے جیسا انہوں نے اس ضخیم کتاب میں کیا ہے۔ خدا نے انہیں ذہن رسا اور ہر صاحب تحریر سے علمی تعاون کے جذبہ سے نوازا ہے۔ میں برملا اس حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ محمد نعیم اللہ خاں گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں میرے نہایت ہونہار اور حصول علم کیلئے گہری دلچسپی رکھنے والے طالب علموں میں سے ہیں۔

دعا ہے کہ مالک کونین ان کی ادبی اور علمی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشے۔ آمین

اس کے ساتھ ہی میں اس کتاب کے ناشر محترم محمد خلیل قادری صاحب ڈائریکٹر قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ کا نہایت شکر گزار ہوں' جنہوں نے خوبصورت انداز میں اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ محنت اور لگن سے کوئی کام بھی کیا جائے وہ ظاہری و باطنی نکھار کی تصویر بن جاتا ہے۔ جناب محمد خلیل قادری صاحب نے جس خلوص عمل سے رحمت ایزدی کے سہارے گنج بخش روڈ لاہور پر حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے سائے میں قادری رضوی کتب خانہ کا چراغ علم روشن کیا ہے دعا ہے کہ ہر آنے والا دور ان کی مزید سرفرازی مقبولیت اور اشاعتی کامرانی کی نوید لے کر طلوع ہو۔

marfat.com

علامہ پروفیسر محمد اکرم رضاؔ

﴿اجمالی تعارف﴾

تخلیق ادب وانشاء ہو یا شاعری، فن تقریر ہو یا جمال تحریر، الفاظ کی ساحری ہو یا تحقیق وجستجو کی جلوہ گری، یہ سب خون جگر سے ترتیب پانے والے عناصر ہیں جو رحمت خداوندی سے اصحاب ذوق کا مقدر بنتے ہیں۔ کوئی صاحب فکر ایک خصوصیت سے بہرہ ور ہوتا ہے یا دوخوبیوں میں کمال رکھتا ہے لیکن بعض ایسے خوش بخت ہوتے ہیں جو کئی فکری میدانوں میں یکساں مہارت کے ساتھ اپنی خداداد صلاحیتوں کا جادو جگا سکتے ہیں۔ ممتاز ماہر تعلیم، محقق اور معروف علمی وادبی سکالر علامہ پروفیسر محمد اکرم رضا کا شمار بھی ایسے ہی سعید بخت افراد میں ہوتا ہے جنہیں قدرت متعدد ادبی وعلمی سرفرازیوں سے نواز کر ایک جامع شخصیت میں ڈھال دیتی ہے۔

علامہ پروفیسر محمد اکرم رضا ممتاز شاعر ہیں، صاحب اسلوب نثر نگار ہیں، تحقیق وجستجو کی کٹھن راہوں پر سفر کرنے والے محقق ہیں، ادب وانشائے لطیف کے گلاب مہکانے والے قلم کار ہیں، آپ ایسے خطیب ہیں کہ جن کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے، کسی علمی وادبی اور دینی وروحانی موضوع پر ہزاروں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہیں تو ان کے حسن تکلم سے الفاظ نئی زندگی پاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ سے محبت کرنے والوں کے نزدیک آپ کا فرمایا مستند اور آپ کی فکر کا ہر پہلو باعث توقیر ہے۔ علامہ رضا بلاشبہ اپنی گوناگوں علمی صفات کی بناء پر کثیر الجہت انسان ہیں اور فیاضئ قدرت نے انہیں ہر جہت سے انصاف کرنے کا ہنر عطا کر رکھا ہے۔

گوجرانوالہ کے اس نامور فرزند کو اوائل عمری ہی میں گھر میں ایسا ماحول میسر آیا جو ادبی بھی تھا اور دینی وسیاسی بھی۔ گوجرانوالہ کے نواحی گاؤں کوٹلی نواب میں جنم لینے والے محمد اکرم رضاؔ کے والد محترم مولانا محمد علی تحریک پاکستان کے قابل فخر مجاہد تھے۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، نواب افتخار

marfat.com

حسین ممدوٹ، ظفر الملت مولانا ظفر علی خاں، شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی جیسے تحریک پاکستان کے معروف قائدین کے پہلو بہ پہلو آپ سیاست کی دنیا میں مشغول رہے۔ جناب محمد علی برصغیر کے عظیم شاعر، ادیب اور مدیر بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں سے عشق کی حد تک پیار کرتے تھے۔ گھر میں روزانہ روزنامہ زمیندار سمیت مولانا ظفر علی خان اور ترجمان حقیقت حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال کی تخلیقات کے چرچے تھے۔ جناب محمد علی نے معروف مسلم لیگی قائدین کو قیام پاکستان سے پیشتر اپنے علاقہ میں بلوایا اور دو قومی نظریہ کو بے شمار دلوں میں جلوہ گر کرتے رہے۔ اس بناء پر پروفیسر محمد اکرم رضا کو آنکھیں کھولنے کے بعد خرد کی پہلی منزل کو چھوتے ہی مولانا ظفر علی خان کی محبت ورثہ میں ملی۔ یہیں سے نثر نگاری اور شاعری کا ذوق پروان چڑھا۔ وہ ابھی نویں جماعت میں تھے کہ معروف ماہنامہ ''آئینہ'' لاہور اور روزنامہ ''ہلال'' راولپنڈی میں ان کی منظومات اور نثری مضامین چھپنے لگے۔ اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے تو یہ سلسلہ پھیل گیا اور آج ان کے نثری مضامین تواتر سے معروف رسائل و جرائد میں شائع ہو رہے ہیں اور ان کی منظومات اور غزلیات باقاعدگی سے مشہور جرائد کی زینت بن رہی ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضاؔ دینی اور دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ ایم اے کے بعد جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد سے درس نظامی کی صورت میں علوم حاصل کئے، اسی وجہ سے ان کا شمار معروف ادبی سکالروں اور مذہبی فضلاء میں ہوتا ہے۔ وطن عزیز میں بہت کم ایسی شخصیات ہوں گی جو دنیاوی تعلیمات کے فوائد اور دینی و روحانی تعلیمات کے فیض و برکات سے بہرہ ور ہو کر زمانے کو علوم اسلامیہ کے حقیقی معارف عطا کر رہی ہوں گی۔

قدرت نے آپ کو ذوق خطابت سے بہرہ ور کر رکھا ہے۔ اس ضمن میں آپ کی خوش بختی یوں آپ پر سایہ فگن ہوئی کہ برصغیر کے نامور مقرر خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کی محبت انہیں کم و بیش ۲۵ سال میسر آئی۔ خطیب الاسلام ان سے بیٹے کی طرح پیار کرتے تھے۔ پروفیسر محمد اکرم رضاؔ نے ہر قسم کی فرقہ واریت اور مسلکی اختلافات سے بے نیاز ہو کر تاریخ ساز مقررین کو سنا، ان کے حسن خطابت سے خوشہ چینی کی اور اپنا الگ سے اسلوب خطابت تخلیق کیا۔ تاریخ گوجرانوالہ کے آپ واحد خطیب ہیں جو ادبی و شعری اور تہذیبی و ثقافتی موضوعات پر جس

marfat.com

روانی سے تکلم بار ہوتے ہیں اسی مہارت فکر کے ساتھ دینی' مذہبی اور روحانی موضوعات پر اظہار خیا
کرتے ہیں۔ آپ اس کا سبب کثرت مطالعہ اور عظیم مقررین کے فیضان محبت کو قرار دیتے ہیں۔
کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ جس طرح بیک وقت نظم و نثر' خطابت اور تحقیق و جستجو کی وادیوں میں آ
بڑھ رہے ہیں اسے دیکھ کر مولانا ظفر علی خاں' مولانا محمد علی جوہر' شورش کاشمیری اور صاجزادہ س
فیض الحسن شاہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا شخصیات بیک وقت شعر و ادب' نثر نگار
اور لازوال خطابت کی شہسوار تھیں۔ پروفیسر محمد اکرم رضا خود کو ان فرزندان روزگار کے افکار کا امی
سمجھتے ہیں کہ تاریخ برصغیر کے اُفق پر یہ عظیم ہستیاں مہر و ماہ بن کر جو کرنیں بکھیرتی رہی ہیں آپ خود
انہی کرنوں کی ادنیٰ سے جھلک سمجھتے ہیں۔ کیونکہ

ع...... میں آفتاب نہ سہی نسبت ہے آفتاب سے

پروفیسر محمد اکرم رضا کی شاعری ۱۹۶۰ء سے اخبارات و رسائل کی زینت بن رہی ہے۔ نظم
ہو یا غزل' نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا مرثیہ' منقبت نگاری ہو یا حب وطن کے نغمات' انہو
نے ہر صنف سخن میں یوں طبع آزمائی کی کہ سرزمین گوجرانوالہ کا اعزاز بن گئے۔ انہیں فخر ہے کہ و
ڈاکٹر فقیر محمد فقیر' عبدالغنی وفا' علامہ غلام یعقوب انور اور صوفی غیرت قادری جیسے نامور شعراء ک
ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے پاس دل نشیں یادوں کا ایک
ذخیرہ ہے جسے آپ مختلف مواقع پر احاطہ تحریر میں لا کر تاریخ کی زینت بناتے رہتے ہیں۔ پروفیسر محمد
اکرم رضا کسی ادبی گروہ بندی کے کبھی بھی قائل نہیں رہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو بھی جوہر قابل ہے وہ
بہر صورت اپنے وجود کو منوا لیتا ہے۔ کسی بھی ابھرنے والے کا راستہ روک کر ہم فطرت کے تقاضوں
سے روگردانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

تحقیق و جستجو کا جذبہ ہمیشہ انہیں اگلی منزلوں کی جانب سفر کرنے کا حوصلہ عطا کرتا رہا ہے۔
سرزمین گوجرانوالہ کا فرزند ہونے کی بناء پر آپ کے دل میں مدتوں سے یہ خواہش جنم لے رہی تھی کہ
گوجرانوالہ شہر اور ضلع کی جامع تاریخ قلم بند ہونی چاہیئے۔ گوجرانوالہ کے حوالے سے چند مضامین تو
مختلف ادوار میں لکھے گئے تھے مگر تاریخ سے پہلو تہی کی گئی تھی کہ حکومت برطانیہ کے شائع کردہ
گزیٹیر میں اس شہر کی تاریخ پر صرف ایک پیراگراف میسر تھا۔ تاریخ گوجرانوالہ کی تدوین اور تالیف

marfat.com

کے حوالے سے انہیں جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید کی سیادت نصیب ہو گئی اور یوں ۱۹۸۵ء میں تقریباً بارہ سو صفحات پر مشتمل' تاریخ گوجرانوالہ' اشاعت پذیر ہوئی جسے چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ پاکستان کے طول و عرض کے علاوہ غیر ممالک میں اس کی طلب بڑھنے لگی۔ بلاشبہ' تاریخ گوجرانوالہ ایسا کار عظیم ہے جو صدیوں تک فرزندان گوجرانوالہ سے خراج عقیدت لیتا رہے گا اور تحقیق و جستجو کی راہوں پر سفر کرنے والے اہل شوق اس سے خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔

پروفیسر محمد اکرم رضؔا کے سینکڑوں طویل ترین مقالات مختلف موضوعات کے حوالے سے رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری کے حوالے سے ان کا نام بطور خاص سرزمین گوجرانوالہ کا روشن حوالہ ہے۔ نثر و نظم کے حوالے سے آپ کی شخصیت اس قدر دلکش' ہمہ گیر اور مضبوط و توانا ہے کہ ان کا نام ملک بھر میں شاعری' نثر نگاری اور خطابت کے حوالے سے گوجرانوالہ کا افتخار کہلاتا ہے۔ وہ گروہ بندی کے قائل نہیں لیکن ان سے شعری و ادبی سلسلۂ تلمذ رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے جس کا تعلق گوجرانوالہ کے علاوہ ملک کے دوسرے شہروں سے ہے۔ ان سے ادبی خوشہ چینی کرنے والوں میں بعض قومی سطح پر نام پیدا کر چکے ہیں اور پروفیسر صاحب ان پر فخر کرتے ہوئے انہیں اپنی پہچان قرار دیتے ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضؔا نے صحافت اور ادارت سے بھی بھرپور انصاف کیا ہے۔ گوجرانوالہ کے معروف ہفت روزہ' قومی دلیر کے مدیر رہے۔ کچھ عرصہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور میں باقاعدہ کام کیا۔ ادبی مجلہ ''کارواں'' گوجرانوالہ اور ''الاستاذ'' فیصل آباد کے مدیر رہے۔ گورنمنٹ کالج شکر گڑھ کے مجلہ ''عزم نو'' کی ادارت کرتے رہے۔ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ کے ادبی مجلہ ''مہک'' کے عرصہ چھبیس سال مدیر رہے۔ محکمہ تعلیم کے ماہنامہ ''تحریک'' اور دینی رسالہ ''ترجمان لاثانی'' کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ہفت روزہ' نقاب' ماہنامہ مفیض' ماہنامہ ''دلچسپ'' ماہنامہ ''متاع امیر'' ماہنامہ ''کاروان نعت'' ماہنامہ ''سرپرائز'' اور ماہنامہ ''تاریخ ساز'' ماہنامہ ''کاروانِ نعت'' کے نگران اور مشیر کے طور پر بھی گیسوئے ادب سنوارنے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ ''نعت رنگ'' کراچی' ماہنامہ ''جہان رضا'' کے اعزازی سرپرست بھی ہیں۔

شاعری میں تمام اصناف سخن سے محبت اور لگاؤ اپنی جگہ مگر رضؔا صاحب نعت نگاری کے

marfat.com

مہکہار ماحول میں روحانی آسودگی محسوس کرتے ہیں۔ نعت نگاری ان کی زندگی کا حاصل اور سب سے
بڑا اعزاز ہے۔ نعت نگاری میں یہ امام احمد رضاؔ، علامہ اقبالؔ، کفایت علی کافی اور مولانا ظفر علی خاں
اپنا مرشد تصور کرتے ہیں۔ عصر حاضر میں حضرت حفیظ تائب سے والہانہ پیار کرتے ہیں۔ نعت نگاری
نے انہیں جس غیر معمولی عزت و توقیر سے نوازا ہے، وہ اسے محبوب دو عالم، فخر آدم و بنی آدم حضور محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت خاص سمجھتے ہیں۔ نعت نگاری کے حوالے سے ان کے تحقیقی مقالات
ادب عالیہ کا حصہ ہیں اور اصحاب نقد و نظر ان سے خوشہ چینی کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔
نعت نگاری کے حوالے سے ان کا یہ پیغام آج بے شمار عشاق سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کی
دھڑکن بن چکا ہے۔

دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے
سنگباری جو کرے کوئی دُعا دی جائے
جو ہیں محروم ثنا خوانئ شاہ بطحا
یا خدا ان کو بھی توفیق ثنا دی جائے

اس وقت تک پروفیسر محمد اکرم رضاؔ کی چوبیس کتب شائع ہو چکی ہیں۔ آپ ڈیڑھ سو سے زائد کتابوں کے مقدمات اور دیباچے لکھ چکے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور نقد و نظر کی دنیا کے باسی مسلسل ان سے ادبی و شعری رہنمائی لے رہے ہیں۔ آپ کو تصوف و روحانیت کے کوچے سے خصوصی لگاؤ ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جب اعصاب شل ہو جائیں، افکار کا سرچشمہ خشک ہونے لگے، ذہن پر مادیت کی کثافتیں غلبہ پانے لگیں، دلوں کے آئینے دھندلانے لگیں تو پھر تصوف اور روحانیت کی ایمان آفرین چھاؤں میں ہی آسودگی حاصل ہوتی ہے اور اسی کوچہ تصوف میں آ کر خدا شناسی کے ساتھ ساتھ اُسوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج عطا ہوتی ہے۔ آپ کی تصنیفات جمال فقر، تجلیات مخدوم، فیضان اکبری اور فخر جیلانی کا تعلق بطور خاص تصوف اور روحانی فیوضات سے ہے۔
آپ نے تصوف کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے۔ آپ کے خاندان میں متعدد ایسی روحانی اور فکری شخصیات نے جنم لیا جن کا تذکرہ مختلف تواریخ میں ملتا ہے۔ یہ شخصیات شعری و ادبی طور پر بھی بلند درجہ رکھتی تھیں۔

marfat.com

حضور سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ پروفیسر صاحب کیلئے زندگی کے ہر مقام پر خضر راہ کا کام کر رہے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ اسی اسم مقدس کے حوالے سے ہماری آبرو ہے، جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گالیاں سن کر دعائیں دیں، یہی اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ اور اصحاب تصوف کے پیش نظر رہا۔ اسی لئے دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی صورت اُجالا ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے دلوں کو حرص و ہوس اور زبانوں کو کثیف اور غلاظت زدہ الفاظ کے استعمال سے پاک کرلیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا بلاشبہ عصر حاضر کے ایوانوں میں دوقومی نظریہ کی صدائے بازگشت ہیں۔ وہ دوقومی نظریہ جو پاکستان کی پہچان اور اصحاب ایمان کی جان ہے۔ وہ اسی نظریہ کا نور آج پاکستان کی فضاؤں میں پھیلا رہے ہیں۔ وہ خود کو اس نظریاتی ورثے کا محافظ سمجھتے ہیں اور اس کی حقیقی روح کو ہر دل میں موجزن دیکھنا چاہتے ہیں۔ تحریر ہو یا تقریر وہ نظریہ پاکستان کے نام پر کسی مصلحت یا سمجھوتے کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آفاقی نظریہ پر مرمٹنا ہی حب الوطنی کی روشن دلیل ہے۔

شاہد چشتی
روزنامہ ایکسپریس

marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

marfat.com

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور نبی کریم محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت دنیوی سرخروئی کا سامان بھی ہے اور میدان محشر میں بخشش کا وسیلہ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب دو عالم بھی ہیں اور محبوب خدا بھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب غلامانِ رسول عشق و عقیدت کے سرمدی جذبے سے سرشار ہو کر میدانِ حیات میں آگے بڑھے تو کائنات ان کے قدموں میں جھک گئی، مبارک تھے وہ پاکیزہ نفوس کہ جنہیں آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ میسر آیا اور آپ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہو کر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت بے بہا سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ عشاقِ حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ و مقام بہت بلند و بالا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فکری و عملی تقاضوں کو جس طور قبول کیا اور عشق و عقیدت کے جو نقوشِ تابندہ صفحۂ تاریخ پر ثبت کئے' ان کی جگمگاہٹ لازوال بھی ہے اور بے مثال بھی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب چاروں طرف سے اعدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیغام خداوندی کی شمع کو بجھانے کیلئے اپنی ناپاک کوششوں میں مصروف تھے۔ آپ کی زندگی کے ہر مرحلہ پر قربانی و ایثار کے حیرت انگیز نمونے پیش کئے۔ زندگی بھر خوشنودیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم رکھا۔ عظمتِ اسلام کے لئے تن من دھن کی بازی لگانے سے کبھی گریز نہ کیا۔ آپ کو زندگی کے ابتدائی دور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوئی تھی' اس لئے آپ مزاج شناس مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے ساتھی تھے اور وفات کے بعد آپ کو اپنے آقا و مولیٰ کے قریب میں جگہ عطا ہوئی۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اب ہم قرآن و احادیث اور تفاسیر و تواریخ کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بے مثال عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جھلکیاں قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

marfat.com

عقل اور عشق کی آویزش ازل سے جاری ہے۔ عقل ہر معاملے میں سوچ و بچار اور بحث و تکرار کی عادی ہے، جبکہ عشق صرف اور صرف محبوب کی خوشنودی مقدم رکھتا ہے۔ عقل کو ائف و اسباب کو پیش نظر رکھتی ہے مگر عشق فقط رضائے حبیب کو سرمایۂ حیات تصور کرتے ہوئے ہر آزمائش گاہ میں جان وتن کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے تیار رہتا ہے۔ عشق قیل و قال کا خوگر نہیں بلکہ ایثار قربانی کا مجسمہ ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اسی لازوال عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے دل و جان کو بسائے ہوئے تھے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن بھی دیکھا تھا اور جوانی بھی۔ آپ کی معاملہ فہمی اور حق پرستی بھی دیکھی تھی اور علائق دنیوی سے بے تعلقی بھی۔ اعلان نبوت سے قبل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار دیکھا تھا اور اعلان نبوت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مشاہدہ کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت آپ کے اعلانِ نبوت کی محتاج نہ تھی بلکہ وہ تو اعلانِ نبوت سے برسوں قبل ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شخصیت کو نمونہ ہدایت قرار دے کر اپنے دل کی خلوتوں میں بسا چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو کفار فوراً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ دیکھو تمہارا ساتھی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بلاتاخیر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ میرے آقا کیا میں نے آپ کے اعلانِ نبوت کے بارے میں درست سنا ہے، جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نبوت کی تصدیق فرمائی تو آپ نے فوراً سر تسلیم خم کرتے ہوئے عرض کیا:

خدا کی قسم! آپ سے کبھی جھوٹ سرزد نہیں ہوا اور آپ خلیق بالرسالت، امین، صلہ رحمی کرنے والے اور بہترین کام کرنے والے ہیں۔ اپنا ہاتھ بڑھائیں تا کہ میں آپ کی بیعت کروں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا تو آپ نے کوئی سوال کئے بغیر یا تصدیق کئے بغیر آپ کے دست اقدس کو بوسہ دیا اور بیعت فرمائی اور اپنے اسی غیر معمولی عشق و ارادت کی بناء پر صدیق اکبر کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔ آپ کی یہ قبولیتِ اسلام مردوں میں سب سے پہلی قبولیت تھی۔

قبولیت اسلام کے ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے، آپ نے کوچہ حق و صداقت میں قدم رکھا تو زندگی بھر کیلئے آپ کے قدموں میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاداش میں ہر ظلم کو برداشت کیا، ہر سختی جھیلتے تھے، ہر آزمائش پر

marfat.com

لبیک کہتے رہے۔ ایک بار آپ کے ہم قبیلہ ایک مشرک عثمان بن عبید اللہ نے انہیں اپنے بھائی طلحہ کے ساتھ ایک ہی رسی سے باندھ کر سخت زدوکوب کیا مگر آپ جاں نواز مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے اُحد اُحد اور احمد احمد کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے رہے اور شقی القلب دشمنوں کی ہر ضرب پر عظمت رسالت کا وجد آفریں آوازہ لگاتے رہے۔

ایک بار حضور سرور کونین' فخر دارین ہجرت سے قبل طواف کعبہ کے لئے حرم شریف کے اندر تشریف لے گئے تو کفار نے موقع غنیمت جان کر آپ کو گھیر لیا اور آپ پر کوہِ ستم توڑنے کیلئے حملہ آور ہو گئے۔ حضرت صدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کیلئے آ رہے تھے کہ راستہ ہی میں کسی نے آپ کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ دوڑ کر جاؤ اور اپنے آقا کی خبر لو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ پریشان کن خبر سنتے ہی حرم کعبہ کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ حضور واقعی کفار کے نرغے میں گھرے ہیں اور کفار بڑھ چڑھ کر آپ پر سختی کر رہے ہیں۔ یہ غمناک صورتحال آپ سے برداشت نہ ہو سکی اور تیزی سے کفار پر جھپٹ پڑے اور فرمایا:

''تم پر افسوس ہے کہ ایسے شخص کو تم یہ کہنے پر اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہے ہو' جو یہ اعلان کرتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حق تو یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تمہارے لئے منور دلیلیں لے کر آیا ہے''۔

آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں' دل غم کی آگ میں سلگ رہا تھا' جس محبوب سے زندگی موت کا اقرار کر رکھا تھا' اس پر اعدائے اسلام کے ہاتھ اُٹھ رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دشمنوں پر شاہین کی صورت جھپٹتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ان کے نرغے سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ میرے محبوب کو چھوڑ دو' میں جو اس کا چاہنے والا آ گیا ہوں' جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ آپ کی اس مداخلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنوں نے حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو چھوڑ دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس مداخلت اور حمایت کی سزا دینے کیلئے گھیرے میں لے لیا پھر تو حضرت صدیق پر مشرکین نے اس قدر ستم ڈھایا کہ کیفیت قلمبند کرتے ہوئے مؤرخ کا قلم لرز اُٹھتا ہے۔ اعداء کی ستم کاریاں سہتے سہتے آپ کا جسم لہولہان ہو گیا۔ سر پر وہ ضربیں پڑیں کہ گھر کو لوٹنے کے بعد سر کے جس حصہ پر ہاتھ رکھتے' وہیں سے بال جھڑنے لگتے۔ اس محشر خیز آزمائش کی گھڑی میں آپ کے لبوں سے فقط یہی صدائے حق بلند ہو ہی تھی کہ

تبارکت یا ذوالجلال والاکرام

آپ کے قبیلے کو علم ہوا تو قبیلے کے جوان مجتمع ہو کر آئے اور آپ کو کفار کے نرغہ ستم سے

marfat.com

نکال کر گھر لے گئے۔ آپ پر غشی طاری تھی، نبضیں ڈوب رہی تھیں، ہوش آیا تو اہل خاندان نے آپ کی خیریت پوچھی مگر آپ نے فقط یہی سوال کیا کہ:

''مجھے بتاؤ کہ میرے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے''۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس فداکاری نے ثابت کر دیا کہ غلامانِ رسول جان دینے سے نہیں ڈرتے۔ انہیں اپنی سلامتی کی فکر دامنگیر نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ فقط ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری کیلئے زندہ رہتے تھے۔ ان سب کا ایک یہی مقصود نظر اور مدعائے زندگی تھا کہ:

محمد ہے متاعِ عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر مال و جاں اولاد سے پیارا
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
محمد کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہوا گر خامی تو ایماں نامکمل ہے

اور پھر چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کے دوران میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رفاقت نصیب ہوئی۔ راستے میں غارِ ثور میں قیام پذیر ہونا پڑا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کی صفائی کی۔ اپنی چادر ٹکڑے ٹکڑے کر کے غار کے سوراخ بند کئے کہ مبادا کوئی سانپ یا کوئی اور موذی کیڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈس نہ لے۔ ایک سوراخ باقی بچا تو اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈس نہ لے ایک سوراخ باقی بچا تو اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراقدس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اسی غار میں ایک طویل عرصہ سے ایک سانپ کا بسیرا تھا۔ اس سانپ نے باہر نکلنا چاہا مگر تمام سوراخ بند پائے۔ فقط ایک سوراخ پر انسانی پاؤں دیکھ کر اس نے فوراً ڈس لیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شدت کرب سے تڑپ اُٹھے مگر اپنے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکالی کہ کہیں آقا و مولا کے آرام میں خلل نہ پڑ جائے۔ درد حد سے بڑھا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر جا گرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو تمام کیفیت سے آگاہ ہو گئے اور اپنا لعاب دہن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زخم پر لگا دیا۔ فوراً درد رفع ہو گیا اور زہر کا اثر جاتا رہا۔ احترام نبوت کا یہی وہ عالی قدر جذبہ تھا، جس نے سیدنا

marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور سرور کائنات کی آنکھوں کا تارا بنا دیا کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے آقا و مولا کے مقام سر بلند سے آگاہ تھے کہ:

یہ بارگاہِ سید عالی مقام ہے ممکن ہو گر تو سانس بھی دھیرے سے لو یہاں
فرمانروائے وقت بھی ادنیٰ غلام ہے اس بارگاہِ قدس میں سرکار کے حضور

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک عظیم عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کو اپنے مال، اولاد اور جان سے فزوں تر نہ سمجھا جائے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک غزوہ کی تیاری کے سلسلہ رس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مالی تعاون کی اپیل کی تو تمام مسلمان حسب توفیق اپنا اپنا اندوختہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مالی حالت بہت مستحکم تھی، اس لئے انہوں نے اپنی نصف جائیداد تو خاندان کے استعمال کیلئے چھوڑی اور نصف راہِ خدا میں۔

اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا کُل اثاثہ راہِ خدا میں نچھاور کرنے کیلئے لے کر چلے آ رہے ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ صدیق گھر میں کیا چھوڑ آئے ہیں تو انہوں نے بصد افتخار عرض کیا کہ:

''یا رسول اللہ! میرا جو کچھ اثاثہ حیات تھا، آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں اور گھر میں فقط آپ کی یاد اور آپ کا عشق چھوڑ آیا ہوں''۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی احساس کی ترجمانی کی تھی کہ:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

گویا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ بلبل گلستانِ نبوت تھے، جسے فقط عشق مصطفیٰ کی خوشبو دلآویز لگتی تھی اور آپ کی فدا کاری ایک ایسے پروانے کی صورت تھی جو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع پُر نور پر جان دینا عشق و ارادت مندی کا اوّلین تقاضا سمجھتا ہو۔ واقعہ معراج کے سلسلہ میں آپ کی گواہی بھی تاریخ عشق و عقیدت کے زرنگار ایوانوں میں جگمگا رہی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم معراج کی شب عرشِ اعلیٰ کی سیر اور دیدارِ خداوندی سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے تو کفار مکہ نے آپ کی زبان فیض ترجمان سے معراج کے سفر کی داستانِ شوق سن کر آپ کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں چند با اثر رؤسائے مکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس

marfat.com

پہنچے اور کہا کہ کیا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص زمینوں آسمانوں کی سیر اتنی مختصر مدت میں کر آئے کہ اس کا بستر بھی گرم رہے اور زنجیر در بھی ہلتی رہے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ شخص کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ وہ شخصیت حضور پُرنور سید یوم النشور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو کسی قسم کی ہچکچاہٹ تامل اور غور و فکر سے کام لئے بغیر فوراً یہ کہہ کر عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی لاج رکھ لی کہ:

"اگر میرے آقا کہتے ہیں تو پھر سچ کہتے ہیں اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں"

آپ کی یہ تصدیق عشق و عقیدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی سرخروئی کا سامان پیدا کر گئی کہ:

فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول قولِ فیصل کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ ہر آن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا جوئی کے طالب رہتے تھے' کیونکہ وہ اس حقیقت سے بہرہ ور تھے کہ خوشنودئ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے خداوندی کے حصول کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں سے کوئی ارشاد سن کر اس سے سرِ مو انحراف آپ کیلئے ممکن ہی نہیں تھا۔ تعمیل حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان آفرین مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا' جب مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ کو جھوٹے مدعیان نبوت کے استیصال کیلئے عساکر اسلام کو میدان جہاد کی سمت روانہ کرنا پڑا۔ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی وفات اقدس کے بعد مسلمانوں پر بہت کٹھن وقت آیا' کئی جھوٹے مدعیان نبوت نے اعلانِ نبوت کر کے صورتحال سے فائدہ اُٹھانا چاہا' کئی قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی بند کر دی' مختلف شورشیں سر اُٹھانے لگیں۔ ایسے عالم میں بھی آپ کو فقط یہی یاد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے قبل ایک لشکر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کرنے والے تھے' جب آپ نے حکم رسالت کی تعمیل میں فوج کو روانہ کرنا چاہا تو آپ کے مشیرانِ باتدبیر اور کئی درد مند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صورت حالات کی نزاکت کا واسطہ دے کر آپ کو مصلحت اندیشی کے نام پر لشکر اسلام کی مدینہ سے روانگی سے باز رکھنا چاہا مگر آپ نے عزم صمیم کے ساتھ یہ فرما کر تمام اندیشوں کا خاتمہ کر دیا کہ:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے اختیار و قدرت میں میری جان ہے' اگر مجھے جنگل کے درندے اُٹھا کر لے جائیں' تب بھی میں جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر کے رہوں گا۔ اسے خود

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمانے کا حکم جاری کیا تھا۔ اگر مدینہ میں میرے علاوہ کوئی اور شخص بھی میری حمایت کیلئے موجود نہ رہے' تب بھی میں اپنے آقا و مولا کے حکم اقدس کی تعمیل کر کے رہوں گا''۔

غیر معمولی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فکر آفریں منظر اس وقت بھی تاریخ کی زینت بن رہا تھا' جب غزوہ بدر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کی طرف سے اور آپ کے ایک بیٹے کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ جنگ تمام ہوگئی اور آپ کے وہ بیٹے بھی ایمان لے آئے تو ایک دن انہوں نے غزوۂ بدر کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے باپ سے عرض کیا کہ ''ابا جان! دورانِ جنگ میں آپ کئی مرتبہ میری تلوار کی زد میں آئے مگر ہر بار محبت پدری مجھ پر غالب آ گئی اور میں نے آپ پر تلوار چلانے سے گریز کیا''۔ بیٹے کی زبان سے یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوٹوک انداز میں فرمایا:

''مجھے قسم ہے رب ذوالجلال کی اگر تم ایک بار بھی میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فوراً تمہاری گردن اُڑا دیتا''۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے — لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی غیر معمولی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا' جس کی بدولت روحانی لحاظ سے آپ مقامات بلند پر فائز بھی ہوئے اور آپ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عالم اسلامی کی اوّلین خلافت کی ذمہ داری بھی عطا ہوئی۔ عشق رسالت کا دعویٰ جس قدر آسان ہے' اس کی عملی تفسیر اسی قدر مشکل ہے اور تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جن تقاضوں کو قبول کیا تھا' زندگی کی آخری ساعتوں تک ان سے بصد حسن عمل عہدہ برآ ہوتے رہے۔ آج ہم مادیت پسندی کی زد میں بہتے ہوئے جادۂ مستقیم سے بھٹک چکے ہیں۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ظلمت وقت میں علم و آگہی کے چراغ روشن کرنے کیلئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لازوال عشق رسول کے تقدس کو عملی و فکری لحاظ سے دل و جان میں بسایا جائے۔ ہم اپنی اس تحریر کا اختتام اس حدیث نبوی پر کر رہے ہیں:

فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے

''اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ تمام اہل زمین کے ایمان کا وزن کیا جائے تو ابوبکر کا پلّہ ان سے بھاری رہے گا''۔

marfat.com

اُسوۂ فاروق اعظم اور قرونِ اولیٰ کی ایک جھلک

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا

مسلمان قوم زوال پذیر کیوں ہے؟ اس کا مستقبل کیوں محفوظ نہیں ہے؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ ہم میں اسلاف سا ایمان مفقود ہے۔ ہمارا سوچ وفکر کا زاویہ اس قدر پست ہو چکا ہے کہ ہم نے اپنے آباؤ واجداد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے انسانی سیرت وکردار کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا تھا' تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ مساوات کے حامی تھے' عدل وانصاف کے قائل تھے' دنیا ان سے سبق لیتی تھی۔ ان کے آباؤ واجداد نے راہزنوں کو راہ سکھائی' بت پرستوں کو حق سے روشناس کرایا' راستہ سے بھٹکے ہوؤں کیلئے وہ مشعل راہ ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ایک قوم کی تاریخ اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے' یہی عدل وانصاف کے متعلق تاریخ کے چند صفحات کی نقاب کشائی کرتا ہوں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سیدا لانصار' ابی بن کعب فائز ہیں۔ عدالت باوقار طریقہ سے انصاف کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔ ایک شخص پکارتا ہے ''عباس بن عبدالمطلب حاضر ہوں'' (عم رسول)

ابی بن کعب (قاضی شہر) ''ابوالفضل! (حضرت عباس کی کنیت) ادھر آیئے''۔

حضرت عباس قریب آتے ہیں

ابی بن کعب: ''ابوالفضل! آپ کا دعویٰ کس شخص پر ہے؟''

حضرت عباس: ''میرا دعویٰ امیر المومنین حضرت عمر پر ہے'۔

marfat.com

ابی بن کعب پکارتے ہیں: ''کیا امیر المومنین یہاں موجود ہیں؟''

خادم: ''نہیں حضور!''

ابی بن کعب: ''جاؤ انہیں فوراً عدالت میں بلا لاؤ''۔

خادم: بہت بہتر! (جانے لگتا ہے)

ابن بن کعب: ''امیر المومنین جس حالت میں ہوں فوراً بلا لایئے''۔

خادم: آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی (چلا جاتا ہے)

...............O...............

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دربار لگائے بیٹھے ہیں اور مہاجرین کے سر بر آوردہ اصحاب ان کے پاس موجود ہیں۔ کسی جگہ حملہ کرنے کے متعلق مشورہ کیا جا رہا ہے۔ اتنے میں ابی بن کعب کا خادم پہنچتا ہے۔

ایک شخص: یہ تو قاضی ابن کعب کا خادم معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا: شاید ہم میں سے کسی کی طلبی ہوئی ہے۔

خادم مجمع سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے' کئی اشخاص اس سے کچھ دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ خاموشی سے امیر المومنین کے سامنے جا کر مؤدبانہ طریق سے کھڑا ہو جاتا ہے۔

امیر المومنین: ''کہاں سے آ رہے ہو بھئی!''

خادم: ''قاضیٔ مدینہ ابی بن کعب کی طرف سے''

امیر المومنین: ''کس کی طرف آئے ہو؟''

خادم: ''آپ کی سمت۔ آپ کو انہوں نے عدالت میں طلب کیا ہے''۔

امیر المومنین: ''کیوں کیا معاملہ ہے؟''

خادم: ''میرا فرض مجھ کو اجازت نہیں دیتا' اس لئے میں آپ کو نہیں بتا سکتا''۔

امیر المومنین: ''تم چلو میں آتا ہوں''۔

خادم: ''نہیں انہوں نے آپ کو اسی وقت طلب فرمایا ہے''۔

امیر المومنین خاموشی سے اُٹھتے ہیں اور خادم کے ساتھ روانہ ہو جاتے ہیں۔

...............O...............

ابن بی کعب: مسند قضا پر بیٹھے ہیں۔ حضرت عباس سامنے کھڑے ہیں' ایک خادم آتا ہے۔

marfat.com

ابی بن کعب: ''لے آئے امیر المومنین کو؟''

خادم: ''لے آیا ہوں عالیجاہ۔ دروازے کے باہر کھڑے ہیں''۔

''ابی بن کعب: جاؤ انہیں لے آؤ''۔

امیر المومنین باوقار انداز سے چلتے ہوئے آتے ہیں اور السلام علیکم کہہ کر ابی بن کعب کے قریب ہی بیٹھ جاتے ہیں۔

ابی بن کعب: ''اُٹھیے یہاں سے' اس وقت یہاں آپ امیر المومنین نہیں بلکہ صرف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں''۔

(حضرت عمر وہاں سے اُٹھ کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں)

ابی بن کعب: (حضرت عباس سے) کہئے ''ابوالفضل کیا معاملہ ہے؟''

حضرت عباس: جناب میرے مکان کا پرنالہ شروع ہی سے مسجد نبوی کی طرف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی وہیں تھا مگر ......

حضرت عمر: (بات کاٹ کر) ''ٹھہریئے ابوالفضل!''

ابی بن کعب (غصہ سے) ابن خطاب آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں' پہلے مدعی کو اپنا بیان ختم کر لینے دیجئے۔

حضرت عباس: (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) ''مگر امیر المومنین (اشارہ کر کے) نے اسے اکھاڑ دیا ہے۔ مجھے تکلیف پہنچی ہے' میرا انصاف کیجئے''۔

ابی بن کعب: ''تمہارا انصاف ضرور ہو گا۔ ابن خطاب! آپ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

حضرت عمر: ''ابوالفضل نے سچ کہا ہے' میں اپنا قصور تسلیم کرتا ہوں''۔

ابی بن کعب: ''ابن خطاب آپ نے قصور تسلیم کر لیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے مالک مکان کی اجازت کے بغیر کیوں یہ کام کیا۔ آپ کو کیا حق تھا؟''

حضرت عمر: جناب میں نے کوئی ناواجب حرکت نہیں کی۔

ابی بن کعب: کیسے؟

حضرت عمر: ''جب پرنالہ سے پانی گرتا تھا تو نمازیوں کے کپڑوں پر چھینٹیں پڑتی تھیں''۔

ابی بن کعب: ''ابوالفضل آپ اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں؟''

marfat.com

حضرت عباس: ''یہ پرنالہ میں نے خود نہیں لگایا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی تھی اور جب میں یہ پرنالہ لگانے لگا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں ان کے کندھوں پر سوار ہو کر لگاؤں۔ میں نے ادباً انکار کیا مگر اصرار پر مجھے تعمیل کرنا پڑی''۔

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے سبھی آبدیدہ ہو جاتے ہیں' حضرت عمر بھی پشیمان نظر آتے ہیں)

ابی بن کعب: ''ابوالفضل! اس واقعہ کے گواہ لا سکتے ہو؟''

حضرت عباس: بہت سے انصاری گواہ ہیں۔

ابی بن کعب: ''جائیے انہیں بلا لائیے''۔(حضرت عباس چلے جاتے ہیں)

..................O..................

تھوڑی دیر بعد مقدمہ کی کاروائی شروع ہوتی ہے۔ قاضی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک طرف امیر المومنین ہیں تو دوسری طرف شاہِ دو جہاں کے عم مکرم۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کو لے کر آ جاتے ہیں۔

ابی بن کعب: '' آ گئے ہو ابوالفضل''۔

حضرت عباس: ''اور گواہ بھی لے آیا ہوں''

ابی بن کعب: (ایک انصاری سے) ''تمہیں معاملہ کا علم ہے؟''

انصاری: ''جی ہاں''

ابی بن کعب: ''اور تم گواہی دیتے ہو کہ ابوالفضل سچے ہیں''۔

انصاری: ''میں اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے خود ابوالفضل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ اقدس پر سوار ہوتے دیکھا ہے''۔

ابی بن کعب: (دوسرے انصاری شاہدوں سے) ''اور تم بھی گواہی دیتے ہو''

انصاری: ''ہاں ہم ابوالفضل کے بیان سے متفق ہیں''۔

حضرت عمر پہلے سے زیادہ پشیمان نظر آتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ ان کے سامنے سرور کائنات کا جسم اطہر پھر جاتا ہے' جس پر ابوالفضل نے سواری کی۔ دوسرے ہی لمحہ وہ خلیفہ جس کے نام سے ایوان باطل پر زلزلہ طاری ہو جاتا ہے جس کا شہرہ قیصر و کسریٰ کی نسبت کہیں زیادہ زبان زد عام ہے' لرزہ براندام نظر آتا ہے۔

marfat.com

حضرت عمر: (کپکپاتی آواز میں قاضی سے) "مجھے معاف کر دیجئے' میں حقیقت سے ناواقف تھا"۔

ابی بن کعب: ابوالفضل سے معافی مانگو

حضرت عمر (حضرت عباس سے) "ابوالفضل للہ مجھے معاف کر دیجئے' میں کس قدر گنہ گار ہوں"۔

(چند ثانیے خاموشی رہتی ہے۔ حاضرین کی نظریں بار بار خلیفۂ اسلام کے چہرہ کا طواف کر رہی ہیں۔ حضرت عمر کی آواز آتی ہے)

ابوالفضل: "کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم میرے کندھے پر سوار ہو کر یہ نالہ نصب کرو"۔

حضرت عباس: "مجھے منظور ہے"۔

.................O.................

(تھوڑی دیر بعد تاریخ ایک نیا ورق الٹتی ہے۔ وہ خلیفہ اسلام جس پر اسلام کو ناز ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب اس جگہ رکوع کے بل جھکا نظر آتا ہے' جہاں سے پرنالہ اکھاڑہ گیا تھا)

حضرت عباس: "امیر المومنین کانپئے نہیں ورنہ میں گر پڑوں گا"۔

(اس آواز کے ساتھ ہی حضرت عمر کے جسم سے ظاہری کپکپی دور ہو جاتی ہے۔ گو دل خون کے آنسو رو رہا ہے)

حضرت عباس: "امیر المومنین جسم سنبھالے رکھئے' مجھے نصب کرتے ہوئے کچھ دیر لگے گی"۔

حضرت عمر: "ابوالفضل' قسم ہے مجھے رب کعبہ کی جب تک تم نہ کہو گے عمر اسی طرح جھکا رہے گا"۔

(تھوڑی دیر بعد حضرت عباس کود کر نیچے آجاتے ہیں)

حضرت عمر: "پرنالہ نصب ہو گیا ابوالفضل!"

حضرت عباس: "ہاں ہو گیا' امیر المومنین!"

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گو بدلہ دے دیا ہے مگر شیروں کو دہلانے والا ابھی تک لرز رہا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں)

marfat.com

''امیر المومنین! میں نے بدلہ لے لیا ہے' میری بے ادبی معاف فرمائیے''۔

حضرت عمر: ''خدا کی قسم عمر مسلمان نہیں اگر اس معاملہ میں رنج رکھے''۔

حضرت عباس: ''اور سنئے امیر المومنین! میں اپنا یہ مکان راہِ خدا میں دیتا ہوں۔ آپ گرا کر مسجد نبوی میں شامل کرا دیجئے''۔

حضرت عمر: ''ٹھہر جاؤ' ابوالفضل سوچ کر فیصلہ کرو''۔

حضرت عباس: ''میں نے سوچ لیا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میری اس قربانی کو قبول فرمائے''۔

حضرت عمر: ''آمین''

(اور دوسرے ہی لمحہ وہ بزرگ ہستیاں بغل گیر ہو جاتی ہیں)

marfat.com

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

صاحب دل، شوکت ایمان، عثمان غنی
ہاں وہ داماد شہ ذیشان، عثمان غنی
دے گئی جن کی شہادت زندگی ایمان کو
افتخار بیعت رضوان، عثمان غنی
منبع جود و سخا، وہ پیکر حلم و حیا
جان غیرت، نور قلب و جان، عثمان غنی
ان کی بیعت ہوگئی تھی بیعت شاہ حجاز
ظلمتوں میں نور کی پہچان، عثمان غنی
زندگی بھر دین کے پرچم کو جھکنے نہ دیا
خود اگرچہ ہوگئے قربان عثمان غنی
مظہر صدق و صفا، وہ جانشین مصطفیٰ
نور ایمان، جامع القرآن عثمان غنی
ہاں رضا وہ نازش عشاق سلطان عرب
سربسر اللہ کا احسان عثمان غنی

(محمد اکرم رضا)

marfat.com

امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمانِ غنی بن عفان تاریخ اسلام کا اعزاز ہیں۔ آپ کی ذات کئی حوالوں سے محترم ہے۔ آپ کا شمار اسلام لانے والے اوّلین صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے اسلام قبول کر کے بے پناہ صعوبتوں اور مصائب کا سامنا کیا۔ آپ ا حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی جانب دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ ثالث منتخب کیا گیا۔ آپ نے جمع قرآن اور تمام عالم اسلام کو قرآن کی قرأت اور تفہیم کے حوالے سے ایک مقام پر جمع کیا۔ ورنہ اُمت اسلام میں بہت بڑا فتنہ رونما ہو چکا ہوتا۔ آپ نرم مزاج خوش خو، حلیم طبع اور حیا و شرم کا پیکر تھے۔ آپ کا یہ اعزاز آپ کو ہمیشہ امتیازی حیثیت عطا کرتا رہے گا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگر اپنی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ، سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہما آپ کے نکاح میں دیں۔ اس حوالے سے آپ ذوالنورین کہلائے۔

نور کی سرکار سے پایا دو شالا نور کا
ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت عثمانِ غنی کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ اروی بنت کریز ہیں اور نانی اُم حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں اور آنحضرت کے والد عبد اللہ کی توام بہن (انساب الاشراف) ان کی کنیت ابو عمر اور ابو عبد اللہ اور بقول بعض ابویعلیٰ بھی) تھی۔ ...... حضرت عثمانِ رضی اللہ عنہ کی ولادت عام الفیل کے چھ سال بعد ۵۷۶ عیسوی میں ہوئی۔ گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں چھ سال چھوٹے تھے۔ ان کا شمار ان معدود سے چند افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی کتابت وحی پر مامور فرمایا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد (سیکرٹری) کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ بڑے سلیم الفطرت تھے۔ دورِ جاہلیت کی کسی برائی سے ان کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ شرم و حیا

marfat.com

ان کے اخلاق عالیہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد امتی حیاء عثمان بن عفان ابن حجر الہیتمی نے اصواعق المحرقۃ میں ان عنوان پر بہت سی احادیث جمع کی ہیں۔ اُمت مسلمہ میں کامل الحیاء والایمان کے الفاظ انہیں کی شان میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ جوان ہونے پر انہوں نے معززین قریش کی طرح پیشہ تجارت کو اپنایا اور اپنی صداقت و دیانت اور امانت و راست بازی کی بدولت تجارت میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ وہ مکے کے معاشرے میں ایک ممتاز و معزز اور دولت مند تاجر کی حیثیت سے مشہور و معروف تھے اور ''غنی'' کے لقب سے پکارتے جاتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار اسابقون الاولون' عشرہ مبشرہ اور ان چھ اکابر صحابہ میں ہوتا ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام زندگی خوش رہے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا (رک باں) کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ یہ نکاح منشائے الٰہی کے مطابق تھا۔ (الاصابۃ) شعبان ۹ ھ میں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میری کوئی لڑکی اور بھی ہوتی تو وہ میں عثمان سے بیاہ دیتا''۔ ابن الاثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ رویت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ لوگوں نے ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''وہ ایک ایسے شخص تھے' جنہیں ملا اعلیٰ میں 'ذوالنورین'' کہہ کا پکارا گیا۔ یہ اس لئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کے خاوند تھے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ وہ ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذوالقعدہ ٦ ھ میں اہل مکہ کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ اسی کے نتیجے میں ''بیعت رضوان'' اور صلح حدیبیہ کے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال چودہ سو مسلمانوں کی بیعت میں عمرے کا ارادہ فرمایا اور مکے کی طرف تو روانہ ہو گئے جب آپ مقام حدیبیہ (رک باں) پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش آمادۂ پیکار ہیں اور وہ مسلمانوں کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام صرف زیارت حرم کیلئے تشریف لائے تھے اور جنگ

marfat.com

کرنا آپ کا مقصد نہ تھا چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی اور معزز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جگہ اسے بھیجتے۔ مکہ معظمہ میں قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ اس خبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فکر مند ہو گئے۔ مسلمانوں کو سخت رنج پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک ہم ان لوگوں سے جنگ نہ کر لیں' یہیں رہیں گے۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جانبازی کی بیعت لی۔ (الطبری) اسی کو تاریخ میں اسلام ''بیعت الرضوان'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا ''ہذا العثمان'' یہ ایسا اعزاز ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ (۲۸ الفتح: ۱۸) میں اسی واقع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عثمان کی بیعت' حضرت عمر کی تدفین کے تین دن بعد محرم ۲۴ھ نومبر ۶۴۴ء میں ہوئی۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود نے بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقع پر کہا ''بایعنا خیرنا'' ہم نے اپنے میں سے بہترین شخص کی بیعت کی ہے۔

خلافت عثمانی میں جو بارہ سال سے عرصے پر محیط ہے۔ ایسی عظیم الشان فتوحات' حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں' جن کی نظیر اس سے بیشتر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان فتوحات کا سہرا ان کے عہد کے سپہ سالاروں حضرت ولید بن عقبہؓ حضرت سعید بن العاصؓ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے سر تھا۔ اس زمانے میں اسلامی مملکت کے دائرے میں بڑی وسعت ہوئی اور اس کی حدود سندھ سے لے کر اندلس تک جا پہنچیں۔ اسلامی افواج نے اس عہد میں بڑی جنگوں کے علاوہ بحری قوت کا مظاہرہ بھی کیا اور قبرص اور روڈس کے جزائر فتح کئے۔ ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا۔ حالانکہ اس سے بیشتر ان کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو سمندری راستے سے اتنی دور جا نکلے کہ ۲۲ھ میں آبنائے قسطنطنیہ (باسفورس) تک جا پہنچے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تاجر اور حد درجہ فیاض اور فیاض تھے۔ ان کا مال ہمیشہ اسلامی رفاہی کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ خصوصاً غزوات کے موقع پر بہت کام آتا تھا۔ مدینہ منورہ میں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ ایک یہودی سے بیس یا تیس

marfat.com

ہزار روم میں خرید کر عام مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ آنحضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ کو مسلمانوں کیلئے وقف کر دینے والے شخص کیلئے جنت کی بشارت دے کر ترغیب دلائی تھی۔

بعد میں انہوں نے اور بھی متعدد کنویں کھدوائے اور مسلمانوں کیلئے وقف کئے مثلاً بئر سائب' بئر عامر اور بئر اریس' براریس وہی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی جو یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کی زینت بنی رہی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گر پڑی۔ کنویں کا سارا پانی نکال دیا گیا لیکن انگوٹھی نہیں ملی۔ عہد نبوی میں نمازیوں کی کثرت کے باعث جب مسجد نبوی کی توسیع کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کے قریب واقع ایک زمین کا ٹکڑا خرید کر وقف کر دیا۔ غزوۂ تبوک قحط سالی کے زمانے میں پیش آیا۔ اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑھ چڑھ کر مالی امداد فراہم کی۔ اس لشکر کو ''جیش العسرۃ'' کے نام سے پکارا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سامان رسد کیلئے ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار خدمت نبوی میں پیش کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش ہوئے کہ دیناروں کو دست مبارک پر اچھالتے تھے اور فرماتے ما ضر عثمان ما عمل بعد ہذا الیوم'' آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کچھ بھی کریں ان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔

سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ جو خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں سرانجام پایا وہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے عالم کو اسلام کو متفق کر دینا خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔ ابن حجر الہیتمی لکھتے ہیں ''انما تمیز عثمان' بجمع القرآن فی الصحف علی ترتیبه الیوم'' (الصواعق المحرقۃ) یہی وہ شاندار کارنامہ ہے جس کی بناء پر ان کا لقب ''جامع القرآن'' اُمت میں مشہور ہوا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''ومن مناقبه الكبار و حسناته العظيمة انه اجمع الناس على قرأة واحدة''

روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ مصحف کی سات نقلیں کروائیں اور مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' شام' یمن' بحرین' بصرے اور کوفے میں ایک ایک نسخہ محفوظ کیا گیا۔ (جمع قرآن مجید کی پوری تفصیل البخاری اور فتح الباری ابواب جمع قرآن میں موجود ہے) مصحف عثمانی کے مندرجہ بالا نسخوں میں سے ایک وقت چار نسخے دنیا میں

marfat.com

محفوظ ہیں۔

۱۔ حجرۂ نبوی کا نسخہ ۲۔ خزانہ آثار مدینہ، استانبول

۳۔ کتاب خانہ مصری ۴۔ کتاب خانہ ماسکو

آپ زندگی بھر ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عامل رہے۔

آپ کے ایک خطبہ سے چند سطور ملاحظہ ہوں۔

''مجھے لوگوں نے مکلف بنایا ہے اور میں نے یہ ذمے داری قبول کر لی ہے۔ یاد رکھو! میں اتباع کرنے والوں میں سے ہوں، بدعتی نہیں۔ یاد رکھو! مجھ پر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہاری نسبت سے تین باتیں واجب ہوں گی، تم سے اُن باتوں پر عمل کرانا جو تم میری خلافت سے قبل اجتماعی طور پر قبول کر چکے ہو، اور اُن پر عمل کرتے رہو۔ دوسری چیز اہل خبر کی سنت ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں کوئی حکم قرآنی نہیں، تیسرے یہ کہ تم سے (جبراً) کچھ نہ لینا جب تک تم سزا کے طور پر اس کے مستوجب نہ ہو''۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآنی سیاست کی آئینہ دار تھی۔ جہاں تک اسلامی معاشرے کی تشکیل و تنظیم اور داخلی نظم و نسق کا سوال ہے، اس کا آغاز دورِ فاروقی میں ہو چکا تھا اور جو لائحہ عمل تجویز کیا جا چکا تھا۔ اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ مرکزی نظام مملکت اور صوبائی نظم و نسق باضابطگی سے چل رہا تھا۔ ابن جیر طبری کے بیان کے مطابق اس وقت مملکت اسلامیہ کی صوبائی تنظیم سیاسی اعتبار سے مندرجہ ذیل تھی

۱۔ مکہ ۲۔ طائف

۳۔ صنعاء ۴۔ نجد

۵۔ کوفہ ۶۔ بصرہ

۷۔ مصر ۸۔ حمص

۹۔ دمشق ۱۰۔ بحرین

ان تمام صوبوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحیثیت والیان صوبہ متعین تھے۔ تمام والیانِ صوبہ دینی، سیاسی و اقتصادی امور میں ماہر تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حدود ایران، خراسان، روم مصر اور لیبیا تک پھیلی ہوئی تھی اور ہر جگہ ایک قانون ایک دین اور ایک ہی نظام حکومت رائج تھا۔ اس وسیع مملکت کی

marfat.com

حفاظت اور مزید وسعت کیلئے ایک زبردست تربیت یافتہ فوجی نظام بھی موجود تھا۔ سرحدوں کے تحفظ کیلئے اہم مقامات میں مستقل فوجی مرکز قائم تھے۔ ملکی تنظیم اور سیاسی آپ ہی ...... جستہ تقریر و خطابت کا زیادہ ملکہ نہ تھا لیکن آپ کی تقریر ہمیشہ نہایت مختصر صریح و موثر ہوتی۔

اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

''لوگو! بعض حرص وطمع احتیاج محض ہے اور نا اُمیدی تونگری و بے نیازی کے مترادف ہے۔ تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جن سے متمتع نہیں ہو سکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہو سکتیں تم لوگ اس دھوکے کے گھر میں ایک مقرر وقت کیلئے چھوڑے گئے ہو''۔

ارشادات رسول

امام احمد (مسند احمد) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ''ایک دن حضور طلوع شمس کے بعد تشریف لائے اور فرمایا میں نے (خواب) دیکھا ہے مجھے ترازو دی گئی، مجھے ایک پلڑے میں رکھا گیا اور میری اُمت دوسرے پلڑے میں رکھی گئی پھر وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ لائے گئے اور انہیں تولا گیا وہ ساری اُمت کے برابر ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ لائے گئے ان کا وزن کیا گیا وہ ان سب سے ہم وزن رہے۔ پھر حضرت عثمان لائے گئے۔

ایک روایت میں ہے فرمایا ''یہ عثمان بہت زیادہ صاحب حیاء ہیں۔ مجھے خوف تھا کہ اگر انہیں اسی حالت میں حاضر ہونے کی اجازت دے دیتا تو وہ مجھے نہ مل سکتے اور جو بات اُنہیں کہنی تھی، نہ کہہ سکتے۔ یعنی میری نہ پنڈلیوں کو کھلا دیکھ کر غلبہ ادب اور غایت حیا سے واپس چلے جاتے۔

ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے ہم مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک مکان میں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے ہر شخص اپنے کفو کے ساتھ کھڑا ہو جائے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے بغل گیر ہونے اور فرمایا تم دنیا اور آخرت میں میرے دوست ہو۔

............o............

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق یعنی جنت میں عثمان ہے'' (ترمذی وابن ماجہ)

marfat.com

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ پر تشریف لائے تا کہ نماز جنازہ پڑھائیں لیکن آپ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی، عرض کیا گیا اس سے قبل ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھائی ہو، فرمایا یہ "عثمان" سے بغض رکھتا تھا۔ لہٰذا اللہ عزوجل اس کو مبغوض رکھتے ہیں"۔

............o............

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اتنا ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے نہیں دیکھا کہ آپ کی بغل مبارک ظاہر ہو جائے۔ مگر عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کیلئے جب دعا فرماتے تھے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا "اوّل شب سے طلوع فجر تک ہاتھ اُٹھا کر عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے دعا ارشاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے پروردگار میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں۔ آپ بھی راضی ہو جائیں"۔

اور ایک روایت میں ہے عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے خفیہ ظاہر سب گناہ معاف فرما دیئے جو تجھ سے ہو چکے تا قیامت تک ہوں گے"۔

خوفِ خدا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے۔ موت قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ اُنہیں دیکھ کر آپ بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے"۔

خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحائف و ہدایا اور اموال و رقوم پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ چار دن تک آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

marfat.com

فقر و فاقہ سے بسر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامان خورد و نوش اور تین سو درہم لا کر بطور نذر پیش کیا۔

احترام رسول

وفا و محبت اور صدق و صفا کا ایک مظہر و ثبوت محبوب کا احترام اور اس کے متعلقین کا احترام ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی' پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔ اہل بیت نبوی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کا خاص طور سے پاس و خیال تھا۔ چنانچہ اپنے عہد خلافت میں جب اصحاب و ظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو ازواج مطہرات کا روزینہ سب سے گرانقدر تھا۔

بارگاہِ نبوت میں توقیر و تعظیم

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جگہ تشریف فرما تھے' جہاں پانی تھا (بئر اریس کے کنارے) آپ نے دونوں زانوں زانو یا ایک زانو مبارک کھول رکھا تھا۔ جب (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو آپ نے زانو کو ڈھانپ لیا۔

ایک اور موقع سے متعلق انہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ سیدھے بیٹھ گئے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے آپ کی رانیں مبارک یا پنڈلیاں مبارک کھلی ہوئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی اور وہ بھی اسی طرح بات چیت کرتے رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے مگر آپ نے پروانہ فرمائی اور نہ ہی حرکت فرمائی پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے مگر آپ نہ تو اُٹھے اور نہ ہی پروا کی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنا کپڑا ٹھیک فرمایا تو آپ نے فرمایا کیا میں ....

محبت رسول

آپ کو حضور پاک سے جو والہانہ اُلفت و محبت اور بے تابانہ دل بستگی شیفتگی تھی اس کا اندازہ

marfat.com

اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہ کو رشک ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اُمید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچاتے رہے' جب واپس ہونے لگے تو قریش نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہوئے ہو' تم طواف کرتے جاؤ' انہوں نے جواب دیا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کرلوں' قریش کو اس جواب پر غصہ آیا' جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان کو روک لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ذوالنورین کی قلبی محبت و وابستگی اور دلی ربط و تعلق ایک اور ثبوت یہ ہے کہ جب بئر اریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو انہوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ...... دن تک اسے تلاش کیا کنویں کا سارا پانی نکال ڈالا مگر انگوٹھی نہ ملی۔

ان کے عہد خلافت میں تہذیب و تمدن' صنعت' تجارت اور علوم و فنون کو بھی ترقی ہوئی۔ دولت و ثروت اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں اور خوشحالی عام ہوگئی۔ اسی زمانے میں قدیم بازاروں کے علاوہ نئے بازار بھی تعمیر کیے گئے اور عائد قریش حجاز سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پہنچ گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اسلامی خدمات کا تذکرہ بڑا طویل ہے۔ ان کی ایک اہم خدمت مسجد الحرام کی توسیع ہے۔ جو ۲۶ھ میں کی گئی۔ اس مقصد کیلئے آس پاس کے مکانات خرید کردہ جگہ مسجد میں شامل کر دی گئی۔ (الطبری)

۲۹ھ میں انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرائی۔ اس کام میں پورے دس ماہ صرف ہوئے۔ عمارت کیلئے چونا اور منقش پتھر استعمال کیے گئے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں مسجد نبوی کا طول ایک سو چالیس گز اور عرض ایک سو بیس گز تھا۔ اب طول ایک سو ساٹھ اور عرض ایک سو پچاس گز ہو گیا۔ بحری فتوحات کے سلسلے میں بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور پرانی مساجد مزید وسیع کی جائیں۔

marfat.com

اتباع سنت

سیدنا حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ صادق تھے' لٰہذا آپ کے مطیع و منقاد اور آپ کی سنت کے تابع و متبع تھے۔ ذیل میں آپ کی اتباع سنت کے چند جلوے ملاحظہ ہوں:

اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے متبسم ہوئے' لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

ایک دفعہ سامنے سے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا اور کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا۔

عبدالرحمٰن بن ابان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وضو کا پانی لایا' وہ بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے نہایت اچھا وضو کیا۔ پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اسی جگہ بیٹھ کر نہایت اچھا وضو کیا۔ پھر فرمایا جو شخص اسی طرح وضو کر کے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر (فرض نماز کی انتظار میں بیٹھ جائے تو اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں)

بشارت جنت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت عطا فرمائی۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

متواتر اسناد و عرق سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت عطا فرمائی۔۔ انہیں اہل جنت میں شمار فرمایا اور ان کیلئے شہادت کی گواہی دی۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان دس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں' جن کیلئے رسول کریم نے جنت کی شہادت دی ہے اور وہ ان چھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک

marfat.com

ہیں، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کیلئے نامزد فرمایا تھا اور خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وفات ان (چھ) سے خوش تھے۔

حضرت امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان امیر المومنین ذوالنورین، دو ہجرتوں سے مشرف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے زوج اقدس تھے اور آپ ان دس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے، جن کیلئے حضور نے جنت کی شہادت دی اور چھ اراکین شوریٰ میں سے ایک تھے اور پھر ان چھ میں سے جو تین حضرات خلافت کیلئے بچ گئے تھے۔ (تین حضرات دس بردار ہو گئے تھے) آپ ان باقی ماندہ تین میں سے ایک تھے پھر انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم کے اجماع سے آپ خلیفہ منتخب ہوئے۔ پس آپ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور آئمہ مہدیین رضی اللہ عنہ میں تیسرے تھے، جن کی اتباع و اقتداء کا اُمت کو (خدا اور رسول کی طرف سے) امر اور حکم ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے روایت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابوبکر جنت میں ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح جنت میں ہیں۔

شہید مدینہ

آپ نے تقریباً ۱۲ سال حکومت کی پہلے چھ سال نہایت اطمینان اور ریاستی امن و سلامتی سے گزرے مگر آخری چھ سال میں آپ کو شدید شورشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ چاہتے تو .... قوت ان تمام شورشوں کا خاتمہ کر سکتے تھے مگر آپ فرماتے تھے کہ یہ تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ اور میں یہاں خون بہاؤں، یہاں بے گناہ عثمان رضی اللہ عنہ تو شہید ہو سکتا مگر تمام تر حکومتی اختیارات اور قومی قوت ہوتے ہوئے بھی مجھے مسلمانوں کا (خواہ وہ باغی ہی کیوں نہ ہوں) خون بہانا گوارا نہیں۔ آپ ہر طرح طرح کے الزامات لگاتے گئے جن کی کوئی خاص حقیقت نہیں تھی لیکن آپ بھی وضاحت فرماتے رہے۔

اپنے اوپر لوگوں کے کیے گئے اعتراضات کے جواب میں ایک بڑا جامع خطبہ ارشاد فرمایا، جس سے الزامات کی پوری طرح نفی کر دی۔ آپ کا یہ خطبہ زبان و بیان کا ایک منفرد شاہکار ہے۔

marfat.com

لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلئے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گرانقدر عطیے دیتا تھا۔ حالانکہ میں اس زمانہ میں اپنے مال کو وسعت دے رہا ہوں اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں' زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام مال اور سرمایہ اپنے اہل وعیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے کسی شہر پر خرچ کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو اور جو کچھ وصول ہوا۔ انہی لوگوں کی رفاہ اور بہبود پر صرف ہو گیا' میرے پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی میرے لئے کچھ لینا جائز نہیں۔ مسلمانوں نے اس کو میرے مشورہ کے بغیر مستحقین میں صرف کیا۔ یہ مال میں ایک پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میں اس سے کچھ نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ کھاتا بھی اپنے مال سے ہوں۔

ہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افواہوں کو سن کر حالات کی تحقیقات کیلئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف علاقوں کی طرف بھیجا کہ وہ واپس آ کر صحیح صحیح رپورٹ پیش کر دیں۔ (الطبری)

پھر پوری مملکت میں اعلان کر دیا کہ جس شخص کو میرے عمال کی خلاف کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے میں ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا۔

پھر بعض باتوں کی وضاحت خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض خطبات میں کر دی اور نہایت نرمی اور صاف گوئی سے معترضین کی تردید فرمائی۔ ۳۵ھ کے آخر میں شرپسندوں نے مدینے کا رُخ کیا۔ اس زمانے میں' بسبب' حج مدینہ تقریباً خالی تھا۔ ان باغیوں نے پہلے تو امیر المومنین کا مسجد میں آنا جانا دشوار بنا دیا اور پھر ان کے دولت کدے کا محاصرہ کر لیا جو مختلف روایات کے مطابق کم وبیش چالیس دن جاری رہا۔ اس دوران میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کئی بار کان کی چھت پر سے باغیوں کو خطاب فرمایا۔

شورش پسندوں کو نصیحت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ اپنی نیاز مندی کے حوالے دیئے۔ اسلام کی خاطر اپنی خدمات جلیلہ گنوائیں' لیکن اثر کون قبول کرتا۔ انہوں نے باغیوں کو متنبہ کیا'

marfat.com

بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔

باغیوں نے ان سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ بھی کیا۔ کئی صحابہ نے مدینہ منورہ چھوڑ کر مملکت کے کسی اور حصے میں چلے جانے کی رائے دی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا کہ نہ تو میں اس قمیض کو اُتاروں گا جو اللہ نے پہنائی ہے اور نہ جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی ہی اختیار کروں گا۔

ان کی حفاظت کے لئے بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزندوں کو ان کی قیام گاہ کے باہر مقرر کر دیا تھا۔ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم انہیں نوجوانوں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بھی ایک جم غفیر ان کے پاس موجود تھا۔ لوگوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ امیر المومنین انہیں باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیں لیکن انہوں نے منع کر دیا۔

اور فرمایا جس پر میرا کچھ بھی حق ہے میں اسے اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر کو چلا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُمت میں خونریزی اور خانہ جنگی گوارا نہیں تھی۔ آخر میں تو یہ حالت آ پہنچی کہ امیر المومنین کا پانی بند کر دیا گیا، انہیں پتھر مارے گئے، گھر کو آگ لگا دی گئی، سامان لوٹ لیا گیا، لیکن انہوں نے تمام مصائب کو حیرت انگیز صبر و استقلال سے ساتھ برداشت کیا اور اپنی حمایت میں کسی جو جنگ کرنے کی اجازت نہ دی اور اپنے ذاتی تحفظ کیلئے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق اپنی شہادت کا یقین ہو چکا تھا۔ آخری رات انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا ''یا عثمان افطر عندنا''

اے عثمان! ہمارے ساتھ روزہ افطار کرنا، آخر کار یوم الجمعہ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ کو چند باغیوں نے گھر میں داخل ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت شہید کر دیا جب وہ تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ ان جریر کے مطابق امیر المومنین کی لاش کو چند صحابہ نے جن میں حضرات علی بن ابی طالب، طلحہ، زبیر، کعب بن مالک، زید بن ثابت، جبیر بن مطعم اور حزام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ اُٹھایا اور البقیع کی مشرقی جانب حشِ کوکب میں سپرد خاک کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری زمانے میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا، اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ دولت مندی اور تموّل کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ الزام پیدا کر دیئے جو

marfat.com

ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے "مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے، بلکہ تمہاری دنیاوی دولت ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں، تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلے میں ہر جماعت اور ہر فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے جس سے بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت پارا پارا ہو جاتی ہے اور انسان اپنی ذاتی اغراض کا غلام ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے در پے اور فتنہ و فساد پر آمادہ بلوائیوں سے سچ فرمایا کہ اگر تم نے میرے خون سے ہاتھ رنگ لئے، تو اُمت اسلام پھر کبھی ایک مرکز پر جمع نہ ہو پائے گی۔ آپ کا یہ ارشاد تاریخ کی صداقت بن گیا۔ آج صدیاں ہونے کو ہیں مگر صدیں بیشتر بھی اور آج بھی ملت اسلام کے ایک ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ ہم فتنہ و فساد، تعصبات اور لسانی و علاقائی وحدتوں میں اُلجھ گئے اور اسلام کی وحدت کو فراموش کر دیا۔

لاکھوں سلام ہوں اس شہید مدینہ پر جس نے اپنے خون سے مدینہ طیبہ کی زمین کو لہو رنگ کر دیا مگر اوروں کا خون بہانا گوارا نہ کیا۔

سلام میں اس ابتدائی دور کے مسلمان پر جو اسلام لانے والوں میں چوتھا مسلمان تھا۔

سلام ہوں اس پیکر سنی ...... جس نے اپنا مال بارہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔

سلام ہوں اس جنت کے حقدار پر کہ جس نے ...... ہائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے جنت کی خوشخبری سنی۔

سلام ہوں اس امیر المومنین پر جس کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ دور دور تک جا پہنچا۔

سلام ہوں اس "ذوالنورین" پر کہ جس کے اعزاز کو کوئی اور چھو نہ سکا۔

سلام ہوں اس بطل جلیل پر جو قبول اسلام سے شہادت تک امن و سلامتی کا پرچم لہراتا تھا۔

سلام ہوں اس صاحب حلم و حیا پر کہ جس کا اسوہ ہر حال میں ہمارے لئے شمع راہ ہے۔

سلام ہوں اس جامع القرآن پر جس کی بصیرت اور فکری روشنی نے قرآن حکیم کو کسی بھی قسم کی رخنہ اندازی سے پاک کر دیا۔

ضوفگن ہے اسما عالی حضرت عثمان کا
ان کی رخشندہ بصیرت شوکت ایمان کا

marfat.com

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ'

جس طرح آفتاب نصف النہار پر ہو تو ذرات ریگزار کو اپنی روشنی کا پرتو بخش دیتا ہے اور ذرات بے مایہ بھی جگمگا اُٹھتے ہیں اسی طرح جب حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مہر عالمتابِ نبوت بن کر کوہِ فاران پر جلوہ گر ہوئے تو آپ کے کردار کی لازوال کرنوں نے ذراتِ ریگزار کی صورت بے مایہ صحرانشینوں کے قلب و جان کو منور کر کے انہیں اقوام عالم میں ممتاز کر دیا' جو بھی آپ کے دامانِ فیوض سے وابستہ ہوا بزم ہستی کی نگاہوں کا ستارا بن گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لقب پایا' حضرت عمر ابن الخطاب کو فاروقِ اعظم کا خطاب ملا' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کامل الحیا والایمان کی سند ملی اور جب سیدنا علی ابن ابی طالب آپ کے دربار گہر بار سے فیضیاب ہوئے تو اسد اللہ الغالب کا اعزاز ان کا مقدر بن چکا تھا۔ کس کس محبّ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ کیا جائے' حق تو یہ ہے کہ:

جس طرف چشم محمد کے اشارے ہوگئے ‏ جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہوگئے

ولادتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳ رجب المرجب بروز جمعۃ المبارک عام الفیل کے تیس سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عبدالعزیٰ کے چند لوگوں کے ساتھ مسجد بیت الحرام میں تشریف فرما تھے کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ' کی والدہ فاطمہ بنت اسد وہاں تشریف لائیں۔ جب وہ مصروفِ طواف ہوئیں تو چوتھے چکر میں چلنے کی قوت نہ رہی' دردِزہ نے شدت اختیار کر لی تو آپ بے اختیار ہو کر پکاریں:

"اے رب کعبہ بحرمت کعبہ اس ولادت کو مجھ پر آسان کر"

یکلخت دیوارِ کعبہ شق ہوئی اور فاطمہ بنت اسد کعبے کے اندر تشریف لے گئیں اور وہاں موجود افراد کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو اندرونِ کعبہ تلاش کیا مگر آپ نہ ملیں۔ چوتھے روز آپ اسی کعبہ سے باہر تشریف لائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گود میں

marfat.com

لئے ہوئے تھیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خبر ملی تو آپ نے اپنے چچا اور چچی سے فرمایا کہ اس کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت ابو طالب نے کہا کہ میں نے اس کا نام زید اور اس کی والدہ نے اسد رکھا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس کا نام علی رکھو جو عالی ہمتی کی خبر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ نے عرض کیا خدا کی قسم مجھے غیب سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ فاطمہ اس کا نام ''علی'' رکھ مگر میں نے اس کو چھپایا تھا۔

قبولِ اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اوّلیت حاصل ہے کہ آپ نے نوعمر لڑکوں میں سے سب سے پہلے دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر ابھی دس سال ہی کی تھی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب کی طرف سے اعلانِ نبوت کا حکم عطا ہوا اور اس کے ساتھ ہی نماز بھی فرض ہوگئی۔ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حیرت سے اس نئے منظر کو دیکھا اور اپنے بزرگ بھائی سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یہ سب کیا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید، اپنے منصب نبوت اور نماز وغیرہ کے بارے میں بتایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ایک دن کے غور وفکر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ دامانِ نبوت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وابستہ ہو چکے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ تیسرے فرد تھے۔

اشاعتِ اسلام میں معاونت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلانِ نبوت فرما چکے تو آپ تین سال تک خفیہ طریق سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ عام اجتماعات سے خطاب کرنے کے بجائے آپ مخصوص افراد سے ملاقاتیں کرتے اور انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دیتے۔ اعلانِ نبوت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اَب آپ خفیہ طور پر نہیں بلکہ اعلانیہ طور پر تبلیغ کیجئے اور اس کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیجئے۔

حکم ربانی کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے

marfat.com

لوگوں کو جمع کیا۔ انہیں توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کو ارشاد فرمایا لیکن ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بدتمیزی کی' جس سے مجمع منتشر ہو گیا۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اے بنو عبدالمطلب میں تمہارے سامنے دُنیا اور آخرت کی بہترین نعمتیں پیش کرتا ہوں۔ بتاؤ اس معاملہ میں کون میرا ساتھ دے گا؟ آپ کی یہ بات سن کر جملہ عزیز خاموش رہے۔ فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز اُبھری' انہوں نے پُرعزم لہجے میں کہا:

''اگرچہ میری عمر سب سے چھوٹی ہے' میری آنکھیں دُکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں لیکن میں اسلام کی راہ میں آپ کا ساتھ دوں گا''

چھوٹی سی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قبولیت اسلام کا اظہار اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے معاونت کا اعلان آنے والے ادوار میں آپ کی انتہائی سعید بختی کا سبب ثابت ہوا۔

ہجرت رسول ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانثاری

جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا منصوبہ بنا لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم ملا۔ رات کا وقت تھا' آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہونا چاہتے تھے مگر آپ کے پاس اہل مکہ کی امانتیں تھیں' جنہیں لوٹانا ضروری تھا۔ کفار نے چاروں طرف سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اہل مکہ کی بہت سی امانتیں ہیں' جنہیں واپس لوٹانا ضروری ہے' تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ' صبح جب تم یہ امانتیں حقداروں کے سپرد کر چکو تو مدینہ چلے آنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم مصطفوی کی اطاعت میں ذرا بھر بھی تامل نہیں کیا اور بے خوف وخطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے۔ صبح جب کفار تلواریں سونت کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں آئے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانثار آپ کے بستر پر سو رہا ہے۔ دل و جان مطمئن' لبوں پر کفار کیلئے خندۂ استہزاء' کفار کی دھمکیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش پیدا نہ کر سکیں اور آپ جملہ امانتیں حقداروں میں تقسیم کر کے تین چار یوم بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق مدینہ کو ہجرت کر گئے۔

دلیری و شجاعت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہایت شجاع' بہادر' جواں مرد اور دلیر تھے۔ آپ کی شجاعت و

marfat.com

دلیری ضرب المثل میں ڈھل چکی ہے، جس دشمن کے مقابلے میں میدان میں اُترے، اس سے کبھی شکست نہ کھائی، ہر معرکے میں آپ کو اپنے حریف پر فتح کامل عطا ہوئی۔ آپ تلوار کے دھنی، جنگ آزما اور حرب وضرب کے ماہر تھے۔ علامہ اقبال نے آپ کی شجاعت کو عالم اسلام کا افتخار قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

آپ کی تیغ بے نیام جب کفار کے خلاف نیام سے باہر آتی تھی تو غلبۂ اسلام کا احساس دلائے بغیر نہیں رُکتی تھی۔ آپ میدانِ جہاد میں دشمنوں پر ہمیشہ بڑھ چڑھ کر وار کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں آپ نے بہادری و دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن دنگ رہ گئے۔ اس دَور میں دستور تھا کہ پہلے متحارب فوجوں کے بہادر افراد باری باری مقابلہ کیلئے نکلتے تھے اور پھر عام جنگ شروع ہوتی تھی۔ کفار کی طرف سے عتبہ، ولید اور شیبہ مقابلے کو نکلے جبکہ مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم مقابلہ میں آئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو مار گرایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو تہ تیغ کر دیا، ان کے برعکس شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا تو حضرت علی تلوار سونت کر آگے بڑھے اور ایک ہی ضرب کاری سے شیبہ کو فنافی النار کر دیا۔ اس معرکہ کے علاوہ آپ نے غزوۂ احد، غزوہ خندق، بنو نضیر اور بنو قریضہ سے جنگ، بنو سعد کی سرکوبی اور معرکہ خیبر میں بھی ایمانی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

خیبر کا معرکہ بالخصوص سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خداداد شجاعت کا مظہر ہے۔ جب کئی روز تک لڑائی کے باوجود قلعۂ خیبر فتح نہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔

اگلے روز جملہ اصحاب رسول منتظر تھے کہ یہ جھنڈا کس خوش بخت کو عطا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جملہ صحابہ کی طرف دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا کہ ان کی آنکھیں دُکھتی ہیں، وہ بیمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں پر لگا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لعاب دہن لگنے کی دیر تھی کہ درد جاتا رہا اور پھر کبھی آنکھوں کو تکلیف لاحق نہ ہوئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم خاص عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا پھر ان سے جنگ کرنا۔

marfat.com

☆ اس جنگ میں خیبر کا سردار مرحب آپ کے مقابلے میں اُترا' اسے اپنی طاقت اور شہ زوری پر بہت گھمنڈ تھا اس نے اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے اور اس کے معنی شیر کے ہیں۔ یہ کہا اور ایک ہی وار میں مرحب کا خاتمہ کر دیا۔ جنگ کے دوران میں قلعہ خیبر کا دروازہ کہ جسے چالیس آدمی بھی مل کر نہ اُٹھا سکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی ضرب سے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ امام رازی کے مطابق اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ قوتِ یزدانی کے مظہر بنے ہوئے تھے۔ اسی قوتِ یزدانی کے سامنے قلعہ خیبر کا دروازہ ایک تنکے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سچ ہے کہ:

شیر مرداں' شاہِ یزداں' قوتِ پروردگار لافتیٰ الا علی لا سیف الاذوالفقار

باب مدینۃ العلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طویل صحبت میسر آئی تھی۔ آپ نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارے شب و روز احکام مصطفوی کو بجا لانا اپنا شعارِ زندگی بنا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ پر غیر معمولی شفقت وعنایت فرمایا کرتے تھے۔ اسی عنایت خاص کا کرشمہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاں دلیری وشجاعت میں بے مثال تھے' وہاں حکمت و دانائی میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ شہر جس قدر وسیع' عظیم اور بے مثال ہوگا' اس کے دروازے کی قدر و منزلت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

علامہ محمد اقبال کہتے ہیں:

زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم ذاتِ اُو دروازۂ شہرِ علوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دانائی وحکمت کا کمال یہ تھا کہ آپ بڑے بڑے مسائل چشم زدن میں حل کر دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے محبت فرماتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا ''علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں''۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اُٹھا کر صحابہ سے

marfat.com

مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمام مسلمان مجھے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں' آپ نے پھر فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر مومن مجھے اپنے جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا میں محبوب ہوں' اس کے علی محبوب ہیں۔ اے اللہ! اس سے محبت کر جو علی سے محبت رکھے۔ اے اللہ! اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ بڑے سے بڑے اعزاز کا مستحق سمجھا' جب آپ ہجرت کی غرض سے مکہ کو روانہ ہوئے تو تمام امانتیں آپ کے سپرد کر گئے۔ دوسری بار آپ غزوۂ تبوک کی خاطر تشریف لے گئے تو اہل مدینہ کی حفاظت کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے۔ جب حضرت علی جہاد میں شرکت سے محرومی پر رنجیدہ ہوئے تو سلطانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے علی کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو' جیسے موسیٰ کیلئے ہارون تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی کس قدر عزیز تھے' اس کا اندازہ ردِّ شمس کے واقع سے ہو جاتا ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز ادا فرمانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر استراحت فرمانے لگے کہ معاً نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سورج کو غروب ہوتے دیکھتے رہے لیکن احترام نبوت کے پیش نظر ذرا بھی جنبش نہ کی' جب وحی کا سلسلہ منقطع ہوا تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر رب کریم سے عرض گزار ہوئے کہ:

"اے اللہ! بے شک یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا' پس تو سورج کو اس کیلئے لوٹا دے۔ چنانچہ ڈوبا ہوا سورج دوبارہ طلوع ہو گیا"۔

بقول امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ:

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم
تیری انگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

جملہ اصحابِ رسول اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر عزیز ہیں اسی لئے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکریم و تعظیم کرتے

marfat.com

تھے۔ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اہم مسائل میں آپ کے مشورے اور رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے علی! تمہارے ساتھ محبت رکھنا ایمان ہے اور تمہارے ساتھ بغض رکھنا منافقت ہے۔ سب سے پہلے تمہارے محبّ جنت میں داخل ہوں گے اور تمہارے ساتھ بغض رکھنے والے سب سے پہلے دوزخ میں داخل ہوں گے''۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح

حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر عزیز تھے کہ آپ نے انہیں دامادی کا شرف بھی عطا کر دیا۔ غزوہ بدر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب صاحبزادی سے نکاح کیلئے درخواست کریں' جب حضرت علی مدعا کہہ چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کیلئے کچھ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا گھوڑے کو جہاد کیلئے رکھو اور زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کی اور قیمت لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں۔ اس کے بعد خود نکاح پڑھایا اور خیر و برکت کی دُعا دی۔ نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد رخصتی ہوئی۔ رُخصتی کے وقت خاتونِ جنت کو جو جہیز ملا وہ یہ تھا ایک پلنگ' ایک بستر' ایک چادر' دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ خاتون جنت کو دیا جانے والا یہ جہیز رہتی دُنیا تک اُمت اسلام کیلئے نمونۂ عمل بنا رہے گا۔

دورِ خلافت

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کا دورِ خلافت ہنگاموں اور شورشوں کی زَد میں رہا۔ ان ہنگاموں کا سلسلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ دارالخلافت اور پھر اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں شورشوں اور بغاوتوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر تھا کہ انہیں مجبوراً اپنوں کے خلاف صف آراء ہونا پڑا۔

marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت نے مفسدوں کو قوت بخش دی تھی اور اب وہ اسلامی سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے تھے۔ لیکن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ٹھان رکھی تھی کہ جب تک سینے میں سانسوں کی روانی ہے وہ اپنے مؤقف اور اسلامی سلطنت کی مرکزیت کو قائم رکھنے کے تصور سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

یہ تاریخ اسلام کا کس قدر کٹھن دور تھا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف میدان جنگ میں اُترنا پڑا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ صحابہ شامی سپاہ کی تلواروں کا نشانہ بن گئے۔

جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ' حضرت عمرو بن العاص' حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے جلیل القدر صحابہ آپ کے خلاف صف آراء ہوئے۔ یہ جنگیں تھیں کہ مشیت ایزدی' دونوں طرف اصحاب رسول اور تابعین کا خون بہہ رہا تھا۔ آج ہم میں سے کوئی بھی فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان جنگوں میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کس کی جرأت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کے حق میں حق و باطل کا فیصلہ سنا سکے۔ یہ تو تاریخ اسلام کا وہ المناک باب ہے کہ جس پر ایک نظر ڈالتے ہی قاری کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں۔ البتہ یہ بات برحق ہے کہ حضرت علی خلیفہ راشد تھے اور اپنے معاصر صحابہ اور تابعین میں سب سے افضل تھے' علم و حکمت' عدل و انصاف' سخاوت و عبادت میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ اگر اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت مستحکم ہو جاتی' شورشیں اور بغاوتیں دب جاتیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سکون اور دلجمعی کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع میسر آ جاتا تو اُمت اسلام آنے والے اَدوار کے تنزل و ادبار سے کافی حد تک محفوظ ہو جاتی۔

القاب

آپ کے القاب میں اسد اللہ الغالب' مرتضیٰ' حیدر کرار' امام الاولیاء' سید العرب' مطلوب کل طالب' خلیفۃ الرسول' امیر المسلمین' مولی المومنین وغیرہ خاص شہرت کے حامل ہیں۔ آپ کی کنیت ابوتراب ہے۔ یہ کنیت آپ کو بہت پسند تھی کیونکہ یہ آپ کو بارگاہِ مصطفوی سے عطا ہوئی تھی۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو سیدہ فاطمہ نے عرض کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں'

marfat.com

جس پر وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو علی کہاں ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا کہ علی مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ لیٹے ہوئے تھے اور چادر اُن کے پہلو سے ہٹی ہوئی تھی اور ان کے بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ مٹی صاف کر رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

قم ابا التراب۔ قم ابا التراب

اے ابوتراب اُٹھو...... اے ابوتراب اُٹھو

اسی طرح آپ کو کرم اللہ وجہہ' بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ محمد بن علی الصبان ابن سعد کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ حضرت حسن بن زید بن حسن رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی بتوں کی پوجا نہیں کی اور اسی وجہ سے آپ کو کرم اللہ وجہہ' کہا جاتا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو عزت دے۔

شہادت

خارجیوں کا گروہ علی الاعلان حضرت علی کی مخالفت کر رہا تھا۔ یہ لوگ خود کو دین کا محافظ کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دین کے بدترین دشمن تھے۔ خارجیوں کی سوچ یہ تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خاتمہ کر دیا جائے تو اسلامی دُنیا آئے دن کی شورشوں اور فسادات سے محفوظ ہو جائے گی۔ اس مقصد کی خاطر تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم' برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر تمیمی مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ ابن ملجم حضرت علی کو' برک حضرت امیر معاویہ کو اور ابن بکیر حضرت عمرو بن العاص کو شہید کرے گا۔ برک نے حضرت امیر معاویہ پر حملہ کیا' وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گئے' حضرت عمرو بن العاص اس روز مسجد ہی نہ آئے' ان کے دھوکے کوئی اور شہید کر دیا گیا لیکن حضرت علی ابن ملجم کے حملے سے نہ بچ سکے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کیلئے کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے۔ آپ راستے میں بلند آواز سے لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے آ رہے تھے۔ مسجد میں داخل ہو کر نماز کی نیت باندھی اور نماز ادا کرنے لگے۔ ابن ملجم نے آپ کے سر پر زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ضرب لگائی جو آپ کے دماغ تک پہنچ گئی۔ آپ نے اکیس رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ حضرت امام حسن' امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے

marfat.com

آپ کو غسل دیا اور حضرت محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے جاتے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ کی وفات سے دُنیائے اسلام میں انتشار و افتراق کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عشاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے آپ کی وفات نا قابل برداشت صدمے کے مترادف تھی۔

جناب حسن بن کثیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جس روز سیدنا علی شیر خدا شہید ہوئے اس روز آپ گھر سے نماز فجر کیلئے باہر نکلے تو آپ کے آگے بطخوں نے چلانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے ان کو آپ کے پاس سے ہٹایا تو آپ نے فرمایا ''ان کو چھوڑ دو یہ تو نوحہ پڑھ رہی ہیں'' اور اس کے فوراً بعد ہی آپ کو ابن ملجم نے شہید کر دیا۔ (نور الابصار)

اَزوَاج و اَولاد

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کل نو اَزواج تھیں۔ جنابہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرا (سلام اللہ علیہا)' جنابہ ام البنین بنت خرام بن خالد' جنابہ لیلیٰ بنت مسعود' جنابہ اسماء بنت عمیس' جنابہ امامہ بنت ابوالعاص' جنابہ خولہ بنت جعفر' جنابہ اُم سعید بنت عروہ' جنابہ ام حبیبہ بنت ربیعہ' جنابہ مسماۃ بنت امراء القیس۔

آپ کے اٹھارہ صاحبزادے اور اٹھارہ صاحبزدیاں تھیں۔

صاحبزادگان کے نام یہ ہیں

سیدنا امیر المومنین امام حسن رضی اللہ عنہ' سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ' سیدنا عمر' سیدنا عباس' سیدنا جعفر' سیدنا عبید اللہ' سیدنا عثمان' سیدنا عبد اللہ' سیدنا ابوبکر' سیدنا عون' سیدنا یحییٰ' سیدنا محمد' سیدنا اوسط' سیدنا محمد حنفیہ' سیدنا محمد اکبر' سیدنا عمر اطرف' سیدنا محسن' سیدنا عمران (رضی اللہ عنہم)

عظیم شخصیت

سیدنا علی المرتضیٰ بلاشبہ تاریخ اسلام کے عظیم محسن ہیں۔ آپ کی پوری زندگی عشق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمونہ ہے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چاروں طرف سے خطرات کی زد میں تھے۔ آپ نے ہر موقع حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان نثار کرنے کی کوشش کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغام کو عام کرنے کیلئے کبھی بھی کسی قربانی سے

marfat.com

دریغ نہ کیا۔ ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سونے سے لے کر غزوات میں شمولیت تک آپ نے ہر موقع پر بے جگری اور غیر معمولی شجاعت اور فدا کاری کا مظاہرہ کیا۔ اسی بناء پر تاریخ کے صفحات میں شیر خدا کے نام سے جگہ پائی۔

ایک طرف آپ کی شجاعت ضرب المثل تھی تو دوسری طرف آپ کا فقر انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی پر جو جہیز ملا تھا' عمر بھر اس میں اضافہ نہ کر سکے۔ امیر المومنین ہو کر بھی سادگی' فقر و غنا اور توکل کو اس حد تک اپنا شعار حیات بنائے رکھا کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر ان کے لباس سے تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ خلیفۃ المسلمین ہیں۔

مسلم اوّل شہ مرداں علیؓ...... عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

اس قدر دلیری و شجاعت کے باوجود خدا نے آپ کو اپنے جذبات اور غصے پر قابو کی قوت بھی عطا کی تھی کیونکہ صحیح معنوں میں طاقتور وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو پچھاڑ کر رکھے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک کافر سے جنگ ہوئی۔ دیر تک مقابلہ آرائی کے بعد آپ نے اس کافر کو زیر کر لیا اور تلوار کھینچ کر چاہا کہ اس کی گردن اُڑا دوں۔ اسی لمحے کافر نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ ایک لحظہ کیلئے آپ کا چہرہ شدت غیظ سے متغیر ہوا مگر پھر فوراً کافر کے سینے سے اُتر آئے اور مقابلے سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بے موقع معافی پر وہ کافر سخت حیران ہوا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے مجھ پر قابو پا لیا اور پھر معاف بھی کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ پہلے میں خدا کیلئے جنگ کر رہا تھا اور تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا مگر تمہارے تھوکنے کے بعد اگر میں تمہیں قتل کر دیتا تو میری یہ جنگ خدا کیلئے نہیں بلکہ ذاتی انا اور انتقام کی لڑائی سمجھی جاتی میں اللہ کا بندہ ہوں' اس کیلئے تلوار چلاتا ہوں' میں اپنے نفس کا غلام نہیں ہوں۔

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم
بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

بلاشبہ آپ شیر خدا تھے اور شیر خدا وہی ہوتا ہے' جس کی زندگی اور موت خدا کیلئے ہو' بلاشبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قبولیت اسلام سے شہادت تک ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم فدائی کی حیثیت سے زندگی گزار کر ثابت کر دیا کہ آپ خدا اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عطا کئے گئے تمام اعزازات کے مستحق تھے۔

میسر نہ شد ہر کسے ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

marfat.com

خلیفۂ راشد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

نور چشم مصطفٰے ہاں سید والا حسن
وہ امیر المومنیں وہ زینت ہر انجمن
سرور عالم کی رحمت نے نوازا تھا انہیں
اور علی نے بخش دی تھی تابش فکر و سخن
سیدۂ عالمین ہاں فاطمہ بنت رسول ﷺ
ان کی شفقت سے حسن تھے ناز دیں فخر زمن
ان کی عظمت اور روحانی جلالت دیکھ کر
ان پہ ہوتے ہیں فدا اہل نظر کے جان و تن
حسن میں بے مثل، لاثانی، شبیہ مصطفٰے ﷺ
ان کی باتوں سے مہکتے وقت کے سر و سمن
اپنے نانا جان کے فرمان کو پورا کیا
جنگ روکی عام کرکے صلح و رحمت کا چلن
جان ایماں، روح جان و دل، امیر المومنیں
ان کی یادوں سے مرے ایمان کا مہکا چمن

(محمد اکرم رضا)

marfat.com

پانچویں خلیفہ راشد
امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مقام بے پناہ بلند و بالا ہے۔ روحانیت' فکر و عمل اور علم وحکمت میں آپ خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ شفقت و رحمت کا پیکر تھے' عفو ودرگزر کی تصویر تھے' امت اسلام پر اللہ کا احسان تھے' آپ کے بارے میں درجنوں احادیث مروی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنی آنکھوں کا نور کہا کرتے تھے۔ آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے نانا جان کے ارشادات مبارکہ جہاں تاریخ اہلبیت کا روشن باب تھے وہاں ان سے آپ کے مقامات قدسیہ کی سربلندی کا بجا طور پر احساس ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی دایہ کا نام سودہ بنت مسرح الکندیہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن دو مینڈے عقیقہ کے ذبح کئے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام حسن کا نصف بالائی پیکر اور امام حسین کا نصف زیریں پیکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تر تھا۔ حضور نے خود امام حسن رضی اللہ عنہ کی ناف کاٹی تھی اور لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا تھا اور حسن نام بھی خود تجویز فرمایا تھا اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر خوشبو لگائی تھی۔

آپ کا نام نامی حسن ہے اور کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کس قدر خوش بخت ہستی تھے کہ ماں ملی تو سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمہ بنت رسول جیسی کہ جو شرم وحیا کی پیکر اور غیرت ایمانی کی مظہر تھیں اور باپ وہ جسے علی المرتضی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں جو شہر علوم کا دروازہ اور ہر اس مسلمان کا مولا ہے جس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مولا ہیں۔ بھائی عطا ہوا تو امام حسین شہید کربلا جیسا جس نے میدان کربلا میں اپنی اور تمام اصحاب اہلبیت کی راہ حق میں قربانی پیش کر کے اسلام کی حقانیت اور سربلندی کی لاج رکھ لی۔

یوں تو آپ کے بہت سے القاب ہیں مگر مشہور لقب تقی ہے اور روحانی مقام ومرتبہ کے لحاظ

marfat.com

سے آپ کا احسن ترین لقب سید ہے۔ جو بوسیلہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا مقدر بنا۔

حضرت ابو بکرہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی حسن کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے (ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین من المسلمین (بخاری شریف، جلد ۱، ص ۵۳۰، ترمذی جلد ۲، ص ۲۱۸، مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت)

ترجمہ (کہ میرا یہ بیٹا سید ہے شائد اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران وعظ کبھی لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی امام عالی مقام حسن علیہ السلام کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جب آپ نے چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی۔ آپ کی شان میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ چند احادیث درج تحریر ہیں۔

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے شانے پر بٹھا رکھا ہے اور فرما رہے ہیں: اللهم انی احبه فاحبه (صحیح مسلم' جلد ۲، ص ۲۸۲، بخاری شریف' جلد ۱، ص ۵۳۰)

اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے نسبت رکھ۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "من احب الحسن و الحسین فقد احبنی و من ابغضهما فقد ابغضنی"

(سنن ابن ماجہ شریف، ص ۱۴)

"جس نے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کے لئے فرمایا "اللهم انی احبه فاحبه و احبب من یحبه

(مسلم شریف، جلد ۲، ص ۲۸۲)

marfat.com

''اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور اس سے بھی محبت رکھ جو اس سے محبت کرے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا ''نعم المركب ركبت يا غلام'' (اے لڑکے تو کیسی اچھی سواری پر سوار ہے) اس کے جواب میں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نعم الراكب'' (سوار بھی تو بہت اچھا ہے)

(جامع ترمذی شریف، جلد۲، ص ۲۱۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لم يكن احد منهم اشبه برسول الله صلى الله عليه وسلم من الحسن بن علی (ترمذی شریف، جلد۲، ص ۲۱۸)

کوئی بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل نہ تھا۔

☆ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا: فكان الحسن بن علي يشبهه (ترمذی شریف جلد ثانی، ص ۲۱۸)

کہ حضرت حسن بن علی آپ کے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی حدیث میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھا رہے ہوتے۔ آپ جب سجدہ میں ہوتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لاتے جبکہ آپ کمسن تھے تو کبھی آپ کی کمر پر بیٹھ جاتے' کبھی گردن پر سوار ہو جاتے اور حضور علیہ السلام ان کو آہستہ سے اٹھاتے (کہ کہیں گر نہ جائیں) جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا ''یارسول الله انا رايناك تصنع بهذا الصبى شيئا مارا يناك تصنعه باحد''۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس بچے کا سا سلوک کسی سے نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان هذا ريحانتى وان هذا ابنى سيد رعسى الله ان يصلح به بين فئتين من المسلمين۔ ''یہ میری خوشبو ہے' یہ میرا بیٹا سید ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا''۔

ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمان بن زبیر سے جو روایت بیان کی ہے اس کا آخری

marfat.com

حصہ یوں ہے کہ میں نے حضرت حسن کو آتے دیکھا اور حضور علیہ الصلوۃ وتسلیمات سجدہ کی حالت میں تھے۔ حضرت حسن حضور کی گردن یا پشت پر سوار ہو گئے اور اپنی مرضی سے ہی اترے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع کی حالت میں دیکھا: **فیفرج له بین رجلیه حتی یخرج من الجانب الاخر۔**

☆ ایک دفعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ غسل فرما کر اس حالت میں باہر تشریف لائے کہ آپ پر ایک خوبصورت اور قیمتی چادر تھی۔ کانوں کی لو تک بال مبارک اور چہرہ خوشنما تھا۔ راستے میں ایک محتاج یہودی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا شکستہ چمڑے کا لباس اور وہ غربت وذلت پر سوار تھا اور دوپہر کے سورج نے اس کے ہونٹ خشک کر دیئے تھے۔ وہ پانی کا مٹکا کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو روک کر عرض کرنے لگا: اے ابن رسول اللہ میرا ایک سوال ہے' اس کا جواب چاہیئے۔ آپ نے فرمایا: کہو کیا سوال ہے۔ اس نے کہا: آپ کے نانا کا فرمان ہے **الدنیا سجن المومن وجنة الکافر۔** (دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے) آپ مومن ہیں اور میں کافر ہوں۔ میں دنیا کو آپ کے لئے جنت دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس میں عیش و آرام سے زندگی بسر فرما رہے ہیں اور میں اسے اپنے لئے قید خانہ دیکھ رہا ہوں کہ اس کی تکالیف وعسرت نے مجھے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی غربت و مسکنت مجھ کو مصائب و آلام میں مبتلا کر رکھا ہے۔ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: اے یہودی اگر تو وہ نعمتیں دیکھ لے جو اللہ نے میرے لئے جنت میں تیار کی ہوئی ہیں تو یقین کرے گا کہ میں ان نعمتوں کی نسبت اب قید خانے میں ہوں اور اگر تو وہ عذاب الیم دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے تو اس وقت تو دنیا میں اپنے آپ کو وسیع جنت میں دیکھے گا۔

آپ کی شان روایات مقدسہ اور احادیث عالیہ کی روح سے بہت اعلیٰ و بالا ہے۔ آپ کا نام نامی حسن (رضی اللہ عنہ) تھا اور آپ کا ہر انداز بے پناہ احسن اور خوبصورت تھا۔ کسی بدطینت کی بکواس برداشت کر لیتے' کسی پر کبھی سختی نہ کی۔ سخی ایسے کہ فخر الاسخیا تھے' ہاتھ ہمیشہ کھلا رکھا اور سوالی کے سوال کو کبھی رد نہ کیا۔ لہجہ مبارک انتہائی نرم اور دشمنوں کے ساتھ آپ کا رویہ بھی شفقت آمیز تھا۔ بعض اوقات آپ مخالف کو سخت جواب دینے یا سزا دینے کی صلاحیت رکھتے تھے مگر ہمیشہ معاف کرنے میں مقدم جانا۔ اسی بناء پر آپ کے مخالفین اکثر نادم ہوتے اور آپ سے معافی طلب کرتے۔

☆ مروان نے آپ کی طرف ایلچی بھیجا۔ جو آپ کو گالیاں دیتا تھا وہ مدینہ کا عامل تھا اور ہر

marfat.com

جمعہ کو منبر رسول پر حضرت مولی علی کو گالیاں دیتا تھا۔ حضرت حسن نے اس ایلچی سے کہا اس کو جا کر کہہ دے خدا کی قسم میں تجھ کو گالیاں دے کر کوئی بات مٹانا نہیں چاہتا جو تو نے کہی ہے' اللہ کے ہاں تیرے اور میرے جمع ہونے کی ایک جگہ ہے۔

فان كنت صادقا فجزاك الله خيرا بصدقك' فان كنت كاذبا فالله اشد نقمة (اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالی تیرے سچ کی تجھے جزا دے گا اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالی سخت انتقام لینے والا ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۳۹)

☆ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی سخاوت کے تذکرے شاہوں کے محلات اور گداؤں کی جھونپڑیوں میں قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ آپ اس سخی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں' کائنات ارضی میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا: ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی بھی سائل کو خالی ہاتھ واپس جانے نہیں دیتے اگرچہ آپ کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں مجھے شرم آتی ہے کہ میں خود سائل ہوں اور اگر کوئی سائل دامن پھیلائے تو اسے خالی ہاتھ واپس کروں۔ اللہ تعالی نے میرے ساتھ عہد کیا کہ وہ مجھ پر اپنی رحمتوں کے دریا بہائے گا اور میں نے اس سے عہد کیا ہے کہ میں لوگوں پر نعمتوں کے دریا بہاؤں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں یہ عادت ختم کردوں تو اللہ تعالی مجھ سے اپنی عادت روک لے گا۔

حافظ ابن قیم کی کتاب ''الطریق الحکمیہ (مطبوع مصر ص ۵۶) میں رقم ہے کہ ایک شخص کو گرفتار کر کے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ گرفتاری ایک غیر آباد مقام سے ہوئی تھی۔ گرفتاری کے وقت اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی۔ یہ کھڑا تھا اور ایک لاش خون میں لت پت تڑپ رہی تھی۔ اس شخص نے امیر المومنین کے سامنے اقبال جرم کرلیا۔ آپ کے حضور اقبال جرم کرنے والا ایک اور شخص بھی کھڑا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ملزم اول سے دریافت فرمایا کہ تو نے کیوں اقبال جرم کیا؟ اس نے عرض کیا کہ جن حالات میں میری گرفتاری عمل میں آئی میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار فائدہ مند نہ ہوگا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کر۔ اس نے عرض کیا کہ میں قصاب ہوں' میں نے جائے وقوعہ کے قریب بکرے کو ذبح کیا۔ اسی عمل میں مصروف تھا کہ معاً مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ ابھی پیشاب سے فارغ ہی ہوا تھا کہ میری نظر اس لاش پر پڑ گئی۔ میں اس لاش کے قریب کھڑا تھا کہ لوگوں نے مجھے قاتل سمجھ کر پکڑ لیا' مجھے اس امر کا یقین ہوگیا کہ ان تمام لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے

marfat.com

انکاری بیان کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا اس لئے میں نے اقبال جرم کرلیا۔ پھر دوسرے اقبالی مجرم سے دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کیا میں ایک اعرابی ہوں' مفلس و نادار ہوں' مقتول کو میں نے مال کے لالچ کی بناء پر قتل کیا تھا کہ اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی اور میں ایک گوشے میں جا چھپا' اتنے میں لوگوں نے اس قصاب کو گرفتار کرلیا۔ میرے دل نے مجھے اقبال جرم کرنے پر آمادہ کیا کہ میری وجہ سے یہ بے گناہ مارا جائے۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند ارجمند سے پوچھا کہ تمہاری اس مقدمہ میں کیا رائے ہے' حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! اگر اس شخص نے ایک آدمی کو ہلاک کیا ہے تو ایک کی جان بھی بچائی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا (پ ٦، سورہ مائدہ، آیت ٣٢)

ترجمہ: (جس نے ایک شخص کی جان کو بچایا گویا اس نے سب لوگوں کی جان کو بچا لیا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند فرمایا اور آپ نے دوسرے اصل مجرم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کرنے کا حکم دیا۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اخلاق کے بلند ترین معیار پر فائز تھے۔ عفو و درگزر آپ کا انداز خاص تھا' اپنی جان پر بن جاتی مگر پھر بھی اپنے دشمن کو معاف فرمایا۔ اللہ اللہ یہ انتہائی حوصلے اور عنایت کی انتہاء ہے۔ کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔ آپ نے جب بھی جو کہا وہ کر کے دکھلا دیا۔

علامہ ابن حجر نے بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو ایک آدمی نے نماز کی حالت میں آپ پر حملہ کردیا اور سجدے میں آپ پر خنجر کا وار کیا تو آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے اہل عراق اتقوا اللہ فینا فانا امراء کم وضیفانکم۔ '' ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ ہم آپ کے امیر اور مہمان بھی ہیں''

ونحن اھل البیت الذین قال اللہ فیھم

اور ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل بیت
ویطھر کم تطھیرا (پارہ ٢٢ سورہ احزاب' آیت ٣٣)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے''

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ تمام اہل مسجد رو پڑے۔

marfat.com

(صواعق محرقہ، ص ۱۳۹)

نصاریٰ سے مباہلہ اور آپ کی شرکت

مباہلہ نجران کے عیسائیوں سے ہوا تھا۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پڑھے لکھے افراد پر مشتمل وفد مدینہ آیا تاکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے مذاکرات کرسکے۔ یہ 9 ھ کا واقعہ ہے۔ ان میں سے چوبیس آدمی اشراف میں سے تھے جن میں سے تین آدمیوں کو اہل نجران کی سربراہی اور سرکردگی حاصل تھی۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت وحکمت کا کام تھا اور اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا اُسید جو ثقافتی امور کا نگران تھا اور اس کا نام ابہم یا شرجبل تھا۔ تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی وروحانی شعبے کا سربراہ تھا۔ اس کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔

وفد نے مدینہ پہنچ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے ان سے کچھ سوالات کئے اور انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن حکیم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز دن بھر توقف کیا یہاں تک کہ آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

" ان مثل عیسی عنداللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ الحق من ربك فلاتکن من الممترین۔ فمن حاجك فیہ من بعد ماجاء ك من العلم فقل تعالو اندع ابناء نا و ابناء کم ونساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین" (۳: ۵۹،۶۰: ۶۱)

بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) جیسی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں، پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر"۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی آیات کریمہ کی روشنی میں انہیں حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور اس کے بعد دن بھر انہیں غور وفکر کے لئے آزاد چھوڑ دیا لیکن انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں آپ کی بات ماننے سے انکار

marfat.com

کردیا پھر جب اگلی صبح ہوئی درآنحالیکہ وفد کے ارکان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کی بات تسلیم کرنے اور اسلام لانے سے انکار کرچکے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مباہلے کی دعوت دی اور آپ حسن وحسین رضی اللہ عنہما سمیت ایک چادر میں لپٹے ہوئے تشریف لائے۔ پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں ان کے پیچھے علی المرتضیٰ تھے۔ جب وفد نے دیکھا کہ آپ واقعی بالکل تیار ہیں تو تنہائی میں جا کر مشورہ کیا۔ عاقب اور اُسید دونوں نے ایک دوسرے سے کہا دیکھو مباہلہ نہ کرنا خدا کی قسم اگر یہ نبی ہے اور ہم نے اس سے ملاعنت کرلی تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ روئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا'' آخر ان کی رائے یہ ٹھہری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنے بارے میں حکم بنایا جا... چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا جو مطالبہ ہو ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔ اس پیش کش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جزیہ لینا منظور کیا اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصالحت فرمائی۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں' اور طے کیا کہ ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے عوض آپ نے انہیں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ عطا فرمایا اور دین کے بارے میں مکمل آزادی مرحمت فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشتہ لکھ دیا۔ ان لوگوں نے آپ سے گذارش کی آپ ان کے ہاں ایک امین آدمی روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لئے اس امت کے امین (امانت دار) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

اس کے بعد ان کے اندر اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اُسید اور عاقب نجران پلٹنے کے بعد مسلمان ہوگئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صدقات اور جزیے لانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

اس واقعہ سے ہمارا یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا ظاہری اور باطنی مقام بہت سربلند ہے۔ آپ کے حاسدین اور دشمن کل بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آپ کے مقام و مرتبہ کو کم کرنے کی کوشش کررہے تھے اور آج بھی سے نام نہاد مسلمان تاریخ کے بل بوتے پر اپنی طرف سے روایات وضع کرکے آپ کی عظمت کے تاثر کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے بھی ستم شعار ہیں جو دشمنی میں اس حد تک آگے چلے گئے ہیں کہ آپ کو خلیفہ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے۔ بعض ان روایات سے بہانے بہانے سے انکار کردیتے ہیں جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے آپ کی اور سیدنا

marfat.com

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں ارشاد فرمائیں۔ دراصل ان کو آپ سے خصوصی دشمنی یہ ہے کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ سے مفاہمت کیوں کی حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مدتوں پہلے اس جانب اشارہ کر چکے تھے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تو عین تقدیر الٰہی ہوتے ہیں۔

شب کو کہا دن تو سورج نکل آیا
دن کو کہا شب تو رات ہو کے رہی
تیرے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

علامہ ابن حجر نے امام ابو نعیم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے اس حال میں ملتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں اس کے گھر کی طرف پیدل نہ چلا ہوں۔ فمشی عشرین حجة'' چنانچہ آپ نے بیس حج پیدل کئے''

☆ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن نے پچیس حج پیدل کئے ہیں۔ و ان النجائب لتقاد بین یدیه'' اور اونٹنیاں آپ کے سامنے سے کھینچ کر لائی جاتیں'' (صواعق محرقہ، ص ۱۳۹)

☆ شواہد النبوت صفحہ 302 میں آپ کی ایک کرامت درج ہے۔ اس میں اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ شریک سفر ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ کس طرح آپ کی دعا سے خشک کھجوریں تر و تازہ ہو گئیں' ملاحظہ ہو

ایک دن آپ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادے کے ساتھ کہیں سفر کر رہے تھے کہ ایک خشک باغ میں ڈیرہ ڈال دیا۔ حضرت حسن کے لئے باغ کے ایک دامن میں اور حضرت ابن زبیر کے لئے باغ کے دوسرے دامن میں فرش بچھایا گیا۔ حضرت ابن زبیر بولے کاش کہ اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے۔ حضرت امام حسن نے فرمایا: کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو۔ حضرت ابن زبیر بولے' ہاں۔ آپ نے دست دعا اٹھایا اور زیر لب کچھ پڑھا جو کسی کو معلوم نہ ہوا' فوراً کھجور کا ایک درخت تر و تازہ اور بار آور ہو گیا' اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں۔ ان کا ساتھی شتربان بولا: بخدا یہ تو جادو ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ جادو نہیں یہ اس دعائے مستجاب کا اثر ہے جو پیغمبر علیہ السلام کے بیٹے نے مانگی تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کھجوروں کے درخت پر خرما پر چڑھ کر تمام کھجوریں توڑ لیں جن سے تمام سیر ہو گئے۔

شواہد النبوت (حضرت عبدالرحمان جامی) ہی سے آپ کی ایک اور کرامت کا مطالعہ کیجئے

marfat.com

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیدل چلتے ہوئے بغرض حج مکہ معظمہ تشریف لے جارہے تھے تو آپ سے کسی غلام نے عرض کی' کاش کہ آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تا کہ ورم کم ہو جائے۔ آپ نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا: جب تم گھر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا' تم اس سے خرید لینا اور جھگڑا مت کرنا۔ آپ کے غلام نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ہم نے کسی جگہ بھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے پاس ایسی دوا ہو'اس جگہ کہاں دستیاب ہوگی۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو وہ حبشی دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا: یہ ہے وہ حبشی جس کے متعلق میں نے بتایا تھا' جاؤ اور اس سے تیل خرید لاؤ اور قیمت ادا کر آؤ۔ جونہی وہ غلام اس حبشی کے پاس گیا اور تیل طلب کیا تو اس نے کہا: اے غلام یہ تیل کس کے لئے خرید رہے ہو؟۔ غلام بولا: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لئے۔ اس نے کہا: مجھے ان کے پاس لے چلو' میں ان کا غلام ہوں۔ جب وہ حبشی آپ کے پاس پہنچا تو کہنے لگا میں آپ کا غلام ہوں۔ تیل کی قیمت نہیں لوں گا۔ بس آپ میری بیوی کے لئے جو دردزہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک، صحیح الاعضاء بچہ عطا کرے آپ نے فرمایا: اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا کرے گا جیسا تم چاہتے ہو' وہ ہمارا پیروکار ہوگا۔ حبشی گھر گیا تو گھر کی حالت ویسے ہی پائی جیسے سنی تھی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اور دست برداری:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت نہایت پریشانیوں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ و جدل میں گزرا۔ اس کے ساتھ ساتھ خارجی آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کرتے رہے۔ بالآخر آپ نے خارجیوں کو کچل کر رکھ دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ مگر آپ کو مہلت ہی نہ مل سکی اور آپ مسجد میں ہی شہید کر دیئے گئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت ایک بہت بڑا سانحہ تھی۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ خلافت اسلامیہ کے خلا کو پر کیا جاتا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو باغیوں نے نرغہ میں لے لیا تو جہاں چند مقتدر صحابہ نے اپنے بیٹے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے وہاں سیدنا علی المرتضیٰ نے بھی اپنے صاحبزادوں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو سختی سے تاکید کی کہ وہ کسی باغی کو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں داخل نہ ہونے دیں۔ باغیوں کو خدشہ دامنگیر ہو گیا کہ اگر ہم نے سیدھے راستے سے حملہ کیا تو حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما اور

marfat.com

دوسرے صحابہ کے بیٹوں سے لڑائی چھڑ جائے گی۔ اور اگر ان بنو ہاشم کے شہزادوں کو کچھ ہو گیا تو بنو ہاشم اور دوسرے قبائل ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے وہ عقبی دروازے سے داخل ہوئے اور امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے بہت سخت باز پرس کی کہ تمہاری موجودگی میں ایسا کیوں ہو گیا جب صورتحال واضح ہو گئی تو پھر خاموش ہو گئے۔

اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شہید ہو چکے تھے اور مسند خلافت خالی تھی۔ خاندان رسول کے شہزادے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بڑی قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا زہد وتقوی٬ عالی نسب اور رفعت کردار و عمل کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ یہ سلسلہ بیعت بڑھتا جا رہا تھا اور ایک مؤرخ کے مطابق آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کا جوش وجذبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سپاہ سے بھی زیادہ تھا۔ حضرت امام حسن اب بالاتفاق رائے خلیفۃ المسلمین منتخب ہو چکے تھے۔ آپ فقط عابد و زاہد ہی نہیں تھے بلکہ نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ سیدنا علی المرتضی کے دور خلافت میں تمام لڑائیوں میں مجاہدانہ جوش وخروش کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد اس علاقے کے سوا جس پر حضرت امیر معاویہ کا قبضہ تھا باقی سارے ملک کی نظریں امام حسن پر لگی ہوئی تھیں۔ مسند خلافت پر متمکن ہو کر آپ نے سب سے پہلا خطبہ جو ارشاد فرمایا وہ یہ تھا

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص جدا ہوا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پاسکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں اسے اپنا علم عطا فرما کر بھیجا کرتے تھے٬ وہ کسی جنگ میں کبھی ناکام نہ لوٹا٬ حضرت میکائیل و جبرائیل دائیں بائیں اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے سونے چاندی کا ایک ذرہ بھی نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں قدیم اختلاف چلا آ رہا تھا۔ حضرت امیر معاویہ حضرت علی کی حیات ہی میں عالم اسلامی پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ نے فوراً فوجی پیش قدمی شروع کر دی اور عبداللہ بن عامر کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بھیجا۔ حضرت امام حسن اس وقت کوفہ میں تھے۔ آپ کو عبداللہ بن عامر کی پیش قدمی

marfat.com

کی اطلاع ملی تو آپ بھی مقابلہ کے لئے کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے۔ ساباط پہنچ کر اپنی فوج میں کمزوری، اور جنگ سے پہلو تہی کے آثار دیکھے اس لئے اسی مقام پر رک کر یہ تقریر فرمائی

''میں کسی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں' امید ہے کہ اسے مسترد نہیں کرو گے' جس اتحاد و یکجہتی کو تم پسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ واختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں' میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا''۔

یہ تقریر سن کر خارجی عقائد کے لوگ جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے انہوں نے حضرت علی کی طرح حضرت حسن کو بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت حسن نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے بڑھ کر خارجیوں کے نرغہ سے چھڑایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سیدھے مدائن کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں جراح بن قبیصہ خارجی حملے کی تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ آپ جیسے ہی اس کے قریب سے گزرے اس نے حملہ کر کے زانوئے مبارک زخمی کر دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدائن پہنچ کر قصر ابیض میں قیام پذیر ہوگئے اور زخم بھرنے تک یہاں ٹھہرے رہے۔ صحت یاب ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے۔

سید قاسم محمود ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' ص ۷۸۸ میں آپ کی صحت یابی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ کے مدائن چلے آنے کے بعد عبداللہ بن عامر کو موقع مل گیا' اس نے بڑھ کر مدائن کو گھیر لیا۔ آپ اپنی فوج کی بزدلی دیکھتے ہوئے پہلے ہی لڑائی کا ارادہ ترک کر چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ کی مصالحت کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے جو حضرت امیر معاویہ کے ہمراہ تھا ان سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مجمع عام میں حضرت حسن سے دستبرداری کا اعلان کراؤ تا کہ لوگ خود ان کی زبان سے اس صلح نامے کو سن لیں۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ کی فرمائش پر مجمع عام میں آپ رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے ہماری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی۔

marfat.com

دانائیوں میں بہترین دانائی تقوی اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بد اعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور امیر معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے وہ اس کے حقدار ہیں یا میں۔ دونوں صورتوں میں امت محمدی کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں"۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا" یہ خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے"۔

شرائط صلح

شرائط صلح کی تفصیلات کے بارے میں مؤرخین مختلف آراء رکھتے ہیں تاہم اکثر کے بیان کے مطابق شرائط حسب ذیل تھیں۔

۱۔ کسی عراقی کو محض دیرینہ عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے اور بلا امتیاز سب کو امان دی جائے۔

۲۔ داراب جبروکل کا خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیا جائے اور ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار سالانہ دیئے جائیں۔

۳۔ وظائف میں بنو ہاشم کو سب پر فوقیت دی جائے۔

حضرت امیر معاویہ نے بغیر کسی ترمیم کے تمام شرائط کو قبول کرلیا اور اقرار نامہ لکھ کر اور اس پر مہر ثبت کر کے نیز اکابر شام کی شہادتیں لکھ کر عبداللہ بن عامر کے ذریعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ آپ نے اپنے خطاب کے بعد جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کی طرف اشارہ کر کے جب یہ کہا کہ" یہ خلافت تمہارے لئے چند روزہ سرمایہ ہے" یہ سن کر حضرت امیر معاویہ بولے' بس کیجئے۔

حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ کی مصالحت کے نتائج امت مسلمہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کی خونریزی کا وہ سلسلہ جو مدتوں سے جاری تھا' بند ہوگیا۔ ملک میں امن وسکون بحال ہوا اور جو قوت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ بار دیگر دشمنوں کے مقابلے میں صرف ہونے لگی۔ فتوحات کا سلسلہ از سر نو شروع ہوگیا۔ داخلی طور پر ملک میں ترقی اور اصلاح کے سلسلہ کا ایک بار پھر آغاز ہوگیا۔

حضرت امام حسن نے فرمایا: میں نے جو کچھ کیا مومنین کی ذلت کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کیا کہ حکمرانی کے لئے مومنوں کو قتل کرانا میں پسند نہیں کرتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ العارخیر

marfat.com

من النار۔ کہ عار نار سے بہتر ہے۔

اس خاتم الفتن دستبرداری کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینۃ الرسول تشریف لے گئے۔ اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ماہتاب روشن کی طرح پوری ہوگئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے' خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا''۔ آپ کی مدت خلافت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک پانچ مہینہ ہے اور بعض کے نزدیک چھ ماہ سے کچھ زیادہ۔ بعض نے اسے سات ماہ سے کچھ زیادہ بتایا ہے۔

دستبرداری کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ آخری لمحات تک مدینے میں خاموشی اور سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔

آپ دنیاوی خلافت سے تو دستبردار ہو گئے مگر خدائے کریم نے آپ کو باطنی خلافت عطا فرمادی۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار صرف اللہ تعالی کی رضا مندی کے لئے ہوئے تھے تو اللہ نے اس کے عوض آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو باطنی خلافت سے سرفراز فرمایا'' حتی کے علماء کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں تمام اولیاء اللہ کا قطب صرف اہلبیت سے ہی ہوتا ہے۔

امام عالی مقام کی دنیا سے رخصتی

جب سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما مسند خلافت سے سبکدوش ہو کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں آپ نے ہر قسم کی سیاست سے دور ہو کر دس سال گزارے۔ آپ نے کبھی سیاسی حالات پر تبصرہ نہ کیا کیونکہ آپ ہر قسم کی سیاسی کشمکش سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ اس کے بعد آپ کو زہر دیا گیا جس کے سبب آپ کی شہادت واقع ہوئی مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ زہر کس نے دیا۔ بعض علماء نے آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے یزید لعین کے اکسانے پر زہر دیا اور بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے جن میں حافظ ابن کثیر بھی ہیں۔ یہی رائے قاضی محمد سلیمان اور کئی دوسرے مورخین کی بھی ہے۔ جبکہ صدر الافاضل علامہ مولانا

سید نعیم الدین مراد آبادی نے زہر خورانی کی متذکرہ روایت پر ایک ناقدانہ تبصرہ تحریر فرمایا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں

مؤرخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث بن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ زہر خورانی باغوائے یزید ہوئی ہے اور یزید نے

marfat.com

اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اس طمع میں آ کر اس نے حضرت امام کو زہر دیا لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام لگانا اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لئے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتمد حوالے کے لکھ دیا ہے۔

یہ خبر واقعات کے لحاظ سے بھی نا قابل اطمینان معلوم ہوتی ہے۔ واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانہ میں جیسی ہو سکتی ہے مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو' خاص کر جبکہ واقعہ اتنا اہم ہو' مگر حیرت ہے کہ اہل بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل۔ اس قاتل کی خبر غیر کو تو کیا ہوتی خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں ہے کہ زہر کس نے دیا۔ یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادر معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کسی کا نام لیتے انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اب جعدہ کو قاتل ہونے کے لئے معین کرنے والا کون ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا امامین کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحب کو اپنی آخر حیات تک جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا' نہ ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مواخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور پر قابل لحاظ ہے' وہ یہ کہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے یہ ایک بدترین تبرا ہے۔ عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کی افتراءات ہوں۔ (سوانح کربلا: از سید نعیم الدین مراد آبادی)

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ جب آپ بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کئی بار زہر پلایا گیا۔ اس دفعہ تو وہ ایسا سخت ہے کہ میرا کلیجہ چبا ڈالا۔

امام حسین نے پوچھا: بھائی! زہر کس نے دیا؟ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پوچھنے سے آپ کا کیا مطلب ہے کہ اسے قتل کر دو گے؟ امام حسین ہاں' اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کی نسبت میرا گمان ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی انتقام لے گا اور اگر وہ نہیں تو میں پسند نہیں کرتا کہ کسی بے گناہ کو میری وجہ سے تکلیف پہنچے۔

اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے الفاظ دیکھئے۔

آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زہر دے دیا۔ سم قاتل تھا' قلب وجگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو حضرت امام حسین کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی تمنا تھی

marfat.com

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی لیکن اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاطاً فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا' ممکن ہے میری زندگی میں مروت سے اجازت دے دی ہو۔ مگر دوبارہ اجازت مل جائے تو روضہ نبوی میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر مزاحم کی صورت پیش آئے تو زیادہ اصرار نہ کرنا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دوسری بار بھی اجازت دے دی۔ لیکن جب مروان کو معلوم ہوا تو سخت اشتعال میں آ گیا۔ اس نے کہا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہیں روضۂ رسول میں جگہ نہیں ملی' نہ ہی مدینہ طیبہ میں دفنایا گیا بلکہ انہیں مدینے سے باہر دفنانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب حسین ابن علی کے لئے میں کسی طور بھی اجازت نہیں دوں گا کہ روضہ رسول میں دفن ہوسکیں۔ یہ فقط خاندان ہاشمی یا اہلبیت سے تعصب تھا ورنہ مروان اور اس کا باپ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ شہادت میں برپا ہونے والی شورشوں کی جڑ تھے۔ وہ ایسی ذلیل حرکت فقط اس لئے کر رہا تھا کہ سیدنا امام حسن نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی الرتضیٰ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا کے صاحبزادے تھے۔ ان سے بڑھ کر کون محترم ہوسکتا تھا۔ مروان اور اس کا خاندان تو اس مقدس خاندان کے افراد کے قدموں کو بھی نہیں چھو سکتے۔ بہرحال شورش کے ڈر سے سیدنا امام حسن کو جنت البقیع میں ان کی عظیم والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

آپ صورت وسیرت دونوں میں اپنا نانا جان سے مشابہ تھے۔ روایت میں ہے کہ آپ نے نہایت کثرت سے شادیاں کیں اور اسی کثرت سے طلاقیں دیں۔ مؤرخین اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اشراف کی عورتوں میں خاندان رسول سے رشتہ جوڑنے کا بڑا شوق تھا خواہ وہ ایک رات ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

آپ بزم ہستی کی محبوب ترین ہستی تھے۔ مدینے والوں کے پیارے تھے۔ عالم اسلام آپ سے پیار کرتا تھا۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو اتنا ہجوم تھا کہ حد نظر تک انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔ اس سے پہلے مدینہ میں اتنا بڑا ہجوم دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ شہزادۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔

جب امام عالی مقام حضرت حسن علیہ السلام نے وفات پائی تو مروان آپ کے جنازے پر رویا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا کیا تو اس پر روتا ہے حالانکہ تو نے انہیں سخت

marfat.com

ترین اذیت میں مبتلا رکھا۔ مروان نے پہاڑ کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا ''انی کنت افعل ذالك الی احلم من هذا۔(میں یہ اس شخص سے کرتا تھا جو اس پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم تھا)۔(سواعق محرقہ ص ۱۴۰)

آپ کی کل مرویات کی تعداد 13 ہے۔ آپ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے۔ آپ کے نانا جان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے۔ اس لئے جب بولتے تو مجمع پر چھا جاتے۔ میدان جنگ میں بھی آپ کے خطبات حق وصداقت کا بلند ترین آوازہ ہیں۔ آپ کی باتیں خوشبو بن کر دل وجان میں اتر جایا کرتی تھیں۔ آپ کی ذات روحانی' باطنی اور دینی لحاظ سے اُسوۂ نبوی کا نمونہ تھی۔ وہی شرم وحیا' وہی خدمت انسانیت' وہی صلح کلی' وہی امن وسلامتی کے پرچم کی سربلندی۔ آپ تمام مکارم اخلاق کا پیکر مجسم تھے۔ زہد وتقویٰ' دنیاوی جاہ وحشمت سے بے نیازی اور بے تعلقی آپ کا ایسا خاص امتیازی وصف تھا جس میں آپ کا کوئی حریف نہیں۔ آپ کو حضرت امام حسین' حضرت محمد بن الحنفیہ اور حضرت عباس بن علی نے غسل دیا۔ اگرچہ مروان بن حکم جیسے ظالم' شرانگیز اور اہلبیت کے بدترین دشمن کی خباثت کی وجہ سے آپ روضہ رسول میں دفن ہونے کی سعادت حاصل نہ کر سکے مگر جنت البقیع میں خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا کے قرب میں آپ کا دفن کیا جانا اپنی جگہ بہت بڑی سعادت ہے۔

نانا کے جسم پاک کا پارا تھا وہ حسن
افلاک اہلبیت کا تارا تھا وہ حسن

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں فرمائیں جن سے آپ کے ۱۲ صاجزادے اور ۹ صاجزادیاں عطاء ہوئیں۔ صاجزادوں کے نام یہ ہیں۔ حضرت زید' حضرت حسن مثنیٰ' حسین اشرم' حضرت طلحہ' حضرت اسماعیل' حضرت حمزہ' حضرت یعقوب' حضرت عبداللہ' حضرت عبدالرحمان' حضرت ابوبکر' حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت سیدنا امام حسن کی نسل سیدنا زید اور سیدنا حسن مثنیٰ سے چلی۔

آپ نے اپنی پاکیزہ سیرت' روشن کردار' دلکش اطوار' دلوں میں اتر جانے والی شوکت گفتار' شفقت بے پایاں' رحمت فراواں' عفو بندہ نواز' لطف عالم پناہ' عبادت وپاکیزگی' امن وسلامتی' صلح و خیر اور صلح رحمی کے جو نقوش صفحۂ ہستی پر ثبت کئے ہیں وہ ہمیشہ محبان آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو جگمگاتے رہیں گے۔

marfat.com

سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

شہادت وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ جس کی آرزو ہر صاحب ایمان کے دل میں ہر آن مچلتی رہتی ہے۔ اس کائنات میں آنکھ کھولتے ہی ہر مسلمان غازی اور شہید کے فلسفے سے آشنا ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت کی تمنا اہل حق کا جزو ایمان بن جاتی ہے۔ تاریخ اسلام ایسے عظیم نفوسِ قدسیہ کے لہو رنگ تذکروں سے آباد ہے، جنہوں نے اپنی متاعِ زندگی کو حیاتِ اُخروی کی خاطر مسکراتے ہوئے موت کی تلخیوں کو نذر کر دیا۔ ان شہدائے عظام کے پیش نظر فقط یہی مقصد تھا کہ ہم شہادت کی سعادت کو اپنا مقدر بنا کر فی الحقیقت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ انہی شہدائے قدسیہ کے قافلے کے امیر سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے بطورِ خاص رہتی دُنیا تک کیلئے اہل ایمان کو باور کرا دیا کہ جس کشت ایمان کو شہداء کے مقدس لہو کا نم عطا ہوا ہو وہ کبھی ویران نہیں ہو سکتی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی حق وصداقت کی پاسداری کی لازوال داستان ہے۔ اس قربانی نے وقت کی پیشانی پر یہ فیصلہ تحریر کر دیا کہ حق و انصاف کا کارواں کبھی بھی رُک نہیں سکتا بلکہ یہ ہر آن اور ہر ساعت پامردی کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔ باطل چاہے کتنی رکاوٹیں کھڑی کر لے، زبانوں پر چاہے کس قدر تالے لگا دے، سچائی کا گلا گھونٹنے کیلئے جس قدر حربے چاہے اختیار کر لے، صداقت کا آوازہ بہر صورت بلند ہو کر رہتا ہے اور سچائی کا پرچم زمانے کی وسعتوں میں اپنی سربلندی کا اعلان کر کے رہتا ہے۔ سچائی مصلوب ہو کر بھی زندہ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں شہادت کے رُتبے پر فائز ہو کر بھی اپنی حیات ابدی کا احساس دلا رہے ہیں۔

یہ کون حسین ہے کہ جس کی لازوال داستانِ صبر و استقامت سے تاریخ اسلام جگمگا رہی ہے۔ یہ وہی حسین ہے جسے سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوشِ اقدس پر سواری کا

marfat.com

شرف حاصل ہے۔ یہ وہی حسین ہے جسے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سونگھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے حسین سے جنت کے پھولوں کی مہک آتی ہے۔ یہ وہی حسین ہے جسے جوانانِ جنت کا سردار ہونے کی بشارت عطا ہوئی۔ یہ وہی حسین ہے جسے خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی آغوشِ تربیت نصیب ہوئی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ' جیسے صف شکن نے آداب دلاوری سکھائے تھے۔ یہ وہی حسین ہے جس کیلئے سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں'' اور پھر ارشاد فرمایا ''خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو حسین کو دوست رکھتا ہے''۔ یہ وہی حسین ہے جسے آتے دیکھ کر نانا محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطبہ منقطع کر کے منبر سے نیچے اُتر کر اُٹھا لیا کرتے تھے۔ اسی حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی سربلندی تقاضا کر رہی تھی کہ انہیں شخصیت کے غیر معمولی محاسن کے شایانِ شان منصب عطا ہو۔ چنانچہ تقدیر نے ان کی قسمت میں شہادت عظمیٰ کی سعادت لکھ دی۔ ایسی شہادت جو استبدادیت کے قصر طاغوت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کرنے کا باعث بن جائے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کر دکھایا۔ بقول اقبال:

موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد ...... تا قیامت قطع استبداد کرد

تاریکی جس قدر گہری ہو روشنی کی ضرورت اتنی ہی زیادہ محسوس کی جاتی ہے۔ یزید کا دورِ حکومت اسلامی تاریخ کا بدترین دور تھا۔ حرام وحلال کی تمیز اُٹھ رہی تھی۔ خلافت کو ملوکیت میں بدلا جا چکا تھا۔ انصاف کے بدلے ظلم وستم کو رواج دیا جا رہا تھا۔ اسلامی شعائر کی سرِعام توہین ہو رہی تھی۔ رعایا کے حقوق پامال ہو رہے تھے۔ ریاست کا ہر عامل اور افسر خود کو خدا کا نائب تصور کر رہا تھا' یزید تختِ حکومت پر متمکن ہو کر غرور کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ اہل ایمان کی زبانوں پر تالے لگائے جا رہے تھے۔ برائیوں کو رواج دیا جا رہا تھا' اسلامی معاشرہ گناہوں اور برائیوں کی دلدل میں دھنس رہا تھا' یہ سب کچھ ایک منظم سازش کے تحت ہو رہا تھا۔ یزید اور اس کے حواری اسلام کے قانون احتساب کو طاقِ نسیاں کی نذر کر چکے تھے۔ شاہی خزانے کے منہ کھول دیئے گئے تھے اور مسلمانوں کے ضمیر اور دل کے سودے ہو رہے تھے۔ مصلحت پسندوں کی بن آئی تھی۔ دولت پرست اپنے نام نہاد ایمان کے دام کھرے کر رہے تھے۔ یزید اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر ''انا ولا غیری'' کا نعرہ لگاتے ہوئے مطمئن ہو چکا تھا کہ اب اس کو بداعمالیوں پر روکنے کیلئے کوئی آواز نہیں اُبھرے گی۔

marfat.com

وقت کے اسی ظلمت کدے میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی صدائے حق روشنی کی کرن بن کر اُبھری اور دیکھتے ہی دیکھتے اس روشنی سے اہل ایمان کے دل پھر سے منور ہونے لگے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا ''یزید تم جھوٹے ہو، نہ تمہاری حکومت جمہوری ہے اور نہ تمہیں قیادت کا حق پہنچتا ہے۔ تم میرے نانا کی شریعت قدسیہ میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آواز دلوں کو چیرتی ہوئی انسانی احساسات کو جھنجھوڑنے کا باعث بن گئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے باطل قوتوں کے سامنے نبرد آزما ہو کر بتلا دیا کہ سچائی کا راستہ نہیں روکا جا سکتا اور جو اسلام کو مٹانے کی کوشش کرے گا خود حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین دین است حسین دین پناہ است حسین

سرداد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یزید کے لشکر سے جنگ اقتدار کے حصول کی جنگ نہیں تھی، یہ تو حق و باطل کا معرکہ تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہرگز اقتدار کے خواہاں نہیں تھے اگر ان کے خاندان کو اقتدار اتنا ہی عزیز تھا تو ان کے برادر اکبر سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اُمت اسلام کو تفرقہ اور خونریزی سے بچانے کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حکومت سے دستبردار نہ ہوتے۔ انہوں نے تخت شاہی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر کے گوشۂ عافیت کو ترجیح دی۔ اسی طرح سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں بعض غلط احکامات پر تنقید تو کی مگر تلوار اُٹھا کر میدانِ عمل میں نہ آئے کیونکہ وہ اقتدار کے خواہاں نہیں تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اس فاسق و فاجر کے حق میں بیعت لینا شروع کر دی تو اُمت مسلمہ میں اضطراب کی لہریں پیدا ہونے لگیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اسلامی حکومت کو موروثی بنا دیں اور پھر یزید نے لوگوں سے جبری بیعت لینے کیلئے جو مظالم اہل ایمان پر ڈھائے ان کا تذکرہ انتہائی ہولناک ہے۔ مدینہ منورہ جیسے شہر امن پر یزید کا حملہ جور و استبداد کی بدترین مثال ہے اس مقدس شہر کو شامیوں نے خوب لوٹا۔ مسجد نبوی کو جانوروں کا اصطبل بنا دیا گیا۔ شہداء میں کئی جید صحابی اور سات سو حفاظ قرآن تھے۔ مدینہ کے کل شہیدوں کی تعداد ۱۲۴۹۷ بتائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ یزید کی جبری بیعت لینے کیلئے کیا گیا تھا۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے

''یزید چاہے تم کو بیچے، چاہے تم کو آزاد کرے، چاہے خدا کی عبادت کی طرف بلائے، چاہے

marfat.com

معصیت کی طرف بلائے تم اس کی اطاعت سے منہ نہ موڑو گے"۔

ظاہر ہے ملوکیت کی بیعت کوئی بھی اہل ایمان دل سے قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی مصلحت پسندی کو اپنا شعار بنا سکتے تھے لیکن اب پانی سر سے اُونچا ہو چلا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سایۂ نبوّت میں پرورش پائی تھی، وہ حکومت کو موروثی بنانے اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کب برداشت کر سکتے تھے۔ وہ بڑے باپ کے بڑے بیٹے اور تاریخ انسانیت کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ ان کے شایانِ شان یہی تھا کہ وہ میدان عمل میں آ کر ملوکیت کو جھنجوڑیں اور اسے باور کرائیں کہ بیعت لینے کا یہ عمل سراسر غیر اسلامی اور غیر آئینی ہے۔ آج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جدوجہد پر الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ان کی تمام تگ و دو محض اقتدار اور تخت حکومت کیلئے تھی۔ الزام تراشنے والوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حسب و نسب، پُر امن شہری کی حیثیت سے گذشتہ زندگی اور یزید کے ملوکانہ عزائم کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جنگ اقتدار کیلئے تھی تو کیا وہ اتنے ہی گئے گزرے تھے کہ علم بغاوت بلند کرتے تو لوگ ان کا ساتھ نہ دیتے۔ ابھی وہ لوگ زندہ تھے جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دوشِ نبوّت پر سواری کرتے دیکھا تھا۔ وہ لوگ باقی تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لبوں کے بوسے لیتے دیکھا تھا۔ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ان سے بیعت کے خواہاں ہوتے تو کیا وہ اسے سعادت سمجھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرتے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے بیعت لینی شروع کر دی تو پھر اسے اقتدار کی جنگ کہا جائے گا اور نہ معلوم پھر مسلمانوں کی خونریزی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ اس لئے آپ نے کلمہ حق بلند کرنے کا تمام بوجھ اپنی اور اپنے خاندان کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے میدانِ کرب و بلا میں کود پڑنے کا عزم کر لیا۔

مدعائش سلطنت بودے اگر...... باچنیں ساماں نمی کردے سفر

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کا اعلان کرتے تو مملکت اسلامیہ کے بے شمار نفوس آپ کے پرچم تلے جمع ہو جاتے۔ آپ کا مقصود ہرگز حصولِ اقتدار نہیں تھا۔ اقتدار کے حصول کے آرزو مند کبھی بھی اپنے اہل خاندان کے ہمراہ مقتل کی طرف نہیں بڑھتے بلکہ وہ تو مصلحت اندیش جنگ آزماؤں کی طرح اپنے چاہنے والوں کو میدان جنگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں جھونکتے ہیں۔

marfat.com

لیکن یہاں تو تسلیم و رضا کے تقاضوں کی بجا آوری کا منظر تھا۔ بہتر نفوسِ قدسیہ کا کارواں تھا۔ ان میں محترم خواتین بھی تھیں اور معصوم بچے بھی۔ حضرت علیٰ رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی خواتین کہ جن کے چہروں کی جھلک سورج کی آتشیں آنکھ نے بھی نہیں دیکھی تھی' صبر و استقامت کی مشکل ترین ساعتوں میں مردوں کو ہمت و حوصلہ عطا کر رہی تھیں۔ عون و محمد جیسے معصوم بچے کربلا کے لہو رنگ نظاروں سے خوفزدہ ہونے کے بجائے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر اپنی جان وارتے ہوئے فخر محسوس کر رہے تھے۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اپنی جوانیاں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پر وقار بڑھاپے پر تصدق کر رہے تھے۔ اہل بیت کو پانی پلانے کی آرزو میں جان دینے والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ملکوتی تبسم رقصاں تھا۔ شیر خوار حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ اپنی ننھی سی جان کا نذرانہ پیش کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم کر چکا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانثار ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے۔ یزیدی لشکر کے قائدین بار بار اپنا مطالبہ دہراتے کہ یزید کی بیعت کر لیں مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایک ہی مؤقف تھا کہ یزید فاسق و فاجر ہے' باطل کا نمائندہ ہے' میں اس کی بیعت کیسے کر سکتا ہوں؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا' یہ درست نہیں ہے جو انہوں نے کہا وہ یہ تھا کہ:

"مجھے یزید کے پاس جانے دو اور پھر اس سے فیصلہ کرنے دو' خواہ وہ میرے قتل ہی کا فیصلہ دے"۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بعض دوسرے صحابہ نے تو بیعت کر لی تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہیں کی اور وہ ان کو مطعون کرتے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پورے دبدبہ اور جاہ و جلال کے ساتھ قائم ہو تو اس کے خلاف ایک عام آدمی آواز بلند کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ صرف وہی پرچم بلند کر سکتا ہے جو ابتدائی قدم پر ہی موت کو سینے سے لگا کر آگے بڑھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ایسا اعتراض کرنے والوں کو صحابہ کرام کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی کی اہمیت کو کم کرنا حقائق سے صریحاً انحراف کے مترادف ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ:

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی　　　آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول

marfat.com

چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر   لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی لازوال قربانی حق و صداقت کی پاسداری کیلئے تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ جس دین کو ان کے عظیم المرتبت نانا جان نے عرب و عجم میں بسنے والے انسانوں کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا تھا' اسے بازیچۂ اطفال بنا کر کھلے بندوں اس کا مذاق اُڑایا جائے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے مقدس لہو سے کشت اسلام کو اس طور سیراب کر دیا کہ اب اس پر کبھی خزاں نہیں آ سکے گی۔ انہوں نے اپنے اور اہل بیت اطہار کے خون سے عظمت اسلام کی ایک ایسی شمع روشن کی ہے جسے کفر و بال کی آندھیاں کبھی بھی بجھا نہیں سکیں گی۔ ان کی قربانی ایک ایسی ناقابل فراموش داستان ہے کہ جس کو دل میں جگہ دینے والے اہل ایمان اسلامی اقدار کی سربلندی کا پرچم ہمیشہ اوجِ وقت لہراتے رہیں گے۔۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت عظمیٰ کی خلعت جاودانہ پا کر اسلام میں ملوکیت کے باطل تصوّر کو فنا کی نذر کر دیا۔ ان کی قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو دلوں میں اُجاگر کر گئی کہ:

''قیصر ہلاک ہو گیا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور کسریٰ ہلاک ہو گیا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا''۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی ایمان کی صداقتوں کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ابدی سرخروئی اور جاودانی عظمت عطا کر دی جبکہ یزید ہمیشہ کیلئے گمنامی اور بدنامی کے گہرے تاریک غار میں دفن ہو گیا۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا' نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ حق و صداقت کے پاسدار زمانے کے شدائد اور حالات کی سختیوں کی پروا نہیں کرتے۔ وہ راہِ وفا میں آگے بڑھتے ہوئے اپنوں کی تعداد کی قلت اور دشمن کی کثرت کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ دشمن کے سامانِ حرب و ضرب سے ہراساں نہیں ہوتے۔ نقصان اور نتائج کی پرواہ کئے بغیر وہ شہادت گہِ اُلفت میں مسکراتے ہوئے قدم رکھتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں شہید کر دیئے گئے مگر تقدیر نے انہیں شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار کی تاجوری عطا کر دی۔ اگر اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باطل کے آگے جھک جاتے تو آج سچائی کا وجود ایک داستانِ پارینہ بن چکا ہوتا۔

marfat.com

جب تک چاند سورج ستارے دمکتے رہیں گے' جب تک صداقت کا حسن دلوں کو متاثر کرتا رہے گا' جب تک سچائی اور انصاف کی تب و تاب انسانی دلوں کو ضوفگن کرتی رہے گی' اس وقت تک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی لازوال قربانی دلوں کو ایمان و یقین کے عملی تقاضوں سے آشنا کرتی رہے گی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام آج آزادی و حریت کی علامت بن چکا ہے' جب بھی کوئی قوم آزادی کی رفعتوں سے ہمکنار ہونے کیلئے اپنے جان و مال کا نذرانہ لے کر لہو رنگ داستاں رقم کرنے کیلئے آگے بڑھتی ہے تو اس قوم کے حریت پسند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قربانی وایثار کا روشن استعارہ جان کر خراجِ عقیدت پیش کرنا اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؓ

............O............

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسینؓ
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسینؓ
جس نے اپنے خون سے دُنیا کو دھویا وہ حسینؓ
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسینؓ
مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
اپنے خون سے جس نے عالم میں اُجالا کر دیا

............O............

اہل ایماں کے لئے تنویر حق تھا وہ حسینؓ
عظمت دین کے لئے تصویر حق تھا وہ حسینؓ
اہل ایماں کے لئے توقیر حق تھا وہ حسینؓ
دیں کے پیاروں کے لئے تاثیر حق تھا وہ حسینؓ
وہ حسینؓ جس کی شہادت دیتی ہے ہم کو پیام
وقف کر دو جان و دل نورِ شہ والا کے نام

marfat.com

سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

جناب سید حمزہ خدائے پاک کے غازی
خدا پر ہیں یہ راضی تو خدا بھی ان پہ ہے راضی
انہی کی تیغ ہیبت ناک سے کفار لرزاں تھے
انہی کے بازوؤں کی دھاک سے اشرار لرزاں تھے
شہیدان خدائے پاک کے سردار تھے حمزہ
نبی کے لاڈلے اسلام کی للکار تھے حمزہ
شہید ایسے کہ ان کی موت پر سرکار روئے تھے
صحابہ اور مدینہ کے در و دیوار روئے تھے
زہے قسمت شہ دو عالمیں کو ناز تھا ان پر
شجاعت، سرفروشی، غیرت ایماں کے مظہر
تعالیٰ اللہ شہادت ان کی خالق کی عنایت ہے
لہو میں ڈوب کر اسلام کی رنگیں شہادت ہے

marfat.com

سید تاریخ شہداء

حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

اسلام کی اشاعت اور دین حقہ کے فروغ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جدوجہد لائق صد تحسین ہیں۔ یہی وہ مقبول بارگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنہوں نے رضائے الٰہی اور رضائے رسول کو خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ ان کے دل ایمان کی اس حقیقت سے عملی طور پر آشنا تھے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک ہیں مال' اولاد' ماں باپ' جائیداد' حتیٰ کہ اپنی زندگی سے بڑھ کر پیارے نہ ہو جائیں اس وقت تک ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوتا' یہی مکمل ایمان کا جذبہ انہیں ہر لحظہ ہر قسم کی قربانی پر تیار رکھتا تھا' وہ بجا طور پر سمجھتے تھے:

نماز اچھی' صبح اچھا' روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی مگر میں باوجود اسکے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی چوکھٹ پر خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

آج اسلام کا نام لینا آسان ہے مگر مکہ میں جب کفر برسر اقتدار تھا' اشرار باطل مسلمانوں کو ستانے کیلئے روزانہ نئے بہانے تلاش کرتے تھے۔ ایسے وقت میں اعلائے کلمۃ الحق کرنا' عظمت اسلام کا نعرہ لگانا اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نامی نامی سے فضاؤں کو پُرنور بنانے کی کوشش کرنا' کفار کے بے پناہ غیض و غضب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اور پھر ایسے حالات جو خوش بخت قبولیت اسلام کا اعلان کر کے دامانِ محمدی سے وابستہ ہو جاتا تھا۔ اس پر ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے دروزے کھول دیئے جاتے تھے مگر قربان جایئے ان مسلمانوں کیلئے کہ جن کیلئے کفار مکہ کی شمشیر استبداد کا ہر وار ان کے جذبۂ ایمانی کو تیز تر کر دیتا ہے۔

ان خوش بخت انسانوں میں جنہوں حضرت علیہ السلام والسلام سے اپنی محبت وعقیدت کا حق ادا کرنے کیلئے اسلام قبول کیا اور ان کے قبول اسلام سے اسلام کی شان وشوکت میں اضافہ ہو گیا' جن کے مسلمان ہونے نے عالم کفر کو لرزہ اندام کر دیا' ان میں حضرت سیدنا امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

marfat.com

بڑی تو نے توقیر پائی ہے حمزہ　　کفر پر ایک ہیبت سی چھائی ہے حمزہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ، حضرت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ ہالہ بنت وہب تھیں۔ وہ رسول کریم کے رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ ابولہب کی باندی ثوبیہ نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو سال بڑے تھے۔ آپ سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ان کے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ کروا دیا تھا۔ آپ نبوت کے چھٹے سال ایمان لائے۔ آپ کی کنیت ابوعمارہ تھی، آپ بڑے بہادر جنگجو اور قدآور تھے۔

بچپن میں ان کو شمشیر زنی، تیر اندازی، پہلوانی اور سیر و شکار کا بے حد شوق تھا۔ قبائل کے باہمی جھگڑوں سے ہمیشہ گریز کرتے۔ چھ ہجری کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم سے نکل کر لوگوں کو دعوت توحید دے رہے تھے کہ ابوجہل نے آپ کو گالیاں دیں اور اسلام کے بارے میں بھی برا بھلا کہا۔ آپ پر مٹی اور گوبر پھینکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ برداشت کر کے خاموشی سے تشریف لے گئے۔

بنوتمیم کے رئیس عبداللہ بن جدعان کی آزاد کردہ لونڈی کوہ صفا پر بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شکار سے واپس آتے دیکھ کر کہا "ابوعمارہ کاش تھوڑی دیر پہلے تم یہاں ہوتے، تو دیکھتے کہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ سخت گالیاں دیں، ان پر مٹی اور گوبر پھینکا لیکن ابن عبداللہ کچھ جواب دیئے بغیر خاموشی سے واپس لوٹ گئے۔

یہ سن کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی رگ حمیت پھڑک اُٹھی، غصے سے بے قابو ہو کر گھر جانے کی بجائے سیدھے خانہ کعبہ میں چلے گئے۔ جہاں پر دشمن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل مشرکین مکہ کی محفل میں اپنی اس قبیح حرکت میں خوش ہو رہا تھا۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے جاتے ہی بغیر کچھ پوچھے اپنی کمان اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا اور کڑک کر کہا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، میں بھی ان کے دین پر ہوں، جو وہ کہتے ہیں، میں بھی وہی کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اگر تجھ میں ہمت ہے تو مجھے بھی گالیاں دے کر دیکھو۔

ابوجہل کو لہولہان دیکھ کر اس کے قبیلے کے لوگ جو ساتھ بیٹھے تھے، اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر ابوجہل نے ان کو روک دیا اور کہا کہ ابوعمارہ کو کچھ نہ کہنا، میں نے اس کے بھتیجے کو گالیاں دی تو اسے غصہ

marfat.com

آ گیا' میں نہیں چاہتا کہ بنومخزوم اور بنوہاشم میں جنگ چھڑ جائے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھ پر حق واضح ہو چکا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

اب خوش ہو جاؤ مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چچا جان میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ میری خوشی اس میں ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی باتیں بتائیں۔ آپ کے ارشادات سن کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا دل یقین و ایمان سے بھر گیا' پکار اُٹھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی پھر ہر لحہ اسلام ہی کی حمایت کی۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ابوجہل سے انتقام لینے' قبولیت اسلام کا اعلان کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ سنا دینے کے بعد آپ کی کیفیات یوں بیان کرتے ہیں:

رشتہ داری کے جوش میں یہ سب کچھ ہو گیا۔ ابوجہل سے اپنے پیارے بھتیجے کا انتقام بھی لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن جب گھر واپس آئے تو نفس امارہ نے ملامت کرنا شروع کر دی کہ اے حمزہ تو نے یہ کیا کیا؟ فرطِ غضب میں تو اتنا دور چلا گیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے عقیدے کو بغیر سوچے سمجھے ترک کر دیا اور ایک نئے دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا' تو نے جلد بازی میں بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔ حمزہ گو مگر کے عالم میں ہیں' انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کریں۔ انہیں یہ بات اپنی شان کے سراسر خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے دین کو قبول کر لیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و خوض ہی نہیں آیا۔ ساری رات بڑے قلق و اضطراب میں کٹی۔ ایسی پریشان رات انہوں نے آج تک نہیں گزاری تھی۔ ایسے ذہنی کرب سے انہیں پالا نہیں پڑا گیا۔ جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ عرض کی:

اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا اور ایسی بات پر میرا قائم رہنا بڑا مشکل ہے۔ اس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ اس لئے مجھے اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ میرے بھتیجے! میری خواہش ہے آپ اس سلسلہ میں گفتگو کریں"۔ (سبیل الہدیٰ ص ۴۴۴)

عقل و دل و نگاہ کے مرشد کامل نے حمزہ کے بے تاب دل کی طلب پر توجہ فرمائی اور بڑے دل نشین انداز میں اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے۔ "ویزکیھم" کی شان والے نبی کی نگاہِ التفات کی دیر تھی کہ سارے حجابات اُٹھ گئے' ساری ظلمتیں کافور ہو گئیں'

marfat.com

شک وشبہ کا غبار چھٹ گیا' دل کی دُنیا نورِ ایمان سے جگمگ جگمگ کرنے لگی اور عرض کی:

''میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔ اے میرے بھائی کے فرزند آپ اپنے امن کا اظہار فرماتے رہے۔ بخدا میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وہ نعمت دے دی جائے جس پر آسمان سایہ فگن ہے تاکہ میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤں''۔

اس موقع پر آپ نے اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یوں ہے:

''میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں' جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی' اسلام قبول کرنے کیلئے۔ جو دین حنیف ہے' وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے' جو عزت والا ہے' جو اپنے بندوں کے حالات سے خاخبر اور ان کے ساتھ لطف واحسان فرمانے والا ہے' جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل منداور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ لے کر آئے ہیں۔ ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں' احمد مجتبیٰ وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے۔ کوئی کمزور قول اور عقل وفہم سے گری ہوئی کوئی بات ان کا گھراء نہیں کرتے''۔ (ضیاء النبی' جلد دوم ص ۲۵۵۔۲۵۳۔ از پیر کرم شاہ الازہری)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبولیت اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ابوجہل کے سر پر کمان کھینچ کر مارنے کی بات کو قاضی سلیمان منصور پوری (مصنف رحمۃ اللعالمین) سے منسوب کرتے ہوئے کہا ہے مجھے کہیں سے اسکا سراغ نہیں ملا۔ قاضی صاحب کی ثقاہت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً ان کے پاس اس کا مستند حوالہ ہوگا۔ بہرحال یہ امر طے ہے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے انتہائی جوش و جذبہ کے ساتھ خاندانی قرابت کو مدنظر رکھتے ہوئے ابوجہل کو شدزدوکوب کیا اور ہاں اپنے قبولیت اسلام کا دعویٰ بھی فرمایا۔

ایک دن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام کے ساتھ دارارقم میں بیٹھے تھے کہ قریش کے مرد آہن حضرت عمر الخطاب نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سوراخ سے دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ تلوار لئے کھڑے تھے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا عمر رضی اللہ عنہ کو آنے دو۔ اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن قلم کروں گا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا' عمر کہو کس ارادے سے آئے ہو' نبوت کی پر جلال آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسم ر

marfat.com

کپکپی طاری ہوگئی اور نہایت عجز سے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اللہ اکبر کہا کہ دشت وجبل کانپ اٹھے اور دشمنوں کے گھروں میں یہ خبر پہنچ کر صف ماتم بچھ گئی۔

۷ ہجری بعثت کے بعد مشرکین مکہ نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو حق وصداقت کے پرچار کی سزا میں شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رکھا تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اس کٹھن دور میں رفقاء سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ ۱۳ ہجری حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے طیبہ تشریف لے گئے اور مدینے میں حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔

رمضان ایک ہجری میں سب سے پہلا علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا کیا تا کہ ساحل علاقے میں قریش کے قافلے میں مزاحمت کریں مگر مجدی بن عمرو الجہنی کے باعث معاملہ بطریق احسن ختم ہوگیا۔ صفر ۲ ہجری میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ یا ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ غزوہ دان تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو فوج کا قائد اور علمبردار بنایا مگر اسلامی فوج کے ابوا پہنچنے پر قریش مکہ آگے نکل چکے تھے' تاہم بنوضمر اسے معاہدہ ہوا کہ نہ قریش مکہ نہ ہماری نہ ان کی مدد کریں گے بلکہ غیر جانبدار رہیں گے۔

رمضان ۲ ہجری حق و باطل کا معرکہ مقام بدر پر ہوا قریش مکہ کے دعوت مبارزت پر جس میں عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تلواریں سونت کر نکلے۔ لشکر اسلام سے تین انصار جانباز عوف' معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہم (پسران عفراء و حارث) مقابل میں نکلے۔ قریشیوں نے دیکھ کر کہا "محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ ہماری قوم کے آدمی بھیجو' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ' حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث المطلی رضی اللہ عنہم کو حکم دیا جاؤ ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سامنے شیبہ بن ربیعہ آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ولید بن عتبہ اور حضرت عبیدہ بن حارث کے مقابلہ میں عتبہ بن ربیعہ سے ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی وار میں اپنے اپنے دشمن کو قتل کر ڈالا مگر عبیدہ بن حارث کو عتبہ بن ربیع نے شدید زخمی کر دیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے

marfat.com

مل کر عتبہ بن ربیع کو واصل جہنم کر دیا۔

سرداروں کی ہلاکت دیکھ کر قریش کا نامور بہادر طعیمہ بن عدی شور کرتا میدان میں آیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فوراً اس کی طرف بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کو ختم کر دیا پھر بنو مخزوم کا ایک جنگجو اسود بن عبد الاسد بن ہلال آیا اور اعلان کیا۔ آج میں مسلمانوں کے حوض سے پانی پی کر اسے خراب کروں گا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس پر شیر کی طرح جھپٹے اور ایک ہی وار میں اس کی ٹانگ کاٹ دی مگر وہ سر کرتا ہوا حوض میں جا گرا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے حوض میں ہی قتل کر دیا پھر ۳ ہجری کو مشرکین مکہ نے بدر کا بدلہ لینے کیلئے ۷ شوال المکرم کو مدینے پر چھڑ دوڑے۔ اور کوہ احد کے دامن میں ایک دوسرے کے مقابل میں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت حضور اکرم حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صرف سات سو صحابہ کرام تھے۔ مشرکین مکہ کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو درّے پر بٹھا دیا۔ جہاں سے دشمن کے آ کر حملہ کرنے کا خطرہ تھا۔ پہلے قریش کا نامور علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نکلا اور پکارا تم میں کوئی ایسا ہے جو میرے مقابلے میں آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا پھر عثمان بن ابی طلحہ نکلا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے بھی کندھے پر تلوار ماری جو کمر تک اُتر گئی اور نعرہ مار کر کہا "یہ لے میں ساقی حجاز (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں پھر حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت ابودجانہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن انصار، حضرت اسیر بن حضیر صفوں میں گھس گئے اور دشمنوں کی صفوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ پھر مکے کا ایک سربراہ سباح بن عبدالعزیٰ سامنے آیا تو اسے بھی ڈھیر کر دیا مگر اسی دوران جبیر بن مطعم کا حبشی غلام وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سامنے آئیں۔ وحشی کو جبیر بن مطعم نے اپنے چچا طعیمہ بن عدی (مقتول بدلہ) کا بدلہ لینے کیلئے وحشی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کیلئے بلایا تھا۔ قدرتی طور پر حضرت حمزہ کا پاؤں لڑتے لڑتے پھسل گیا تو وحشی نے تاک کر اپنا بھالا پھینکا اور ناف پر لگا اور پارہ ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر حملے کرنے لگے۔ مگر لڑکھڑا کے گر پڑے اور اسی دوران ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

آپ کی شہادت عظمٰی کے بعد ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نے آپ کی لاش سے کان، ناک اور ہونٹ کاٹ لئے پھر شکم مبارک چاک کر کے دل نکالا اور چبانے لگی مگر چبا نہ سکی اور تھوک

marfat.com

دیا پھر ایک بلندی پر چڑھ کر اعلان کیا کہ آج ہم نے مسلمانوں سے در کا بدلہ چکا لیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے چچا کی لاش کی یوں بے حرمتی ہوتے دیکھی تو سخت افسوس ہوا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا ''تم پر خدا کی رحمت ہو' تم عزیز و اقربا کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ نیز فرمایا مجھے بشارت کی گئی ہے کہ حمزہ بن عبدالمطلب ساتوں آسمانوں پر اسد اللہ اور اسد الرسول لکھے گئے ہیں۔ اس اثنا میں آپ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی لاش دیکھنے آئیں تو فقط انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر بھائی لاش کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر صبر سے واپس چلی گئیں۔

آتی دفعہ اپنے بیٹے زبیر کو کفن کی خاطر دو سفید چادریں دے گئیں کہ ان میں اپنے ماموں کو دفن کر دینا۔

اس کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا پھر ایک ایک شہید احد کا جنازہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھا گیا۔ آپ نے سب پر الگ الگ نماز جنازہ پڑھائی۔ اس طرح سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اس فضیلت میں آج تک کوئی اور آدمی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا شریک نہیں۔ جنازے کے بعد ان کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن جحش کے ساتھ ایک ہی قبر میں احد کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

۴۷ سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ ہجری میں احد کی سمت سے ایک نہر کھودنے کا حکم دیا تو کھدائی کے دوران کئی شہداء کی لاشیں بالکل تر و تازہ حالت میں برآمد ہوئیں۔ اس دوران اتفاق سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر بیلچہ لگ گیا تو ان کے پاؤں مبارک سے خون کی چھینٹیں اس طرح اُڑیں جیسے زندہ آدمی کو زخم لگنے سے خون نکلتا ہے۔ سبحان اللہ' سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ غیرت مند' شجاع' جانباز' بے خوف' صلہ رحم کرنے والے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شوق جہاد کے شائق تھے۔

ایک بار حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جبرائیل علیہ السلام امین کو ان کی اصل صورت میں دکھا دیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کو اصلی حالت میں دیکھ سکیں مگر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھنے پر اصرار کیا۔

marfat.com

ایک دن جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اپنی نگاہ اوپر اُٹھایئے اور دیکھئے حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں نازل ہوئے ہیں۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے نگاہ اُٹھائی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پاؤں دیکھ کر ہی غش کھا گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گذشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جعفر بن طیار رضی اللہ عنہ ملائکہ کے ساتھ اُڑ رہے ہیں اور حمزہ رضی اللہ عنہ ایک تخت کے اوپر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔

جب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ہندہ نے آپ کا کلیجہ چبانے کی ناکام کوشش کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر حضرت حمزہ کا کلیجہ ہندہ کے پیٹ میں چلا جاتا تو اسے دوزخ کی آگ نہ چھوسکتی۔ حفصہ اپنے چچا حمزہ کا جسم اس حالت میں دیکھ کر بہت روئے تھے۔ یہ کمال عفوی تھا کہ فتح مکہ .... نہ صرف ہندہ کو بھی معاف کر دیا بلکہ لرزیدہ بدن خطا کار وحشی ک بھی یہ کہتے ہوئے معاف فرما دیا۔

وحشی میں تجھے معاف کرتا ہوں مگر میرے سامنے نہ آیا کر تجھے دیکھ کر مجھے اپنے پیارے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ یاد آ جاتے ہیں۔ یہ ہند ابوسفیان کی بیوی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں تھی، جس نے اپنے شوہر کے اسلام لانے کے بعد فتح مکہ خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عبد اللہ بن جبش کو بھی مثلہ کیا گیا تھا پھر وہ ان کے ماموں حضرت حمزہ ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔ اسلام نے کسی کو مثلہ کرنے سے منع کیا ہ کیونکہ یہ عمل بربریت ہے اور اسلام کے منافی ہے۔

غزوہ بدر تمام ہو چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت تلاش کیا اور پھر انہیں شکم چاک اور ناک کان کٹا ہوا پایا۔ آپ کو ان کی مسخ حالت دیکھ کر بہت رنج ہوا' اور فرمایا اگر خدا نے مجھے قریش کس جگہ بھی غلبہ عطا فرمایا تو مین ان کے تین آدمیوں کا مثلہ کوں گا جب مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم اور آپ کے چچا کی مثلہ کرنے والوں کو آپ کا غصہ دیکھا تو انہوں نے کہا ...... اگر خدا نے ہمیں کہیں بھی مشرکین پر ختم نصیب فرمائی تو ہم ان کا ایسا مثلہ کریں گے کہ عرب میں کسی نے کبھی ایسا مثلہ نہ کیا ہوگا۔ عرب میں اگرچہ دشمنوں کی لاشوں کو مثلہ کرنا بہادری کی علامت سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے اسی فعل کو قبیح قرار دے کر ناجائز قرار دے دیا۔

حجرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مثلہ کرنے سے متعلق مذکورہ قول پر اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل عطا فرمائی:

marfat.com

''اگر تم کو بدلہ ہی لینا ہے تو اسی حد تک بدلہ لو جس حد تک تم سے بدلہ لیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ عمل صابرین کے حق میں بہتر ہے۔ اے، محمد! آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا صرف اللہ ہی کیلئے ہونا چاہیئے آپ ان کے عمل سے نہ غمگین ہوں اور نہ ان کی مکارانہ حرکتوں سے دل تنگ ہوں''۔ (ترجمہ سورہ نحل)

یاد رہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ احد پہاڑ کے دامن میں دفن کئے گئے تھے اور شہادت کے وقت آپ کی عمر اُنسٹھ سال تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے اپنے پیارے چچا کا غم برداشت ہی نہیں ہوتا۔ جنگ ختم ہوتے ہی آپ نے سب سے پہلے انہی کو تلاش کروایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی نعش ڈھونڈی تھی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرما رہے تھے:

مافعل عمی (میرے چچا کہاں ہیں)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی غم انگیز لاش دیکھ کر آپ کی چشمان مبارک سے .... ہائے تاجدار ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ حضور نے صحابہ سے پوچھا کہ انہوں نے سید حمزہ رضی اللہ عنہ کو جنگ میں کیسا پایا۔ ایک صحابی نے کہا جب بھگدڑ مچی۔

''وہ چٹانوں کے پاس کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے میں اللہ کا شیر ہوں اور اللہ کے رسول کا شیر ہوں۔ اے اللہ آپ ان کفار کی کارستانوں سے بریت کا اظہار کرتا ہوں اور ان مسلمانوں نے جو راہ فرار اختیار کی ہے اس کیلئے بھی معذرت خواہ ہوں''۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چٹانوں کے پاس پہنچے اور آپ کی مثلہ شدہ لاش دیکھ کر آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی پھر آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں، آپ جس طرح کہ میں جانتا ہوں بھلائیاں کرنے والے تھے، صلہ رحمی کرنے والے تھے اور اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ آپ کی بہن یا ہمارے خاندان کی عورتیں غمزدہ ہوگی تو میں ان کی لاش کو یوں ہی چھوڑ دیتا تاکہ قیامت کے دن ان کا حشر درندوں کے شکموں، اور پرندوں کی پوٹوں سے ہوتا''

پھر فرمایا ''مبارک باد ابھی جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ ساتویں، آسمانوں میں یہ شہید راہِ حق اسی نام سے مشہور ہے یعنی حمزہ اللہ کا شیر ہے اور اس کے رسول کا شیر ہے۔

marfat.com

حضرت صفیہ بنت عبداللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن جب تشریف لائیں تو حضور پریشان ہو گئے کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ ان کے بیٹے نے ان کا غم دیکھ کر کہا ''امی جان! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں وہ بولیں مجھے پتہ ہے کہ میرے بھائی کے ساتھ کیا ہوا ہے لیکن سب کچھ راہِ خدا میں ہوا ہے اور میں اس پر صبر کروں گی اور اس کے ثواب کی امید رکھوں گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر آگے بڑھیں اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی چارہ پارہ شدہ نعش کو دیکھا اور انا للہ پڑھا۔ اور ان کیلئے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔

حضرت صفیہ کا بے مثل صبر دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے دماغ پر اثر نہ پڑ جائے۔ اس لئے اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھا۔ چنانچہ آنسو ٹپکنے لگے اور غم ہلکا ہو گیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کفن کیلئے دو چادریں لائی تھیں۔ ایک میں آپ کو کفن دیا گیا اور دوسری میں ایک انصاری شہید کو دفنایا گیا جن کی لاش کی بھی توہین کی گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہ ہوا کہ حضرت حمزہ کو دو چادروں میں کفن دیا جائے اور ایک دوسرا شہید بے گور و کفن رہے جس چادر میں آپ کو کفن دیا گیا وہ چھوٹی تھیں' سر پہ ڈال دی جاتی تو پاؤں ننگے ہو جاتے' اگر پاؤں پر ڈال دی جاتی تو سر ننگا ہو جاتا۔ چنانچہ سر ڈھانپ دیا گیا اور مبارک قدموں پر ازخ گھاس ڈال دی گئی۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ میں حجرہ شریف میں تشریف لائے تو حضرت مسعود رضی اللہ عنہ بن معاذ اپنے قبیلہ میں گئے اور قبیلہ کی ساری عورتیں کو ہمراہ لے آئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا حمزہ کی دلنواز شہادت پر اظہار تعزیت کریں۔ مغرب سے عشاء تک یہ عورتیں روتی رہیں پھر آپ نے آرام فرمایا۔ قدرے افاقہ محسوس ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کیلئے تشریف لائے اور تعزیت کیلئے آنے والی انصار کی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ واپس چلی جائیں اسی طرح مہاجرین کی عورتوں کو بھی حکم دیا پھر آپ نے ان کے مردوں کو فرمایا:

''انہیں حکم دو کہ اپنے گھروں کو واپس چلی جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں''۔

اللہ نے یہ مرتبہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کہ جن کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انصار مہاجرین کی عورتیں رو کر غمگساری کا اظہار کرتی ہیں اور اس کے بعد رونے کی ممانعت کر دی گئی۔

سلام اے سیدنا حمزہ! بے شک آپ عظیم فاتح مجاہد اور عظیم شجاع تھے۔

بے شک آپ اسد اللہ تھے۔

اسد الرسول تھے' سید الشہداء تھے اور اسلام کے شبر تھے۔

marfat.com

ایک عظیم مجاہد صحابی
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

یہ واقعی ایک عجیب بات تھی کہ وہ عرب جن کا حدودِ وطن سے باہر کوئی وقار نہ تھا' کس طرح یکا یک اُٹھ کر کشور کشائی اور جہانبانی کیلئے یورپ' افریقہ اور ایشیا کی طرف بڑھنے لگے۔ عکاظ کی ریتلی اور پیاسی سرزمین جن کی خونریزیوں کی بدولت بارہا لالہ زار ہو چکی تھی' وہی وحشی اور غیر متمدن عرب ایک ہی مقصد کے حصول کیلئے ایک ہی منزل کی جانب شانہ بشانہ بڑھنے لگے۔ یہ سب اس محمد عربی کا فیض تھا' جس نے حضرت عبداللہ و آمنہ کے گھر جنم لے کر انہیں نئی زندگی کا پیغام دیا تھا۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ ان کی اجتماعی سعی پیہم میں ہی ان کے انفرادی حقوق کا تحفظ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر حق پرستوں کے گروہ میں وہ شانِ دلربائی نہ ہوتی جو انہیں امی لقب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے حاصل ہوئی تھی تو وہ اپنے اس عزم میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے جو انہیں قدرت نے ودیعت کیا تھا۔

صحابہ وتابعین کے عہد ہمایونی میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا نقطہ نظر بہت بلند تھا۔ ظاہر میں اُن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا' وہ تعداد میں تھوڑے تھے' ساز وسامان کے لحاظ سے کمزور تھے' ان کے مقابلہ میں طاغوتی طاقتیں پوری مادیت سے لیس تھیں' مگر اس کے باوجود بھی وہ کثرت پر غالب آ گئے اور کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ان کے پاس سب کچھ تھا۔ وہ صرف ایک ہی مقصد لے کر اُٹھے تھے اور وہ تھا اسلام کا فروغ۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے کہ ''جنت تلواروں کے سائے میں ہے''۔ ان کو کشاں کشاں نہیں بلکہ شاداں و فرحاں میدان جنگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں دھکیل دیا تھا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
دو عالم سے رکھتی ہے بیگانہ ان کو   عجب چیز ہے لذت آشنائی

.........o.........

marfat.com

مسلمان مجاہدین کی یلغار سے قیصر و کسریٰ کا تکبر خاک میں مل چکا ہے۔ مسلمان گمنامی سے نکل کر شہرت کی بلندیوں سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اب یہ کمزور نہیں بلکہ ایک طاقت بن چکے ہیں۔ اس وقت مجاہدین کے گھوڑوں کے سموں کی ٹاپ سے طرابلس کے درودیوار گونج رہے ہیں' رومی فوج پے در پے شکستیں کھاتی ہوئی پیچھے ہٹ رہی ہے۔ مسلمانوں کو دادِ شجاعت دیتے ہوئے کئی روز ہو چکے ہیں۔ قریب تھا کہ رومی ہتھیار ڈال دیتے کہ خبر آئی کہ مشہور رومی سالار گریگوری دو لاکھ رومی سپاہیوں کے لشکر جرار کے ساتھ ان کی مدد کیلئے آ رہا ہے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ اب اس عظیم جمعیت کا مقابلہ کرنا جان بوجھ کر خود کو موت کے منہ میں ڈالنے کے مترادف تھا لیکن وہ مسلمان ہی کیا جو باطل سے دب جائے۔ ایک جوشیلے مجاہد نے پکار کر کہا:

''یاد رکھو مسلمانو! اگر تمہارا خیال ہے کہ جس سیلاب سے بھاگ کر تم واپس جا رہے ہو' وہ یہیں رُک جائے گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ رومی ہمیں دباتے ہوئے گھروں میں جا دستک دیں گے اور پھر نہ ہماری جانیں محفوظ ہوں گی اور نہ مال۔ ہماری بہو بیٹیوں کی عصمت ان درندوں کی وحشت و بربریت کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ تخت یا تختہ' فتح یا شکست۔ ہم یہیں کٹ مریں گے' واپس نہیں جائیں گے۔ متفقہ طور پر صلاح یہ ٹھہری کہ رومی لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔

رومی سردار گریگوری کے ساتھ اس کی نوجوان اور خوبصورت بیٹی بھی تھی جو فنون حرب کی ماہر تھی اور اس جنگ میں محض اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانے کیلئے باپ کے دوش بدوش لڑنے کیلئے چلی آئی تھی۔ اس کی خوبصورتی اور بہادری کو دیکھتے ہوئے کئی رومی سرداروں نے اس کے ساتھ شادی کیلئے درخواست کی تھی مگر بدطینت اور چالاک باپ اسے بھی داؤ پر لگانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اگلے روز جبکہ رومی اور مسلمان افواج ایک دوسری کے ساتھ گتھم گتھا ہو چکی تھیں تو گریگوری نے اعلان کیا:

''جو شخص مسلمانوں کے امیر عبداللہ بن سعید کا سر کاٹ کر لائے گا' اسے نہ صرف اس علاقہ کا حاکم مقرر کیا جائے گا بلکہ میری بیٹی کی شادی بھی اس کے ساتھ کی جائے گی''۔

گریگوری کے اس اعلان نے رومی سرداروں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر جانبازیاں دکھلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ گریگوری کی حور شمائل اور دلیر صفت بیٹی کو باپ کے دوش بدوش کھڑی ہو کر مسلمانوں پر تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے' جب وہ بھڑکیلے لباس میں گھوڑا دوڑاتی ہوئی ایک طرف سے دوسری طرف جاتی تو نوجوانوں کی نگاہیں اس کے گھوڑے پر مرکوز ہو جاتیں اور وہ چند ساعتوں کیلئے میدان کی جنگی فضا کو بھول کر اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگتے۔

marfat.com

مسلمانوں کیلئے صورت حال نازک ہو چکی تھی۔ امیر لشکر جناب عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ پر بڑھ چڑھ کر حملے ہو رہے تھے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ مسلمان دشمن کا مقابلہ کرتے' ان کی طاقت حضرت عبداللہ بن سعید کے بچاؤ میں صرف ہونے لگی۔ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ امیر کے بغیر جمعیت نہیں لڑ سکتی۔ اگر حضرت عبداللہ بن سعید شہید ہو گئے تو پھر شکست یقینی ہے۔ چنانچہ انہیں دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے امیر کی جان کی فکر لاحق ہو گئی۔

چند مسلمانوں نے حضرت عبداللہ کو مشورہ دیا کہ وہ خیمے میں بیٹھ کر ہدایات دیں تا کہ ان کی بہتر طور پر حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ وہ خیمے میں بیٹھ گئے اور خیمے کے گرد دو سو مسلمانوں کا دستہ نگہبانی کیلئے چھوڑ دیا گیا اور باقی مسلمان رومی لشکر کے ساتھ برسر پیکار ہو گئے۔ تین چار روز تک اسلامی فوج کو جناب حضرت عبداللہ بن سعید خیمے سے ہدایات دیتے رہے۔ ایک روز مسلمانوں کے دلوں میں یہ سن کر خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ حضرت زبیر بن العوام دارالحکومت سے کمک لے کر مسلمانوں کی امداد کیلئے آ رہے ہیں مگر یہ کنگ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ حضرت زبیر جو کمک لے کر آئے تھے وہ بہت تھوڑی تھی۔ حضرت زبیر نے امیر لشکر سے ملاقات کرنی چاہی تو معلوم ہوا کہ وہ خیمہ میں بٹھا دیئے گئے ہیں کیونکہ ان کے سر کی قیمت مقرر کی جا چکی ہے۔

یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا وہ فوراً خیمے میں پہنچے اور جوش سے کہا:

''عبداللہ! اگر بزدلوں کی طرح خیمے میں ہی بیٹھ رہنا تھا تو میدان جنگ میں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی''؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا'' خدا کی قسم میں بھی سوچ رہا ہوں مگر مصلحت کا تقاضہ بھی تو یہی ہے''۔

''جہنم میں جائے مصلحت' حضرت زبیر نے غصہ سے کہا۔ آؤ میرے ساتھ'' چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن سعید کو ساتھ لے کر میدان جنگ میں پہنچے اور عین اس جگہ پہنچ کر جہاں لڑائی کا زور سب سے زیادہ تھا' بلند آواز سے پکار کر کہا:

''مسلمانو! جو شخص گریگوری کا سر کاٹ کر لائے گا' نہ صرف اسے مال و دولت سے نوازا جائے گا بلکہ گریگوری کی بیٹی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی جائے گی''۔

اس اعلان سے مسلمان مجاہدین کے اندر نیا جوش پیدا ہو چکا تھا۔ بڑھ چڑھ کر حملے ہو رہے

marfat.com

تھے۔ ہر ایک کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح رومی سردار گریگوری تک پہنچ جائے اور اس کا سر کاٹ کر مقررہ انعام حاصل کرے۔ گریگوری کو اب اپنی جان کی فکر ستا رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا مگر مسلمان شاہبازوں کے فولادی پنجوں سے بچ کر کہاں جا سکتا تھا۔ اچانک ایک مسلمان نے پکار کر کہا ''میں نے رومی سردار گریگوری کا سر کاٹ لیا ہے' رومی جانے نہ پائیں''۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ آواز کس کی تھی کیونکہ ہتھیاروں کے ٹکراؤ' گھوڑوں اور اونٹوں کی ہنہناہٹ اور بلبلاہٹ' نعروں اور طبل ہائے جنگ کا شور اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

جنگ ختم ہو چکی تھی مگر گریگوری کے قتل کے تھوڑے ہی عرصہ بعد رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ گریگوری کی لاش بھی مل گئی تھی مگر اس کا سر غائب تھا۔ اچانک سر امیر لشکر حضرت عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں مل گیا مگر قاتل ندارد۔ اب سوال یہ پیدا ہو چکا تھا کہ انعام کسے دیا جائے۔ تمام مسلمان خاموش تھے' کسی نے بھی بڑھ چڑھ کر دعویٰ نہیں کیا تھا' کوئی بازی جیت چکا تھا' مگر خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا' کوئی انعام کا مستحق ٹھہرایا جا چکا تھا مگر سامنے نہیں آ رہا تھا۔

اگلے روز مسلمان فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے مال غنیمت کے ساتھ مدینۃ النبی کی جانب روانہ ہو گئے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس عظیم الشان فتح کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ وہ اس لشکر کے استقبال کیلئے شہر سے باہر تشریف لے آئے تھے۔

سارے لشکر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضری دی اور مسجد نبوی میں آ بیٹھے۔ حضرت عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو جنگ کے تمام حالات بتانے شروع کئے اور یہ بھی بتایا کہ اگر حضرت زبیر اس وقت اس بے نظیر حکمت عملی اور سیاست سے کام نہ لیتے تو شکست کا احتمال تھا اور پھر گریگوری کے قاتل کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔ سارا واقعہ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں شبہ سا اُبھرا اور انہوں نے پکارا ''زبیر کہاں ہیں؟''

حاضر ہوں امیر المومنین! حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پچھلی صف سے جواب دیا۔ وہ تمام سفر میں لشکر کے ایک طرف ہو کر چلتے رہے تھے۔

''قریب تو آؤ'' امیر المومنین کے دل میں شبہ قوی ہو گیا کہ اس عظیم الشان فتح کا اصل محرک اور پچھلی قطاروں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سامنے آنے سے ہچکچا رہے تھے۔ جب امیر المومنین نے اصرار کیا تو وہ سامنے آ گئے مگر ان کے سامنے آنے کی دیر تھی کہ گریگوری کی بیٹی غصہ سے ہونٹ چبانے لگی۔

marfat.com

''یہی ہے وہ شخص جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا'' اس نے چلا کر کہا اور پھر رو پڑی۔

'جزاک اللہ' تمام مسلمانوں کی زبان سے نکلا۔

امیر المومنین نے فرمایا ''اب اعلان کے مطابق یہ انعام تمہیں دیا جائے گا''۔

''نہیں امیر المومنین' حضرت زبیر نے کہا۔ اعلان کرتے وقت میرے دل میں یہ خیال تک بھی نہیں تھا کہ میں گریگوری کا سر کاٹ سکوں گا بلکہ میں تو گریگوری کا داؤ اسی پر آزمانا چاہتا تھا اور میں اس میں کامیاب ہو گیا۔

مسلمانوں نے اس اعلان کے بعد جس جوش وخروش سے لڑائی لڑی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرا یہ وار رومیوں کیلئے بہت ہی مہلک پڑا تھا۔ میرا یہ جہاد فی سبیل اللہ تھا' میں نے اس لڑکی کی خاطر گریگوری کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ میرا یہ فعل خالص اسلام کیلئے تھا اور یہ فتح میری نہیں بلکہ ان ہزاروں شہیدوں کی مرہون منت ہے' جنہوں نے اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے خون اور ہڈیوں سے طرابلس میں اسلامی شوکت کی بنیاد رکھی''۔

امیر المومنین کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا:

''زبیر تمہاری قدر ومنزلت ہمارے دلوں میں کم نہیں ہو سکتی تم اسلام کے ایک بہادر اور نڈر سپاہی ہو' مجھے تم پر فخر ہے اور میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ تمہیں اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق دے مگر تمہیں اس لڑکی کے ساتھ شادی ضرور کرنا پڑے گی' یہ تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔

جیسی امیر المومنین کی مرضی' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سر جھکا لیا۔

اور فضا اللہ اکبر کے نعروں اور مبارک باد کی صداؤں سے گونج اٹھی۔

marfat.com

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سیدی سلمان فارس عاشق خیر الوریٰ
مظہر عشق و ارادت پیکر دین ہدیٰ
ملک فارس سے چلے آئے مدینہ پاک تک
ہر طرف آیا نظر لطف حبیب کبریا
آپ نے فرمایا ”ہے سلمان اہل بیت کا“
اللہ اللہ بحر الطاف نبی بہتا ہوا
زندگی تھی آپ کی سلطان بطحا کی طرح
ان سے تھی ہر پل ہویدا شوکت فقر و غنا
تھے یہ محبوب صحابہؓ عاشق سلطان دیں
سرور کونین سے پائی جزائے بے بہا
سرور دارین کے الطاف عالی دیکھ کر
رشک سے سارا زمانہ ہر گھڑی ہے جھومتا
زندگی تھی آپ کی ہر پل عبارت فقر سے
ان کے اسوہ سے ہویدا عظمت صدق و صفا
اے رضاؔ میری دعا ہے خالق کونین سے
حضرت سلمان سا کردار ہو سب کو عطا

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

عاشق خیر الوریٰ
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت محبوب صحابی تھے' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہوں نے تو ان کا شمار اہل بیت میں کر لیا تھا۔ یہ وہ اعزاز تھا کہ خاندان رسول سے باہر کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ آپکے اندر اپنے آبائی مذہب (آتش پرستی) کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہو گیا کہ یہ وہ آگ ہے جو ہمارے جلائے جانے کی محتاج ہے۔ ہماری خالق یا ہماری قسمتوں کی مالک کس طرح ہو سکتی ہے؟ آپ اصفیان (فارس) ایک نواحی قریہ "جی" کے سردار کے بیٹے تھے۔ باپ کا نام لوذخشان بن مورسلان آب الملکی تھا جو دربار ایران میں خاص مقام رکھتا تھا اور اپنے علاقہ کا بڑا جاگیردار ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے آتش کدے کا منتظم بھی تھا۔ آپ کا اصل نام "مابہ" تھا۔ آپ کا باپ آپ سے بڑا پیار کرتا تھا اور آپ بھی لڑکپن مین کیلنے کودنے کے بجائے آتش کدے کو بھڑکائے رکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔

آتش کدہ بھڑکاتے بھڑکاتے دل میں تلاش حق کی شمع ہو گئی۔ دل و جان تڑپنے لگے کہ میں حقیقت تک کس طرح پہنچ سکوں گا۔ اس تلاش حق کے جذبے نے آپ کو بے پناہ تکالیف و مصائب سے گزارا۔ کئی بار تلاش حق کی جستجو کرتے کرتے دشمنوں کے نرغے میں گھر گئے۔ کئی بار غلام بنائے گئے اور غلام بنانے والوں نے آپ کو کئی بار دوسروں کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہ ان سے بے پناہ مشقت لیتے' کھانے کو بہت کم دیتے' کئی کئی روز فاقے سے گزر جاتے مگر آپ شکایت کا ایک جملہ بھی زبان پر نہ لاتے بلکہ منتظر رہتے کہ کہیں سے کوئی خبر مل جائے تو انہیں مقصود حقیقی تک لے جاتے۔ جہاں تک جفائیں سہنے کا معاملہ تھا تو آپ سچے طالب صداقت تھے اور جانتے تھے کہ راہِ حق کے متوالوں میں جفاؤں کا منڈلانا ایک معمول کا عمل ہے کیونکہ:

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

اب ہم ایک نظر دیکھتے ہیں کہ آپ میں تلاش حق کا جذبہ کس طرح بیدار ہوا۔

marfat.com

حضرت سلمان کے والدان کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر سے باہر نہ جانے دیتے تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فطرۃً مذہبی جوش و ولولہ لے کر آئے تھے۔ اس لئے آتش کدہ کی خدمت میں اس انہاک سے کرتے تھے کہ آگ برابر روشن رہتی تھی۔

ایک مرتبہ والد نے کہا کہ میں اپنی جائیدار کی دیکھ بھال کیلئے خود جا نہیں سکتا تم ہو آؤ۔ سلمان راضی ہو گئے' راستہ میں ایک گرجا ملا جس میں اُس وقت نماز ہو رہی تھی' سلمان کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ گھر آئے تو والد کو اس کی خبر ہوئی' وہ بہت برہم ہوئے اور اُن کو گھر میں مقید کر دیا۔ انہوں نے عیسائیوں سے کہلا بھیجا کہ کوئی قافلہ شام جائے تو مجھ کو اُس کی خبر کرنا' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سلمان موقع پا کر اس قافلہ کے ساتھ شام کی طرف چل دیئے۔ جہاں پہنچ کر انہوں نے معلوم کیا کہ عیسائیوں کا یہاں سے سب سے بڑا پیشوا کون ہے؟ لوگوں نے کہا: بشپ' سلمان اس بشپ کے پاس گئے اور اُس کے کردار کا مطالعہ کرنے لگے۔ یہ شخص انتہا درجہ کا ذلیل فطرت اور بدعمل تھا۔ سلمان اس کی بدعلمی کو دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے تھے مگر کہہ نہیں سکتے تھے۔ آخر کار وہ مر گیا اور اُس کا قائم مقام جو دوسرا بشپ ہوا وہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ سلمان اُس سے بہت مانوس تھے جب یہ مرنے لگا تو سلمان نے پوچھا ''اب میں کس کے پاس جاؤں''۔ اُس نے موصل کے کسی شخص کے پاس جانے کی ہدایت کی۔ سلمان یہاں آئے دیکھا کہ واقعی یہ شخص بڑا عابد و زاہد اور متقی و پرہیز گار ہے مگر چند روز کے بعد جب اس کا بھی انتقال ہونے لگا تو اُس نے سلمان کو وصیت کی کہ تمام نصیبین کے فلاں شخص کے پاس چلے جائیں۔

بشپ کی وصیت کے مطابق سلمان نے نصیبین آ کر دیکھا کہ واقعی یہ شخص بھی پہلے دو بشپوں کی طرح عابد و زاہد ہے' اتفاق کی بات چند روز کے بعد اُس کا بھی انتقال ہو گیا اور اُس کی وصیت کے مطابق حضرت سلمان عموریہ آئے۔ یہاں انہوں نے کچھ بکریاں خرید لیں اور اُن سے معاش کا انتظام کرنے لگے۔ آخر کار وقت آیا کہ اُس اسقف کا ساغر حیات بھی چھلکنے لگا۔ سلمان نے اُس سے کہا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ بشپ بولا! اب میری نظر میں کوئی بشپ ایسا نہیں ہے' جس کے پاس جانے کی میں تم کو ہدایت کروں۔ البتہ ہاں اُس نبی کے ظہور کا انتظار کرو' جو ریگستان عرب سے اُٹھ کر دین براہیمی کو زندہ کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا لیکن صدقہ کو اپنے لئے حرام سمجھے گا اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی اگر تم اس سے مل سکو ضرور ملنا۔

اس بشپ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک حضرت سلمان عموریہ میں مقیم رہے کہ اتنے میں

marfat.com

بنوکلب کا ایک قافلہ ان کے پاس سے گزرا۔ سلمان نے ان لوگوں سے کہا "میں تم کو اپنی بکریاں اور گائیں دے دوں گا تم مجھ کو اپنے شہر میں لے چلو"۔ قافلہ راضی ہو گیا اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چلے آئے مگر بعد میں ان لوگوں نے غلامی کی۔ وادی القریٰ پہنچ کر انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو غلام بنا کر ای یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے یہاں کھجوریں دیکھین تو سمجھے میرا ہر مقصود یہیں ملے گا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ مین قیام پذیر تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنے آقاؤں کی شدید سختیوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے' اُسی دوران میں بنو قریظہ کے ایک شخص نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور اپنے ہمراہ اُن کو لے کر مدینہ چلا آیا۔

قیام مدینہ کے زمانہ میں حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا کے باغ میں ایک درخت پر کام کر رہا تھا' اتنے میں اُس کا ایک چچازاد بھاء آیا اور کہنے لگا خدا بنی قیلہ (انصار) کو غارت کرے۔ میں اُن کے پاس سے ابھی گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص جو اپنے تئیں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور جو مکہ سے آیا ہے' یہ سب لوگ اُس کے اردگرد جمع ہیں۔ میں یہ سنتے ہی اس درجہ اثر پذیر ہوا کہ ایک بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

قریب تھا کہ درخت سے گر پڑوں' بڑی عجلت کے ساتھ اپنے آقا کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اُس نے میرے طمانچہ مارا اور کہنے لگا "جا اپنا کام کر' تجھ کو ان باتوں سے کیا غرض؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اُس وقت تو خاموش ہو گئے۔ رات ہوئی تو کوئی چیز لے کر قباء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پاس یہ یز جمع ہو گئی تھی' اب میں اس کو آپ کے پاس بہ طور صدقہ لے کر آیا ہوں' کیونکہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک صالح بزرگ ہیں اور آپ کے ساتھ حاجت مند لوگ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دیکھ کر اپنا دست مبارک روک لیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا "کھاؤ" چنانچہ وہ سب کھانے میں مشغول ہو گئے اور سلمان واپس چلے آئے۔ پھر ایک مرتبہ اور آپ کی خدمت میں حسب سابق کوئی چیز لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا "یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیہ ہے' صدقہ نہیں" آپ نے دست مبارک بڑھایا اور اُس میں سے خود بھی کھایا اور دوستوں کو بھی کھلایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے یہ دیکھ کر کہا یہ دو علامتیں تو صحیح نکلیں' اب ایک خاتم نبوت کی علامت اور رہ گئی ہے۔ اُس کا بھی امتحان کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ ایک اور دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

marfat.com

میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت ایک جنازہ کے ساتھ بقیع الغرقد جا رہے تھے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خاتم نبوت دیکھنے کی غرض سے پیچھے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منشا معلوم کر لیا اور اپنے دوش مقدس سے چادر سرکا دی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے خاتم نبوت دیکھی تو فوراً بڑھ کر بوسہ دیا اور رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنا پورا واقعہ سنایا' جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی دلچسپی لی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ کے اصحاب بھی اس کو سنیں۔ اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اُس دولت لازوال کے مالک تھے' جس کی تلاش و جستجو میں وہ اب تک سرگرداں پھرتے رہے تھے لیکن غلامی کے باعث وہ آزادی کے ساتھ تمام اسلامی فرائض انجام دے سکتے' چنانچہ آپ بدر واحد کے معرکوں میں شرکت نہیں فرما سکے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلمان رضی اللہ عنہ کی اس مجبوری و بے بسی کو محسوس کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا "تم اپنے آقا سے مکاتبت کو لو"۔ یعنی کوئی معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آقا سے اس کی خواہش ظاہر کی۔ معاملہ تین سو کھجور کے درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کے ادا کرنے پر طے ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ کھجور کے درخت لگانے میں سلمان کی مدد کریں۔ سب نے حسب مقدرت ان کی امداد کی' جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے۔ رہا سونا' اُس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' ایک شخص انڈے کے برابر سونا لئے ہوئے حاضر خدمت ہوا' تو لنے پر معلوم ہوا کہ ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دلوا دیا جس کو ادا کر کے وہ نعمت آزادی سے بہرہ اندوز ہو گئے۔

آزادی کے بعد عرب کے قاعدہ کے مطابق ضروری تھا کہ کسی کے حلیف ہو کر رہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی مواخات حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے کرا دی۔

آزادی کے بعد سب سے پہلا معرکہ خندق کا پیش آیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس میں بڑے جوش و خروش اور شوق و ذوق کے ساتھ شرکت فرمائی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس معرکہ کی کامیابی ظاہری اسباب کے پیش نظر بڑی حد تک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تجربہ کاری' دانائی اور فراست کے ہی باعث تھی۔ اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل ایک زبردست جمعیت کی صورت

marfat.com

میں مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آئے تھے' حملہ مدینہ پر تھا جس کے اردگرد نہ قلعہ تھا اور نہ فصیل تھی۔ اُدھر دشمنوں کی جمعیت کثیر اور مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایران کی معرکہ آرائیاں دیکھے ہوئے تھے' جنگ نہ کرنی چاہیئے بلکہ مناسب یہ ہوگا کہ چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا جائے۔ اس تجویز کو پسند کیا گیا' خندق کھودی گئی تو اُس کی کھدائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین کی یہ محنت ومشقت دیکھی تو بے ساختہ زبان مبارک سے نکلا ''اے اللہ زندگی تو دراصل آخرت ہی کی زندگی ہے پس تو انصار ومہاجرین کو بخش دے۔ فدا کاران رسالت پناہ کے نبوت کی لسان صدق ومحبت کو یوں نوا پیرا دیکھا تو جوش اشاعت میں بول اُٹھے۔

نحن الذین بایعو محمدا .... علی الجهاد ما بقینا ابداً

ترجمہ: ''ہم ہی ہیں وہ جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد پرست کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے''۔

یہ واقعہ ۸ ذوالقعدہ ۵ ھ کا ہے۔ حضور پُر نور نے خود حدود قائم کیں۔ داغ بیل ڈال کر دس دس گز زمین دس دس آدمیوں پر تقسیم کر دی۔ انصار ومہاجرین میں اختلاف ہوا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کدھر رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہے''

حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق دشمنانِ اسلام جو بیس ہزار کی فوج گماں لئے ہوئے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ یہاں آکر دیکھا خندق کھدی ہوئی ہے اور اندر پہنچنا سخت دشوار ہے۔ وہ اس طریقہ جنگ سے پہلے سے بے خبر تھے' وہیں محاصرہ کر کے پڑ گئے۔ تقریباً ایک ماہ تک مسلسل محاصرہ قائم رہا مگر شہر تک پہنچنا اُن کو نصیب نہ ہوا۔ مشرکین میں سے عمرو بن عبدود ایک مشہور بہادر جنگجو تھا۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور خندق عبور کر گیا۔ اب اس نے عرب کے دستور کے مطابق للکار کر کہا ''کون ہے جو میرے مقابل آئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی اور عمامہ باندھا' کچھ گفتگو کے بعد دونوں میں جنگ ہوئی۔ عمرو بن عبدود کے پہلے وار کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس زور سے حملہ کیا کہ اُن کی تلوار حریف مقابل کا شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ اس فتح میں بڑا دخل خندق کو تھا' جس کا مشورہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ہی دیا تھا۔ اس لئے اس غزوہ کی کامیابی کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

marfat.com

خندق کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں حضرت سلمان' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوئے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عہد فاروق رضی اللہ عنہ کی ایرانی جنگوں میں بھی آپ شریک ہوئے اور چونکہ یہ خود ایرانی الاصل تھے اور جنگ کے طریقوں سے پوری طرح باخبر اسلئے آپ سے اسلامی لشکر کو بڑی مدد ملی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کے گورنر تھے۔اس کے باوجود درویشی و فقر کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس صرف ایک عبا تھی' جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اُس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچاتے تھے۔

زہد و اتقا کی شان یہ تھی کہ عمر بھر کبھی کوئی گھر نہیں بنایا' ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کیلئے ایک مکان بنا دیں' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا''کیوں! کیا تم میرے لئے ایسا مکان بنانا چاہتے ہو جیسا کہ تمہارا مسلمان مدائن میں ہے''۔حضرت حذیفہ نے کہا: نہیں ہم آپ کیلئے بانس کا مکان بنائیں گے' جس کی چھت گھانس اور پھونس کی ہوگی اور جو اس قدر مختصر ہوگا کہ آپ کھڑے ہوں گے تو اس کی چھت آپ کے سر کو لگے گی اور آپ لیٹیں گے تو اُس کی دیواریں آپ کے دونوں سپونوں کو لگیں گی۔ حضرت سلمان بولے''تم نے میرے دل کی بات پالی''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء اور حضرت سلمان دونوں میں مواخات کرا دی تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرصہ تک مدینہ میں قیام کیا۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں انہوں نے عراق کی سکونت اختیار کر لی۔ایران پر لشکر کشی کے وقت وہ بھی مجاہدین اسلام میں شریک ہو گئے۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روم شناس آدمی تھے۔انہوں نے سلمان فارسی کو مدائن کی گورنری پر مقرر فرمایا اور تقریباً چار یا پانچ ہزار درہم ان کی تنخواہ مقرر کی مگر آپ کی گورنری کی شان بھی صبا تھی۔جو تنخواہ ملتی اسے مساکین میں تقسیم کر دیتے اور خود چٹائی بن کر روٹی کھاتے۔چٹائی کی آمدنی کا ایک تہائی خیرات کر دیتے۔خطبہ دیتے تو ایک معمولی عسا پہن کر کہیں جاتے تو ایک بغیر زین کے معمولی سے گدھے پر سوار ہو کر۔لوگ ان کو دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے۔آپ نے ایک تنگ اور چھوٹی سی قمیص اور تہ بند تن کر رکھا ہوتا۔

marfat.com

آپ لوگوں کے ہنسنے پر فرماتے:

''خیر و شر کا اندازہ تو اس زندگی کے بعد ہوگا' آج جتنا چاہے ہنس لو''۔

آپ کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک بوسیدہ کمبل تھا۔ دن کے وقت اسے اپنے بدن پر ڈال لیتے اور رات کو سوتے وقت اوڑھ لیتے۔ ایک دن مدائن کے بازار میں جا رہے تھے۔ ایک ناواقف شخص نے انہیں مزدور سمجھ کر اپنا سامان اُٹھانے کیلئے کہا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سامان اُٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ راستے میں لوگوں نے دیکھ کر تعجب سے کہا''اے صاحب رسول ! اے امیر۔ آپ نے یہ بوجھ کیاں اٹھا رکھا ہے۔ لایئے ہم اسے پہنچا دیں۔ سامان کا مالک ہکا بکا رہیا۔ نہایت شرمندہ ہو کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے معافیمانگی اور ان کے سر سے سامان اتروانا چاہا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا''بھائی تو نے یہ سامان اُٹھوا کر اپنے مکان تک لے جانے کو کہا تھا۔ اب تو میں اسے منزل مقصود تک پہنچا کر رہی رہوں گا''۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے تو عراق میں قیام کر لیا جبکہ ان کے مواخاتی بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ شام چلے گئے تھے۔ شام سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو لکھا:

''میں یہاں بہت خوش ہوں' اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مال و اولاد دونوں کی نعمت وافر عطا فرمائی ہے اور میں یہاں ارض مقدس میں ہوں''۔

آپ نے اس کا جواب لکھا 'سنو مال و اولاد کی کثرت یا ارض مقدس میں ہونا خیر نہیں ہے بلکہ خیر یہ ہے کہ تم کوئی ایسا عمل کرو جو تمہارے لئے مفید ہو اور تم اپنے تئیں مردلوگوں سے سمجھو''۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا تقرب حاصل تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں''سلمان رات کو دیر تک آپ کی خدمت میں رہتے تھے یہاں تک کہ ہم کو یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں آپ ہم سے غافل نہ ہو جائیں''۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے' علی' عمار اور سلمان' حضرت علی سے کسی نے حضرت سلمان کے علم کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا انہیں اوّل و آخر کا علم دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسے سمندر ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا''

ایک دفعہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلامی بھائی ابودارداء کی بیوی کو آشفتہ حال دیکھا۔ پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ وہ کہنے لگی''میں کس کیلئے بناؤ سنگھار کروں' تمہارے

marfat.com

بھائی تو بالکل ہی تارک دنیا ہو گئے ہیں"۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مکان پر تشریف لائے تو حضرت سلمان کیلئے کھانا منگوایا مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان بولے"تو میں بھی کھانا نہ کھاؤں گا' رات کو آپ نے وہیں قیام فرمایا' شب کے آخر میں حضرت ابودرداء عبادت کیلئے اُٹھے تو آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا"تم پر تمہارے رب' تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی کا سب کا حق ہے' روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے"۔ اگلے دن صبح کو دونوں نے یہ معاملہ بارگاہ رسالت پناہ میں پیش کیا۔ آپ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا"سلمان تم سے زیادہ مذہب سے واقف ہیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ تقرب خاص رکھنے کی وجہ سے صحابہ کرام بھی آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت عمر کے پاس آئے۔ آپ اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھتے ہی تکیہ آپ کیلئے ڈال دیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا"میں ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اُس وقت آپ ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آپ نے اُس کو میرے سامنے ڈال دیا۔ پھر فرمایا اے سلمان جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اُس کیلئے از راہ تعلیم وتکریم اپنا تکیہ پیش کر دے تو خدا اُس کی مغفرت کر دے گا"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا' ان میں سے ایک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا بھی نام تھا۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"سلمان خیر سے پر ہے"۔

آپ نے اس کو"سلمان الجز" کا لقب بھی عطا فرمایا۔ آپ کی عمر مبارک متعلق مختلف روایات ہیں۔ صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ اس تو کسی کو شک ہی نہیں کہ حضرت سلمان کی عمر اڑھائی سو برس کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے اسی برس کی عمر پائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علیل ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کو آئے تو آپ رونے لگے۔ انہوں نے رونے کا سبب پوچھا اور کہا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ موت قریب آ رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بے پناہ خوش ہو کر دنیا سے گئے تھے۔ اب آپ وہاں ان سے جا ملیں گے۔ بولے خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا' اور نہ دنیا کی حرص میری دامنگیر ہے۔ رونا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا سامان ایک مسافر کے سامانِ رحلت سے زیادہ نہ ہو' یرے پاس یہاں

marfat.com

اس قدر سانپ بچھو جمع ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کل سامان جسے سانپ بچھو سے تعبیر کیا گیا تھا یہ تھا ایک بڑا پیالہ' ایک لگن' اور ایک تسلہ۔

اس کے بعد حضرت سعد نے کہا کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے۔ فرمایا جب کسی کام کا قصہ کرو فیصلہ کرو' یا تقسیم کرو' تو خدا کو یاد رکھو"۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا "آپ بے گھر اور بے در ہیں۔ میں آپ کیلئے ایک مکان بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا لیکن وہ شخص پیہم انکار کرتا رہا۔ آخر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بھائی گھر میرے لئے مکان بنانا اتنا ہی ضروری ہے تو اس طرح بناؤ کہ اگر لیٹوں تو پیر دیواروں سے لگیں اور اگر کھڑا ہوں تو سر چھت سے مل جائے"۔

اس شخص نے ان کی خواہش کے مطابق مختصر سی جھونپڑی بنا دی۔

حافظ عبدالبر رضی اللہ عنہ نے "استیعاب" میں یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ اللہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ فرمایا "علی' مقداد' سلمان' ابوذر" (رضی اللہ عنہم)

مستدرک حاکم میں درج ہے خود حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میرے سامنے ڈال دیا اور فرمایا "اے سلمان اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملنے جائے اور وہ ازراہِ تعظیم اس کیلئے اپنا تکیہ پیش کر دے تو خدا اس کی مغفرت فرمائے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی ازراہِ تکریم اپنا تکیہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا۔ حضرت سلمان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور وہ واقعہ بیان کیا جس میں حضرت نے انہیں اپنا تکیہ مرحمت فرمایا تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشفقت بے بایاں کی بدولت اہل بیت سے نسبت ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ صدقہ سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ذرہ بھر بھی احتمال ہوتا تو اس سے بھی بچتے تھے۔ خوف آخرت کا یہ عالم تھا کہ خود بھی اس سے لرزہ براندام رہتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی یاد دلاتے رہتے تھے۔ فرماتے تھے مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا

marfat.com

ہے۔ایک وہ جو ہر وقت دنیا کی طلب میں ہے۔دوسرا وہ جو موت کو بھلا بیٹھا ہے مگر موت اس سے غافل نہیں ہے۔تیسرا وہ جو قہقہہ مار کر ہنستا ہے حالانکہ اسے یہ علم نہیں کہ اللہ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ایک دفعہ اکابر قریش کی جگہ پر جمع تھے اور اپنے اپنے فضائل ومحامد بیان کر رہے تھے۔حضرت سلمان بھی وہاں موجود تھے۔ان سے کہا گیا کہ وہ بھی اپنے بارے میں کچھ بیان کریں۔انہوں نے فرمایا:

''بھائیو! میں کس بات پر فخر کروں' میرا آغاز ایک نجس پانی ہے اور انجام یہ ہوگا کہ ایک دن یہ جسم بدبودار لاش کی شکل میں اختیار کرے گا۔پھر آخرت میں زندگی کے سارے اعمال تولے جائیں گے اگر نیکیوں کا پلڑا جھک گیا تو اللہ نے سرخرو کیا اور اگر بدیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو پھر دائمی ذلت اور عذاب ہے''۔

یہ تھے حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی درجہ خوش چینی کی کہ اس کی تصویر بن گئے۔فقر و فاقہ ان کی زندگی تھی' مال و دولت سے نفرت ان کا شعار تھا۔گورنر ہو کر بھی کبھی محل تو دور ہے عام سے کچے مکان کے بارے میں بھی نہ سوچا اور ایک تنگ سی کوٹھڑی میں زندگی بسر کرتے رہے۔کپڑوں پر کئی کئی پیوند ہوتے۔دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے۔بیواؤں کے گھروں میں جھاڑو پھرتے۔ان کیلئے کنوؤں سے پانی لاکر دیتے۔زمانہ ان پر ہنستا مگر یہ ہر حالت میں خدا کی رضا میں راضی رہتے اور خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی کوشش کرتے اور زمانے نے یہ دیکھا آپ اس میں کامیاب ہی رہے۔اللہ اکبر ملک فارس کا تلاش حق کا متلاشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچا تو ان کی نگاہِ کرم کے سبب سے ان کا صحابہ کرام کی آنکھوں کا ستارا بن گیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ۳۵ھ میں لعہید خلافت امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین وفات پائی۔جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آپ کے مرض الموت کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ گھر میں فقط ایک بڑا پیالہ' ایک لوٹا' ایک بوسیدہ کمبل اور تسلہ سامان زندگی ہے۔تکیہ کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی ہیں اور عبادت کیلئے آنے والوں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ ہر حال میں خدا کو یاد رکھو اور کوشش کرو کہ حج یا جہاد کرتے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے اپنی جان خدا کے سپرد کرو اور امانت میں خیانت نہ ہونے پائے۔

اللہ اللہ کس قدر اعلیٰ تھے اصحاب رسول شوکت ایمان میں بالا تھے اصحاب رسول

marfat.com

حضرت ابوذر غفاری رحمتہ اللہ علیہ

اصول ملت اسلام توڑا جا نہیں سکتا
کوئی رشتہ عدوئے حق سے جوڑا جا نہیں سکتا
مظاہر تھے یہ سب اسلام کی شان جلالی کے
دلوں نے توڑا ڈالے پیکر اصنام خیالی کے
جنہیں خوشنودی ذات خدا مطلوب ہوتی ہے
لحاظ خوں سے ان کی طبع کب مغلوب ہوتی ہے
جہاں میں دشمن حق عام انسانوں کا دشمن ہے
جو انسانوں کا دشمن ہے مسلمانوں کا دشمن ہے
خدا ہی کیلئے جنگ اور صلح و آشتی کرنا
خدا کی راہ میں جینا' خدا کی راہ میں مرنا
بشر جب رشتہ دل کو خدا سے جوڑ لیتے ہیں
تو اپنے دل جہان ماسوا سے توڑ لیتے ہیں
نہ پاس خاندان ان کو' نہ عزو جاہ کی خاطر
قرابت دوستی سب کچھ فقط اللہ کی خاطر

(حفیظ جالندھری)

marfat.com

رمز شناس رسول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

یہ فقط رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تھا کہ فسق و فجور، ظلم و ستم، جور و جفا اور ظلمت و جہالت میں گم انسان بزم عالم کے رہبر بن گئے۔ جن کو کل تک کوئی پوچھتا نہ تھا، وہی زمانے بھر کے مقدر کے مالک بن گئے، جو زمانے کی ٹھوکروں پر تھے وہ بزم کونین کے آقا بن گئے۔ لات و ہبل اور عزیٰ و منات کو پوجنے والے ایک اَن دیکھے خدا کے ماننے والے بن گئے۔ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہانے والے امن عالم کے علمبردار بن گئے۔ شراب اور رقص و سرود سے پیار کرنے والے اخلاص و وفا کے پیکر بن گئے۔ عظیم صحابیِ رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ظلم و ستم اور لوٹ مار پر گزارا کرتا تھا مگر اچانک حضرت ابوذر کے دل میں عشق کی چنگاری بھڑک اُٹھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو پھر ان کے ہی ہو رہے اور یہ ان کے عشق رسول کی بالاتری کا ہی اعزاز تھا کہ ''مسیح الامت'' کے اعزاز سے پکارے گئے۔

شہ کونین کی عظمت کا یہ اعجاز دیکھا ہے
زمین و آسماں کو ان پہ محو ناز دیکھا ہے

…………o…………

اب ایک نظر آپ کے حالات دیکھیے۔

مکہ معظمہ سے شام و فلسطین کی طرف جو کاروانی سڑک ریگستانی علاقہ سے ہو کر گزر رہی ہے وہیں مشرقی سمت کنانی النسل عرب کے سردار غفار بن ملیل کے خاندان میں خوشی اور مسرت کے شادیانے بج رہے ہیں اور ہر شخص کی زبان پر غلغلہ بلند ہے کہ آج کی رات سردار قبیلہ جنادہ بن کعب بن صعیر بن الوقعہ بن سفیان بن حرام ابن غفار کے گھر میں ایک قبول صورت بچہ پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سعادت ازلی و ابدی کا مالک اور کامرانی وعیش کا حقیقی وارث قرار دے۔ غفاریوں کی عام عادت کے مطابق ساتویں دن جنادہ اور رملہ بنت ربیع نے مل کر اس بچہ کا نام جندب رکھا اور بڑے

marfat.com

ارمان، آرزو کے ساتھ اس بچہ کی پرورش و تربیت کے انتظام کئے جانے لگے۔

بنو غفار چونکہ ایسے زبردست سرحدی مقام پر واقع تھے جہاں کی زمین فی نفسہ خود تو کوئی ایسی زیادہ زرخیز نہ تھی البتہ ملک شام کی تجارتی منڈی کے تاجر اور عربی رؤساء کے قافلے مال و دولت سے لدے ہوئے اس کے قریب سے ہو کر گزرتے تھے۔ اس لئے جاڑے اور گرمی کے موسم میں جب قافلوں کی آمد و رفت اپنے شباب پر ہوتی تھی غفاریوں کی بھی معقول آمدنیاں ہو جاتی تھیں۔

مختلف قسم کے سامان مختلف ملکوں کے آدمیوں کے ساتھ دیکھ کر اکثر لوگوں کو طمع دامن گیر رہتی اور چونکہ خود اتنی استطاعت و قابلیت نہیں رکھتے تھے کہ جائز حیثیت سے دنیا جہان کی بیش قیمت اشیاء پیدا کریں، اس لئے نوجوان اور منچلے غفاری لوٹ مار کی طرف راغب ہو گئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کی ان غیر شریفانہ حرکتوں کی بدولت لوگ انہیں رہزن اور ڈاکو کے لقب ذلیل سے یاد کرنے لگے کیونکہ اب یہ چیز نوجوانوں سے گزر کر پورے قبیلہ کے افراد میں پھیل گئی تھی۔

اس امن شکن اور اخلاق سوز جرم کے اور جو کچھ نفسیاتی حیثیت سے نتائج رونما ہوئے آئندہ نسلیں اس بد اخلاقی کا ایسا شکار ہوئیں کہ جدا جدا ٹولیاں بن گئیں اور ہر ایک نے مختلف مقامات پر اپنے اڈے بنا لئے۔ غفاری نوجوانوں سے گزر کر غفاری لڑکوں کی ایک جماعت تھی، جس نے اپنی عادت یہ ڈال رکھی تھی کہ رات کے پچھلے پہر جبکہ ساری دنیا مست پڑی ہوئی ہوتی تھی، بچوں کا یہ مختصر دستہ اٹھتا اور سڑک پر جو قافلہ بھی جاتا ہوا ملتا اس کے تمام سامان و اسباب کو جا کر لوٹ لیتا۔

علم النفس کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ جب کوئی قوم یا جب کوئی شخص کسی فعل کا ارتکاب کرنے لگتا ہے تو فطرۃً اس کا قدم وہیں پر رک نہیں جاتا بلکہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب اگر وہ فعل فعل حسن ہے تو خیر، دیگر باتیں اس کے ملحوظ خاطر ہونے لگتی ہیں اور اگر وہ جذبہ یا کسی امر شری کے زیر اثر پیدا ہوا ہے تو خباثت کی طرف اقدام و سبقت کی جانب سختی کے ساتھ طبیعت مائل ہو جاتی ہیں۔ غفار چونکہ رہزنی، بدکاری اور قتل و غارت گری میں بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر قدم بڑھائے چلے جا رہے تھے اس لئے ان سے روز بروز اعمال خیر سلب ہوتے جاتے تھے اور برائیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب ناپاک جذبات کے بھوت روحوں پر مسلط ہو جاتے ہیں تو پھر روح انسانیت وہیں پر جل کر ختم ہو جاتی ہے اور اس کا دل و دماغ بلا کسی زبردست معاہدہ اور صیقلی کے امور خیر کی طرف نہیں مائل ہوتا۔

پھر بھی بعض خوبیاں ان میں اب بھی ایسی تھیں جو ان کو زیور انسانیت سے اب تک آراستہ

marfat.com

کئے ہوئے تھیں۔ ورنہ شاید یہ لقب جلیل بھی ان سے اب تک کب کا چھن گیا ہوتا۔
لیکن بنو غفار نے عام عربوں سے وراء الوراء ہو کر کچھ اقدام اور کرنا چاہا اور وہ شہر حرم جن کی عظمت و جلالت صرف قریش ہی کے ساتھ عقیدۃً مخصوص تھی بلکہ اس میں بلا امتیاز رنگ و بو تمام عرب متفق الخیال تھے اور برسہا برس سے کرتے چلے آتے تھے۔ بنو غفار نے اس کو بھی حلال کر کیا اور اس کی وجہ وہی حرص طمع اور قتل و غارت گری کی بے تحاشا عادات کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ الغرض قوم غفار انہیں بدمستیوں اور لیل و نہار کی انہیں تباہ کن گردشوں میں گرفتار تھی کہ اچانک جندب کی ولادت ہوئی۔ یقیناً جندب نے بھی ابتداء میں ان مشاغل میں شرکت کی ہوگی اور وہ چونکہ فطرۃً بہت ہی عالی دماغ، جری اور طبیعت کے اعتبار سے تیز واقع ہوئے اس لئے بہت جلد نمایاں حیثیت پیدا کر لی ہوگی۔
لیکن فطرت انسان کو ایک دن اپنے مرکز پر ضرور لوٹا کر لاتی ہے۔ جندب کو تنبیہ ہوئی اس قادر ذوالجلال کی طرف سے جو ڈوبتوں کو اچھالتا اور گرتوں کو سنبھالتا ہے۔ جندب کو ان افاعیل واہیہ سے روکا اور اس کی بے نیازی کی سن کر ایسا اثر قبول کیا جس نے جندب کو قبیلہ غفار کیلئے ناصح مشفق اور مصلح کامل بنا کر بھیجا۔ وہ خود بھی اس قسم کے حرکات سے محرز ہوئے اور چپکے چپکے اپنے پاس بیٹھنے والوں اور ملنے جلنے والوں کو بھی روکتے رہے لیکن ان مہموں کا جو نتیجہ نکلا اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ باوجود قوم میں بڑا رسوخ پانے اور سچائی و صداقت میں مشہور ہونے کے محض اتنی سی بات پر کہ انہوں نے لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتے ہوئے شہر حرم کی تعظیم اور فعل قبیح قتل و غارت گری سے منع فرمایا تھا۔ لوگ لکڑیاں لے کر چڑھ دوڑے اور خدا کے اس نیک بندے کا جس کا مقصد محض اصلاح اخوان تھا، گھونسوں اور لاتوں سے مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا وہ تو، کہتے کہ یوحنا کو کچھ رحم آ گیا اور اس نے لوگوں کو یہ کہہ کر نرم کر دیا کہ یہ مجنون مجذوب ہے اس کی ان فضول باتوں پر اثر بھی لینا فضول ہے، بکتا ہے، بکنے دو۔ اسی کے ساتھ ہی اس نے جندب کی طرف پکار کر کہا کہ اے ابوذر وطن اور ہم وطن دشمن دونوں تمہارے دشمن ہو گئے ہیں، اب اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو مناسب یہی ہے کہ کسی دوسرے مقام کی طرف کوچ کر جاؤ۔
کسی کو کیا خبر تھی کہ ابوذر آگے چل کر کس مرتبۂ جلیل اور کس قدر بلند شخصیت کو حاصل کرنے والے ہیں، کسے کیا معلوم تھا کہ ان کو مسیح الامت کا خطاب عظیم مرحمت ہوگا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف پا کر ان کی زبان فیض ترجمان سے سچائی اور صداقت کا سرٹیفکیٹ ان الفاظ میں حاصل کریں گے۔ زمین و آسمان نے آج تک کوئی ایسا بولنے والا نہیں دیکھا جو ابوذر

marfat.com

سے زیادہ صادق القول ہو۔

چنانچہ شاید یوحنا ہی کے مشورہ کے مطابق انہوں نے ترک وطن کا ارادہ مصمم کرلیا اور ہم وطنوں کے درو دیوار اپنی شکار گاہ اور لوٹ مار کے مواقع حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

راستہ میں ٹھہرتے ٹھہرتے عزیزوں اور دوستوں کے یہاں قیام کر کے مکہ کے قریب ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت ابوذر کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی پچھلی خطاؤں اور ظالمانہ و بے دردانہ قتل و غارت گریوں پر نادم ہو کر بنام خدا اپنے کو وقف کر چکے تھے۔ آپ کی آنکھیں اور قلب انتہائی بے چینی کے ساتھ ایک ایسے مربی کامل اور ہادی برحق کی تلاش کر رہا تھا جو آپ کو صحیح معنوں میں خدا کے سچے راستے کی ہدایت فرمائے۔ آپ عربوں کے عام عقیدہ کے خلاف فطرۃً یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بت وغیرہ کچھ چیز نہیں' نہ لات وہبل کوئی فائدہ و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان کا ہماری معزز گردنوں کے جھکنے سے کوئی نفع نقصان ہے۔ آپ ایک خدا کو مانتے تھے اور اسی کی تلاش میں حیران و پریشان رہا کرتے تھے۔

عین اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور چونکہ آپ نے بھی یہی ادعا فرمایا تھا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا آخری رسول ہوں۔ یہ بتوں اور دیوتاؤں کی پرستش محض مشرکانہ فعل ہے۔ اسی اثناء میں مکہ سے ایک قافلہ آیا اور اسی گاؤں میں جہاں ابوذر ٹھہرے ہوئے تھے آ کر مقیم ہوا۔ اس نے ابوذر کے خیالات معلوم کر کے ازراہ تعجب کہا: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دماغ میں بھی وہی جن سوار ہے جو ہمارے یہاں نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ہے' وہ بھی یہی کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔

اس واقعہ کے سنتے ہی ابوذر کے قلب پر بجلی سی کوند گئی اور معاً یہ خیال دامنگیر ہوا کہ چلو اس سے چل کر ملیں اور پوچھیں کہ اس کے پاس اس کے دعوے کے کیا کیا دلائل ہیں۔ چنانچہ پہلے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیقات کیلئے بھیجا' اس کے بعد خانوادہ غفار کا یہ تابندہ بخت فرزند اپنی پیٹھ پر ایک مختصر سے کالے مشکیزہ میں پانی اور زنبیل میں کچھ پھل رکھ تن تنہا مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب حرم کے قریب پہنچتے ہیں تو اپنی سواری سے اتر پڑے اور پاپیادہ اپنے مقصود کو تلاش کرنا شروع کیا۔

مکہ میں ابوذر کے آنے کا آج پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے وہاں کے کسی آدمی سے ملاقات تھی اور نہ کسی کے یہاں بے بلائے ٹھہرنا گوارا کرتے تھے۔ اس لئے حرم ہی کے ایک گوشے میں اپنا

marfat.com

مختصر سا سامان حیات رکھ کر اقامت گزیں ہو گئے۔

غیرت مزاج اس قدر تھی کہ مکہ پہنچ کر دل میں یہ ٹھان لی کہ اس گوہر مقصود کو میں خود ہی کوشش ہے تلاش کروں گا' اسکے متعلق کسی غیر سے تحقیق و جستجو نہ کروں گا۔

چنانچہ اسی آن ہی آن میں ایک مہینہ گزر گیا' اتنے دنوں میں جو کچھ ساتھ لائے تھے وہ بھی ختم ہو گیا اور جو کچھ یہاں وقتاً فوقتاً پیدا کیا تھا ٹھکانے لگ گیا۔ فاقوں پر فاقے ہونے لگے مگر اللہ ری غیریت کہ پائے استقلال اور ارادہ صمیم میں مطلق جنبش نہ ہوئی۔ جس اطمینان وسکون کی ساتھ ارادہ کے وقت دل میں جذبات کی لہریں بلند ہوئیں تھیں اسی جوش کے ساتھ اب تک اُسی سمندر میں طوفان برپا تھا۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود تلاش کرلیا' یہ گوارا نہیں کیا کہ کسی غیر سے آپ کا پتہ دریافت کیا جائے۔

اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک دن آپ اسی تلاش میں حیران سرگردان پھرتے پھرتے بالکل تنگ آ گئے تھے۔ اس لئے اس جذبہ کی ایک کڑی ٹوٹی اور معمولی پھٹے حال شخص سے جو اسی وقت حرم میں داخل ہوا تھا قریب پہنچ کر یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس نبی مقدس کا یہ کوئی غریب چیلا معلوم ہوتا ہے۔ دریافت کیا' "بھائی جان تم لوگ جس شخص کو صابی صابی کہہ کر پکارتے ہو اس کا گھر کہاں ہے' مخاطب یہ سمجھے کہ یہ شخص بھی شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا کوئی آدمی ہے' حیران ہو کر چیخنے لگا "یہ صابی کہاں سے آ گیا' یہ صابی کہاں سے آ گیا"۔

اس نے زمین و آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر و قریش نے صابی (بے دین یا آج کل کی اصلاح میں "لادین" کہنا شروع کر دیا تھا) اور دعویٰ نبوت بتوں کی تردید کرنے کی وجہ سے آپ کے اس قدر دشمن ہو گئے کہ گویا آپ کا ان لوگوں نے بزعم خود بائیکاٹ کر کے دین و دنیا دونوں سے بیکار کر دیا تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ کے مقلدین پر بھی سخت ظلم و جفا کی بارشیں ہو رہی تھیں اور جہاں کہیں معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص آپ کا متبع ہے اس کے بھی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتے اور جو کچھ بھی اس کے خلاف کر سکتے اور جس قدر ہمت ہوتی کر گزرتے۔

چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ اس آدمی کے صابی صابی کہنے پر چاروں طرف سے کفار مجھ پر لکڑیاں وانیٹیں پتھر لے کر دوڑ پڑے۔ آپ کے الفاظ اس واقعہ کے متعلق یہ ہیں "یہ وحشی ڈھیلے' ہڈیاں (جو کچھ ہاتھ آیا) لے کر مجھ پر پل پڑے اور اس قدر مجھے مارا کہ میں بے

marfat.com

ہوش ہو گیا اور زمین پر گر گیا"۔ (طبقات)

یہ وقت بھی عجیب وقت تھا یہ آذری ایک ابراہیمی پر بے تحاشہ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور وہ باوجود بہادری اور شجاعت میں بے مثال ہوتے ہوئے اور دولت و سروری کے اعتبار سے غیور ہونے کے کفر و قریش کی ٹھوکروں میں آلودہ بہ خون تھا اور اس پر بھی سوائے خوشی اور سرمستی کے ساتھ اللہ واحد اللہ واحد کا نعرہ جگر گزار لگانے کے ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے ہوش ہونے کے بعد پھر مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا اور وہ کیا سمجھ کر مجھے چھوڑ گئے۔ البتہ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے کپڑے خون میں شرابور ہیں اور سارا بدن زخموں سے لہولہان ہو رہا ہے۔ اُٹھے اور عشق و محبت کے راستہ میں یہ چوٹیں کھا کر زمزم پر آئے اور وہاں کپڑے دھو دھا کر پانی پیا اور پھر حرم کے ایک کونہ میں خاموشی کے ساتھ اپنے مقصود کی تلاش میں محو ہو گئے۔ اتفاقاً ایک رات کو جس کے متعلق خود ان کے الفاظ یہ ہیں:

"چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اور اہل مکہ (کافر) اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر نرم نرم گدوں پر دراز ہو چکے تھے یہاں تک کہ بیت اللہ میں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سوائے دو تین آدمیوں کے اور کسی کی پرچھائیں تک نہ نظر آتی تھی کہ اتنے میں ایک نور دوسرے نور کے بغل میں ہاتھ دیئے حرم میں داخل ہوا' میں نے غور کر کے جو دیکھا تو میری نگاہ بے قابو ہو گئی۔ دل دھڑکنے لگا اور یہ محسوس ہونے لگا کہ جیسے کوئی مجھے اپنی طرف کھینچے لئے لیتا ہے"۔

یہ نور مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی تھا اور دوسرے آپ کے رفیق باوفا حضرت ابوبکر تھے۔ دونوں آدمی رات کی تاریکی میں بیت اللہ کے پاس تشریف لا کر معلوم نہیں بہت دیر تک کیا کرتے رہے' نمازیں ادا کیں اور حجر اسود کو بوسہ دے کر رخصت ہو رہے تھے اور میرے منہ سے باندازِ صد نیازمندی یہ الفاظ ادا ہو رہے ہے "السلام علیک یا رسول اللہ"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے الفاظ سن کر میری رود دریافت کی اور یہ سن کر کہ میں مشہور غارتگر قبیلہ غفار کا آدمی ہوں مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

ابن سعد نے طبقات میں جہاں اس واقعہ کا ذکر لکھا ہے ابوذر کی وارفتگی کا حال خود انہیں کی زبان سے بایں الفاظ لکھا ہے "میں بڑھا کہ جا کر حضور کا دست مبارک تھام لوں مگر ان کے ساتھی نے آپ کی طبع مبارک کا اندازہ کر کے مجھے روک دیا"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود مخاطب ہو کر حالات دریافت کیے۔

marfat.com

انہوں نے شروع سے آخر تک اپنی داستان دہرائی اور بتایا کہ اتنے دنوں سے یہاں مقیم ہوں اور اس طرح مفلوک الحالی اور پریشانی گردی میں میری زندگی کے دن گزر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور اپنے گھر لا کر کھانا کھلایا اور طائف کی تازہ کشمش مجھے دے کر اپنے یہاں سے رخصت کیا لیکن ابوذر فرماتے ہیں مجھے اب تک یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہی وہ گوہر مقصود ہے جس کی میں تلاش کر رہا ہوں۔

صبح حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے پھر ملاقات ہوئی اور انہوں نے یہاں آنے کا سبب دریافت کیا۔ ابوذر نے عہد لیا کہ وہ اگر سب واقعات بیان کر دیں گے تو پوری رہنمائی کریں گے۔ سرکار مرتضوی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا اور پھر انہوں نے مکمل داستان بیان کر دی کہ میں اس نبی آخر الزمان کی تلاش میں ہوں جس کے متعلق سنا گیا ہے کہ مکہ میں مبعوث ہو کر لوگوں کو خدائے واحد کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ حسب وعدہ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر حاضر ہوئے اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روئی دار چادر اوڑھے ہوئے صحن مکان میں ایک چبوترے پر فرش خاک پر لیٹے ہوئے محو خواب تھے۔ ابوذر کے قدموں کے چاپ سے آنکھ کھل گئی۔ بیداری کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے ان باتوں کے متعلق دریافت کیا جو انہوں نے مختلف لوگوں کی زبانوں سے سنی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خندہ جبینی کے ساتھ ایک آیت سنائی جسے سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہایت اخلاص مندی کے ساتھ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله کہہ کر اپنے آپ اپنے غلامان کی محمدی صف میں شامل کر دیا۔

جو ابھی تک صرف ابوذر اور جندب کے نام سے پکارا جا رہا تھا آج سے مسلمانوں کی اصطلاح میں سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور صرف اس اقرار غلامی اور قبول اسلام کی بدولت رہتی دنیا تک ان کے نام کو خدا عزت و عظمت کے ساتھ تاریخ و سیر کے صفحات پر باقی رکھے گا۔ مسلمان ہو کر ابوذر نے قریشی کافروں کے ہاتھ بہت سخت ایذائیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ دن رات، اٹھتے بیٹھتے گھونسہ اور لاتوں سے ان کا استقبال کیا جانے لگا۔ بسا اوقات اس قدر اذیتیں پہنچائیں گئیں کہ دو دن تک ہوش نہیں آیا مگر اللہ رے جوش محبت اور حسن عقیدت کہ دنیا بھر کے مصائب جھیلنا گوارا کئے لیکن وہ پیارا نام اور اس پیارے کی سچی تعلیمات اور شراب سے زیادہ مست کن محبت جاں نواز نہ چھوٹنا تھی نہ چھوٹی۔

marfat.com

چند دن اسی طرح صحبت نبوی میں رہنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ مکہ معظمہ سے عہدہ تبلیغ پر مامور ہو کر رخصت ہوئے۔ سب سے پہلے اپنے بھائی اور والدہ کو آ کر مسلمان کیا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک آپ عسفان کی گھاٹیوں میں پوشیدہ طریقہ پر تبلیغ کرتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے عرصہ میں انہوں نے نہ صرف اپنے قبیلہ اور اپنے حلیف قبیلہ کو پوری طرح اسلام کی جانب مائل کر لیا بلکہ متفرق حیثیت سے بھی اسلام کی افراد کے ذریعہ سے بہت کچھ امداد اعانت پہنچائی۔

ان کی تبلیغی مسائی کا نتیجہ تھا کہ کل قبیلہ اسلم ایک روز آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے آ کے بچھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرور ہو کر یہ دعا دی۔ خدا غفار پر اپنی مغفرت نازل کرے اور قبیلہ اسلم کو خدا سالم رکھے۔ یہ دعا صرف حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی بدولت پورے قبیلہ کو ملی۔

کہاں وہ اور کہاں نکہت گل
نسیم صبح تری مہربانی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا روز بروز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ جلیل میں اقتدار بڑھتا جاتا تھا' یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر سفر میں یا جہاد میں تشریف لے جاتے تو اکثر ابوذر ہی کو اپنا جانشین بنا جاتے۔

یہی ابوذر رضی اللہ عنہ سفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف ہوا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو آپ کا گویا فرض عین تھی اور ایسی دلجوئی اور محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل کرتے تھے کہ آپ ان کے کام کو دیکھ کر اکثر انتہائی مسرت کے ساتھ مسکرایا کرتے تھے۔ نمازوں کی کثرت دعاؤں اور وظائف کا ورد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت' بس یہی آپ کے مشاغل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جس قدر ابوذر محفوظ رکھتے تھے اور جس پیارے انداز مین دین کی تبلیغ فرمایا کرتے وہ بس آپ ہی کا حصہ تھی۔

جب کبھی آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول بیان فرماتے تو پہلے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اس کے بعد آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے او صافی حبیبی وخلیلی بغلان آپ کے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت شفقت رہتی تھی۔ بات بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنا مخاطب بنا لیا کرتے تھے اور اکثر دیکھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم ان سے کچھ چپکے چپکے بھی راز کی باتیں کہا کرتے تھے' جن کا علم سوائے ابوذر رضی اللہ عنہ کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے اوپر ہمیشہ ایک قسم کی کیفیت جذب طاری رہتی تھی چونکہ آپ کے اسلام کی ابتداء ہی ایسے وقت اور ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو خالص جذبات اور ارتکاب معاصی سے لبریز تھی۔

قبیلہ غفار اور خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جو انسانیت سوز بداخلاقی میں مبتلا تھے اس کا دھند لا سا خاکہ گذشتہ سطروں میں پیش کیا جا چکا ہے۔ وہ ستم رسیدہ مسافروں کو لوٹ لینا' ایک شب کی بیاہی دلہنوں کو بیوہ کر دینا' دودھ پیتے بچوں کو یتیم بنا دینا' امیروں کو آناً فاناً غریب کر دینا' یہ ان کا عام شیوہ تھا۔ اس کے علاوہ مذہبی حیثیت سے طرح طرح کی بدعتیں رائج کر رکھی تھیں۔ بتوں کی پرستش' بداخلاقی کی تعلیم' حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دینا' روزمرہ اس کی مختلف قسم کے نظائر ان کی پرائیویٹ اور جماعتی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو انہیں حرکتوں کے درمیان قدرت الٰہی کی طرف سے کچھ تنبیہ ہوئی اور اسنات ونائلہ اور لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ کر ایک خدا کی تلاش میں ادھر ادھر مارے پھرنے لگے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد از خود انہوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی اور اس قدر زہد و ورع اور خشیت کا غلبہ ہوا کہ دو دو رکعت میں ایک رات ختم ہونے لگی۔ پھر جب اسلام لائے تو اس تخیل میں اور جلا پیدا ہوگئی۔ خدا کی تلاش کرنے والے کو خدا اگر مل جائے۔ صحیح تعلیمات الٰہی کو تحقیق کرنے والے کو اگر صحیح راستہ کی ہدایت ہو جائے تو یقیناً اس میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو جائے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے ہی ایک طرح کے مجذوب تھے اور اسلام لا کر تو بالکل ہی مجذوب بن گئے اور ان کی مجذوبیت یہاں تک بڑھی کہ آج دنیا میں جتنی صوفیاء کی جماعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا دم بھر رہی ہیں ان میں اکثر جماعتیں اور گروہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے توسل کو باعث صد ناز و افتخار خیال کرتے ہیں۔ ہر بہلول اور ہر مجذوب ان کو اپنا پیشوا اور سرگروہ خیال کرتا ہے۔

آپ کی ظاہری شکل وصورت بالکل مجذوبانہ تھی آپ کے سر کے بال پریشان رہا کرتے۔ داڑھی اُلجھی ہوئی' کپڑے پھٹے ہوئے' بدن میلا' آخر آخر میں تو یہ حالت ہوگئی تھی کہ اگر لوگ پکڑ دھکڑ کے نہلا دھلا دیتے تو خیر ورنہ مہینوں اسی رنگ میں گذر جاتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ قافلہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے اور اس قدر پیچھے رہ گئے کہ اب ان کے متعلق کسی طرح یہ امید

marfat.com

نہیں باقی رہی تھی کہ یہ لوٹ کر پھر آسکیں گے لیکن تھوڑی دیر کے بعد دور سے لوگوں نے دیکھا کہ دوڑے ہوئے بے تحاشہ چلے آرہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بے چینی کے ساتھ ان کا انتظار فرما رہے تھے اور یہ الفاظ اس وقت زبان مبارک پر جاری تھے۔

''اللہ ابوذر پر اتنا رحم فرما دے ...... بے چارہ اکیلا چلتا ہے' اکیلا ہی اُٹھایا جائے گا اور اکیلا مرے گا''

حبیب خدا کا یہ جان نثار دنیا سے رخصت ہوا۔ جس وقت آپ کی روح نے اس قفس عنصری سے' پرواز کیا ہے' کوئی متنفس آپ کے پاس موجود نہ تھا۔ صرف ایک بیوی اور ایک لڑکی آنسو بہانے والی تھے۔ باقی پھر جس قدر لوگوں کو معلوم ہوتا گیا جوق در جوق آتے گئے اور شریک ہوتے گئے۔ مدینہ منورہ کے قریب ربذہ بستی کے آس پاس آپکا مزار مبارک ہے۔

marfat.com

صحابیٔ رسول

حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ کا ذوقِ شہادت

ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد تاریخ نے نیا باب اُلٹا اور مؤرخ کے قلم ایک اچھوتی اور حیرت انگیز داستان رقم کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ و آمنہ کے گھر جنم لینے والی عظیم شخصیت جو گمراہی وضلالت کی جگہ حق کے فروغ کیلئے اس کرۂ ارضی پر تشریف لائی تھی اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں تنگ آ کر آبائی وطن خیر باد کہہ دینے کے بعد قریش کا زعم توڑ چکی تھی۔ اب اس محمد عربی (ﷺ) کی ذات قریش مکہ کے نزدیک ایک اہم حیثیت اختیار کر چکی تھی جس نے انہی کے قبیلہ میں جنم لے کر انہیں کے ماحول میں پروان چڑھ کر انہی کے خود ساختہ معبودوں کو جھٹلایا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ وہ شخص جس نے چالیس سال کی عمر تک کسی فوج کی کمانڈ کرنا تو کجا کسی جنگ میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے بھی حصہ نہیں لیا تھا۔ کس طرح اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ ابوجہل عتبہ اور شیبہ جیسے آزمودہ کاران کی قیادت میں لڑنے والی جنگجو فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ شخص جس نے عمر کا ایک کثیر حصہ سیاسی معاملات سے الگ تھلگ رہ کر گذارا تھا کس طرح اس قابل ہو گیا کہ اپنے تحفظ اور وقار کیلئے اردگرد کے قبائل کے ساتھ معاہدات کر سکے۔ وہ اس عظیم انسان کی زبان اقدس سے رشد و ہدایت کے فصاحت و بلاغت سے بھرپور خطبات سن کر سوچ رہے تھے کہ اس میں یہ جادو بیانی کہاں سے آ گئی حالانکہ چالیس سال تک اسے سوائے لین دین اور تجارتی معاملات کے کسی اور مسئلہ پر گفتگو کرتے شاید ہی سنا گیا تھا۔ اب رشد و ہدایت کا یہ چشمہ معصیت کاروں کی صفائی کیلئے مدینہ میں پوری شدت سے بہ رہا تھا۔ یہ شخصیت مردہ دلوں کیلئے مسیحا' بیماروں کیلئے طبیب اور مریض کیلئے معالجہ کا مقام حاصل کر چکی تھی۔ طاغوتی طاقتوں کے اندھا دھند جھگڑوں کے باوجود چراغ ایزدی پوری شان سے جل رہا تھا۔ دنیائے عرب میں ایک بہت بڑا انقلاب آ چکا تھا اور دربار رسالت سے ہر سوالی کی ہر حاجت پوری ہو رہی تھی۔ ہر شخص بامراد لوٹ رہا تھا' ہر زخمی دل کی غمخواری کا سامان موجود تھا۔ ہر مایوس انسان کیلئے امید کی شمع جگمگا رہی تھی۔

marfat.com

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابہ میں سے تھے۔ آپ سچے دل سے فدائی اسلام اور عاشق رسول تھے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل صاحب جائیداد تھے مگر اسلام لانے کے بعد جب عازم مدینہ ہوئے تو کفار نے ان کا سب کچھ چھین کر ہی ان کو مدینہ جانے دیا اور ان کا شمار ان اصحاب صفہ سے تھا جو سارا دن اسلام کی تبلیغ کرتے رہتے تھے اور جن کے خورد ونوش کا انتظام مدینہ کے رؤسا کے ذمہ تھا۔ بدقسمتی سے رنگ بھی کالا پایا تھا اسی بناء پر سعد کے ساتھ اسود کا لفظ مدینہ والوں کی زبان پر تھا' اعضا بے ڈول تھے اور غریب تو وہ یوں بھی تھے۔ طبیعت بھی ظریفانہ پائی تھی اس بناء پر بعض لوگ ان سے ناراض رہتے تھے مگر ان سب باتوں کے باوجود انہیں بھی شادی کی تمنا تھی' گھر بسانے کی خواہش تھی' اولاد کی خواہش تھی' تنہائی کا احساس دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ کاش میرا بھی گھر بس سکتا' کاش کوئی عورت مجھ سے بھی شادی کر سکتی' میری بھی نسل چلتی اور میں بھی ان مسرتوں سے ہمکنار ہو سکتا جو دوسروں کو حاصل ہیں۔ میرا قصور یہ ہے کہ میں بدصورت ہوں' یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ اس جرم کا کفارہ کیونکر ہو سکے گا۔ وہ انسان جو ہر درد کا معالج ہے' جس نے میرے دل کو شمع اسلام سے منور کیا۔ کیا وہ بھی میرے دکھ کا مداوا نہیں بن سکے گا۔ انہوں نے کئی گھرانوں میں جا کر پیغام دیا مگر ہر جگہ سے صاف جواب ملا۔ ان کے دل میں شکایات کا طومار تھا' وہ دل کی بھڑاس نکالنا چاہتے تھے' دل کے پھپھولوں کو چھیڑنے کیلئے بے قرار تھے۔

ایک دن صبح کی نماز پڑھ کر جبکہ تمام مسلمان گھروں کو جا چکے تھے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک مسجد میں تشریف فرما تھے تو آپ نے اندازہ فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کچھ کہنا چاہتے ہیں' ہونٹ کھولتے ہیں مگر پھر رک جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالت کو بھانپ گئے اور سب کے چلے جانے کے بعد سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کیا بات ہے سعد؟ یا رسول اللہ میں آپ کے حضور ایک شکایت لے کر آیا ہوں''۔

''شکایت'' سرکارِ دو عالم نے تعجب سے فرمایا ''کس مسلمان کے خلاف''۔

کسی فرد واحد کے خلاف نہیں آقا' سعد نے رندھی ہوئی آواز میں عرض کیا۔ ''مجھے زمانے سے شکایت ہے' رسم و رواج سے شکایت ہے' نام ونسب کی کھوکھلی تہذیب سے شکایت ہے''۔

''آخر کچھ کہو گے بھی؟'' بات اتنی سی ہے یا رسول اللہ کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور آپ یہ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں بدصورت ہوں' غریب ہوں مگر اس غربت اور بدصورتی کے باوجود میں

marfat.com

اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں' سعد نے رکتے رکتے عرض کیا۔

اچھا میں سمجھا۔ آقائے دو عالم زیرلب مسکرائے' مگر کسی سے کہا تو ہوتا؟

''میں گیا تھا میرے سرکار' میں نے کئی گھرانوں میں جا کر پیغام دیا مگر سب نے میرا پیغام ٹھکرا دیا اسی لئے تو مجھے اس زمانہ سے شکایت ہے۔ اسلام تو رنگ ونسل کو مٹانے کیلئے آیا تھا مگر مجھے ہر جگہ طعنے سننا پڑے''۔

''مطمئن رہو سعد' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم خاص سے فرمایا۔ خدا کارساز ہے''۔

اگلے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنوثقیف کے سردار عمرو بن وہب سے فرمایا:

''عمرو...... میں تم سے تمہاری بیٹی کو مانگتا ہوں''۔

عمرو بن وہب کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔ زہے قسمت یارسول اللہ۔ میرے نصیب آقا' بھلا میری اس سے بڑھ کر اور خوش قسمتی کیا ہوسکتی ہے کہ میری بیٹی آپ کی بیوی بنے''۔

''نہیں عمرو تم نے غلط مطلب اخذ کیا' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے شادی کی ضرورت نہیں' میں تمہاری لڑکی ایک اور مسلمان کیلئے مانگ رہا ہوں''

''کس مسلمان کیلئے؟'' عمرو بن وہب نے سراپا استعجاب بن کر کہا۔

''سعد کیلئے ہے''۔

''کیا فرمایا آپ نے۔ سعد کیلئے''۔ معزز سردار کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ وہ تو سمجھے تھے کہ رسول کریم نے یہ رشتہ یا تو اپنے لئے مانگا ہے یا کسی اور معزز انصاری یا مہاجر کیلئے۔ جو میری حیثیت کے مطابق ہو' سعد۔ بے ڈول چہرہ کالا رنگ' غریب و نادار' جس کے پاس رہنے کیلئے اپنا مکان بھی نہیں' میں اپنی بیٹی ایسے شخص کے ساتھ کیونکر بیاہ سکتا ہوں' تصور نے پکارا۔ مگر نبی کریم کے سامنے انکار کیونکر کردوں۔

''دیکھئے تو ہی یا رسول اللہ! سعد' عمرو بن وہب نے حواس مجتمع کرتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی زبان میں اپنا مدعا بیان کرنا چاہا''۔

''کچھ نہیں عمرو ...... اسلام رنگ ونسل کے امتیاز کو مٹانے کیلئے آیا ہے۔ مولا کریم نے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم فرما کر ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھی ہے۔ ہمیں اس معاشرے کے فروغ کیلئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے اور حسب ونسب کے لحاظ سے حضرت سعد کسی سے کم تر تو نہیں ہے۔ رنگ کالا ہے تو یہ خدا کے اختیار میں ہے۔ اگر تم یہ کہنا چاہتے کہ وہ غریب ہے تو اس نے محض

marfat.com

اسلام کیلئے اس غربت کو خوشی سے قبول کیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری بیٹی کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔

''بہت بہتر یا رسول اللہ...... مگر مجھے بچی کی ماں سے بھی مشورہ کر لینے دیجئے گا''۔

ٹھیک ہے' فخر کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ تمہارے گھر آئے گا''۔

یہ واقعی ایک عظیم فرمان ہے۔ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جسے غریب سے غریب گھرانا بھی لڑکی دینا پسند نہیں کرتا اور جس پر راہ چلتے لوگ آوازے کسا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے میرا داماد بنانے والے ہیں۔ میری اور اس کی نسبت کیا ہے مگر انکار کیونکر ممکن ہے۔ حکم رسالت مآب ٹالا بھی تو نہیں جا سکتا۔ عمرو بن وہب یہی سوچتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور جاتے ہی بیوی سے علیحدگی میں کہا:

''رسول اللہ مجھ سے میری لڑکی کو مانگ رہے تھے''۔

''تو ہماری اس سے بڑھ کر اور خواہش کیا ہوتی' تم نے ہاں کر دی ہوتی''۔

''مگر نہیں ...... عمرو نے بجھتی بجھتی آواز سے کہا: وہ اپنے لئے نہیں بلکہ سعد کیلئے یہ رشتہ طلب فرما رہے تھے''۔

''سعد کیلئے ...... بیوی بلند آواز سے چلائی ...... کس طرح ہو سکتا ہے''۔

''یہ کبھی نہیں ہو سکتا' کیا ہماری لڑکی کی قسمت اتنی ہی پھوٹ گئی ہے''۔

''مگر تم ہی کہو میں آخر رسولِ خدا کو کیا جواب دوں گا؟''

''ہاں ......تم کہہ دینا ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ اپنی لڑکی کا گلا گھونٹ دیا جائے''۔

سوچو تو سہی ...... میں دربار رسالت میں کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ ان کا حکم کیونکر ٹال دوں۔

''جاؤ ......اور سعد کے آنے پر صاف جواب دے دینا''۔ بیوی نے کہا

تھوڑی دیر بعد سعد کی آواز سنائی دی۔ عمرو بن وہب اس کی طرف لپکے ہی تھے کہ پیچھے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ جو ان کی اپنی پیاری بیٹی کی آواز تھی۔

''ہاں ہاں' کہو بیٹی رک کیوں گئیں؟'' عمرو نے بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آپ باہر جا کر انکار نہ کیجئے ابا جان ...... مجھے یہ رشتہ منظور ہے''۔

''یہ کیا؟ عمرو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ تو کیا جانے سعد کو' کالا رنگ' بے ڈول جسم'

marfat.com

اعضا غیر متناسب' ماں نے نفرت سے ناک بھوں چڑھائی'' ''نہیں امی' یوں نہ کہئے ...... اسے بھیجنے والی ذات تو دو عالم سے ممتاز ہے''۔

''تم ابھی بچی ہو' تم کیا جانو' وہ انتہائی غریب ہے' منحوس صورت ہے' مقراض کی طرح زبان چلتی ہے۔ میں نے تو سنا ہے کہ اکثر مسلمان اس سے ناراض رہتے ہیں' تم نے بھلا کبھی پہلے دیکھا بھی ہے؟''

''میں دیکھ کر کیا کروں گی اماں ...... میرے لئے تو اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ یہ انتخاب میرے لئے اس ہستی نے فرمایا ہے جو سرور کائنات ہے' نیرّ فاران ہے' یوسف ثانی ہے۔ سچ جاننا امی' مدینہ کی لڑکیاں مجھ پر رشک کریں گی کہ رسول اللہ یہ رشتہ طلب فرما رہے ہیں۔ ماں دم بخود تھی۔ باپ حیران تھا اور اسلام کی لاج رکھنے والی قابل فخر دختر کہہ رہی تھی۔ جایئے ''ابا جان دیر نہ کیجئے' مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ مجھے رسول خدا کی خوشی منظور ہے۔ میں دنیا کی دولت لے کر کیا کروں گی' جایئے''۔

بیٹی' عمرو بن وہب نے بڑی مشکل سے سر اُٹھایا'' تم نے میری لاج رکھ لی''۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قدم بے اختیار مسجد کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ ان کو اب کسی سے شکایت نہیں تھی' کوئی گلہ نہ تھا' کوئی شکوہ نہیں تھا۔ جب محبوب خدا کو معلوم ہوا تھا کہ رشتہ منظور ہو گیا ہے اور شادی کیلئے روپے کی ضرورت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف خاص پیغام دے کر روانہ کر دیا تھا۔ خاطر خواہ خرچ کا بندوبست ہو جانے پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بازار میں پہنچے تھے کہ کچھ سامان خرید لیں۔ انہوں نے سنا کہ ایک شخص پکار رہا تھا۔

مسلمانو! قریش مکہ ایک بار پھر عظیم الشان لشکر لے کر تم سے ٹکر لینے کیلئے مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مسجد نبوی میں جمع ہو جاؤ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص اعلان فرمانے والے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے اپنا کام چھوڑ مسجد کا رخ کیا تھا کہ اسلام کو میری ضرورت ہے۔ وہ مسجد نبوی میں پہنچے' مسلمان بکثرت جمع ہو چکے تھے۔ ستاروں کے جھرمٹ میں چاند بھی رونق افروز تھا۔ آج اس چاند کی روشنی کچھ پھیکی پھیکی سی تھی۔ ہر وقت مسکرانے والا چہرہ فکر و تردد کی علامات سے پُر تھا۔ پیشانی انور پر گہرے خطوط کسی خاص بات کی غمازی کر رہے تھے۔ حجرت سعد کا دل دھڑکنے لگا۔ رسول کریم نے حاضرین پر نگاہ دوڑائی اور بارعب آواز میں جس میں شانِ رسالت جھلکتی تھیں کہنا شروع کیا:

marfat.com

''انصار و مہاجرین! باطل ایک بار پھر حق سے ٹکرانے کیلئے میدان میں آ رہا ہے۔ قریش مکہ اپنی گذشتہ ہزیمت کا انتقام لینے کیلئے یلغار کرتے ہوئے آ ہی پہنچے ہیں۔ اسلام تم سے آج پھر قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ باطل کا سیلاب آج پھر مدینہ کے خس و خاشاک کو بہا لینے کیلئے چلا آ رہا ہے۔ اس کا زور توڑنے کیلئے اس کے مقابلہ میں سد سکندری بننے کی ضرورت ہے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سعد رضی اللہ عنہ کے دل میں طوفان بپا کئے ہوئے تھے تو یہ بات تھی معرکہ حق و باطل اب پھر ہونے والا ہے۔ مجھے میدان جنگ میں جانا چاہیئے یا شادی رچا لینی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ میں میدان جنگ ہی میں کام آ جاؤں۔ تو پھر یہ شادی' میری دیرینہ خواہش۔ اور یہ بھی کیونکر ممکن ہے کہ خطرہ کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر آنکھیں بند کر لوں' اسلام پر مشکل کے وقت منہ موڑ لوں' یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے میدان جنگ میں جانا چاہیئے' ضرور جانا چاہیئے' سعد کے دل میں دین و دنیا کی یہ کشمکش جاری تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

یاد رکھو! اگر آج تم نے اسلام کی قربانی کے مطالبہ میں غفلت برتی تو کل کو تمہارا بھی کوئی پرسان حال نہ ہوگا' نہ تمہاری جانیں محفوظ ہوں گی' نہ مال۔ تمہاری بہو بیٹیوں کی عصمت اُن درندوں کی بھینٹ چڑھ جائے گی اور وہ مثالی معاشرہ درہم برہم ہو جائے گا' جس کیلئے ہم اب تک مثالی جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ آج وقت ہے تم باطل پر ثابت کرو کہ مسلمان کی زندگی اور موت مثالی شان کی حامل ہوتی ہے۔ طاغوتی لشکر کے سامنے حق کی چٹان بن کر جم جاؤ' شہادت کا رُتبہ بہت بلند ہے۔ حور و ملائکہ ایسے خوش نصیبوں کے استقبال کیلئے ہر وقت تیار ہیں۔

سرور دو عالم اپنی مختصر سی تقریر ختم کر کے حاضرین کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آج بھی اسی طرح تیار ہیں' جس طرح بدر کے موقع پر تھے' ہماری جانیں خدا کا عطیہ ہیں اور اسی کے دین کے راستہ میں کام آئیں گی۔ جناب رسولِ خدا کا چہرہ کھل اُٹھا' چند لمحات کے اندر ہی غم و فکر کے بادل چھٹ گئے۔ خدایا تیرا شکر ہے۔ صحابہ یکے بعد دیگرے اُٹھ کر جا رہے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو میدان جنگ میں جانے کو شادی پر جانے پر ترجیح دے چکے تھے' آپ کے قریب آئے تا کہ اپنے ارادہ سے آپ کو آگاہ کر سکیں۔

''مبارک ہو سعد'' (رضی اللہ عنہ) آنحضرت نے سعد کو اپنے قریب آتے دیکھ کر فرمایا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔

''اچھا تو پھر کب کر رہے ہو شادی' کس قدر بلند ہے وہ لڑکی' مجھے اس پر فخر ہے' اُمید ہے تم

marfat.com

نے سامان خرید لیا ہوگا' کوئی اور ضرورت ہو تو بے دریغ بتا دو"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو خاموش دیکھ کر فرمایا:

"شادی...... یارسول اللہ" ...... سعد نے ہولے سے کہا۔ "ابھی نہیں میدان جنگ سے واپسی کے بعد ہوگی"۔

"یہ تم کہہ رہے ہو سعد (رضی اللہ عنہ) تمہیں تو شادی کا بڑا ارمان تھا' تمہاری دیرینہ خواہش پوری ہونے والی ہے۔ میری طرف سے تمہیں خوشی سے اجازت ہے' نہیں یا رسول اللہ فدا و امی و ابی۔ سعد نے تڑپ کر کہا۔ ایسا نہ کہئے۔ قریش مکہ صرف آپ کے ہی دشمن نہیں ہیں بلکہ میرے بھی خون کے پیاسے ہیں۔ میری تلوار لہو میں نہانے کو بے قرار ہے۔ باقی مسلمان تو حق کے فروغ کیلئے کٹ مر رہے ہوں اور میں شادی رچاؤں' مدینہ والے کیا کہیں گے۔ عورتیں مجھے طعنے دیں گی اور میری پیشانی پر لگا ہوا یہ داغ تا زیست نہیں مٹ سکے گا۔ مجھے جانے دیجئے"۔ "میں تمہارے جذبہ کی قدر کرتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر سے سعد رضی اللہ عنہ کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا:

خدا تمہارے ارادوں میں برکت دے"۔

اگلے دن اُحد کے میدان میں معرکہ حق و باطل گرم تھا۔ کفر و اسلام آپس میں ٹکرا چکے تھے۔ قریش مکہ اور مسلمانان مدینہ ایک دوسرے سے برسر پیکار ایک فیصلہ کن جنگ لڑ رہے تھے۔ طاغوتی طاقتیں آج پھر چراغ ایزدی کو بجھانے کیلئے پوری تندہی سے مصروف کار تھیں۔ مسلمان جانتے تھے کہ اگر آج انہوں نے غفلت دکھائی تو کفر کا ریلا انہیں مدینہ سے بھی پرے دھکیل کر لے جائے گا اور پھر ان کی موت پر ہی بس نہیں ہوگی بلکہ ان کی آئندہ نسلوں کو غلامی جیسی لعنت سے دو چار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ جی توڑ کر لڑ رہے تھے۔ احد کی ریتلی پیاسی سرزمین خون سے لالہ زار ہو کر اپنی پیاس بجھا رہی تھی۔ تیر اندازوں کی غفلت کی بناء پر ایک بار مسلمانوں کے قدم اکھڑے۔ بھاری نقصان اُٹھانا پڑا اور پھر جم گئے۔ مگر اس غفلت میں بہت سے جلیل القدر صحابہ جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

جنگ ختم ہو چکی تھی' قریش مکہ واپس جا چکے تھے۔ لاشوں سے میدان اٹا پڑا تھا۔ مسلمان لاشوں کو شناخت کرتے جا رہے تھے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر دیکھ کر حضرت سعد کو آواز دی۔

"وہ تو شہید ہو گیا' یا رسول اللہ۔ ایک صحابی نے بتایا' میں نے اسے شہید ہوتے دیکھا تھا۔

marfat.com

اس نے بڑی بہادری سے جان دی ہے"۔

سعد شہید ہو گیا۔ رسالت مآب نے فرمایا "میرا دوست' جاؤ اس کی لاش کو تلاش کرو۔ ہم اسے شان سے دفن کریں گے"۔ تھوڑی دیر کے بعد سعد رضی اللہ عنہ کی لاش مل گئی مگر کسی حالت میں کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں گہرا زخم نہ لگا ہوا اور ان کے گرد سات کافر کٹے ہوئے پڑے تھے۔ کس قدر بلند تھی یہ شہادت۔ آپ کے حکم سے گڑھے کھودے گئے۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے صحابہ کے ساتھ مل کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لحد میں اُتارا۔ لحد کافی فاصلہ پر تھی۔ جب صحابہ ان کو اُٹھاتے ہوئے لے جا رہے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہے تھے اور جب لحد قریب آ گئی تو آپ مسکرا پڑے۔

"تو ہماری پہنچ سے بہت بلند تھا' تو نے شہادت کو شادی پر ترجیح دی اور سرخرو ہو گیا"۔ صحابہ نے آواز کی سمت نگاہ دوڑائی' یہ عمرو بن وہب تھے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا "جب سعد کو قبر کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو اس کے جنازہ کے ساتھ اس قدر فرشتے جا رہے تھے کہ میں قدم بچا بچا کر رکھ رہا تھا کہ ہمارا قدم ان پر نہ پڑ جائے اور پھر جب سعد کو قبر میں اتارنے لگا تو میں یہ دیکھ کر اپنی خوشی کر سکا کہ لاتعداد حور و ملائک آسمان پر اس شہید کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ میں سعد رضی اللہ عنہ کی پہلی اور موجودہ حالت کا موازانہ کر رہا تھا کہ اسے دنیا میں کوئی رشتہ دینا بھی گوارا نہیں کرتا تھا مگر آج اس کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا۔ مسلمانو! یاد رکھو۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

زمین و آسمان دم بخود تھے۔ حور و ملائک ایک دوسرے سے اس شہید کی خوش بختی کے متعلق سرگوشیاں کر رہے تھے۔ قربانی کا فلسفہ ایک نئے مفہوم سے آشنا ہو رہا تھا۔ فضا میں رحمت ایزدی کا نور چھایا ہوا تھا اور تاریخ کا یہ ابدی فیصلہ گونج رہا تھا:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ جب غزوہ احد کے اختتام پر دوسرے صحابہ کبار کے ساتھ گھر پہنچے تو ان کی صاحبزادی نے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا:

"ابا جان! اگرچہ بظاہر میری سعد الاسود کے ساتھ شادی نہ ہو سکی مگر میں اسے ہمیشہ اپنے قریب تصور کرتی رہوں گی' میں اپنی خوش بختی کبھی فراموش نہیں کروں گی کہ میں مدینہ طیبہ کی تمام

marfat.com

دختران اسلام میں سے سب سے زیادہ خوش بخت ہوں کہ میرا رشتہ کائنات کے سردار اور دو عالم کے آقا حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود طلب کیا تھا۔ میں اب ساری زندگی سعد الاسود کے نام پر اس کی یادوں کے حوالے سے گزار دوں گی"۔

حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ اور آپ کی اہلیہ نے آنسوؤں سے اوجھل آنکھوں میں اشکوں کو سمیٹتے ہوئے اپنے سر جھکا لئے' شاید کسی شاعر نے حضرت عمرو بن وہب کی عالی مرتبت صاحبزادی کے اسی جذبۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا تھا:

ے رنگ کا کالا بھی ہے اور حسن میں بھی ماند ہے
بھیجنے والا تو اس کا چودھویں کا چاند ہے

marfat.com

دیدارِ حضور کا تمنائی

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ

آج سے صدیوں پیشتر مؤرخ کا قلم عربوں کے حیرت انگیز عروج کی داستان رقم کر رہا تھا۔ یہ واقعی حیرت ناک بات تھی کہ وہ عرب جن کا حدود وطن سے باہر کوئی وقار نہ تھا اور جو اپنے دفاع پر ہی قادر نہ تھے' یکا یک اُٹھ کر کشور کشائی اور جہانبانی کیلئے افریقہ' یورپ اور ایشیا کی طرف بڑھنے لگے۔ عکاظ کے ریگ زار جن کی گروہ بندیوں اور نسلی عصبیتوں کی بدولت بارہا لالہ زار ہو چکے تھے۔ وہی غیر متمدن وحشی ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک ہی مقصد کے حصول کیلئے شانہ بشانہ میدان جنگ کی بھٹی میں کود پڑے۔ یہ سب اسی محمد عربی کا اعجاز تھا' جس نے حضرت عبد اللہ و حضرت آمنہ کے گھر جنم لے کر ان کی قسمتوں کو تبدیل کر دیا تھا۔ اس بناء پر ان کے دل میں ہادیٔ دو عالم کا بے پناہ احترام موجود تھا۔ وہ کٹ سکتے تھے' مر سکتے تھے' تختہ دار پر لٹک سکتے تھے' ظلم وستم کی چکی میں پس سکتے تھے مگر یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ع...... کہ ان کے پاؤں کے تلوؤں میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے

یہی وہ عظیم جذبہ تھا اور یہی وہ بانیٔ اسلام سے بے پناہ عشق تھا' جس نے انہیں سفر کے مصائب' وقت کی دشواریوں اور میدان جنگ کے خطرات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ انہیں اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور جان کی پرواہ ہو بھی کیوں۔ وہ تو تھی ہی خدا کی۔ اس لئے اگر شہید ہو گئے تو جب بھی کامیاب کہ امانت کو صاحب امانت تک پہنچا کر انعام کے مستحق ٹھہرے اور اگر بچ گئے تو تب بھی کامیاب کہ بچی ہوئی جان کسی اور موقع پر اللہ کے دین کے کام آئے گی۔

............O............

جنگ احد کا واقعہ ہے جمعہ کا دن ہے مسلمان ایک بار فتح یاب ہو کر تیر اندازوں کی غفلت کی بناء پر جیتی ہوئی بازی ہار چکے ہیں۔ چند سو نفوس حق کی سربلندی کیلئے باطل سے برسر پیکار ہیں اور قریش اپنی گذشتہ ہزیمتوں کا انتقام لینے کیلئے بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے ہیں۔ حق کے مقابلہ میں باطل

marfat.com

اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ موجود ہے۔ طاغوتی طاقتوں کے جھکڑ چراغ ایزدی کو بجھانے کیلئے سرگرم کار ہیں۔ ایک کثیر لشکر ہر قسم کے سامان حرب سے لیس ہے ہر ایک کے پاس گھوڑا، ہر شخص آہن پوش، ساتھ میں شعلہ نوا عورتیں جو پسپا ہونے پر انہیں غیرت دلانے کیلئے آئی ہیں۔

مسلمانوں کی ہزیمت کی اطلاع پا کر مدینہ سے آنے والی مسلمان عورتیں اس وقت زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بھی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشکیزہ کندھے پر لٹکائے یہی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ اچانک ام المومنین کی نگاہ ایک ایسے مرد مومن پر پڑی جو زخموں سے چور چور خاک وخون میں لتھڑا ہوا درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ اس کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے بے شمار زخم تھے۔ ام المومنین اس کے قریب پہنچ گئیں، اس کی سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور چند لمحوں کا مہمان معلوم ہو رہا تھا۔ "پانی" ...... زخمی کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ اُم المومنین نے پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ زخمی نے مشکل گھونٹ گھونٹ پی کر پیالہ خالی کیا۔ قدرے جان آئی، جان میں جان آئی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے بجھتے ہوئے چراغ نے تیل کے چند قطرے پڑنے پر سنبھال لیا ہو اُس نے بے نور آنکھیں کھول دیں۔

اُم المومنین ...... اس نے حضرت عائشہ کو دیکھ کر اُٹھنا چاہا مگر درد کی ٹیس نے بے حال کر دیا اور پھر شدت سے کراہا۔ نہیں، نہیں، تم لیٹے رہو، بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور ساتھ ہی اُس کے جسم سے تیر کھینچنے کی کوشش کی۔

"ٹھہریئے ام المومنین" خدارا ایسا ہرگز نہ کیجئے گا۔ تیر نکلتے ہی میں ختم ہو جاؤں گا، میں ابھی مرنا نہیں چاہتا، مجھے ابھی موت نہیں چاہیئے۔ تم زندہ رہو گے، اُم المومنین نے زخمی کو تسلی دینا چاہی۔ جواب میں زخمی کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہہ رہا ہے، انہوں نے اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "ام المومنین تسلی دینے کی کوشش نہ کیجئے، موت کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے سے موت ٹل نہیں جایا کرتی مگر میں ابھی مرنا نہیں چاہتا تاوقتیکہ میں اللہ کے رسول کی زیارت نہ کر لوں۔ اے کاش! آپ خدا کے محبوب تک یہ پیغام پہنچا سکتیں کہ ان کا ایک غلام زیاد رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ شاید پھر کب ملاقات ہو، اے کاش ...... کاش"۔

..........O..........

اُم المومنین کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فوراً حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول

marfat.com

اللہ زیاد کا آخری وقت ہے اور وہ آپ کو یاد کر رہا ہے' اس کی آخری خواہش آپ کی زیارت ہے' جلدی کیجئے۔ رحمۃ للعالمین نے فرمایا ''چلو عائشہ مجھے جلدی سے وہیں لے چلو'' اُم المومنین کے ہمراہ سرور دو عالم' جاں بلب عاشق صادق کے قریب پہنچے۔ زیاد ابھی تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

زیاد آنکھیں کھولو' دیکھو تو میں آ گیا ہوں۔ رحمت دو عالم نے شفقت سے زیاد کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے آواز دی''۔

اس آواز کے کانوں میں پڑتے ہی جسے زیاد ہزاروں دفعہ سن چکا تھا' اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں' نظریں سرور دو عالم کی نظروں سے ملیں اور پھر ایسے معلوم ہوا جیسے بے قرار آنکھوں کو قرار آ گیا ہو مگر ساتھ ہی پلکوں کی اوٹ سے اشکوں کے موتی جھلملانے لگے ...... یہ غم کے آنسو نہیں تھے...... زخمی اپنی خوش نصیبی پر ناز کر رہا تھا۔

''زیاد ...... کوئی آخری وصیت ہو تو ...... سرور دو عالم نے دریافت کیا''۔

آخری وصیت' زخمی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ ''میرے آقا! میری خواہش یہ ہے کہ میں آپ کے قدموں میں جان دوں۔ زخمی نے بمشکل فقرہ ادا کیا'' اور خود کو گھسیٹتے ہوئے حضور اکرم کے قدموں میں پہنچانے کی کوشش کی۔ آپ نے اُس کے سر کو گود میں رکھ لیا۔ زخمی کے جسم سے بہنے والے خون نے آپ کے کپڑوں کو بھی رنگ دیا۔ زیاد ٹکٹکی باندھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے۔

''کوئی اور خواہش' رحمۃ للعالمین نے زخمی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا''۔

''نہیں آقا' زیاد نے نفی میں سر ہلایا' میں کس قدر بد بخت ہوں کہ آخری وقت آپ کو تکلیف دے رہا ہوں''

زیاد نے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے کہا:

ے مرا دل ہو ترا گھر ہو ترا در ہو مرا سر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

''نہیں' نہیں' رسول خدا نے اسے روک دیا' زیاد ایسا ہر گز نہ کہو' اُوپر دیکھو۔ زیاد نے اوپر نظریں اٹھائیں اور مسکرا پڑے۔ شاید مالک جنت نے کوئی نظارہ دکھا دیا تھا۔

marfat.com

الوداع ...... یا رسول اللہ ...... زیاد کسمسائے، بڑی کوشش سے جسم کی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے ایک بار تڑپے، آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پھر ایک ہچکی لی اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

............O............

اُم المومنین مشکیزہ کندھے پر رکھے انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ کس قدر عجیب تھی زیاد کی آخری خواہش۔ اُس شہید محبت کا چہرہ پرسکون اور صاف تھا۔ ایسا سکون صرف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب راہی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ زخموں سے خون رس رس کر اب بھی مٹی میں جذب ہو رہا تھا اور احد کی پیاسی ریتلی زمین اپنی لالہ زاری پر ناز کر رہی تھی۔ آسمان کی رفعتیں جھک جھک کر اس کے جسد خاکی سے ہم کنار ہو رہی تھیں۔ شاید ایک دنیا کو الوداع کہنے والے مجاہد کے استقبال کی تیاریاں دوسرے جہان میں بڑی شان سے ہو رہی تھیں اور احد کے ذرے گنگنا رہے تھے

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

marfat.com

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

آبروئے اہل ایماں، یہ امام ابن امام
فکر انساں سے فزوں تر بہت ہے بہت ان کا مقام
خالق کونین کی الفت میں یہ سرشار تھے
ان کی عظمت، ان کی شوکت ہے مسلّم لاکلام
جن کا ثانی ہی نہیں وہ عابد و سجاد ہیں
منبر و محراب کی زینت، حبیب خاص و عام
نقش باطل بن کے آخر مٹ گئی شان یزید
اور امام پاک کے تذکار کی عظمت مدام
ان کے ارشادات سے گلزار دل مہکا ہوا
رفعت افلاک پر ہے گونجتا ان کا ہی نام
سید السادات ہیں یہ شوکت دنیا و دیں
آج بھی بزم جہاں میں ان کا جاری ہے نظام
مرکز حسن عقیدت شاہ زین العابدیں
غازی کرب و بلا کو اے رضا میرا سلام

(محمد اکرم رضا)

marfat.com

جگر گوشۂ شبیر

سیدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

سیدنا امام زین العابدین سانحہ کربلا کا وہ کردار ہیں جنہوں نے کربلا میں ہزاروں پر مشتمل افواج یزید کو خاندان حسین رضی اللہ عنہ کے جگر پاروں کے ساتھ خون کی ہولی کھیلتے دیکھا۔ وہ مقدس افراد کہ جن کی نظیر بزم ہستی پھر کبھی نہ دیکھ سکے گی۔ یزید کی ہوس اقتداء کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کربلا میں زمین لہو سے اٹ گئی۔ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس لہو پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہو گیا۔ بچوں کے سر نیزوں پر اچھالے گئے۔ جوانان اہل بیت کو تہ تیغ کیا گیا۔ نواسۂ رسول جگر گوشہ بتول کا سر اقدس حالت سجدہ میں ان کے جسم سے جدا کیا گیا۔ ان شہداء کے جسموں پر گھوڑے دوڑاتے گئے' ان کو کئی روز بھوکا پیاسا رکھ کر موت کے حوالے کیا گیا لیکن سلام حضرت امام حسین اور آپ کے اہل خاندان اور رفقاء پر جنہوں نے اپنے قدموں میں ہلکی سی لرزش پیدا ہونے نہ دی بلکہ مسکراتے ہوئے' عظمت اسلام کی رجز خوانی کرتے ہوئے لہو میں نہا گئے۔ پھر خاندان رسول کی عظیم المرتبت خواتین کے ساتھ نازیبا سلوک کیا گیا' خیموں کو آگ لگائی گئی۔ ان کے رخساروں پر طمانچے مارے گئے' خاندانِ حسین رضی اللہ عنہ کے تمام اعزا شہید ہو چکے تھے۔ صرف امام زین العابدین زندہ بچ گئے' شدید ترین بیمار تھے' بار بار اُٹھتے اور پھر گر پڑتے' کئی بار اُٹھنے اور جنگی ہتھیار سجانے کا عزم کیا مگر نقاہت غالب آ گئی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینت رضی اللہ عنہا نے روک لیا۔

یہ تھے حضرت امام زین العابدین' خاندان امام حسین رضی اللہ عنہ کے مردوں اور بچوں میں سے زندہ بچنے والے سانحۂ کربلا کے واحد شاہد' جو اس سانحہ فاجعہ کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسکراہٹ سے محروم ہو گئے۔

حضرت امام زین العابدین کا نام نامی اسم گرامی سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ تھا۔ آپ امام زین العابدین کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کو سجاد بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین کی اولاد میں سے صرف آپ اکیلے ہی زندہ

marfat.com

بچ گئے۔ بقیہ اولاد میدان کربلا میں راہ حق میں قربان کر دی تھی۔ آپ کی ذات گلستان مصطفوی کا تنہا پھول تھی جو اُفتاد کربلا کے بعد باقی بچی اور آپ کی ہی اولاد آج دنیا کے کونے کونے میں آباد ہے۔
آپ ایران کے آخری بادشاہ یزدگرد کی بیٹی کے بطن سے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیدی ہو کر آئیں تھیں۔ آپ کے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ابن علی شیر خدا ابن ابی طالب تھے۔ واقعات کربلا کے وقت آپ تپ میں مبتلا تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہوئے اور قتل ہونے سے بھی بچ گئے مگر بعد قتل حسین رضی اللہ عنہ آپ پر جو مصیبتیں پڑیں ان کے تصور سے ہی دل کانپ جاتا ہے۔ آپ کو بھاری بیڑیاں پہنا کر اور یتیموں' بیواؤں اور مظلوموں کے قافلے کا سردار بنا کر کربلا سے کوفہ لے جایا گیا۔ وہاں ابن زیاد کے دربار میں حاضری دی گئی۔ ابن زیاد سے تلخ کلامی کے دوران آپ کے قتل کا حکم دیا گیا مگر جناب زینب جو کہ آپ کی پھوپھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں' آپ سے لپٹ گئیں اور امام کے ساتھ اپنے قتل پر زور دیا۔ اہل دربار کے کہنے سننے سے ابن زیاد اس ارادہ سے باز رہا۔ پھر تمام قیدیوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر کوفہ سے دربار یزید میں دمشق روانہ کیا۔ بیمار کربلا نے مستورات پاکباز کے ساتھ یہ تقریباً سات سو میل کا سفر جس طرح کیا کچھ اس کا ہی دل جانتا ہو گا۔

روایت ہے کہ بے آب و گیاہ لق و دق صحرا میں جبکہ سورج کی تپش سے ریت بھی بے انتہا گرم تھی' قافلہ کے اونٹوں کو بھگایا گیا' پیاس سے جان بلب بچے راہ مین اونٹوں سے گر گئے۔ قافلہ نہ رُکا' چلتا رہا اور گرے ہوئے بچے گرم ریت پر تڑپ کر جان دیتے رہے۔

ایک مؤرخ کے بقول چالیس دن اور دوسرے کے بقول ستائیس دن میں دمشق پہنچے۔ دمشق پہنچنے پر قافلہ کو شہر سے باہر روک دیا گیا۔ شہر کو اچھی طرح سجایا گیا' قیدیوں کا تماشا دیکھنے کو لوگ جوق در جوق جمع تھے۔ حضرت امام زین العابدین کے منع کرنے کے باوجود اس قافلہ کو پہلے تمام شہر کے سجے سجائے راستوں پر پھرایا گیا' ان کا تماشا دکھایا گیا' پھر دربار یزید میں حاضری ہوئی۔ یزید ملعون نے سر امام حسین رضی اللہ عنہ کو طشت میں رکھ کر اپنے سامنے رکھا اور امام زین العابدین سے کہا کہ دیکھا یہ سر' یہ دن تم کو اس لئے دیکھنا نصیب ہوا کہ حسین نے حکومت کے لالچ میں خودکشی کی۔ میرے ساتھ کوئی بہتر سلوک نہ کیا' آخر اپنے انجام کو پہنچا اور کیا خدا نے تم کو ہلاک نہیں کیا۔ امام پاک نے فرمایا ''یزید اتنا گھمنڈ نہ کر تو عنقریب اپنے انجام کو پہنچے گا۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں جس امتحان میں ڈالا' خدا کے فضل سے ہم اس میں پورے اترے مگر ہلاکت تمہارے واسطے ہے جو

marfat.com

تمہارے سر پر کھڑی ہے۔ یہ کلمہ سن کر یزید کو طیش آیا اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ مگر اس جگہ بھی جناب زینب رضی اللہ عنہا ہمشیرہ امام حسین رضی اللہ عنہ رکاوٹ بنیں اور کسی وجہ سے یزید نے ان کو قتل نہ کیا بلکہ ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں سب کو مقید کر دیا۔ جتنا عرصہ بھی آپ قید میں رہے آپ کا تمام وقت رونے میں اور عبادت میں گذرتا۔

بہر حال قید و بند کی سخت ترین صعوبتیں جھیل کر جب یہ قافلہ اپنے گھر مدینہ واپس آیا تو اپنے گھرانے کی تباہی' اپنی بے بسی اور یزید' شمر بن زیاد' عمر بن سعد کے ظلم و جور نے آپ کا دل ایسا توڑ دیا کہ واپس آنے کے بعد آپ نے مکمل گوشہ نشینی اختیار کر لی اور کسی قسم کی دنیاوی باتوں سے اپنا تعلق نہ رکھا۔

روایت ہے کہ آخر دم تک آپ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔ آپ کی آنکھیں خوف خدا سے اور اپنے غموں کی وجہ سے ہر وقت پرنم رہتیں۔

آپ کے علم کے بارے میں سب علماء کا اتفاق ہے۔ چونکہ آپ خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ تھے' آپ کے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کا دروازہ تھے' اس لئے علم اس گھر کی دولت تھا۔

ایک امام کا قول ہے کہ مدینے میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہ پایا اور نہ اطراف میں کسی کو سنا۔

آپ اس گھر کے چشم و چراغ تھے جو زیر خنجر بھی عبادت کرتے رہے۔ آپ اس کے پوتے تھے جس کی تلوار کی ایک ضرب تمام عالم کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسی لئے آپ دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔

روایت ہے کہ آپ ہر وز ایک ہزار رکعت نماز ادا فرماتے اور آخر دم تک اس معمول میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ پیکر عبادت تھے' اسی وجہ سے ہاتف نے آواز دی۔ انت زین العابدین (یعنی بے شک یہ عابدوں کی زینت ہیں) عبادت میں محو تھے مگر گھر میں آگ لگ گئ' لوگوں نے پکارا اور بار بار پکارا مگر آپ دنیا سے بے خبر اپنے مالک حقیقی کے روبرو سجدہ ریز تھے۔ آگ لگی بھی اور بجھا بھی دی گئی مگر آپ کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ بعد فراغت نماز لوگوں نے پوچھا "اے نواسۂ رسول آپ کو کتنا پکارا' آپ بالکل متوجہ نہ ہوئے' آپ اس آگ کی گرمی اور تپش سے کس طرح بے خبر رہے۔ فرمایا "میرے سامنے دوزخ کی آگ بھی ہے اور دوزخ کی آگ سے یہ آگ زیادہ نہیں"۔

آپ حد درجہ فیاض اور دریا دِل تھے' مدینے میں تقریباً ایک سو گھروں کی آپ غائبانہ کفالت

marfat.com

فرماتے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ کس طرح اور کہاں سے آتا ہے۔ مگر آپ کی رحلت کے بعد یہ عقدہ کھلا۔ آپ اتنے تحمل مزاج تھے کہ کسی کی سخت سے سخت گفتگو کا آپ پر اثر نہ ہوتا۔ بڑی بڑی ناگوار باتیں سن کر آپ صبر سے کام لیتے۔ حتیٰ کہ سخت کلمہ کہنے والا خود ہی پشیمان ہوتا۔ آپ کی جلالت کا یہ عالم تھا کہ کس قدر مجمع ہو آپ جدھر چاہیں نکل جائیں' تمام مجمع فوراً چھٹ جاتا اور آپ کو راستہ دے دیتا۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک ولی عہدی کے عہد میں حج بیت اللہ کو آیا۔ طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے بڑھا مگر ہجوم کی وجہ سے راستہ نہ ملا اور واپس آ کر حجاج کا تماشہ دیکھنے ایک طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں امام زین العابدین تشریف لائے۔ طواف کعبہ کیا' پھر حجر اسود کی طرف بڑھے اور ان کو دیکھتے ہی تمام مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ آپ کو سب نے بصد شوق راستہ دیا۔ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا' یہ منظر دیکھ کر دل میں آگ بگولا ہو گیا۔ انجان بن کر پوچھا ''یہ کون شخص ہے'' فرزدق نامی ایک شاعر جو موقع پر موجود تھا' بولا کہ آپ نہیں جانتے تو میں بتاتا ہوں کہ یہ کون شخص ہے۔ یہ کہہ کر فرزدق نے ایک قصیدہ امام زین العابدین کی شان میں پڑھا۔ یہ قصیدہ سن کر ہشام ناراض ہوا اور فرزدق کو قید میں ڈال دیا۔ اس کے بعد امام نے فرزدق کو بارہ ہزار درہم انعام عطا فرمایا۔ فرزق نے جواب دیا کہ میں نے انعام کے لالچ میں یہ قصیدہ نہیں پڑھا بلکہ میں نے کلمہ حق ادا کیا ہے' صرف خدا کی خوشنودی کیلئے۔

آپ نے فرمایا ''سچ ہے خدا تم کو اس کا اجر دے گا' یہ رقم بھی تم لے لو کہ ہم اہل بیت جو چیز کسی کو دیتے ہیں' پھر واپس نہیں لیتے''۔

ایک دردمند شاعر نے میدان کربلا میں سب کے شہید ہو جانے پر امام زین العابدین کے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے:

مجرئی روتا نہ عابد تو بھلا کیا کرتا
کہ بندھے ہاتھوں سے دفن شہدا کیا کرتا
ماں کی چادر کو بچا کہ بہن کے گوہر
ایک بیمار مصیبت زدہ کیا' کیا کرتا
جب خبر ہو گئی مارے گئے رَن میں شبیر
بیبیاں بولیں کہ اب دیکھیں خدا کیا کرتا

marfat.com

دھجیاں باندھتا تلووں سے نہ کیونکر سجاد
دشت پر خار میں وہ آبلہ پا کیا کرتا

واقعہ کربلا میں آپ کی عمر مبارک ۲۳ سال کی تھی۔ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۹۵ ھ میں وفات پائی۔ امام زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں محمد باقر' عبد اللہ الباہر' زید الشہید' عمرالاشرف' حسین الاصغراور علی الاصغر سے باقی ہے۔ دو بیٹیاں ام کلثوم اور خدیجہ تھیں۔

امام صاحب اکثر رونے لگتے' یادِ خداوندی اور شہدائے کربلا کی یاد میں' ایک مرتبہ آپ مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک قصاب کی دوکان پر پہنچے جو جانور کو ذبح کرنے لگا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ سچ کہو جب تم جانور ذبح کرنے لگتے ہو تو اسے پانی پلاتے ہو یا نہیں؟ اس نے ادب سے عرض کیا "یا امام! ہم اسے پانی ضرور پلاتے ہیں' اب یہ اس کی مرضی ہے پئے یا نہ پئے" یہ جواب سنتے ہی امام زین العابدین کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ اور جب آنسو ذرا تھمے تو فرمایا:

"تم تو جانور کو ذبح کرتے ہوئے پانی کا خیال رکھتے ہو مگر یزید کے لشکر نے میرے ابا جان اور خاندان اہل بیت کی اتنی سی قدر بھی نہ کی کہ انہیں ذبح کرنے سے پہلے پانی کیلئے پوچھ لیتے"۔

لوگ آپ کے گرد گھیرا ڈالے رہتے' آپ کو مدینہ کے تمام علماء وفقہاء کا سردار سمجھا جاتا تھا' کئی بار بعض اصحاب دانستہ کوشش کرتے کہ امام زین العابدین ان کی کسی بات پر مسکرا پڑیں مگر آپ کی آنکھیں مسکرانے کے بجائے آنسوؤں سے پُر ہو جاتیں اور فرماتے "جس نے سانحہ کربلا میں اپنے پورے خاندان کو خنجروں' تلواروں سے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہو وہ کیسے مسکرا پائے گا"۔ آپ کا مقصود یہی ہوتا تھا

ع...... تو نہ دیدی واقعات کربلا من دیدہ ام

یعنی اے میرے دوست کربلا کے واقعات کو فقط میں نے دیکھا ہے' تو نے تو نہیں دیکھا اگر تو بھی دیکھ لیتا تو تیرا بھی نجانے کیا حال ہوتا؟

• سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے کردار انور کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

ایک مرتبہ آپ نے ایک غلام کو آزاد کر دیا پھر اس کو زمین کا ایک ٹکڑا کاشت کرنے کو دے دیا' کچھ عرصہ بعد آپ زمین کو دیکھنے خود تشریف لے گئے تو دیکھا کہ زمین آباد نہیں کی بلکہ بنجر ہو گئی ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کو غصہ آ گیا' غلام کو بلایا اور ہاتھ میں جو چھڑی تھی وہ اس کے جسم پر ماری۔ اس غصہ کی حالت میں ہی اپنے مکان پر تشریف لے آئے۔ بعد میں اُسی غلام کو پھر اپنے پاس بلایا' غلام

marfat.com

بہت خوف زدہ تھا۔ ڈرتا ڈرتا حاضر خدمت ہوا' اس کو دیکھ کر آپ نے اپنے جسم پر سے قمیص کو اُتار دیا اور وہی چھڑی غلام کو دے کر کہا میں غصہ کی حالت میں تھا' مجھے افسوس ہے کہ تم کو مارا' اب یہی چھڑی تم میرے جسم پر مارو۔ غلام دست بستہ گویا ہوا' میری یہ مجال کہاں میں' حضور کا غلام ہوں' آپ نے مجھ کو جو سزا دی تھی میں اس کا مستحق تھا۔ جب وہ کسی طرح مارنے پر راضی نہ ہوا تو آپ نے وہ زمین اس کی کو بخش دی اور وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

ایک مرتبہ ایک کنیز سے کھانا لاتے ہوئے کھانے کے برتن ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے اور ٹوٹ گئے' وہ خوف سے کانپنے لگی۔ آپ نے اسکو خوف زدہ دیکھ کر فرمایا ''جا میں نے تجھ کو آزاد کیا''۔

............o............

ایک مرتبہ آپ زید بن اُسامہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ زید بن اسامہ آپ کو دیکھ کر رو پڑے۔ آپ نے پوچھا: کیوں روتے ہو' کہنے لگے دنیا سے جا رہا ہوں مگر پندرہ ہزار دینار کا مقروض ہوں اور بعد میں کوئی جائیداد ایسی نہیں ہے کہ فروخت سے قرض اُتر سکے۔ آپ نے فرمایا ''فکر نہ کرو تمہارا قرض میں ادا کروں گا'' لہٰذا زید کی موت کے بعد آپ نے اس کا تمام قرض چکا دیا۔

............o............

بہت سی روایتوں میں رقم ہے کہ شہادت حضرت امام حسین کے بعد محمد بن حنفیہ نے بھی امامت کا دعویٰ کیا اور امام زین العابدین بھی امام تھے۔ لہٰذا کچھ لوگ امام زین العابدین کو امام وقت مانتے اور کچھ محمد بن حنفیہ کو امام مانتے' دونوں حضرات میں یہ جھگڑا کافی طول پکڑ گیا۔ آخر کار دونوں اس فیصلے پر رضا مند ہو گئے کہ حجر الاسود سے فیصلہ کرایا جائے اور اس کا فیصلہ آخری ہوگا۔ لہٰذا دونوں حضرات کعبہ شریف میں تشریف لے گئے۔ ایک جم غفیر بھی فیصلہ سننے اور حجر الاسود کے کلام کرنے کا معجزہ دیکھنے ساتھ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر محمد بن حنفیہ نے حجر الاسود کو مخاطب کر کے کہا کہ اے حجر الاسود بتا کہ میں محمد بن حنفیہ امام وقت ہوں کہ نہیں' پتھر خاموش رہا' کوئی آواز نہیں آئی۔ اس کے بعد امام زین العابدین نے فرمایا: اے پتھر حکم خدا سے گویا ہو اور بتا کہ بعد از امام حسین امام کون ہے؟ پتھر کو جنبش ہوئی' کانپا اور حکم خدا سے گویا ہوا کہ حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بعد امام زین العابدین ہی امام برحق ہیں۔ یہ سن کر محمد بن حنفیہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کو امام برحق مان لیا' بعض کتب میں لکھا ہے کہ سب کچھ محمد بن حنفیہ نے جان بوجھ کر کیا تھا کہ عام لوگ جان لیں کہ امام برحق میں نہیں ہوں' بلکہ امام زین العابدین ہی ہیں۔

marfat.com

...........o...................

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بہت بڑے خطیب تھے۔ ابن زیاد اور پھر یزید کے دربار میں آپ کے خطبات نے کوفہ اور دمشق والوں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر دی تھیں۔ خود یزید بھی آپ کے خطبات کی تاثیر سے لرز اُٹھا تھا۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں آپ کے خطبات عالیہ شان خطابت اور تاثیر کا امتزاج لئے ہوئے ہیں۔ ہم فقط آپ کے ایک خطبہ کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں جو آپ نے مدینہ طیبہ کے قریب ارشاد فرمایا:

قید کاٹ کر جب یہ لٹا ہوا قافلہ واپس مدینہ پہنچا تو امام زین العابدین نے تمام قافلے کو مدینہ کے باہر ہی پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ ایک شخص کو شہر بھیجا کہ جا کر تمام اہل مدینہ کو خبر کر دے کہ امام حسین کا لٹا ہوا قافلہ آ گیا ہے اور مدینہ کے باہر خیمہ زن ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے تمام اہل مدینہ وہاں جمع ہو گئے۔ اپنے امام کے استقبال کیلئے شہر سے باہر آ گئے۔ آہ و بکا سے آواز سنائی نہ دیتی تھی' امام پاک نے اشارہ سے سب کو خاموش رہنے کو کہا اور بعد حمد و ثنا فرمانے لگے۔

شکر ہے اس خداوند کریم کا جس نے ہمیں بڑی سے بڑی آزمائشوں میں ڈالا اور کامیاب فرمایا۔

اے لوگو! راہِ خدا میں حسین شہید کر دیئے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا اور لشکر یزید نے سر حسین کو نوک نیزہ پر بلند کیا اور شہر شہر پھرایا۔

جو مصیبت ہم پر پڑی ہے اس کے برابر دنیا کی کوئی مصیبت نہیں ہے۔ کون انسان ایسا ہے جو ہماری مصیبت پر رو نہ دے' کوئی ایسا دل نہیں جو اس اندوہناک واقع کے بعد خوش رہ سکے۔

کوئی ایسی آنکھ نہیں جو اپنے آنسو روک لے' حسین مظلوم کی شہادت پر ساتوں آسمان رو دیئے۔ سمندر اور ریگ زار روئے' زمین اور اس کے اطراف روئے' شجر و حجر روئے' آسمان والے اور ملائکہ مقربین روئے۔

اے لوگو! ہماری یہ حالت تھی کہ قیدی بنا کر طوق و زنجیر پہنایا گیا۔ ایک رسی میں سب خورد و کلاں کے گلے باندھے گئے پھر در بدر پھرایا گیا۔ ایسا سلوک زرخرید غلاموں اور لونڈیوں سے بھی روا نہیں تھا۔ ہم لوگ اس کڑی سزا کے سزاوار نہ تھے' بے جرم تھے' ہم خدا کیلئے ہی ہیں اور اس ہی سے ہماری فریاد ہے"۔

marfat.com

امیر المومنین

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

عدل اسلام کی زندہ گواہی

فاران کی چوٹیوں سے اُبھرنے والا آفتاب دنیائے ظلمت کو منور کر کے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں روپوش ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین یکے بعد دیگرے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے تاریخ کے صفحات پر اپنی خلافت کے شاندار نقوش چھوڑ کر ابدی نیند سو چکے تھے۔ خلافت کی جگہ شہنشاہیت اور ملوکیت نے لے لی تھی۔ پہلے مسلمانوں کا ''امیر سید القوم خادمہم'' کے سنہری اصول کا پابند تھا۔ اب اس کی زندگی بھی دنیا کے دوسرے شہنشاہوں کی طرح بسر ہوتی تھی۔ عہد بنوامیہ میں عبدالملک اور ولید کے بعد خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک اگر ساری زندگی میں کوئی بہتر کام کر سکا تھا تو یہی کہ اپنا جانشین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ خلافت سے قبل حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی بڑے شاندار طریق سے بسر ہوتی تھی۔ دیباوحریر کا لباس' بیش قیمت جبہ' عربی گھوڑا' جلو میں خدام' رہنے کو محل' مگر خلافت کے بعد یہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ اپنی ہر چیز کو بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا۔ رشتہ داروں کی جاگیریں ضبط کر لیں' شاعروں اور خوشامدیوں کو دربار سے نکال باہر کیا' غرباء اور مساکین کے وظائف مقرر کئے' ان کے ان ہی کارناموں کی بدولت ان کا شمار خلفائے راشدین میں کیا جاتا ہے اور عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

............O............

سہ پہر کا وقت ہے' خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر بن عبدالعزیز گھر میں موجود نہیں ہیں۔ سادہ سا مکان ہے جس کے صحن میں امیر المومنین کی زوجہ محترمہ ایک مونڈھے پر تشریف فرما ہیں۔ یہ وہی زوجہ محترمہ ہیں جو اپنے خاوند کی خلافت سے قبل کروڑوں کی جاگیر اور محلات کی مالک ہیں مگر انہوں نے

marfat.com

اپنے خاوند کی تقلید میں سب کچھ چھوڑ دیا۔ ایک بڑھیا جس کے چہرے پر کچھ تو بڑھاپے نے اور کچھ غم روزگار نے جھریاں ڈال رکھی ہیں' جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی خاص ضرورت سے آئی ہو۔ اس کے اندر آنے پر امیر المومنین کی زوجہ حضرت فاطمہ نے اسے یہ کہتے ہوئے ایک مونڈھا پیش کیا۔ تشریف رکھوا ماں۔ بڑھیا کی جھجک پھر بھی دور نہ ہوئی اور وہ اسی طرح آنکھیں پھاڑے مکان کے درودیوار کو دیکھتی رہی۔ حضرت فاطمہ نے اس کی محویت کو توڑا اور کہا ''اماں کیا دیکھ رہی ہو' بیٹھو تو سہی' آخر کام کیا ہے؟'' اور پھر یکا یک بڑھیا کو جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔'' معاف کرنا' بیٹی! میں کسی اور گھر میں آ گئی' میں امیر المومنین عمر کو ملنا چاہتی تھی اور عمر کے محل کا پتہ پوچھتے ہوئے یہاں تک چلی آئی تھی' کسی نے مجھے اس مکان کے اندر جانے کا اشارہ کیا اور میں چلی آئی' بیٹی جس کسی سے بھی میں نے امیر المومنین کے محل کا پتہ دریافت کیا وہی محل کا نام سن کر ہنس پڑا۔ اب تم نہ ہنسنا' مجھے ان کے محل کا پتہ بتا دو مجھے ان سے ایک بہت ضروری کام ہے''۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''اماں! یہی امیر المومنین کا محل ہے' یہی قصر خلافت ہے''۔

''میرے اللہ میں کیا سن رہی ہوں' بڑھیا نے کہا' خدا جھوٹ نہ بلوائے' ابھی ایک ہی سال کی بات ہے میں اسی کام کے لئے جس کے لئے موجودہ خلیفہ کے پاس آئی ہوں' خلیفہ سلیمان کے محل میں بھی گئی تھی تو جس محل میں وہ خلیفہ رہتا تھا وہ تو بڑا شاندار تھا' دروازوں پر دربان کھڑے تھے' جنہوں نے مجھے اندر جانے نہ دیا' اور اگر خدا خدا کر کے ان کو میری گریہ زاری پر رحم آیا اور مجھے اندر جانے کی اجازت ملی تو خلیفہ نے مجھے بھکارن سمجھ کر چند درہم دے کر رخصت کر دیا' ہوسکتا ہے کہ......''

''لیکن اماں سنو تو...... حضرت فاطمہ نے اسے ٹوکا' مگر بڑھیا اپنی ہی رو میں کہتی گئی۔'' ہو سکتا ہے موجودہ خلیفہ کا دربان بھی مجھے دھکے دے کر نکال دے مگر مجھے ان کے محل کا پتہ تو بتا دو۔ اگر تم نہیں بتا سکتیں تو میں جاتی ہوں''۔

............O............

بڑھیا یہ کہہ کر جانے کو بڑھی۔ حضرت فاطمہ نے اسے اُٹھ کر بازو سے پکڑا اور کہا ''چھوٹے بزرگوں سے مذاق نہیں کیا کرتے اماں۔ اور بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے مذاق کا۔ خدا کی قسم یہی امیر المومنین کا مکان ہے' میں مذاق نہیں کرتی اور امیر المومنین کے محل کے متعلق تم نے اپنے دل میں جو کچھ سوچ رکھا تھا وہ غلط ہے' تم نے امیر المومنین کو غلط سمجھا ہے''۔ بڑھیا کو جیسے کچھ یقین آ گیا ہو' بیٹھ گئی اور کہنے لگی کیا امیر المومنین واقعی اس قدر سادہ زندگی بسر کرتے ہیں' دروازے پر کوئی دربان نہیں'

marfat.com

خلافت کا بار اُٹھانے سے قبل ان کی زندگی بہت ٹھاٹھ دار ہوا کرتی تھی۔

''اور تمہیں اس زندگی سے کوئی شکایت نہیں ہے' وہ تو بادشاہ ہیں' خزانہ تو ان کی ملکیت ہے''۔

شکایت کیسی اماں میں پہلی زندگی میں بھی خوش تھی اور اب بھی راضی ہوں۔ امیر المومنین کی عین خوشی ہی میری رضا ہے' اور وہ خزانہ کو عوام کا روپیہ سمجھتے ہیں اور ان ہی پر خرچ کرتے ہیں' اپنی ذات پر اور گھر میں وہ سوائے چند مقررہ درہموں کے ایک پائی بھی خرچ کرنا حرام سمجھتے ہیں''۔

''اور امیر المومنین اس وقت کہاں ہیں؟''

''وہ اس وقت بازار سے زیتون کا تیل لینے گئے ہیں''۔ حضرت فاطمہ نے جواب میں کہا۔ گھر کے سارے کام کاج بھی ان ہی کو کرنے پڑتے ہیں۔ معمولی سی تنخواہ اجازت نہیں دیتی کہ کسی نوکر کا بار اُٹھایا جا سکے۔ اتنے میں ایک شخص جس کے چہرے پر بڑھاپا غالب آ ہی چکا ہے' اندر داخل ہوا' ایک برتن حضرت فاطمہ کی طرف بڑھایا اور پھر باہر نکلنے ہی والا تھا کہ حضرت فاطمہ نے کہا:

''امیر المومنین ٹھہریئے'' ...... امیر المومنین کے لفظ پر بڑھیا نے غور سے اس شخص کی جانب دیکھا۔ یہ امیر المومنین ہے۔ خلیفہ وقت بیت المال کو جس طرح چاہے خرچ کر سکتا ہے مگر اس قدر سادہ۔ حضرت فاطمہ کی آواز پر امیر المومنین ٹھہر گئے۔

کیا بات ہے فاطمہ؟ انہوں نے پھر قریب آ کر کہا:

''یہ اماں آپ کے پاس کسی ضروری کام کیلئے آئی ہیں''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چہرہ بڑھیا کی طرف پھیرا اور پھر کہا'' آؤ اماں میرے ساتھ'' بڑھیا خاموشی سے اُٹھی اور امیر المومنین کے پیچھے چل پڑی۔ حضرت عمر اسے دو کمروں کے ساتھ والی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں لے آئے جس میں دن کے وقت بھی رات کا سماں دکھائی دیتا تھا۔ حضرت عمر نے خود ہی ایک مٹی کا دیا جلایا اور پھر بڑھیا کی طرف دیکھ کر جو ابھی تک حیران و ششدر کھڑی تھی' نیچے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ بڑھیا اسی چٹائی پر جس پر امیر المومنین تشریف فرما تھے بیٹھ گئی۔ ''اب کہو اماں' تمہیں عمر سے کیا کام ہے؟''

............O............

بڑھیا سوچ میں پڑ گئی۔ بتائے یا نہ بتائے وہ تو اپنی دو نوجوان بیٹیوں کی شادی کیلئے روپیہ لینے کیلئے آئی تھی۔ مگر یہاں معاملہ ہی اور تھا۔ جو شخص خود معمولی سے مکان میں رہتا ہے' نوکر رکھ نہیں سکتا' گھر کا کام کاج خود کرتا ہے' تھوڑی سی تنخواہ لیتا ہے' وہ میری حاجت پوری کس طرح کر سکتا ہے' حضرت عمر نے اسے خاموش دیکھ کر پھر کہا:

marfat.com

"بتاؤ اماں! تمہاری تکلیف ہر ممکن طریقہ سے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی"۔
"میں آئی تو ایک ضروری کام کیلئے تھی مگر دیکھ رہی ہوں کہ وہ کام نہیں ہو سکتا"
"بتلاؤ تو سہی وہ کام' خدا مسبب الاسباب ہے"۔
"بات دراصل یہ ہے امیر المومنین کہ میں دو جوان لڑکیوں کی شادی کرنا چاہتی ہوں' ان کا باپ بہت عرصہ ہوا فوت ہو چکا ہے' گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ گھر میں دو چھوٹے بچے اور ہیں' ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ بیٹیوں کی شادی کیلئے گھر میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ شادی تو بہت عرصہ پہلے کی ہو چکی ہوتی مگر کس طرح؟ جہیز میں کیا دیتی' اب میں دیکھ رہی ہوں کہ جو لوگ خود ہی امداد کے مستحق ہیں وہ بھلا میری امداد کیا کر سکیں گے"۔
امیر المومنین نے بڑھیا کی طرف دیکھا "شاید تمہیں ابھی تک میرے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم۔ کیا فاطمہ نے بھی کچھ نہیں بتایا"۔
"انہوں نے تو بتایا تھا امیر المومنین ......اسی پر تو میں حیران ہوں"
تمہارے ہی حیران ہونے والی بات نہیں ہے' اس پر مستقبل کے مورخ بھی حیران ہوں گے۔ میرے پیشرو اپنی شان و شوکت کے مظاہرہ کے سلسلہ میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ لوگوں کو آج میری سادگی بھی کھٹک رہی ہے۔ ہمیں کچھ نہیں چاہیئے' خزانہ تو رعایا کا ہے اور سوچو تو سہی بھلا وہ رعایا کی بہتری اور رعایا کی ضروریات پر خرچ نہیں ہوگا تو کس پر ہوگا۔ اطمینان رکھو' تمہاری تکلیف دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ یہ کہہ کر امیر المومنین اُٹھے' کاغذات کے ڈھیر میں سے ایک سفید کاغذ نکالا اور اس پر مہر لگا کر شاہی فرمان لکھنا شروع کیا۔
امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے محاسب بیت المال کے نام
"یہ بڑھیا امداد کی مستحق ہے' اس کی بیٹی کی شادی کیلئے اسے دو ہزار دینار دیئے جائیں"۔
ابھی وہ اتنا ہی لکھ پائے تھے کہ بڑھیا نے دریافت کیا۔ "کیا لکھا آپ نے امیر المومنین؟" امیر المومنین نے اسے عبارت سنا دی۔ بڑھیا کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑے۔ "خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے' تو نے میری سن لی' مگر امیر المومنین شادی تو میں نے دو لڑکیوں کی کرنی ہے ...... حضرت عمر نے آگے لکھا
"اور اس کی دوسری بیٹی کی شادی کیلئے اسے تین ہزار دینار دیئے جائیں" یہ عبارت سن کر بڑھیا کے ہاتھ پھر بے اختیار آسمان کی طرف اُٹھ گئے۔ "میرے اللہ میں تیرا کس زبان سے شکر ادا

marfat.com

کروں، تو واقعی مسبب الاسباب ہے"۔ میرے ایک چھوٹا لڑکا اور لڑکی بھی ہے۔ امیر المومنین! اگر ان کیلئے بھی کچھ ہو جائے تو ......"

امیر المومنین نے آگے لکھا

"چھوٹے لڑکے کی کفالت کیلئے اسے پچیس درہم ماہانہ دیئے جائیں"۔

"عین پریشانیوں، ناامیدیوں کے طوفان میں صرف تو ہی امید کے چراغ روشن کرتا ہے، میرے مولا...... اور لڑکی، امیر المومنین؟ بڑھیا نے کہا......"

امیر المومنین نے آگے لکھا:

"اور لڑکی کی کفالت کیلئے اسے پندرہ درہم ماہانہ دیئے جائیں"

بڑھیا کا کام ختم ہو چکا تھا، اس کے نزدیک امیر المومنین ایک دیوتا سے کم نہ تھے۔ جب انہوں نے لڑکی کے وظیفہ کے بارے میں لکھ کر اسے سنایا، بڑھیا نے کہا ...... امیر المومنین! آپ انسان کے روپ میں فرشتہ ہیں، بیواؤں کا سہاگ آپ کے دم سے قائم ہے، یتیموں کے سر پر سب سے بڑا سایہ آپ ہیں، کمزور کی لاٹھی، بے یاروں کا یارا آپ ہیں، میں نے آج تک آپ جیسا سخی اور دریا دل انسان نہیں دیکھا، پچھلے خلیفہ نے تو مجھے دھکے دے کر نکلوا دیا تھا، دنیا میں نیکی کا وجود آپ کے دم سے ہی قائم ہے"۔

بڑھیا نے امیر المومنین کی شان میں یہ جملے کہہ کر ان کا اثر امیر المومنین کے چہرے سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر یہ کیا؟

ان تعریفی جملوں کو سن کر امیر المومنین کا چہرہ یکا یک تبدیل ہو گیا، چہرے پر نرمی اور محبت کی جگہ غصے اور درشتگی نے لے لی۔ اور یہ اس چہرے سے قطعاً مختلف تھا جب امیر المومنین نے شاہی فرمان لکھنا شروع کیا تھا، انہوں نے قلم اُٹھایا اور اس جگہ پر جس جگہ چھوٹی لڑکی کے وظیفہ کی بابت لکھا تھا، سیاہی پھیر دی۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟" بڑھیا چلائی

امیر المومنین نے کرخت لہجے میں کہا "اماں مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی، میں نے پہلی لڑکی کے بارے میں لکھا تو تم نے خدا کو یاد کیا، دوسری کے بارے میں لکھا تو بھی تم نے خدا کا شکر ادا کیا، لڑکے کے وظیفہ کی باری آئی تو بھی تمہیں خدا ہی یاد تھا مگر جب بیٹی کے وظیفہ کے متعلق لکھا تو تم نے خدا کو چھوڑ کر میری تعریف شروع کر دی، میں خوشامد پسند نہیں کرتا اسی لئے میں نے اس حصہ پر سیاہی

marfat.com

پھیر دی ہے جس میں خالق کے بجائے مخلوق کی تعریف کی گئی ہے' یہ سب کچھ خدا کا ہے ہم تو صرف پاسبان ہے"۔

بڑھیا کانپ گئی ...... امیر المومنین !!

"میں اب کچھ نہیں کر سکتا اماں' تم اب یہی کاغذ لے جاؤ' صبح خزانچی کو دکھلا دینا' تمہیں رقم مل جائے گی۔ ہاں چھوٹی لڑکی کیلئے کچھ تو بیٹیوں کی شادی سے بچا لینا اور کچھ لڑکے کے وظیفہ سے' بس اب تم جا سکتی ہو" یہ سن کر بڑھیا اُٹھی' اس کے ہاتھ میں وہ شاہی فرمان تھا' جس نے اس کی تکالیف کا خاتمہ کر دیا تھا۔

............O............

بڑھیا گھر کو جا رہی تھی سوچتی ہوئی...... اس عجیب انسان کے متعلق جو اپنی تعریف کے بجائے خدا کی تعریف پسند کرتا ہے جو خلیفۃ المسلمین ہو کر معمولی سے مکان میں رہتا' سادہ سے کپڑے پہنتا' اور گھر کا سارا کام خود کرتا ہے' جو بیت المال سے معمولی سی تنخواہ کے علاوہ ایک پائی بھی لینا حرام سمجھتا ہے مگر ایک بڑھیا کی امداد کیلئے ہزاروں روپے دے سکتا ہے۔ وہ اس فرمان کے آخر میں لڑکی کے وظیفہ کے بارے میں لکھی ہوئی تحریر پر سیادہ لکیر کو دیکھ کر دور امویہ کے ماضی و حال کا موازنہ کر رہی تھی کہ اس کے پیشرو اُموی خلفاء تو ایسے نہیں تھے۔

marfat.com

محدثین عظام

marfat.com

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

فروغ دیں میں رتبہ ہے بہت اونچا بخاری کا
دلوں کی سلطنت پر حکم ہے چلتا بخاری کا
بخاری تھے امام وقت' نور دین اسلامی
بہر سو ماہتاب علم ہے چمکا بخاری کا
حدیث پاک کی تدوین میں گزری عمر ساری
خدا نے کر دیا ہے مرتبہ بالا بخاری کا
نجانے کتنے شہروں میں قدم پہنچے بخاری کے
اسی خاطر تو ہر سو نام ہے چھایا بخاری کا
بخاری کی بلندی کا ہوا اک آن میں قائل
خلوص دل سے جس نے مرتبہ سمجھا بخاری کا
بخاری کی لحد پر ہے نزول رحمت باری
زمانہ بہر الفت نام ہے لیتا بخاری کا
رضا اس کے مقدر میں بلندی ہی بلندی ہے
اسی خاطر تو ہر اک قول ہے پیارا بخاری کا

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

امیر المومنین فی الحدیث

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری کا شمار تاریخ حدیث و فقہ کے بہت بڑے محسنین میں ہوتا ہے۔ آپ کا یہ احسان بھلا کیا کم ہے کہ آپ نے تدوین حدیث کی' ہر زمانے کیلئے عہد نبوی کی بہاروں کو تروتازہ کر دیا۔ ہر آدمی کیلئے کس طرح ممکن تھا کہ وہ ایک حدیث کی صحت اور سیاق و سباق کیلئے آئمہ کرام کا انتخاب کر کے ان کی جانب رُخ کرتا۔ یہ امام بخاری کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اُمت اسلام کیلئے علمی دشواریوں کو آسان تر کر دیا۔ آپ نے ایک مصمم ارادہ کیا کہ احادیث کو جمع کریں گے پھر ان کا انتخاب اُمت اسلام کے سامنے پیش کریں گے۔ اس مقصد کی خاطر آپ نے دور دراز کے علاقوں کا سفر کیا۔ بعض اوقات ایک ایک حدیث کیلئے سینکڑوں میل طے کئے۔ ایک ایک حدیث کو کئی کئی راویوں سے سنا۔ ایک حدیث کی تصدیق کئی کئی ارباب علم وفن سے کروائی اور پھر کہیں جا کر اس قابل ہوئے کہ "صحیح البخاری" کے نام سے احادیث مصطفوی کا ایک انتہائی معتبر اور قابل قدر ذخیرہ رہتی دنیا تک کیلئے زمانے کے سامنے پیش کر سکیں۔ وقت آگے کی جانب صدیوں کا سفر طے کر چکا ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس علمی احسان کی بدولت اُمت اسلام کا سر ان کے حضور ہمیشہ خمیدہ رہے گا۔

ولادت و سلسلۂ نسب

ناصر الاحادیث النبویہ وانشر المواریث المحمدیہ امیر المومنین فی الحدیث امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی ۱۳ شوال المکرم ۱۹۴ھ میں ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی عظیم محدث اور ایک صالح بزرگ تھے۔ ابن حبان نے ان کو طبقہ رابعہ کے ثقہ راویوں میں شمار کیا۔ امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا۔ انہیں امام مالک' عبداللہ بن مبارک اور حماد بن زید جیسے

marfat.com

یکتائے روزگار حضرات سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہوا اور یحییٰ بن جعفر بیکندی، احمد بن جعفر، النصر بن حسین اور عراقیوں کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث کا سماع کیا۔ امام بخاری کے والد خوشحال اور دولت مند تھے اور جس قدر مالدار تھے اتنے ہی پرہیزگار تھے۔ احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم کی موت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا وہ کہنے لگے میرے پاس جس قدر مال ہے اس میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں ہے۔

ایام طفولیت ہی میں امام بخاری کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور پرورش کی تمام تر ذمہ داری آپ کی والدہ نے سنبھال لی تھی۔ صغیر سن میں ہی امام بخاری نابینا ہو گئے اس وقت کے مشہور اطباء اور معالجین سے رجوع کیا گیا مگر کسی کی پیش نہ جا سکی۔ آپ کی والدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ انہوں نے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور دامن پھیلا کر اپنے لخت جگر کیلئے بصارت مانگی۔ بالآخر دریائے رحمت جوش میں آیا اور ایک رات انہیں خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ وزاری اور دعاؤں کی کثرت کے سبب تمہارے بیٹے کی بصارت لوٹا دی ہے۔ صبح جب امام بخاری بستر سے اُٹھے تو ان کی آنکھیں روشن تھیں۔

ابتدائی اور ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب امام بخاری کی عمر دس سال کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں علم حدیث کی تحصیل کا شوق پیدا کیا اور آپ نے بخارا کے درس حدیث میں داخلہ لے لیا۔ علم حدیث کو آپ نے انتہائی کاوش اور محنت سے حاصل کیا۔ متن کو محفوظ رکھا اور سند کے ایک ایک راوی کو ضبط کیا حتیٰ کہ ایک سال بعد متن حدیث اور اس کی سند پر آپ کے عبور کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات اساتذہ بھی آپ سے اپنی تصحیح کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے استاذ داخلی نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا:

حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراهیم۔

آپ نے فرمایا "ابوالزبیر کی ابراہیم سے کوئی روایت نہیں ہے"۔

استاذ نے ناراض ہو کر امام بخاری کو تہدید کی۔ آپ نے کہا "اگر آپ کے پاس اصل ہے تو اس میں دیکھ لیجئے"۔ استاذ نے اصل کی طرف رجوع کیا اور کہا "اچھا پھر بتلاؤ یہ روایت کس طرح ہے"۔ آپ نے عرض کیا:

حدثنا سفیان عن زبیر بن عدی عن ابراهیم

اور بتلایا کہ یہ لفظ ابی الزبیر نہیں زبیر بن عدی ہے۔

marfat.com

استاذ حیران رہ گئے اور انہوں نے بھری مجلس میں امام بخاری کی تحسین کی۔ امام بخاری یونہی تیزی اور مہارت سے علوم دینیہ حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں امام بخاری نے عبداللہ بن مبارک' وکیع اور دیگر اصحابِ ابی حنیفہ کی کتابوں کو ازبر کر لیا تھا۔

اٹھارہ برس کی عمر میں امام بخاری اپنے بڑے بھائی احمد بن اسماعیل اور اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حج کرنے کیلئے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ حج کے بعد انکے بھائی تو والدہ کو لے کر واپس چلے گئے اور امام بخاری مزید تعلیم کے حصول کیلئے وہیں رہ گئے۔ اسی دوران انہوں نے قضایا الصحابۃ والتابعین کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد چاندنی راتوں میں روضہ انور کے پہلو میں بیٹھا کر تاریخ کبیر تصنیف کی۔ امام بخاری کہتے ہیں میں نے تاریخ کبیر میں جتنے لوگوں کے اسماء ذکر کئے ہیں مجھے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کوئی نہ کوئی قصہ معلوم تھا لیکن اختصار کے سبب میں نے ان تمام قصوں کو درج نہیں کیا۔ تاریخ کبیر کی تکمیل ہوتے ہی اس کی نقل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا

جس زمانہ میں امام بخاری مکہ میں وارد ہوئے اس وقت یمن میں امام عبدالرزاق بقید حیات موجود تھے۔ امام بخاری نے ان سے روایت حدیث کیلئے یمن جانے کا قصد کیا لیکن کسی نے ان کو غلط خبر دی کہ امام عبدالرزاق کا انتقال ہو گیا۔ یہ سن کر انہوں نے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک واسطہ کے ساتھ امام عبدالرزاق سے روایت حدیث کرنے لگے۔ امام بخاری نے روایت حدیث کے سلسلہ میں بارہا دور دراز شہروں کا سفر کیا اور برسہا برس وطن سے دور بیٹھے اکتساب علم کرتے رہے۔ انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں طلب حدیث کیلئے مصر اور شام دو مرتبہ گیا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا' چھ سال حجاز مقدس میں رہا اور ان گنت مرتبہ محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد گیا۔

امام بخاری بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے' جب ہم ان کی قوت حفظ کے کارنامے صفحات تاریخ پر دیکھتے ہیں تو یوں گمان ہوتا ہے جیسے وہ سر سے پیر تک حافظہ ہی حافظہ ہوں۔ ان کے حافظہ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حاشد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری لڑکپن میں ہمارے ساتھ حدیث کے سماع کیلئے مشائخ بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاری کے سوا ہم تمام ساتھی احادیث ضبط تحریر میں لے آتے تھے۔ سولہ دن گزر جانے کے بعد ایک روز ہمیں خیال آیا اور ہم نے بخاری کو ملامت کی اور کہا کہ تم نے احادیث ضبط نہ کر کے اتنے دنوں کی محنت ضائع کر دی۔ امام بخاری نے ہم سے کہا اچھا تم اپنے ضبط شدہ نوٹ لے آؤ۔ ہم اپنے اپنے نوٹ لے کر آئے اور امام بخاری نے سلسلہ وار احادیث سنانی

marfat.com

شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے پندرہ ہزار سے زیادہ احادیث بیان کر ڈالیں اور یہ سن کر ہمیں یوں گمان ہوتا تھا کہ گویا یہ روایات ہمیں امام بخاری نے لکھوائی ہیں۔

محمد بن ازہر سجستانی کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے ساتھ سلیمان بن حرب کی خدمت میں سماع حدیث کیلئے حاضر ہوتا تھا' میں احادیث لکھتا تھا اور امام بخاری نہیں لکھتے تھے' کسی نے مجھ سے کہا بخاری احادیث کو نوٹ کیوں نہیں کرتے' میں نے کہا "تم سے کوئی حدیث اگر لکھنے سے رہ جائے تو بخاری کے حافظہ سے لکھ لینا"۔

امام بخاری کی قوت حفظہ بیان کرنے کیلئے یہ امر کافی ہے کہ جس کتاب کو وہ ایک نظر دیکھ لیتے تھے وہ انہیں حفظ ہو جاتی تھی اور بعد میں جا کر یہ عدد تین لاکھ تک پہنچ گیا' جن میں سے ایک لاکھ احادیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح تھیں۔ ایک مرتبہ بلخ گئے تو وہاں کے لوگوں نے فرمائش کی آپ اپنے شیوخ سے ایک ایک روایت بیان کریں تو آپ نے ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار احادیث زبانی بیان کر دیں۔

سلیمان بن مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں محمد بن سلام بیکندی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا' محمد بن سلام نے کہا "اگر تم کچھ دیر پہلے میرے پاس آتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھلاتا' جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں"۔ سلیمان نے اس مجلس سے اُٹھ کر امام بخاری کی تلاش شروع کر دی۔ بالآخر سلیمان نے امام بخاری کو ڈھونڈھ نکالا اور پوچھا کیا تم ہی وہ شخص ہو جس کو ستر ہزار احادیث حفظ ہیں؟ امام بخاری نے کہا "مجھے اس سے بھی زیادہ احادیث یاد ہیں اور میں جن صحابہ سے احادیث روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کی ولادت اور وفات کی تاریخ اور ان کی جائے سکونت پر اطلاع رکھتا ہوں۔ نیز میں کسی حدیث کو روایت نہیں کرتا مگر کتاب اور سنت سے اسکی اصل پر واقفیت رکھتا ہوں"۔

امام بخاری کے اساتذہ اور مشائخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے شہر در شہر اور قریہ در قریہ جا کر علم حدیث حاصل کیا۔ امام بخاری نے حصولِ روایت میں اکابر' اماثل اور اصاغر کے فرق کا کبھی خیال نہیں رکھا۔ انہیں جہاں سے بھی روایت ملتی اخذ کر لیتے خواہ بیان کرنے والا ان سے برتر ہو' مساوی ہو یا کمتر۔ امام بخاری کے اساتذہ و مشائخ کی تعداد یوں تو ایک ہزار سے زائد ہے۔

امام بخاری کا ذہن بہت بیدار اور نکتہ رس تھا۔ وہ قرطاس و قلم پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے جتنا انہیں اپنے حافظہ اور ذہن پر اعتماد تھا۔ لوگوں نے بارہا فن حدیث میں امام بخاری کی قابلیت کا امتحان لیا۔ لیکن وہ اپنی خداداد ذہانت اور بے شمار حافظہ کی وجہ سے ہمیشہ سرخرو رہے۔

marfat.com

حافظ احمد بن عدی بیان کرتے ہیں کہ جب اہل بغداد کو معلوم ہوا کہ امام بخاری بغداد آ رہے ہیں تو انہوں نے ایک ہزار سے زائد احادیث میں رد و بدل کر دیا اور ایک حدیث کی سند کو دوسرے کے ساتھ لگا دیا۔

امام بخاری جب بغداد میں داخل ہوئے تو اہل بغداد نے ان کے اعزاز میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی' جس میں علماء امراء اور عوام کی بہت بڑی اکثریت شامل تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک شخص اُٹھا اور اسنے سند مقلوب کے ساتھ پہلی حدیث پڑھی۔ امام بخاری سے پوچھا گیا کیا آپ کو یہ حدیث معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں' اس نے پھر دوسری حدیث پڑھی پھر تیسری پھر چوتھی یہاں تک کہ اس نے دس احادیث پڑھ ڈالیں اور امام بخاری نے ہر بار نفی میں جواب دیا۔ جاننے والے اصل سبب سمجھ کر امام بخاری کے علم پر حیران ہو رہے تھے اور انجان لوگ اس جواب کو امام بخاری کا عجز سمجھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ پہلے شخص کے سوالات کے بعد اسی طرح دوسرے شخص نے اُٹھ کر سوالات کیئے اور امام بخاری نے اسی طرح جواب دیئے پھر تیسرا اُٹھا پھر چوتھا۔ یہاں تک کہ دس آدمیوں نے سو احادیث پوری کر ڈالیں اور امام بخاری نے ان تمام احادیث کے جواب میں یہی کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا۔ جب امام بخاری نے دیکھا کہ یہ لوگ سوالات سے فارغ ہو گئے اور اب کوئی شخص نہیں اُٹھتا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ پہلے شخص نے جو حدیث پڑھی اس کی اس نے یہ سند بیان کی تھی اور اسکی سند یہ ہے۔ اس طرح ان لوگوں کی پڑھی ہوئی سو کی سو احادیث کی غلط اسناد بھی پڑھ کر سنائیں اور ان کی اصل اسناد بھی بیان کر دیں اور ہر حدیث کو اس کی اصل سند کے ساتھ لاحق کر دیا۔ جیسے ہی امام بخاری نے اپنے بیان کو ختم کیا تمام مجلس میں تحسین و مرحبا کا غلغلہ اور آفرین آفرین کا شور اُٹھا اور عوام و خواص سب نے امام بخاری کے فضل کا اعتراف اور ان کی عظمت کا اقرار کر لیا۔

حافظ ابوالازہر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند میں چار سو محدث جمع ہوئے اور انہوں نے امام بخاری کو مغالطہ دینے کیلئے شام کی اسناد عراق کی اسناد میں داخل کیں اور عراق کی شام میں۔ اسی طرح حرم کی اسناد یمن میں داخل کیں اور یمن کی حرم میں۔ وہ لوگ سات دن تک لگاتار اس قسم کے مغالطہ آمیز متون اور اسانید امام بخاری پر پیش کرتے رہے لیکن ایک بار بھی وہ امام بخاری کو نہ سند میں مغالطہ دے سکے' نہ متن میں۔

یوسف بن موسیٰ مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ منادی

marfat.com

کی آواز آئی "اے علم کے طلبگارو! امام محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں جس نے ان سے احادیث کی روایت لینی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ مروزی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک دبلا پتلا جوان ستون کے قریب انتہائی سادگی اور خضوع و خشوع سے نماز پڑھ رہا ہے یہی امام بخاری تھے۔ اعلان سنتے ہی چاروں طرف سے مشتاق امام بخاری کے گرد جمع ہو گئے۔ امام بخاری نے انہیں اگلے روز احادیث لکھوانے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز صبح مجلس املاء منعقد ہوگئی۔ آپ نے فرمایا "میں تم کو وہی احادیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین بیان کرتے ہیں لیکن نئی سند کے ساتھ" پھر آپ نے ایک حدیث منصور کی روایت سے پڑھی اور فرمایا تمہارے شہر والے اس حدیث کو منصور کے غیر سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح امام بخاری نے ان کو کثیر تعداد میں احادیث لکھوائیں اور ہر حدیث کے بارے میں فرماتے تمہارے شہر والوں نے اس کو فلاں سے روایت کیا ہے اور میں اس کو فلاں سے لکھواتا ہوں۔

حافظ احمد بن حمدون بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ کے موقعہ پر دیکھا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی امام بخاری سے اسماء اور علل کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور امام بخاری اس تیزی اور روانی سے جواب دے رہے تھے جیسے آپ کے منہ سے جواب نہیں کمان سے تیر نکل رہا ہو۔

امام بخاری کے والد محدث اسماعیل بن ابراہیم انتہائی امیر کبیر شخص تھے اور امام بخاری نے ان سے وراثت میں مال و دولت کا بہت بڑا حصہ حاصل کیا تھا۔ امام بخاری اپنا مال مضاربت پر دیتے تھے خود بنفسہ تجارت نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کے پچیس ہزار درہم دینے تھے۔ آپ نے فرمایا "تم دس درہم ماہانہ ادا کر دیا کرو"۔

ابوسعید بکر بن منیر کہتے ہیں ایک مرتبہ ابوحفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان بھیجا تجار کو پتہ چلا تو وہ اس سامان کو خریدنے کیلئے پہنچ گئے اور پانچ ہزار درہم کی پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا رات کو آنا۔ شام کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اور اس نے دس ہزار درہم کی پیشکش کر دی۔ آپ نے فرمایا پہلے گروہ کے ساتھ بیع کی نیت کر چکا ہوں۔ اب پانچ ہزار درہم کی خاطر میں اپنی نیت بدلنا نہیں چاہتا۔

امام بخاری مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بہت سادہ اور جفاکش تھے۔ اپنی ضرورت کے تمام کام خود کر لیا کرتے تھے۔ مال و دولت اور جاہ مرتبت کے باوجود کبھی خدام اور غلاموں کا حشم قائم نہیں رکھا۔ محمد بن حاتم وراق آپ کے خصوصی شاگرد تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام

marfat.com

بخاری بخارا کے قریب سرائے بنا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں سے اٹھا اُٹھا کر دیوار میں اینٹیں لگا رہے تھے' میں نے آگے بڑھ کر کہا "آپ رہنے دیجئے یہ اینٹیں میں لگا دیتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "قیامت کے دن یہ عمل مجھے نفع دے گا"۔

وراق کہتے ہیں کہ جب ہم امام بخاری کے ساتھ کسی سفر میں جاتے تو آپ ہم سب کو ایک کمرہ میں جمع کر دیا کرتے اور خود علیحدہ رہتے۔ ایک بار میں نے دیکھا امام بخاری رات کو پندرہ بیس مرتبہ اُٹھے اور ہر مرتبہ خود اپنے ہاتھ سے آگ جلا کر چراغ روشن کیا

امام بخاری نہایت فیاض تھے' جس قدر مال کے لحاظ سے غنی تھے اس سے زیادہ دل غنی تھا۔ بعض اوقات ایک دن میں تین تین بار صدقہ دیا کرتے تھے۔ عیش و عشرت کی زندگی سے کوسوں دور تھے۔ بعض اوقات طلب علم میں انہوں نے سوکھی ہوئی گھاس کھا کر بھی گزارا کیا ہے۔ ایک مرتبہ بیماری میں طبیب کو بتایا کہ وہ چالیس سال سے سوکھی روٹی کھا رہے ہیں اور اس عرصہ میں سالن کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔

امام بخاری تقویٰ اور پرہیز گاری کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ ظاہر و باطن میں خدا سے بے حد ڈرتے تھے۔ مشتبہات سے بچتے' غیبت سے پرہیز کرتے اور لوگوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ انہیں تیر اندازی کا بے حد شوق تھا۔ ایک مرتبہ ان کا تیر نہر کے پل پر لگا اور اسکی کیل خراب ہوگئی۔ امام بخاری بے حد پریشان ہوئے اور پل کے مالک حمید بن اخضر کے پاس پیغام بھیجا کہ یا ہم کو کیل بدلنے کی اجازت دو یا کیل کی قیمت لے لو اور یا ہماری غلطی معاف کر دو۔ حمید بن اخضر نے سلام بھیجا اور کہا 'اے ابوعبداللہ میں صرف یہ کیل نہیں بلکہ اپنی تمام املاک تمہارے تصرف میں دیتا ہوں جس طرح چاہے ان میں تصرف کرو۔ امام بخاری نے جب یہ جواب سنا تو ان کا چہرہ کھل اُٹھا' اسی خوشی میں انہوں نے پانچ سو احادیث بیان کیں اور تین سو درہم صدقہ کر دیئے۔

امام بخاری بے حد عبادت گذار اور شب بیدار تھے۔ کثرت سے نوافل پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔ رمضان شریف میں ہر روز ایک قرآن پاک کا ختم کرتے اور روزانہ نصف شب کو اُٹھ کر قرآن کریم کے دس پاروں کی تلاوت کرتے۔ تراویح میں ختم قرآن کرتے اور ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

ابوبکر بن منیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد بن اسماعیل نماز پڑھ رہے تھے' نماز کے بعد انہوں نے قمیص کا دامن اُٹھایا اور اپنے ایک شاگرد سے کہا ذرا دیکھنا میری قمیص کے نیچے کیا ہے۔ شاگرد نے

marfat.com

دیکھا قمیص کے نیچے زنبور تھی جس نے ان کے بدن پر پندرہ سولہ جگہ ڈنگ لگایا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے سوجھ گیا تھا۔ ابن منیر نے پوچھا "جب آپ کو زنبور نے پہلی مرتبہ کاٹا تو اس وقت آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی"۔ آپ نے فرمایا "میں قرآن کریم کی جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا اس میں اتنا ذوق وشوق پا رہا تھا کہ میں اس وقت اس تکلیف کی طرف متوجہ نہ ہو سکا"۔

امام بخاری بڑے خلیق، انتہائی بردبار اور حلیم تھے۔ کسی شخص کی بدسلوکی پر وہ کبھی غیض وغضب میں نہ آتے اور برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیا کرتے تھے۔ کسی شخص کی اصلاح مقصود ہوتی تو اسے برسر مجلس کبھی ملامت نہ کرتے۔ ہر شخص کی عزت نفس کا خیال رکھتے اور کبھی کسی شخص کو شرمندہ نہ ہونے دیتے۔

عبد اللہ محمد صیاء نی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری لکھ رہے تھے، ناگاہ کنیز آگے سے گزری اور اس نے پیر کی ٹھوکر سے دوات گرا دی۔ آپ نے فرمایا: دیکھ کر چلا کرو۔ اس نے تنک کر بدتمیزی سے جواب دیا" جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں"۔ آپ نے نظر اُٹھا کر اسے دیکھا اور کہا" جاؤ تم آزاد ہو"۔

علی بن محمد منصور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری مسجد کے اندر حلقۂ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص کی داڑھی میں کوئی گندی چیز لگی ہوئی تھی، اس نے وہ گندگی داڑھی سے نکال کر مسجد کے فرش پر پھینک دی۔ علی بن محمد کہتے ہیں "میں نے دیکھا کہ امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچا کر چپکے سے وہ گندگی اپنی آستین میں اُٹھا کر رکھ لی اور بعد میں لوگوں کے جانے کے بعد وہ گندگی مسجد کے باہر پھینک دی۔ اس طرح امام بخاری نے مسجد کے فرش کو بھی گندگی سے صاف کیا اور اس شخص کو بھی برسر مجلس شرمندگی سے بچا لیا۔

امام بخاری بے حد صابر وشاکر تھے اور اپنی ذات کا انتقام بالکل نہیں لیتے تھے۔ ان کے شیوخ میں سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے نیشاپور میں الفاظ قرآن کو غیر مخلوق نہ کہنے پر امام بخاری کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور امام بخاری کے درس پر پابندی لگا دی اور برسر عام کہہ دیا کہ بخاری اس شہر میں نہیں رہ سکتے جس کی وجہ سے امام بخاری نیشاپور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ذہلی کی اس بدسلوکی سے امام مسلم اس قدر برہم ہوئے کہ انہوں نے وہ تمام احادیث جو ذہلی سے املاء کی تھیں ایک بنڈل میں باندھ کر واپس ذہلی کو بھجوا دیں لیکن امام بخاری نے صحیح بخاری میں ذہلی کی روایت کو نہیں چھوڑا۔

امام بخاری کے اپنے کلام میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ان کا فقہی مسلک کیا

marfat.com

تھا۔ البتہ جامع صحیح میں امام بخاری ایسی احادیث بکثرت لائے ہیں جو مسلک شافعی کی موید ہیں اور غالباً اسی بناء پر بعض مشاہیر علماء نے ان کو امام شافعی کا مقلد گردانا ہے اور تاج الدین سبکی امام بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

یعنی امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے سماع کیا اور انہیں سے فقہ شافعی پڑھی۔ ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کا ذکر اپنی کتاب ''طبقات شافعیہ'' میں کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی ابوثور اور کرابیسی سے سماع کیا ہے اور میں کہتا ہوں انہوں نے حمیدی سے فقہ پڑھی ہے اور یہ سب امام شافعی کے شاگرد تھے۔

امام تاج الدین سبکی نے یہ تمام ثبوت حافظ ابو عاصم کے اس قول کو تقویت پہنچانے کیلئے ذکر کئے ہیں کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔ حافظ ابو عاصم ۳۷۵ھ میں یعنی امام بخاری کے وصال کے ٹھیک ایک سو ایک سال بعد پیدا ہوئے' ان کا زمانہ امام بخاری کے بہت قریب تھا اس لئے ان کی بات پر اعتماد کرنے کی وجوہ ہیں۔

بہرحال امام بخاری شافعی ہونے کی تقدیر پر بھی محض مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المسائل تھے اور طبقات فقہاء میں تیسرے درجے پر فائز تھے یہی وجہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کرتے ہیں اور ان مسائل میں خود اجتہاد کرتے ہیں۔ اسی لئے اہل علم کے نزدیک امام بخاری کی مثال شوافع میں ایسی ہے جیسے احناف میں امام ابو جعفر کی۔

امام بخاری کے استاذ ابو مصعب احمد بن ابی بکر نے کہا امام بخاری حدیث میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ کسی شخص نے اس بات پر تعجب کیا تو انہوں نے کہا اگر تم امام مالک کو دیکھتے تو ان میں اور بخاری میں سرمو فرق نہ پاتے۔ امام بخاری کے ایک اور استاذ قتیبہ بن سعید نے کہا ''میرے پاس مشرق و مغرب سے بے شمار لوگ علم حدیث کی تحصیل کیلئے آئے لیکن ان میں بخاری جیسا کوئی نہ تھا''۔ امام احمد بن حنبل نے کہا ''ارض خراسان نے آج تک بخاری کی نظیر نہیں پیدا کی''۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا بخاری سے احادیث روایت کرو اور ان کو لکھ لیا کرو۔ بلاریب اگر بخاری حسن بصری کے زمانہ میں ہوتے تو وہ علم حدیث میں ان کی طرف رجوع کرتے۔

اور تلامذہ میں سے امام ترمذی نے کہا ''میں نے اسانید اور علل کے علم میں امام بخاری سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا''۔ امام مسلم نے کہا ''میں شہادت دیتا ہوں کہ امام بخاری کا کوئی مماثل نہیں ہے اور سلیم بن مجاہد نے کہا میں نے ساٹھ سال سے امام بخاری جیسا کوئی شخص نہ علم میں دیکھا ہے نہ عمل

marfat.com

میں دیکھا ہے"۔ امام بخاری سے ایک لاکھ اشخاص نے روایت کی ہے۔ غرض آپ کے اساتذہ ہوں، معاصرین علماء وفقہا، تلامذہ ہوں یا اصحاب علم وفکر ہوں یا صاحبان بصیرت سب نے آپ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کیلئے تعریفی کلمات کہے ہیں۔

امام بخاری کی زندگی کا اکثر حصہ احادیث کی تلاش میں شہر در شہر سفر میں گزرا ہے اور انہیں کسی ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع بہت کم ملا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے خاطر خواہ تعداد میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر حضرات نے جو امام بخاری کی تصانیف گنوائی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔	الجامع الصحیح	۲۔	التاریخ الکبیر
۳۔	التاریخ الاوسط	۴۔	التاریخ الصغیر
۵۔	کتاب الضعفا	۶۔	کتاب الکنی
۷۔	الادب المفرد	۸۔	جز رفع الیدین
۹۔	جز القراۃ خلف الامام	۱۰۔	کتاب الاشربۃ
۱۱۔	کتاب الھبہ	۱۲۔	کتاب العلل
۱۳۔	برالوالدین	۱۴۔	الجامع الکبیر
۱۵۔	التفسیر الکبیر	۱۶۔	المسند الکبیر
۱۷۔	خلق افعال العباد	۱۸۔	قضایہ الصحابہ والتابعین
۱۹۔	کتاب الفوائد	۲۰۔	اسامی الصحابہ

۲۵۰ھ میں امام بخاری نے نیشاپور آنے کا پروگرام بنایا۔ اس خبر کو سنتے ہی اہالیان نیشاپور میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس زمانہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپور کی علمی ریاست کے والی تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے شہر کے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال کی تلقین کی۔ چنانچہ لوگوں کے ایک انبوہ کثیر نے محمد بن یحییٰ کی قیادت میں شہر سے تین مرحلہ آگے جا کر امام بخاری کا استقبال کیا اور انتہائی تزک و احتشام سے امام بخاری کو شہر میں لے کر آئے۔ امام مسلم بن حجاج کہتے ہیں "میں نے اس سے پہلے اتنا عظیم الشان استقبال نہ کسی عالم کا دیکھا، نہ کسی حاکم کا"۔

امام بخاری نے نیشاپور میں درس حدیث دینا شروع کیا۔ ان کے درس میں ہر وقت اژدہام رہتا تھا اور بے حساب لوگ امام بخاری سے علم حدیث کا استفادہ کرتے تھے۔ بعض حاسدین کو امام

marfat.com

بخاری کی شہرت اور مقبولیت بری لگی اور انہوں نے محمد بن یحییٰ کو امام بخاری کا مخالف بنا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی قرآن کریم کے الفاظ کو بھی قدیم مانتے تھے۔ اس پر بڑی شدت سے قائم تھے کسی شخص نے جا کر امام بخاری سے پوچھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ امام بخاری ٹالتے رہے جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے کہا: القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق۔ اس نے پھر اصرار کیا' قرآن کے الفاظ کا حکم بتلایئے تو آپ نے کہا: افعالنا مخلوقة و الفاظنا من افعالنا۔ (ہمارے افعال مخلوق ہیں اور الفاظ بھی ہمارے افعال ہیں) بس پھر کیا تھا شور مچ گیا کہ امام بخاری الفاظ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں۔ جب ذہلی تک یہ خبر پہنچی تو وہ تمام عنایات منقطع کر کے یکسر مخالف ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ بخاری کے درس میں کوئی شخص نہ جائے چنانچہ مسلم بن حجاج کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے درس میں جانا بند کر دیا۔

بغض وحسد کا یہ عالم ہو گیا تو آپ کے دل میں نیشاپور کو چھوڑ کر اپنے وطن بخارا آنے کی آرزو نے جنم لیا۔ چنانچہ آپ بخارا لوٹ آئے۔ بخارا والوں کو آپ کی آمد پر بے حد مسرت ہوئی۔ انہوں نے آپ کا فقید المثال استقبال انتہائی عزت وتکریم کے ساتھ کیا۔ حضرت امام بخاری نے یہیں درس و تدریس اور پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دشمنوں اور بدباطنوں نے یہاں بھی چین سے رہنے نہ دیا اور وہ خالد بن احمد جو کہ خلافت عباسیہ کا نائب تھا اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ امام بخاری کو حکم دیں کہ وہ آپ کے بیٹے کو گھر آ کر پڑھایا کرے۔ بخارا کے حکمران نے آپ سے فرمائش کی تو آپ نے یہ کہتے ہوئے نکال دیا کہ علم بہت بڑی دولت ہے میں اسے سلاطین کی چوکھٹ پر پہنچا کر علم کی تذلیل نہیں کرنا چاہتا۔

جس شخص کو پڑھنے کی ضرورت ہے اس کو میرے درس میں آنا چاہیئے۔ والیٔ بخارا نے کہا ''اگر میرا لڑکا درس میں آئے تو وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں پڑھے گا آپ کو اسے علیحدہ پڑھانا ہو گا''۔ امام بخاری نے جواب دیا ''میں کسی شخص کو احادیث رسول کی سماعت سے روک نہیں سکتا''۔ یہ جواب سن کر حاکم ناراض ہو گیا اور اس نے ابن الوقت علماء سے امام بخاری کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے انہیں شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

امام بخاری اپنے وطن میں آ کر بے وطن ہونے پر بہت آزردہ ہوئے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ خلیفہ نے والیٔ بخارا خالد بن احمد ذہلی کو معزول کر دیا اور اسے گدھے پر سوار کرا کے محل سے نکالا گیا اور قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ جہاں وہ انتہائی ذلت اور رسوائی سے چند دن گزارنے

marfat.com

کے بعد ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح جن لوگوں نے امیر بخارا کی معاونت کی تھی وہ سب بے پناہ ذلیل و خوار ہوئے۔

بخارا سے واپس ہونے کے بعد امام بخاری نے سمرقند جانے کا قصد کیا۔ ابھی سمرقند سے کئی منزل دور تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ اہل سمرقند میں آپ کے بارے میں دو آراء ہو گئی ہیں۔ یہ سن کر آپ وہیں راستہ میں خرتنگ نامی ایک بستی میں رک گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے خدا یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوتی جا رہی ہے مجھے اپنے پاس واپس بلا لے۔ اس دعا کے بعد آپ بیمار پڑ گئے۔ اسی اثناء میں اہل سمرقند نے بلانے کیلئے آپ کے پاس قاصد بھیجا۔ آپ جانے کیلئے تیار ہوئے مگر طاقت نے ساتھ نہ دیا۔ چند دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے۔ جسم سے پسینہ بہنا شروع ہوا' ابھی وہ پسینہ خشک نہ ہوا تھا کہ آپ نے جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اس مرد خدا نے تمام زندگی احیائے دین اور فروغ دین کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ سمرقند' بلخ' بخارا' مدینہ منورہ' مکہ مکرمہ' مصر و شام کہاں کہاں نہیں گئے۔ ان کے وصال پر ہر طرف صف ماتم بچھ گئی لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ پر بعد از وفات وہ نوازشیں ہوئیں جن کا شمار ذہن کی حدود سے ماوریٰ ہے۔

کہتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہاں جا رہے ہو' میں نے عرض کیا: محمد بن اسماعیل کے پاس۔ آپ نے فرمایا ''جاؤ اور اسے جا کر میرا اسلام کہنا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عنایات جس طرح زندگی میں امام بخاری کے شامل حال تھیں' اسی طرح وصال کے بعد بھی یہ توجیہات ان پر سایہ فگن رہیں۔ چنانچہ عبدالواحد بن آدم طواویسی کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا حضور کس کا انتظار ہے۔ فرمایا بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں ''چند دن بعد مجھے امام بخاری کے وصال کی خبر پہنچی' میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کا اسی رات انتقال ہوا تھا جس رات میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی''۔

امام بخاری کی نماز جنازہ کے بعد جب ان کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو مدت دیر تک اس مٹی سے مشک کی مہک آتی رہی اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آکر امام بخاری کی قبر کی مٹی کو بطور تبرک لے جاتے رہے۔

marfat.com

ابوالفتح سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے وصال کے بعد دو سو سال بعد سمرقند میں خشک سالی کی وجہ سے قحط نمودار ہو گیا۔ لوگوں نے بارہا نماز استسقاء پڑھی' دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی۔ پھر ایک مرد صالح قاضی شہر کے پاس گیا اور اس کو مشورہ دیا کہ تم شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگو' شاید اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے۔ قاضی شہر نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر حاضر ہوا۔ لوگوں نے وہاں گریہ وزاری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے نہایت خضوع و خشوع سے دعا مانگی اور امام بخاری سے قبولیت دعا کیلئے سفارش کی درخواست کی۔ اسی وقت آسمان پر بادل اُمڈ آئے اور سات دن لگاتار اس قدر بارش ہوتی رہی کہ لوگوں کیلئے خرتنگ سے سمرقند پہنچنا مشکل ہو گیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو زمانے سے گئے ہوئے صدیاں بیت چکی ہیں۔ زمانہ ماہ و سال کے کتنے ہی جال بن چکا ہے۔ علمی تحقیقات کا کتنا بڑا کام ہے' تمام اسلامی ممالک کے محققین' ریسرچ سکالرز' فضلاء اور دانشورانِ اسلام' سنت رسول اور احادیث رسول کے حوالے سے اعلیٰ سے اعلیٰ کام کرنے میں معروف ہیں مگر حق تو یہ ہے کہ ان کی تمام تر کارگزاری کے پس پردہ امام بخاری کی کاوشیں کارفرما ہیں۔ اگر یہ عاشق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ترین کام کا بیڑا اُٹھا کر اپنے وطن سے نکل کر دور دراز کا سفر نہ کرتا' وقت کے آئمہ کرام اور محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کرتا تو فروغ حدیث کے سلسلہ میں کافی حد تک کمی واقعہ ہو چکی ہوتی لیکن اسلام اللہ کا دین ہے۔ قرآن خدا کا کلام ہے اور احادیث و سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا فروغ حدیث کا کام نہ ہوتا۔ امام بخاری نہ ہوتے تو کوئی اور امام یہ کام کر دیتا۔ آخر اور محدثین نے بھی تو ترتیب و تدوین کے کام کئے ہیں مگر سلام ہو امام بخاری پر آپ نے جو عظیم کام انجام دیا وہ خدا نے ان ہی سے لینا تھا اور واقعی انہوں نے وہ کر دکھایا جو خدا کی مشیت ان سے چاہتی تھی۔

marfat.com

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

رہبر دین متین تھے امام مسلمؒ امام مسلم
جلوۂ علم الیقین تھے امام مسلمؒ امام مسلم
ان سے پھیلی چار جانب عظمت علم الحدیث
شارح فکر مبیں تھے امام مسلمؒ امام مسلم
وہ محدث تھے کہ نازاں ان پہ تھا علم حدیث
جان اور دل کے قریں تھے امام مسلمؒ امام مسلم
ان کے دل میں ایک ہی دھن تھی فروغ دین کی
پاک باز و پاک بیں تھے امام مسلمؒ امام مسلم
ان کا ہر اک قول ہے شمع یقیں نور ہدیٰ
روح فطرت دل نشیں تھے امام مسلمؒ امام مسلم
ان کے فرمودات عالی سے منور زندگی
زینت دنیا و دیں تھے امام مسلمؒ امام مسلم
آپ نے بخشی رضا تاریخ کو ''مسلم شریف''
مظہر حق بالیقیں تھے امام مسلمؒ امام مسلم

marfat.com

محدث دوراں

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

وہ تمام شخصیات لائق صد تحسین ہیں اور تاریخ کا اعزاز ہیں جنہوں نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر احادیث کو جمع کیا۔ ان کی ترتیب و تدوین کی اور انہیں اُمت اسلام کے سامنے پیش کیا۔ ان محدثین کے ذہن خداداد نے گھر میں بیٹھ کر لفظوں کے محل نہیں تراشے بلکہ زمان و مکان کی ہر مشکل پر قابو پایا۔ طویل اور دور دراز کے سفر کئے کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات ایک محدث کبیر کو ایک حدیث کی صحت کے بارے میں تحقیق کیلئے کئی کئی شہروں کا سفر کرنا پڑا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جانے والی شخصیت اس سے زیادہ وقیع ہوتی جس کے پاس وہ جا رہی ہوتی تھی مگر یہ شخصیت اپنے مقام و مرتبہ کو بالائے طاق رکھ کر صحت حدیث کیلئے جب مطلوبہ شخصیت کے پاس پہنچتی تو اسے سخت تعجب ہوتا مگر محدثین نے اپنی زندگیوں کی راحتوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ صبر آزما اور شدید جدوجہد محض اس لئے کی کہ اُمت اسلام تک درست احادیث کا حسن پہنچے تاکہ فرمواتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم احسن ترین صورت میں پہنچیں۔ اُمت اسلام ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل خدوخال تک عوام الناس کی راہنمائی ہو۔ بحمد اللہ یہ انہی محدثین کا فیضان ہے چاروں طرف عظمت اسلام کے پھریرے لہرا رہے ہیں۔

حضرت امام مسلم کی شخصیت حد درجہ مسلمہ اور قابل صد احترام ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی جمع احادیث کے مقدس ترین مشن میں گزار دی۔ شبوں کی نیند اور دنوں کا آرام اس کی نذر کر دیا۔ آپ کا مقام و مرتبہ تاریخ حدیث میں اس قدر بلند ہے کہ اُس کی عظمتوں کے بارے میں سوچ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ کیا آپ کا یہ رتبہ کم ہے کہ آپ کی صحیح مسلم موازنہ امام محمد اسماعیل بخاری کی صحیح بخاری شریف سے کیا جاتا۔ صحیح مسلم شریف اور صحیح بخاری شریف کے مقام و مرتبہ پر بحث کی جاتی کہ ان میں سے کس کا رتبہ بلند ہے اور یہ پڑھ کر آپ کی عظمت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ محدثین اور راویوں کا ایک بڑا گروہ صحیح مسلم شریف کو صحیح بخاری شریف پر ترجیح دے رہا ہے۔ ہم سے

marfat.com

ادنیٰ و ناچیز اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں' ہمارے لئے تو دونوں آسمان حدیث کے ماہپارے ہیں' ہم تو فقط بڑوں کی آراء کا تذکرہ کر رہے تھے۔

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی نے اس بارے میں خوب تجزیہ کیا ہے۔

صحیح مسلم کتب صحاح ستہ میں صحیح بخاری کے بعد شمار کی جاتی ہے۔ امام مسلم بن حجاج نے اس کی احادیث کو انتہائی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا ہے۔ حسن ترتیب اور تدوین کی عمدگی کے لحاظ سے یہ صحیح بخاری پر بھی فوقیت رکھتی ہے اور زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک اس کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل رہا ہے۔

متقدمین میں سے بعض مغاربہ اور محققین نے صحیح مسلم کو بے حد پسند کیا ہے اور اس کو صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ابوعلی حاکم نیشاپوری اور حافظ ابوبکر اسماعیلی صاحب مدخل کا یہی قول ہے اور امام عبدالرحمٰن نسائی نے کہا کہ امام مسلم کی صحیح' امام بخاری کی صحیح سے عمدہ ہے اور مسلم بن قاسم قرطبی معاصر دار قطنی نے کہا کہ امام مسلم کی صحیح کی مثل کوئی شخص نہیں پیش کر سکتا۔

ابن حزم بھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے تھے اور خود امام مسلم نے اپنی کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر محدثین دو سو سال بھی احادیث لکھتے ہیں پھر بھی ان کا مدار اسی کتاب پر ہو گا۔ اور اب تو دو سو برس چھوڑ کر گیارہ سو برس ہونے کو آئے لیکن اس مرد خدا کے قول کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور شاہ عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ابوعلی زعفرانی کو کسی شخص نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ تمہاری بخشش کس سبب سے ہوئی تو انہوں نے صحیح مسلم کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان اجزاء کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ اس خواب سے معلوم ہوا کہ صحیح مسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کی تالیف کا سبب خود بیان فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض تلامذہ نے درخواست کی کہ میں احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کروں جس میں بلا تکرار احادیث کو جمع کیا جائے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر میں نے اپنی صحیح کی تالیف کی۔ امام مسلم نے تین لاکھ احادیث میں سے اپنی جامع کا انتخاب فرمایا اور جن مشائخ کی احادیث کو انہوں نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ان سب سے انہوں نے بالمشافہ اور براہِ راست سماع کیا ہے اور اس تصنیف میں انہوں نے صرف اپنی ذاتی تحقیق پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر اس مجموعہ میں صرف ان احادیث کو لائے ہیں' جن کی صحت پر اس وقت کے اکابرین کا اتفاق تھا اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ

marfat.com

تحقیق مزید کیلئے کتاب کی تکمیل کے بعد اسے حافظ عصر ابوذرعہ کی خدمت میں پیش کیا جو اس زمانہ میں علل حدیث اور جرح و تعدیل کے فن میں امام گردانے جاتے تھے اور جس روایت کے بارے میں انہوں نے کسی علت کی نشاندہی کی' امام مسلم نے اس کو کتاب سے خارج کر دیا' اسی طرح پندرہ سال کی لگاتار جدوجہد اور شدید مشقت کے بعد صحیح مسلم کی صورت میں یہ مجموعہ احادیث تیار ہو گیا۔

حاجی خلیفہ اور دیگر مؤرخین نے صحیح مسلم کا نام الجامع الصحیح بیان کیا ہے مگر اس نام پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں تفسیر بھی ہو اور صحیح مسلم میں تفسیر سے متعلق احادیث بہت کم ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جامع کے تحقیق کیلئے کتاب میں نفس تفسیر کا لانا شرط ہے' قلت یا کثرت ملحوظ نہیں ہے۔ چنانچہ متقدمین میں سے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کی جو تصانیف جامع کے نام سے مشہور ہیں ان میں بھی تفسیر بہت کم ہے۔

صحیح مسلم میں تفسیر اس قدر کم لانے کا سبب یہ ہے کہ تفسیر سے متعلق اکثر روایات امام مسلم کتاب کے شروع میں لے آئے ہیں اور چونکہ اس کتاب میں انہوں نے حتی الامکان تکرار سے گریز کیا ہے اس لئے کتاب التفسیر میں ان روایات کو دوبارہ نہیں لائے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کی تالیف اور ترتیب میں انتہائی حزم و احتیاط اور کامل ورع اور تقویٰ سے کام لیا ہے۔ امام ابن شہاب زہری' امام مالک اور امام بخاری حدثنا اور اخبرنا کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور ابن جریج' اوزاعی' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن یحییٰ' عبد اللہ بن مبارک اور دیگر تمام محدثین حدثنا اور اخبرنا میں فرق کرتے ہیں۔ حدثنا کا استعمال اس وقت کرتے ہیں جب استاذ حدیث کی قرأت کرے اور شاگرد سن رہے ہوں اور اخبرنا کا استعمال اس وقت کرتے ہیں جب شاگرد پڑھے اور استاد سن رہا ہو' چونکہ اکثر محدثین اخبرنا اور حدثنا میں ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ جائز نہیں رکھتے۔ اس لئے احتیاط کے پیش نظر امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور حدثنا اور اخبرنا کے فرق کو قائم رکھا ہے۔

امام مسلم نے سند حدیث میں راویوں کے اسماء کے ضبط کا بھی بڑا خیال رکھا ہے۔ جس راوی کا اصل سند میں صرف نام ذکر کیا گیا ہو اور نسب کا ذکر نہ ہو جس کے سبب ابہام پیدا ہو تو وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ استاذ کے بیان کئے ہوئے الفاظ میں خلل نہ آئے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں احادیث کو ترتیب وار ابواب کے لحاظ سے وارد کیا ہے لیکن تراجم اور عنوانات مقرر نہیں کئے۔ امام نووی فرماتے ہیں اس کا سبب یا تو اختصار تھا یا کوئی اور امر جس کو

marfat.com

بہت بلند ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

امام مسلم کی خدمات اور ان کے کمالات کو ان کے اساتذہ اور معاصرین نے بے حد سراہا ہے۔ ابوعمرو مستملی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیں اسحاق بن منصور احادیث لکھوا رہے تھے اور امام مسلم ان احادیث میں سے انتخاب کر رہے تھے۔ اچانک اسحاق بن منصور نے نگاہ اوپر اُٹھائی اور کہا ہم اس وقت تک کبھی خیر سے محروم نہیں ہوں گے جب تک ہمارے درمیان مسلم بن حجاج موجود ہیں۔ ان کے ایک اور استاد محمد بن عبدالوہاب فراد نے کہا کہ مسلم علم کا خزانہ ہے اور میں نے ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔ ابن اخرم نے کہا نیشاپور نے تین محدث پیدا کئے۔ محمد بن یحییٰ' ابراہیم بن ابی طالب اور مسلم۔ ابن عقدہ نے کہا امام مسلم بالمشافہ سماع کے بغیر روایت نہیں کرتے تھے۔ ابوبکر جارودی نے کہا کہ مسلم علم کے محافظ تھے۔ مسلم بن قاسم نے کہا کہ وہ جلیل القدر امام تھے۔ بندار نے کہا دنیا میں صرف چار حفاظ ہیں۔ ابوزرعہ' محمد بن اسماعیل' دارمی اور مسلم بن حجاج۔

امام مسلم کو قدرت نے غیر معمولی علمی شکوہ عطا کیا تھا۔ یہ سب آپ کی محنت اور علمی ریاضت کا نتیجہ تھا۔ آپ نے ساری زندگی فروغ و اشاعت حدیث میں گزار دی' اس لئے ہر ملک اور علاقہ کے محدثین' ماہرین فن اور مفسرین نے جی کھول کر آپ کے علمی جمال اور شکوہ کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ کے علمی شکوہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سی نامور شخصیات کے سر فرط عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔

امام مسلم فن حدیث میں عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حدیث صحیح اور سقیم کی پہچان میں وہ اپنے زمانہ کے اکثر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی فضیلت حاصل تھی کیونکہ امام بخاری نے اہل شام کی اکثر روایات ان کی کتابوں سے بطریق مناولہ حاصل کی ہیں۔ خود ان کے مؤلفین سے سماع نہیں کیا۔ اس لئے ان کے رویوں میں امام بخاری سے بسااوقات غلطی واقع ہو جاتی ہے' کیونکہ ایک ہی راوی کا کبھی نام ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی کیفیت' ایسی صورت میں بعض دفعہ امام بخاری ان کو دو راوی خیال کر لیتے ہیں اور امام مسلم نے چونکہ اہل شام سے براہ راست سماع کیا ہے اس لئے وہ اس قسم کا مغالطہ نہیں کھاتے۔

امام مسلم صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ کتب کی یہ تعداد ان کی علمی فضیلت کا ثبوت ہے۔ آپ نے اپنے علاقہ میں تو درس و تدریس کا نور پھیلایا ہی تھا اور جن مقامات میں آپ مقیم ہے یا آپ کا گزر ہوا ان علاقوں کو بھی حدیث کے فیوضات سے بہرہ ور فرماتے رہے۔ خاص طور سے جمع حدیث اور فروغ حدیث کے ضمن میں جن طویل سفروں کو طے کیا اور درجنوں مشہور قصبات اور

marfat.com

شہروں سے بھی گزرے تو وہاں وہاں علم و حکمت کے فروغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ درس و تدریس کو فروغ دیا تا کہ عوام الناس طلبہ، علماء اور اہل فضیلت آپ کے سرچشمہ فیوض و برکات سے جی بھر کر خوشہ چینی کر لیں۔ آپ نے درس و تدریس کے علاوہ تصانیف کو بھی اپنی زندگی کا مرکز و محور بنائے رکھا۔ یہ اسی محنت شاقہ کا کمال تھا کہ دنیا سے جاتے ہوئے ایک بڑا علمی ذخیرہ علم و حکمت کے شیدائیوں کے حوالے کر گئے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔الجامع الصحیح	۲۔المسند الکبیر
۳۔کتاب الاسلماء والکنی	۴۔کتاب الجامع علی الباب
۵۔کتاب العلل	۶۔کتاب الوحدان
۷۔کتاب الافراد	۸۔کتاب سوالات احمد بن حنبل
۹۔کتاب حدیث عمرو بن شعیب	۱۰۔کتاب الانتفاع باھب السباع
۱۱۔کتاب مشائخ مالک	۱۲۔کتاب مشائخ ثوری
۱۳۔کتاب مشائخ شعبہ	۱۴۔کتاب من لیس لہ الا راو واحد
۱۵۔کتاب المخضر مین	۱۶۔کتاب اولاد الصحابۃ
۱۷۔کتاب اوہام المحد ثین	۱۸۔کتاب الطبقات
۱۹۔کتاب افراد الشامیین	۲۰۔مسند امام مالک
۲۱۔مسند الصحابۃ	

آپ کی بڑی آرزو تھی کہ مسند الصحابہ پر سیر حاصل تصنیف چھوڑ جائیں۔ بڑا مواد جمع کیا۔ ایک حصہ لکھا بھی۔ آپ کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ محدثین کا کہنا ہے کہ اگر یہ تصنیف مکمل ہو جاتی تو اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت تاریخی مقام کی حامل ہوتی اور زمانہ مدتوں اُس سے خوشہ چینی کرتا۔ آپ اس کو ضخامت اور علمی مواد دونوں لحاظ سے یادگار بنانا چاہتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس کی طرف بطور خاص اشارا کیا ہے اور کہا کہ اگر عمر ساتھ دے دیتی اور یہ تصنیف مکمل ہو جاتی تو نہ جانے آنے والے کتنے ادوار اس سے خوشہ چینی کرتے رہتے اور کتنے محققین اس سے استفادہ کرتے۔

موت کا اک دن معین ہے۔ ایک عام انسان ہو یا بندگان خاص، سب نے موت کی زہرناکیوں کا سامنا کرنا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خاصانِ بارگاہ خداوندی کیلئے موت اپنے محبوب حقیقی سے وصال کا ایک بہانہ ہوتی ہے۔ ورنہ اہل اللہ کی موت کے بارے میں میر درد نے کیا خوب کہا ہے:

marfat.com

ائمہ کرام

marfat.com

سراج الامہ حضرت امام اعظم نعمان ثابت رحمۃ اللہ علیہ

یہ حج بیت اللہ کا زمانہ ہے۔

ایک بوڑھا جس کے چہرے سے علمی وجاہت اور فقہی سرفرازی ہویدا ہے' بیت اللہ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ آنسوؤں کی برسات سے اس مردِ ضعیف کی داڑھی بھیگ چکی ہے اور وہ کمال عاجزی و انکساری کے ساتھ بیت اللہ کے سامنے سر کو جھکائے ادب و احترام سے عرض کر رہا ہے کہ:

''یا الٰہی! آج میں نے طواف سے قبل دو رکعت میں قرآن حکیم ختم کیا ہے۔ خدایا' میں نے تیرا اور تیرے رسول کا پیغام پوری دنیائے اسلام میں پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اپنا ذہن' دماغ اور دل تیری رضا میں صرف کر دیئے لیکن پھر بھی خدایا یہ عبد ضعیف تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا' تیری معرفت کا جو حق تھا میں نے اس کو نہیں پہچانا' لہٰذا کمال معرفت کے سبب نقصان خدمت کو معاف کر دے''۔

اس مردِ درویش کی اس رقت آمیز مناجات کے ساتھ ہی زاویہ بیت اللہ سے آواز آئی:

''ہم نے تجھ کو اور تا قیامت تمہارے مذہب اور راستے پر چلنے والوں کو بخش دیا''۔

یہ مرد درویش کہ جس کی مناجات بارگاہِ خداوندی میں اس کی مقبولیت کا بہانہ بن گئی' سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تھے' جو اپنے آخری حج کے دوران بارگاہِ خداوندی میں رحمت خالق کے طالب تھے۔ آپ کا نام نعمان' کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ نعمان کے لغوی معنی اس خون کے ہیں' جس سے بدن کا قوام بنتا ہے۔ آپ کو اسی لئے نعمان کہتے ہیں کہ آپ کی علمی ثقاہت کی وجہ سے آپ کی فقہی سربلندی' علوم اسلامیہ کا قوام ہے۔ نعمان نعمت سے مشتق ہے چونکہ آپ مخلوقِ خدا پر ایک نعمت عظمیٰ تھے اور ہیں، اس لئے نعمان کہلائے۔ یہ غلط ہے کہ آپ کی لڑکی کا نام حنیفہ تھا' اس لئے آپ ابوحنیفہ کہلائے۔ حنیفہ حنیف کا مونث ہے جس کے معنی عابد کے ہیں۔ چونکہ آپ مائل بہ حق تھے اس لئے حنیف کہلائے۔ بیس مشہور فقہاء کی کنیت ابوحنیفہ ہے' مگر سب سے

marfat.com

زیادہ شہرت آپ ہی کی حاصل ہوئی۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:

نعمان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہر یار بن پرویز بن نوشیرواں بادشاہ عادل

سیدنا امام اعظم ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ثابت چھوٹی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپ نے ان کے اور ان کی اولاد کیلئے برکت کی دعا فرمائی۔ یہ حضرت علی ہی کی دعاؤں کا فیضان تھا کہ حضرت نعمان بن ثابت علوم دینیہ کے آسمان پر خورشید کامل بن چمکے۔

آپ کے مقلدین میں بڑے بڑے اولیاء اصفیاء سلاطین روم اور ماو راالنھر ہند و سندھ ترک سمرقند داؤد طائی معروف کرخی شفیق بلخی بایزید بسطامی فضیل بن عیاض مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش اورنگزیب عالمگیر محمود غزنوی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ گزرے ہیں۔

آپ نے پاپیادہ پچپن حج کئے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے کہ آپ کے زمانہ میں تقریباً ۱۹ صحابہ کرام زندہ موجود تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے چودہ صحابہ کرام کے حالات لکھے ہیں جن کی عمریں ۱۲۰ سال یا اس سے زائد تھیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کی اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ آپ نے خیر القرون صحابہ کا زمانہ پایا۔ داؤد طائی کہتے ہیں بیس سال امام موصوف کی خدمت میں رہا اس مدت میں میں نے کبھی ان کو خلوت و جلوت میں سر برہنہ اور پاؤں لمبے کئے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ میں نے ان کو کہا کہ اے امام اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ آپ نے کہا خلوت میں ادب نگاہ رکھنا اولیٰ تر ہے۔

جب آپ کے والد ماجد فوت ہوئے آپ نے سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ نے امام عالی مقام کی خدمت میں رہ کر ظاہر و باطنی فیوض و علوم حاصل کئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

لولا السنتان لهلك النعمان

اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔

جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی علمی سرافرازیوں کی شہرت چاروں طرف پھیلنے لگی تو آپ کے حاسدین بھی کثرت سے ابھر کر سامنے آئے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب سورج چمکتا ہے تو بادل اس پر سایہ کرنے کیلئے مچلنے لگتے ہیں۔ چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غیر معمولی فقہی کمالات کی بدولت بہت کم عرصہ میں شہرت عام حاصل کر لی تھی۔ اس لئے آپ کے معاندین اور حاسدین آپ پر طرح طرح سے بہتان طرازی کرنے لگے۔ ان حاسدین نے آپ سے یہ بات

marfat.com

منسوب کر دی کہ آپ اپنی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں' جب حضرت امام تک یہ بات پہنچی تو واضح طور پر تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے لوگوں کے اس قول پر تعجب ہے کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں' حالانکہ میں قرآن وحدیث اور معمولات صحابہ کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں''

اس سلسلہ میں ایک مرتبہ وضاحت حال کیلئے جامعہ کوفہ میں بروز جمعہ حضرت سفیان ثوری حضرت حماد بن سلمہ' حضرت مقاتل بن حیان اور دوسرے فقہاء تشریف لائے اور کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ دین میں اپنے قیاس سے کام لیتے ہیں اور آپ کیلئے اس بات سے ہم ڈرتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ کام شیطان نے کیا تھا۔ آپ نے صبح سے دوپہر تک ان کے ساتھ دلائل قاہرہ سے مناظرہ کر کے اپنا مذہب پیش کیا اور ثابت کیا کہ میں قرآن کریم کو عمل میں سب سے مقدم کرتا ہوں۔ پھر حدیث پاک کو' پھر اقضیہ صحابہ کو جس پر سب متفق ہیں پھر بعد ازاں قیاس کرتا ہوں۔ تب سب نے کھڑے ہو کر آپ کے ہاتھ اور زانوؤں کو بوسہ دیا اور کہا انت سید العلماء (آپ علماء کے سردار ہیں) ہماری غلطی معاف فرمائیں جو آپ کے حق میں بغیر علم کے ہم سے ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: غفر اللہ لنا ولکم اجمعین۔

ایک بار حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کا بھی آپ کے ساتھ اسی نوعیت کا مکالمہ ہوا' جس کے خوشگوار نتائج نے آپ کی قدر و منزلت میں اور اضافہ کر دیا۔ آپ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

''تم قیاس کی بناء پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے انکار کرتے ہو''۔

آپ نے نہایت ادب سے عرض کیا:

''العیاذ باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے'' پھر آپ نے امام باقر سے دریافت کیا ''محترم یہ ارشاد فرمائیے کہ مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''عورت''

آپ نے فرمایا ''وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟''

امام باقر نے فرمایا ''مرد کا''۔

اس پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے ''اگر میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بناء پر زیادہ حصہ ملنا چاہیئے۔

marfat.com

پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''امام مکرم نماز افضل ہے یا روزہ؟''

امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نماز''

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے' نہ کہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔

امام باقر آپ کی باتوں سے اس قدر خوش ہوئے کہ اُٹھ کر اس سعید بخت امام کی پیشانی چوم لی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے احادیث نبوی کی ترتیب و تدوین اور روایت کے سلسلہ میں جو کام کیا ہے وہ تا ابد زندہ رہے گا۔ زرقانی' مالکی نے شرح مؤطا میں لکھا ہے کہ آپ سے پانچ سو یا سات سو یا ایک ہزار اور چند یا ایک ہزار سات سو چھیاسٹھ احادیث مروی ہیں۔ (حدائق الحنفیہ)

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت پرہیز گار' متقی اور عبادت گزار تھے۔ آپ کے ہزاروں تلامذہ تھے' جن میں نامور علمائے دین بھی تھے۔ یہ تلامذہ اور دور دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے تشنگان علم آپ کو سر چشمہ علوم جان کر آپ کو سارا دن گھیرے رہتے اور آپ بھی ہر ایک کو علمی اور روحانی طور پر شاد کام کرنے کی کوشش کرتے مگر جونہی رات ہو جاتی' آپ مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے اور تمام رات عبادتِ خداوندی میں بسر کر دیتے۔ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ تیس سال روزہ دار رہے۔ تیس برس ایک رکعت میں سارا قرآن ختم کرتے رہے۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آ جاتا تو روحانی مشاغل بڑھ جاتے۔ آپ معمول کے مطابق ہر سال ماہِ رمضان میں ٦١ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت امام اعظم کے شاگردوں میں ایسے عظیم انسان بھی کثرت سے ہوئے تھے' جن میں سے ہر ایک کو تاریخ کا اعزاز ہونے کا استحقاق حاصل تھا۔ ان شاگردوں میں نامور محدثین' مفسرین اور عالی مرتبت علمائے کرام بھی شامل تھے۔ آپ کے شاگردوں میں جن حضرات نے دائمی شہرت حاصل کی' ان میں امام ابو یوسف اور امام احمد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ امام ابو یوسف آپ کے وہ عظیم شاگرد ہیں' جنہوں نے اپنے استاد مکرم کے فقہی کارناموں کو مزید تب و تاب عطا کرنے کیلئے قابل توصیف کاوشیں کیں۔ امام ابو یوسف نہایت غریب والدین کے بیٹے تھے جبکہ ان کے استاد مکرم اور امام اعظم ابوحنیفہ نہایت متمول اور امیر تاجر بھی تھے' جب امام ابو یوسف شروع شروع میں امام

marfat.com

اعظم کے حلقۂ شاگردی میں آئے تو ان کے والد نے انہیں سمجھایا کہ تمہارے اُستاد امیر کبیر ہیں، جبکہ تم انتہائی غریب ہو' اس لئے ان کے حلقہ درس میں نہ جایا کرو۔ امام ابو یوسف نے جانا چھوڑ دیا۔ اس پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ابو یوسف رضی اللہ عنہ کو بلا کر غیر حاضری کا سبب دریافت کیا' جس پر امام ابو یوسف نے گھر کی تنگدستی اور والد کے حکم کے بارے میں عرض کیا۔ اس روز امام ابو حنیفہ نے امام ابو یوسف کو رخصت کرتے ہوئے سو درہم کی ایک تھیلی دی اور کہا روزانہ پڑھنے آیا کرو جب یہ ختم ہو جائیں تو اور لے لینا''۔ کچھ دن گزرنے کے بعد آپ نے خود ہی امام ابو یوسف کو سو درہم دے دیئے۔ یہ سلسلہ مدتوں چلتا رہا' استاد غریب شاگرد اور اس کے اہل و عیال کی پرورش کرتا رہا اور امام ابو یوسف کو کبھی خود طلب کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ امام ابو یوسف حضرت امام اعظم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے اصول فقہ کو مرتب کیا۔ امام ابو یوسف حدیث و مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے۔ فقہ تو آپ کے گھر کی چیز تھی۔ امام احمد بن حنبل اور امام یحیٰ بن معین آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کو عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے سلطنت اسلامی کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ امام ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اپنے زمانے میں یہ پہلے شخص ہیں' جنہیں یہ عظیم اسلامی و فقہی منصب عطا ہوا۔ امام ابو یوسف کی مشہور تصنیف ''کتاب الخراج'' ہے جو عربی زبان میں خلیفہ ہارون الرشید کی خصوصی فرمائش پر لکھی گئی۔

سیدنا امام اعظم کو خدائے کریم نے ان کی زندگی ہی میں وہ مقام و مرتبہ عطا کر دیا تھا کہ جس کیلئے بزم ہستی صدیوں ترستی رہتی ہے۔ عباسی خلیفہ منصور نے آپ کی عظمت اور فقہی ثقاہت سے متاثر ہو کر چاہا کہ آپ سلطنت اسلامی میں قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر لیں۔ منصور ایک ظالم' جابر اور سفاک حکمران تھا۔ وہ ہر معاملہ میں من مانی کرنے کا عادی تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیش کش کے پس منظر پر غور کیا تو نظر آیا کہ ظالم عباسی حکمران امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ہر دلعزیزی سے فائدہ اُٹھا کر اسلامی قوانین کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر آپ نے انکار کر دیا۔ خلیفہ مسلسل اصرار کرتا رہا مگر وہ آپ کے انکار کو اقرار میں نہ بدل سکا۔ ایک روز اس نے غصہ کے عالم میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کہا:

''میں آپ کو قاضی القضاۃ بنانا چاہتا ہوں تو آپ مسلسل انکار کیوں کئے جا رہے ہیں''۔

امام اعظم نے فرمایا:

''خلیفہ میں خود کو اس منصب کا اہل تصور نہیں کرتا۔ یہاں بڑے بڑے علماء اور فقہاء موجود

marfat.com

ہیں ان میں سے کسی کو یہ عہدہ سونپ دیں"۔

خلیفہ نے غصے سے کہا:

"ابوحنیفہ اس وقت روئے زمین پر تم سے زیادہ اس منصب کا اہل کوئی نہیں ہے"۔

امام اعظم نے نرمی سے جواب دیا:

"خلیفہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں"۔

خلیفہ نے خفگی سے کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو' تم قاضی القضاۃ کے عہدہ کے اہل ہو' جھوٹ بول کر پیچھے ہٹ رہے ہو"۔

اس پر سیدنا امام اعظم نے علمی تمکنت سے فرمایا:

"خلیفہ اب تو فیصلہ ہو گا تم نے مجھے جھوٹا اور کاذب قرار دیا ہے۔ جھوٹا شخص قاضی القضاۃ بننے کا اہل ہی نہیں ہوتا لہٰذا اصرار کیسا"۔

خلیفہ منصور سیدنا امام اعظم کی علمی منطق کے سامنے اس وقت تو عاجز ہو گیا مگر وہ آپ کی شخصیت کو مٹانے کی تدبیریں سوچنے لگ گیا۔ بالآخر اس سفاک حکمران نے رجب المرجب ۱۵۰ھ میں آپ کو زہر دے دیا۔ اس وقت آپ کی عمر ستر برس کی تھی۔ جس مقام پر آپ نے انتقال فرمایا وہاں آپ نے سات ہزار قرآن مجید ختم کئے تھے۔ آپ کی نماز جنازہ پچاس پچاس ہزار آدمیوں نے چھ بار پڑھی۔ آخری نماز آپ کے صاحبزادے امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ تحفۃ الابرار میں بحوالہ تاریخ الاولیاء لکھا ہے کہ آپ کے جنازہ کی نماز میں آٹھ لاکھ آدمی تھے اور ساٹھ ہزار عورتیں ان کے علاوہ تھیں۔ اس روز بیس ہزار یہود و نصاریٰ اور مجوسی مسلمان ہوئے۔

آپ کا مزار اقدس بغداد شریف میں مرجع خلائق ہے۔ پوری دنیائے اسلام سے ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے بے شمار فرزندان توحید آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے اور آپ کی تعلیمات کو عام کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ آپ کے علمی احترام کا یہ عالم ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار اقدس کی زیارت کو حاضر ہوتے تو حنفی فقہ کے مطابق نماز پڑھتے اور اپنے شاگردوں کے استفسار پر فرماتے کہ مجھے صاحب قبر سے حیا آتی ہے"۔

خدا کی لاکھوں رحمتیں ہوں' تاریخ اسلام کے اس محسن پر جس نے اپنی فقہی بصیرت کا نور زمانے بھر میں پھیلا دیا اور جس کے علمی کمالات کی لازوال مہک سے عالم اسلام کا گوشہ گوشہ آج بھی مہک رہا ہے۔

marfat.com

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

تھے علوم وقت کے پیکر امام شافعی
آیۂ ایمان کے مظہر امام شافعی
آپ نے ذرات کو انوار کی خیرات دی
بے کس و ناچیز کے یاور امام شافعی
آپ سے پائے جہاں بھر کے آئمہ نے فیوض
عظمت ایمان کے پیکر امام شافعی
گلستان دین کی پھیلائی دنیا میں مہک
کاروان شوق کے رہبر امام شافعی
عارف کامل' امام وقت' حسن زندگی
ظلمتوں میں پیکر انور امام شافعی
آپ کی تحریر ہر اک مہر و مہہ کی ترجماں
رفعت افلاک کے ہمسر امام شافعی
ہے رضا کی فکر بھی ضوبار ان کے فیض سے
آیۂ ایمان کا منظر امام شافعی

marfat.com

ماہتاب علوم حدیث

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ

فروغ حدیث اور تعلیم و تدریس میں امام شافعی کا رُتبہ بہت بلند ہے۔ آپ کا شمار ان عظیم اصحاب علم وفضل میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں فروغ علم حدیث کیلئے وار دیں' دور دراز کے سفر کئے۔ مسافرت کی صعوبتوں سے واسطہ' بڑا رنج و آلام نے ستایا۔ انقلابات زمانہ بھی پریشان کرتے تھے مگر انکے ذہن وفکر میں ایک ہی خیال چھایا ہوا کہ میں نے فروغ حدیث کیلئے لافانی کردار ادا کرنا ہے۔ ذہن وفکر میں یہ خیال اس شدت سے بیٹھ گیا تھا کہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ آپ اس لحاظ سے خوش بخت تھے کہ آپ کو بڑے محدثین اور مفسرین کا زمانہ نصیب ہوا' اور ان صاحبان کمال نے بھی آپ کو نواز نے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں اور ان کا دامان مراد گوہر مقصود سے بھر دیا۔ کئی مرتبہ طویل فاقوں سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ منزل مقصود سے دستبردار نہ ہوئے اور پھر قدرت بھی انہی کی مدد کرتی ہے جو اپنی مدد آپ کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ نے تھکنا یا مصائب زمانہ سے ہراساں ہونا نہیں سیکھا تھا۔ بس یہ لافانی جذبہ انہیں اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب وکامگار کر گیا اور آپ کی حیثیت ایک مکتب فکر کے بانی کی ہے۔ طلب مقصد میں آغاز میں ان کے احوال کچھ یوں تھے:

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اس آگ میں جلنے کیلئے

اور پھر جب اکابرین فن حدیث سے مسلسل نوازے گئے اور عظیم المرتبت ہستیوں نے ان پر دامان کرم دراز کر دیا۔ نامور محدثین نے آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور آہستہ آہستہ یہ خود بھی اعلیٰ روحانی و دینی مقامات پر فائز ہو گئے تو طفیل رحمت رب علیٰ سے ان بلندیوں کے وارث قرار پائے کہ

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

marfat.com

تاریخ نگاروں کے نزدیک امام شافعی کا نسب نامہ یوں ہے:

ابوعبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف

آپ کی کنیت ابوعبد اللہ ہے جبکہ آپ کو شافعی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شافع بن سائب نے جوانی کے ایام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سائب بن عبید بنی ہاشم کے علمبردار تھے' جب غزوہ بدر میں قید کر لئے گئے تو فدیہ دے کر رہائی حاصل کی' اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

عبد یزید بن ہاشم کی ماں ہاشم بن عبد مناف کی لڑکی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں اور شافع کی ماں خلدہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف فاطمہ بنت اسد کی بہن ہیں جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن یزید بن حسن بن علی بن ابن ابی طالب اس طرح بھی حضرت امام شافعی کی والدہ کا نسب مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کی نسبت بیت رسول سے ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مقام غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوا اور جب دو سال کا ہوا تو میری والدہ مجھے مکہ لے کر آئیں اور ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ آپ کی پیدائش غزہ یا عسقلان میں ہوئی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی سال پیدا ہوئے جس سال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا' کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسی دن پیدا ہوئے' جس دن آپ کا وصال ہوا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ دن کا یہ اتفاق بعض روایات میں مذکور ہے جبکہ مؤرخین کے نزدیک اسی سال میں پیدا ہونا مسلم ہے۔

محمد بن حکیم فرماتے ہیں کہ امام شافعی جب شکم مادر میں تھے' ان کی والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ مشتری ستارہ ان کے شکم سے نکل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے اجزاء ہر شہر میں بکھر گئے۔ معبر نے تعبیر فرمائی کہ آپ کے شکم سے ایک زبردست عالم پیدا ہو گا۔

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں میری ساری توجہ دو باتوں کی طرف تھی' تیراندازی اور تحصیل علم' تیراندازی میں مجھے اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ دس میں دس نشانہ صحیح بیٹھتا تھا۔ اسی زمانے میں گھوڑے کی سواری کا شوق تھا' تیراندازی اور شہ سواری کے موضوع پر "کتاب السبق والرمی" لکھی

marfat.com

جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اے لڑکے تم کون ہو؟" عرض کیا حضور کے خاندان کا ایک فرد ہوں۔ فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں قریب ہو گیا اور منہ کھول دیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ ہونٹ اور زبان پر مل دیا اور فرمایا جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت سے نوازے۔

امام صاحب اپنے بچپن کا ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت وجیہ انسانی صورت میں مکہ کے اندر دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں لوگوں کی امامت فرما رہے ہیں، جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور تعلیم دینے لگے، میں ان سے قریب ہوا اور عرض کیا مجھے بھی تعلیم فرمایئے، آپ نے اپنی آستین سے ایک ترازو نکالی اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے ہے۔ امام صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ایک معبر سے اس کی تعبیر پوچھی تو اس نے بتایا کہ علم کے لحاظ سے آپ منصب امامت پر فائز ہوں گے اور سنت نبوی کی پیروی کریں گے کیونکہ مسجد حرام کا امام دیگر اماموں سے افضل ہوتا ہے اور ترازو سے مراد یہ ہے کہ اشیاء کی حقیقت تک آپ کی رسائی ہو گی۔

آپ بحر شریعت و طریقت کے شناور اور رموز حقیقت کے شناسا تھے۔ فراست و ذکاوت میں ممتاز اور تفقہ فی الدین میں یکتائے روزگار تھے اور پورا زمانہ آپ کے محاسن و اوصاف سے بخوبی واقف ہے لیکن آپ کی ریاضت و کرامات کا اس تصنیف میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

آپ نے تیرہ سال کی عمر میں ہی بیت اللہ میں فرما دیا تھا کہ جو کچھ پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھو اور پندرہ سال کے سن میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بہت احترام اور خدمت کیا کرتے تھے، اور جب کسی نے یہ اعتراض کیا کہ آپ جیسے اہل علم کیلئے ایک کم عمر شخص کی مدارات کرنا مناسب نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس جس قدر علم ہے اس کے معانی و مطالب سے وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہے اور اسی کی خدمت سے مجھے احادیث کے حقائق معلوم ہوتے ہیں، اور اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو ہم علم کے دروازے ہی پر کھڑے رہ جاتے ہیں اور فقہ کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند رہ جاتا اور اس دور میں وہ اسلام کا سب سے بڑا محسن ہے اور وہ فقہ معانی اور علوم لغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق کہ ہر صدی کی ابتداء میں ایک ایسا شخص پیدا ہو گا کہ اہل علم اس سے دین کا علم حاصل کریں گے اور اس

marfat.com

صدی کی ابتداء امام شافعی سے ہوئی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ امام شافعی کے دور میں ان سے زیادہ دانشور اور کوئی نہیں اور حضرت بلال خواص کا قول ہے کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ امام شافعی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا ان کا شمار اوتاد میں ہوتا ہے

ابتدائی دور میں آپ کسی کی شادی یا دعوت میں شریک نہ ہوتے اور مخلوق سے کنارہ کش ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور حضرت سلیم راعی کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض باطنی سے فیضیاب ہوتے اور آہستہ آہستہ ایسے عروج کمال تک رسائی حاصل کر لی کہ اپنے دور کے تمام مشائخین کو پیچھے چھوڑ دیا۔ عبد اللہ انصاری کا قول ہے کہ گو میں شافعی مسلک سے متعلق نہیں لیکن امام صاحب کے بلند مراتب کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں میں ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی کی اُمت کا ایک فرد ہوں پھر حضور نے اپنے نزدیک بلا کر لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جا اللہ تجھے برکت عطا کرے پھر اسی شب خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگلی میں سے اپنی انگشتری نکال کر میری انگلی میں ڈال دی۔

آپ کی والدہ بہت بزرگ تھیں اور اکثر لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھ جاتے تھے۔ ایک دفعہ دو آدمیوں نے کپڑوں سے بھرا ہوا ایک بکس آپ کے پاس بطور امانت رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک شخص آ کر وہ بکس لے گیا' پھر کچھ عرصہ کے بعد دوسرے شخص نے آ کر بکس طلب کیا تو آپ نے کہا کہ وہ بکس تمہارے ساتھی کو دے چکی ہوں۔ اس نے کہا کہ جب ہم دونوں نے ایک ساتھ رکھوایا تھا تو پھر آپ نے میری موجودگی کے بغیر اس کو کیسے دے دیا۔ اس جملہ سے آپ کی والدہ کو بہت ندامت ہوئی لیکن اسی وقت امام شافعی بھی گھر آ گئے اور والدہ سے کیفیت معلوم کر کے اس شخص سے کہا کہ تمہارا بکس موجود ہے لیکن تم تنہا کیسے آ گئے اپنے ساتھی کو ہمراہ کیوں نہیں لائے جاؤ پہلے اپنے ساتھی کو لے کر آؤ۔ یہ جواب سن کر وہ شخص ششدہ رہ گیا۔

جس وقت آپ امام مالک کے پاس پہنچے تو ان کی عمر ستر سال تھی۔ چنانچہ آپ ان کے دروازے پر اس نیت سے کھڑے رہتے کہ جو شخص امام مالک سے فتویٰ پر دستخط لے کر نکلتا تو آپ بغور اس کا مطالعہ کرتے اور اگر جواب صحیح ہوتا تو اس شخص کو رخصت کر دیتے اور اگر کوئی خامی نظر آتی

marfat.com

تو واپس دوبارہ امام مالک کے پاس بھیج دیتے اور وہ غور کرنے کے بعد نہ صرف اس خامی کو دور کر دیتے بلکہ امام شافعی کے عمل سے بہت مسرور ہوتے۔

خلیفہ ہارون رشید اور اسکی بیوی میں کسی بات پر تکرار ہو گئی تو زبیدہ نے کہا کہ تم جہنمی ہو' اور ہارون رشید نے کہا کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تیرے اوپر طلاق ہے۔ یہ کہہ کر بیوی سے کنارہ کشی اختیار کر لی لیکن محبت کی زیادتی کی وجہ سے جب جدائی کی تکلیف برداشت نہ ہو سکی تو تمام علماء کو بلا کر پوچھا کہ میں جہنمی ہوں یا جنتی؟ لیکن کسی کے پاس بھی اس کا جواب نہ تھا اور امام شافعی بھی کمسنی کے باوجود اُن علماء کے ساتھ تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس کا جواب دوں اور اجازت کے بعد خلیفہ سے پوچھا کہ آپ کو میری ضرورت ہے یا مجھے آپ کی۔ خلیفہ نے کہا کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم تخت سے نیچے آ جاؤ کیونکہ علماء کا مرتبہ آپ سے بلند ہے۔ چنانچہ اس نے نیچے آ کر آپ کو تخت پر بٹھا دیا پھر آپ نے سوال کیا کہ تمہیں کبھی ایسا موقع بھی ملا ہے کہ گناہ پر قادر ہونے کے باوجود محض خوف الٰہی سے گناہ سے باز رہے ہو۔ اس لئے قسمیہ عرض کیا کہ ہاں ایسے مواقع بھی آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم جنتی ہو۔ اور جب علماء نے اس کی حجت طلب کی تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

"قصد گناہ کے بعد جو شخص خوف خدا سے گناہ سے رک گیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے"۔

یہ جواب سن کر تمام علماء نے داد دیتے ہوئے کہا کہ جس کا کم سنی میں یہ عالم ہو تو خدا جانے جوانی میں اس کے کیا مراتب ہوں گے۔

ابتدائی عمر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تنگ دست تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ میری تعلیم کے لئے معلم کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرتیں لیکن وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ جب میں کچھ دیر کیلئے کہیں چلا جاؤں تو یہ میری جگہ ان بچوں کو پڑھائے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں نے قرآن ختم کر لیا' مسجد میں داخل ہوا' علماء کی مجلسوں میں بیٹھتا اُن سے حدیثیں سنتا اور مسائل یاد کرتا' میرا گھر مکہ مکرمہ کے اندر شعب خیف میں تھا' کوئی چمکدار ہڈی دیکھتا اس پر حدیث اور مسئلہ لکھ لیتا' میرے پاس ایک پرانا برتن تھا' جب وہ ہڈی لکھتے لکھتے بھر جاتی تو اسے برتن میں محفوظ کر لیتا۔

امام شافعی ابتداءً مسلم بن خالد سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اسی دوران انہیں معلوم ہوا کہ امام مالک اس وقت کے امام المسلمین اور سید العلماء ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دل میں امام مالک

marfat.com

سے کسب فیض اور تحصیل کا شوق بیدار ہوا۔ میں نے ایک آدمی سے مؤطا عاریتالی اور اسے زبانی یاد کر لیا۔ اس کے بعد والیٔ مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر والئ مدینہ اور امام مالک بن انس کے نام سفارشی خطوط حاصل کئے اور مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ والی مدینہ کو خط دیا تو اس نے کہا صاحبزادے! اگر تم مجھ سے مدینہ منورہ سے مکہ تک پیدل چلنے کیلئے کہو تو یہ امام مالک کے دروازے تک جانے سے زیادہ آسان ہے۔ میں نے کہا اگر حضور والا چاہیں تو انہیں خود بلا لیں' انہوں نے کہا یہ تو بڑا مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم ان کی بارگاہ میں حاضر ہو اور خدمت میں رہو' اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے لئے بھی ان کا دروازہ کھل سکے۔

حاکم مدینہ امام مالک کی بارگاہ میں حاضری کی غرض سے سوار ہو گیا اور امام شافعی بھی ساتھ ہو لئے۔ پہنچنے پر ایک شخص نے دروازے پر دستک دی۔ ایک سیاہ فام باندی باہر آئی۔ حاکم نے کہا کہ اپنے آقا سے عرض کر دو کہ میں حاضری کی غرض سے دروازے پر آیا ہوں۔ باندی اندر گئی اور بڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا کہ آقا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیجئے تا کہ اس کا جواب دیا جائے اور اگر آپ کی حاضری کسی دوسرے معاملہ کی ہے تو باقی باتوں کے لئے جمعرات کا دن مقرر ہے' تشریف لے جایئے۔ اس روز آیئے گا۔

حاکم نے کہا کہ میں ایک اہم معاملہ میں والی مکہ کا خط لے کر حاضر ہوا ہوں' باندی اندر گئی اور ایک کرسی لے کر آئی جسے دروازے پر لگا دیا۔ امام مالک تشریف لائے آپ کشیدہ قامت' باوقار اور پر ہیبت آدمی تھے اور طیلسان کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ والیٔ مدینہ نے وائی مکہ کا نوشتہ پیش کر دیا۔ آپ پڑھنے لگے اور جب اس جملے پر پہنچے کہ محمد بن ادریس ایک شریف اور لائق لڑکا ہے' اس کا معاملہ ایسا ایسا ہے (یعنی غربت کے ہاتھوں مجبور ہے اور آپ سے علوم دینیہ حاصل کرنے کا شائق ہے) یہ جملہ پڑھتے ہی امام کے ہاتھ سے خط گر گیا اور فرمایا سبحان اللہ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی قدر و منزلت اتنی گھٹ گئی کہ اسے حاصل کرنے کیلئے سفارشی خط کی ضرورت پڑے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کے نزدیک ہو کر عرض گزار ہوا' اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اور بلند فرمائے۔ میں عبد المطلب کی اولاد سے ہوں' میرے حالات ایسے ہیں اور میری تمنا یہ ہے۔ امام مالک فہم و فراست کے مالک تھے' جب انہوں نے میری بات سنی کچھ دیر میری طرف دیکھتے رہے اور فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا محمد بن ادریس۔ فرمایا: اے محمد! اللہ سے ڈرو اور گناہوں سے پرہیز کرو کیونکہ عنقریب تمہاری ایک شان ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ

marfat.com

تمہارے دل میں ایک نور رکھے گا' تم اسے معصیت سے ضائع نہ کر دینا۔ پھر فرمایا کہ کل تم آنا تو ایسے شخص کو ساتھ لیتے آنا جو مؤطا کی قرأت کر سکے۔ عرض کیا میں اسے زبانی پڑھ سکتا ہوں' اگلے روز حاضر ہوا اور مؤطا کی قرأت شروع کر دی۔ آپ کو میری قرأت پسند آئی' جب انکی اکتاہٹ کا احساس کر کے ختم کرنا چاہتا تو فرماتے بیٹے اور پڑھو' یہاں تک کہ میں نے چند ہی روز میں کتاب مؤطا مکمل کر لی اور آپ کی وفات تک میں مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد جا کر حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کی درس گاہ میں حاضر ہوئے۔ امام محمد بن حسن' حضرت امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید اور ان کے علم و فقہ کے ناشر و ترجمان تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں امام مالک پھر امام محمد کے استاد ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح فرما لیا تھا اور اپنا سارا مال و اسباب اور کتابیں امام شافعی کو سونپ دی تھیں۔ امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر امام محمد کی کتابیں اپنے ساتھ لایا اور ان کی کتابوں سے برابر علمی استفادہ کرتا رہا۔ امام شافعی یہ بھی فرماتے تھے کہ علم فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان امام محمد کا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذہین ترین اور بلند پایہ شاگرد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات کا ذکر امام شافعی کی زندگی بھر کرتے رہے لیکن آپ کے علاوہ آپ نے مزید اساتذہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ قدرت کا اصول ہے کہ جب کسی جوہر کامل نے چمکنا ہو تو فطرت اس کی رہنمائی کیلئے اسباب مہیا کر دیتی ہے۔ آپ کے چند اساتذہ کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں:

محمد بن علی بن شافع' مسلم بن خالد زنجی' سفیان بن عیینہ' ابراہیم بن سعد' سعید بن سالم القراح' عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی' اسماعیل بن علیہ۔

آپ سادات کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو سید زادے آپ کے پاس آ رہے تھے اور جب وہ نزدیک آتے تو آپ تعظیماً کھڑے رہتے۔ ایک دن میں دس بارہ مرتبہ یہی صورت پیش آئی۔

کسی رئیس نے کچھ رقم اہل تقویٰ لوگوں میں تقسیم کرنے کیلئے مکہ معظمہ ارسال کی اور اس میں سے کچھ رقم لوگوں نے پیش کی لیکن آپ نے سوال کیا کہ یہ رقم کس کی ہے اور کن لوگوں میں تقسیم کرنے کو بھیجی گئی ہے۔ جواب ملا اہل تقویٰ درویش میں تقسیم ہونے کیلئے آئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اہل تقویٰ درویش نہیں ہوں' اس لئے یہ مجھ پر حرام ہے۔

marfat.com

حاکم روم کچھ رقم سالانہ ہارون رشید کے پاس بھیجا کرتا تھا لیکن ایک مرتبہ چند راہبوں کو بھیج کر یہ شرط لگا دی کہ اگر آپ کے دینی علماء مناظرے میں ان راہبوں سے جیت گئے جب تک تو میں اپنی رقم جاری رکھوں گا ورنہ بند کر دوں گا۔ چنانچہ خلیفہ نے تمام علماء کو جمع کر کے حضرت امام شافعی کو مناظرہ پر آمادہ کیا اور آپ نے پانی کے اوپر مصلیٰ بچھا کر فرمایا کہ یہاں آ کر مناظرہ کرو۔ یہ صورتحال دیکھ کر سب ایمان لے آئے اور جب اس کی اطلاع حاکم روم کو پہنچی تو اس نے کہا کہ یہ بہت اچھا ہوا اس لئے کہ اگر وہ شخص یہاں آ جاتا تو پورا روم مسلمان ہو جاتا۔

آپ بیت اللہ کے اندر چاند کی روشنی میں مصروف مطالعہ تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اندر شمع کی روشنی میں مطالعہ کیجئے۔ لیکن آپ نے جواب یا کہ وہ روشنی بیت اللہ کیلئے مخصوص ہے اس میں مطالعہ میرے لئے جائز ہے ہی نہیں۔

آپ حافظ نہیں تھے اور کچھ لوگوں نے خلیفہ سے شکایت کر دی کہ امام شافعی حافظ نہیں ہیں تو اس نے بطور امتحان رمضان میں آپ کو امام بنا دیا۔ چنانچہ آپ دن بھر ایک پارہ حفظ کر کے رات کو تراویح میں سنا دیا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا۔

آپ ایک حسینہ پر فریفتہ ہو گئے اور اس سے نکاح کرنے کے بعد صرف صورت دیکھ کر اور مہر ادا کر کے طلاق دے دی۔ جب امام شافعی نے امام حنبل سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک عمداً نماز ترک کر دینے والا کافر ہو جاتا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی کیا شکل ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نماز ادا کرے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ کافر کی تو نماز ہی درست نہیں' یہ سن کر آپ ساکت رہ گئے۔

امام صاحب کا علمی استفادہ کے بعد فیض رسانی کا دور شروع ہوا' آپ اس معاملہ میں للٰہیت اور خلوص نیت کے ساتھ علوم دینیہ کے فروغ میں لگ گئے۔ تلامذہ کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتے' جو علمائے سلف کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

بغداد' مصر اور دوسرے علاقوں سے شائقین علم حضرت امام کی بارگاہ میں کشاں کشاں چلے آتے اور علمی تشنگی بجھاتے' جن میں حسن بن محمد زعفرانی بغدادی' امام احمد بن حنبل' ابوثور' ابراہیم بن خالد' حسین بن علی کرابیسی' اسماعیل بن یحییٰ مزنی' ربیع بن سلیمان جیری' ربیع بن سلیمان مرادی' حرملہ بن یحییٰ' یونس بن عبدالاعلیٰ' یوسف بن یحییٰ' بہت مشہور ہیں' جن کی ذات سے امام صاحب کا مسلک دنیا میں پھیلا' ان کے علاوہ اور بہت سے تلامذہ ہیں' جن کے ذریعہ ان کی دینی اور علمی خدمات عام

marfat.com

ہوئیں، جن کا تذکرہ تہذیب التہذیب اور تاریخ ابن خلکان میں بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

آپ تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری نیز عبادت کثیرہ میں بھی اپنے دور کے بے مثال عابد و زاہد صاحب ولایت و باکرامت بزرگ تھے۔ ہمیشہ آپ کا معمول رہا کہ ایک تہائی رات سوتے اور ایک تہائی رات میں عبادت کرتے اور ایک تہائی رات میں تصنیفات تحریر فرماتے اور روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید تلاوت فرماتے۔ زندگی بھر میں کبھی کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا' نہ کبھی قسم کھائی' سخت سے سخت سردیوں میں بھی کبھی غسل جمعہ نہیں چھوڑا اور سولہ برس تک لگاتار کبھی شکم بھر کر کھانا نہیں تناول فرمایا۔ فقہاء و محدثین کے علاوہ اپنے دور کے بہت سے مشائخ صوفیہ کی صحبت اٹھائی۔

آپ کے بھانجے ابومحمد اپنی والدہ ماجدہ سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتی ہیں کہ ہم ایک رات تیس مرتبہ یا کم وبیش امام موصوف کے پاس سے گزرے' تو ان کے سامنے چراغ جل رہا تھا' وہ لیٹے ہوئے کچھ سوچتے پھر باندی کو چراغ لانے کا حکم دیتے' وہ چراغ سامنے رکھ دیتی' کچھ لکھتے پھر کہتے لے جاؤ۔ ابومحمد سے پوچھا گیا کہ چراغ واپس کیوں کیا کرتے تھے' انہوں نے بتایا کہ تاریکی میں دل زیادہ روشن ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ گفتگو میں جان پیدا کرنے کیلئے خاموشی اور قوت استنباط حاصل کرنے کیلئے غور وفکر کو کام میں لانا چاہیئے۔

نیز یہ بھی فرمایا جس نے چپکے سے اپنے بھائی کو نصیحت کی اس نے اخلاص کے ساتھ برتاؤ کیا اور جس نے لوگوں کے سامنے نصیحت کی اس نے اپنے بھائی کو بدنام کیا اور اس کے حق میں خیانت کی۔

ایک شخص نے آپ سے نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا کہ دوسروں کے برابر دولت جمع کرنے کی سعی مت کرو بلکہ عبادت میں برابر کی کوشش کرتے رہو کیونکہ دولت تو دنیا میں رہ جاتی ہے اور عبادت قبر کی ساتھی ہے اور کبھی کسی مرد سے حسد نہ کرو کیونکہ دنیا میں سب مرنے کیلئے آئے' سب مردے ہیں۔ لہٰذا کسی سے بھی حسد نہ کرو۔

ایک مرتبہ آپ گذرے ہوئے وقت کی جستجو میں نکلے تو صوفیاء کی ایک جماعت نے کہا کہ گذرا ہوا وقت تو ہاتھ نہیں آتا۔ لہٰذا موجودہ وقت ہی کو غنیمت جانو۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو مراد حاصل ہو گئی کیونکہ تمام دنیا کا علم مجھ کو حاصل نہیں ہوا اور میرا علم صوفیا کے علم تک نہیں پہنچا اور صوفیا کا علم انہیں کے ایک مرشد کے اس قول تک نہیں کہ موجودہ وقت شمشیر قاطع ہے۔

مزنی کا بیان ہے کہ میں نے امام شافعی سے بڑھ کر کسی اور کو سخی نہیں دیکھا' انہیں کا بیان ہے کہ ایک عید کی شب مین ان کے ساتھ مسجد سے نکلا اور راستے میں آپ سے محو گفتگو تھا' ان کا

marfat.com

مکان آ گیا۔ ایک غلام نے آپ کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کی اور عرض کیا کہ میرے آقا نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور گذارش کی ہے کہ آپ اس تھیلی کو قبول فرمالیں۔ امام شافعی نے وہ تھیلی لے لی' تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور عرض گزار ہوا' اے ابوعبداللہ! میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ امام صاحب نے وہ تھیلی اس آدمی کو دے دی اور خالی ہاتھ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔

ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں نماز کے اندر ساٹھ ختم قرآن فرماتے۔

آپ کی علمی فوقیت اور برتری کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو ابتدائے تیسری صدی کے مجدد ہونے کا شرف حاصل ہے' اس لئے کہ آپ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ کا علمی کمال اور دین کی خدمت سب پر عیاں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ منصب مجددیت پر فائز تھے۔ نیز حدیث کا یہ مضمون بھی آپ کی ذات پر صادق آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں اُمت کی اصلاح کیلئے ایک مجدد بھیجتا ہے۔ نیز آپ کے تذکرے میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام ثوری علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اگر امام شافعی کی عقل نصف مخلوق کی عقل کے ساتھ وزن کی جائے تو امام صاحب کی عقل ان سب پر بھاری ہوگی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلۂ تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث رسول میں ناسخ ومنسوخ' خاص و عام اور مجمل و مفصل کی کوئی تمیز نہیں تھی' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے ان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے صالح بن احمد کا بیان ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد کی عیادت کیلئے تشریف لائے۔ والد محترم انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ امام شافعی کو اپنی جگہ بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ دیر تک دونوں حضرات کی گفتگو ہوتی رہی۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جانے کیلئے تیار ہوئے تو والد محترم نے رکاب تھام لی اور کافی دور تک ساتھ ساتھ پیدل چلے۔

امام یحییٰ بن معین کو اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے آپ اتنے بیمار ہو کر امام شافعی کے ساتھ پیدل کیوں چلے تھے؟ فرمایا ابوزکریا! اگر انکی دوسری رکاب آپ نے تھامی ہوتی تو بہت فیوض و برکات

marfat.com

حاصل کر لیتے' جو فقہ حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہو اسے امام شافعی کے خچر کی دم سونگھنا ہی پڑے گی۔

حضرت امام شافعی مکہ سے بغداد تشریف لے گئے۔ پھر مکہ آئے اور مصر تشریف لے گئے۔ آپ نے ماہ رجب ۲۰۴ھ شب جمعہ میں انتقال فرمایا۔

عالم نزع میں آپ نے وصیت نامہ میں تحریر کر دیا تھا اور زبانی بھی لوگوں سے کہہ دیا کہ فلاں شخص سے کہہ دینا کہ وہ مجھ کو غسل دے لیکن وفات کے بعد جب وہ شخص مصر سے واپس آیا تو لوگوں نے وصیت نامہ اور زبانی وصیت اس تک پہنچا دی۔ چنانچہ وصیت نامہ میں تحریر تھا کہ میں ستر ہزار کا مقروض ہوں' یہ پڑھ کر اس شخص نے قرض ادا کیا اور لوگوں سے کہا کہ غسل سے آپ کی یہی مراد تھی۔

ربیع بن سلیمان نے امام صاحب کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ کا آپ کے ساتھ کیسا معاملہ ہے؟ فرمایا کہ سونے کی کرسی پر بٹھا کر موتی نچھاور کئے گئے اور اپنی رحمت بیکراں سے مجھے نواز دیا۔

امام شافعی تو نہایت بامقصد زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن زندگی میں فقہ و حدیث کے ایسے چراغ روشن کر گئے جو ہمیشہ جھلملاتے رہیں گے۔ زمانہ حال سے ماضی کی جانب سفر کرتا رہے گا۔ تاریخ اپنے نقوش ثبت کرتی رہے گی۔ وقت نئے سے نئے فرزندگان روزگار کو جنم دیتا رہے گا لیکن اس نامور محدث امام شافعی کی فضیلت علمی میں کبھی کمی رونما نہ ہو گی بلکہ ہر آنے والا دن آپ کی سیرت اور کردار کے ستارے فروزاں کرتا رہے گا۔ آپ عجز و انکساری کا پیکر تھے۔ اتنے بلند پایہ محدث' عالم دین' مفکر اور مدرس ہو کر بھی آپ کی عاجزی دیکھنے کے قابل تھی' کبھی کسی کو برا نہ کہا بلکہ بروں پر اپنی محبتوں کے پھول نچھاور کر کے انہیں اسلام کا دیوانہ بناتے رہے۔ بلاشبہ ان جیسے ہی محسنین اسلام کے کارناموں پر شوکت اسلام کی عمارت اپنی سربلندی دکھلا رہی ہے۔

دل ہمارے یادِ عہد رفتہ سے خالی نہیں
محسنین دیں کو اُمت بھولنے والی نہیں
ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور

marfat.com

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

انہیں عزم و شجاعت کی حسیں تصویر کہتے ہیں
انہیں راہ وفا میں نور کی تنویر کہتے ہیں
محدث اور مجدد ہاں امام احمد حنبل
ہاں جن کی گفتگو کو علم کی تاثیر کہتے ہیں
مظالم وقت کے سارے سہے اسلام کی خاطر
انہی کی ہر ادا کو شوکت توقیر کہتے ہیں
خدا کے نام کے پرچم کو لہرایا بلندی پر
اس خاطر تو ان کو جلوۂ تقدیر کہتے ہیں
عزیمت اور استقلال کا پرنور پیکر ہیں
خدا کے لطف کی اک دلنشیں تفسیر کہتے ہیں
عمل سے گلشن اسلام کو پھر حسن نو بخشا
انہیں اصحاب ایماں عشق کی تدبیر کہتے ہیں
امام احمد حنبل مثال شمع ایماں ہیں
رضا ان کے عمل کو جلوۂ تقدیر کہتے ہیں

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

امام السنہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

حق و صداقت کا راستہ انتہائی پُر خطر اور جان لیوا ہے۔ یہاں قدم قدم پر دارورسن کی آزمائش ہوتی ہے' موت کو سینے سے لگانا پڑتا ہے' کوڑے کھانے پڑتے ہیں۔ جابر حکمران حق پرستوں کا راستہ روکتے' ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں مگر وہ لوگ انتہائی خوش بخت ہوتے ہیں جو راہ حق و صداقت پر آزمائش کو قدرت کا انعام سمجھتے ہیں اور کسی بھی موقع پر انکے قدموں میں ہلکی سی لغزش بھی پیدا نہیں ہوتی۔ انہیں بجا طور پر احساس ہوتا ہے کہ:

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

سید المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسی ہی بلند حوصلہ' فراخ دل اور مستقل مزاج شخصیت ہیں' جنہوں نے ایک طرف تو فروغِ حدیث کا فریضہ انجام دیا' درس و تدریس میں عمر بسر کر دی' بے شمار فرزندان توحید کو حدیث کی عظمت و فضیلت سے آگاہ کیا۔ دوسرے طرف آپ کے دور میں فرقہ معتزلہ کو عروج حاصل ہوا اور اس راہ حق سے بھٹکے ہوئے افراد نے نئے نئے نظریات کو فروغ دیا۔ حدیث تو حدیث' قرآن پاک کو بھی نہیں بخشا' اور بڑا المیہ یہ تھا کہ عباسی خلفاء بھی یکے بعد دیگرے فرقہ معتزلہ کی سرپرستی کرتے رہے۔ بس پھر کیا تھا اندھیروں نے روشنی کا روپ اختیار کیا۔ علماء' فقہاء اور محدثین کو مجبور کیا گیا ان کے باطل اور خلاف اسلام سرگرمیوں اور نظریات کا ساتھ دیں۔

اس پُر آشوب دور میں بہت سے علماء نے حجرہ نشینی اختیار کر لی۔ اور مصلحت پسندی کے اسیر ہو گئے۔ ایسے عالم میں آپ نے فرقہ معتزلہ کے ناپاک نظریات اور عباسی خلفاء کی گمراہی کے خلاف نعرہ حق بلند کیا۔ آپ کے مریدین حق پسندوں کی بڑی تعداد نے آپ کا ساتھ دیا۔ عباسی خلفاء نے آپ کی غیر معمولی علمی اور نظریاتی عظمت کا احساس بھی نہیں کیا بلکہ آپ کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا کیا۔ برف کی سلوں پر لٹا کر برفیلے کوڑے برسائے گئے۔ زندگی تو زندگی' ان

marfat.com

سزاؤں کی بدولت موت بھی آپ کیلئے مشکل بنا دی گئی۔ آج جب ہم آپ پر ہونے والے جبر و استبداد اور آپ کی پامردی و استقامت کے احوال پڑھتے ہیں تو دل و دماغ لرز اٹھتے ہیں کہ خدایا! یہ کیسے انسان تھے جنہوں نے موت کو قدموں کی ٹھوکر پر رکھ لیا تھا۔ آپ کو ہر قسم کے مناصب کی پیش کش کی گئی، اعزازات کا لالچ دیا گیا مگر آپ کا فرمانا تھا کہ میں قرآن مجید اور احادیث نبوی کی شان میں معمولی سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ بالآخر آپ کا جذبۂ استقامت رنگ لایا۔ شاہی سطوت درویش کے جذبۂ ایمانی کے سامنے شکست کھا گئی۔ آج اسلام کا نوری پرچم آپ کا ممنون احسان ہے۔ اگر اس موقع پر آپ بھی مصلحت کیشی یا حجرہ نشینی سے کام لیتے تو آج نہ معلوم شعائر اسلامی کی کیا صورت ہوتی:

سلام اس پر کہ سچائی کا پرچم جس نے لہرایا
روایات خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ کو جس نے تھا دہرایا

............o............

آپ کا اسم گرامی احمد بن حنبل تھا اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور آپ شیخ الاسلام اور امام السنہ کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ کی نسبتیں بغدادی، بصری، مروزی، ذیلی اور شیبانی تھیں۔

آپ کا خاندانی تعلق قبیلہ بنی شیبان سے ہے جو قبیلہ بنو عدنان کی شاخ سے جا ملتا ہے۔ آپ عالی نسب اور بلند رتبہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا ''حنبل'' امویوں کے عہد میں سرخس کے گورنر تھے۔ جب امام احمد صرف تین سال کے تھے تو آپ کے والد ماجد ''محمد'' (جو ایک بہادر سپاہی تھے) کا انتقال ہو گیا۔ آپکے خاندان کو دینی عظمت کے ساتھ ساتھ دنیاوی شوکت بھی عطا ہوئی تھی۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی پرورش اور تعلیم کا تمام تر بوجھ آپ کی والدہ ماجدہ کے کندھوں پر آ پڑا اور انہوں نے اپنی خاندانی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی تعلیم و تربیت کو بہت خوش اسلوبی سے آگے بڑھایا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ربیع الاوّل یا ربیع الآخر کا مہینہ تھا۔ آپ ابھی ماں کی گود میں بھی نہیں آئے تھے کہ آپ کی والدہ مرو سے بغداد چلی آئیں۔ یہیں آپ پیدا ہوئے جبکہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ آپ مرو میں پیدا ہوئے اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کی والدہ آپ کو لے کر بغداد تشریف لائیں۔

marfat.com

زہد و تقویٰ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ انتہائی ذہین تھے۔ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ آپ کے صاحبزادے ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے:

''خدا نے آدم کا ضمیر اپنے ہاتھ سے گوندھا''

یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنا ہاتھ دراز کر دیا۔ لیکن امام حنبل نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ ید اللہ کا مفہوم بیان کیا کرو تو ہاتھ دراز کر کے نہ سمجھایا کرو۔ امام صاحب نے بہت سے مشہور جلیل القدر بزرگوں سے شرف نیاز حاصل کیا ہے اور بشر حافی کا قول تو یہ ہے کہ امام حنبل مجھ سے بدرجہا افضل ہیں کیونکہ میں تو صرف اپنے ہی واسطے اکل حلال کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ اپنے اہل وعیال کیلئے بھی حلال رزق حاصل کرتے ہیں اور حضرت سری سقطی کا قول ہے کہ معتزلہ نے آپ کے اوپر جتنی طعنہ زنی کی ہے۔ موت کے وقت آپ ان تمام چیزوں سے پاک تھے۔ مثلاً بغداد کے معتزلہ نے ہنگامہ کھڑا کر کے یہ چاہا کہ آپ کسی طرح یہ تسلیم کر لیں کہ قرآن مخلوق ہے اور اس سلسلہ میں دربار خلافت سے بہت کڑی سزائیں بھی دی گئیں۔

حتیٰ کہ جس وقت آپ کو ایک ہزار کوڑے لگائے جا رہے تھے تو اتفاق سے آپ کا کمر بند کھل گیا لیکن غیب سے دو ہاتھ نمودار ہوئے اور کمر بند باندھ کر غائب ہو گئے مگر اتنی شدید اذیتوں کے باوجود آپ نے قرآن کو مخلوق نہیں بتایا اور جب آپ چھوٹ گئے تو لوگوں نے پوچھا کہ جن فتنہ پردازوں نے آپ کو اس قدر اذیتیں پہنچائیں ہیں ان کیلئے آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ وہ مجھے اپنے خیال کے مطابق گمراہ تصور کرتے ہیں اس لئے تمام تکلیفیں صرف خدا کیلئے دی گئی ہیں اس لئے میں قیامت میں ان سے کوئی مواخذہ نہیں کروں گا۔ منقول ہے کہ کسی نوجوان کی ماں کے ہاتھ پیر شل ہو گئے تھے اور جب اس نے بیٹے کو دعا کیلئے آپ کے پاس بھیجا تو آپ نے حال سن کر وضو کر کے نماز شروع کر دی اور جب وہ نوجوان گھر پہنچا تو ماں صحت یاب ہو چکی تھی اور خود آ کر دروازہ کھولا۔

آپ دریا کے کنارے وضو فرما رہے تھے اور وہیں ایک شخص بلندی پر بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا لیکن آپ کو دیکھ کر تعظیماً نیچے آ گیا' پھر اس کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے محض اس تعظیم کی وجہ سے جو میں نے امام حنبل کی وضو کرتے وقت کی تھی' مغفرت فرما دی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں جنگل میں راستہ بھول گیا اور جب ایک اعرابی سے راستہ معلوم کرنا چاہا تو وہ ...... پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ فاقہ سے ہے اور جب میں

marfat.com

نے کھانا دینا چاہا تو بہت ناراض ہو کر کہنے لگا کہ اے امام حنبل کیا تجھے خدا پر اعتماد نہیں جو خدا کی طرح مجھے کھانا دینا چاہتا ہے جبکہ تم خود گم کردہ راہ ہے۔ مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو کہاں کہاں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ وہ میری نیت کو بھانپ کر بولا کہ خدا کے بندے تو ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ تمام سرزمین کو سونا بھی بن جانے کیلئے کہہ دیں تو پورا عالم سونے کا بن جائے اور میں نے جب نگاہ اُٹھائی تو پورا صحرا سونے کا نظر آیا اور غیب سے یہ ندا آئی کہ یہ ہمارا محبوب بندہ ہے اگر یہ کہہ دے تو ہم پورے عالم کو زیر و زبر کر دیں۔ لہٰذا تجھے اس بات کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ تیری ملاقات ایسے بندے سے ہوگئی لیکن آج کے بعد اس کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔

امام صاحب کی تعلیم کا سلسلہ بچپن ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ چار سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ سات سال کے ہوئے تو حدیث پڑھنا شروع کر دیا اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں باقاعدہ طلب علم میں مشغول ہو گئے۔

امام صاحب عرصہ تک بغداد ہی میں رہ کر وہاں کے مشائخ سے سماع کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرے مشہور مراکز حدیث کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ وغیرہ کا رُخ کیا۔

اپنے تعلیمی اسفار کے بارے میں امام صاحب خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ۱۷۹ھ میں علی بن ہاشم بن برید سے حدیث کا سماع کیا۔ یہ میری حدیث کی تعلیم کا پہلا سال ہے اور اسی سال ہشیم بن بشیر سے پہلے سماع کیا۔ اسی سال عبد اللہ بن مبارک آخری بار بغداد آئے تھے، میں ان کی مجلس درس میں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ طرسوس چلے گئے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸۱ھ میں ہوا۔

اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی اور ہشیم بن بشیر کے انتقال کے وقت میں بیس سال کا تھا۔ اسی سال حماد بن زید اور مالک بن انس کا انتقال ہوا۔ ہشیم کی مجلس درس میں ۱۸۲ھ تک رہا، اسی سال ان کا انتقال ہوا، میں نے ان سے کتاب الحج لکھی جو ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھی۔ نیز کتاب القضاء، بعض تفاسیر اور مختصر کتابیں لکھیں۔ اسی طرح تقریباً تین ہزار احادیث جمع کیں، ہشیم مجھ کو کتاب الجنائز کا املا کرا رہے تھے۔ اسی دوران حماد بن زید کے انتقال کی خبر پہنچی، ہشیم کے انتقال سے پہلے میں نے عبدالمومن بن عبد اللہ بن خالد عیسیٰ سے حدیث کا سماع کیا اور ۱۸۲ھ میں ''رے'' کے عالم ابومجاہد علی بن مجاہد کابلی سے حدیث کی روایت کی، اسی سال ملک ''رے'' کا سفر کیا۔ ۱۸۶ھ میں بصرہ کا پہلا سفر کیا اور ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ سفیان بن عینیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہمارے مکہ پہنچنے سے کچھ پہلے فضیل بن ابن عیاض کا انتقال ہو چکا تھا، اسی سال میں نے پہلا حج کیا۔

marfat.com

ابراہیم بن سعد سے بھی حدیثیں لکھیں اور ان کے پیچھے کئی بار نماز ادا کی۔ ۱۸۶ھ کے آخری عشرہ میں عباداان گیا' اسی سال معتمر بن سلیمان کے یہاں گیا' ۱۹۸ھ میں عبدالرزاق کے پاس تھا کہ وہیں سفیان بن عینیہ' عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید قطان کی وفات کی خبر ملی۔ ۱۹۴ھ میں بصرہ جا کر سلیمان بن حرب' ابوالنعمان عازم اور ابو عمر حوضی سے حدیث کا سماع کیا۔ اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالمجید کے یہاں ''رَے'' جاتا۔ میرے بعض ساتھی گئے' مگر میں نہیں جا سکا' کوفہ گیا تو ایسے مکان میں قیام پذیر ہوا جس میں اینٹ کا تکیہ تھا وہاں مجھے بخار آ گیا تو والدہ کے پاس چلا آیا۔ کوفہ کا یہ سفر والدہ کی اجازت کے بغیر ہوا تھا۔ پانچ بار بصرہ گیا۔ پہلی بار رجب ۱۸۶ھ میں گیا اور معمر بن سلیمان سے سماع کیا' دوسری بار ۱۹۰ھ میں گیا' تیسری بار ۱۹۴ھ میں گیا' اس وقت غندر کا انتقال ہو چکا تھا تو یحییٰ بن سعید کے پاس چھ ماہ قیام کیا' ان کے یہاں سے واسطہ میں یزید بن ہارون کی خدمت میں پہنچا' جب ان کو معلوم ہوا کہ میں یزید بن ہارون کے یہاں گیا ہوں تو کہا کہ واسط میں یزید بن ہارون کے یہاں کیا کریں گے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل علم میں یزید بن ہارون سے بڑھے ہوئے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا دور علوم دینیہ کا مرکز تھا۔ آپ کو اپنے عہد میں اعلیٰ سے اعلیٰ استاد میسر آئے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد تین درجن سے زائد ہے لیکن آپ کے اساتذہ میں سب سے زیادہ ممتاز اور باکمال ہستی امام شافعی کی ہے۔ آپ نے ان سے فقہ کے علاوہ حدیث اور انساب کا علم بھی سیکھا۔ امام شافعی جب تک بغداد میں رہے' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ مسلسل اُنہی سے وابستہ رہے۔ امام ابن خلکان کہتے ہیں:

امام احمد بن حنبل' امام شافعی کے تلامذہ اور خواص میں سے تھے' وہ ان کے ساتھ برابر رہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی مصر چلے گئے اور احمد بن حنبل کے بارے میں امام شافعی نے کہا کہ میں بغداد سے اس حال میں نکلا کہ احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور ان سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا۔

بغداد کے محدثین میں حضرت امام ابو یوسف کا ایک بلند مقام ہے' امام احمد بن حنبل کو آپ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ سب سے پہلے آپ نے امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں لکھیں۔

جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں:

marfat.com

"سب سے پہلے میں نے جس سے حدیث لکھی وہ ابو یوسف ہیں"

حضرت امام نے علوم وفنون کی تحصیل کے بعد درس دینا شروع کر دیا۔ ۲۰۴ھ میں آپ چالیس سال عمر پوری کر کے منصب تدریس و افتا پر فائز ہو گئے اور پورے حزم و احتیاط کے ساتھ خدمت میں مصروف ہو گئے۔

آپ کی مجلس درس بڑی باوقار' سنجیدہ اور شائستہ ہوتی تھی۔ لوگ ہمہ تن گوش رہتے اور مذاق و مزاح کا کوئی کلمہ زبان پر نہ لاتے۔ ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف' محمد بن حسن شیبانی' یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ باکمال محدثین وفقہاء کے درس میں شریک رہا ہوں لیکن امام احمد کی طرح مجھ پر کسی کی ہیبت و دہشت طاری نہیں ہوئی' ان کی مجلس نہایت بارعب اور پُر وقار ہوتی تھی' درس میں حاضرین اور شرکاء کا جم غفیر ہوتا تھا' علماء سیر کا بیان ہے کہ پانچ پانچ ہزار کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے۔

اب آپ کے علوم کے سرچشمے چاروں طرف بہہ رہے تھے۔ آپ سے بیشمار اہل علم نے اکتساب فیض کیا اور یہ اسی فیضان عام کا سبب ہے کہ باقاعدہ مذہب حنبلیہ کی بنیاد پڑی۔

آپ عالم بے ریا اور درویش پارسا تھے۔ زہد وتقویٰ اور دنیا سے بے تعلقی امام صاحب کا شعار تھا' خورد ونوش اور معاملات زندگی میں سادگی اور کفایت شعاری مدنظر رکھتے' امراء اور حکام سے نظریں ملاتے اور نہ ان کے تحائف قبول کرتے۔

محمد بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کے پس ایک لاکھ دینار میراث میں پہنچے انہوں نے ایک ایک ہزار کی تین تھیلیاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیں اور التجاء کی کہ انہیں قبول فرما کر اپنے اہل وعیال پر خرچ کیجئے۔ کیونکہ یہ حلال میراث سے پیش کر رہا ہوں۔ امام صاحب نے وہ دینار قبول نہ فرمائے اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں' میرے پاس بقدر ضرورت خدا کا دیا ہوا مال موجود ہے۔

تصانیف

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کئی ایک ہیں' جن میں سے چند کے علاوہ سب ناپید ہیں۔ یہ تصانیف احادیث وآثار پر مشتمل ہیں' ذیل میں چند کتابوں کے نام درج ہیں۔

کتاب المسند' کتاب التفسیر' کتاب الناسخ والمنسوخ' کتاب التاریخ' کتاب حدیث شعبہ' کتاب المقدم والمؤخر فی القرآن' کتاب جوابات القرآن' کتاب المناسک الکبیر' کتاب المناسک

marfat.com

الصغیر وغیرہ۔

ان مستقل تصانیف کے علاوہ آپ کے فتاویٰ اور مسائل بھی کتابی صورت میں موجود ہیں۔

مسند امام احمد

یوں تو امام صاحب کی تصانیف بکثرت موجود ہیں' جو اپنے اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک عظیم مرتبہ کی حامل ہیں لیکن جو مقبولیت اور شہرت آپ کی مسند کو حاصل ہے دوسری کتابوں کو نہیں' اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لگے ہاتھوں اس کی قدرے تفصیل پیش کر دی جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسند امام احمد بن حنبل اگرچہ خود امام عالی مقام کی تصنیف اور آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے لیکن اس میں بہت سے زیادات ان کے بیٹے عبداللہ کے ہیں اور بعض زیادات ابوبکر قطیعی کے بھی ہیں جو اس کتاب کو انکے بیٹے سے روایت کرتے ہیں۔ یہ کتاب مستطاب اٹھارہ مسندوں پر مشتمل ہے۔ اور تمام کتاب کو ۱۷۲ اجزاء پر تقسیم کیا گیا ہے۔

امام صاحب جب اس مسودے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اپنی تمام اولاد کو جمع کیا اور ان کو یہ مسند سنا کر فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو میں نے جمع کیا ہے اور سات لاکھ پچاس ہزار روایتوں سے انتخاب کیا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو وہ اپنا مرجع اور معیار اس کتاب کو بنائیں۔ اگر اس کتاب میں اس کی اصل پائیں تو فبہا ورنہ اس کو غیر معتبر خیال کریں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہی احادیث مراد ہیں جو درجۂ شہرت یا تواتر معنی کو نہیں پہنچیں' ورنہ ایسی احادیث بہت مشہور ہیں جو مسند میں نہیں ہیں۔

امام صاحب کی حیات مبارکہ میں ان کے فتاویٰ کے جمع و ترتیب کا کوئی کام عمل نہیں آیا۔ بلکہ ان کے بعد ان کے تلامذہ نے جمع و تدوین کا کام کرنا شروع کیا' جن میں خاص طور پر ابوبکر خلال کا نام آتا ہے' انہوں نے اپنی کتاب الجامع الکبیر میں تقریباً بیس جلدوں میں حضرت امام موصوف کے مسائل وفتاویٰ مدون کئے اور جیش بن سندی نے دو جلدوں میں آپ کے نادر مسائل جمع کئے۔

اس دور میں اسلام پر مشکل ساعت بھی آئی' عباسی دور حکومت تھا' علم کلام کا زور تھا' علوم دین میں نئی نئی موشگافیاں ہونے لگیں' نئے نئے نظریات کے اصنام تراشے جانے لگے' فرقہ معتزلہ نے غضب کی قیامت ڈھائی اور فلسفہ وکلام کی بدولت اسلام کے اندر نئے نئے اور بے بنیاد مسائل

marfat.com

پیدا کیے۔ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ''خلق قرآن'' تھا جو محدثین علماء اور اہل ایمان پر قیامت ڈھانے لگا۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دور تک تو خیریت گزری اور لوگ کھلم کھلا عقائد کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

لیکن ہارون الرشید کے بعد جب مامون' معتصم اور واثق کا دور آیا تو اس دور میں ''خلق قرآن'' کا مسئلہ اُبھر کے سامنے آ گیا اور باضابطہ اس کی ترویج میں سرکاری تعاون حاصل ہوا۔ مامون نے دیگر ممالک سے فلسفہ اور منطق کی کتابیں جمع کیں اور ان کا ترجمہ کرا کر اشاعت کرایا۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کے شبہات رونما ہونے لگے اور محدثین علماء ان کا دفاع کرتے رہے۔ ''فتنہ خلق قرآن'' کا بانی' قاضی احمد بن ابی داؤد تھا جو اپنی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے مامون کے دل و دماغ پر اس طرح چھا گیا کہ مامون کو اس کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

۲۱۲ھ میں مامون نے اعلان کیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے (اور جو شخص قرآن کو مخلوق نہیں تسلیم کرے گا اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی) اور اسی کے ساتھ یہ بھی اعلان شامل تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق سے افضل ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

ان عقائد کی اشاعت کی وجہ سے لوگوں میں نفرت کی لہر دوڑ گئی اور قریب تھا کہ شہر میں ایک فتنہ برپا ہو جائے۔ اس ماحول کے پیش نظر مامون اپنے فاسد ارادے میں کامیاب نہیں ہوا' آخر اسے اپنے ان عقائد کی عدم قبولیت پر صبر کرنا پڑا۔

۲۱۵ھ میں مامون نے جنگ کے ارادے سے روم کا سفر کیا اور سلطنت روم کے دو قلعوں ''قرہ عنوہ'' اور ماجدہ کو فتح کر لیا۔ وہاں سے دمشق کی طرف روانہ ہوا اور ۲۱۶ھ میں روم پر حملہ آور ہوا اور متعدد قلعہ جات فتح کرنے کے بعد دمشق واپس ہو کر مصر روانہ ہو گیا' عباسی حکمرانوں میں یہ پہلا شخص تھا جو مصر میں داخل ہوا' مصر سے ۲۱۸ھ میں پھر دمشق آیا اور وہاں سے روم کی طرف عازم سفر ہوا۔

۲۱۸ھ میں مامون نے عقیدۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں لوگوں کی آزمائش کرنی چاہی کہ لوگوں نے قرآن کا مخلوق ہونا تسلیم کیا یا نہیں۔ اس سلسلے میں اس نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم خزاعی کے پاس علماء بغداد کے بارے میں لکھا کہ خلق قرآن سے متعلق علمائے بغداد سے ان کی رائیں طلب کی جائیں اور مجھے ان کی اطلاع دی جائے۔

اسحاق نے علماء اور محدثین کی ایک جماعت کے درمیان مامون کا خط پڑھا جس میں امام

marfat.com

احمد بن حنبل جیسے کئی بلند پایہ محدثین دانشور موجود تھے۔ جوابات سے انکار یا اقرار کا پتہ نہیں چلتا تھا تو اسحاق نے فرداً فرداً ایک ایک سے پوچھنا شروع کیا کہ کھل کر بتاؤ کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ سب سے باتیں کر کے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کی رائے دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اسحاق کے بار بار پوچھنے پر یہی فرمایا کہ وہ اللہ کا کلام ہے، مامون الرشید تک جب یہ کاروائی پہنچی تو وہ سخت جلال میں آ گیا۔ بعض کو قید و بند اور بعض کو موت کی دھمکیاں دے ڈالیں' جب امام احمد بن حنبل کی باری آئے تو ان کے بارے میں لکھا کہ

''احمد سے کہہ دو کہ امیر المومنین اس کے جاہلانہ عقیدے سے واقف ہیں اور وہ جان لے کہ اُسے اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شدید سزا تجویز کرنے کیلئے اس نے انہیں روم روانہ کرنے کا حکم دیا مگر ابھی یہ لوگ وہاں پہنچے ہی تھے کہ مامون الرشید کا انتقال ہو گیا۔

ماموں مرتے مرتے یہ وصیت بھی کر گیا کہ میرے بعد آنے والا خلیفہ لوگوں سے عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کرائے اور قاضی احمد بن ابی داؤد کو اپنے دربار سے وابستہ رکھے۔ ماموں کے بعد زمام حکومت رجب ۲۱۸ھ میں معتصم باللہ نے سنبھالی اور اس نے ماموں کی بھرپور تقلید کی اور اپنی پوری عمر مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں لوگوں کے امتحان و آزمائش میں گزار دی۔ اس نے اپنے مقبوضہ ممالک میں یہ حکم نامہ بھجوا دیا کہ لوگ قرآن کو مخلوق ہونے کا اقرار کریں اور معلمین کو یہ حکم صادر ہوا کہ بچوں کے ذہن میں یہ جاگزیں کر دیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس مسئلہ کو لے کر لوگوں نے معتصم کے ہاتھوں بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں اور بہت سے علماء اس کے ہاتھوں تہ تیغ کئے گئے اور ۲۲۰ھ میں حضرت امام احمد بن حنبل کو اسی سلسلہ میں درّے بھی کھانے پڑے' جس کا تذکرہ مختصراً درج ذیل ہے:

معتصم نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بغداد طلب کیا اور مسئلہ خلق قرآن پر بحث و مباحثہ کی ایک مجلس مناظرہ منعقد کی۔ حضرت امام کے مقابلہ میں عبدالرحمٰن بن اسحاق' قاضی احمد بن ابی داؤد اور دوسرے علماء کو کھڑا کیا۔ مناظرہ تین دن تک مسلسل چلتا رہا۔ حضرت امام کے دلائل و براہین کے سامنے سب کو عاجز اور خاموش ہونا پڑا۔ چوتھے دن بھی مناظرہ کی محفل گرم تھی کہ اسی دوران معتصم نے درّہ زنی کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی جلادوں نے کوڑے لگانا شروع کر دیا۔ شدت تکلیف سے غش کھا کر زمین پر گر پڑتے' اس کے باوجود بھی آپ نے حق سے روگردانی نہ کی اور اخیر دم تک عزیمت و ثابت قدمی پر کاربند رہے۔

marfat.com

رہائی کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے' قید کی مدت کل اٹھائیس ماہ تھی' صحت یابی کے بعد مسجد میں حاضری دینے لگے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میمون بن اصبح کا بیان ہے کہ میں بغداد میں موجود تھا کہ شور وغل کی آواز سنائی دی' لوگوں سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ امام احمد بن حنبل کا امتحان ہو رہا ہے۔ چنانچہ میں بھی وہاں جا پہنچا' جب امام صاحب کو پہلا کوڑا مارا گیا تو آپ نے کہا بسم اللہ' جب دوسرا کوڑا مارا گیا تو کہا لاحول و لا قوة الا باللّٰہ' تیسرے کوڑے پر کہا القرآن کلام الله غیر مخلوق' قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں' چوتھے کوڑے پر کہا لا یصیبنا الا ما کتب الله لنا' اللہ نے جتنی مصیبت ہمارے لئے لکھ دی ہے اتنی ہی ملے گی۔

بالآخر امام صاحب کو انتیس کوڑے لگائے گئے' آپ نے کپڑے کا ازار بند ڈال رکھا گیا۔ جو کوڑے کی ضرب سے کٹ گیا اور پائجامہ ناف کے نیچے آ گیا' آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور ہونٹوں کو حرکت دی' پائجامہ نیچے سرکنے کے بجائے ناف کے اوپر ہو گیا۔ ایک ہفتہ بعد میں نے خدمت امام میں حاضری دی اور عرض کیا کہ آزمائش کے وقت آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر ہونٹوں کو حرکت دی تھی تو اس وقت کیا پڑھا تھا: فرمایا کہ بارگاہ رب کریم میں یہ عرض کیا کہ اللھم انی اسئلك باسمك الذی ملات بہٖ العرش ان کنت تعلم انی علی الصواب فلا تھتك لی سترا۔ اے مولیٰ میں تیرے نام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں' جس سے تو نے عرش کو پُر کر رکھا ہے اگر تیرے نزدیک میں راہ راست پر ہوں تو میرا پردہ فاش نہ ہونے پائے۔

۱۹ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ ۲۲۷ھ میں معتصم انتقال ہوا۔ اس کے بعد حکومت کی باگ ڈور اس کے بیٹے واثق باللہ کے ہاتھ میں آئی۔ وہ بھی اپنے پیشتر و حکمرانوں کے نقش قدم پر چلتا رہا اور مسئلہ خلق قرآن میں کافی سختی برتی۔ بہت سے محدثین اور علماء حق کو قید و بند اور قتل کی سزائیں دیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر اور اس سے متصل مدرسہ تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

ماہ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں واثق باللہ کے انتقال کے بعد متوکل خلیفہ ہوا۔ اس نے ان باطل خیالات و اعتقادات کو جو کتاب و سنت کے خلاف تھے' روک دیا اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ابتلاء و آزمائش سے نجات دلوائی اور اعزاز و اکرام کا فرمان بھی جاری کیا اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ قرآن مخلوق نہیں' اس کی خلافت سے معتزلہ کا عروج زوال میں تبدیل ہو گیا اور اس فتنے کا اثر بالکل ختم ہو گیا۔

marfat.com

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عزیمت و پامردیٔ راہ حق میں استقامت قرآن حکیم کے نام پر شدید ترین سزائیں برداشت کرنے کے جذبے نے کام کر دیا۔ فتنہ خلق خدا قرآن دم توڑ گیا۔ آپ نے دوسروں کی طرح ''تقیہ'' اختیار نہیں کیا' کسی مصلحت سے کام نہیں لیا بلکہ ہر سزا کو رب دو عالم کا انعام سمجھتے ہوئے برداشت کیا۔ عظیم محدث اور امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی فرماتے ہیں:

''اللہ نے اس دین کو دو آدمیوں کے ذریعہ اعزاز بخشا۔ ارتداد کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں آزمائش کے وقت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ۔

آپ ۱۲ ربیع الاوّل ۲۴۱ھ بروز جمعۃ المبارک اس دنیائے فانی سے انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ستتر سال تھی۔ ایک تخمینہ کے مطابق نماز جنازہ میں نو لاکھ افراد نے شرکت کی۔

آپ کا زہد و تقویٰ انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کے فرزند ابو صالح اصفیان کے حاکمؒ تھے۔ آپ کے ایک مرید نے ان کے مطبخ میں سے خمیر لے کر روٹی تیار کی اور جب روٹی امام صاحب کے سامنے پہنچی تو آپ نے پوچھا کہ یہ اس قدر گداز کیوں ہے۔ خادم نے پوری کیفیت بتا دی تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اصفہان کا قاضی رہا ہو اس کے یہاں سے خمیر کیوں لیا۔ لہٰذا یہ روٹی میرے کھانے کے لائق نہیں رہی اور یہ کسی فقیر کے سامنے پیش کر کے پوچھ لینا کہ اس روٹی میں خمیر تو صالح کا ہے اور آٹا احمد بن حنبل کا۔ اگر تمہاری طبیعت گوارا کرے تو لے لو لیکن چالیس یوم تک کوئی سائل ہی نہیں آیا اور جب روٹیوں میں بو پیدا ہو گئی تو خادم نے دریائے دجلہ میں پھینک دیں لیکن امام صاحب کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اس دن سے دریائے دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی اور آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس چاندی کی سرمہ دانی ہو اس کے پاس بھی مت بیٹھو۔

ایک مرتبہ امام حنبل سماعت حدیث کیلئے حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور روزانہ آپ کے یہاں حاضری دیتے۔ ایک دن اتفاق سے جب آپ نہیں پہنچے تو حضرت ابوسفیان نے خادم کو بھیج کر خیریت معلوم کی اور جب خادم پہنچا تو دیکھا کہ کپڑے دھوبی کو دیئے ہیں اور خود برہنہ ہیں اور جب خادم نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے کچھ رقم لے کر لباس تیار کرا لیں تو آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ہاتھ کی تحریر کردہ ایک کتاب ہے' اس کو فروخت کر کے دس گز ٹاٹ لا دو تا کہ میں کرتا اور تہہ بند تیار کروا لوں اور جب اس نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو کتان خرید لوں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ٹاٹ کافی ہے۔

marfat.com

آپ ہمہ اوقات اللہ اللہ کا ورد جاری رکھتے اور عالم نزع میں بھی آپ کی زبان پر اللہ ہی کا نام تھا اور موت سے قبل آپ نے فرمایا کہ اے اللہ میں دنیا میں بر بنائے غفلت تیری عبادت سے محروم رہا اور اب آخری وقت میں بھی تیری عبادت سے غافل ہوں' اس کے باوجود بھی تیرے رحمت کا متمنی ہوں۔ یہ کلمات زبان پر تھے کہ روح مبارک اعلیٰ علیین کی جانب پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون٥

انتقال کے وقت جب صاحبزادے نے طبیعت پوچھی تو فرمایا کہ جواب کا وقت نہیں ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرما دے کیونکہ ابلیس لعین مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تیرا ایمان ثابت لے جانا میرے لئے باعث ملال ہے۔ اس لئے دم نکلنے سے قبل مجھے سلامتی ایمان کے ساتھ مرنے کی توقع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرما دے' یہ کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ٥

تھے امام احمد حنبل بہار بے خزاں
جملہ افکار سعادت کا مہکتا گلستاں
ان کی تربت ہو ہمیشہ مرکز فکر و عمل
جگمگائیں ان کے فرمودات مثل کہکشاں

marfat.com

صوفیائے کرام

اور

اولیائے عظام

marfat.com

تصوّف اور صوفیائے عظام

چشم فلک نے ہمیشہ دو طرح کی بادشاہی دیکھی ہے۔ ایک وہ بادشاہ ہیں جو انسانوں سے اپنی ملوکیت کا خراج لیتے ہیں۔ مظلوموں اور بے کسوں کو اپنی تیغ ستم سے ڈرا کر ان پر حکومت کرتے ہیں۔ طاقت شاہی اور جبر و تشدد کا مظاہرہ کر کے اپنی فرمانروائی کا سکہ جاری کرتے ہیں۔ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے ہر قسم کی خود غرضی' حرص و ہوس' بے انصافی اور وحشت و بربریت کو روا رکھتے ہیں۔ ان شاہان کجکلاہ کا ایک ہی مقصود ہوتا ہے کہ ان کی حکومت کسی صورت بھی غیر مستحکم نہیں ہونی چاہیئے۔ زوال کا خوف انہیں ہر لحظہ جابرانہ عزائم بروئے کار لانے پر مجبور رکھتا ہے۔

ان گردن فرازانِ جہاں کے مقابلے میں دوسری بادشاہی ان درویشانِ خدا مست کی ہوتی ہے جو وحشت و بربریت کے صحراؤں میں محبت کے گلاب اُگاتے ہیں۔ ظلم و ستم کی چکی میں پستے ہوئے مظلوم انسانوں کو صبر و قرار کی دولت عطا کرتے ہیں۔ کفر و ضلالت کے ظلمت کدوں میں ایمان کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ اجڑے ہوئے شہروں اور ویران ملکوں کو زندگی کا پیغام عطا کرتے ہیں۔ جبر و تشدد اور خود غرضی کی مسموم فضاؤں میں روحانی لطافتوں کی خوشبو تقسیم کرتے ہیں۔ بندوں کو خدا سے ملا کر انہیں آلائش دنیا اور حرص و ہوس سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

دنیاوی سلاطین انسانوں پر حکومت کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کی حکومت انتہائی عارضی اور ناپائیدار ہوتی ہے۔ یہ جسموں' شہروں اور ملکوں میں حکومت کرتے ہیں مگر عوام کے دل و دماغ ان کے احترام سے بے نیاز ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام شہروں میں نہیں بلکہ دلوں اور ذہنوں پر حکومت کرتے ہیں اور تاریخ شاید ہے کہ ہمیشہ اسی حکمران کی سلطنت کو پائیداری نصیب ہوتی ہے جس کے اقتدار کا تعلق عوام الناس کے ذہنوں سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا پر قبضہ و اختیار رکھنے کا دعویٰ کرنے والے شہنشاہوں کا اقتدار حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے مگر ان صوفیائے عظام کا قبضہ و اختیار کی کوئی حد نہیں ہے اور ہر آنے والا دن ان کی روحانی شان و شوکت اور فیض ایمانی کے عام ہونے کا پیغام لے کر آتا ہے۔

marfat.com

ان صوفیائے کرام کا دلوں پر قبضہ عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوتا ہے۔ یہ تلواروں سے نہیں بلکہ نگاہوں کی قوت تسخیر سے دلوں کو فتح کرتے ہیں۔ ان کی زندگیاں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف ہوتی ہیں اس لئے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین مصطفوی کی خاطر جس طرف جاتے ہیں' نصرت ایزدی ہر گام پر ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ فقر غیور ان کا شعارِ زندگی اور صدق وخلوص ان کا سرمایہ ہوتا ہے۔ محبت خدا ان کا اعزاز اور اطاعت رسول ان کا افتخار ہوتی ہے۔ یہ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے جیتے ہیں اور خدمت خلق خدا کو اپنا منصب سمجھ کر عالم انسانیت کو فلاح دارین کی منزل کی جانب گامزن کرنے کے لئے مصروف عمل رہتے ہیں۔

یہ نفوسِ قدسیہ روحانیت کے علمبردار اور تصوف کی عظمتوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اُمت اسلام پر تصوف کے احسانات کا تذکرہ بلاشبہ اعترافِ حقیقت کے مترادف ہے۔ اس دور میں جبکہ بادشاہوں نے اقتدار کو اپنے گھر کی باندی سمجھ کر مخلوقِ خدا پر ظلم وتشدد کے سائے پھیلا دیئے تھے' یہ اصحاب تصوف ہی تھے' جنہوں نے ان ظالم و قاہر سلاطین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُنہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا اور احساس دلایا کہ اقتدار ڈھلتی چھاؤں ہے اور زیر دستوں پر ظلم وستم کرنے والا بہت جلد خدا کے غضب کی زد میں آ جاتا ہے۔

تصوف حقیقت میں عین اسلام ہے کیونکہ اصحاب تصوف نے جس طور خلق خدا کی راہنمائی فرمائی' وہ ہر لحاظ سے اسلام کی تعلیمات کا راستہ ہے۔ آج کا مادیت پسند ظاہر بین تصوف پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے عجمی سازش سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ اسلامی تصوف مکمل طور پر شعائر اسلام اور شریعت محمدی کی بالاتری کا دوسرا نام ہے اور اس کا مقصد اولیٰ ہی یہی ہے کہ فرزندانِ اسلام کو محض گفتار کا غازی نہ بنایا جائے بلکہ شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تقاضوں سے آشنا کیا جائے۔ تصوف کی اصطلاح اور اس کے اسلامی عملی پہلوؤں پر غور کرنے کیلئے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات بطور خاص مطالعہ کے قابل ہیں۔

آپ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

''ایک جماعت تو کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ روزِ قیامت صف اوّل میں ہوں گے۔ ایک گروہ اس طرف گیا کہ صوفی وہ کہا جا سکتا ہے جو اصحاب صفہ کے ساتھ محبت ولا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے۔ یعنی جس کے اندر باہر صفائی

marfat.com

ہے وہ صوفی کہلانے کا حق دار ہے۔ اگر چہ بلحاظ طریقت ان توجہات سے بہت سے لطائف حاصل ہو سکتے ہیں لیکن آخری طبقہ کی تعریف کے اعتبار سے لغوی معنی اس کے علیحدہ ہی نکلیں گے"۔

(کشف المحجوب، ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ص ۱۱۳، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور)

انسانیت کیلئے سب سے بڑا نمونۂ ہدایت آقا و مولیٰ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کہ جن کا اسوۂ عالی قرآن کی ابدی صداقتوں کا شارح ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب آپ کے اسوۂ عظیم میں یوں ڈھل گئے کہ ان کا وجود سیرت مصطفےٰ کا ترجمان نظر آتا ہے۔ یہ اصحابِ رسول چار دانگ عالم میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا ذریعہ بن گئے۔ ان کیلئے سب سے بڑا معیار حق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی کہ جن کے کردار کو خدائے کریم نے ہمیشہ کیلئے باعث تقلید قرار دے دیا تھا۔

ان اصحاب رسول میں سے ایک گروہ بطور خاص خود کو تبلیغ دین اور ترویج تعلیمات مصطفےٰ کیلئے وقف کر چکا تھا۔ اس مقدس گروہ سے تعلق رکھنے والے اصحاب زیادہ سے زیادہ حضور کی صحبت میں بیٹھتے اور حکم مصطفےٰ کی تعمیل میں مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترہ پر بیٹھ کر ارشادات خدا و مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ ان کا لباس انتہائی سادہ ہوتا' ان کے کپڑوں میں اس قدر پیوند ہوتے تھے کہ مزید پیوند لگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی۔ کھانا میسر آ جاتا کھا لیتے' ورنہ پیٹ پر پتھر باندھ کر اور پانی پی کر گزارا کرتے۔ آندھیاں چلتیں' طوفان آتے' موسم اپنی شدت دکھاتا مگر یہ سرمست عشاق ہر قسم کے گرم و سرد سے بے نیاز ہو کر تبلیغ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ انجام دیتے۔ دوسرے صحابہ انہیں رشک کی نگاہوں سے دیکھتے اور ان کی روحانی مقامات کی مزید سربلندیوں کیلئے دعا کرتے۔ یہی وہ چبوترہ نشین' فاقہ کش درویش و مستغنی مبلغین اسلام تھے' جنہیں دنیا اصحاب صفہ کے نام سے یاد کرتی ہے اور جن کا روشن کردار ہر دور کے اصحابِ تصوف کیلئے شمع عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام ایک مکمل دین فطرت۔ اس کی تعلیمات ابدی اور ہمیشہ کیلئے ہے۔ اسلامی اور قرآنی تعلیمات کو ہر زمانے کے طالبانِ شوق تک پہنچانے کیلئے فی الواقع ایسے اصحاب عمل کی ضرورت تھی جو اپنی زندگیاں خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف کر کے تبلیغ اسلام کا عملی مظاہرہ کریں۔ قرآن اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ:

"تم میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائے' اچھی بات کا حکم

marfat.com

دے اور برائی سے روکے، پس یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے"۔

(پارہ لن تنالوا، سورہ آل عمران، آیت ۱۰۴)

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ ایسا گروہ اصحاب تصوف کا گروہ ہے، جس نے ہر عہد میں اُمت اسلام کو برائی سے بچانے، جابر حکمرانوں کو للکارنے، نیکی کی ترغیب دینے اور شعائر اسلام کی پابندی کرنے کا نمونہ پیش کیا ہے۔ یہی طبقۂ فکر ہے جس نے تصوف کے نام پر اہل ایمان کی عملی وفکری راہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔

تصوف کا مقصود کس حد تک خلق خدا کی رہبری اور راہنمائی تھا اور یہ کس طور قلب و روح کو ایمان کی لطافتوں سے ہمکنار کرتا ہے اس کا اندازہ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول مبارک سے ہو جاتا ہے۔ یہی وہی سیدنا جنید بغدادی ہیں کہ جو اولیاء کے سرتاج ہونے کی بناء پر "سید الطائفہ" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کا انداز فکر ملاحظہ کیجئے:

"تصوف مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا، بشری صفات (مذمومہ) سے علیحدگی اختیار کرنا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علوم حقیقی سے تعلق رکھنا، ہر لحظہ ایسے کام بجالانا جو اولیٰ و افضل ہوں، تمام اُمت محمدیہ کی خیر خواہی کرنا، حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنا ہے"۔ ("رسالہ قشیریہ" و شیخ ابوالقاسم قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی)

اس سلسلے میں پیر پیراں غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد دلوں کو تصوف کی حقیقی پہچان عطا کرتا ہے۔ غوث الاعظم اپنی تصنیف لطیف "فتوح الغیب" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت ابراہیم علیہ السلام، رضائے اسحٰق علیہ السلام، صبر ایوب علیہ السلام، مناجات زکریا علیہ السلام، غربت یحییٰ علیہ السلام، خرقہ پوشی موسیٰ علیہ السلام، تجرد عیسیٰ علیہ السلام اور فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

(فتوح الغیب شیخ عبدالقادر جیلانی۔ ترجمہ سید محمد فاروق القادری۔ مطبوعہ المعارف لاہور)

عظیم مؤرخ اور صاحب فضیلت ابن خلدون کی رائے بھی ملاحظہ کیجئے۔

"تصوف کے مقاصد اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادت الٰہی میں جاں کھپائے، پوری طرح اللہ کا ہو جائے اور دنیا اور دنیا کی لغویات اور خرافات سے بالکل منہ موڑ لے، عام دنیا دار جن چیزوں پر مٹے ہیں یعنی لذات دنیویہ اور حب مال و جاہ سے قطعی کنارہ کش ہو جائے، عبادت کیلئے عزلت نشینی

marfat.com

اور گوشہ نشینی پسند کرے"۔

(مقدمہ ابن خلدون ترجمہ سعد حسن خاں یوسفی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

دنیائے تصوف کی ان نامور ہستیوں کے ارشادات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح تر ہو جاتی ہے کہ تصوف اسلام کے خلاف نہیں بلکہ یہ عین اسلام ہے اور صوفیائے کرام کا وہی مقصود و مدعا رہا ہے جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے۔ یہ مکمل طور پر اسلامی تصوف ہے اس کا کسی عجمی تصوف یا قبل از اسلام کی باطل اصطلاحات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اس صراط مستقیم کی ہے، جس پر چل کر طالبانِ شوق خوشنودیٔ خداوندی کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ تصوف کے پیش نظر فقط اور فقط شریعت محمدی کی بالاتری اور اسلام کا حقیقی نفاذ ہے"۔

تصوف پر شریعت کو کس طور پر بالاتری حاصل ہے اس کا اظہار سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول مبارکہ سے ہوتا ہے۔

"اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہو پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا۔ یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی کی پابندی' حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی پاسداری میں کیسا ہے"۔

(رسالہ قشیریہ۔ امام ابوالقاسم القشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۴۲۔ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی)

یہ تصوف ہر لحاظ سے تعلیماتِ اسلامی سے عبارت اور شریعت مطہرہ سے فیضیاب ہے۔ اس کی اساس فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وہ فقر کہ جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لئے پسند فرماتے ہوئے "الفقر فخری" کا پیغام اپنے عشاق سرمست کے دلوں پر نقش کر دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ سلاطین عالم تھے' زینت ارض و سما تھے' قاسم انعامات ربانی تھے' دین و دنیا کی ان انتہائی سربلندیوں پر فائز تھے کہ جہاں تک فکر و تخیل کی رسائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر اس تمام تر شوکت و جلالت کے باوجود آپ نے یہ دعا فرما کر دنیا بھر کے بے بسوں' لاچاروں کے آنسو پونچھ دیئے کہ:

"اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھ اور مسکینی میں وفات دے اور مسکینوں کے ساتھ مجھے اُٹھا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ نے فقر کو متاعِ عزیز سمجھ کر سینے سے لگا لیا۔ بعد کے ادوار میں تابعین اور پھر تبع تابعین نے تصوف کو فقر کی حقیقی شان کے ساتھ قبول کیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ فقر نے تصوف کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ جب ہم تصوف کو دل میں

marfat.com

جگہ دینے لگتے ہیں تو ذہن وفکر میں ایسے صوفیٔ باصفا کا تصور اُبھرتا ہے جو لذات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر بندگان خدا کو عرفانِ خدا کی دولت عطا کر رہا ہے۔ اسی بناء پر حضرت سہل بن عبد اللہ تستری صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''صوفی وہ ہے جو ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہو' ہمہ تن غور وفکر ہو' مخلوقِ خدا کو چھوڑ کر اللہ ہی کا ہو گیا ہو اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلہ یکساں ہو''۔

اس کائنات کا ہر لحاظ سے حسین اور مثالی دور وہ تھا جو حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کی بدولت بزم ہستی کو میسر آیا۔ یہ دور جملہ تواریخ عالم میں سب سے بلند مقام اور اہمیت کا حامل ہے کہ اس امی لقب دانائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیرت وکردار کی روشنی سے وقت کے ظلمت کدوں کو سراپا روشنی بنا دیا۔ یہ دور بھی کس قدر خوش بخت تھا کہ اس کی مقدس ساعتوں نے اس ہستیٔ والا صفات کے حسن جہاں افروز کے جلوے دیکھے ہیں کہ آج جس کا نام لینے سے نبض ہستی تپش آمادہ ہونے لگتی ہے۔ خوش قسمت تھے وہ عشاق کہ جنہیں سرور دو عالم کی نگاہ کرم کی جگمگاہٹ میسر آئی اور وہ ''صحابہ'' کے لقب سے بہرہ ور ہو کر مطلع ایمان پر ستاروں کی صورت روشنی بکھیرنے لگے۔

ملت اسلام پر آزمائش کا دور اس وقت آیا' جب خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد مسلم ریاست پر ملوکیت کے بھیانک سائے منڈلانے لگے۔ امویوں کے بعد عباسی آئے مگر چند مثالوں کو چھوڑ کر مجموعی طور پر شہنشاہت کا نقشہ نظر آتا تھا۔ کہنے کو تو یہ حکمراں خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے مگر یہ مطلق العنانی' آمریت اور جبر وقہر کی تصویر تھی۔ عوام الناس تو کجا خواص کی بھی جرات نہیں تھی کہ ان حکمرانوں کے کسی فعل کی مذمت کر سکیں۔ اختلاف رائے کا صلہ بدترین موت تھی۔ آہستہ آہستہ دوسرے امورِ ریاست کی طرح ان حکمرانوں نے مذہب کو بھی گھر کی لونڈی سمجھ لیا کہ جو معانی اور مفاہیم چاہے مراد لے لیں۔ ان حکمرانوں کو سب سے زیادہ خطرہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لاحق تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے بیشتر افعال شریعت اور تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرتے ہیں۔ اپنے مذموم مقاصد کی ترویج اور مطلب براری کیلئے انہیں ایسے علمائے سو بھی میسر آنے لگے جو ان کے ہر فعل کو جائز اور درست قرار دینے کیلئے دوراز کار تاویلات کے انبار لگا دیتے تھے۔ اس طرح بہت جلد وہ سانحہ پیش آ گیا جسے دین و دنیا کی جدائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاہانِ وقت نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ دین کا تعلق فقط عبادات سے ہے اور

marfat.com

عبادات کا تعلق مساجد سے ہے۔ اس طرح ان کے محلات اور پُر شکوہ دربار دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کڑے احتساب سے ماورئ ہیں۔ خلافت میں نیابت رسالت کا تصور ختم ہو گیا' بیت المال کو ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا۔ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پارا پارا ہو کر رہ گئی۔

ایسے پُر آشوب عالم میں تصوف کی تحریک پورے روحانی جلال اور ایمانی شکوہ کے ساتھ اُبھری اور صوفیائے کرام نے وہ شاندار کردار ادا کیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان بندگانِ خدا نے ایک طرف خلق خدا کو بیدار کیا اور انہیں احساس دلایا کہ شریعت و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر ہم اجتماعی بربادی کو دعوت دے رہے ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے شاہانِ وقت "کجکلاہانِ بدمست" سلاطین و خلفاء اور امراء کو ان کی مذہبی و دینی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور انہیں باور کرایا کہ وہ کسی لحاظ سے بھی عام انسانوں سے برتر نہیں ہیں بلکہ خلیفہ کے منصب پر فائز ہونے کی بناء پر وہ ہر لحاظ سے شریعت رسول کے کڑے احتساب کی زد میں ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دکھی اور ملول انسان ان اصحاب طریقت کی طرف لپکے اور ان کی تعلیمات میں اپنے دکھوں کا مداوا تلاش کرنے لگے۔ اس دور کی تواریخ اور ان بزرگوں کے حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ تصوف اہل اسلام کو پھر اس زمانے کی طرف لے جانا چاہتا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا اور جس زمانہ کی سعادتوں' برکات اور بلندیوں سے بڑھ کر کسی اور دور کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ راہ تو وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول ہو اور وہ ان دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شبہے کے گڑھوں میں گرے' نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے"۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۸)

اس دور میں اہل تصوف کی تحریک کو ناکام بنانے کیلئے بعض حلقوں کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی۔ علمائے سوء نے بطور خاص تصوّف کے مقام کو گرانے کیلئے اسے دنیا سے فرار اور رہبانیت قرار دیا۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو صوفیائے کرام خانقاہوں سے نکل کر رسمِ شبیری ادا نہ کرتے۔ مشہور مستشرق پروفیسر ایچ اے آر گب کو بھی برملا اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ:

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی"۔

marfat.com

(بحوالہ تاریخ مشائخ چشت خلیق احمد نظامی ص ۱۰)

صوفیائے کرام نے کس طرح سے خلق خدا کو عرفانِ خدا بخشا اور حکمرانوں کو کس طور رعایا کے حقوق کا ذمہ دار ہونے کا احساس دلایا' اس کا اندازہ تاریخ اسلام میں جگمگاتے ہوئے حقائق سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ ان محترم اور برگزیدہ بندگانِ خدا کے نزدیک فقط خدا اور رسول خدا کی حیثیت مسلّم تھی اور انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر بھی عظمت اسلام اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔

غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تمام سلاسل طریقت کے نزدیک انتہائی مقدم ہے۔ آپ کی حیثیت جملہ اولیاء میں وہی ہے جو ستاروں کے درمیان چاند کی ہوتی ہے۔ آپ کے مواعظ میں طالبانِ حقیقت نہایت کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتے تھے بعض اوقات یہ تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ عباسی خلفاء بھی کہ جن کی حکومت روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہی تھی' آپ کے مواعظ سے فیضیاب ہونے کیلئے ہجوم میں شامل ہوتے۔ غوث الاعظم کی نگاہ ان پر پڑ جاتی تو آپ کا لہجہ یکا یک سخت ہو جاتا' آواز پہلے سے بلند ہو جاتی اور نہایت پُر زور لہجے میں حکمرانوں کو ڈانٹتے۔ عباسی خلفاء سنتے' دل پر اثر ہوتا تو روتے روتے آپ سے اصلاح کے طالب ہوتے۔ آپ کسی قسم کی مرعوبیت کے بغیر زور دار انداز کے ساتھ انہیں تنبیہ فرماتے۔ خلفاء اور امراء زر و جواہر اور جاگیروں کی صورت میں شاہی احکام آپ کے لنگر کیلئے بھیجتے مگر آپ یہ کہتے ہوئے ان شاہی فرمانوں کو چاک کر دیتے کہ لنگر خلق خدا کا ہے اور خدا ہی اس کے اسباب کا ضامن ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خلفاء کی طرف سے مسلسل ستایا گیا اور ایذائیں دی گئیں۔ ان کا قصور یہ تھا کہ یہ حکمرانوں کو احساس دلاتے تھے وہ خدا کی عام سی مخلوق ہیں اور انہیں انصاف' ایمان' قرآن اور سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہنا چاہیے' ورنہ وہ خدا کے نزدیک انتہائی سخت سزا کے حق دار ہوں گے۔

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ مغل تاجدار اکبر اور جہانگیر اسلامی شعائر سے کھیل رہے ہیں اور دین مصطفوی کی سر عام توہین ہو رہی ہے تو آپ میدانِ عمل میں اُتر آئے' خانقاہ سے نکلے اور وقت کے باجبروت شہنشاہوں سے ٹکر لی۔ حتیٰ کہ راہِ حق پر چلتے ہوئے قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا مگر کوئی سختی بھی آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی اور بالآخر شوکت اسلام کا پھریرا چاروں طرف لہرا کر ہی رہا اور جلالِ بادشاہی کو

marfat.com

درویش باصفا کے قدموں میں جھکنا ہی پڑا۔ جہانگیر کی حضرت مجدد الف ثانی کے حضور ندامت و شرمساری محض ایک بادشاہ کے اقتدار کی شکست نہ تھی بلکہ یہ اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرنے اور ''انا و لا غیری'' کا جھوٹا نعرہ بلند کرنے والے باجبروت شاہانِ عالم کی اصحاب تصوف کے مقابلے میں شکست فاش تھی۔

علامہ اقبال نے اسی لئے حضرت مجدد کو خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
ہے جس کے نفس گرم سے گرمیٔ احرار

حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مغل شہنشاہ نور الدین جہانگیر اور شہاب الدین شاہجہاں حاضر ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ جہانگیر نے آپ کو بڑے اصرار سے اپنے ہاں بلایا اور نصیحت کا طالب ہوا۔ آپ نصیحتیں کر چکے تو وہ کہنے لگا آپ کچھ مانگئے' جو مانگیں گے دے دوں گا''۔ آپ نے فرمایا ''کیا واقعی دے دو گے''۔ اس نے کہا 'بسر و چشم''۔ اس پر آپ نے فرمایا ''میری خواہش ہے کہ مجھے رخصت دے دے''۔ یہ فرمایا اور لاہور واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح شاہجہان بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور آپ کے نصائح سے بہرہ ور ہوتا رہا۔

علامہ اقبال ''اسرارِ خودی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''شاہجہان گولکنڈہ اور بیجا پور کی فتح کیلئے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور میں برائے دعا حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے مریدین بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے اس موقع پر خاموشی اختیار کی۔ اتنے میں ایک مفلوک الحال شخص حاضر ہوا' جس نے ایک چاندی کا سکہ نذرانہ پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت یہ میری حلال کی کمائی ہے''۔ آپ نے فرمایا ''میں بھکاری نہیں ہوں غنی ہوں' جس کا اللہ ہو وہ بھکاری نہیں ہوتا' پھر فرمایا یہ سکہ بادشاہ کی نذر کر دو کہ وہ بھکاری ہے اور سارے ہندوستان کے خزانوں کا مالک ہونے کے باوجود حریص اور لالچی ہے اور ناحق مخلوق خدا کو قتل کرانا چاہتا ہے''۔

ان اصحاب تصوّف کی اس حق گوئی اور صداقت کے پس پردہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کارفرما تھی کہ:

''سب سے بڑا جہاد جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے''

جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا اور ملوکیت کو آداب اسلام سکھانا خود کو موت کے حوالے

marfat.com

کر دینے کے مترادف ہوتا ہے مگر یہ اولیائے کرام پر آزمائش سے گزر کر سرخرو رہے۔ انہوں نے فقر کو اپنا ملبوس حیات بنایا اور کبھی دنیاوی آلائشوں اور مادی مصلحتوں کی پرواہ نہ کی۔ بادشاہوں کو اپنے جبر و تشدّد پہ ناز تھا جبکہ اہل اللہ کو اپنی بوریا نشینی عزیز تھی۔ یہ جانتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کو اپنا افتخار قرار دیا ہے۔

داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فقیر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''فقیر وہی ہے جو اپنے پاس علل و اسباب سے کچھ نہ رکھے اور اس کے طمانیت قلب میں اس نہ ہونے سے کچھ خلل واقع نہ ہو اور اسباب کو دیکھ کر غنی نہ ہو اور اسباب نہ ہوں تو ان کی طرف احتیاج محسوس نہ کرے۔ گویا اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کی نظر میں مساوی ہو بلکہ اسباب ظاہری نہ ہوں تو اسے فرحت زیادہ ہو۔ یہ بلند مرتبہ ہے یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام نے فرمایا کہ درویش جس قدر تنگ دست ہو اس کیلئے مفید ہے تا کہ حقیقت توکل و شان رزاق کے راز کا اس پر انکشاف ہو۔ اس لئے کہ درویش کیلئے علائق دنیاوی جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کو نقصان ہو گا۔ غرضیکہ محبوبانِ الٰہی کی زندگی محض الطاف خفی اور اسرارِ بے نیازی کے ساتھ وابستہ رہنا ہی بہتر و افضل ہے''۔ (کشف المحجوب' حضرت سید علی بن عثمان ہجویری، ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری' ص ۹۷، ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور)

اہل تصوّف نے فقر کی عظمتوں کو یوں دل و جان میں جگہ دی کہ شہنشاہی رعب و داب' امراء کی پیشکشوں اور اہل دول کے تحائف سے بے نیاز ہو گئے۔

علامہ اقبال نے اسی کیفیت فقر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:

نگاہِ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے مجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اہل تصوف اپنی متاع فقر کو کس قدر عزیز رکھتے ہیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے' جب سلطان محمود غزنوی فتح ہندوستان کے دوران میں مسلسل کشور کشائی کرتا اور نصرت و کامیابی کے پرچم لہراتا آگے بڑھ رہا تھا تو ایک سخت مقابلہ سے پہلے اسے کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہوئی وہ ایک مستجاب الدعوات ولی اللہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں دعا کیلئے

marfat.com

حاضر ہوا۔ حضرت نے دعا بھی فرمائی اور اپنا کرتا بھی عنایت فرمایا کہ جب وقت مشکل آئے تو اس کرتہ کے حوالے سے دعا کرنا۔ سلطان محمود نے اشرفیوں کی ایک بڑی تھیلی حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے لینے سے انکار کر دیا' جب سلطان نے شدید اصرار کیا تو آپ نے اپنے پاس پڑی ہوئی سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا سلطان کو دیا اور کہا کہ اسے کھا لو۔ سلطان نے وہ ٹکڑا منہ میں ڈالا' چبانے اور نگلنے کی کوشش کی مگر وہ سوکھا ٹکڑا چبایا نہ جا سکا۔ کافی دیر اسی کشمکش میں گزر گئی۔ ٹکڑا چبایا نہیں جاتا تھا اور وہ ادب کے مارے تھوک بھی نہیں سکتا تھا۔ سلطان کا یہ حال دیکھ کر شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ خرقانی فرمانے لگے:

''اے سلطان جس طرح یہ ٹکڑا کوشش کے باوجود تمہارے حلق سے نیچے نہیں اُترتا' اسی طرح ہم درویشوں کیلئے مالِ شاہی برداشت کرنا محال ہو جاتا ہے۔ یہ زر و مال رعایا کا حق ہے اسی پر خرچ کرو''۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک حاجت مند حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس وقت کے سلطان کے نام سفارشی چٹھی مانگی۔ وہ سلطان حضرت بابا صاحب سے عقیدت رکھتا تھا۔ بابا صاحب نے حاجت مند کو پہلے تو ٹالا مگر جب وہ نہ مانا تو اس مفہوم کی چٹھی سلطان کے نام لکھی کہ:

''اے سلطان! یہ ضرورت مند ہے اگر تو اس کا کام نہیں کرے گا تو خدا کے ہاں جواب دہ ہوگا اور اگر اس کام کو کر دے گا تو اس کام کا انجام دیا جانا منجانب اللہ ہوگا''

گویا اس عبارت کے ذریعے آپ نے سلطان کو باور کرایا کہ خلق خدا کے کام آنا' اس کا فرض اوّلین ہے۔ ان صوفیاء کا عمل ان کے صدق و خلوص کا آئینہ دار تھا اور ان کے الفاظ تقدیر خداوندی میں ڈھل کر دلوں میں اثر کرتے تھے۔

سچ ہے کہ:

نے تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

آج جب ہم اطراف و اکناف عالم میں تبلیغ اسلام کا اندازہ لگاتے ہیں تو بے اختیار ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کی دنیا بھر میں تبلیغ و اشاعت کا فریضہ سب سے زیادہ ان صوفیاء نے ہی انجام دیا ہے۔ مسلمان سپہ سالاروں اور فاتحین اسلام کی کاوشیں بھی لائق صد تحسین ہیں مگر ان فاتحین کی

marfat.com

حیثیت آندھی اور طوفان کی سی تھی کہ جس کی آمد تو انتہائی شدت کی ہوتی ہے مگر وہ بہت جلد اپنے اثرات چھوڑ کر رخصت ہو جاتی ہے۔ ان مسلم فاتحین کے مقابلے میں یہ صوفیا کسی خلیفہ یا سلطان کے حکم کے پابند نہ تھے۔ یہ تو فقط رضائے الٰہی کی خاطر دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کیلئے نکلے تھے۔ یہ جہاں گئے وہاں انہوں نے مستقل بسیرا کر لیا۔ عوام کے دل جیتے' ان کے ذہنوں کو اپنے کردار سے تسخیر کیا۔ قال اللہ اور قال الرسول کی مقدس محافل جمائیں۔ عوام کے فکر و عمل کو اپنی محبت بے کراں کی خوشبو بخشی۔ یہ ان کے بے مثال کردار کا کمال تھا کہ جو ایک بار ان کی محفل میں آیا' وہ ہمیشہ کیلئے ان کا ہو کر رہ گیا۔

تصوّف کو اسلام اور شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کرنے کیلئے اعتراض کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں صوفیاء کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس کے جواب میں مشہور صوفی بزرگ ابوالنصر سراج کی یہ رائے خاص اہمیت کی حامل ہے:

''ہم اللہ کی توفیق سے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک سے مشرف ہونے کی ایک اپنی عزت اور خصوصیت ہے اور جن نفوس قدسیہ کو یہ سعادت حاصل رہی انہیں صحابی کے نام سے ہٹ کر کسی اور نام سے موسوم کرنا تو کسی طرح بھی مناسب نہیں اور کیا آپ پر عیاں نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زاہدوں' عابدوں' اللہ پر توکل کرنے والوں' فقراء' مجاہدہ نفس کرنے والوں اور صابروں کے امام تھے اور انہوں نے جو مقام بلند مقام صحابیت حاصل کیا' وہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہی کا اثر تھا' اس لحاظ سے صحابی رسول ہونا خود سب احوال سے بڑھ کر ہے اور اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں اور ایسی صورت میں صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور نام سے یاد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسی بناء پر صحابی کو صوفی کے نام سے نہیں موسوم کیا گیا''۔

(کتاب اللمع از شیخ ابوالنصر سراج ترجمہ سید اسرار بخاری ص: ۵۳۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور)

اس کے بعد مصنف نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بیان کی ہے کہ جنہوں نے بعض صحابہ کا زمانہ پایا تھا' یہ درج کیا ہے کہ انہوں نے طواف کعبہ کرنے والے صوفیوں کو دیکھا ہے جو مال و زر سے مستغنی تھے۔

ایک ایک درویش اور متوکل علی اللہ صوفی کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اس قدر کثیر تعداد میں مسلمانوں کی جمعیت کیسے پیدا کر لی۔ غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست ہر جمعہ سینکڑوں کفار حلقہ بگوش اسلام ہوتے تھے۔

marfat.com

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تاریخی صداقت موجود ہے کہ آپ نے نوّے لاکھ کافروں کو مسلمان کیا۔ اسی طرح خواجہ قطب الدین بختیار کاکی' حضرت بابا فرید الدین گنج شکر' حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء' مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رحمۃ اللہ علیہم) سمیت بے شمار صوفیائے اسلام کی مبلغانہ کاوشوں کا ہر سطح پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کو مرکز بنا کر جس طرح پنجاب کو شمعِ اسلام کی روشنی سے منور کر کے بے شمار غیر مسلموں کو دامن توحید میں آباد کر دیا' وہ اپنی جگہ ایک مکمل ایمان آفریں حقیقت ہے۔ دوسرے ممالک اور علاقوں کی طرح برصغیر پاک و ہند میں اسلام بالخصوص اولیاء اللہ کی تعلیمات کی بدولت پھیلا ہے۔ یہ صوفیائے کرام طویل مواعظ اور طولانی تقاریر سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ ان کی اصل قوت ظاہر و باطن کی یکسانیت تھی' ان کی نگاہ اس قدر کیمیا اثر ہوتی تھی کہ جس پر پڑ جاتی اسے توحید کے عملی تقاضوں سے آگاہ کر دیتی۔ صوفی کی اس صفت خاص کے بارے میں داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت ذوالنون مصری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''صوفی وہ ہے جب کلام کرے تو اس کا کلام اس کے حال کی حقیقت کا مظہر ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس میں نہ ہو اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کے حال کی ترجمان ہو' اور علائق دنیاوی سے بے تعلقی کا ثبوت اس کے اعضاء سے واضح ہو۔ گویا گفتار صوفی اس کے حسب حال ہو اور کردار صوفی میں شانِ تجرید اس قدر ہو کہ قطع دنیا واضح نظر آئے۔ غرضیکہ اگر وہ کلام کرے تو ایسا کہ سب اس پر صحیح اُتر آئے اور سچ نظر آئے اور خاموش رہے تو خاموشی سے اس کے فقر کی ادائیں نظر آئیں''۔

(کشف المحجوب تصنیف ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری۔ مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ص ۱۲۱، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور)

صوفیائے کرام کے نزدیک فقر کی کیا اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ حضرت ابراہیم احمد غواص علیہ الرحمۃ کے اس قول سے ہوتا ہے:

''فقر عزت کا لباس' انبیاء علیہم السلام کا پہناوا' صالحین کا پیراہن' متقین کا تاج' مومنین کا جمال' عارفین کا سرمایہ' مریدین کی آرزو' اطاعت گزاروں کا قلعہ' گنہگاروں کا زندان' گناہوں کا مٹانے والا' نیکیوں کو بڑھانے والا' درجات بلند کرنے والا' منزل تک پہنچانے والا' اللہ کی خوشنودی کا باعث اور بندوں کی عزت کا باعث ہے''۔

marfat.com

(کتاب اللمع' از شیخ ابونصر سراج۔ مترجم: سید اسرار بخاری ص ۸۴، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور)

اس قولِ حسین کے پس پردہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک جلوہ گر نظر آتا ہے:

''بندے کیلئے فقر کے گہنے سے بڑھ کر کوئی خوبصورت گہنا نہیں''۔

جب کوئی صاحب ایمان تصوّف کے کٹھن مراحل سے گزر کو مقبول بارگاہ خداوندی ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی زندگی اہل کائنات کیلئے نمونۂ عمل بن جاتی ہے۔ وہ ہمہ تن رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے اور کوئی ایسا فعل انجام نہیں دیتا جو خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے منافی ہو۔ جوں جوں اس کے روحانی مراتب و مدارج میں اضافہ ہوتا ہے اس کا سر بارگاہ ایزدی میں فرطِ امتنان وتشکر سے ہمہ وقت جھکے رہنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کے انعامات کو اپنی عبادات کا صلہ نہیں بلکہ خدا کی عطائے خاص سمجھتا ہے۔

حضرت ذوالنوں مصری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

''عارف کی تین نمایاں خصوصیات ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ اس کے سینے میں جب شیخ معرفت فروزاں ہوتی ہے تو وہ پرہیز گاری کے چراغ کو بجھا نہیں دیتی۔ دوسری یہ کہ وہ کسی ایسے باطنی علم کا قائل نہیں ہوتا جو اسے ظاہری احکام شریعت کی پابندی سے روکے اور تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات واکرامات کی کثرت اسے حرام چیزوں کے قریب بھی نہیں جانے دیتی''۔

اہل تصوّف کو ہم جس نام سے چاہے پکاریں' عارف خدا کہیں یا زاہد بے ریا' مومن باصفا کہیں یا فقیر گردوں نوا یہ حقیقت بہر حال واضح رہے کہ ان کا منتہا و مقصد فقط خوشنودئ خدا و رسول ہے۔ اور وہ اس حقیقت سے بجا طور پر بہرہ ور ہیں کہ اس خوشنودی کا حصول قرآن وسنت کے احکامات کی بجا آوری کے بغیر ممکن نہیں۔ انہوں نے تعمیل قرآن وسنت کو عملی طور پر یوں سچ کر دکھایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے انعامات واکرامات خداوندی کے مظہر بن گئے اور ان کی بدولت ہر ممکن روحانی و باطنی سربلندیوں کا ظہور اس طرح ہوا کہ چشم ہستی حیران رہ گئی۔ کردار اور گفتار میں اللہ کی برہان بن کر انہوں نے گمراہ بندگان خدا کو عرفانِ ذات خدا عطا کر دیا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

marfat.com

فطرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

تصوّف ایک اصطلاح ہی نہیں ایک تحریک بھی ہے جو صدیوں سے زنگ آلود ذہنوں کو روح کی بالیدگی عطا کر رہی ہے لیکن کوئی تحریک کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو' یہ تمام و کمال وقت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ تصوّف کی دنیا میں بعض ایسے عناصر گھس آئے جنہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا کرنا شروع کر دی' دنیا سے فرار اور گریز کو مذہب کا نام دے دیا اور مجاز پرستی کے پردے میں تلاش حقیقت کے فسانے تراشنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوّف کی مقبولیت میں کمی واقع ہونے لگی اور بعض حضرات نے تصوف کو اسلام کے خلاف ایک سازش کا نام دے دیا۔ بعض نے تصوّف کی اقسام گنوانا شروع کر دیں۔ حالانکہ ان اقسام کا تصوف سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اکابر صوفیا نے اپنے اپنے دور میں تصوّف کی پاکیزگی کو مجروح کرنے والی برائیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ آخری دور میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کی مساعی اسی نوعیت کی ہیں۔ بلند فکر اصحاب تصوّف نے واضح کیا کہ جو تصوّف شریعت سے ہٹ کر ہو اس کا روحانیت یا تزکیۂ نفس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ عین گمراہی ہے اور ایسے صوفیا بہروپیے ہیں۔ ولیٔ کامل شیخ شہاب الدین سہروردی رقمطراز ہیں:

"کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیا سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ غرورِ غلط میں مبتلا ہیں۔ بکتے ہیں کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف مبتلا ہو گئے اور یہی مراد کو پہنچ جاتا ہے اور شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے۔ ان کا یہ قول خالص الحاد اور زندقہ ہے۔ اس لئے کہ جس حقیقت کو شریعت رد کرے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہیں۔

حضرت شیخ کے قول سے معلوم ہوا کہ تصوّف کے نام پر دھبہ لگانے والے نام نہاد صوفی ان کے دور میں بھی تھے جو تصوّف کی پذیرائی اور طالبانِ شوق کے غیر معمولی رجوع کو دیکھ کر اپنی دوکانداری چمکانے لگ گئے لیکن ان بہروپ بدلنے والے جھوٹے صوفیوں کی تمام تر منافقانہ سرگرمیوں کے باوجود بھی عوام کا تصوّف پر اعتماد بحال رہا۔ اس کی وجہ باکمال صوفیا کا کثرت سے موجود ہونا تھا۔ حقیقی اور بے ریا صوفیاء کی تعلیمات مہرتاباں کی صورت روشن تھیں اور فتنہ باز صوفی تصوّف کی عظمت میں معمولی سی کمی بھی نہیں کر سکے تھے۔ اس حقیقت کی روشنی میں آج جب ہم عصر حاضر کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بہت سے ایسے غلط عناصر بھی نظر آ جاتے ہیں جو خلق خدا کو گمراہی کی طرف

marfat.com

لے جا رہے ہیں لیکن جس طرح ماضی کے نقلی صوفیوں کی غلط روش کے باوجود تصوف کا سورج گہنایا نہیں جا سکا تھا اسی طرح آج بھی تصوف خلق خدا کو آمادۂ عمل کرنے کیلئے موجود ہے اور ہم جھوٹے صوفیوں کی غلط فکر کا مورد الزام دین کی خدمت بجا لانے والے حقیقی صوفیا کو نہیں ٹھہرا سکتے۔

صوفیا کی حیثیت روشنی کے مینارۂ عمل کی ہے کہ جس سے پھوٹنے والی کرنیں اہل نظر کو اسلامی ضابطہ حیات کیلئے عملی جدوجہد کا جذبہ عطا کرتی ہیں۔ اسلام کی جو پاکیزہ تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور مدارس دینیہ میں پڑھائی جاتی ہیں' صوفیا نے اپنی خانقاہوں میں ان پر عمل کر کے دکھا دیا' انہوں نے ہر زمانے میں تبلیغ اور تعمیر سیرت کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہوئے اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو زندہ رکھا۔ باطنی اصلاح اور قلبی طہارت کا درس دے کر غیر اسلامی عقائد' شرک اور بدعت کی بیخ کنی کی۔ اس دور میں جبکہ مسلمان علماء عقلیت پسندی کے نام پر قرآنی تعلیمات کو عقل کی میزان پر تول رہے تھے' انہوں نے محبت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی درس دے کر عقلیت کے مضر اثرات کا ازالہ کیا' جب معتزلہ فقہا اور متکلمین منطقی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور اُمت کو فرقوں میں تقسیم کر رہے تھے' ان صوفیا نے مسلمانوں کو توحید اور پیرویٔ سنت محبوب خدا کا پیغام دے کر ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ انہوں نے ہر قسم کی ترغیبات' مصالح اور حرص و ہوس سے دامن بچا کر دربار شاہی میں حاضری اور شہنشاہوں کی قربت سے خود کو بچائے رکھا اور بادشاہوں کے سامنے علی الاعلان کلمۂ حق کہتے ہوئے عوام الناس اور مقربین دربار کو ملوکیت کے مفاسد سے آگاہ کرتے رہے' جب علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کیلئے اسلام کو ان کی مرضی کے تابع بنانے کیلئے من مانی تاویلات پیش کرنے میں مصروف تھے تو اس کڑے وقت میں ان صوفیائے کرام نے بادشاہوں کو خوفِ خدا کا درس دیا اور علمائے سو کو سمجھایا کہ چند روزہ دنیا میں دولت کمانے کیلئے کیوں دولت ایمان کو سستے داموں لٹا رہے ہو۔ اس تمام عمل کے ساتھ ساتھ انہوں نے جھوٹے صوفیوں اور نقلی زاہدوں کی قلعی کھول دی جو ان حقیقی صوفیا کی غیر معمولی پذیرائی سے فائدہ اُٹھانے کیلئے وقت کی منڈی میں نئے نئے نظریات پیش کر کے اسلامی تصوف کے تقدس کو پارا پارا کر رہے تھے۔

اس مقصد کی خاطر ان صوفیائے کرام نے عوام میں دین کا گہرا شعور اور شریعت کی پاسداری کا وافر جذبہ پیدا کیا اور کھلے ذہن کے ساتھ تصوف میں در آنے والی خرافات کی تردید کی اور اجل صوفیا کے حوالے سے تصوف کی صحیح تصویر پیش کی۔ دنیائے اسلام کی محترم علمی و روحانی شخصیت حضرت الشیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے صاف طور پر اظہار کر دیا کہ:

marfat.com

''ہماری طریقت کی بنیادیں کتاب و سنت پر ہیں جو ان کی مخالفت کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہم اسے منکر احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ اگر ذکر الٰہی، نماز، تلاوت قرآن پاک، پاکیزہ ذوق، حضوریٔ قلب اور خشوع خضوع حاصل ہو تو فتح الباب کی امید رکھنی چاہیئے۔ اگر یہ چیزیں حاصل نہیں تو کچھ بھی نہیں جو شخص قرآن و حدیث پر غور نہیں کرتا اور علماء و فقہاء کی صحبت سے دور رہتا ہے وہ بے ادب ہے اور تباہ ہوگا''۔(ماخوذ از مرج البحرین: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مطبوعہ نبویہ لاہور)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے''

اور پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ خیال بڑا ہی ناپختہ ہے کہ ہم طریق تصوف کو شریعت اور قرآن و سنت کے مخالف سمجھنے لگیں۔ حاشا وکلا ان دونوں چیزوں میں کوئی مغائرت یا اختلاف نہیں''۔

حضرت الشیخ کے اس قولِ مبارک کے بعد اس الزام میں کوئی حقیقت نہیں رہتی کہ صوفیائے کرام طریقت اور شریعت میں امتیاز روا رکھتے تھے اور ان کی خانقاہوں میں شریعت کے فکری اور عملی تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تصوف جہاں مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا حسن ہے وہاں اس کی بنیاد شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کا سرچشمہ قرآن مجید اور حدیث قدسی ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ جب کوئی تحریک اپنے برگ و بار پھیلاتی ہوئے زمانے بھر میں اپنا تشخص قائم کر لیتی ہے تو پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس تحریک میں ایسے عناصر داخل ہو جاتے ہیں جو بنیادی طور پر اس تحریک کا حصہ نہیں ہوتے۔ ان عناصر کی بدولت تحریک ان راہنما اصولوں سے کسی قدر ہٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جن کو دل میں بسا کر اس تحریک نے فروغ حاصل کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اہل تصوف اپنے بنیادی اصولوں سے پہلو تہی کرتے ہوئے غلط مباحث میں اُلجھ گئے۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوا کہ ان اہل تصوف پر جلال بادشاہی غالب آ گیا ہو۔ انہوں نے اپنا سارا زور اس امر پر صرف کیا کہ دنیا دار المحن ہے اور اس سے فرار بہتر ہے۔ درویش کیلئے مناسب یہی ہے کہ یہ بادشاہوں اور امراء کو ان کے حال پر چھوڑ کر کسی خلوت

marfat.com

کدے کو بسا کر اللہ کی یاد میں محو ہو جائے۔ شاعر مشرق نے اسی لئے کہا تھا:

تمدن، تصوف، شریعت کلام
بتانِ عرب کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

یہ فکر مکمل طور پر تصوف کی بنیادی روح کے منافی تھی اس لئے سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی طور پر اپنانے والے سر بلند نفوس نے اسی غلط فکر کے خلاف جہاد کیا۔ عوام کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ جو فکر ہمیں جادۂ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے دور لے جائے وہ فکر باطل ہے۔ ان حق پرست صوفیا نے عوام الناس اور پُر تجمل شہنشاہوں کو یکساں طور پر فرائض و حقوق کا احساس دلا کر تاریخ کو یہ باور کرا دیا کہ ہر دور کی آبرو انہی اہل نظر سے وابستہ ہے۔

کائنات ارضی کے ہر گوشے اور خطے میں ان صوفیائے عظام کے فیوض و برکات کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ اس مردِ کامل کی عظمت کا تصور کیجئے جو فرعونیت کے نشے میں بدمست سلاطین کو خبردار کرتا ہے کہ تم اپنے افعال اور اعمال کیلئے قادر مطلق کو جواب دہ ہو اور تم سے مظلوموں اور بے کسوں کے ایک ایک آنسو کا جواب لیا جائے گا۔ بے کس و مجبور انسان تمہاری نسبت رب کائنات کے کہیں زیادہ قریب ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

بادشاہوں نے ان مردانِ عزیمت کو ڈرانا چاہا، اپنی قوت بے پناہ سے خریدنا چاہا، دام حرص و آز پھیلا کے مطمئن کرنا چاہا، درباری علماء سے مناظرے کروا کر انہیں ہمنوا بنانا چاہا، ان کی خانقاہوں کیلئے "اعتراف عظمت" کے نام پر نذرانے اور جاگیریں بخش کر، ہراساں کرنا چاہا دارورسن کی آزمائش کا حوالہ دے کر مگر وہ درویش حق آگاہ کہ جس کی نگاہوں میں جمالِ خداوندی بس رہا ہو اور جس کے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن ہو، وہ تحریص و ترغیب، حرص و ہوس، ڈر اور خوف اور غیر اللہ کے رعب کو کیا جانے۔ اس درویش نے ہر آزمائش کو حقیقت منتظر کا پیغام جانا اور ہر صعوبت کو راہِ استقامت پر چلنے کا اعزاز سمجھ کر سینے سے لگایا۔ ہر مصیبت کو مسکراتے ہوئے برداشت کر لیا مگر تصوف کے اسلامی اور روحانی تشخص کو لحظہ بھر کیلئے بھی پامال نہ ہونے دیا۔ قدرت

marfat.com

کاملہ سے جب جلال بادشاہی درویش کے قدموں تلے جھک گیا تو یہ درویش اسلامی ریاست میں خلق خدا کی گردنوں سے جابر و قاہر بادشاہوں کی غلامی کا طوق اُتار کر اور بادشاہوں کو خلفائے راشدین کے عدل و انصاف کے سرچشمے سے فیضیاب ہونے کی تلقین کر کے پھر اپنے حجرہ میں واپس لوٹ گیا اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

عالم اسلام میں جب بھی کوئی خلافِ اسلام تحریک اُٹھی، کوئی خلاف ایمان فرقہ وجود میں آیا یا اسلام اور تعلیمات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی نیا نظریہ روشناس کرایا گیا تو تصوف نے پوری قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اموی اور عباسی خلافت ہو یا فاطمی دورِ حکومت، سلطنت عثمانیہ ہو یا برصغیر پاک و ہند میں مغل دورِ حکومت، اہل تصوف نے اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر عقائد کی اصلاح، باطل رسوم و رواج کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ کفر کے ظلمت کدوں میں اسلام کی شمع روشن رکھنے کا مقدس مشن جاری رکھا۔

اہل تصوّف کا مقصد اولیٰ تبلیغ اسلام ہے، جسے انہوں نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ تاریخ تصوف پر طائرانہ نظر ڈالتے ہی احساس ہونے لگتا ہے کہ صوفیا نے تبلیغ اسلام کی خاطر اپنے علاقوں کو چھوڑا، دور دراز کے سفر اختیار کیے، موسم اور سفر کے مصائب کے اُٹھائے، کفار کی سازشوں کا مقابلہ کیا۔ تائید ایزدی کے سہارے یہ مسلسل آگے بڑھتے رہے اور بالآخر کامیاب و کامران رہے۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سید علی ہجویری غزنی سے چلے اور بالآخر لاہور میں مقیم ہوئے، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نہایت طویل سفر طے کر کے اجمیر میں آ ٹھہرے، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کار اجودھن کو اپنا مستقر بنایا تو ان کے پاک قدموں کی برکت سے پاکپتن کے نام سے شہرت عام حاصل کر گیا۔ بے شمار صوفیائے عظام ہیں کہ جنہوں نے اشاعت اسلام کی خاطر معروف شہروں اور علاقوں کو چھوڑا اور نہایت غیر آباد اور غیر معروف علاقوں میں اپنا تبلیغی مرکز بنایا۔ اس ضمن میں انہوں نے فقط یہی ترجیح مدنظر رکھی کہ یہ جہاں مقیم ہو رہے ہیں وہ جگہ کفر و شرک کا مرکز ہو تا کہ وہاں پوری شدت ایمانی کے ساتھ انوارِ اسلام پھیلائے جا سکیں۔ کیونکہ جس خطہ زمین میں ظلمتوں کا راج ہو، روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت بھی وہیں محسوس کی جاتی ہے۔ قدرت کی طرف سے منشائے نبوت بھی یہی ہے۔ اس مقصد کی خاطر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مظہر انوارِ خدا

marfat.com

بنا کر اس جگہ مبعوث فرمایا گیا تھا جو دنیا بھر میں کفر و شرک اور گمراہی و ضلالت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ صوفیائے کرام بھی اسوۂ رسول کی تقلید میں ایسے مقامات کا رُخ کرتے ہیں' جہاں باطل اپنی پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہو۔

ان صوفیائے کرام کے قدموں کی برکت اور فیوض روحانی کی بدولت گمراہی و ضلالت کے مراکز رشد و ہدایت کا مخزن بن جاتے ہیں۔ کفر و شرک سے بسی ہوئی فضائیں' نغمہ توحید سے معمور ہو جاتی ہیں۔ بتوں کے ماننے والے خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں' ویرانے بسنے لگتے ہیں' اجڑے ہوئے حرماں نصیب دل زندگی کی حرارت سے بھرپور ہو جاتے ہیں۔ ان کی روشن کی ہوئی شمع توحید جب پوری تب و تاب سے بھڑکتی ہے تو دور دور سے آنے والے طالبانِ شوق پروانہ وار اس پر تصدق ہوتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دل بھی بسنے لگتے ہیں اور ویران علاقے بھی آبادی کا نقشہ پیش کرنے لگتے ہیں۔

بقول اقبال:

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کیلئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

ان مردانِ کار کا اسلحہ تیر و سنان نہیں بلکہ خلق عالمگیر ہے' جس کے بل پر وہ قلوب اہل عالم کو تسخیر کرتے ہیں۔ فقر ان کی ذرہ ہے تو سچائی ان کیلئے شمشیر کا کام دیتی ہے۔ ان کی جاں نواز مسکراہٹ ان کا ترکش ہے' جس میں موجود دعاؤں کے تیر قضا و قدر کی آن بن کر تشنگان مئے شوق کے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ قناعت ان کا آسرا اور توکل ان کا سرمایہ ہے۔ بوریا نشینی ان کیلئے تخت شہی اور خرقہ پوشی ملبوس سلطانی ہے۔ یہ مشکلات میں مسکراتے اور جفاؤں کو دارِ وفا سمجھ کر سینے سے لگاتے ہیں۔ ان کی سادگی رشک قیصری ہے تو بے ریائی جمال آگہی۔ اس شوکت علم و عمل کو دامن میں لئے جب یہ اصحاب تصوف اعلائے کلمۃ الحق کرتے ہیں تو زمانہ ان کے قدموں پر سر بھی جھکاتا ہے اور دل بھی۔ یہیں پر ذوقِ یقیں کی سربلندی اور پختگی کا احساس ہوتا ہے کہ ایک صاحب نظر نے کیا خوب کہا ہے:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا

marfat.com

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت پادشاہی علم اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ ٔ ایماں کی تفسیریں

تصوّف بندے کو خدا تک پہنچانے کا نام ہے۔ اس کا مقصد ایک ایسی زندگی ہے جو خدا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بسر ہو۔ اس میں مدارج یا مراتب نہیں ہوتے بلکہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کے مصداق جو صاحب ایمان زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو جاتا ہے وہی خدا کے نزدیک زیادہ سربلند اور افضل ہے' جب تصوّف کا دائرہ کار پھیل گیا تو بعض صوفیا نے اس میں مدارج اور مراتب مقرر کر دیئے حالانکہ تصوّف عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کے مسلسل عمل کا نام ہے اور انسان اس راہ میں جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے' خدا کی رحمتوں اور عنایات کا حق دار بنتا جاتا ہے۔ تصوّف کسی درسگاہ کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق نہیں ہے کہ جس جماعت میں چاہا داخلہ لے لیا اور مقررہ نصاب پڑھ کر سند فضیلت حاصل کر لی۔ یہ تو خشوع وخضوع' پاکیزگی و پرہیز گاری' روحانی مجاہدوں اور فکری ریاضتوں کا پیہم عمل ہے۔ اس میں کہیں جمود یا رکاوٹ نہیں ہے اس لئے اس میں کسی قسم کی درجہ بندی یا تفریق مدارج ہر لحاظ سے نامناسب اور تصوّف کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے اور اس نوعیت کی کاوشیں کرنے والے ہی تصوف کی روحانی یلغار کو متاخر کرنے کا باعث بنے ہیں۔

شاعر مشرق کے لفظوں میں:

لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب ...... مگر لذت شوق سے بے نصیب
بیاں اسی کا منطق میں الجھا ہوا...... لغت کے بکھیڑوں میں سلجھا ہوا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ...... مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
شراب کہن پھر پلا ساقی......وہی جام گردش میں ساقی

تصوّف میں کسی قسم کی درجہ بندی کو اقبال نے بتانِ عجم کی پوجا سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اقبال بخوبی سمجھتے ہیں کہ تصوّف تو عشق خدا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کو عام کرنے کا نام ہے اور اگر یہ عشق سے خالی ہو کر خود ساختہ درجہ بندیوں میں اُلجھ جائے تو پھر مسلمان پر راکھ کے ڈھیر کا گمان گزرتا ہے۔

اقبال کی بات چلی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ علامہ اقبال صوفیائے کرام کے حد درجہ نیاز مند

marfat.com

اور تصوف کے فیوض و برکات کے حد درجہ معترف تھے اور تصوف کے سرچشموں سے فیضیاب ہونے کیلئے وہ دور دراز کا سفر طے کر کے صوفیاء و اولیاء کی خدمت میں حاضری دینا اپنے لئے وجۂ صد افتخار سمجھتے تھے۔ اقبال جانتے تھے کہ تصوف تبلیغ اسلام اور شعائر دین مصطفوی کی بالاتری اور ترویج کا نام ہے۔ وہ جانتے تھے کہ تصوف کلمۂ حق بلند کرنے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حقیقی روح کو اُجاگر کرنے کا پیغام دیتا ہے۔ اس لئے جب وہ اہل تصوف کو وقت کے تقاضوں سے مفاہمت کرتے اور مصلحت کوشی کو اپنا شعائر بناتے یا رہبانیت کو اپناتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار چیخ اُٹھتے ہیں:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

عہد بنو امیہ ملوکیت کے قصر کی پہلی اینٹ رکھے جانے سے لے کر برصغیر میں اشاعت اسلام تک اور محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح سندھ سے لے کر قیام پاکستان تک صوفیائے کرام نے ہر عہد میں مسلم قومیت اور جداگانہ نظریۂ اسلام کی بالاتری کیلئے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ حق پرست صوفیا نے ہمیشہ ملت اسلام کی راہنمائی کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے اور دنیاوی نتائج دعواقب کی پرواہ کئے بغیر اسلام کی حقیقی روح کو عوام الناس تک پہنچایا ہے۔ ان صوفیاء کا طرزِ عمل ظاہر بین علماء اور فقہاء سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ گفتار کے ظاہری شکوہ پر تکیہ نہیں کرتے بلکہ یہ دنیا کے سامنے اپنی سیرت کا نمونہ پیش کرتے ہیں' جب تشنگانِ شوق ان کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں تو یہ زیادہ سے زیادہ وقت ان ارادت مندوں کے درمیان گزارتے ہیں تا کہ ان کی سیرت کا رنگ ان کے حلقۂ ارادت سے تعلق رکھنے والوں پر بھی چڑھ جائے۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا' یہ جو کہتے ہیں' کر کے دکھاتے ہیں۔ ان کا عمل ان کے علم کی گواہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام پُر تاثیر اور ان کے ارشادات سرمایۂ بصیرت ہوتے ہیں۔ ان کا ہر لفظ عوام کے دلوں پر نقش جاوداں کی صورت اپنا وجود چھوڑ جاتا ہے۔

منشائے ربانی بھی یہی ہے کہ جب بندہ اپنے خدا کی رضا میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل' ہر سوچ غرضیکہ زندگی کا ایک ایک پہلو رضائے الٰہی کی تعمیل کا نمونہ بن جاتے ہیں تو پھر وہ بندہ عبد خاص بن جاتا ہے اور اس کی ہر تدبیر تقدیر الٰہی کا پرتو بن کر انعامات خداوندی کا اظہار عام بن جاتی ہے۔ قدرت اپنے احکامات صادر کرتے ہوئے اس کی تمناؤں کا رُخ دیکھتی ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جس کے حصول کیلئے اہل تصوف اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ نذر عبادت کر دیتے ہیں کہ وہ اس اعزاز کے مستحق قرار پائیں۔

marfat.com

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ غالب وکار آفریں کار کشا و کارساز

آج جبکہ مادیت کے سائے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور تشکیک و اوہام کی ظلمتیں ایمان و یقین کے اُجالوں کو نگلنے کیلئے پرتول رہی ہیں' مغربی علوم اور نظریات سے متاثر اور دانش برہانی کے قائل دانشور عالم انسانیت کو امن وسکون کی دولت عطا کرنے کیلئے نئے نئے اسالیب فکر تراش رہے ہیں مگر کوشش بسیار کے باوجود امن و راحت کے سویروں اور ایمان و یقین کے اجالوں کی تمنا سراب بنتی جا رہی ہے۔ اس دورِ پُر آشوب میں ہمارے تمام مصائب و آلام کا حل اکابرین اُمت اسلام اور سربرآوردہ اصحاب تصوّف کی سیرت اور تعلیمات کی پیروی ہی میں مضمر ہے۔ یہی وہ صوفیائے کرام ہیں کہ جن کے طفیل انسانوں کو آداب انسانیت سے آگاہی' محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور عرفانِ خداوندی کی نعمت بے بہا عطا ہوئی۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

ہم عرض کر چکے ہیں کہ عالم انسانیت میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں سب سے اہم کردار صوفیائے عظام کا ہے۔ انہوں نے نہ صرف کفر و شرک کے مراکز کو عظمت اسلام کے مراکز میں تبدیل کر دیا بلکہ جو مسلمان جادۂ حق سے بھٹک کر باطل رسم و رواج کے عادی ہو چکے تھے اور غیر مسلموں کو دیکھا دیکھی اسلامی تعلیمات سے عاری ہو چکے تھے' انہیں پھر سے شعائر اسلام کا پابند بنا دیا۔ حکومت سے دور رہ کر کسی کا حلیف یا حریف بنے بغیر انہوں نے تزکیۂ نفس اور اخلاقی تربیت کا فریضہ اس حسن انجام کے ساتھ ادا کیا کہ گمراہی و ضلالت کے شکار مسلمان پھر سے شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستار بن گئے۔

ایک صاحب نظر کے بقول:

''فقراء کی ایک ایسی بے سروسامان جماعت اُٹھی جس نے صفا کی چوٹی سے بلند ہونے والے آوازۂ حق کی گونج کو نسیم و صبا بن کر چمنستان دہر کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ آج کون اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ دور دراز ممالک میں قلب و نظر کے سومنات کس گروہ نے فتح کیے تو وہ یہی گروہ ہے جو اپنی درویشی' سادگی' قلب و نگاہ کی عفت اور حسن کردار کی بدولت ہر جگہ توحید خداوندی کی داستانیں رقم کرتا گیا''۔

marfat.com

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

رکھ لیا خلاق نے ان کے گناہوں کا بھرم
ان کی کشت آرزو کو مل گیا یکبار نم
دفتر اعمال ان کا تھا گناہوں سے بھرا
کر رہے تھے اپنے قلب و جان پر پیہم ستم
رحمت رب دو عالم آگئی جب جوش میں
چھایا ان پر دیکھتے ہی دیکھتے ابر کرم
خاک کو اکسیر کرکے خالق دارین نے
توڑ ڈالے ان کے دل سے دنیاداری کے صنم
ایک آیت کی تلاوت نے بدل دی زندگی
راہ حق پر چل دیئے پھر روح و دل ہو کر بہم
ان کے دل میں ہر گھڑی رب علیٰ کی ذات تھی
ایک پل کو بھی نہیں تھی دل میں فکر بیش و کم
صورت شمع ہدیٰ تھے اے رضا حضرت فضیل
ان کی درویشی کے آگے کیا بھلا تھا جاہ جم

(محمد اکرم رضاؔ)

مردِ کامل

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

یہ صدیوں پہلے کا زمانہ ہے۔ ایک صحرا میں ایک درویش مصلیٰ بچھائے تسبیح پڑھ رہا ہے۔ اسی دوران میں ادھر سے ایک قافلہ گزرا جو تجارت کے کامیاب سفر سے واپس آ رہا تھا۔ راستے میں مسلح ڈاکوؤں نے آ لیا۔ ان میں سے ایک مالدار آدمی کے پاس بہت دولت تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ قبل اس کے کہ میں لوٹا جاؤں میں اپنی دولت مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے درویش کے پاس بطور امانت رکھوا دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے درویش کے حوالے تمام دولت کر دی جو انہوں نے پاس رکھ لی۔ جب واپس آیا تو تمام قافلہ لوٹا جا چکا تھا لیکن اسے اطمینان تھا کہ کم از کم میری دولت تو محفوظ ہے۔ وہ اپنا مال و دولت واپس لینے کیلئے درویش کے پاس پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جسے درویش سمجھا تھا وہ تو ڈاکوؤں کا سردار تھا اور اس وقت اپنے ہاتھوں سے لوٹا ہوا مال ڈاکوؤں اور لٹیروں میں تقسیم کر رہا ہے۔ وہ مالدار شخص یہ منظر دیکھ کر فرطِ غم سے رو پڑا کہ ہائے میری بدقسمتی میں نے اپنا مال خود اپنے ہاتھوں سے چوروں کے سردار کے حوالے کر دیا۔ چوروں کے سردار نے اسے پاس بلا لیا اور واپس آنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا ”مجھے دُکھ ہے کہ میں نے اپنا مال خود اپنے ہاتھوں سے چوروں کے سربراہ کے حوالے کر دیا“۔

رہزنوں کے سربراہ نے مسکرا کر کہا کہ تمہاری امانت وہیں پڑی ہے جہاں تم رکھ گئے تھے، اُٹھاؤ اور چلے جاؤ۔ اب وہ مالدار شخص اور متحیر ہوا کہ یہ کیسا قزاق ہے جو ہاتھ آئی ہوئی رقم واپس کر رہا ہے۔ وہ تو چلا گیا۔ ڈاکوؤں نے اس سردار سے پوچھا کہ آپ نے مال کیوں واپس کیا؟ اس درویش صفت شخص نے کہا اس لئے کہ وہ مال امانت تھا اور اس نے میری ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے امانت میرے سپرد کر دی تھی۔

چند یوم گزرے تو ان قزاقوں نے ایک اور بڑا تجارتی قافلہ لوٹ لیا۔ اس قافلہ میں ایک نڈر اور دلیر آدمی بھی تھا۔ اس نے سب کچھ لٹانے کے بعد ان ڈاکوؤں سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی

marfat.com

لیڈر بھی ہے۔ ڈاکوؤں نے کہا ''ہمارا لیڈر نرالا آدمی ہے' وہ دریا کے کنارے نماز پڑھ رہا ہے''۔اس مردِ دلیر نے پوچھا ''یہ نماز کا وقت تو نہیں ؟''تو قزاقوں نے کہا کہ وہ نفل پڑھ رہا ہے۔ وہ آدمی اور حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کیا وہ تمہارے شغل قزاقی میں شریک نہیں ہوتا ؟ اب تم کھانا کھانے کی تیاری کر رہے' کیا وہ تمہارے ہمراہ کھانا نہیں کھائے گا ؟ ڈاکوؤں نے کہا: وہ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ اُس آدمی کی حیرت اور بڑھ گئی اور کہا یہ رمضان المبارک کا مہینہ نہیں ہے۔ ڈاکوؤں نے جواب دیا وہ سارا سال نفلی روزے رکھتا ہے۔ وہ شخص حیرت میں گم ہو گیا اور مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے رہزنوں کے سربراہ کے پاس گیا اور کہا:

'اے رہزنوں کے سربراہ ! نمازوں اور چوری ڈکیتی کا تعلق کب سے ہے؟ اس ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا:

''دوسروں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے عمل صالح کو اس کے ساتھ خلط ملط کر دیا''۔ ڈاکوؤں کے سربراہ سے برمحل آیت قرآن سن کر اس شخص کے تعجب کی انتہاء نہ رہی اور وہ سمجھ گیا کہ ڈاکوؤں کے اس سردار کو اپنے گناہوں کا اعتراف بھی ہے اور نیکیاں بھی کمانا چاہتا ہے۔ وہ کبھی خود کو دیکھتا اور کبھی اس سردار کو۔ بالآخر حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر چلا گیا۔

یہ ڈاکوؤں کا حیرت انگیز سردار کون تھا' جو عبادت گزار تھا اور ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ کی سربراہی سنبھالے ہوئے تھا۔

یہ کون تھا جو لوٹ کا مال بھی تقسیم کرتا ہے اور لوگوں کی امانتیں بھی واپس کرتا ہے' جو مصلیٰ پر بیٹھے رہتا مگر قزاق اس کے ہر حکم پر جان دیتے ہیں۔

قزاقوں کے یہ سردار فضیل بن عیاض تھے' جنہیں قدرت نے آنے والے دور میں ڈاکوؤں کی سربراہی کے بجائے ولیوں کی سرداری کے لئے منتخب کر لیا۔ بس ایک ضرب لگنے کی دیر تھی:

رومی ہو روی ہو غزالی عطار یا رازی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے رہبر فرزانہ

ڈکیتی اور قزاقی کے ان ایام میں بھی آپ کے انداز نرالے تھے۔ آپ غریبوں اور بیواؤں پر ترس کھاتے تھے۔ مفلوک الحال لوگوں تک رقوم پہنچاتے تھے۔ جس میں کوئی عورت ہوتی' ڈاکوؤں کو اسے لوٹنے سے منع کر دیتے۔ جس قافلے میں غریب زیادہ ہوتے اسے بھی جانے دیتے۔ کوئی محتاج ادھر سے گزرتا تو چپکے سے کچھ بتائے بغیر اس کی امداد کر دیتے۔ دنیا والے آپ کے نام سے خوف

marfat.com

کھاتے تھے مگر آپ شب و روز گریہ وزاری کرتے رہتے تھے۔ ان حالات میں آپ کی زندگی تضادات کا مجموعہ بنی ہوتی ہے۔

ایماں مجھے رو کے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

پھر مس خام کے کندن بننے کا وقت تھا۔ گناہوں اور نیکیوں کی بھول بھلیوں میں گم فضیل بن عیاض کیلئے رحمت خداوندی کے خزانے کھلنے کی ساعت آ گئی۔ جو عصیاں کاریوں میں بھی خدا کو یاد رکھے ہوئے تھا اس کی تطہیر قلب و فکر کی گھڑی آ پہنچی۔

سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ رات میں کوئی قافلہ آ کر ٹھہرا اور اس میں ایک شخص یہ آیت تلاوت کر رہا تھا کہ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ۔

یعنی کیا اہل ایمان کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے خوفزدہ ہو جائیں۔ اس آیت کا فضیل کے قلب پر ایسا اثر ہوا جیسے کسی نے تیر مار دیا ہو اور آپ نے اظہار تأسف کرتے ہوئے کہا کہ یہ غارت گری کا کھیل کب تک جاری رہے گا اور اب وہ وقت آ چکا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں چل پڑیں۔ یہ کہہ کر زار و قطار روتے رہے اور اس کے بعد سے مشغول ریاضت ہو گئے اور ایک ایسے صحرا میں جا نکلے جہاں کوئی قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اہل قافلہ میں سے کوئی کہہ رہا تھا کہ اس راستے میں ''فضیل'' ڈاکے مارتا ہے۔ لہٰذا ہمیں راستہ تبدیل کر دینا چاہیئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اب قطعاً بے خوف ہو جاؤ اس لئے کہ میں نے رہزنی سے توبہ کر لی ہے پھر ان تمام لوگوں سے جن کو آپ سے اذیتیں پہنچی تھیں، معافی طلب کر لی لیکن ایک یہودی نے معاف کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ شرط پیش کی کہ اگر تم سامنے والی پہاڑی کو یہاں سے ہٹا دو تو میں معاف کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کی مٹی اٹھانی شروع کر دی اور اتفاق سے ایک دن ایسی آندھی آئی کہ وہ پوری پہاڑی اپنی جگہ سے ختم ہو گئی اور یہودی نے یہ دیکھ کر اپنے قلب سے آپ کی دشمنی ختم کر دی اور عرض کیا کہ میں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک تم میرا مال واپس نہیں کرو گے، میں معاف نہیں کروں گا۔ لہٰذا اس وقت میرے تکیہ کے نیچے اشرفیوں کی ایک تھیلی رکھی ہوئی ہے وہ آپ اُٹھا کر مجھے دیں گے تا کہ میری قسم کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ تھیلی اٹھا کر آپ نے اس کو دے دی۔ اس کے بعد اس نے یہ شرط پیش کی کہ پہلے مجھے مسلمان کر لو پھر معاف کروں گا اور آپ نے کلمہ پڑھا کر اس کو

marfat.com

مسلمان کرلیا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے بتایا کہ میرے مسلمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ اگر صدق دلی سے تائب ہونے والا خاک کو ہاتھ لگا دیتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے لیکن مجھے اس پر یقین نہیں تھا اور آج جبکہ میری ہتھیلی میں مٹی بھری ہوئی تھی اور آپ نے جب مجھ کو دی تو واقعی اس میں سونا نکلا اور مجھے کامل یقین ہوگیا کہ آپ کا مذہب سچا ہے۔

اب کیا تھا ایک گنہگار کے آنسو موتیوں میں ڈھل چکے تھے' توبہ کا دروازہ کھل چکا تھا' رحمت خداوندی اس تائب شخصیت کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ وہ فضیل بن عیاض جو قزاقوں کے بہت بڑے گروہ کا سربراہ تھا' اب اس کی توبہ ایسی سچی ثابت ہوئی کہ رحمت حق کی بارانِ کرم برسنے لگی۔ اب دنیا اس شخصیت کو سلطان الفقراء اور امام الصوفیا کے القاب سے یاد کر رہی تھیں۔ اس کی دعائیں قبولیت سے ہمکنار ہو رہی تھیں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

ایک مرتبہ آپ نے کسی سے استدعا کی کہ میں نے بہت جرائم کئے ہیں' لٰہذا مجھے امیر وقت کے پاس لے چلو تا کہ وہ مجھ پر شرعی حدود نافذ کرے اور جب اس نے امیر وقت کے سامنے آپ کو پیش کر دیا تو اس نے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو واپس کر دیا اور جب آپ نے اپنے گھر کے دروازے پر آ کر آواز دی تو بیوی نے اضمحلال سے بھری ہوئی آواز سن کر یہ تصور کیا کہ شاید آپ زخمی ہو گئے ہیں' اور جب بیوی نے پوچھا کہ زخم کہاں آیا ہے تو فرمایا کہ آج میرے قلب پر زخم لگا ہے' پھر بیوی سے کہا کہ میں سفر حج پر جانا چاہتا ہوں۔ لٰہذا اگر تم چاہو تو میں تم کو طلاق دے دوں۔ کیونکہ اس راستے میں تمہیں میرے ہمراہ بڑی بڑی اذیتیں جھیلنی پڑیں گی لیکن بیوی نے کہا کہ میں خادمہ بن کر تمہارے ہمراہ رہوں گی کیونکہ میرے لئے تمہاری فرقت ناقابل برداشت ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں بھی شریک سفر کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے راستے کی تمام مشکلات دُور فرما دیں اور آپ نے مکہ معظمہ پہنچ کر کعبۃ اللہ کی مجاورت اختیار کر لی اور مدتوں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا اور عبادت و ریاضت میں معراج کمال تک رسائی حاصل کی۔ اہل مکہ آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ اپنے مواعظ حسنہ سے انہیں مستفیض فرماتے رہتے۔ دریں اثناء آپ کے کچھ اعزاء بغرض ملاقات پہنچے تو آپ نے ان سے ملاقات نہیں کی۔ لیکن بے حد اصرار کے بعد چھت پر چڑھ کر فرمایا کہ اللہ تم لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے تا کہ کسی اچھے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

marfat.com

یہ الفاظ ان لوگوں پر کچھ ایسے مؤثر ہوئے کہ ان پر غشی طاری ہو گئی اور تمنائے ملاقات لئے وطن واپس ہو گئے۔

............o............

اب حضرت فضیل بن عیاض کا مرتبہ اتنا بلند ہو چکا تھا کہ مخلوقِ خداوندی دور دور سے آپ کے نصائح ومواعظ سننے کیلئے آتی۔ ان میں سلاطین بھی تھے اور امرائے وقت بھی۔ گنہگار بھی ہوتے اور عابد و پرہیز گار۔ یعنی آپ خلق خدا سے چھپتے پھرتے مگر خوشبو بھی کبھی کسی سے چھپی ہے۔ آپ حد درجہ بے نیاز اور استغنا کا مظاہرہ کرتے۔ ملنے سے انکار کر دیتے۔ جلوت کے بجائے خلوت گزینی کو پسند کرتے کیونکہ اسی صورت میں انہیں اپنے خالق سے استغفار اور عبادت کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت مل سکتا تھا۔

آپ کو اپنے ماضی کی تلخ یادیں بہت ستاتی تھیں۔ مگر آپ کی توبہ نے قبولیت کی معراج کو اس شان سے چھوا تھا کہ زمانہ حیران رہ جاتا۔ عبادت و ریاضت اور زہد وتقویٰ کے علاوہ آپ برسوں امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت محدث' فقیہ اور وارث علوم رسول کی بارگاہ میں رہ کر علوم دینیہ پر بھی عبور حاصل کر چکے تھے۔ آپ کے علم کا سکہ اب ایک زمانہ تسلیم کر رہا تھا۔ اس لئے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہوتی تھی کہ آپ کے ارشادات عالیہ سنیں' آپ کے پند ومواعظ سے مستفید ہوں' آپ سے مسائل سنیں' عوام الناس کو آپ کی فکر انگیز گفتگو سن کر روحانی تسکین کا احساس ہوتا تھا۔

اس دور میں اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے حکمران ہارون الرشید عباسی کے دل میں کسی ایسے درویش کامل سے ملاقات کا خیال آیا جو اس کے جلال شاہی سے مرعوب ہوئے بغیر اسے حقیقی نصائح سے نواز سکے۔ اس نے اپنے معتمد وزیر فضل برمکی کو حکم دیا۔ فضل برمکی سب سے پہلے انہیں حضرت سفیان کی خدمت میں لے گیا۔ سفیان ثوری نے پوچھا کون ہے۔ فضل برمکی نے جواب دیا کہ امیر المومنین ہارون الرشید تشریف لائے ہیں۔

سفیان نے فرمایا کہ کاش مجھے پہلے سے علم ہوتا تو میں خود استقبال کیلئے حاضر ہوتا۔ یہ جواب سن کر ہارون الرشید نے فضل سے کہا کہ جیسے درویش کا متلاشی تھا ان میں وہ اوصاف نہیں ہیں اور تم مجھے یہاں لے کر کیوں آئے؟ فضل نے عرض کیا کہ آپ جس قسم کے بزرگ کی جستجو میں ہیں وہ اوصاف صرف فضیل بن عیاض میں ہیں۔ یہ کہہ کر ہارون کو فضیل بن عیاض کے یہاں لے گیا۔

marfat.com

اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ **ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین امنوا۔**

یعنی کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے برے کام کئے' ہم ان کو نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے۔ یہ سن کر ہارون نے کہا کہ اس سے بڑی نصیحت اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر جب دروازے پر دستک دینے کے جواب میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کون ہے؟ تو فضل برمکی نے کہا کہ امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اندر ہی سے فرمایا کہ ان کا میرے پاس کیا کام اور مجھے ان سے کیا واسطہ میری مشغولیت میں آپ لوگ حارج نہ ہوں۔ لیکن فضل نے کہا کہ اُولامر کی اطاعت فرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اذیت نہ دو۔ پھر فضل نے کہا کہ آپ اندر داخلے کی اجازت نہیں دیتے تو ہم بلا اجازت داخل ہو جائیں گے۔

آپ نے فرمایا کہ میں تو اجازت نہیں دیتا ویسے بلا اجازت داخلے میں تم مختار ہو' اور جب دونوں اندر داخل ہوئے تو آپ نے شمع بجھا دی تا کہ ہارون کو شکل نظر نہ آئے۔ لیکن اتفاق سے تاریکی میں ہارون کا ہاتھ آپ کے دست مبارک پر پڑ گیا تو آپ نے فرمایا کہ کتنا نرم ہاتھ ہے کاش جہنم سے نجات حاصل کر سکے۔ یہ فرما کر نماز میں مشغول ہو گئے اور فراغت نماز کے بعد جب ہارون نے عرض کیا کہ آپ کچھ ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے والد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ مجھے کسی ملک کا حکمران بنا دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں تمہارے نفس کا حکمران بناتا ہوں کیونکہ دنیاوی حکومت تو روز محشر وجہ ندامت بن جائے گی۔

یہ سن کر ہارون نے عرض کیا کہ کچھ اور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو سلطنت حاصل ہوئی تو انہوں نے کچھ ذی عقل لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میرے اوپر ایک ایسا بارگراں ڈال دیا گیا ہے جس سے چھٹکارا کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ آپ سن رسیدہ مومن کو باپ کی جگہ تصور کریں اور ہر جوان کو بمنزلہ بھائی کے اور بیٹے کے تصور کریں اور عورتوں کو ماں' بیٹی اور بہن سمجھیں اور انہی رشتوں کے مطابق ان سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ہارون الرشید نے پھر عرض کیا کہ کچھ اور نصیحت فرمائیں' تو آپ نے فرمایا کہ پوری مملکت اسلامیہ کے باشندوں کو اپنی اولاد تصور کرو' بزرگوں پر مہربانی کرو' چھوٹوں سے بھائیوں اور اولادوں کی طرح پیش آؤ۔

marfat.com

پھر فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہاری حسین وجمیل صورت نار جہنم کا ایندھن نہ بن جائے کیونکہ محشر میں بہت سی حسین صورتیں نار جہنم میں حلیہ بگاڑ لیں گی اور بہت سے امیر اسیر ہو جائیں گے۔ اللہ سے خائف رہتے ہوئے محشر میں جواب دہی کیلئے ہمیشہ چوکس رہو کیونکہ وہاں تم سے ایک ایک مسلمان کی باز پرس ہوگی اور تمہاری قلمرو میں ایک غریب عورت بھی بھوکی سوگئی تو محشر میں تمہارا گریبان پکڑے گی۔

ہارون پر یہ نصیحت آمیز گفتگو سنتے سنتے غشی طاری ہوگئی اور فضل برمکی نے حضرت فضیل سے کہا کہ جناب بس کیجئے آپ نے امیر المومنین کو نیم مردہ کر دیا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے ہامان خاموش ہو جا' میں نے نہیں بلکہ تو نے اور تیری جماعت نے ہارون کو زندہ درگور کر دیا ہے۔ یہ سن کر ہارون پر مزید رقت طاری ہوگئی اور فضل برمکی سے کہا کہ مجھے فرعون تصور کرنے کی نسبت سے تجھے ہامان کا خطاب دیا ہے' پھر ہارون نے پوچھا کہ کسی کے آپ مقروض تو نہیں ہیں۔ فرمایا بے شک اللہ تعالٰی کا قرض دار ہوں اور اس کی ادائیگی صرف اطاعت سے ہی ہو سکتی ہے لیکن اس کی ادائیگی بھی میرے بس سے باہر ہے کیونکہ محشر میں میرے پاس کسی سوال کا جواب نہ ہوگا۔ پھر ہارون نے عرض کیا کہ میرا مقصد دنیاوی قرض سے تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی عطا کردہ نعمتیں ہی اتنی ہیں کہ مجھے قرض لینے کی ضرورت نہیں۔

اس کے باوجود ہارون نے بطور نذرانہ ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ رقم مجھے اپنی والدہ کے ورثہ میں ملی ہوئی ہے اس لئے قطعاً حلال ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ صد حیف میری تمام پند و نصائح بے سود ہو کر رہ گئیں کیونکہ تم نے ذرا سا بھی اثر قبول نہیں کیا' میں تو تمہیں دعوت نجات دے رہا ہوں اور تم مجھے قعر ہلاکت میں جھونک دینا چاہتے ہو کیونکہ جو مال مستحقین کو ملنا چاہئے وہ تم غیر مستحقین میں تقسیم کرنے کے خواہاں ہو۔ اسکے بعد ہارون نے رُخصت ہوتے وقت فضل برمکی سے کہا کہ یہ واقعی صاحب فضل بزرگوں میں سے ہیں۔

عاجزی کا یہ عالم تھا کہ میدانِ عرفات میں لوگوں کی گریہ وزاری کا منظر دیکھ کر فرمایا کہ اگر اتنی گریہ وزاری کے ساتھ کسی بخیل سے بھی دولت طلب کریں تو شاید وہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اے مالک حقیقی اتنی گریہ وزاری کے بعد مغفرت طلب کرنے والوں کو تو یقیناً معاف فرما دے گا۔ عرفہ کی شب میں کسی نے آپ سے سوال کیا کہ عرفات کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟ فرمایا کہ اگر فضیل ان میں شامل نہ ہوتا تو یقیناً سب کی مغفرت ہو جاتی۔

marfat.com

............o............

حضرت فضیل بن عیاض کے ملفوظات اور ارشادات بہت سے تذکروں میں ملتے ہیں۔ تصوف کی داستانوں کی ان کے وجود پاک سے زینت ہے۔ آپ چلتے تو زمانہ ہمراہ چلتا مگر آپ لوگوں کو دور ہٹا دیتے' مگر پھر بھی ایسے صوفیائے بے ریا اور آپ کے سچے چاہنے والے کسی نہ کسی صورت آپ کے ہمراہ ہو لیتے اور جو دیکھنے کو میسر آتا وہ لکھ لیتے۔ آپ کے روشن اقوال سے کتنی دینی کتب منور ہیں۔ چند اقوال وارشادات نذر قارئین ہیں:

آپ سے کسی نے سوال پوچھا کہ خدا کی محبت معراج کمال تک کس وقت پہنچتی ہے؟ فرمایا کہ جب دنیا اور دین بندے کیلئے مساوی ہو جائے۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی فرد اس خوف سے لبیک نہ کہتا ہو کہ جواب منفی میں نہ مل جائے تو اسکے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ اس سے بلند مرتبت کوئی نہیں۔ پھر اساس دین کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ عقل دین کی بنیاد ہے اور عقل کی بنیاد علم اور علم کی بنیاد صبر ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے کانوں سے حضرت فضیل کو یہ کہتے سنا ہے کہ طالب دنیا رسوا و ذلیل ہوتا ہے اور جب میں نے اپنے لئے کچھ نصیحت کرنے کے متعلق عرض کیا تو فرمایا کہ خادم بنو مخدوم نہ بنو' کیونکہ خادم بننا ہی وجہ سعادت ہے۔ ایک مرتبہ حضرت بشر حافی نے پوچھا کہ زہد و رضا میں افضل کون ہے؟ فرمایا کہ رضا کو فضیلت اس لئے ہے کہ جو راضی برضا رہتا ہے وہ اپنی بساط سے زیادہ طلب نہیں کرتا۔

سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور قرآن و حدیث کے بیان کے بعد میں نے عرض کیا کہ آج کی نشست اور رات دونوں مبارک ہیں اور خلوت سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ فرمایا کہ یہ نہ کہو' آج کی شب تو تمام راتوں سے قبیح ہے کیونکہ آج کی شب ہم دونوں اسی تصور میں غرق رہے کہ گفتگو کا موضوع ایسا ہونا چاہیئے جو ہم دونوں کا پسندیدہ ہو جبکہ اس تصور سے خلوت نشینی اور ذکر الٰہی میں مشغولیت کہیں زیادہ بہتر ہے۔

آپ نے حضرت عبداللہ کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی لوٹ جاؤ' ورنہ میں لوٹ جاؤں گا۔ کیونکہ تمہاری آمد کی غایت صرف یہ ہوتی ہے کہ ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کریں۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی سے حاضر خدمت ہونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے عرض کیا کہ میری آمد کا مقصد آپ کی شیریں بیانی سے محظوظ ہوتا ہے۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ بات

marfat.com

میرے لئے بہت ہی وحشت انگیز ہے کیونکہ تمہاری آمد کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہم دونوں جھوٹ اور فریب میں مبتلا رہیں۔ لہٰذا یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میری خواہش صرف اس غرض سے علیل ہو جانے کی ہے کہ باجماعت نماز ادا نہ کرنی پڑے اور کسی کی شکل تک نظر نہ آئے کیونکہ بندگی ایک ایسی خلوت نشینی کا نام ہے جس میں کسی کی صورت نظر نہ پڑے اور میں ایسے شخص کا بہت ممنون ہوتا ہوں جو نہ مجھے سلام کرے اور نہ مزاج پرسی کو آئے کیونکہ لوگوں سے میل ملاپ اور عدم تنہائی نیکی سے بہت دور کرا دیتے ہیں اور جو شخص محض اعمال پر گفتگو کرتا ہے، اس کی گفتگو لغو اور بے سود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے۔ اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ دوست کو غم اور دشمن کو عیش عطا کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح جنت میں رونا عجیب سی بات ہے اسی طرح دنیا میں ہنسنا بھی تعجب انگیز ہے کیونکہ نہ تو جنت رونے کی جگہ ہے اور نہ دنیا ہنسنے کی جگہ اور جس کا قلب خشیت الٰہی سے لبریز ہوتا ہے، اس سے ہر شے خوفزدہ رہتی ہے۔ پھر فرمایا کہ بندے کے زہد کی مقدار اسی قدر ہوتی ہے جتنا اسے آخرت سے لگاؤ ہوتا ہے۔

فرمایا کہ میں نے پوری اُمت محمدی میں ابن سیرین سے زیادہ بیم و رجا کے عالم میں کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا کہ اگر دنیا کی ہر لذت میرے لئے جائز کر دی جائے تو پھر بھی میں دنیا سے اتنا نادم رہتا جتنا لوگ حرام و مردود شے سے نادم ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے برائیوں کے مجموعہ کو دنیا کا نام دے دیا ہے اور دنیا سے بری الذمہ ہو کر لوٹنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا دنیا میں آنا آسان ہے۔ پھر فرمایا کہ لوگ دار الامراض میں پاگلوں کے مانند تنگ جگہ میں زندگی گذار دیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر آخرت خاکی ہوتی اور دنیا زر خالص، پھر بھی دنیا فانی رہتی اور لوگوں کی خواہش خاکی ہونے کے باوجود آخرت ہی جانب ہوتی لیکن دنیا خاکی ہے اور آخرت زر خالص۔ پھر بھی دنیا کی بجائے آخرت کی جانب لوگوں کی توجہ نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں جب کسی کو نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تو آخرت میں اس کے سو حصے کم کر دیئے جاتے ہیں۔

جب مردِ مومن اس قدر متقی اور پرہیز گار ہو جاتا ہے تو اس کے خون کے قطرات اور سانسوں میں رب کی رحمت سما جاتی ہے۔ وہ خدا کیلئے جیتا اور مرتا ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی میں بسر ہوتا ہے۔ خدا اس کا محبوب بن جاتا ہے اور وہ کسی اور کی محبت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ آپ اپنے چھوٹے سے بچے کو گود میں لئے بہت زیادہ پیار کر رہے تھے کہ محبوبیت خدا کی یاد آ گئی اور کہا کہ یا اللہ

marfat.com

جہاں تو محبوب بن جائے کسی اور سے محبت کو جی ہی نہیں چاہتا۔ یہ کہا ہی تھا کہ بچے نے ہلکی سی چیخ ماری اور اپنی جان خدا کے سپرد کر دی۔ آپ کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے مگر کہا تو فقط یہی کہا:

''اے خدایا میرے لئے تیری محبت ہی کافی ہے''

آپ خدا کی یاد میں اتنے محو ہو گئے کہ بیوی اور بچوں کی طرف سے دھیان ہی اُٹھ گیا تھا۔ زندگی کا چراغ بجھ رہا تھا تو ایسے عالم میں بھی فرمایا کہ مجھے پیغمبروں پر اس لئے رشک نہیں آتا کہ وہ بھی نفسی نفسی کی منزل سے گزریں گے اور ملائکہ پر اس لئے رشک نہیں آتا کہ وہ انسانوں سے بھی زیادہ خوفزدہ ہیں۔

انتقال کے وقت آپ کی دو صاحبزادیاں موجود تھیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا کہ میرے بعد ان دونوں کو کوہ ابوقبیس پر لے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرنا کہ فضیل (رحمۃ اللہ علیہ) نے زندگی بھر انہیں پرورش کیا اور جبکہ وہ قبر میں جا چکا ہے تو یہ دونوں تیرے سپرد ہیں۔ چنانچہ بیوی نے وصیت پر عمل کیا اور ابھی دعا میں مشغول ہی تھیں کہ سلطان یمن ادھر آ نکلا اور اس نے دونوں صاحبزادیوں کو اپنی کفالت میں لے کر انکی والدہ سے اجازت کے بعد اپنے دولڑکوں سے ان دونوں کی شادیاں کر دیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جو خدا کو یاد کرتے ہیں' خدا بھی انہیں بے حد یاد رکھتا ہے۔ اسی لئے تو اس نے فرمایا کہ

''تم میرا ذکر کرو' میں تمہارا ذکر کروں گا' میرا شکر ادا کرو اور کبھی نافرمانی نہ کرنا''

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے خدا شناسی اور خدا کی یاد میں سرمست ومحو رہنے کا حق ادا کر دیا۔ خدا نے بھی انہیں خوب خوب یاد رکھا اور جن بچیوں کو وہ بے سہارا چھوڑ کر جا رہے تھے رحمت الٰہی ان کا سہارا بن گئی۔ انہیں صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگی ہمیں صراط مستقیم پر چلنے اور رضائے الٰہی میں مسرت و بے خود رہنے کا پیغام دیتی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے صوفیائے کرام کو رب العالمین کی جانب سے روحانی اور ایمانی درجات عطا ہوئے۔ ان کی بدولت زمانے پر یہ واضح ہو گیا کہ یہی وہ ہستیاں ہیں' جن پر خدا کا انعام ہوا۔

زہے قسمت خدائے پاک کا انعام ہو جائے ۔۔۔ عمل خالص ہو اور اللہ کا اکرام ہو جائے

انہی اللہ کے بندوں کا اُسوۂ شمع روشن ہے ۔۔۔ کہ جس سے مستفید ہر ایک خاص و عام ہو جائے

marfat.com

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کے دلدار یہی ہیں
مالک بن دینار یہی ہیں
ان کا اسوہ نور کا مظہر
قدرت کا شہکار یہی ہیں
جن کی تعلیمات ہیں روشن
حکمت کا مینار یہی ہیں
رب کے ہر اک حکم پہ راضی
فطرت کا معیار یہی ہیں
جینا مرنا رب کی خاطر
قندیل انوار یہی ہیں
ان کا ہر انداز کرامت
رحمت کا اظہار یہی ہیں
بات رضا کیا ولیوں کی ہو
عظمت کے حق دار یہی ہیں

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

امام الاصفیاء

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مالک بن دینار کا شمار ان صوفیائے عظام اور اولیائے کرام میں ہوتا ہے، جنہوں نے اپنے قول و فعل سے اپنے خدا کو راضی کر لیا تھا۔ آپ خدا کی یاد میں اس درجہ گم رہتے تھے کہ کسی اور طرف دھیان ہی نہیں تھا۔ آپ کے روشن کردار میں مس خام کو کندن بنانے والی تاثیر تھی۔ یعنی جو بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتا با خدا بن جاتا۔ عوام الناس آپ سے حد درجہ پیار کرتے تھے لیکن آپ شہرت و مشہوری سے گریزاں تھے اور خود کو پوشیدہ رکھنے کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔ بعض اوقات ایک جگہ زیادہ مدت ہو جاتی تو آپ وہ جگہ ہی چھوڑ دیتے تھے کیونکہ اس جگہ عوام الناس کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگتے تھے۔ آپ کی علمی شہرت اور روحانی سربلندی کا یہ عالم تھا کہ ان کے دور کے نامور علماء و فقہاء اور درویش آپ کی خدمت میں حاضری دینا باعث سعادت سمجھتے تھے۔

لیکن آپ شروع ہی سے ایسے نہ تھے۔ بہترین لباس زیب تن کرتے، سج دھج کے ساتھ بازار میں نکلتے تھے۔ شکل و صورت بھی خوبصورت تھی۔ اگر کسی عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیتے تو وہ آپ کی گرویدہ ہو جاتی لیکن آپ نے کبھی اپنے وجود کو اس حسن و جمال کے باوجود بھی گناہ سے آلودہ نہ ہونے دیا اور پھر ان کی حالت بدلنے کا وقت آ گیا۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں:

ابتدائی دور میں آپ ایک کنیز کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور محبت کا عرصہ بہت طوالت پکڑ گیا۔ چنانچہ سردیوں کی ایک رات میں آپ صبح تک اس کے مکان کے سامنے انتظار میں کھڑے رہے اور جب سحر نمودار ہوئی تو رات کے بیکار جانے کا بے حد ملال ہوا اور قلب میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر میں یہ رات عبادت میں گذارتا تو اس بیداری سے وہ لاکھ درجہ بہتر تھا۔ بس اسی تصور سے آپ نے تائب ہو کر عبادت و ریاضت کو صدق دل کے ساتھ اپنا مشغلہ بنا لیا اور بہت قلیل عرصہ میں اعلیٰ و ارفع مراتب پر فائز ہوئے۔

آپ علوم ظاہری و باطنی سے مرصع اور شریعت و طریقت سے آراستہ تھے اور علماء صوفیاء

marfat.com

دونوں ہی آپ کے مراتب کے پیش نظر بے حد تعظیم و احترام کرتے تھے اور عظیم تر مشائخ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف و کرامات کثرت سے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری اور حضرت فضیل بن عیاض نے آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو حضرت سفیان ثوری نے کہا کہ اے مرد مشرق تشریف لائیے اور حضرت فضیل نے کہا کہ اے مرد مغرب اور جو مغرب و مشرق کے درمیان ہے آیئے حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ جس کی تعریف میں حضرت فضیل جیسے بزرگ رطب اللسان ہوں ان کے اوصاف بھلا میں کیا بیان کرسکتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ کی والدہ آپ کی جستجو میں نکلیں تو دیکھا کہ ایک باغ میں گلاب کے پودے کے نیچے محو خواب ہیں اور ایک سانپ نرگس کی ٹہنی سے مکھیاں اُڑا رہا ہے۔ آپ مرو کے باشندے تھے اور سیر و سیاحت کے بے حد دلدادہ اور مدتوں بغداد میں مقیم رہ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس ہو کر پھر اپنے وطن اصلی مرو میں سکونت پذیر ہو گئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ بغرض حج روانہ ہوا لیکن راستے میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ صرف چار یوم حج میں باقی رہ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں حج سے محروم رہ جاؤں گا۔ لہٰذا کیا شکل اختیار کرنی چاہیئے۔ اسی فراق میں ایک بڑھیا نے آ کر مجھ سے کہا میرے ہمراہ چل میں تجھے عرفات تک پہنچائے دیتی ہوں۔ چنانچہ میں چل پڑا اور جب راہ میں کوئی دریا آ جاتا تو وہ کہتی آنکھیں بند کرلو اور جب میں اس پر عمل کرتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ میں صرف کمر تک پانی میں چل رہا ہوں اور جب دریا عبور کر لیتا تو وہ کہتی کہ آنکھیں کھول دو' غرضیکہ اسی طرح اس نے مجھے عرفات تک پہنچا دیا اور فراغت حج کے بعد بڑھیا نے کہا کہ چلو میں اپنے بیٹے سے تمہاری ملاقات کراؤں اور جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بہت ہی کمزور سا نوجوان نورانی صورت کا بیٹھا ہوا ہے اور ماں کو دیکھتے ہی قدموں میں گر کر کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے تم دونوں کو میری تجہیز و تکفین کیلئے بھیجا ہے کیونکہ میری موت کا وقت بہت قریب ہے۔ یہ کہتے ہی وہ فوت ہو گیا اور میں نے غسل دے کر اس کو قبر میں اتار دیا لیکن بڑھیا نے مجھ سے کہا کہ اب تم رخصت ہو جاؤ کیونکہ میں اپنی زندگی بیٹے کی قبر پر گذارنا چاہتی ہوں اور آئندہ سال جب تم آؤ گے تو میں تمہیں نہ مل سکوں گی لیکن میرے لئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہنا۔

جب رب کائنات اپنے بندۂ خاص کو نوازتا ہے تو اس کیلئے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک ہر وقت خدا کی رضا کی تلاش میں رہتے تھے اور پھر خدا نے آپ پر کسی

marfat.com

طور سے کرم فرمایا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو قربانی وایثار کا روشن باب ہے۔

ایک مرتبہ آپ فراغت حج کے بعد بیت اللہ میں سو گئے اور خواب دیکھا کہ دو فرشتے باہم باتیں کر رہے ہیں اور ایک نے دوسرے سے سوال کیا کہ اس سال کتنے لوگ حج میں شریک ہوئے اور کتنے افراد کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ لوگوں نے حج ادا کیا لیکن ایک فرد کا بھی حج قبول نہیں ہوا' مگر دمشق کا ایک موچی جو حج میں تو شریک نہیں ہوا لیکن خدا نے اس کا حج قبول فرما کر اس کے طفیل میں سب کا حج قبول کر لیا۔ یہ خواب دیکھ کر بیداری کے بعد موچی سے ملاقات کرنے دمشق پہنچے اور ملاقات کے بعد جب اس کا نام نسبت دریافت کر کے حج کا واقعہ دریافت کیا تو اس نے اپنا نام پیشہ بیان کرنے کے بعد جب آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتا دیا کہ میں عبداللہ بن مبارک ہوں' یہ سنتے ہی وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور ہوش میں آنے کے بعد اس طرح اپنا واقعہ بیان کیا کہ بہت عرصہ سے میرے قلب میں حج کی تمنا تھی اور میں نے اس نیت سے تین سو درہم بھی جمع کر لیے تھے لیکن ایک دن میرے پڑوسی کے یہاں سے کھانا پکنے کی خوشبو آئی تو میری بیوی نے کہا کہ اس کے یہاں سے تم بھی مانگ لاؤ تا کہ ہم بھی کھا لیں۔ چنانچہ میں نے اس سے جا کر کہا کہ آج آپ نے جو کچھ پکایا ہے ہمیں بھی عنایت کریں لیکن اس نے کہا کہ وہ کھانا آپ کے کھانے کا نہیں ہے کیونکہ سات یوم سے میں اور میرے اہل وعیال فاقہ کشی میں مبتلا تھے تو میں نے مردہ گدھے کا گوشت پکا لیا ہے۔ یہ سن کر خوف خداوندی سے لرز گیا اور اپنی تمام جمع شدہ رقم اس کے حوالے کر کے یہ تصور کر لیا کہ ایک مسلمان کی امداد میرے حج کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ فرشتوں نے خواب میں واقعی سچی بات کہی تھی اور خدا تعالیٰ حقیقتاً قضا وقدر کا مالک ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رب دو عالم کی آپ پر کس درجہ نوازشیں تھیں کہ آپ کی ایک نیکی لاکھوں حاجیوں کی بخشش کا سامان بن گئی اور پھر خدا ایسے بندوں کو اپنی رحمتوں کا نظارا اس طرح کرواتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے لیکن لرز کر بے ہوش ہو گیا اور ہوش میں آنے کے بعد جب میں نے اس کی کیفیت پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں آتش پرست ہوں اور بھیس تبدیل کر کے کعبۃ اللہ میں داخلہ کی نیت سے آیا تھا لیکن جیسے ہی میں داخلہ کا قصد کیا تو ندا آئی کہ تو دوست کا دشمن بن کر دوست کے مکان میں کیسے داخل ہو سکتا ہے اور یہ آواز سنتے ہی میں نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔

marfat.com

موسم سرما میں نیشاپور کے بازار میں آپ نے ایک غلام کو دیکھا جو سردی میں سکڑا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تم اپنے مالک سے پوستین کا مطالبہ نہیں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس کو نظر نہیں آتا جو میرے کہنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس جملہ سے آپ کو ایسی عبرت ہوئی کہ آپ نے فرمایا کہ طریقت تو اس غلام سے حاصل کرنی چاہیئے۔

ایک پادری عبادات و مجاہدات کرتے کرتے بہت کمزور ہو گیا تھا اور جب حضرت عبد اللہ نے دریافت کیا کہ خدا کا راستہ کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تم عارف ہونے کی وجہ سے یقیناً خدا اور اس کی راہوں سے ضرور واقف ہو گے' میں نے تو آج تک اللہ ہی کو نہیں پہچانا۔ پھر بھلا اس کا راستہ کیسے بتا سکتا ہوں۔ میں پہچانے بغیر ہی اس کی عبادت کرتے کرتے اس قدر ضعیف ہو گیا ہوں لیکن نہ جانے تم کس قسم کے عارف ہو کہ خدا کا خوف بھی نہیں کرتے۔ یہ سن کر آپ کو ایسی عبرت ہوئی کہ ہر یوم آپ کے خوف خداوندی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

بزرگانِ دین کے ارشادات حکمت و موعظت سے پُر ہوتے ہیں۔ ان میں دنیاداری کی کوئی بات نہیں ہوتی' یہ اپنے عمل اور صالحیت کے ساتھ ساتھ اپنے اقوال اور گفتگو سے بھی عوام الناس کو نصیحتوں سے نوازتے رہتے ہیں۔ ان کے اقوال حسین درحقیقت لعل و جواہر ہوتے ہیں جنہیں خلق خدا چنتی اور اپنے دامان دل میں جگہ دیتی ہے۔ یہ اقوال اس لئے پُر اثر ہوتے ہیں کہ ان میں ان کے کردار کی خوشبو شامل ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کے اقوال و ارشادات بھی ایسے ہی پُر اثر اور دلوں میں اُتر جانے والے ہیں اسی لئے لوگ انہیں غور سے سنتے اور اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ

ع......قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایک نظر ادھر بھی ہو جائے۔

جب لوگوں نے یہ سوال کیا کہ خدا کے راستے میں چلنے والوں کی کیا کیفیت ہوئی۔ فرمایا کہ وہ ہمہ اوقات خدا کی طلب میں مشغول رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں کثیر علم کے بجائے قلیل ادب کی زیادہ احتیاج ہے اور لوگ اس وقت ادب کے متلاشی ہیں' جب اہل ادب دنیا سے رخصت ہو چکے۔ گو مشائخ نے ادب کی بہت سی تعریفیں کی ہیں لیکن میرے نزدیک ادب نام ہے نفس شناسی کا۔ فرمایا کہ درم قرض حسنہ دینا ایک ہزار درم خیرات کر دینے سے زیادہ موجب ثواب ہے اور ناجائز مال کا ایک حصہ لینے والا بھی توکل سے محروم رہتا ہے اور توکل وہ ہے جس کو تمہارا نفس نہیں بلکہ خدا تعالیٰ تو

marfat.com

کل خیال کرے، اور توکل کسب کیلئے مانع نہیں ہے بلکہ کسب و توکل دونوں ہی داخل عبادت ہیں اور اہل توکل کو اتنا پسماندہ کرلینا کہ جو ان کے مرض و موت میں کام آسکے معیوب نہیں ہے۔ فرمایا کہ اگر عیالدار شخص بچوں کی نگرانی اور پرورش کے ساتھ علم دین بھی سکھاتا ہے تو اس کا اجر جہاد سے بھی فزوں ہے۔ فرمایا کہ جس کو دنیا والے عزت و رفعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں اس کو چاہیئے کہ وہ خود کو بے وقعت تصور کرتے ہوئے خود فریبی میں مبتلا نہ ہو۔

جب لوگوں نے سوال کیا کہ قلب کا معالجہ کس طرح کیا جائے۔ فرمایا کہ قرب الٰہی اور لوگوں سے کنارہ کش کرنے سے۔ فرمایا کہ تواضع کا مفہوم یہ ہے کہ انسان امراء سے غرور اور فقراء سے عجز کے ساتھ پیش آئے۔ اور جو دنیاوی مراتب کے اعتبار سے تم سے برتر ہو اس کے ساتھ تکبر سے پیش آؤ اور جو تم سے کمتر ہو اس کے ساتھ عاجزی اختیار کرو۔ فرمایا کہ جس کی رضا میں خوف کا عنصر نہ ہو وہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ ظاہری و باطنی و مراقبہ کا مطلب یہ ہے کہ جو قلب سے خوف دور کرکے سکون عطا کر دے۔

جب لوگوں نے آپ کی مجلس میں غیبت پر بحث کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر انسان غیبت ہی کرنا چاہے تو پہلے اپنے والدین کی غیبت کرے کیونکہ ان کے گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ اولاد کی نیکیاں ان کے اعمال ناموں میں درج کی جاتی ہیں۔

کسی نے آپ سے عرض کیا کہ ایسے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں جس کو بوجہ ندامت آپ کے سامنے نہیں بتا سکتا لیکن اصرار کے بعد اس نے کہا کہ میں زنا کا ارتکاب کر بیٹھا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اس خیال میں تھا کہ شاید تو نے غیبت کا گناہ کیا ہے کیونکہ زنا کا تعلق تو خدا کے گناہ سے ہے جو توبہ کے بعد معاف بھی ہوسکتا ہے لیکن غیبت بندے کا گناہ ہے جس کو اللہ معاف نہیں کرتا۔

آپ کے یہاں کوئی مہمان آگیا اور اس وقت آپ کے یہاں کچھ بھی موجود نہ تھا لیکن آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ مہمان خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مہمان داری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا، مگر اس نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی چنانچہ اس حکم شرعی کے مطابق کہ جو عورت شوہر کا حکم نہ مانے اس کو طلاق دے دینی چاہیئے۔ آپ نے بھی مہر ادا کرکے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ روم کے گرد و نواح میں میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کو شکنجہ میں کس کر مار پیٹ رہے ہیں اور ایک شخص دور سے کھڑا کہہ رہا ہے کہ اس کو اچھی طرح مار دور نہ بڑا بت خفا ہوجائے گا۔ اور جب میں نے پٹنے والے سے پوچھا کہ یہ لوگ تجھے کیوں مار رہے

marfat.com

ہیں اس نے کہا کہ ہمارا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ گناہوں سے پاک ہوئے بغیر بڑے خلل پڑنے کی وجہ سے فرائض سے بھی محرومی ہو جاتی ہے اور ایسا شخص خدا کی معرفت سے کبھی بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

آپ کے پاس ایک ایسا غلام تھا' جس سے آپ نے شرط رکھی تھی کہ اگر تم محنت مزدوری کر کے اتنی رقم مجھے دے دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔ ایک دن آپ سے کسی نے کہہ دیا کہ آپ کا غلام تو سرقہ کرتے ہوئے کفن چرا کر فروخت کرنے کے بعد آپ کی رقم ادا کرتا ہے۔ یہ سن کر آپ کو بے حد ملال ہوا اور رات کو چھپ کر اس کے پیچھے پیچھے قبرستان پہنچ گئے۔ قبرستان میں جا کر غلام نے ایک قبر کھولی اور نماز میں مشغول ہو گیا اور جب آپ نے قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ٹاٹ کے کپڑے پہنے اپنے گلے میں طوق پہنے ہوئے گریہ وزاری کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ رو پڑے اور پوری رات آپ نے باہر اور غلام نے قبر میں عبادت کرنے میں گذار دی۔ پھر صبح کو غلام نے قبر کو بند کیا اور فجر کی نماز مسجد میں جا کر ادا کی اور یہ دعا کرتا رہا کہ اللہ اب رات گزر چکی ہے اور میرا آقا اب رقم طلب کرے گا۔ لہٰذا اپنے کرم سے تو ہی کچھ انتظام فرما دے۔ اس دعا کے بعد ایک نور نمودار ہوا اور اس نے درم کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ آپ یہ واقعہ دیکھ کر غلام کے قدموں میں گر پڑے اور فرمایا کہ کاش تو آقا اور میں غلام ہوتا۔ یہ جملہ سن کر غلام نے پھر دعا کی کہ اے اللہ اب میرا راز فاش ہو گیا ہے اس لئے مجھے دنیا سے اُٹھا لے اور آپ کی ہی آغوش میں دم توڑ دیا۔ پھر آپ نے غسل دے کر ٹاٹ ہی کے لباس میں دفن کر دیا لیکن رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دو براقوں پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عبد اللہ تو نے ہمارے دوست کو ٹاٹ کے لباس میں کیوں دفن کیا۔

آپ جہاد بالنفس پر سختی سے پابند تھے۔ اپنے جذبات کو کبھی بھی شرع مصطفوی سے بھٹکنے نہ دیا۔ جو کام کیا اس میں خدا کی مرضی کو ملحوظ رکھا لیکن اس کے ساتھ آپ مردِ مجاہد بھی تھے۔ جہاد اسلامی میں شریک ہوتے' بہادری اور دلیری کے جوہر دکھائے۔ ''تذکرہ الاصفیاء'' میں لکھا ہے:

آپ کا یہ معمول تھا کہ ایک سال حج کرتے اور دوسرے سال شریک جہاد رہتے اور تیسرے سال تجارت کر کے جو کچھ بھی نفع حاصل کرتے وہ سب مستحقین میں تقسیم فرما دیتے اور فقراء کو کھجوریں کھلاتے تو گٹھلیاں شمار کرتے جاتے اور جو شخص جس قدر کھجوریں کھاتا اسی حساب سے ہر شخص کو اتنے میں درہم دیتے تھے۔

کچھ عرصہ ایک نہایت بدطینت شخص آپ کی صحبت میں رہا اور جب وہ رخصت ہو گیا تو

marfat.com

آپ نے روتے ہوئے فرمایا کہ صد حیفؒ! وہ تو مجھ سے رخصت ہو گیا لیکن اس کی بری خصلتیں اس سے رخصت نہ ہو سکیں۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں بعض لوگوں نے ایک نابینا سے کہا کہ عبداللہ بن مبارک تشریف لا رہے ہیں جو کچھ طلب کرنا چاہے طلب کر لے۔ چنانچہ اس نے آپ کو ٹھہرا کر یہ دعا کرنے کی درخواست کی کہ میری بصارت واپس آ جائے اور جب آپ نے دعا فرمائی تو فوراً ہی اسکی بصارت واپس آ گئی۔

آپ کس درجہ معاملہ فہم تھے اور خدا و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس درجہ آپ کو نواز رکھا تھا اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے:

ایک مرتبہ آپ بہت وجاہت کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک نادار سید نے کہا کہ میں سید ہونے کے باوجود آپ سے مرتبہ میں کم ہوں۔ فرمایا کہ میں تو تیرے جد امجد کا اطاعت گذار ہوں لیکن تو ان کے اقوال و اعمال پر عمل پیرا نہیں ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے یہ جواب دیا کہ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ تیرے جد اعلیٰ خاتم الانبیاء تھے اور میرا باپ گمراہ' مگر تیرے جد اعلیٰ نے جو ترکہ چھوڑا اس کو میں نے حاصل کر لیا جس کی وجہ سے یہ مرتبہ مجھے عطا کیا گیا اور میرے باپ کی گمراہی تو نے ترکے میں حاصل کی اس لئے تو رُسوا ہو گیا۔ لیکن اسی شب آپ نے خواب میں حضور اکرم کو غصہ کی حالت میں دیکھا اور جب وجہ دریافت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے میری آل کے عیوب کی پردہ دری کیوں کی؟ چنانچہ آپ بیدار ہونے کے بعد اُس سید کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے اور ادھر اس سید نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ اگر تیرے اعمال و افعال بہتر ہوتے تو عبداللہ تیری اہانت کیوں کرتا' چنانچہ وہ بھی بیداری کے بعد آپ کی تلاش میں چل دیا اور جب راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو دونوں اپنا اپنا خواب سنانے کے بعد تائب ہوئے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آپ نے اپنی بیوی کو اس لئے طلاق دے دی تھی کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے مہمانوں کی ضیافت نہیں کر سکی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن مبارک کو اس کا اجر یوں دیا۔

ایک دن آپ کی مجلس وعظ میں کوئی امیر زادی شریک ہوئی اور وعظ سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ اپنے والدین سے کہہ دیا کہ میرا نکاح عبداللہ بن مبارک سے کر دو اور والدین نے بھی خوش ہو کر نکاح کر کے لڑکی آپ کے ہمراہ کر دی۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار دینار بھی لڑکی کو دیئے۔ پھر نکاح کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو نے ہماری خوشنودی میں بیوی کو طلاق

marfat.com

دے دی تھی لہٰذا ہم نے اس سے بہتر تجھ کو دوسری بیوی عطا کر دی تا کہ تو بخوبی اندازہ کر سکے کہ خدا کے خوش کرنے والے کبھی نقصان میں نہیں رہتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے اصحاب یقین جب رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتے ہیں تو ان کے سامنے سے غیب کے پردے اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ ایک واقعہ نذر قارئین ہے:

حضرت سہیل بیشتر آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چلتے ہوئے کہنے لگے کہ اب میں کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔ اس لئے کہ آج چھت پر سے آپ کی کنیزیں مجھے اے سہیل اے سہیل کہہ کر آواز دے رہی تھیں اور یہ بات میرے لئے بار خاطر ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ نے کہا کہ آؤ سہیل کی نماز جنازہ ادا کریں چنانچہ اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا اور تجہیز و تکفین کے بعد جب لوگوں نے سوال کیا کہ موت سے پہلے ہی آپ کو ان کی موت کا علم ہو گیا تھا۔ فرمایا کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ تیری چھت پر سے کنیزیں مجھے اے سہیل کہہ کر آواز دے رہی تھیں حالانکہ میرے یہاں کوئی لونڈی نہیں ہے اور وہ یقیناً حوریں تھیں' جو آواز دے رہی تھیں' اسی وجہ سے میں نے ان کی موت کا یقین کر لیا۔

ایک بار ایک کافر آپ سے ملا اور کہا ہمارے لئے مصیبت یہ ہے کہ کوئی دکھ آ جائے تو شکایت کرنے کیلئے بت کا نام زبان سے نہیں نکال سکتے اور اس کے ڈر سے میں گریہ وزاری بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ خدا کا احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے وہ دین عطا کیا جس میں خدا کا نام لیتے ہی بندہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور جب اس کی معرفت حاصل کرتا ہے تو سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے کہ خدا کو شناخت کرنے والوں کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ جہاد میں آپ ایک کافر سے برسر پیکار تھے تو نماز کا وقت آ گیا اور آپ نے اس کافر سے اجازت لے کر نماز ادا کر لی اور جب اس کی عبادت کا وقت ہوا تو وہ بھی آپ سے اجازت لے کر اپنے بت کی جانب متوجہ ہوا لیکن آپ کے دل میں اس کو قتل کر دینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ اسی وقت ندائے غیبی آئی کہ ہماری اس آیت کے مطابق اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔ یعنی تم سے قیامت میں عہد شکنی کی باز پرس ہو گی۔ لہٰذا اپنے قصد سے باز آ جاؤ۔ یہ ندا سنتے ہی آپ رو پڑے اور جب اس کافر نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ یہ سن کر اس کافر کو یہ خیال آیا کہ جو خدا اپنے دشمن کی وجہ سے اپنے دوست پر ناراض ہو اس کی اطاعت نہ کرنا بزدلی ہے اور اس خیال کے ساتھ ہی وہ سچے دل سے مسلمان ہو گیا۔

marfat.com

ایک پریشانی کے وقت کچھ لوگ آپ کے پاس بطور دلداری کے حاضر ہوئے اور ان میں ایک آتش پرست بھی تھا اور اس نے یہ کہا کہ دانشور وہی ہے جو اوّل دن ہی وہ کام انجام دے جس کو نادان تیسرے دن پورا کرتے ہیں۔ یہ جملہ سن کر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس قول کو یاد رکھنا' بہت عظیم نصیحت ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ کون سی عادتیں سود مند ہیں! فرمایا کہ عقل کامل ہونا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر عقل کامل نہ ہو؟ فرمایا کہ حسن ادب ہو۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا کہ اتنا شفیق بھائی بن جائے کہ لوگ اس سے مشورہ کریں۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو سکے؟ فرمایا سکوت اختیار کرو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر مرگ ناگہاں بہت سود مند ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جو ادب کی اہمیت سے واقف نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے سنت میں بے ادبی۔

بہتر ہے کہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو بجا لایا کرو۔ آپ نے تمام زندگی کوئی اثاثہ جمع نہیں کیا جو کچھ بھی امراء یا عوام کی طرف سے آتا خدا کی راہ میں خیرات کر دیا کرتے تھے۔ لوگ کہتے کہ اتنی جلدی کیا ہے؟ تو فرماتے کہ موت کوئی پوچھ کر آتی ہے' اس کا کیا بھروسہ کہ کب آ جائے۔ لہٰذا موت کی آمد سے قبل ہی اپنے اعمال اور ایثار کے ذریعہ اس کی تیاری کر چھوڑنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے آپ کے پاس جو اثاثہ تھا اسے آپ نے حاجت مندوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیا۔

یہ صورتحال دیکھ کر آپ کے ایک دیرینہ ارادت مند نے سوال کیا کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ہیں۔ ان کیلئے کیا چھوڑا؟ فرمایا کہ ان کیلئے خدا چھوڑ دیا ہے کیونکہ جس کا کفیل خدا ہو' اس کو عبد اللہ کی حاجت نہیں۔ موت سے پہلے آپ نے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "عمل کرنے والوں کو ایسے ہی عمل کرنے چاہئیں" اس کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔

کسی نے حضرت سفیان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ کیسا معاملہ رہا۔ فرمایا کہ اس نے میری مغفرت فرمادی پھر اس نے سوال کیا کہ عبد اللہ بن مبارک کس حال میں ہے؟ فرمایا کہ ان کا شمار تو اس جماعت میں ہے جو دن میں دو مرتبہ حضوری کا شرف حاصل کرتی ہے۔

تاریخ تصوف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قول برحق تھا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو خدا کیلئے چھوڑ دیا ہے۔ خدا بھی اپنے نیک بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا اور پھر حضرت عبد اللہ بن مبارک تو امام الاولیاء تھے۔ خدا نے کرم فرمایا اور انکی بیٹیوں پر دامان رحمت دراز کر دیا۔ ان کے ہاں مال اس قدر وافر انداز سے آیا کہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ سب کچھ کیسے ہوگیا اور پھر امیر گھرانوں سے

marfat.com

ان بیٹیوں کیلئے رشتے آئے۔ گویا خدا نے دنیا والوں کو جتلا دیا کہ عبد اللہ بن مبارک ہمارے لئے جیتا اور مرتا ہے۔ اس کا ہر عمل ہمارے لئے ہے تو ہماری تمام رحمتیں بھی اس کیلئے ہیں۔

خدا کے نام پر جینا عبادت اس کو کہتے ہیں
خدا کے نام پہ مرنا سعادت اس کو کہتے ہیں
دلوں میں خوفِ رب العالمین ہر پل جو پیدا ہو
تو پھر رحمت خدائے پاک کی کیوں نہ ہویدا ہو

marfat.com

سید الطائفہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جنید بغدادی تاریخ تصوف کا روشن ترین باب ہیں۔ آپ سلطان الاولیاء تھے، امام الاصفیا تھے، رہنمائے اصحاب طریقت تھے، دل و جان کا اعزاز تھے۔ آپ نے لاکھوں گمراہوں کو راہ ہدایت پر گامزن کیا۔ آپ نے ظلمت و ادبار کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے والوں کو ایک خدا کا پرستار بنا دیا۔ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ''سید الطائفہ'' کہتے ہیں کہ آپ کی چشم کرم نے زمانے کا مقدر بدل دیا۔ آپ کے مواعظ کی تاثیر سے امیر و غریب یکساں فیضیاب ہوتے تھے۔ آپ نے پیغام حق کو پھیلانے میں کسی صاحب تخت و تاج کی پرواہ نہیں کی، بلکہ آپ سمجھتے تھے کہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہہ کر انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کا راستہ بتایا جائے۔ آپ اس حقیقت کی تفسیر تھے کہ:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے اَزل سے قلندروں کا طریق

زیر نظر مضمون میں آپ کے کردار کی عظمت اور آواز کی تاثیر کا ایک پہلو بیان کیا جا رہا ہے تا کہ اندازہ ہو سکے کے بندگانِ خدا کا فیض عالمگیر کس طرح دلوں کو ایمان کی روشنی سے ہمکنار کرتا ہے۔

............o............

رات اپنی تاریکیوں سمیت آہستہ آہستہ خوبصورت ہو رہی تھی، ستارے ماند پڑ چکے تھے۔ اسے صاف فضا میں سانس لیتے ہوئے کافی مدت ہو چکی تھی۔ کل وہ جیل سے دس برس کی سزا کاٹ کر رہا ہوا تھا۔ اس شہر کے گلی کوچے اسے مانوس دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے اپنی عمر کا معقول حصہ اسی شہر میں گذارا تھا۔ اگرچہ کئی قسم کی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور ان دس سالوں میں کئی قسم کے تغیر و تبدل اپنی حشر سامانیوں کا دامن پھیلا چکے تھے مگر پھر بھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں کے ذرے ذرے سے آشنا ہو۔ نئی عمارتوں میں اسے مانوسیت جھلکتی دکھائی دے رہی تھی، اس

marfat.com

نے اپنے آپ پر نگاہ دوڑائی' داڑھی بڑھ چکی تھی' سر کے بال اُلجھے ہوئے تھے' جسم پر لباس نہیں چھیتھڑے تھے۔ ان باتوں سے قطع تعلق کر کے جب اس نے پیٹ کے تنور میں جھانکا تو اس کے چہرے پر مایوسی اور غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ آٹھ پہر سے بھوکا تھا' اسے کہیں سے بھی کھانا نہیں دستیاب ہو سکا تھا۔ اب اس کے سامنے سب سے پہلا اور بڑا سوال یہ تھا کہ پیٹ کو کیونکر بھرے' پھر اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں' اس کا چہرہ تن گیا' اس کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے' جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ بڑبڑایا۔

''دُنیا میں روٹی صرف جرم سے حاصل ہو سکتی ہے میں بھوکا نہیں مروں گا''۔

اس کی یہ بڑبڑاہٹ اتنی شدید تھی کہ وہ خود ہی چونک پڑا۔ کسی نے سن تو نہیں لیا' وہ شہر کے بیرونی حصے کی طرف تھا اور جس گلی سے گذر رہا تھا' وہاں سناٹا طاری تھا۔ ایک خطرناک عزم کے ساتھ وہ آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ معاً اس کی نظر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر پڑی' اسے اپنی مجبوری کا احساس ہوا اور اس کی بھنچی ہوئی مٹھیاں کھل گئیں۔ ساتھ ہی مؤذن نے پکارا ''اللہ اکبر' اللہ اکبر'' اس نے محسوس کیا کہ لوگ تو بیدار ہونے لگے ہیں اور وہ دن کے اُجالے میں اپنے خطرناک عزائم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے گا۔ اس کا کٹا ہوا ہاتھ' پھٹا ہوا لباس اور وحشیانہ سراپا اور مجرموں سی ہیئت' لوگ لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اس کی معمولی سی حرکت کو بھی کسی عظیم جرم پر محمول کیا جائے گا اور پھر وہ گرفتار ہو جائے گا جیل کا خیال آتے ہی اس کے دل میں نفرت کے جذبات اُبھر آئے۔ اب وہ شہر کی آخری عمارت کے قریب سے گذر رہا تھا۔ کیوں نہ وہ چھپ رہے اور پھر رات کو مقصد براری کیلئے نکلے' ذہن کی اس تجویز پر جسم نے اظہار خوشنودی کیا اور ہولے ہولے چلتا ہوا شہر کے باہر ایک سمت ہو لیا۔

..................O..................

یہ ابن ساباط تھا...... بغداد کا شیطان ...... مشہور و معروف ڈاکو' تاریخی قاتل' اب کے پندرہ سال کی سزا بھگت کر جیل سے رہا ہوا تھا۔ سزا تو بیس سال کی تھی مگر خلیفہ کے گھر ولی عہد کی پیدائش کی خوشی میں اس کی سزا پانچ سال کم کر دی گئی تھی۔ اس کے آباؤ اجداد رباط کے رہنے والے تھے' بچپن میں ہی اس کی ماں مر گئی' مالی پریشانیوں کے ہاتھوں مجبور ہر کر باپ نے اسے ساتھ لیا اور ایک قافلے کے ساتھ ہو لیا جو بغداد جا رہا تھا۔ اس کا باپ راستہ کے گرم و سرد کو برداشت نہ کر سکا اور ابھی جبکہ نصف منزل باقی تھی تو اس نے داعی اجل کو لبیک کیا۔

marfat.com

ابن ساباط کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی' جب قافلہ والے اس کے باپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو ان کی نظر روتے' بلکتے اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے بچے پر پڑی۔ ایک امیر شخص نے اسے اُٹھا لیا اور اپنا بیٹا بنا کر بغداد لے آیا۔ ماحول ہر انسان کا استاد ہے۔ ابن ساباط کو گھر میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائی مگر اس کی دوستی برے لڑکوں سے ہوگئی۔ اس برے ماحول سے اس نے بھی اثر قبول کیا اور چھوٹی چھوٹی چیزیں چرانا شروع کر دیں۔ چونکہ اسے پالنے والوں کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لہٰذا وہ اسے معمولی سرزنش کر کے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اس پر وہ اور دلیر ہوا اور اس کا مجرمانہ ہاتھ بڑی بڑی چیزوں تک پہنچنے لگا ایک بار وہ پکڑا گیا مگر کوتوال شہر نے اسے رحم کھا کر پندرہ کوڑے لگا کر چھوڑ دیا۔

اس سزا کے بعد اس کے دل سے سزا اور قانون کا ڈر جاتا رہا۔ اب اس نے خود ہی گھر کو چھوڑ دیا تھا۔ چوری میں اسے نرالی ہی لذت نظر آئی تھی۔ اب یہ کوئی بچہ نہیں تھا' بلکہ تندرست و توانا نوجوان تھا۔ ایک گھر میں چوری کرنے پر اسے پانچ سال کی سزائے قید ہوئی۔ جیل میں اس کی بڑے بڑے عادی مجرموں سے ملاقات ہوئی اور بجائے تائب ہونے کے اس کے دل سے رہا سہا خوف بھی رخصت ہوگیا۔ جس وقت وہ رہا ہوا تو جرم و گناہ کا ایک اور ہی تصور لئے ہوئے تھا۔ اب اس نے گروہ بنا لیا اور اس کے وہ ہمجولی جو بچپن میں اس کے دوست تھے اور جنہوں نے اسے غلط راہ دکھائی تھی' اب اس کے ساتھ ہی جوانی کے حدود کو چھو کر اس کے بہترین رفیق بن چکے تھے۔ اس گروہ کا سرغنہ و سردار یہی تھا۔ اس گروہ نے دنیائے جرم کی میں نئی ظالمانہ روایات کو جنم دیا تھا۔

..................O..................

شرافت' محبت اور نیکی و خلوص کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ ان کے نزدیک شرافت سے رہنا خود کو بھوکوں مارنا تھا۔ گو یہ راستہ دشوار اور خار دار تھا مگر وہ انجام سے بے پرواہ تھے۔ وہ سماج کی ہر سفید پوشی سے قطع تعلق کر کے سماج کی ہر نعمت سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ قانون ان کی نظر میں بے کار سا کھلونا تھا۔ جب گروہ کا کوئی آدمی گرفتار ہو جاتا تو سیم و زر کی چمک دمک اسے جیل کی کال کوٹھڑی سے بھی نکال لاتی۔

ایک روز انہوں نے ایک بہت بڑی جگہ ڈاکہ ڈالا۔ عین وقت پر پولیس آ پہنچی' باقی تو فرار ہو گئے مگر ابن ساباط گرفتار ہو گیا۔ اس نے پولیس سے کہا کہ اسے سزا موت نہ دی جائے تو وہ باقی ساتھیوں کا پتہ بتا سکتا ہے۔ پولیس مان گئی' باقی ساتھی اس کے بتلائے ہوئے ٹھکانوں سے گرفتار کر

marfat.com

لئے گئے اور اس کا ہاتھ کاٹ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ گو یہ دائیں ہاتھ کے کٹ جانے کی وجہ سے معاشرہ کی نظروں میں بیکار ہو گیا تھا مگر اس نے ایک ہاتھ سے دونوں ہاتھوں کا کام لیا اور اس طرح کہ اس کے دل سے رحم کی آخری رمق بھی دور ہو گئی' ضمیر جھنجھوڑ جھنجوڑ کر مردہ ہو گیا۔ اب اس نے گروہ بنانے کے بجائے اکیلے ہی کام شروع کر دیا تھا۔ اب وہ وحشت و بربریت کی تصویر تھا' کسی کی عزت کی قیمت اس کی نظروں میں دو کوڑی بھی نہ تھی۔ اس نے ڈاکے ڈالے اور ظلم وستم کا وہ طوفان بپا کیا کہ بغداد کی سرزمین میں ہاتھ کٹے شیطان کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آخر ایک دن پھر گرفتار ہو گیا۔ اب اس کے خلاف ایک نہیں بلکہ بیسوں مقدمات تھے' یہ چور تھا' ڈاکو تھا' قاتل تھا' معاشرکا مجرم تھا' قانون کا ملزم تھا۔ نتیجتاً اسے بیس سال کی قید بامشقت کا حکم سنایا گیا اور یہ خوش قسمتی سے پانچ سال پہلے ہی مجرمانہ زندگی کا اعادہ کرنے کیلئے جیل سے رہا کر دیا گیا۔

..................o..................

دن کا اُجالا رخصت ہو چکا تھا۔ رات نے دن بھر کی حشر سامانیاں اور ہنگاموں کو اپنے سیاہ دامن میں سمیٹ لیا تھا اور ہر نشیب و فراز اور پست و بالا پر اپنے دامن کو پھیلا دیا تھا۔ تاریکی بڑھتے ہی ابن ساباط اس جگہ سے چل کر بغداد کی طرف آیا' جہاں وہ صبح چلا گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا شہر کے قریب آیا' اب اُس کے دل میں خطرناک عزائم انگڑائیاں لے رہے تھے۔ شہر کے قریب پہنچ کر وہ بے ساختہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ تھوڑا سا آگے جا کر اسے ایک شاندار مکان دکھائی دیا۔ وہ چند ثانیے اس مکان کے دروازے پر کھڑا فیصلہ کرتا رہا کہ اس کے اندر جائے یا نہ جائے' پھر اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا زور لگایا' دروازہ کھل گیا۔ ذرا کی ذرا اس نے پیچھے مڑ کی گلی میں دیکھا کہ کوئی گذر تو نہیں رہا مگر اسے گلی میں کوئی بھی دکھائی نہ دیا اور وہ اپنے خطرناک عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے صحن میں داخل ہو گیا' مکان وسیع تھا' وہ صحن کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھا۔ کمروں کی ایک رو کچھ دور تک چلی گئی تھی' بڑے کمرے میں اسے چراغ جلتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ اس کی روشنی چھن چھن کر دروازے سے باہر آ رہی تھی۔ اس نے قریب جا کر دروازے سے اندر جھانکا' اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ ہاتھ لگانے سے دروازہ فوراً کھل گیا تو اندر داخل ہوا۔

اور پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ اسے کمرے کے ایک طرف کپڑوں کے بہت سے تھان پڑے دکھائی دیئے۔ مالک مکان یقیناً کوئی بہت بڑا کپڑوں کا تاجر تھا کیونکہ یہ سارے تھان ریشمی اور قیمتی کپڑوں کے تھے۔ اس کا چہرہ مسرت سے کھل اُٹھا کیونکہ پہلے ہی روز قسمت نے یاوری کی تھی مگر پھر

marfat.com

اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی اس کی ساری خوشی کافور ہوگئی' اس کا ایک ہاتھ بیکار تھا۔ مال بھی وافر اور قیمتی ہاتھ لگا تھا مگر سب سے بڑا مسئلہ اس بوجھ کو باندھنے کا تھا۔ اس نے ایک پورے تھان کو کھول ڈالا اور باقی اچھے اچھے تھان اس میں رکھنے شروع کئے۔ کافی بوجھ رکھ کر اس نے باندھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا وہ مایوس ہوتا جا رہا تھا' کنوئیں پر پہنچ کر بھی وہ پیاسا ہی رہا تھا۔ امید کا چراغ نااُمیدی کے جھکڑوں سے ٹمٹما رہا تھا۔ ''میں کیا کروں'' وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کھڑاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا' اس نے فوراً ہی پیچھے پلٹ کر دیکھا کیونکہ دروازہ کی طرف اس کی پیٹھ تھی اور ہوشیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اندر داخل ہونے والا ایک سفید ریش ضعیف آدمی تھا' سر پر بھاری عمامہ تھا۔ ابن ساباط نے تھوڑی دیر بوڑھے کی طرف خاموش ہو کر گھورنے پر اکتفا کیا۔ اس بوڑھے میں اسے کوئی خاص بات دکھائی دی مگر جلد ہی شیطنت اس جذبے پر غالب آ گئی اور اس نے اسے بھی اپنی طرح کوئی چور ہی سمجھ لیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں یہ حصہ دار نہ بن جائے اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے کا ہاتھ پکڑا اور سختی سے دباتے ہوئے کہا'' خبردار جو کوئی حرکت کی تو ......''

''مطمئن رہو' اجنبی ...... اس کے جواب میں بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو''۔

''تم جو کوئی بھی ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں مگر تم کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگاؤ گے' ابن ساباط نے اسی لہجے میں کہا''۔

بوڑھے نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر نرم لہجے میں کہا'' فکر نہ کرو' اجنبی! تم یہاں محفوظ ہو' ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ بوڑھے کے اس جواب کو بھی ابن ساباط نے فریبی ہتھکنڈے پر محمول کیا اور اس کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔

''تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں''۔ بوڑھا یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا اور قبل اس کے کہ ابن ساباط اسے پکڑتا یا باز رکھتا' وہ کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔ ابن ساباط کسی آنے والے خطرہ کا احساس کر کے ہوشیار ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بوڑھا پھر نمودار ہوا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا دودھ بھرا' پیالہ تھا۔ بوڑھے نے وہ پیالہ اسے پیش کرتے ہوئے کہا:

''میرا خیال ہے تم بھوکے بھی ہو' مجھے افسوس ہے کہ جلدی میں صرف دودھ ہی مل سکا''۔

ابن ساباط اس پر چونک سا گیا کہ یہ دودھ کہاں سے لے آیا' کہیں یہ اس گھر کا مالک تو نہیں' مگر اس نے خود ہی اس کی تردید کر دی کہ اگر وہ مالک مکان ہوتا تو کمرے سے باہر جا کر اکیلا واپس کیوں

marfat.com

آتا۔ اسے تو ساتھ محلے داروں کو لے کر آنا چاہیئے۔

یہ بوڑھا یقیناً چور ہے' مجھ سے پہلے آیا ہوگا' مجھے داخل ہوتے دیکھ کر چھپ گیا ہوگا اور اب اس طرح مجھے خوش کرنا چاہتا ہے ...... یہ خیال آتے ہی وہ مسکرایا۔ دل میں برتری کا احساس آتے ہی اس نے بوڑھے کی طرف ناک سکوڑ کر دیکھا اور پیالہ اس طرح اس کے ہاتھ سے چھنتے ہوئے جیسے وہ اس کا غلام ہو' دودھ غٹا غٹ پی گیا۔ بوڑھے نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو سہی مگر کوئی خاص تاثر نہ لیا بلکہ آگے بڑھ کر گٹھڑ کے کونوں کو پکڑتے ہوئے کہا ''آؤ اسے مل کر باندھ لیں''

''مگر تم کون ہو؟'' ابن ساباط نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ بعد میں تکرار کرنے نہ لگ جائے اس سے کہا۔

''میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہیں رکھنا چاہیئے میں ہر حالت میں تمہارا مددگار ہوں''۔

''ہوں' ابن ساباط نے کندھوں کو جھٹکا دے کر ہونٹوں کو سکوڑتے ہوئے کہا۔

''میرے مددگار کہاں میں اور کہاں تم ...... ابن ساباط تو تم جیسوں کو چٹکیوں میں مسل سکتا ہے' جانتے ہو ابن ساباط کو''۔

ابن ساباط کا نام سن کر بوڑھا چونک پڑا۔

''اچھا' تو تم ابن ساباط ہو' خیر کوئی بھی ہو' مجھے کیا غرض میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں' آؤ گٹھڑ باندھ لیں''۔

ابن ساباط نے ایک بار پھر جائزہ لیا۔ واقعی وہ بوڑھے کی امداد کا طلبگار تھا۔ بوڑھے کی یاد دہانی پر اس نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اس کے ساتھ مل کر گٹھڑ باندھنا شروع کر دیا۔ گٹھڑ بندھ گیا' اب وہ اسے اکیلا اُٹھا نہیں سکتا تھا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں' تم یہ گٹھڑ میری پیٹھ پر لاد دو' تم جہاں کہو گے میں وہیں پہنچا دوں گا''۔ بوڑھے کی پیشکش ابن ساباط کو بہت غنیمت محسوس ہوئی مگر پھر اس نے سوچا کہ کہیں یہ بوڑھا اسے فریب تو دینا نہیں چاہتا۔ تو پھر کیا ہے' یہ بھلا فریب کیا دے سکتا ہے۔ اس نے بوڑھے کی طرف دیکھا اور چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کا چہرہ کسی قسم کے جذبات سے بھی عاری نظر آیا۔ یہ بھی تو چور ہے' کیا اسے اپنا ڈر نہیں ہے' اور اس نے فریب کے خیال کو دل سے نکال دیا۔

''کیا سوچ رہے ہو' اجنبی! دیر نہ کرو' ابن ساباط نے پھر اس غیبی مددگار کی طرف دیکھا۔

marfat.com

میں منزل پر پہنچ کر اسے بھی دو چار تھان دے دوں گا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ گٹھڑ کی طرف بڑھایا اور بوڑھے نے اس کی مدد سے یہ گٹھڑ اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔ بوڑھا آگے آگے جا رہا تھا اور ابن سابا ط پیچھے پیچھے چلتا ہوا اسے راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ اب وہ گھر سے باہر نکل کر ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ بوڑھا ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا تو ابن سابا ط نے غصے سے کہا:

''ہوش سے چلو' سیدھا راستہ دیکھتے جاؤ''۔

''میں تو صحیح راہ پر چل رہا ہوں'' بوڑھے نے بدقت کہا'' تم بھی تو صحیح راہ دیکھ کر چلو' بعض راہیں تو انسان کو سچ مچ ختم کر دیتی ہیں''۔

ابن سابا ط کو جلدی تھی' وہ بھلا ان باتوں پر کیونکر غور کرتا' اس نے کہا:

''باتیں بنانا خوب جانتے ہو''

''ناراض نہ ہو' اجنبی ! میں یہ بوجھ ہر صورت تمہاری منزل پر پہنچا کر ہی دم لوں گا''۔ یہ کہہ کر بوڑھے نے اپنی رفتار پہلے کی نسبت تیز کر دی مگر شہر سے نکل کو تھوڑا سا آگے جا کر ہی اس کی ہمت نے جواب دینا شروع کر دیا۔ ایک تو بڑھاپے اور ضعف کا تقاضا تھا' دوسرا بوجھ بھی زیادہ تھا۔ آخر ایک جگہ ٹھوکر کھا کر وہ لڑکھڑایا اور گر پڑا تو ابن سابا ط نے ایک ہاتھ اسے رسید کر دیا اور ساتھ ہی زبان سے مغلظات کا طوفان اُبل پڑا۔

''بس اتنے ہی برتے پر چوریاں کرتے ہو' کچھ دم خم تو ہونا چاہیئے' مجھے دیکھ کر تم اپنی چوری بھول گئے تھے' میں اگر چاہتا تو وہیں تمہارا گلا گھونٹ سکتا تھا''۔

''خفا نہ ہو اجنبی'' بوڑھے نے دوبارہ بوجھ کو کمر پر اُٹھاتے ہوئے کہا'' بوڑھا آدمی تھا گر پڑا' اب ایسی غلطی نہ ہو گی۔ بوڑھے سے چلا نہیں جاتا تھا' مگر وہ چل رہا تھا۔ جہاں ذرا بھی اس کی رفتار سست ہو جاتی یا وہ لڑکھڑانے لگتا تو ابن سابا ط گالیاں بکنے لگتا۔ وہ بوڑھے پر اس طرح رعب جما رہا تھا جیسے یہ اس کا پیدائشی حق ہو۔ بعض اوقات وہ دو چار ہاتھ بھی جھاڑ دیتا۔ بوڑھا کانپ رہا تھا' سانس پھولی ہوئی تھی' قدم ڈگمگائے جا رہے تھے اور اُٹھائے سے نہیں اُٹھتے تھے مگر ابن سابا ط اسے آگے بڑھنے اور تیز ہونے کی تلقین کر رہا تھا۔ آخر اس کی منزل آ گئی یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جو کسی زمانہ میں ابن سابا ط اور اس کے گروہ کا اڈا رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کے اشارے پر بوڑھے نے بوجھ کو اُتار دیا۔ ابن سابا ط نے دو تین تھان گٹھڑ کھول کر نکالے اور بوڑھے کی طرف بڑھا دیئے

''لو یہ ہے تمہارا انعام!''

marfat.com

''نہیں تم انہیں بھی اپنے پاس ہی رکھو' مجھے افسوس ہے کہ میں اور کوئی تمہاری خدمت نہ کر سکا' تم پہنچے ہی اس وقت تھے جب میں کسی خدمت سے قاصر تھا۔ خیر میرے پاس جو کچھ بھی تھا' میں نے وہ تمہیں دینے سے گریز نہیں کیا۔ ہاں اگر میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو معاف کر دینا' میں بوڑھا آدمی تھا''۔

بوڑھا یہ سب کچھ کہے جا رہا اور ابن ساباط حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی کہا'' تو کیا تم ......!''

بوڑھے نے بات کاٹ دی۔ ہاں میں ہی مالک مکان ہوں' فکر نہ کرو' یہ تھان تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے' میں نے یہ خود تمہیں دیئے ہیں' ہوسکتا ہے تم مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو گے۔ چلو خدا نے تمہاری ضرورت پوری کر دی۔ اچھا اب میں جاتا ہوں میری کوتاہیوں کو معاف کر دینا''۔

یہ کہہ کر قبل اس کے کہ ابن ساباط کچھ کہتا' بوڑھا تیزی سے واپس مڑا اور تھوڑا سا آگے جا کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

..............O..............

ابن ساباط رات بھر نہیں سو پایا تھا' وہ رات بھر خیالات کی وادیوں میں بھٹکتا رہا تھا' اس کا ضمیر جسے مجرمانہ زندگی نے بے حس کر دیا تھا اب پھر بیدار ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک کشمکش سی جاری تھی' نور و ظلمت' حق و باطل' نیکی و بدی' اچھائی اور برائی کی انوکھی کشمکش' اس کا دل سلگ رہا تھا۔ بوڑھے کے طرز عمل نے ابن ساباط کو بیدار کر دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے ہاتھوں سے ہی اپنا مال دوسروں کے حوالے کر دیں۔ دوسروں کو مسکراتے دیکھنے کیلئے اپنے لبوں کی مسکراہٹ چھین لیں' دوسروں کو خوش و خرم دیکھنے کیلئے اپنی کائنات پر سے ہاتھ اٹھا لیں' دوسروں کی ضروریات کو اپنی حاجات پر مقدم رکھیں۔ اس کے اندر جوار بھاٹا سا اُٹھ کھڑا ہوا تھا' پردہ اس کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ گذشتہ مجرمانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک جزئیہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا' اسے اپنی گذشتہ زندگی قابل نفرین دکھائی دے رہی تھی۔ گذشتہ کردار قابل مذمت معلوم ہو رہا تھا' وہ جس مقام پر تھا وہ مقام نیچے سے کھسکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اب اس نے بوڑھے کو تلاش کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تاکہ اس سے معافی مانگ سکے۔ چنانچہ نور کے تڑکے ہی وہ شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔

شہر کے قریب پہنچ کر اسے ایک بڑی سی مسجد دکھائی دی اور اس کے قدم بے اختیار مسجد کی

marfat.com

طرف اُٹھ گئے مگر یہ کیا' اسے اپنی قوت بصارت پر دھوکا ہو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں مل مل کر دیکھا' وہی رات والا بوڑھا اب منبر پر کھڑا تھا' اسکی حیرانی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس نے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے دریافت کیا۔

''یہ کون شخص ہے؟''

''کیا تم نہیں جانتے' باہر سے آ رہے ہو کیا؟ انہیں تو سارا علاقہ جانتا ہے' یہ قاضی القضاۃ شیخ وقت سیدنا جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں'' اس شخص نے کہا۔

''کیا کہا سیدنا جنید بغداری' افوہ توبہ''

''ہاں ہاں' خاموش بیٹھو' سننے بھی دو گے یا نہیں''۔ وہ شخص یہ کہہ کر وعظ سننے میں مشغول ہو گیا۔

سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ساباط کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا' وہ کہہ رہے تھے:

''ہر انسان بدی کا ارتکاب کے وقت کچھ نہ کچھ شرم ضرور محسوس کرتا ہے لیکن ایک شخص گناہ کا ارتکاب ثواب سمجھ کر اسی وقت کرتا ہے جب اس کا ضمیر اس کے ناپاک خیالات کے ہاتھوں دم توڑ چکا ہو' مگر ضمیر کی یہ موت دائمی نہیں بلکہ عارضی ہوتی ہے' جس طرح ساکن اور پُر سکون سمندر میں ایک پتھر پھینکنے سے دور دور تک ہلچل مچ جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات ایک چھوٹا سا واقعہ ہی غیر معمولی بن کر ضمیر کی بیداری کا باعث بن کر اس کی زندگی میں ہلچل مچا دیتا ہے۔ ضمیر کی موت اس وقت ہوتی ہے جب انسان معاشرہ اور قانون کی نظروں میں ذلیل ہو چکا ہو مگر ضمیر کی دوبارہ بیداری اسی انسان کو اپنی نظروں میں ذلیل کر دیتی ہے' اب وہ خود کو سب سے بڑا مجرم تصور کرنے لگتا ہے''۔

شیخ کے یہ الفاظ ابن ساباط کے دل میں اترتے جا رہے تھے' یہ الفاظ اس کی ساری زندگی کی تفسیر تھے' اس کی کائنات کی تصویر تھے اور اس کے جرم و گناہ کا آئینہ تھے' اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دل کی کثافت دور ہوتی جا رہی ہو' گناہوں کی سیاہیاں ڈھل رہی ہوں اور ضمیر جلا پا رہا ہو۔

..............O..............

ادھر شیخ فرما رہے تھے:

''ہر طرف سے ذلیل ہو جانے پر اسے کوئی سہارا دکھائی نہیں دیتا جو اس کی مایوس زندگی کو تسکین دے سکے اور اس کے درد کا درماں بن کر اس کے زخموں پر مرہم رکھ سکے مگر ایک سہارا ہے اور وہ ہے رب اکبر کا جو ٹھکرائے ہوئے انسانوں کو بھی قوت اعجاز عطا فرما دیتا ہے' جو مایوس انسانوں کی مسیحائی کرتا ہے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ خدا کی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں' ہر کوئی

marfat.com

وہاں جا کر پناہ لے سکتا ہے' ہر گنہگار احساس گناہ سے چھٹکارا پا سکتا ہے' ہر مجرم احساس جرم کو بھول سکتا ہے خواہ وہ کوئی سیاسی مجرم ہو یا سماجی' قانونی مجرم ہو یا غیر قانونی اور خواہ ...... وہ ابن ساباط ہی نہ ہو"۔

"بس کیجئے شیخ بس کیجئے"۔ اب ابن ساباط میں یارائے ضبط نہ رہا تھا' شیخ نے اسے اپنی منزل سے آشنا کر دیا تھا' اب وہ وہیں سے پھٹ پڑا تھا' اس کی زور دار آواز میں لرزش تھی' وہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہو شیخ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے شیخ کے دامن کو پکڑ لیا' جیسے مجرم نے عدالت میں کھڑے ہو کر عصائے انصاف کو تھام رکھا ہو............

تمام حاضرین کی نظریں اس کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ یہ ابن ساباط تھا۔ بغداد کا ہاتھ کٹا شیطان جسے معاشرہ کی نفرت راہ راست پر نہ لاسکی تھی' جسے قانون کا خوف ارتکاب جرم سے باز نہ رکھ سکا تھا' جسے جیل کے شدائد صحیح انسان نہ بنا سکے تھے' جسے وحشیانہ ظلم وستم بھی منزل آشنا نہ کر سکے' اب وہ شیخ کے قدموں پر پڑا ہوا سسک رہا تھا جیسے معصوم بچہ مامتا کا متلاشی ہو کر ماں کے قدموں میں لوٹ رہا ہو۔

"میں کیا کروں' شیخ! میں کیا کروں" ابن ساباط کے آنسو آنکھوں سے نکل فرش پر بہہ رہے تھے۔

"صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو وہ بھولا نہیں ہوتا اور خدا کا دامن رحمت تو بھی تنگ نہیں ہے"۔ شیخ نے یہ کہتے ہوئے ابن ساباط کو فرش سے اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور ابن ساباط کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی بے قرار زندگی کو قرار آ گیا ہو۔

ے یہ دُکھ درد کی برکھا پیارے دین ہے تیرے داتا کی
شکر نعمت بھی کرتا جا' دامن بھی پھیلاتا جا

marfat.com

شمع ولایت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان فرزندان روزگار میں ہوتا ہے جو زبان کی تاثیر اور کردار کی عظمت سے بے شمار انسانوں کو خداشناسی کا شعور عطا کر گئے۔ عوام الناس آپکے مواعظ حسنہ سنتے اور ان کی تاثیر سے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاتے۔

آپ دنیا میں رہے مگر دنیا سے بیگانہ رہے' آپ کا کردار عظمت اسلام کی تصویر تھا' آپ کی ایک ایک بات شوکت اسلام کا حسن لئے ہوتے تھی' جو بھی آپ کی مجلس میں آتا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو جاتا۔ اعلائے کلمۃ الحق کیلئے آپ نے شاہوں کے جلال کی پرواہ نہ کی بلکہ جگہ جگہ خدائے کریم کی عظمت وجلالت کا درس دیا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا بھی اسی کا ہو جاتا ہے۔ خدائے کریم کی رحمت و عنایات کی بدولت اس کا شمار بندگان خاص میں ہونے لگتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح اپنے خالق سے محبت کی کہ رب دو عالم کی عنایات کی تصویر بن گئے۔ آپ سے درجنوں کرامات مروی ہیں۔ کوئی بھی تاریخ تصوف آپ کے ذکر جمیل اور آپ کے محاسن کا تذکرہ کئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

اصحاب سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک ویرانہ سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو درخت پر لٹکتا ہوا دیکھا' یہ شخص کہہ رہا تھا ''اے نفس! اطاعت حق میں میری مدد کر ورنہ میں تجھے بھوک اور پیاس سے دم توڑنے پر مجبور کر دوں گا''۔ یہ حال دیکھ کر حضرت پر گریہ و بکا کا عالم طاری ہوگیا۔ اُس شخص نے حضرت کے رونے کی آواز سنی تو کہا ''کون ہے جو ایسے شخص پر رحم کھاتا ہے جسے شرم کم ہے اور جس کے گناہ زیادہ ہیں''۔

آپ نے آگے بڑھ کر اسلام کرنے کے بعد دریافت کیا ''یہ کیا حال ہے؟'' اُس نے جواب دیا ''میرا جسم اب حق تعالیٰ کی عبادت میں میرا ساتھ نہیں دیتا بلکہ لوگوں کے ساتھ میل جول کا

marfat.com

خواہش مند رہتا ہے"۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا" آپ بہت بڑے زاہد ہیں"۔ اُس شخص نے کہا" اگر مجھ سے بڑا زاہد دیکھنا چاہتے ہیں تو پہاڑ پر تشریف لے جائیں"۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ پہاڑ پر چڑھے تو وہاں ایک نوجوان کو اِس حال میں دیکھا، کہ اُس کا ایک پاؤں کٹیا سے باہر تھا اور دوسرا کٹیا کے اندر تھا اور کٹیا سے باہر والے پیر میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔ دریافت کرنے پر اُس نوجوان نے بتلایا 'میں اس کٹیا میں تیس سال سے مصروف عبادت تھا کہ اچانک ایک روز ایک عورت ادھر سے گزری جسے دیکھ کر میں کٹیا سے باہر نکلا۔ لیکن ابھی کٹیا سے ایک ہی پاؤں باہر رکھا تھا کہ آواز آئی" کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تیس سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے بعد اب شیطان کی اطاعت کرنا چاہتا ہے"۔ یہ آواز سن کر میں نے اپنا پاؤں کاٹ ڈالا۔" میں گنہگار ہوں لیکن اگر آپ کسی مرد با خدا سے ملنا چاہتے ہیں تو سامنے والے پہاڑ پر چڑھ جایئے"۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں بلندی کے پیش نظر پہاڑ پر تو نہ چڑھ سکا لیکن جب اُس نوجوان سے اُس بزرگ کا حال دریافت کیا تو اُس نے بتلایا" اُس شخص نے عہد کیا تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ کھائے گا جس میں مخلوق کی محنت شامل ہو' چنانچہ اللہ کے حکم سے شہد کی مکھیاں آ کر اُس کے منہ میں شہد ٹپکا جاتی ہیں"۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اُس واقعہ کو سن کر اس نتیجے پر پہنچے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو رہتا ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ خود اس کی کار برآری فرماتا ہے۔

کچھ مدت کے بعد ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک ندی کے کنارے پہنچے جہاں ایک قصر عالی شان بھی تھا۔ آپ وضو کر رہے تھے کہ محل کی چھت پر ایک حسین عورت کھڑی ہوئی نظر آئی۔ آپ نے اُس سے دریافت کیا" تو کون ہے؟" اُس نے جواب دیا" اے ذوالنون! جب میں نے دور سے تجھے دیکھا تھا تو سمجھی تھی کہ کوئی دیوانہ ہے' جب تو قریب پہنچا تو میں نے تجھے کوئی عالم سمجھا لیکن جب تو اور بھی قریب آ گیا تو خیال کیا کہ تو کوئی عارف ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ نہ تو دیوانہ ہے اور نہ عالم و عارف ہے کیونکہ دیوانے وضو نہیں کیا کرتے' عالم نامحرم کو نہیں دیکھتے اور عارف غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے"۔ یہ کہہ کر وہ حسینہ نظروں سے غائب ہو گئی۔ حضرت سمجھ گئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا۔

اس واقعہ نے حضرت کو دنیا سے بیزار کر دیا' آپ اُسی وقت دریائے نیل کی طرف روانہ ہو گئے' دریا میں ایک کشتی پر متعدد لوگ سوار تھے' آپ بھی اس پر سوار ہو گئے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ

marfat.com

کسی سوداگر کا ایک موتی گم ہو گیا ہے۔ لوگوں نے حضرت پر چوری کا شبہ کر کے مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور جب بات حد سے گزر گئی تو آپ نے فرمایا ''پروردگار! تو حقیقت حال اچھی طرح جانتا ہے'' ابھی زبان مبارک سے اسی قدر نکلا تھا کہ بے شمار مچھلیاں اپنے منہ میں آبدار موتی لئے کشتی کے اردگرد تیرنے لگیں اور آپ نے ایک موتی لے کر اُس شخص کو دے دیا۔

ایک نوجوان ہمیشہ صوفیائے کرام کے اعلیٰ مراتب اور ناشناسی سے انکار کیا کرتا تھا' اس کے باوجود حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک روز حضرت نے اُسے ایک انگوٹھی دے کر فرمایا ''نان بائی کی دکان پر ایک دینار میں رہن رکھ کر روٹیاں لے آؤ''۔ وہ نوجوان جب نان بائی کی دکان پر گیا تو اُس نے اُس انگوٹھی کو ایک درم دینے سے زیادہ قیمت میں رہن رکھنے سے انکار کر دیا۔ نوجوان نے جب واپس آ کر اطلاع دی تو آپ نے فرمایا ''اسے کسی جوہری کے پاس لے جا کر اس کی قیمت کا اندازہ کر کے اطلاع دو''۔ جوہری نے اُس کی قیمت کا تخمینہ ایک ہزار دینار کیا اور جب یہ نوجوان دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے فرمایا ''صوفیوں کی حقیقت شناسی کے سلسلہ میں تیری حالت بھی نان بائی جیسی ہے''۔ وہ نوجوان حضرت کے اس ارشاد سے بے حد متاثر ہوا اور اُسی وقت اپنے انکار سے تائب ہو گیا۔

جب حقیقت شناسی میں آپ کے مراتب بلند ہوئے اور آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہنے لگی تو اہل مصر نے آپ کو بے دین قرار دے کر خلیفہ وقت کے پاس آپ کی شکایت کی اور اُس نے آپ کو پابہ زنجیر دربار میں لانے کا حکم دیا۔ اس حال میں جب آپ کو خلیفہ کے روبرو حاضر کیا گیا تو ایک ضعیف خاتون نے آگے بڑھ کر کہا ''ذوالنون مصری (رحمۃ اللہ علیہ) خبردار اس آدمی سے بالکل نہ ڈرنا' یہ بھی تیری ہی طرح خدا کا بندہ ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کوئی شخص کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا''۔

خلیفہ وقت متوکل علی اللہ نے حضرت کو قید خانہ بھجوا دیا جہاں آپ چالیس روز تک قید رہے۔ ان دنوں میں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ روزانہ ایک روٹی قید خانہ میں پہنچا دیتی تھیں لیکن چالیس روز کے بعد آپ کو باہر نکالا گیا تو تمام روٹیاں موجود تھیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ روٹیاں حلال روزی سے تیار کی گئی ہیں اور بے منت حاصل ہوئی ہیں آپ نے انہیں صرف اس لئے نہیں کھایا تھا کہ انہیں سپاہیوں کے ہاتھ لگے تھے۔

حضرت نے ایک بار یہ واقعہ بیان فرمایا ''میں نے ایک اعرابی کو ایک ایسی حالت میں بیت

marfat.com

اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا' اُس کے جسم کی ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آتی تھیں۔ میں نے اُس دریافت کیا کیا ''آپ کا محبوب آپ کے نزدیک ہے''۔ جواب دیا ''بے شک'' پھر میں نے پوچھا ''کیا وہ موافق ہے؟''۔ انہوں نے کہا ''ہاں موافق ہے''۔ میں نے کہا ''سبحان اللہ۔ تمہارا محبوب نزدیک بھی ہے اور موافق بھی ہے اور تم اس قدر نحیف و کمزور ہو'' یہ سن کر انہوں نے ترشروئی سے کہا ''ناواقف انسان کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ قرب اور موافقت کی گرمی بعد اور مخالفت کے عذاب سے ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے''۔

اسی طرح آپ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ''میں نے ایک بار ایک عورت سے محبت کے بارے میں سوال کیا تو اُس نے کہا ''محبت کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے کیونکہ محبوب کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے''۔

ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سفر کرتے ہوئے جنگل میں پہنچ گئے جو برف سے ڈھکا ہوا تھا اور وہاں ایک آتش پرست سر پر کپڑا ڈالے دانہ بکھیر رہا تھا۔ حضرت کے دریافت کرنے پر اُس نے کہا ''برف باری کے باعث آج پرندوں کو دانہ نہیں ملے گا' میں اُن کیلئے دانہ بکھیر رہا ہوں''۔ حضرت نے فرمایا' وہ غیر کا بکھیرا ہوا دانہ کیوں منظور کریں گے؟''۔ اُس نے کہا ''اگر منظور نہیں کریں گے تو دیکھیں گے تو ضرور اور میرے لئے اسی قدر کافی ہے''۔

پھر فرمایا اُسی سال جب میں حج بیت اللہ کو گیا تو میں نے دیکھا کہ وہی آتش پرست نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ طواف بیت اللہ میں مصروف ہے۔ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا ''ابوالفیض! آپ نے دیکھا کہ اُس نے کس طرح میرے بکھیرے ہوئے دانہ کو دیکھا اور قبول کیا' وہ بیج پھل لایا ہے' اُس نے مجھے اپنی قبولیت سے نوازا ہے اور اپنے گھر تک پہنچایا ہے۔ حضرت نے فرمایا ''مجھے یہ حال دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن میں نے کہا ''اللہ تعالیٰ! تو نے ایک مٹھی دانہ کے عوض میں اُس آتش پرست کو اپنی قبولیت کا شرف بخشا' یہ سودہ بہت سستا نظر آتا ہے''۔ فوراً ہی غیب سے آواز آئی ''اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے قریب بلاتا ہے تو کسی سبب اور علت سے نہیں بلاتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور تمہاری عقل اُس کی کارسازیوں تک نہیں پہنچ سکتی''۔

آپ کا قول تھا ''سب سے سخت حجاب نفس کی دید ہے''۔

''حکمت اس معدہ میں قرار نہیں پکڑتی جو طعام سے پُر ہو''۔

''گناہ سے باز رہے بغیر استغفار کرنا' جھوٹوں کی توبہ کی طرح ہے''۔

''بدن کی صحت تھوڑا کھانے اور روح کی صحت تھوڑا گناہ کرنے پر موقوف ہے''

marfat.com

''ایسے شخص پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے جو مصیبت پر صبر کرتا ہو بلکہ تعجب اُس پر کرنا چاہیئے کہ جو مصیبت پر رضا مند ہو''۔

''لوگ جب تک ڈرتے رہتے ہیں تو کام کرتے ہیں اور جب دلوں سے ڈر نکل جاتا ہے تو گمراہ ہو جاتے ہیں''۔

''بندہ پر اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ درویشی سے ڈرنے لگتا ہے''۔

''آدمی پر چھ باتوں سے تباہی آتی ہے''۔

ا۔ آخرت کے عمل میں نیت کی کمزوری سے۔

۲۔ تنہائی میں شیطان کی اطاعت سے

۳۔ موت پر یقین رکھنے کے باوجود لمبی چوڑی امیدیں قائم کر لینے سے

۴۔ مخلوق کی رضا جوئی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی پر ترجیح دینے سے

۵۔ حرص میں مبتلا ہونے اور سنت نبوی کو ترک کر دینے سے

۶۔ اور گذشتہ لوگوں کی لغزشوں کو اپنی لئے حجت قرار دینے سے آدمی تباہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ سے دریافت کیا گیا ''آپ کو کس چیز کی آرزو ہے؟''۔ تو'' فرمایا موت سے پہلے اگر ایک لمحہ کی بھی فرصت مل جائے تو میں اُسی کو غنیمت سمجھوں گا''۔

اسی عالم میں ایک روز بیہوش رہنے کے بعد آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا جب جنازہ اُٹھایا گیا تو شدید گرمی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندوں کا ایک جم غفیر نمودار ہوا اور اپنے پروں کے سایہ میں حضرت کے جنازہ کو قبرستان پہنچایا۔ کہا جاتا ہے کہ راستے میں جب مؤذن نے کسی مسجد میں اذان دی اور کلمۂ شہادت پر پہنچا تو حضرت نے انگشت شہادت اُٹھائی۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت بقید حیات ہیں لیکن جب پوری کوشش کے باوجود زندگی کی کوئی علامت دریافت نہ کی جا سکے تو حضرت کے جسم خاکی کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

آپ کی وفات کے بعد جب اہل مصر کو آپ کا حقیقی مرتبہ معلوم ہوا تو انہیں بے حد ندامت ہوئی؟

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی ۔۔۔ ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

marfat.com

حضور داتا گنج بخش سید نا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

پانچویں صدی ہجری کئی سالوں کا سفر طے کر چکی ہے۔

غزنی کے نواح میں ایک بستی ہجویر کا رہنے والا مردِ درویش سید علی ہجویری اپنے راہنمائے طریقت سلطان المشائخ ابوالفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہے۔ دیگر اصحاب ایمان بھی وہاں جمع ہیں۔ اچانک حضرت ابوالفضل الختلی نے سعادت آثار سید علی ہجویری سے مخاطب ہو کر کہا:

''ہم نے تمہاری روحانی تربیت کا اہتمام کر دیا ہے۔ چند درویشوں کو ہمراہ لو اور ہندوستان کے شہر لاہور میں جا کر وہاں ڈیرا لگاؤ اور اس مقام کو مرکز تبلیغ بنا کر چار سو ایمان و یقین کی روشنی سے اُجالا کر دو''۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کے حکم پر ادب سے سر جھکایا مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا: ''بندہ نواز! خطہ لاہور میں ہی آپ مجھے کیوں بھیج رہے ہیں۔ وہاں تو میرے بزرگ روحانی بھائی اور مردِ کامل حضرت سید میراں حسین شاہ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی فرائض تبلیغ انجام دے رہے ہیں۔

حضرت ابوالفضل الختلی نے روحانی تمکنت سے جواب دیا:

''علی ہجویری، بحث چھوڑو اور لاہور کو منزل بنا کر روانہ ہو جاؤ، ہم تمہیں وہاں کیوں بھیج رہے ہیں اس کا احساس تمہیں لاہور جا کر ہی ہوگا''۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے پیر و مرشد کے حکم پر فوراً لبیک کہا۔ چند درویشوں کو ہمراہ لیا اور لاہور کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب لاہور کی شہر پناہ کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ شہر پناہ کے باہر ہی قیام کیا۔ صبح جب شہر پناہ کا مرکزی دروازہ کھلا تو اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آ رہا ہے، جس کے ساتھ بڑی تعداد میں غمزدہ اور سوگوار اہل ایمان چل رہے ہیں۔ آپ

marfat.com

نے فوراً جنازے کو کندھا دیتے ہوئے جنازہ کے ساتھ چلنے والے ایک مردِ ایمان سے پوچھا۔

''حضرت یہ کس کا جنازہ ہے؟''

اس صاحب ایمان نے کہا:

''یہ ولی کامل سید میراں حسین شاہ رحمۃ اللہ عنہ کا جنازہ ہے۔ گذشتہ روز آپ کا انتقال ہوا تھا اور آج ہم تدفین کیلئے انہیں قبرستان کی جانب لے جا رہے ہیں''۔

یہ جواب سنتے ہی سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرطِ حیرت سے گنگ ہو گئے۔ اپنے مرشد کامل کی بات یاد آ گئی کہ حقیقت کا علم تمہیں لاہور جا کر ہی ہوگا۔ تقدیر اپنے فیصلے خود رقم کرتی ہے۔ مردانِ حق آگاہ سے تقدیر کے فیصلے مخفی نہیں ہوتے۔

............o............

لاہور تشریف لانے والے یہی سید علی ہجویری تھے، جو آنے والے ادوار میں سلطان اقلیم ولایت مرکز جود و سخا اور داتا گنج بخش جیسے القاب سے مشہور ہوئے۔ آپ کا اسم گرامی سید ابوالحسن علی ہجویری تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ میں غزنی کے نواح میں واقع ایک بستی ہجویر میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ہجویر میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ دینی و روحانی تعلیم کی تکمیل کیلئے دُور دراز کے سفر کیئے۔

............o............

علوم دینیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ تزکیہ نفس کیلئے باطنی اور روحانی توجہات کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ غزنی میں آپ کا خاندان وہاں کے عوام و خواص کی عقیدت کا مرکز تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی خدار سیدہ خاتون تھیں۔ ان کا تعلق حسینی سادات سے تھا۔ والد محترم حسنی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا آپ حسینی بھی تھے اور حسنی بھی۔ آپ کے ماموں تاج الاولیاء کے معزز لقب سے مشہور تھے۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کے ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے۔ آپ کی پیدائش اور تعلیم کا دور سلطان محمود غزنوی کی حکومت کا دور تھا۔ آپ نے اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء و فضلاء اور مشائخ کی بارگاہ میں حاضری دی اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، کوہستان، آذربائیجان، طبرستان، خورستان، خراسان اور ماوراالنہر کے

marfat.com

اسلامی مراکز سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ علوم و معارف کے سمندر پی جانے کے باوجود شوق علم کی بے تابیاں کم نہ ہوئیں۔

مرشد کامل کی تلاش میں آپ نے طویل سفر کئے۔ بالآخر آپ کی رسائی سلطان الاولیاء حضرت ابوالفضل بن حسن ختلی تک ہوئی جو سلسلۂ جنیدیہ کے مردِ کامل تھے۔ اپنے شیخ ختلی کے بارے میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وہ صوفیاء متاخرین میں زینت اوتاد اور شیخ عباد ہیں۔ طریقت میں میری بیعت انہی سے ہے۔ تصوف میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے اور حضرت شیخ حصری کے راز دار مرید تھے''۔

حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب و طریقت یوں ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جا ملتا ہے۔ شجرۂ نسب یوں ہے:

سید علی ہجویری بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ' شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید بن امام حسن بن علی المرتضٰی حیدر کرار رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ طریقت اس طرح سے ہے:

شیخ علی ہجویری مرید حضرت ابوالفضل الختلی مرید حضرت شیخ حصری' مرید شیخ ابوبکر شبلی' مرید حضرت جنید بغدادی' مرید حضرت شیخ سری سقطی مرید حضرت داؤد طائی' مرید حضرت حبیب عجمی مرید حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔

''کشف المحجوب'' جو آپ کی تصنیف لطیف اور تعلیمات تصوف کے لحاظ سے ابدی شہرت رکھتی ہے' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مرشد کامل نے آپ کو اپنی نگاہِ لطف و رحمت سے خوب خوب نوازا۔ شریعت میں آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے' جس کا آپ نے متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ آپ جب لاہور تشریف لائے تو آپ کے ہمراہ آپ کے دو دوست شیخ احمد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری بھی تھے۔ جمعیت مختصر تھی' مقابلے میں کفر کی قوتیں صف آراء تھیں' جنہوں نے اپنے جادو اور باطل ہتھکنڈوں سے کام لے کر پنجاب بھر کو مرعوب کر رکھا تھا مگر داتا گنج بخش لحظہ بھر کو بھی ہراساں نہ ہوئے' بلکہ لطف و رحمت سے کام لیتے ہوئے کفر زارِ ہند میں آوازۂ حق بلند کرنے

marfat.com

کیلئے آمادۂ عمل ہو گئے۔ ظاہری طور پر بے سروسامان مگر عزائم میں سمندروں کی وسعت۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

O

تاریخ انسانیت ہو یا تاریخ تصوف' اشرارِ باطل ہمیشہ انوارِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معرکہ آرائی کیلئے میدان عمل میں اُترتے رہے ہیں لیکن فتح انہی مردانِ حق کو نصیب ہوتی ہے جو رضائے الٰہی کو اپنی سب سے بڑی قوت سمجھ کر میدان عمل میں اُترتے ہیں۔ داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دریائے راوی کے کنارے ڈیرہ جمایا' مسجد تعمیر کی' حجرہ بنایا' مصروف عبادت ہو گئے۔ اشرارِ باطل آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئے' عوام الناس آپ کے حلقۂ درس میں جوق در جوق آنے لگے۔ اسلام کے اُجالے پھیلنے لگے تو ہندو اور غیر مسلم قوتیں کھلم کھلا آپ کی دشمنی پر اُتر آئیں۔

ان دنوں رائے راجو نامی جوگی نائب حاکم پنجاب تھا اور شعبدہ بازی میں بھی کمال درجہ مہارت رکھتا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں قیام فرمایا تو حسن اخلاق و کردار سے بہت سے غیر مسلموں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ رائے راجو بھی آپ کا علم و عمل اور زہد و تقویٰ دیکھ کر اسلام کی عظمت کا دل سے قائل ہوا اور آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ رائے راجو کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ یوں ہے:

ایک دن ایک بوڑھی عورت حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گزری۔ اس عورت نے اپنے سر پر دودھ سے بھرا ہوا ایک برتن اُٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے اس عورت کو بلا کر فرمایا کہ تم دودھ کی قیمت لے لو اور دودھ ہمیں دے دو۔ وہ عورت کہنے لگی کہ میں یہ دودھ نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ ہمیں یہ دودھ مجبوری کے باعث رائے راجو جوگی کو دینا پڑتا ہے۔ اگر اس کو نہ دیں تو پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارے جانوروں کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خون نکلنے لگتا ہے۔ آپ نے عورت کی یہ بات سنی تو مسکرائے اور فرمایا ''اگر تم یہ دودھ ہمیں دے دو گی تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمہاری گائے بھینس پہلے سے زیادہ دودھ دے گی اور جانوروں کے تھنوں سے خون نہیں آئے گا' چنانچہ اس عورت نے دودھ کا برتن آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے اس دودھ میں سے

marfat.com

تھوڑا سا نوش فرمایا اور باقی دریا میں ڈال دیا۔ وہ بوڑھی عورت واپس اپنے گھر چلی گئی اور پھر جب شام کے وقت اس نے اپنے جانوروں کو دوہا تو جانوروں نے اس قدر زیادہ دودھ دیا کہ عورت کے گھر میں موجود تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ لیکن دودھ پھر بھی ختم نہ ہوا۔ آپ کی اس کرامت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح اردگرد کے تمام دیہات میں پھیل گئی اور لوگ دُور دراز کے دیہات سے اپنے جانوروں کے دودھ آپ کی خدمت میں لے کر آنا شروع ہو گئے۔ آپ یہ کرتے کہ جو بھی آپ کی خدمت میں دودھ لے کر آتا۔ آپ تھوڑا سا دودھ اس برتن سے پی لیتے اور باقی دودھ دریا میں ڈال دیتے پھر جب دودھ لانے والے گھر واپس جا کر اپنے اپنے جانوروں کو دوہتے تو ان کے جانور پہلے سے بھی زیادہ دودھ دینا شروع ہو جاتے۔ اب کوئی بھی دودھ والا رائے راجو جوگی کے پاس دودھ لے کر نہ جاتا اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

اس بات کی خبر جب رائے راجو جوگی کو ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے ہمارا دودھ تو بند کر دیا ہے۔ اب میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ کا کوئی اور کمال دیکھوں۔ آپ نے فرمایا میں کوئی جادوگر تو نہیں ہوں' جو کمالات دکھاؤں۔ اس پر جوگی نے آپ کے سامنے کئی شعبدے اور کرشمے دکھائے۔ حتیٰ کہ وہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ وہ ہوا میں اُڑ رہا تھا تو آپ نے اپنے نعل مبارک اس کی طرف پھینکے جو اوپر جا کر اس کے سر پر برسنے لگے اور اسے لہولہان کر کے نیچے لے آئے۔ اس پر وہ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے مسلمان ہو گیا اور آپ کے مریدین کی صف میں شامل ہو گیا۔ رائے راجو کا نام ''شیخ ہندی'' رکھا گیا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر حضرت شیخ ہندی نے بہت سے فیوض و برکات سمیٹے اور ان کی اولاد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی خدمت بجالاتی رہی۔ شیخ ہندی کی اولاد کا آپ کے مزار مبارک کا مجاور ہونا صدیوں تک جاری رہا۔ رائے راجو کا مسلمان ہونا تھا کہ آپ کے اسلامی فیوضات کے چشمے چاروں طرف اُبلنے لگے اور اسلامی پرچم پوری شان روحانیت کے ساتھ لہرانے لگا۔ یہ آپ کی نگاہ کیمیا اثر ہی کا فیضان تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:

؎ ولی اک نظر سے خاک بھی اکسیر ہوتی ہے

marfat.com

ولی کی ہر ادا میں نور کی تاثیر ہوتی ہے

O

اور پھر چشم عالم نے اس مردِ خدا کی روحانی سرفرازی کا ایک اور حسین منظر دیکھا۔ آپ نے لاہور تشریف لاتے ہی دریائے راوی کے کنارے ڈیرا لگایا تھا۔ ساتھ ہی مسجد بھی تعمیر کی' سادہ اور دلکش مسجد کا اصل حسن تو ان سجدہ ہائے نیاز سے عبارت ہے جو عشاق سرمست کی پیشانیوں سے ٹپکتے ہیں۔ کچھ علماء نے اعتراض کیا کہ مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے۔ آپ نے اس مسجد کی تعمیر کے وقت مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔ جوش و جذبے کے ساتھ سامانِ تعمیر کو اُٹھاتے رہے تھے' مسجد ایک بڑے کمرے پر مشتمل تھی جس پر لکڑی کی چھت ڈالی گئی تھی۔

اس زمانے میں قطب نما نہیں تھے' جن سے سمت کے درست ہونے کا فوراً تعین ہو جاتا۔ اصحاب تعمیر اور اہل علم کے اپنے اپنے پیمانے ہوتے تھے۔ چند ایک نے قبلہ کے درست نہ ہونے پر اعتراض کیا تو بات سرگوشیوں سے بڑھتے بڑھتے پھیلنے لگی۔ آپ بے خبر نہیں تھے' لوگوں کی زبانوں کا رُخ دیکھ رہے تھے۔ آپ ناراض بھی نہیں تھے' آپ کے خیال کے مطابق اگر لوگ اعتراض بھی کر رہے تھے تو حسن نیت کی بناء پر کر رہے تھے۔ آپ کے چند مریدوں نے عرض کیا "یا حضرت! اب بات زیادہ پھیلنے لگی ہے"۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا:

"جس شدت سے پھیل رہی ہے اس سے بھی زیادہ برق رفتاری سے بات ختم بھی ہو جائے گی"۔

جب مسجد ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی تو آپ نے لاہور میں منادی کرا دی کہ تمام مسلمان ایک نماز اس نو تعمیر شدہ مسجد میں ادا کریں۔ لوگ جمع ہو گئے۔ علماء بھی تھے اور عوام الناس بھی' اذان ہوئی۔ اس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو آپ نے خود امامت فرمائی۔ اختتام نماز کے بعد آپ نے فرمایا:

"کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے' دیکھو قبلہ کس طرف ہے"۔

آپ کے فرمان کے موجب تمام نمازیوں نے قبلہ کی طرف نگاہ اُٹھائی تو مسجد سے کعبۃ اللہ صاف نظر آ رہا تھا۔ قدرت نے خطہ لاہور کی اس مسجد سے بیت اللہ تک کے تمام حجابات اُٹھا دیئے تھے۔ لوگ انتہائی متعجب ہوئے کہ یہ کیسا باکمال ولی ہے کہ جس کے دعوے اور قول کی لاج رکھنے

marfat.com

کیلئے رب کریم نے تمام حجابات اُٹھا دیئے تھے۔ لوگوں نے معذرت کی تو آپ نے رب کریم کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ علی کل شیء قدیر

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

آپ کی اس کرامت کی شہرت ایک آن میں ہر طرف پھیل گئی تو پہلے ہی گرویدہ تھے۔ اب ان کی عقیدت انتہاء کو چھونے لگی اور وہ بجا طور پر محسوس کرنے لگے کہ اس ولی حق آشنا کے بتلائے ہوئے راستے پر چل کر ہی وہ فلاحِ دارین کے حق دار بن سکتے ہیں۔

سچ ہے کہ:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
فطرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان

............O............

داتا گنج بخش سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام چاروں طرف شمع نور کی طرح پھیلنے لگا، آپ نے عوام الناس کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر حق و صداقت کے راستے پر گامزن کیا۔ بتوں کے پوجنے والوں کو خدائے واحد کی عظمت کا شعور دیا۔ عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال شمعیں روشن کیں۔ بتوں کے پرستاروں کو بتایا کہ تم اُن کی پوجا کیوں کرتے ہو جو خود تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ داتا گنج بخش ایک طرف تو کفرستان میں اسلام کی اذان سر بلند کر رہے تھے اور دوسری طرف ان جھوٹے صوفیوں اور دُنیا کمانے والے علماء کے چہروں سے نقاب نوچ رہے تھے اور انہیں سمجھا رہے تھے کہ حقیقی فقر وہی ہے جو قرآن، اسلام اور اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے۔ اس طرح جو علم قرآن حکیم کے جلوۂ نور سے بھٹکا دے وہ علم نہیں عین جہالت ہے۔ فقر، تصوف اور علم کے تمام راستے انوارِ خداوندی تک رسائی کے تمنائی ہیں اگر اس منزل حق سے منہ موڑ لیا جائے تو پھر جاہ طلبی اور دُنیا پرستی ہی رہ جاتی ہے۔ آپ نے اپنے مواعظ اور ایمان

marfat.com

آفریں تحریروں کے ذریعے علمائے حق اور حقیقی صوفیوں کو ایمان سے جنم لینے والے تصوف کے آداب سکھائے۔

سیدنا داتا گنج بخش صاحب تحریر و تصنیف بھی تھے۔ آپ نے متعدد کتب لکھیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ دیوان (جو آپ کے اشعار کا مجموعہ تھا)

۲۔ کتاب فنا و بقا

۳۔ اسرار الخلق والموٴنات

۴۔ کتاب البیان لاہل الحیان

۵۔ بحر القلوب

۶۔ الرعایۃ لحقوق اللہ

۷۔ منہاج الدین

۸۔ شرح کلام منصور الحلاج

لیکن ان گراں قدر کتب میں سے کوئی کتاب بھی اس وقت موجود نہیں۔ بعض کتابوں قلمی چوروں نے سرقہ کرلیں اور انہیں اپنی طرف منسوب کر دیا۔ اس کا ذکر داتا صاحب نے کشف المحجوب میں بڑی حسرت اور تاسف کے ساتھ کیا ہے اور دوسری کتب ویسے ہی ناپید ہو گئیں۔ اس وقت آپ کی تصانیف میں سے صرف ایک ہی یگانہ روزگار تصنیف موجود ہے، جس کا نام ''کشف المحجوب'' ہے۔

''کشف المحجوب'' کی روحانی عظمت و فضیلت کے بارے میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ حضور داتا گنج بخش سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت مردِ کامل کی تصنیف لطیف ہے۔ وہ سید علی ہجویری جو علم میں یگانہ اور عمل میں بے مثال تھے۔ ہر دور کے تذکرہ نگاروں، موٴرخین، محققین، صوفیائے عظام اور علمائے کرام نے ''کشف المحجوب'' کی سربلندیوں کو تسلیم کیا ہے اور اسے روحانیت و طریقت کا لازوال چشمہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے مطالعہ کو اہل ایمان کیلئے سرمایۂ نجات سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''نفحات الانس'' میں حضرت داتا گنج بخش

marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ عالم بھی تھے اور رموز حقائق کے عارف بھی تھے۔ کثیر التعداد مشائخ کی محبت سے فیضیاب ہوئے اور آپ کشف المحجوب کے مصنف تھے۔ یہ کتاب فن تصوف کی متغیر اور مشہور کتب میں سے ہے۔ آپ نے اسی کتاب میں بے شمار لطائف وحقائق کو جمع کر دیا ہے"۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور و معروف کشف المحجوب ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس پر اعتراض کر سکے یا تنقید کر سکے۔ علم تصوف میں یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے"۔

"کشف المحجوب" کے بارے میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو رائے دی ہے وہ تصوف و روحانیت کے حوالے سے اس شہرۂ آفاق تصنیف کی سب سے بڑی گواہی ہے۔ آپ "فوائد الفواد" میں لکھتے ہیں:

"جس کا کوئی مرشد نہ ہو' اُسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا"۔

............O............

برصغیر کی تاریخ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا سورج جس وقت مشرق و مغرب دونوں طرف اپنی ضیاپاشیاں کر رہا تھا' اس وقت ہندوستان کی فضا مہیب بادلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ رب کریم نے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کا انتخاب کر کے برصغیر کے مہیب بادلوں کو نور سحری میں تبدیل کر دیا۔ آپ نے لاہور وارد ہو کر ایک روحانی مرکز قائم کیا' جہاں سے علم و فضل کی ایسی بارش ہوئی کہ پورا ہندوستان سیراب ہو گیا۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے روحانیت کا درس زبانی اور تحریری ہر دو طریق سے دیا۔ آپ ایسا کیوں نہ کرتے' آپ نے جن مخصوص سیاسی حالات اور معاشرتی پس منظر کو تبدیل کرنا تھا' ان کیلئے دونوں ذرائع کا ہونا بہت ضروری تھا۔ آپ اپنے ان مقاصد کے حصول کیلئے جب لاہور کی جانب عازم ہوئے تو آپ کے پاس کھنکتے سکے نہ تھے کہ ان کی جھنکار سنا کر کفار کو اپنی طرف مائل کر سکتے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں غیر مسلموں کو حلقۂ بگوش اسلام کیلئے وہ کام کیا جو سبکتگین کے حملے بھی نہ کر سکے۔ محمود غزنوی جیسے بلند حوصلہ انسان کی شمشیر خارا شگاف جس کی تکمیل نہ کر سکی۔ کیونکہ اسلام کی

marfat.com

اشاعت تلوار کی نہیں بلکہ عمل صالح کی مرہون منت ہے۔ وہی کام داتا گنج بخش جیسے درویش خدا مست نے کر دکھایا' خالی ہاتھوں کے ساتھ۔ فقط اپنے اسوۂ حسنہ اور علم و عمل کی شمشیر کے ساتھ کیونکہ:

وہی ہیں اولیاء جذبات و تسخر کرتے ہیں
عمل کے نور سے انسان کی تعمیر کرتے ہیں

............O............

سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصل نام کے بجائے داتا گنج بخش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ "کشف المحجوب" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے علم و حکمت کے جواہر چننے والے اصحاب فضیلت نے آپ کو آپ کی حیات ظاہری ہی میں اس لقب سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اہل تحقیق نے اسی لقب کی وجہ یہ بھی بیان کی ہے حضرت سلطان الہند خواجہ خواجگان معین الحق والدین' خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت داتا گنج بخش کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ اوز ایک حجرہ میں چالیس دن تک مصروف عبادت و ریاضت رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر اپنے لطف و عنایت کی وہ بارش کی' جس کا اندازہ حضرت غریب نواز ہی لگا سکتے ہیں۔ آپ نے جب اس آستانہ عالیہ سے رخصت ہونے کا ارادہ فرمایا تو بے ساختہ آپ کی زبان پر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مداح میں یہ شعر جاری ہو گیا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مردِ خدا کی زبان سے نکلا ہوا یہ شعر زبان زدِ خاص و عوام ہو گیا۔ یوں آپ جو پہلے ہی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کہلاتے تھے' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے "گنج بخش" کے معزز لقب سے مشہور ہو گئے۔ آپ کے بعد ہر زمانہ میں اولیائے کرام آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہوتے رہے اور آپ کے دستر خوان جود و کرم سے جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے رہے۔ اس زمانے میں بھی جبکہ مادیت پسندی الحاد پرستی اور تصوف دشمنی کی مسموم ہواؤں نے انسانی اذہان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پُر انوار کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ رات دن طالبان حق کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ گرمی ہو یا سردی' بارش ہو یا دھوپ' دن ہو یا رات کوئی لمحہ ایسا نہیں جبکہ بندگان خدا کا ہجوم اللہ

marfat.com

تعالیٰ کے اس محبوب اور برگزیدہ بندے کے آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل نہ کر رہا ہو۔ وہاں پہنچ کر اس آیت کریمہ کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے:

''اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا' تم میری پیہم نعمتوں اور احسانات کا شکریہ ادا کرتے رہو اور ناشکری کا انداز مت اختیار کرو''۔

بلاشبہ حضور داتا گنج بخش سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر عبادت و ریاضت' علم و عمل' زہد و تقویٰ' تبلیغ واشاعت کے ذریعے اپنے اللہ کا ذکر کیا اور اللہ نے اپنے اس انتہائی بزرگ بندے کو یہ اعزاز بخش دیا کہ اس کا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لوحِ وقت پر کندہ کر دیا۔ اس کا سکہ دلوں کی سلطنت پر یوں بٹھا دیا کہ کوئی بھی انقلاب اس مردِ خدا آگاہ کے مقام و مرتبہ میں معمولی سی کمی لانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ہر آنے والا دن اس مردِ خدا کی چوکھٹ کو چوم کر اس پیغام کے ساتھ طلوع ہوتا ہے کہ:

داتا ترا دربار ہے رحمت کا خزانہ
قدموں کو ترے چومنے آتا ہے زمانہ

O

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جب حیات فانی کی پینسٹھ (۶۵) منزلیں طے کر چکے تو پیانۂ عمر لبریز ہوگیا اور آپ نے ۴۶۵ھ میں اپنی جان' جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کے فیوض باطنی کا سلسلہ مزارِ پُر انوار پر مسلسل جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار آپ کے وصال کے تقریباً آٹھ سال بعد سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا تھا۔ سلطان کو آپ سے بہت عقیدت تھی اور ننگے پاؤں چل کر آپ کے روضہ پر حاضری دیتا تھا۔ مغل بادشاہوں کو بھی سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت تھی چنانچہ آپ کے مزار کا تابوت جو کہ سنگ مرمر کی ایک ہی سل کا بنا ہوا ہے' شہاب الدین شاہجہان کے بیٹے داراشکوہ نے بنوایا تھا۔ زمانے بدلتے رہے' حالات نئی سے نئی کروٹیں بدلتے رہے' حکومتیں تبدیل ہوتی رہیں' قیام پاکستان کے بعد کئی حکمرانوں نے سیاست کی بساط پر اپنا سکہ جمایا لیکن اپنے تمام تر سیاسی کروفر کے باوجود وہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر انتہائے عاجزی کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔ یہی نہیں

marfat.com

بلکہ ہر حکمران نے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک اور ملحقہ مسجد کی وسعت اور دلکشی میں اضافہ کرنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے جس طور اس سلطان اقلیم ولایت کو خراج عقیدت پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ علامہ کہتے ہیں:

سید ہجویر مخدوم اُمم
مرقدِ اُو پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق زحرفِ اُو بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزت اُم الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب ازدم اُو زندہ گشت
صبح ما از مہر اُو تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد طیار عشق
از جبنش آشکار سرارِ عشق

............O............

آج داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نام اطراف و اکنافِ عالم میں گونج رہا ہے۔ افغانستان، ایران اور برصغیر پاک و ہند سمیت بہت سے ممالک سے تعلق رکھنے والے متلاشیان حق صداقت آپ کی بارگاہ میں حاضری دینا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ زمانے بھر کے کجکلاہ شہروں کو فتح کر سکتے ہیں، انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کر کے اپنی ہیبت اور کجلاہی کا سکہ بٹھا سکتے ہیں۔ مگر ان شاہان وقت کا قبضہ ان کے آنکھوں بند کرنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتا ہے مگر مردانِ حق جسموں کو نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں کو تسخیر کرتے ہیں۔ ان کی سلطنت کو فنا نہیں، ان کا سکہ ہمیشہ جاری و ساری ہے۔ ان کے قبضے کو دوام ہے، داتا گنج بخش بھی ایسے عظیم محسن اسلام ہیں جو آج اپنی قبر انور کے اندر آرام

marfat.com

فرما ہو کر کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں، قیامت کی گرمی میں، برف برساتی سردی میں، طوفان باد و باراں میں جب بھی اور جس وقت بھی جائیے ہزاروں بندگانِ خدا تلاوت قرآن حکیم اور عبادتِ خداوندی میں مشغول نظر آئیں گے جو کچھ بھی پڑھا جا رہا ہے وہ بصد عقیدت داتا کی بارگاہ میں نذر کیا جا رہا ہے۔ خالی جھولیاں اور ہاتھوں کے کشکول پھیلا کر رب کریم سے اس برگزیدہ ہستی کا واسطہ دے کر مرادوں کے جواہر طلب کئے جا رہے ہیں۔ تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو مزار اقدس سب سے زیادہ مرجعٔ خلائق ہے اور جہاں سے انوار و تجلیات تقسیم ہو رہے ہیں، وہ سید داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ اقدس ہے۔ اللہ اللہ کہاں وہ عالم کہ قریباً ایک ہزار پہلے غزنی کے علاقہ ہجویر سے ایک گمنام مبلغ لاہور وارد ہو کر دریائے راوی کے کنارے کو اپنے مسکن بناتا ہے۔ خاموشی کے ساتھ عبادات میں گم رہتا ہے، مگر تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلے کو ایک لحظہ کیلئے بھی فراموش نہیں کرتا اور کہاں یہ شہرت اور قبولیت و مرجعیت کہ ہر لحظہ اور ہر آن داتا داتا پکارنے والے منگتوں کا ہجوم تسبیح و تہلیل کی صدائیں بلند کرتے ہوئے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہے۔

............O............

سید علی ہجویری کی تعلیمات عشق و عقیدت کا ایک ایسا گلدستہ ہیں، جس کے ہر پھول کی خوشبو لازوال ہے۔ ہر غنچہ عطر بیز اور ہر کلی معنبر ہے۔ آپ سے صرف عوام الناس نے ہی نہیں بلکہ علمائے کرام اور صوفیائے کرام نے بھی استفادہ کیا۔ ''کشف المحجوب'' اپنے موضوعات کے لحاظ سے ایمان آفریں گنجینۂ حکمت ہے، جس سے ہر دور کے صوفیا فیضیاب ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' میں طریقت، شریعت، معرفت، فقر درویشی، اخلاق و کردار، رحمت خداوندی، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی عقائد و نظریات، دنیا و آخرت، بے ریائی و پارسائی اور ترک دنیا سمیت بے شمار موضوعات پر دلکش پیرائے میں اظہار خیال کیا ہے۔

فقر کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''فقر پر ہمیشہ صبر کرنا، فقیر کا درجہ کمال ہے۔ ایسے شخص کو صوفی یا درویش کہتے ہیں اور درویش وہی ہے جو ضروریات زندگی سے اسی قدر واسطہ رکھے، جس قدر زندہ رہنے کیلئے ضروری ہے''

marfat.com

۔ اللہ کی رفاقت ایسی دولت ہے جس کے مقابلے میں ساری دنیا کا مال متاع بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور سچا درویش ہر حالت میں اللہ کی رفاقت کو ترجیح دیتا ہے''۔

تصوف کی مختلف تشریحات ہر زمانے میں کی گئی ہیں۔ مادیت پسندوں نے اسے بدنام کرنے کیلئے کبھی ایرانی تصوف' کبھی عجمی تسوف اور کبھی ہندومت تصوف کی تلمیحات گھڑ کر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تصوف کا اسلام اور بانیٔ اسلامی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو بطور خاص اپنا موضوع بنایا۔ قرآن و حدیث اور مختلف حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تصوف کی روح عین رُوح اسلام ہے۔ چند غلط عناصر کے غلط رویئے کی بناء پر آپ دبستانِ رُوحانیت وتصوف کے لازوال چشمے کی برکات سے انکار نہیں کر سکتے۔ تصوف کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''دل کا صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا اور دنیا کی محبت سے خالی ہونا تصوف ہے۔ صوفی وہ شخص ہے جس کا دل دنیاوی آلائشوں اور نفسانی خواہشات سے پاک صاف اور مصطفیٰ ہو' کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس میں نہ ہو اور جو ہر معاملہ میں انصاف پسند ہو''۔

خرقہ پوشی کے متعلق ارشاد فرمایا:

''خرقہ پوشی کیلئے ضروری ہے کہ باطن کی صفائی' دل کی روشنی' مزاج کی پاکیزگی' خواہشات کا اعتدال اور خاصانِ بارگاہِ رب العزت کا تقرب اس کا مقصود ہو' خرقہ پوشی سے گروہ صوفیا کی مراد صرف یہ ہے کہ دنیاوی زیب و زینت سے نجات پائیں اور اپنے فقر میں حق تعالیٰ سے ہی رابطہ رکھیں''۔

آداب صحبت کے متعلق فرمایا:

''انسان جن لوگوں کے پاس بیٹھے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ بوڑھوں کا ادب کرے' بچوں کے ساتھ شفقت کرے' ہم عمروں کو بھائی کی طرح خیال کرے' ہر گناہ سے اجتناب کرے' حسد سے بچے' عداوت سے روگردانی کرے' دوسروں کی غیبت کرنا' خیانت کرنا' دوسرے کی عقل اور اس کے فعل پر حرف زنی کرنا بھی آداب صحبت کے خلاف ہے''۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمالات روحانیہ کی بدولت بے شمار دلوں میں مکین ہیں۔ دلوں کی بنجر بستیاں آپ کی تعلیمات قدسیہ کے سحاب رحمت سے سیراب ہو رہی ہیں۔ آپ کا اُسوۂ

marfat.com

عالیہ دنیا و آخرت میں سر بلندی حاصل کرنے والوں کیلئے آوازۂ فطرت بنا ہوا ہے۔آپ ایسے ماہتاب طریقت ہیں، جس کی ابدی کرنوں کو زوال نہیں اور رحمت خداوندی کی بدولت ہر آنے والا دور آپ کی عظمت و مقبولیت میں اضافہ کرنے کا باعث بن رہا ہے۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

............O............

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
میرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکیں فانی، مکاں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
تری فطرت اس سے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہر ممکن کا گویا امتحاں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

marfat.com

غوث الاعظم

محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

عین اس وقت جب گمراہی و ضلالت اور فسق و فجور کی تاریکیاں کائنات انسانی کا مقدر بننے لگتی ہیں، قدرت کی فیاضی کسی ایسے دانائے روزگار کو رشد و ہدایت کا فریضہ سونپتی ہے جو اپنے سیرت و کردار کی شمع لازوال کی روشنی سے ظلمت زدہ ماحول کو منور کر دیتا ہے۔ اس یگانۂ عالم شخصیت کی زندگی عظمت قرآن کا پرتو اور اس کی سیرت کا ہر نقش تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ پیران پیر غوث الاعظم حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی صاحب اسرارِ حق تھے، جنہوں نے اپنے کردار کی ضو باریوں اور اپنے مواعظ حسنہ کی نور افشانیوں کی بدولت عرصۂ کائنات کو شریعت و روحانیت کے غیر فانی نقوش بخش دیئے۔ آپ نے عباسی ملوکیت کے سائے میں کملائے ہوئے نخل اسلام کو پھر سے ترو تازہ کر دیا۔ آپ کی باطل شکن للکار نے وقت کی سب سے بڑی استبدادی قوت کو یوں لرزہ براندام کر دیا کہ شاہانِ کجکلاہ اپنی خلافت کو عامۃ المسلمین کی بخشی ہوئی امانت سمجھنے لگے۔

آپ ایسے پیران پیر تھے کہ تمام روحانی سلاسل آپ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں، آپ وہ راہنمائے کامل دستگیر تھے کہ جس نے ملت اسلامیہ کے نفس مردہ کی مسیحائی کا فریضہ انجام دیا۔ آپ غوث الاعظم تھے کہ بے شمار بندگان حق آپ کے فیوض و برکات کی بدولت جادۂ ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ آپ محبوب سبحانی تھے کہ آپ کے محاسن و مناقب بیان کرنے لگیں تو قلم دریائے حیرت میں ڈوب ڈوب جائے، آپ قطب ربانی تھے کہ جب آپ نے خود کو مامورِ من اللہ سمجھتے ہوئے اصلاحِ اُمت مسلمہ کا فریضہ انجام دینا شروع کیا تو عامۃ الناس تو ایک طرف باجبروت خلفاء

marfat.com

بھی آپ کی بازپُرس کے احساس سے لرز لرز اُٹھتے تھے کہ:

؎ نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

آپ کا اسم گرامی عبدالقادر اور کنیت ابومحمد ہے۔ آپ کے القاب و اوصاف بے شمار ہیں۔ دنیا آپ کو حضرت شیخ المشائخ، قطب الاقطاب، غوث الاعظم، امام اولیاء، محی الملت والدین کے القاب سے یاد کرتی ہے۔ آپ ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں بلادِ عجم کے ایک چھوٹے گاؤں نیف میں پیدا ہوئے جو گیلان کے متعلقات سے ہے۔ اہل عرب گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں، اس لئے گیلان کو جیلان بولتے ہیں اسی بناء پر آپ جیلانی مشہور ہوئے۔ بعض اصحاب نے جیلانی کہلانے کی اور وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ آپ کی والد ماجد حضرت سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست انتہائی متقی و پرہیز گار اور صاحب ایمان شخصیت تھے جبکہ آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام الخیر فاطمہ نہایت صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ والد محترم کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب امام حسن رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس طور پر صحیح النسب حسنی حسینی سید ہیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت اُم الخیر فاطمہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، آپ نے ابھی زندگی کی چند منزلیں ہی طے کی ہوں گی کہ آپ کے والد محترم حضرت سید ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ جنگی دوست کا انتقال ہوگیا اور اس صالح یتیم فرزند کی تعلیم و تربیت کا تمام بوجھ آپ کی والدہ کے کندھوں پر آ پڑا۔ آپ کے نانا حضرت سید عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ پر غایت درجہ شفقت فرماتے ہوئے آپ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں آپ کی والدہ کی راہنمائی فرماتے تھے، جب آپ کی عمر دس سال کی ہوئی تو آپ اپنے شہر کے مکتب کے اندر پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ''بہجۃ الاسرار'' کے مطابق جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں دس سال کا تھا تو اپنے شہر کے مکتب میں پڑھنے جایا کرتا تھا۔ راستہ میں ملائکہ میرے پیچھے پیچھے چلتے دکھائی دیتے تھے، جب میں مدرسے پہنچتا تو ان کو بار بار یہ کہتے سنتا کہ ''اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو، اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو''۔

جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی، تو ایک دفعہ عرفہ کے دن اپنے گاؤں سے باہر نکلے،

marfat.com

اتفاقاً راستہ میں کسی زمیندار کا بیل چلا جاتا تھا۔ اچانک بیل نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: ما لھذا خلقت ولا بھذا امرت۔ (اے عبدالقادر تو اس واسطے پیدا نہیں کیا گیا اور نہ ہی تجھے اس کا حکم دیا گیا ہے) یہ سن کر آپ کے سینے پر محبت الٰہی اور ذوق وشوق کا بحر بیکراں ٹھاٹھیں مارنے لگا اور گھر آ کر اپنی والدہ محترمہ کو تمام ماجرا سنا کر تحصیل علوم شریعت وطریقت کی خاطر بغداد جانے کا عزم ظاہر کیا۔ والدہ محترمہ نے اجازت عطا فرما کر چالیس دینار آپ کی گڈری میں سی دیئے اور دعا فرماتے ہوئے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین فرمائی۔ والدہ کی یہ تلقین اس وقت بھی آپ کے پیش نظر تھی جب ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے راستہ میں حملہ کر کے تمام مسافروں کا مال واسباب چھیننا شروع کر دیا۔ بالآخر آپ کی یہی صداقت شعاری قزاقوں کے اس گروہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کا باعث بنی' اللہ کا یہ ولی جدھر رُخ کر رہا تھا رشد وہدایت کے جواہر بے بہا لٹاتا جا رہا تھا۔

جب آپ ۴۸۸ھ میں مرکز علوم وفنون اور گہوارۂ تہذیب اسلامی بغداد پہنچے تو سب سے پہلے حضرت شیخ حماد بن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے عظیم شیخ الفقہ تھے۔ انہوں نے اس شہباز طریقت کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ علوم دینیہ اور علوم متداولہ کی تحصیل کیلئے حضرت قاضی ابوسعید المبارک المخزومی جیسے شیخ کبیر اور حضرت لابوذکریا تبریزی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم یگانہ سے اکتساب فیض کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد دوسرے علماء وفقہاء کے فقہی کمالات سے بھی ایک عرصہ تک خوشہ چینی کی۔ ان میں سے ابوالغنائم محمد بن علی میمون الخراسی' ابوالبرکات طلحہ العاقولی' ابوعثمان اسماعیل بن محمد الاصبہانی' ابوطاہر محمد عبدالرحمٰن بن احمد' ابوالمنصو رعبدالرحمٰن' ابوالنصر محمد بن المختار ہاشمی' شیخ ابوالخطاب محفوظ الکلوذانی' ابوالوفا علی بن عقیل حنبلی' ابوالحسن محمد بن قاضی' محمد بن الحسین القادری السراج جیسے نامور محدثین اور فقہاء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ حدیث شریف پر آپ کی ژرف نگاہی اور دقت نظر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اساتذہ کرام آپ کو سند دیتے وقت فرمایا کرتے تھے:

''اے عبدالقادر ہم تم کو الفاظ حدیث کی سند دے رہے ہیں ورنہ حدیث کے معانی میں تو ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں کیونکہ بعض احادیث کے مطالب جو تم نے بیان کئے ہیں ان تک ہماری فہم کی رسائی نہیں''۔

درس وتدریس سے فراغت ہوئی تو محبت خداوندی اور معرفت ربانی کے اسرار کو سمجھنے کیلئے

marfat.com

سرگرداں رہنے لگے۔ عراق کے ویرانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے اور کئی کئی روز واپس نہ آتے۔ تلاش حق کا جذبہ راسخ تھا' قدرت آپ کو ایک بڑے مقصد کی تکمیل کیلئے تیار کر رہی تھی۔ اپنے استاد محترم قاضی ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ المبارک المخزومی کے حکم پر ان کے مدرسہ ''باب الازج'' میں فرائض تدریس انجام دینے لگے۔ دور دور سے طالبان علم آپ کی شوکت علمی کا شہرہ سن کر حاضری دینے لگے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مدرسہ کی عمارت ناکافی محسوس ہونے لگی۔

بغداد کے ارباب خیر مدرسہ کی عمارت کی توسیع کی خاطر زر کثیر صرف کرنے لگے۔ بالآخر ۵۲۸ھ میں یہ مدرسہ ایک عظیم الشان اسلامی درسگاہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اب یہ درسگاہ مدرسہ قادریہ کے نام سے چاروں طرف مشہور ہو چکی تھی۔ عام طالبان علم ہی آپ کی خدمت اقدس میں حاضری نہ دیتے تھے بلکہ نامور علمائے کرام اور مشائخ بھی اس سلسلہ میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا سعادت خیال کرتے تھے۔ آپ کے جذبات میں عشق خداوندی کی طلب صادق جلوہ فگن تھی۔ طریقت کی وادیوں کی طرف رجوع کیا تو مجاہدہ اور ریاضت کی طرف رغبت پیدا ہونے لگی۔

علم طریقت و معرفت کے سلسلہ میں آپ نے حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ کی نگہِ فیض رسان کے انعامات باطنی سے فیوض حاصل کئے جو کہ بغداد کے عظیم المرتبت مشائخ میں سے تھے۔ روحانی اور باطنی کمالات کے حصول کیلئے آپ نے قریباً پچیس برس ایمان افروز مجاہدوں اور ریاضتوں میں صرف کئے۔ جب آپ نے عبادات' ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے بعد پورا پورا تزکیہ نفس حاصل کر لیا تو حضرت شیخ ابوسعید مبارک المخرمی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شیخ ابوسعید نے آپ کو اپنے حلقۂ بیعت میں لیتے ہوئے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لقمہ اُن کے ہاتھ سے میرے شکم میں جاتا تھا وہ میرے باطن میں ایک نور بھر دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علوم معرفت کے مہر عالم تاب میں ڈھلتی گئی۔

آپ روحانی سربلندیوں پر فائز ہوئے تو تقاضائے قدرت کی تعمیل میں وہ وقت آپہنچا کہ ایک زمانہ آپ کے انوار وتجلیات معرفت سے مستنیر ہوا۔ اس وقت خلافت عباسیہ کا آفتاب اقتدار نصف النہار پر تھا۔ ملوکیت کے سائے انوارِ شریعت کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ بغداد میں خلیفہ

marfat.com

مستنصر باللہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ بغداد جو کہ عروس البلاد بھی تھا اور عظیم الشان مسلم سلطنت کا دارالخلافت بھی، اب تاجدار اقلیم ولایت حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فکری و روحانی سرگرمیوں کا مرکز لازوال بننے والا تھا۔ اس دور کے امراء حکومت کے نشے ہی بدمست اور رعایا کے حقوق سے غافل تھے۔ علماء اپنے فریضۂ ایمانی سے بے بہرہ ہو کر آپس میں اُلجھ رہے تھے۔

جاہل صوفیوں نے طریقت کو شریعت سے علیحدہ اور آزاد ٹھہرا رکھا تھا۔ اسلام جو کہ عالم انسانیت کا چارہ ساز تھا، ارباب اقتدار کے فیصلوں کا پابند بنا دیا گیا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن کا مشاہدہ فرماتے ہوئے حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت، اشاعت اسلام، اصلاحِ خلق خدا، تجدید دین اور علائے کلمۃ الحق کا بیڑا اُٹھایا۔ رشد و ہدایت کے سلسلہ کو دراز کرنے میں آپ کی زبان حارج تھی۔ بغداد عربی ادب کا گہوارا اور فصحائے عرب کا مرکز تھا، جبکہ حضور پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی مادری زبان فارسی تھی۔ تمام تر علمی و فقہی اور روحانی و نظری کمالات و فضائل کے باوجود آپ جھجک کا شکار تھے۔ ایک رات آپ خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وعظ و نصیحت کی تلقین فرمائی تو انہوں نے اپنے عجمی نژاد ہونے اور عربی دانی کی مہارت نہ رکھنے پر معذوری کا اظہار کیا، جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ کچھ پڑھ کر ان کے منہ پر دم کیا اور لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور وعظ کا حکم دیا۔ بس پھر کیا تھا درِ علم و حکمت وا ہو گیا، رشد و ہدایت کا سرچشمۂ سرمدی پھوٹ پڑا۔

متعدد تذکرہ نگار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطائے خاص کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غوث الاعظم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بیداری میں کرم فرمایا"۔

آپ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دوسرے روز میں بعد نماز ظہر کہنے کے ارادے سے منبر پر بیٹھا اور سوچتا رہا کہ کیا کہوں۔ میرے ارد گرد خلقت کا ہجوم تھا اور ہر ایک میرا وعظ سننے کا مشتاق تھا، ہر چند کہ میرے سینے میں دریائے علم موجزن تھا مگر زبان نہیں کھلتی تھی کہ اس وقت میرے جد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم تشریف لائے اور چھ مرتبہ کچھ پڑھ کر میرے منہ پر دم کیا اور اپنا لعاب دہن میرے منہ میں

marfat.com

ڈالا۔ میری زبان فوراً کھل گئی اور میں نے وعظ شروع کر دیا۔ اب میری طلاقت لسانی کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی۔ خود میرے دل میں جوش سخن کا یہ عالم تھا کہ اگر کچھ عرصہ خاموش رہتا اور وعظ نہ کہتا تو میرا دم گھٹنے لگتا تھا۔ اوّل اوّل میری محفل تذکیر میں تھوڑے لوگ ہوا کرتے تھے مگر آخر میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہجوم کی مسجد میں گنجائش ناممکن ہو گئی۔ بالآخر عید گاہ میں منبر رکھا گیا اور میں نے وہاں وعظ کہنا شروع کیا"۔

آپ نے ۵۲۱ھ میں پہلی تقریر فرمائی۔ ابتداء میں تعداد کم تھی لیکن آپ کی پہلی تقریر نے بغداد میں تہلکہ مچا دیا۔ تشنگان شوق کا دریا اُمڈ آیا۔ بغدادیوں نے آپ کی خطابت و مؤعظت سے متاثر ہو کر بغداد کے باہر ایک طویل و عریض رباط تعمیر کرائی اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع ہوتا چلا گیا کہ مدرسہ باب الازج کی تعمیرات اس رباط کی تعمیرات سے متصل و ملحق ہو کر ایک عالی شان زاویہ یا خانقاہ کی شکل میں نظر آنے لگیں۔ آپ یہاں جمعہ' یکشنبہ اور دوشنبہ کو وعظ و تلقین فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات ستر ہزار سے زائد طالبان راہ حق آپ کے وعظ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ سوار اتنے آتے تھے کہ ان کی گرد سے عید گاہ کے گرد ایک حلقہ بن جاتا تھا اور دور سے تو وہ نظر آتا تھا۔ حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پُر تاثیر مواعظ حسنہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "اخبار الاخیار" میں رقمطراز ہیں:

"حضرت کے کلام معجز بیان میں وہ تاثیر تھی کہ جب آپ آیات وعید کے معانی ارشاد فرماتے تھے تو تمام لوگ لرز جاتے تھے۔ چہروں کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ گریہ وزاری کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اہل محفل پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی' جب آپ رحمت الٰہی کی تشریح و توضیح اور اس کے مطالب بیان فرمانے لگتے تو لوگوں کے دل غنچوں کی طرح کھل جاتے تھے۔ اکثر حاضرین تو بادۂ ذوق و شوق سے اس طرح مست و بے خود ہو جاتے تھے کہ بعد ختم محفل ان کو ہوش آتا تھا اور بعض تو محفل ہی میں جاں بحق تسلیم ہو جاتے"۔

علمائے یگانہ اور مشائخ عصر بھی کثیر تعداد میں حاضر ہوتے۔ آپ کی محفل میں چار سو افراد قلم دوات لے کر بیٹھتے تھے اور جو کچھ آپ ارشاد فرماتے اسے جواہر بے بہا کی صورت دامانِ قرطاس پر سمیٹ لیتے۔ آپ کے مواعظ کی تاثیر سے گمراہوں کو منزل مقصود کا نشان میسر آتا' تاریک دلوں کو

marfat.com

ایمان کی روشنی عطا ہوتی، فاسق و فاجر حق آشنا بن جاتے، ہر مجلس میں ایک بڑی تعداد میں یہود و نصاریٰ دولت اسلام سے بہرہ یاب ہوتے۔ عامۃ الناس کے علاوہ بادشاہ، وزرائے سلطنت اور امرائے دربار بھی آپ کی مجالس میں نیاز مندانہ طریق سے حاضر ہوتے۔ آپ کی مجلس وعظ میں رجال الغیب، ملائکہ اور جنات بھی بکثرت آیا کرتے تھے۔ آپ کا ہر وعظ ربانی فتوحات، یزدانی الہامات اور سبحانی ارشادات و ہدایات کا بحر ذخار تھا۔ حکیمانہ انداز کی جھلک بھی تھی اور روحانی جلال کی چمک بھی۔ یہ آپ کی کرامت تھی کہ آپ کی مجلس میں دور و نزدیک بیٹھنے والے یکساں آپ کی آواز سنتے تھے۔ آپ اہل مجلس کے خطرات قلبی کے موافق کلام فرماتے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زیادہ یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں کی تعداد میں فساق و فجار تائب ہوئے۔

آپ نے مذہب اسلام کو اس طور نئی زندگی دی کہ اسلام پھر سے اپنی حقیقی عملی تعبیر و توضیح کے ساتھ عوام الناس کی زندگی میں جاری و ساری ہوگیا۔ آپ نے علمائے سُو کو ان کی فرض ناشناسی پر ٹوکا، جاہل صوفیوں کو عظمت تصوف سے آشنا کیا۔

دُنیاداروں کو روزِ قیامت کی سختیوں کا احساس دلایا، عمال حکومت کو ان کی بدعنوانیوں پر سخت ملامت کی، حتیٰ کہ خلیفۂ وقت بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اسے بھی ڈانٹ دیتے۔ ایک مرتبہ خلیفہ المستنجد باللہ نے دعائے خیر کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دس توڑے اشرفیوں کے نذر کئے۔ آپ کے انکار پر جب خلیفہ نے قبول فرمانے پر اصرار کیا تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں چند اشرفیوں کو لے کر گڑا تو ان سے خون بہنے لگا۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا:

"تمہیں اللہ سے شرم آنی چاہیئے کہ انسانوں کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو"۔

خلیفہ وقت اور وزراء امراء آپ کے دربار میں حاضری دینا باعث اعزاز سمجھتے تھے، جب وہ آتے تو آپ اُٹھ کر گھر میں چلے جاتے، جب وہ آپ کے پیچھے آتے تو آپ دولت خانہ سے نکلتے تا کہ ان کیلئے اٹھنا نہ پڑے۔ آپ انہیں نصیحت کرتے ہوئے لہجہ سخت کر لیتے جب آپ خلیفۂ وقت کو لکھتے تو یوں تحریر فرماتے:

marfat.com

''عبدالقادر تجھے یوں حکم دیتا ہے اور اس کا حکم نافذ ہے۔ اس کی اطاعت تجھ پر واجب ہے۔ وہ تیرا پیشوا اور تجھ پر حجت ہے''۔

جب خلیفۂ وقت کو آپ کے خط مبارک کے مضمون سے آگاہی ہوتی تو اسے بوسہ دیتا اور کہتا کہ سیدنا شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ جیلانی جلالت روحانیت کے کس مقام پر فائز تھے۔

؎ شاہِ شاہاں شیخ عبدالقادر است
دِل نشین و دِلربا و دلبر است

خدائے کریم نے آپ سے اصلاحِ احوال عالم کا وہ فریضہ عظیم انجام دلوانا تھا جو انبیائے کرام کا خاصہ ہے۔ آپ نے شعائر اسلامی کو جس طور نئی زندگی بخشی اور اسلام کی ابدی تعلیمات کو جس شاندار طریق سے اسلامیانِ عرب وعجم کے دلوں میں راسخ کیا' اس کی بناء پر آپ کو محی الدین والملت کے مقدس خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس خطاب کی وجہ تسمیہ یوں ہے کہ ۵۱۱ ھ میں آپ بغداد کی طرف آ رہے تھے کہ ایک بیمار اور نحیف البدن شخص نے راستے میں آپ کا نام لے کر سلام کیا اور قریب آنے کو کہا۔ جب آپ قریب پہنچے تو اس نے آپ سے سہارا دینے کی استدعا کی۔

آپ نے سہارا دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم صحت مند ہونے لگا اور رنگ وصورت میں تازگی نمایاں ہونے لگی۔ آپ کے استعجاب پر اس نے کہا کہ میں دین اسلام ہوں۔ میں قریب المرگ ہو گیا تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری بدولت از سر نو زندہ کیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اس شخص سے جدا ہو کر جامع مسجد پہنچے تو ایک شخص نے ملاقات کی اور آپ کے جوتے پکڑ کر یا سیدی محی الدین کہہ کر پکارا۔ پھر جب یہ نماز پڑھنے لگے تو چاروں طرف سے لوگ آ کر ان کے ہاتھ چومنے لگے' ہر شخص کی زبان پر یا محی الدین کا قدسی زمزمہ گونج رہا تھا۔

؎ تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

پیرانِ پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جس مقام غوثیت پر فائز تھے وہ جملہ اولیائے کرام میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ علم وعمل' عشق وسرمستی' سوز وگداز اور روحانی شوق کی

marfat.com

جن رفعتوں کے ہمراز تھے وہ کسی اور صاحب حال کا مقدر نہ بن سکیں۔ تمام معتبر تذکار میں رقم ہے کہ ایک روز سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے محلہ حلبہ میں جہاں آپ کا مہمان خانہ تھا' مجلس سے خطاب فرما رہے تھے' اس مجلس میں پچاس جلیل القدر مشائخ عظام موجود تھے۔ دورانِ وعظ آپ نے فرمایا:

قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله

میرا یہ قدم ہر ایک ولی اللہ کی گردن پر ہے

یہ سن کر حضرت شیخ علی ابن الہیتی اُٹھے اور منبر کے قریب جا کر آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ دیا۔ بعدازیں تمام حاضرین نے آگے بڑھ کر اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اس دور کے تین سو تیرہ اکابر اولیاء اللہ نے دنیا کے مختلف مقامات پر حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی تعمیل میں اپنی گردنیں خم کر دیں۔ آپ کے اس ارشاد برحق کے وقت سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ خراسان کی پہاڑیوں میں مجاہدوں اور ریاضتوں میں مصروف تھے۔ آپ نے غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعلان سنتے ہی اپنا سر مبارک زبان حال سے یہ کہتے ہوئے زمین پر رکھ دیا کہ حضور والا! گردن پر کیا بلکہ میرے سر پر آپ کا مبارک قدم ہے''۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کوئی کیا جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بے شمار ہیں۔ ان کا شمار کرنے بیٹھیں تو ایک طویل دفتر درکار ہو گا۔ آپ کے روحانی تصرفات اور ایمانی کمالات کے ایسے ایسے ایمان افروز واقعات مطالعہ کو ملتے ہیں کہ دیدہ و دل فکر آفریں حیرت میں کھو جاتے ہیں۔ آپ کی ذات مجمع البرکات صفات جمیلہ اور خصائل حمیدہ کی جامع تھی۔ آپ انتہائی غریب نواز' خدا ترس' سخی' رقیق القلب' وسیع حوصلہ' شیریں زباں' رحمدل' خلیق اور حد درجہ بامروّت اور پابند قول و اقرار تھے۔ آپ کی خدمت میں ہدیے نذرانے اور تحائف اس کثرت سے آتے کہ شمار نہیں ہو سکتا تھا مگر آپ سب کچھ

marfat.com

خدا کی راہ میں خیرات کر دیتے۔ روزانہ شب کو آپ کا دستر خوان بچھایا جاتا' جس پر آپ مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے۔ غرباء و مساکین کے ساتھ آپ زیادہ بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی تناول فرماتے۔ طلبہ بھی کثیر تعداد میں آپ کے دستر خوان سے ہی کھانا کھاتے

آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے اسلام کو نئی زندگی عطا کی' آپ کے ارشادات اور مواعظ حسنہ روشنی کے مینار تھے' جن سے پھوٹنے والی کرنیں آج بھی دلوں کو روحانیت آشنا کر رہی ہیں۔ آپ کے ان مواعظِ حسنہ کے تین مجموعے ہیں یعنی الفتح الربانی' فتوح الغیب' الغنیۂ لطالب طریق الحق (غنیۃ الطالبین) ان کتب میں آپ کے ارشادات حکیمانہ کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ یہ مواعظ اپنی افادیت اور اثر آفرینی کی اس منزل پر ہیں کہ آپ کی فضیلت اور فیضان معرفت پر دلیل قاطع ہیں۔ عرب ہو یا عجم' برصغیر پاک و ہند ہو یا ممالک شام و عراق تمام دنیا آپ کے کمالات علمی اور فضائل باطنی کی معترف ہے۔ آپ جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے بے نصیب انسانوں کے لئے صراط مستقیم کا عملی پیغام سرمدی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جس عالمگیر دعوت حق کا آغاز کیا تھا' وہ آپ کے سلسلہ عالیہ قادریہ کی صورت میں آج بھی پورے روحانی تزک و احتشام کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ یہ وہی دعوت حق ہے جس کیلئے آپ فرمایا کرتے تھے:

''اے لوگو! دعوت حق قبول کرو' بے شک میں داعی الی اللہ ہوں کہ تم کو اللہ کے دروازے اور اس کی طاعت کی طرف بلاتا ہوں۔ اپنے نفس کی طرف نہیں بلاتا کہ منافق ہی اللہ کی طرف مخلوق کو نہیں بلاتا بلکہ اپنے نفس کی طرف بلاتا ہے''۔

اس دور کے علماء اور اصحاب تصوف آپس میں برسر پیکار تھے۔ شرافت اور طریقت کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا تھا لیکن سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال شخصیت شریعت اور طریقت کے امتزاج کا حسین نمونہ تھی۔ آپ افتاء و درس کی مسند پر فائز تھے۔ وقت کا کوئی قاضی اور مفتی آپ کے علم و عمل پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبان طریقت کیلئے آپ کی ذات گرامی سپر بن گئی اور اہل شریعت آپ پر اور آپ کے متوسلین پر بدعتی یا غیر شرع ہونے کا الزام نہیں لگا سکتے تھے۔ صوفیاء اور علمائے شریعت دونوں فقہی و روحانی امور میں راہنمائی کیلئے آپ کے محتاج تھے۔ اس یکجہتی کی بدولت اشاعت اسلام کی رفتار تیز ہو گئی۔ آپ کے دور میں

marfat.com

فرقہ معتزلہ اسلام میں مادیت کا نمائندہ تھا۔ وہ عقل کو چراغ رہ گزر نہیں بلکہ درونِ خانہ کے ہنگاموں میں دخیل سمجھتا تھا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محبت و ذوق کی شمع ٹمٹمانے لگی۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وجود میں ایک ایسی شخصیت ظہور پذیر ہوگئی کہ محض اس کا دیکھنا ہر سوال کا جواب اور ہر مشکل کا حل تھا۔ آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے الفاظ شمع روشن کی طرح ضوبار ہونے لگتے اور جب آپ خاموش ہوتے تو علم و عرفان کی خوشبو قلوب انسانی کو مہکانے لگتی۔ آپ کے وجود سے مادہ پرستی کا خاتمہ ہوگیا اور معتزلہ اس طرح سمٹ گئے کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ جس وقت حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ محراب و منبر کی زینت بنے رافضیت عروج پر تھی' آپ کا وجود محبت الٰہی اور آیت الٰہی ثابت ہوا اور آپ کے فیوض سے سرشار قادری درویشوں نے ہر مقام پر اسماعیلی داعیوں کا تعاقب کیا اور عوام کو معرفت الٰہی کے پُر سرور اور میٹھے پانی کے چشموں سے سیراب کر کے فریب و مکر اور ضلالت و گمراہی کے سراب سے محفوظ کر دیا۔

حضرت سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بدن لاغر تھا' قد درمیانہ تھا' آپ کا سینہ کشادہ تھا' ریش مقدس طویل و عریض گھنی اور خوشنما تھی۔ آواز بلند دلنشیں اور گفتار خوش تر تھی' رنگ گندمی تھا' ابرو باریک اور باہم پیوستہ تھے۔ آپ کا علم کامل تھا' اخلاق شیریں تھے' مزاج میں تواضع تھی' شخصیت جلال و جمال کا مرقع تھی۔ آپ بہت خلوت پسند تھے۔ راست گوئی میں آپ کا شہرہ تھا' قرآن حکیم کی طرح احادیث نبوی کے بھی حافظ تھے' جب آپ وعظ کیلئے منبر پر تشریف فرما ہوتے تو کوئی بھی ادب کے باعث نہ کھنکھارتا تھا' نہ کھانستا تھا۔ آپ نے ۵۲۸ھ سے ۵۶۱ھ تک قریباً تینتیس سال درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔ علمائے عراق اور دوسرے علاقوں کے علماء آپ کی خدمت میں اپنے سوالات بغرض جواب ارسال فرماتے اور جب آپ کے فتاویٰ ان تک پہنچتے تو انہیں آپ کی علمی قابلیت پر سخت تعجب ہوتا تھا اور وہ پکار اُٹھتے تھے کہ وہ ذات پاک ہے جس نے ان کو ایسی علمیت سے نوازا ہے۔ آپ نے ۵۲ سال کی عمر تک متاہل زندگی اختیار نہ کی' اس کے بعد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے آپ نے مختلف زمانوں میں چار شادیاں کیں اور ان چاروں سے آپ کی اولاد کثرت سے تھی' ان میں سے مندرجہ ذیل صاحبزادگان زیادہ مشہور ہوئے۔ سیدنا شیخ عبدالوہاب' سیدنا شیخ عیسیٰ' سیدنا شیخ عبدالعزیز' سیدنا شیخ عبدالجبار' سیدنا شیخ عبدالرزاق'

marfat.com

سیدنا شیخ محمد' سیدنا شیخ عبداللہ' سیدنا شیخ یحییٰ' سیدنا شیخ موسیٰ' سیدنا شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی شاعری ذاتی تشہیر یا فنی صلاحیتوں کے اظہار کیلئے نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے اپنے سوز و ساز قلبی اور واردات روحانی کی نمود کا ذریعہ بناتے ہیں۔ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں خوبصورت شاعری کے نہایت خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔ آپ کی تمام تر شاعری چند حمدیہ قصیدوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدہ غوثیہ آپ کی روحانی قدر و منزلت اور آپ کے منصب جلیل کا ترجمان ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اس قصیدے کے بارے میں کہتے ہیں:

''قصیدہ غوثیہ بھی اسی مقام قرب کے ایک خود دار اور سکر یافتہ کی آواز ہے جس کو سیدنا غوث الاعظم کے باطنی حال کی اجتماعی تفسیر سمجھنا چاہیئے''۔

قصیدہ غوثیہ کے بارے میں مولانا روم کی رائے مبنی بر حقیقت ہے۔ نگاہِ ظاہر بین اس قصیدہ کی روح میں جھانک کر حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتوں کا ادراک نہیں کر سکتی۔ ایک فارسی دیوان بھی آپ سے منسوب ہے۔ آپ کی دیگر تصنیفات میں سے مندرجہ ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ الغنیۃ الطالب طریق الحق (المعروف غنیۃ الطالبین)' فتوح الغیب' الفتح الربانی' حزب نشاء الخیرات' الیواقیت الحکم' الفیوضات الربانیہ' المواہب الرحمانیہ' الفتوحات الرحمانیہ' جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر' سر الاسرار' رد الرافضہ وغیرہ۔

حضرت سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات فقط سلسلہ عالیہ قادریہ ہی کی بدولت تقسیم نہیں ہو رہے بلکہ جملہ روحانی سلاسل آپ کی شوکت روحانی کے سامنے جبین نیاز خم کرتے ہوئے آپ کی غوثیت عظمیٰ سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ شہنشاہ نقشبندیت حضرت بہاؤ الدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور بلند روحانی مقام کی خبر آپ کی پیدائش سے قریباً ڈیڑھ سو سال پہلے سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر دی تھی کہ بخارا شریف میں پیدا ہونے والا یہ مرد کامل میری خاص نعمت سے فیضیاب ہوگا اور واقعی جس طرح غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا' اسی لئے تو شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ عقیدت نگار ہیں کہ:

بادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است

marfat.com

سرحد اولادِ آدم شاہ عبدالقادر است
آفتاب و ماہتاب عرش و کرسی و قلم
نوقلب از نورِ اعظم شاہ عبدالقادر است

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بلند مرتبتی کا تذکرہ کرتے ہوئے طریقت و روحانیت کا پیشوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے فرمان کے موجب یہ روحانی فیض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے صاحبزادگان اور پھر بارہ اماموں کے ذریعہ دنیا تک پہنچتا رہا۔ حتیٰ کہ سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آ پہنچا جو روحانی سربلندیوں کے لحاظ سے انہی بارہ اماموں کے فیض یافتہ ہیں۔ اس تفصیل کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

"یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اس مرتبہ تک پہنچ گئے اور یہ آپ کو مل گیا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کے درمیان کوئی شخص اس مرتبہ پر نہیں ہے اور اب اس راستے میں جتنے فیوضات و برکات جملہ اقطاب' نجباء اور ولیوں تک پہنچتے ہیں ان کے ذریعے ہی پہنچتے ہیں کیونکہ فیض کا یہ مرکز ان کے بغیر اور کسی کو نہیں ملا' اسی جگہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

افلت شموس الاولین و شمسنا ابدا علی الفق العلی لا تغرب

سچ ہے کہ:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے' چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

سلطان الہند حضرت خواجہ سید محمد معین الدین سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تو باقاعدہ حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی صحبتوں اور ایمان افروز مجالس کے فیض یافتہ تھے۔ آپ کئی ماہ تک حضرت غوث الاعظم کی خدمت اقدس میں دن رات رہے اور آپ کے فیوضات اور جمیعہ باطن وکمال سے مستفیض ہوئے اور دربار غوثیت سے ہی ہندالوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کی ولایت عطا ہوئی تھی۔ شاہ اجمیر حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یوں ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں:

یاغوث معظم نور ہدیٰ مختار نبی مختار خدا

marfat.com

سلطان دو عالم قطب علیٰ حیراں زجلالت ارض و سما

چوں پائے نبی شد تاج سرت تاج ہمہ عالم شد قدمت

اقطاب جہاں در پیش درت افتادہ چو پیش شاہ گدا

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی نور اللہ مرقدہٗ اپنے عالم شباب میں علم کلام کی وسعتوں میں الجھے رہتے تھے۔ آخر ایک روز ان کے چچا انہیں بارگاہ سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ میں لے گئے اور ان کی روحانی تربیت کیلئے عرض گزار ہوئے تو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھ کر چند لمحوں ہی میں علم کلام کی تاریکیاں دھو ڈالیں اور اسے علوم نورانی سے بھرپور کر دیا۔ شیخ الشیوخ سہروردی اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت میرے سینہ میں علم لدنی بھر دیا اور جب میں آپ کے آستانہ عالیہ سے واپس ہوا تو علم و حکمت کا کمال میری زبان پر تھا۔ نیز آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم عراق کے متاخرین میں سے شہرہ آفاق شخصیت ہو گے''۔

مختلف سلاسل روحانی کے ان عظیم پیشواؤں کا دربار غوثیہ میں یہ خراجِ عقیدت فی الواقع حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عالمگیر پیغام کی ابدی گواہی ہے۔ آپ نے ۹ سال میں علوم شریعت حاصل کئے اور پھر باقی عمر تعلیمات اسلامی کی ترویج میں بسر کر دی۔ اس سلسلہ میں خدائے کریم نے آپ کو روئے زمین کی سلطانی عطا کر دی۔ یہ سلطانی وقتی اور عارضی نہیں بلکہ دائمی اور پائیدار ہے کیونکہ بالاتفاق آپ غوث اعظم اور قطب مدار ہیں، جن کے فیض روحانی اور قیادت و سیادت باطنی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

غوثِ اعظم درمیان اولیاء چوں محمد درمیانِ انبیاء

آپ نے اپنی عمر کے ابتدائی اٹھارہ سال اپنے مولود مسکن میں گزارے۔ ۹ سال بغداد شریف کے اندر علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل کی خاطر مصروف رہے۔ پچیس سال عراق کے جنگلوں، بیابانوں اور ویران مقامات پر ریاضات کاملہ اور مجاہدات شاقہ سے منازل سلوک طے کیں، پھر چالیس برس تک ارشاد و تلقین، اعلائے کلمۃ الحق اور اصلاحِ خلق کا فریضہ انجام دیا۔

۵۶۱ھ کو آپ کی عمر اکانوے برس ہو چکی تھی کہ آپ کی صحت گرنا شروع ہوئی، مرض الموت

marfat.com

نے آلیا' آپ کو وفات سے پیشتر ہی اپنے ارتحال کا پتہ چل گیا تھا۔ علالت کے دوران میں بھی آپ نے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا فریضہ ترک نہیں کیا۔ گیارہ ربیع الثانی کو وفات سے کچھ عرصہ پیشتر آپ نے اپنے عزیزوں اور عقیدت مندوں سے فرمایا:

''میرے آس پاس سے ہٹ جاؤ کیونکہ میں ظاہراً تمہارے ساتھ مگر باطناً تمہارے سوا کے ساتھ یعنی اللہ کریم کے ساتھ ہوں۔ بیشک میرے پاس تمہارے علاوہ کچھ اور حضرات بھی تشریف لائے ہوئے ہیں' ان کے لئے جگہ فراغ کر دو۔ ان کے ساتھ ادب سے پیش آؤ اور ان پر جگہ تنگ نہ کرو''۔

جن تشریف لانے والوں کی طرف حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا تھا وہ ملائکہ اور ارواح مقربین تھے۔ آپ بار بار آنے والوں کو سلام کا جواب دے رہے تھے۔ آپ بار بار ہاتھ مبار اُٹھاتے تھے اور ان کو دراز کرتے ہوئے زبان مبارک سے فرماتے تھے: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ توبہ کرو اور صف میں داخل ہو جاؤ' میں ابھی تمہاری طرف آتا ہوں' اس کے ساتھ ہی موت کے آثار شروع ہو گئے۔ کلمہ طیبہ اور آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرماتے ہوئے آپ کی آواز مبارک مخفی ہوگئی' زبان تالو سے مل گئی اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

اور پھر اسلام تعلیمات کی روشنی پھیلانے والا وہ مہر عالم تاب خاک بغداد میں روپوش ہو گیا' جس کی علمی و روحانی تجلیات ہر دور کے اصحاب فکر کے قلب وفکر کا اعزاز بنی رہیں گی۔ آپ کی وفات کی خبر سن کر لوگ آپ کے چہرے کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے تابانہ آپ کی جائے قیام کی طرف دوڑتے' لوگوں کے اژدہام کا یہ عالم ہوا کہ دن میں آپ کی تدفین عمل میں نہ لائی جا سکی بلکہ آپ کو دوسری شب میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار مبارک بغداد شریف کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ درس دیتے اور وعظ و ارشاد کی روحانی مجالس آباد کیا کرتے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بلادِ عالم سے آنے والے بے شمار زائرین عقیدت و احترام کی ڈالیاں نذر کرتے اور آپ کے فیوض و برکات کی دولت بے بہا کو اپنے دامن میں سجا کر لوٹتے ہیں۔

ماخذ و مراجع

۱۔ بہجت الاسرار۔ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی

۲۔ قلائد الجواہر۔ شیخ محمد بن یحییٰ التادفی الحنبلی

marfat.com

۳۔ نزہۃ الخاطر الفاتر۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری

۴۔ طبقات الکبریٰ۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی

۵۔ اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۶۔ نفحات الانس۔ ابوالعباس احمد بن محمد القسطلانی

۷۔ الروض الظاہر۔ ابوالعباس احمد بن محمد القسطلانی

۸۔ انوار الناظر۔ ابوبکر عبداللہ بن نصر التمیمی

۹۔ مناقب الشیخ عبدالقادر۔ قطب الدین موسیٰ بن محمد الحنبلی

۱۰۔ اسنی المفاخر۔ امام عبداللہ بن اسعد الیافعی

۱۱۔ روضۃ الناظر۔ مجد الدین ابوالطاہر محمد بن یعقوب

۱۲۔ جامع کرامات الاولیاء۔ علامہ یوسف نبہانی

۱۳۔ تفریح الخاطر۔ علامہ عبدالقادر الاربلی

۱۴۔ روض الریاحین۔ علامہ عبداللہ بن اسعد

۱۵۔ تذکرہ قادریہ۔ حضرت شیخ طاہر علاؤ الدین

۱۶۔ سیرت غوث اعظم۔ مولانا محمد داؤد فاروقی

۱۷۔ سیرت غوث الثقلین۔ مولانا محمد ضیاء اللہ قادری

۱۸۔ غوث اعظم۔ مولانا محمد احتشام الحسن

۱۹۔ سیرت غوث اعظم۔ مولانا نور بخش توکلی

۲۰۔ حضرت غوث الاعظم۔ پروفیسر محمد عنایت اللہ

۲۱۔ مقدمہ غنیۃ الطالبین۔ شمس بریلوی

۲۲۔ تحفۂ میراں۔ حضرت میاں محمد بخش

۲۳۔ تحفۃ القادریہ۔ حضرت ابوالمعالی محمد بن سلمٰی قادری

۲۴۔ خزینۃ الاصفیاء۔ مولانا غلام سرور لاہوری

marfat.com

حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

رحمت خلاق ہیں، ملتان کے یہ تاجدار
شوکت اسلام ہیں یہ معرفت کے رازدار
ان کی تعلیمات سے روشن ہے بزم زندگی
ہے مسلم قلب و جاں پر ان کی فکر پُر وقار
ان کا کردار حسیں ہے صورت شمع یقیں
ان کے افکار منور ہیں دل وجاں کا قرار
ان کی باتوں ان کی یادوں سے ہے دل کی زندگی
ان کے ملفوظات میں گلزار فطرت کی بہار
سہروردیت کے ایوانوں کی ہیں یہ روشنی
ان کا اُسوہ جان حکمت، بزم فطرت کا نکھار
جو بھی انکے در پہ آیا کامرانی پا گیا
ان کا ہے دربار یا کہ رحمت پروردگار
ہیں رضاؔ خواجہ بہاؤ الدین جانِ اولیاء
زینت تاریخ فطرت ہیں یہ مردِ افتخار

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

شیخ الاسلام

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور فروغ دین کیلئے تمام سلاسل روحانیت کی خدمات اپنی جگہ مسلم ہیں۔ ان سلاسل روحانیت کے اکابرین اور ان کے بعد ان سلاسل روحانیت سے تعلق رکھنے والے بزرگوں نے فروغ اسلام کیلئے جدوجہد میں کوئی کسر اُٹھا نہیں چھوڑی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے عظیم شیخ طریقت تھے۔ آپ کو بلند علمی اور روحانی مرتبہ کی بناء پر شیخ الاسلام اور شیخ الشیوخ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے علوم دینیہ کی جی بھر کر تحصیل کی۔ محض ایک دو شہروں کے علماء اور اساتذہ تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ علم کی پیاس بجھانے کیلئے ہر اس جگہ اور شہر میں گئے جہاں آپ کو کسی سرچشمہ حکمت کی اُمید تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے علوم دینیہ کی بلندیوں کو چھولیا تو زمانہ آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے پکارتے ہوئے آپ کے دامان علم کی طرف لپکنے لگا۔

علم وحکمت کی سربلندی اپنی جگہ صاحب دل کو کسی ایسے مردِ درویش کی آرزو رہتی ہے جس سے وابستہ ہو کر وہ طریقت و روحانیت کے سفر کو بھی جاری رکھ سکے اور بالآخر معرفت الٰہی کی منزل عطا ہو جائے۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اس لحاظ سے انتہائی خوش بخت تھے کہ جہاں آپ کو علوم دین کے حصول کیلئے دنیائے اسلام کے نامور فقیہ اور استاد میسر آئے وہاں آپ معرفت الٰہی کی تلاش میں آگے بڑھے تو فیاضی قدرت سے سلطانِ سہروردیت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر آ گئی۔ شیخ کامل کی روحانی بلندیاں اپنی جگہ، مرید صادق کا جذبہ طلب حق بھی دیدنی تھا۔ آپ نے سہروردیت کے انوار سمیٹنے شروع کئے تو فاصلے بہت جلد طے ہونے لگے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو اس قدر اور اس تیزی سے نوازا کہ زمانہ حیران رہ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دینی اور روحانی علوم میں آپ کی شہرت برصغیر سے نکل کر دوسرے اسلامی ممالک تک پھیل گئی اور مخلوق خداوندی ہجوم در ہجوم آپ کی بارگاہ

marfat.com

رحمت پناہ میں حاضری دینے لگی۔

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
جو دیکھا تو نکل آئے مرے دل کے مکینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

............o............

ممتاز تذکرہ نگاروں کے بقول شیخ الاسلام والمسلمین دین حق کی آبرو تھے۔ آپ کی علمی جگمگاہوں سے بے شمار دل روشن ہوئے۔ فقط سرزمین ملتان ہی کو آپ پر ناز نہیں تھا بلکہ ملک کا کونہ کونہ آپ کے فیوض باطنی کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ آپ علوم دین کے آفتاب اور علوم معرفت کے ماہتاب تھے۔ حضرت شیخ وحید الدین محمد غوث بن شیخ کمال الدین ابوبکر آپ کے والد ماجد تھے۔ آپ قریشی ہاشمی سلسلۂ خاندان رکھتے تھے۔ آپ کا نسب تیرھویں پشت میں حضور آقائے دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یعنی سردار مکہ حضرت ہاشم بن عبد مناف سے جا ملتا ہے۔

آپ کی ولادت ۵۶٦ھ مطابق ۱۱۷۰ء میں خطہ کوٹ کروڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہوئی۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو والد مکرم نے مولانا نصیر الدین بلخی کے پاس پڑھنے کیلئے بٹھایا اور سات سال کی عمر میں ہی قرآن مجید حسن قرأت کے ساتھ حفظ کر لیا۔ زاں بعد علوم متداولہ کی طرف متوجہ ہوئے اور درسی کتب پڑھنے لگے والد گرامی شیخ محمد غوث ۵۷۷ھ میں انتقال فرما گئے تو آپ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت اور حج حرمین شریفین کیلئے گئے' کئی سال بعد جب واپس آئے تو ملتان شریف میں اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں آپ کو دارالسلطنت دہلی کی طرف سے شیخ الاسلام کا منصب ملا تھا۔

چونکہ آپ نہایت امیر کبیر رئیس تھے' اس لئے آپ نے اپنا لاکھوں روپے کا خزانہ مال تجارت پر لگا دیا تھا۔ یہ تجارت عام طور پر دریاؤں کے ذریعے کشتیوں میں ہوا کرتی تھی۔ اس زمانہ میں دریائے راوی قلعہ ملتان اور قلعہ لاہور کے نیچے سے بہتا تھا' اس لئے آپ کا مال لاہور بھی آتا جاتا تھا اور حضرت شیخ الاسلام مدینۃ الاولیاء لاہور کی عظمت سے بخوبی واقف تھے۔ تذکرہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی میں لکھا ہے کہ آپ کا ایک مرید بدر بجستانی لاہور میں رہتا تھا۔ ایک سال وہ

marfat.com

نماز عید ادا کرنے کے لئے عید گاہ میں گیا تو بعد ادائے نماز عید اس نے دعا کی کہ اے باری تعالیٰ میں تیرا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور تجھ سے عیدی چاہتا ہوں۔ دعا مانگنے کی دیر تھی کہ حریر کا سبز ٹکڑا خط سے لکھا ہوا آسمان سے اس کے ہاتھوں میں آ ٹکا' کھول کر دیکھا تو اس میں تحریر تھا۔

''ہم نے اس عید سعید کی خوشی میں تم پر آتش دوزخ حرام کر دی''۔

بے شمار حضرات نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے اس لاہوری مرید کی کرامت دیکھی تو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔ بلکہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ یہ عیدی مجھے دے دیجئے' چنانچہ بدر بجستانی نے یہ ٹکڑا اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ انشاء اللہ دوزخ تجھے نہیں چھوئے گی۔

ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کا ایک مرید لاہور میں دریائے راوی کے کنارے رہتا تھا اور اُسے کچھ اراضی بطور معافی ملی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ حاکم لاہور کا کارندہ اُدھر سے گذرا تو اس درویش کی زمین کی پیمائش کرنے لگا اور کہا کہ تمہاری شکایت سرکار میں پہنچی ہے کہ تم نے کئی سالوں سے لگان ادا نہیں کیا۔ اس نے شاہی کارندہ کی بہت منت سماجت کی مگر وہ نہ مانا بلکہ اُلٹا کہا کہ اگر تمہارا پیر اتنا کامل ہے تو کوئی کرامت دکھا اور دریائے راوی کے پانی پر چل' درویش بر لب دریا کھڑا ہو گیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اور اپنے مرشد کو یاد کر کے دریا پر سے ایسے گزر گیا جیسے کوئی خشکی پر چلتا ہے۔ اس موقع پر دریائے راوی کے کنارے پر بے شمار افراد موجود تھے' جنہوں نے یہ کرامت دیکھی تھی۔

ابتدائی تعلیم و تربیت سے فراغت حاصل کر کے آپ خراسان چلے گئے۔ جہاں اس زمانہ میں بڑی بڑی درسگاہیں تھیں۔ سات سال تک یہاں کے مشائخ سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد بخارا چلے گئے اور متواتر کئی سال تک وہاں مقیم رہ کر اکتساب علم کیا۔ اس طرح آپ نے اس سفر میں تقریباً چار سو چوالیس باکمال شیوخ سے فیضان حاصل کیا اور سند فضیلت حاصل کی۔

''سیر العارفین' ' میں لکھا ہے کہ بخارا سے تکمیل علوم کے بعد آپ حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوئے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ جہاں آپ پانچ سال تک قیام پذیر رہے۔ یہ مدت آپ نے مولانا کمال الدین محمد یمنی کی خدمت میں حدیث کا علم حاصل کرنے کیلئے گزار دی جو کہ اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ ہر سال آپ مولانا کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے اور حج ادا کر کے واپس لوٹ آتے۔

marfat.com

مدینہ منورہ میں کافی عرصہ گزارنے کے بعد حضرت غوث العالمین رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں انبیائے کرام کے مزارات کی زیارت کی اور اس علاقہ میں بھی کافی پھرے۔ اس کے بعد آپ دمشق پہنچے، پانچ سال تک وہاں کے مشائخ کرام سے فیضان حاصل کیا۔

دمشق سے آپ دن رات سفر کرتے، کئی ماہ میں سمرقند پہنچے، یہاں بھی آپ نے کئی ایک اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کر کے سند فضیلت و برکت حاصل کی اور علم و فضل کے لحاظ سے ایک یگانۂ روزگار ہستی بن گئے۔

اب آپ تمام علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد پیرو مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں، دریاؤں کو عبور کر کے بغداد شریف تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی بھولی بھٹکی اور گمراہ مخلوق کو راہ ہدایت پر لانے کیلئے کوشاں تھے۔ چنانچہ آپ نے انتہائی ذوق و شوق سے چند ہی دنوں میں آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ بغداد سے بخارا پہنچے اور پھر وہاں سے نیشاپور آئے۔ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور میں، شیخ فرید الدین عطار سے ملاقات کی تھی۔ سفر بغداد میں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر آپ کے ساتھ تھے۔ کئی بار اجودھن تشریف لے گئے اور وہاں کئی کئی روز حضرت بابا صاحب سے صحبت رہی۔ اس صحبت میں شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک صحبت رہے۔

اسی طرح آپ دنیائے جہاں کی سیر و سیاحت کر کے اور علم و حکمت اور فیوض و برکات حاصل کر کے ملتان تشریف لے آئے اور پھر ساری عمر اس شہر میں احیائے اسلام کیلئے کام کرتے رہے۔

ظاہری علوم و فنون کی تکمیل کے بعد آپ تزکیۂ نفس میں مشغول ہوئے اور متواتر بیس سال تک اس قدر سخت مجاہدات کئے اور اس قدر کٹھن منازل طے کیں کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ صاحب ''خلاصۃ العارفین'' لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اپنے مجاہدات کا کوئی واقعہ بیان فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کا تذکرہ بیان کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کی دل شکنی مناسب نہیں اس لئے مجھے فقط اتنا کہنے میں باک نہیں کہ یہ فقیر کامل بیس سال ایک چھٹانک پانی اور ایک چھٹانک طعام پر روزہ افطار کرتا رہا ہے۔

جب آپ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے تو ہر قدم پر دوگانہ ادا کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سراندیپ کی طرف تشریف لے گئے تو آپ کا قیام ایک پہاڑ ہر سال پر رہا اور وہاں آپ مجاہدہ میں مصروف رہے۔

marfat.com

جب آپ ملتان تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ حاکم بدراہ ہے اور قرامطہ کے بدعقائد کا بہت زور ہے۔ اس پر آپ نے قرامطہ کے غیر اسلامی نظریات کے اثر و نفوذ کو یکسر مٹانے کیلئے تبلیغی جماعتیں تیار کیں، جن میں واعظ، مبلغ، عالم، مجذوب، صوفی اور فقیہ سبھی شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک جماعت کو سندھ اور مکران کے علاقہ جات میں تبلیغ کیلئے بھیجا تو دوسری کو کشمیر روانہ کیا۔ دہلی کی طرف بھی ایک جماعت بھیجی گئی۔ علاوہ ازیں جہاں ضرورت محسوس کرتے خود اپنے مؤقر حضرات کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ بالعموم موسم گرما میں سرحد، کشمیر، افغانستان، بخارا، نیشاپور کی طرف دورہ فرماتے اور سردی کے ایام میں راجپوتانہ، سندھ اور پنجاب کا سفر کرتے۔ یہ ایک ایسا تبلیغی مشن تھا جس سے ہزارہا لوگوں نے راہ ہدایت اختیار کی۔ جہاں انجناب بابا فرید، حضرت لال شہباز قلندر، حضرت سید جلال بخاری رحمہم اللہ علیہم کے ساتھ ہندوستان کے دشوار گذار راستوں کو طے کر کے راجپوتانے کے تپتے ہوئے ہلاکت خیز ریگستانوں میں خدا کا آخری پیغام پہنچانے کیلئے گئے۔ وہاں آپ دریائے سندھ، چناب، ستلج اور راوی کی تلاطم خیز موجوں سے بھی بے خوف و خطر آگے بڑھے اور سرگانے، ہراج، ہنسپال، دولتانے، مرالی، چتر، لیارے، متیلے، کھوکھر، یومن، جوئے وغیرہ قبائل کو دائرہ اسلام میں شامل کیا۔ وہ علاقے جو کفر و الحاد کے گہوارے بنے ہوئے تھے، آپ کی نظر سے اسلام کے دامن رحمت میں آ گئے۔

درویش خدا مست کبھی بھی کرامات کا سہارا نہیں لیتا، وہ کسی شعبدہ بازی یا نظر بندی سے کام نہیں لیتا، اس کا مقصد تو فقط دین حق کی سرفرازی ہوتا ہے۔ وہ اسلام اور قرآن کے فروغ اور اشاعت کیلئے مصروف عمل رہتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ احیائے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقصد اولیٰ ہوتا ہے۔ وہ اس سے حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ:

مری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ شریعت کے معاملے میں بڑے سخت گیر تھے اور کسی صورت بھی شریعت کے برخلاف کوئی فعل یا عمل پسند نہ فرماتے تھے۔ یوں تو مختلف تذکروں میں آپ کی بے شمار کرامات و خوارق عادات تحریر کی گئی ہیں مگر یہاں صرف ایک ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام نے غلبۂ ذوق و شوق میں ملتان شہر میں منادی کراد

marfat.com

ی کہ آج جو شخص میرا منہ مبارک دیکھ لے گا' میں قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ سے بچانے کی ضمانت دیتا ہوں"۔

جب لوگوں نے یہ ڈھنڈورا سنا تو گروہ در گروہ لوگ آپ کی زیارت کیلئے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ خانقاہ عالیہ کا صحن کثرت ہجوم سے بھر گیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے عوام کی سہولت کیلئے سواری کا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام شہر اپنا اپنا کاروبار چھوڑ کر آپ کی طرف امنڈ پڑا۔ آپ ایک ایک سے ملتے' مصافحہ کرتے اور فرماتے "اے بھائی! خدا کی قسم قیامت کے دن تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے' باوجود کبرسنی اور ضعیفی کے آپ نے شہر کے تمام گلی کوچوں کا چکر کاٹا اور تمام لوگوں کو اپنی زیارت سے مستفید فرمایا۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی جو آپ کے پیرو مرشد تھے' کی رائے گرامی ملاحظہ فرمائیں۔

جب حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی بغداد شریف میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' بیت المقدس اور شام و عراق کے مشائخ سے مستفید ہو کر بغداد شریف پہنچے تو جو حضرات ان کی خدمت میں بہت عرصہ سے حاضر تھے اور خلافت سے سرفراز نہ ہو سکے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین پر رشک کرنے لگے اور عرض کی کہ "اس ہندی نے تو چند ہی دنوں میں خلافت کا شرف حاصل کر لیا لیکن ہم مدت سے اس آستانہ عالیہ پر پڑے ہیں لیکن ابھی تک محروم ہیں"۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اے دوستو تم گیلی لکڑیوں کی مانند ہو جسے آگ فوری طور پر قبول نہیں کرتی۔ بہاء الدین خشک لکڑی کی طرح تھا جسے عشق الٰہی کی آگ نے جلد ہی اپنی لپیٹ میں لے لیا"۔

آپ اپنے زمانے کے شیخ الاسلام تھے اور اس منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کئی دفعہ دہلی تشریف لے گئے' کئی سفروں میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر بھی ہمراہ ہوتے تھے۔ کئی دفعہ سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے بحث مباحثہ بھی ہوا' جس میں ہمیشہ آپ ہی کی جیت ہوا کرتی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت محفل سماع ترتیب دی گئی' جس میں ان دونوں حضرات پر وجد طاری رہا۔ قیام دہلی میں شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرع کے دقیق مسائل پر کلام ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جب آپ دہلی گئے تو سلطان شمس الدین التمش سینکڑوں علماء اور مشائخ کو ساتھ لے کر آپ کے استقبال کیلئے نکلا۔ گھوڑے سے اُتر کر

marfat.com

سلام کیا اور پیچھے پیچھے دہلی میں آپ کو لے کر داخل ہوا۔

درویش کے ارشادات دین اسلام کی تشریح و توضیح پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے اقوال اس کے افعال کے ترجمان ہوتے ہیں اس لئے اہل نظر ان ارشادات عالیہ کو تاریخ کے اوراق کی زینت بنا کر رکھتے ہیں، دل و جان میں جگہ دیتے ہیں، انہیں اپنے لئے مشعل راہ بناتے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال عالی، علم و حکمت کا نچوڑ ہیں۔ راہِ حق کے طلبگاروں کیلئے پیغام ہدایت ہے۔ اصحاب سلوک کے لئے سرمایۂ ایمان و یقین ہیں۔

آپ نے ایک کتاب ''اوراد'' کے متعلق لکھی تھی جو اب موجود نہیں مگر اس کی شرح موجود ہے، جس کا نام ''کنز العباد فی شرح الاوراد'' ہے جو حضرت رکن الدین رکن عالم ملتانی کے ایک مرید مولانا علی بن احمد غوری کی محنت کا ثمر ہے۔ یہ کتاب صوفیانہ رنگ کی فقہی کتاب ہے، جس میں نماز، روزہ، طہارت وغیرہ کے مسائل لکھے گئے ہیں اور انہی مسائل کی مزید تشریح اس شرح میں کی گئی ہے۔ آپ کے دست مبارک کا ایک تحریر شدہ قرآن مجید کروڑ لال عیسن میں حضرت مخدوم لال عیسن رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد منور کے سرہانے رکھا ہے۔ آپ نے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ تالیف کشف المحجوب کو بھی اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا تھا جو اب چھپ چکی ہے۔

اب آپ کے چند ایک فرمودات و ارشادات ملاحظہ فرمائیں جو کہ ''شروطِ اربعین'' سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ سالک کو لازم ہے کہ ایسی نیت سے غسل کرے گویا یہ اس کا آخری غسل ہے۔

۲۔ سالک کو لازم ہے کہ اپنے دل میں نیت کرے کہ اُس نے خدا کی مخلوق کو بہت تکلیف دی ہے۔

۳۔ سالک کیلئے لازم ہے کہ ہمیشہ کلمہ طیبہ کا ذکر جاری رکھے۔

۴۔ سالک کیلئے لازم ہے کہ قدرت الٰہی کا مشاہدہ کرے۔

۵۔ سالک کیلئے لازم ہے کہ ہمیشہ رزق حلال کی طرف مائل رہے۔

۶۔ سالک کیلئے لازم ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرے۔

۷۔ سالک کیلئے لازم ہے کہ اپنا پہلو زمین پر نہ لگائے۔

حضرت غوث الاغیاث شیخ الاسلام اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔ لاکھوں کروڑوں کا مال ہونے کے باوجود آپ ساری عمر اخلاق محمدی کا پیکر کامل بنے رہے۔ تلاوت کلام

marfat.com

پاک آپ کا سب سے بڑا شغل تھا۔ ہر رات قرآن مجید کا ایک دور ختم کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے بڑے عارف کامل اور سالک راہ حقیقت تھے۔ یادِ الٰہی سے ایک لحظہ بھی غافل نہ ہوتے تھے۔ مادر زاد ولی تھے' لاکھوں روپیہ حاجت مندوں' مسکینوں' یتیموں اور بیواؤں پر صرف کرتے تھے اور ان کی ہر ممکن امداد کیا کرتے تھے۔

آپ کی وفات ۷ صفر ۶۶۱ھ کو بعمر ۹۶ برس ملتان شریف میں ہوئی۔ اس دن آپ ظہر کی نماز پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت صدر الدین عارف حجرہ کی طرف آئے تو ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نے ان کو سبز رنگ کا ایک سر بمہر لفافہ پیش کیا کہ اسے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت اقدس میں پہنچا دیجئے۔ چنانچہ آپ خط اندر پہنچا کر باہر واپس نکل آئے تو قاصد وہاں موجود نہ تھا۔ اس دوران حجرہ کے چاروں کونوں سے آواز بلند ہوئی ''دوست بدوست رسید''

جب حضرت عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ گھبرا کر اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ سجدے میں ہیں اور روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر چکی ہے۔

آپ کا مقبرہ پرانے قلعہ ملتان کے روبرو واقع ہے۔ گذشتہ دنوں جب راقم الحروف اس آستانہ عالیہ پر حاضری کیلئے گیا تو عمارت کی ہیبت دیکھ کر لرزہ براندام ہو گیا۔ اس کے بڑے عظیم الشان دروازے پر لکھا ہے ''خانقاہ غوث العالمین حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۱ھ مقدس'' پاکستان میں اس قدر بلند اور عالیشان و رفیع الشان کوئی اور مقبرہ نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ مقبرہ سلاطین دہلی میں سے ایک بادشاہ نے اپنے لئے بنوایا تھا مگر اس کی قسمت میں یہ جگہ نہ ہو سکی اور آنحضور کا مرقد منور یہاں بن گیا۔ آپ کے ساتھ مقبرہ کے نیچے اور بے شمار مزارات ہیں جو کہ آپ کے خاندان کے ہی افراد تھے اور بعد از وفات یہاں دفن ہوئے۔

روضہ مرجع خاص و عام ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ حاضری دیتے ہیں اور فیوض و برکات اب بھی حاصل کرتے ہیں۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آج حضرت شیخ الاشیوخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ظاہری وجود

marfat.com

کے ساتھ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں بلکہ مدینۃ الاولیاء ملتان کی سرزمین پاک میں آرام کر رہے ہیں مگر آپ کا ہر پیغام آج بھی زندہ ہے۔ آپ کی سیرت اور کردار کی مشعلیں آج بھی جگمگا رہی ہیں کہ اے دنیا کے پرستارو کب تک ظلمت میں بھٹکتے رہو گے' کب تک مادیت کے صحرا میں گم رہو گے' کیا ابھی تک تمہارے دل خدا کے خوف سے لرزنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اگر تمہارے اندر معرفت کی طلب ہے' مجھ سے محبت وعقیدت رکھتے ہو تو میری جانب چلے آؤ۔ میرا کردار دیکھو' میرے عمل کے جگمگاتے ستارے دیکھو' ان کی چمک دمک میں کبھی کمی نہیں آئے گی' ان سے روشنی لو' میرا اُسوہ وہی ہے جو سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ ہے۔ اسی کو اپنا لو' دنیا کی سرخروئی بھی ملے گی اور عقبیٰ کی کامیابی بھی۔

marfat.com

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

جہاں پہ نقش ہے عظمت مجدد الف ثانی کی
جمال فکر ہے حکمت مجدد الف ثانی کی
وہ جس کو دیکھ کر اہل یقین نے حوصلہ پایا
وہی ہے صورت و سیرت مجدد الف ثانی کی
ملا کر خاک میں ناز و غرور بادشاہی کو
ہے زندہ نقشبندیت مجدد الف ثانی کی
غرور اکبر و شانِ جہانگیری مٹے آخر
شکوہ دین تھی سطوت مجدد الف ثانی کی
نہیں دین محمد سے کوئی بھی برتر و بالا
یہی تھی ہند میں دعوت مجدد الف ثانی کی
جو کوئی دین کی تذلیل کرنے پر ہو آمادہ
تو پھر تازہ کرو سنت مجدد الف ثانی کی
مثالِ یوسفِ کنعان جب زنداں میں آئے
تو پھیلی چار سو شہرت مجدد الف ثانی کی
طریقت کا گلستاں ان کے مکتوبات نورانی
ہویدا جن سے ہے رفعت مجدد الف ثانی کی
نہ آئے رشک کیوں اس پر سلاطین زمانہ کو
میسر جس کو ہو نسبت مجدد الف ثانی کی
رضا بھی منقبت خواں ہے بصد اخلاص ایمانی
بسا کر قلب میں عظمت مجدد الف ثانی کی

(محمد اکرم رضا)

marfat.com

تاجدار سرہند شریف

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر کے ان صوفیاء مشائخ میں ہوتا ہے جنہوں نے طریقت و معرفت کے گلستان کی آبیاری کرنے کے ساتھ ساتھ شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بالاتری کیلئے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ شاہنشاہوں سے ٹکرا کر آپ نے سنت شبیری زندہ کر دی بلکہ زندان میں مقید ہو کر سنت یوسفی علیہ السلام کی طرح نو ڈالی۔ اسلام کا یہ عظیم فرزند تاریخ عالم اسلام کا اعزاز ہے۔ آج جب بھی باطل کی تاریکیاں قبضہ جماتی ہیں اور جلال پادشاہی اسلامی اقدار پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو آپ کا اُسوہ شمع روشن بن کر ملت اسلامیہ کی راہنمائی کرتا ہے۔ آپ نے ایمانی عزیمت کا جو مظاہرہ مغل تاجداروں کے مقابلہ میں برصغیر کی فضاؤں میں کیا آج اس کی صدائے بازگشت پورے عالم اسلام میں گونج رہی ہے۔ آپ فقط نقشبندیت کا ہی اعزاز نہیں بلکہ جملہ سلاسل روحانی سے نسبت رکھنے والے آپ کے فرمودات سے حیاتِ نو حاصل کرتے ہیں۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے آپ کی جرأت ایمانی مدنظر رکھتے ہوئے ہی کہا تھا:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

marfat.com

آپ کا سلسلہ نسب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ نے آپ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی ولادت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے ہاں ایسا فرزند پیدا ہوگا جس کی برکت سے کفر و الحاد اور بدعت کی ظلمتیں دور ہو جائیں گی۔

چنانچہ چودہ شوال جمعہ کے روز ۹۷۱ھ میں بمقام سرہند آپ بزم آرائے عالم امکان ہوئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور سترہ سال کی عمر میں تمام علوم معقول و منقول سے فارغ ہو گئے اور درس کی مسند پر بیٹھ گئے۔ فقر کی نسبت ابتداء میں اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے والد چشتیہ سلسلہ کے مجاز اور اپنے وقت کے متقی عالم اور مجاہد صوفی تھے اور تھوڑے وقت میں کمالات حاصل کر کے سند اجازت حاصل کی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کو حج بیت اللہ کا بڑا شوق تھا لیکن والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی کبر سنی اس شوق کی راہ میں مانع تھی۔ ۱۰۰۷ھ میں ان کا وصال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۸ھ میں حج کے ارادہ سے چل پڑے۔ جب دہلی پہنچے تو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی استعداد ملاحظہ فرمائی اور نقشبندی سلسلے میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کے کمال اشتیاق کو دیکھا اور داخل سلسلہ فرمایا۔ تھوڑے عرصے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وصال الی اللہ کے تمام مراتب طے کئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حوالہ سے فرمایا کہ میں نے جو دُکان کھولی تھی وہ بحمد اللہ ان کے داخل سلسلہ ہونے اور حصول نسبت سے فائدہ میں رہی اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دونوں بیٹوں خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبید اللہ کی کم سنی کے باوجود حضور رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ میں دے دیا۔ جب دوسری مرتبہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اپنے پیر و مرشد سے رخصت ہوئے تو سرہند شریف چند روز قیام فرمایا' پھر لاہور تشریف لائے اور یہاں بھی کسب فیض کرنے والے ہزاروں پروانے تھے۔ سرہند ہی میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خبر وفات ملی' ۱۰۱۲ھ تھا' آپ نے اکتالیس سال کی عمر پائی لیکن کام وہ کر گئے کہ صدیوں زندہ رہ کر بھی اتنا بڑا کام مشکل ہوتا ہے۔ آپ نے ایک مجدد بنایا اور ایک صدی کا مجدد نہیں۔ ایک ہزار سال کا مجدد بنایا۔ خبر وفات سن کر حضرت مجدد دہلی تشریف لے گئے۔ سب اہل سلسلہ اور حضور کی اولاد امجاد نے آپ کی تشریف آوری اور آپ کے وجود کو غنیمت سمجھا گویا موسم بہاراں پھر واپس آ گیا۔

marfat.com

قیام دہلی میں اکبر کے دین الٰہی اور اس کی خرابیوں کی اطلاع ملی اور اکبری امراء میں خان خانان صدر جہان خان اعظم جیسے مقتدر حضرات کو حضور مجدد کی بیعت کا شرف بھی حاصل تھا اور وہ اکبر کی بے دینی سے سخت پریشان تھے۔ ابوالفضل اور فیضی جیسے علماء دنیا پرست اکبر کے مشیر مذہبی تھے اس لئے اکبر کے سامنے ذہنی رکاوٹیں ختم تھیں اور اس نے دین الٰہی کے سلسلے میں اپنی من مانیاں کیں۔ کفر کو اسلام بنایا اور ترک اسلام کو اسلام ثابت کیا۔ اعاذ نااللہ

ایسی صورت میں بعض صالح امراء حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ حضور! ہمیں اس بلا سے نجات دلائیں۔ حضرت نے بلا کسی کھٹکے کے اکبر کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنی اس تمام بے دینی سے توبہ کریں۔ ورنہ خدا کے غضب کا انتظار کریں۔ کامل کی نظر اوپر کو بھی اُٹھتی ہے اور کبھی نیچے کو بھی گرتی ہے۔ کام بنانے پہ آ جائے تو بگڑی بن جاتی ہے اور غضب آلود ہو جائے تو بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

؎ نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اُٹھے تو بجلی پناہ مانگے گرے تو خانہ خراب کر دے

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ نوجوان اپنے طور طریقوں سے وہی کچھ تھا جو ناز پروردہ شاہزادے ہوتے ہیں۔ دین کے معاملے میں بھی یہ اپنے باپ کا پیرو تھا اور انہی طور طریقوں کو رواج دینا شروع کیا۔ بارگاہ جہانگیری میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں کا بھی کافی اثر و رسوخ تھا' جس کی بناء پر آصف جاہ وغیرہ اندرونی طور پر حضور رحمۃ اللہ علیہ کے دشمن تھے اور بادشاہ کو بھڑکانے کا موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ بادشاہ اپنے معتمد امراء کے مبالغہ آمیز بیانات سے متاثر ہوا اور ملک بھر میں جاسوس پھیلا دیئے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کی اطلاع ہر وقت بارگاہ میں پہنچتی رہے۔

جہانگیر نے سازشی امراء کے مشورے پر طے کیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ کو مع خلفا اور ہمراہیان و معتقدین دین الٰہی پیش کیا جائے' وہ نہ مانیں تو شہید کر دیا جائے۔ بادشاہ نے لطائف الحیل سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دارالخلافہ میں بلایا۔ آداب شاہی کا طالب ہوا' مثلاً سجدہ وغیرہ تو حضور رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا اور بعض امور پر تو خاصہ بحث مباحثہ ہوا لیکن ہر بات میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کو فتح ہوئی۔ بڑے آدمی چڑچڑے بھی ہوتے ہیں' جہانگیر اپنی ذہنی شکست سے چڑچڑا ہوا تو حضور رحمۃ اللہ علیہ کے دشمنوں کو موقع ملا۔ انہوں نے بادشاہ کو بھڑکایا اور حضور رحمۃ اللہ علیہ کو بمعہ خلفا اور تمام

marfat.com

ہمراہیان و معتقدین و غلامان نظر بند کر دیا اور دربار کے ایک امیر الامراء کے سپرد آپ کی نگرانی ہوئی لیکن وہ امیر حضور کے استقلال کے علاوہ آپ کی تاثیرات سے متاثر ہوا اور حضور کی عزت و حرمت اور آرام و راحت کا خیال رکھا۔ بلکہ خدام و خلفا کو بھی کسی قسم کی اذیت نہ پہنچی اور وہ خود حضور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا' لوگوں کو حصول فیض کی اجازت عام تھی۔ جب بادشاہ کو اس حال کا علم ہوا تو اس نے حضور کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔

گوالیار کے قلعہ میں ابتداء میں جور و اذیت ہوئی اور حضور کے خلفا خدام شاہی پر ناراض ہوئے کہ ہم بادشاہ کی قید میں نہیں' ہم اپنے شہنشاہ کی قید میں ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو تمہارے قلعوں کی اور تمہاری حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور کئی قسم کی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو جب اپنے خلفا کی اس بے صبری کا علم ہوا تو آپ ناراض ہوئے کہ ہم یہاں کرامات دکھلانے نہیں آئے' ہم تو یہاں اپنے صبر اور اپنی برداشت کا امتحان دینے آئے ہیں۔ کچھ دنوں بعد گوالیار کے قلعہ والے بھی متاثر ہوئے۔ عفوِ تقصیرات کی اور حضور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے اور وہاں رہ کر اس فیض مجسم نے ہزاروں کو فیضیاب کیا بلکہ قیدیوں کی روحانی اصلاح فرمائی اور چوروں کو قطب بنایا۔

جہانگیری امرا جو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے فیض یافتہ تھے' جب اپنے پیر و مرشد کی اس قید و بند سے مطلع ہوئے تو سخت غضبناک ہوئے اور جہانگیر سے بغاوت کی ٹھانی' کابل کے گورنر مہابت خان کو اپنا امیر تسلیم کیا۔ اُس نے بدخشاں' توران' خراسان وغیرہ کے بادشاہوں سے امداد لی اور ایک بھاری لشکر لے کر جہانگیر کے مقابلے میں آیا۔ جہانگیر کو جب خبر ملی تو اُس نے پہلے تو ایک ہزار افسر گوالیار کے قلعے کی حفاظت کیلئے متعین کئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند امرا کو دھمکی دی کہ میں تمہارے پیر و مرشد کو قتل کر دوں گا۔ ادھر امرا کو حضرت نے تسلی دی تھی کہ بادشاہ قید کے سوا کوئی دوسری زیادتی نہیں کر پائے گا اور حضرت کے تصرف سے تمام محافظین قلعہ بھی حضور کی عقیدت میں شامل ہو گئے تھے۔ اس لئے بھی بادشاہ کی دھمکی کی پرواہ نہ کی گئی۔ ادھر مہابت خان برابر بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ جہانگیر ایک بھاری لشکر لے کر اس کے مقابلے میں گیا۔ دریائے جہلم کے کنارے دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ بادشاہ کی جنگ میں مصروفیت کو دیکھ کر حضور کے وہ غلامان جو اپنے علاقے کے گورنر تھے' انہوں نے اتفاق کیا اور بادشاہ کے طرفداروں کو الگ کر دیا اور حضرت کی خدمت میں لکھا کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ مسند سلطنت خالی ہے۔ آپ اس کو زینت بخشیں۔ حضور نے

marfat.com

امراء کی اس درخواست کو دیکھا اور فرمایا کہ:

”مجھے سلطنت کی کوئی خواہش نہیں اور میں تمہارے اس فتنہ وفساد کو بھی پسند نہیں کرتا' میری قید و بند کی یہ تکلیف کسی اور (روحانی) مقصد کیلئے ہے جب وہ مقصد حل ہو جائے گا تمہاری کوششوں کے بغیر میں آزاد ہو جاؤں گا اور تمہارا یہ فساد میرے اس کام میں حرج پیدا کر رہا ہے۔ بہتر ہے کہ تم لوگ بغاوت سے باز آ جاؤ اور اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرلو اور میں انشاء اللہ جلدی رہا ہو جاؤں گا“۔

شاہی لشکر جب مہابت خان ے مقابلے میں آیا تو حضرت مجدد کے وہ غلام جو لشکر میں شامل تھے' مہابت خان کے ساتھ مل گئے اور جہانگیر کو قید کرلیا۔ اس کا وزیر اور بیگم نور جہاں بھی قید ہو گئے۔ مہابت خان ان کو قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خط مہابت خان کو ملا۔

چونکہ حکمت اور قدرت خداوندی جہانگیر کو حضور کی غلامی کا شرف بخشنا چاہتی تھی اس لئے مہابت خان بادشاہ کے پاس خود آیا اور حضور رحمۃ اللہ علیہ کا خط سنایا اور کہا کہ میں تعمیل ارشاد میں آپ لوگوں کو رہا کرتا ہوں۔ پھر اسی طرح دست بستہ آداب شاہانہ بجا لایا۔ بادشاہ تخت پر بیٹھا' مہابت خان کا قصور معاف کیا اور اس پر عنایات کیں پھر کشمیر کی طرف چلا گیا۔ ادھر شاہزادہ شاہجہان اور خود نور جہاں حضور کی رہائی کی کوشش میں لگ گئے لیکن وزیر بے تدبیر مانع آیا۔ دراصل اس تاخیر کی وجہ بھی وہی تھی کہ ابھی جلال الٰہی کے مراتب کی سیر باقی تھی اور مقصد اعلیٰ کی تکمیل ابھی ہو رہی تھی۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ یہ رحمت خداوندی آزادی کے ساتھ ہر طالب مولیٰ کے دل پر برسے۔ حضور کو القا ہوا کہ جن اہم امور کیلئے تم کو قید میں رکھا گیا تھا وہ ہم نے اب اپنے فضل و کرم سے پورے کر دیئے ہیں اب زندان سے نکلنے کا وقت آ پہنچا ہے“۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً نماز شکرانہ ادا فرمائی اور اپنے غلاموں کو یہ خوشخبری سنائی' جہانگیر کشمیر میں تھا' وہاں وہ عالم خواب میں سخت خوفزدہ ہوا' جب دیکھا کہ حضرت امام مجدد آئے ہیں اور تخت سمیت اوندھا ہو گیا ہے۔ جہانگیر پر غشی طاری ہو گئی' پھر کمزور ہو گیا' پیشاب بند ہو گیا اور طرح طرح کی پریشانیوں میں گرفتار شاہزادہ شاہجہان نے کہا کہ یہ سب بلائیں ایک ہی وجہ سے ہیں اور وہ قید ہے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی۔ بادشاہ متنبہ ہوا اور ایک درخواست لکھی اور اپنے قصور سے معافی چاہی اور گوالیار کے افسروں کو لکھا کہ حضرت مجدد کو فوراً رہا کر دو۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ میں ان چند شرطوں پر قلعہ سے باہر آؤں گا۔

۱۔ بادشاہ کو سجدہ کرنا باطل قرار دیا جائے۔

marfat.com

۲۔ سارے ملک میں مسلمانوں کو گاؤکشی کی اجازت ہو اور بادشاہ اپنے ہاتھ سے ایک گائے ذبح کرے۔
۳۔ سارے ملک میں جہاں جہاں مسجدیں شہید ہوئیں وہ دوبارہ تعمیر ہوں۔
۴۔ ایک جامع مسجد دربار عام کے مقابلے میں بنائی جائے جہاں عام مسلمان نماز پڑھیں۔
۵۔ مفتی، قاضی، محتسب وغیرہ حکام شریعت کے قواعد کے مطابق مقرر ہوں۔
۶۔ کفار سے جزیہ لیا جائے جیسا کہ حکم شرع ہے۔
۷۔ تمام خلافِ شریعت قانون منسوخ کیے جائیں۔
۸۔ بدعت کی تمام رسوم کو بند کر دیا جائے۔
۹۔ ہندوستان بھر میں تمام قیدی رہا کیے جائیں۔

ادھر بادشاہ نے خواب دیکھا کہ تمام بیماریوں کا دفعیہ اور سلطنت کا قرار و قیام حضرت مجدد الف ثانی کی دعا و توجہ سے وابستہ ہے۔ بادشاہ نے تمام شرائط منظور کر لیں۔ بادشاہ نے ایک خاص جماعت مقربین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لینے کو بھیجی۔ ہندوستان بھر میں تمام قیدی رہا ہو گئے لیکن گوالیار کے قلعہ کے قیدی حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے فریفتہ ہوئے کہ وہ پھر عمر بھر حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے اور سرہند آ گئے۔

آ گیا اب تو مجھے لطف اسیری صیاد
ذبح کر ڈال مگر قید سے آزاد نہ کر

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے سرہند شریف میں چند یوم قیام فرمایا پھر کشمیر تشریف لے گئے۔ بادشاہ بیمار پڑا تھا، اپنے ولی عہد شاہجہان کو اور وزیروں کو استقبال کیلئے بھیجا اور صحت کی دعا کیلئے درخواست کی۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کیلئے برتن طلب فرمایا تو سونے کا کوزہ اور چلمچی لائے گئے۔ حضور نے فرمایا یہ برتن حرام ہیں، بادشاہ شریعت سے بے خبر تھا اس کو حلال و حرام کی اصطلاحیں آتی نہ تھیں۔ پوچھا کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ حرام کس کو کہتے ہیں؟ نور جہاں نے شیشے کے برتن بھیج دیئے۔ آپ نے وضو فرمایا:

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھی اور فرمایا میں دعا کرتا ہوں اور تو بھی بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کر۔ بادشاہ نے کہا: حضور! مجھے رونا نہیں آتا، میں سر ننگا کر دیتا ہوں اور عاجزی پیش کرتا

marfat.com

ہوں۔ الحمد للہ حضور کی دعا و توجہ سے جہانگیر کی دنیا بدل گئی' اُس نے توبہ کی اور شرائط کے بموجب احکام شرعیہ جاری کر دیئے اور بدعت کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر اُس نے بیعت ہونے کی درخواست کی جو منظور ہو گئی۔ اب بادشاہ' بادشاہ نہیں حضور رحمۃ اللہ علیہ کا غلام ہے اور صف درویشاں میں بٹھائے جانے کے قابل۔ اسلام کا بول بالا ہوا اور کفر و شرک کی رسوم عملاً باطل قرار دی گئیں۔ شریعت کے احکام کو رونق ہوئی۔ بادشاہ مع امراء دربار عام کے سامنے مسجد میں نماز کیلئے جاتا اور حضور رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھتا۔

بادشاہ نے درخواست کی کہ حضور آپ کچھ مدت میرے ہمراہ رہیں۔ درخواست قبول ہوئی' بادشاہ روزانہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا' ندامت کا اظہار کرتا اور خاتمہ بالخیر کی دعا چاہتا۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت مہربانی فرماتے اور تسلی دیتے' بادشاہ مع لشکر حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سرہند شریف آیا' چار ماہ یہاں قیام کیا اور ہر شہر اور ہر قصبہ میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اس کے بعد حضور رحمۃ اللہ علیہ دہلی' بنارس اور اجمیر شریف شاہی لشکر کے ساتھ گئے پھر واپس سرہند کی سرزمین پاک میں تشریف لے آئے۔

اب کفر و ضلالت کی تاریکیاں مٹ چکی تھیں۔ آپ نے تمام توجہات عبادات اور خلق خدا کی راہنمائی کی جانب مبذول کر دیں۔ آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر کے فرمایا کہ اب ہمیں چالیس پچاس دن کے اندر سفر کرنا ہوگا اور پھر اپنی قبر کی جگہ کے بارے میں واضح ارشاد فرما دیا۔ آپ کے خدام دن رات آپ کے ہمراہ رہتے۔

۲۷ صفر المظفر کی شب کو حضور رحمۃ اللہ علیہ نے خدام سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے بڑی تکلیف اُٹھائی' بس آج کی رات ہے۔ تیسرا حصہ رات کو اُٹھ کر وضو فرمایا' تہجد ادا کی اور فرمایا کہ یہ آخری تہجد ہے۔

پھر حضور رحمۃ اللہ علیہ اپنے وظیفہ اسم ذات میں مشغول ہو گئے۔ صبح نماز پڑھی' اشراق ادا کئے پھر روئے جاناں کی دید میں مشغول ہوئے' تھوڑے وقت کے بعد فقر و تصوف کا یہ آفتاب اور احیائے شریعت کا یہ مسیحا اور سنت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شیدا جس کی ساری عمر تجدید شریعت و طریقت میں گزری تھی واصل بحق ہوا۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ ہے۔

آپ نے احیائے دین حق کیلئے جہاں اکبر اعظم کے جلال بادشاہی اور نورالدین جہانگیر کے تکبر کو خاک میں ملا کر عظمت اسلام کے چراغ روشن کر دیئے وہاں آپ نے دیکھا کہ جاہل صوفیوں

marfat.com

اور نام نہاد درویشوں نے اسلام کی صورت ہی مسخ کر دی ہے۔ اس مقصد کی خاطر آپ نے مسلمانوں میں پھیلی ہوئی خلاف اسلام غلط رسوم اور بدعات کے خلاف جہاد کیا اور مسلمانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کی کوشش کی۔

آپ نے اکثر شرکیہ افعال کی نشاندہی کی اور واضح دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ امتدادِ زمانہ سے جو امور جہالت سے اسلام میں داخل کئے جا چکے ہیں اور جن سے اسلام اور مسلم معاشرے کی صورت غبار آلود ہو چکی ہے ان کو قبول کرنا اسلام کی حقانیت پر گہرے یقین کے منافی اور دانش و بینش کے قطعی خلاف ہے۔

آپ نے ابن العربی کے نظریۂ وحدت الوجود (ہمہ اوست) پر تنقید کی اور اس کے مقابلہ میں وحدت الشہود (ہمہ از اوست) کے نظریے کی بنیاد رکھی جو شریعت محمدی کے اصولوں کے خلاف تھا' نہ عوام کی ذہنی سطح سے بلند تھا۔ اس مقصد کی خاطر آپ کے مکتوبات عالیہ نے اہم کردار ادا کیا۔

آپ نے فرمایا: بعض لوگ اس بات سے تو عار رکھتے ہیں کہ تخت شاہی کو تعلقات کی گندگیوں سے ملوث کریں لیکن اس سے نہیں شرماتے کہ حق تعالیٰ کے ملک میں لات وعزیٰ کو شریک کریں۔ بھائیو! یہاں تو دین خالص طلب کیا جاتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) خبردار! دین صرف اللہ ہی کے لئے ہونا چاہیئے اور خدا کے ساتھ ذرا سی شرکت کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا سارا عمل حبط ہو جائے گا' ایک گھڑی اپنی حالت پر غور کرو اگر یہ دین خالص حاصل ہو چکا تو تمہارے لئے بشارت ہے ورنہ واقعے کے پیش آنے سے پہلے راہِ حق پر گامزن و جانا جہاں معمولی سی بدعت یا گمراہی کی اجازت بھی نہیں ہے''۔

(مکتوبات جلد۱، نمبر ۱۷۶)

جاہل صوفیاء نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ کاملوں کیلئے سنن تو درکنار فرائض تک ترک کر دینے میں کوئی قباحت نہیں لیکن رسول اکرم اور صحابہ کرام سے زیادہ ولی اللہ تو کوئی نہیں ہوسکتا اور اگر انہوں نے فرائض ونوافل کو نہیں چھوڑا تو پھر کس کی ہمت ہے کہ جو ولایت کا دعویٰ کرے لیکن اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو پس پشت ڈالے ...... بعض صوفیہ نے کشف و کرامت ہی کو معیارِ ولایت قرار دے لیا تھا۔ آپ نے واضح کیا کہ کشف و کرامت سے حاصل شدہ نتائج ظن وتخمین پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے ان پر ولایت اور بزرگی کا دارومدار نہیں اور نہ ہی ان کے ماننے پر کسی کو مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کے عین حقیقت ہونے کا دعویٰ درست ہے۔

marfat.com

آپ نے کشف و کرامت کی بجائے اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

اسی میں تمہاری دنیاوی سرخروئی اور اخروی نجات ہے۔ آپ اتباع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ایمان سمجھتے تھے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

بنیاد اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ فقیر خاص اپنی حالت کا جائزہ لے کر لکھتا ہے کہ ایک مدت تک علوم و معارف و احوال و مقامات کی بارشیں ابر نیساں کی طرح برسائی گئیں اور جو کام مجھے کرنا چاہیے تھا وہ خدا کی مہربانی سے ہو گیا۔ اب اس کے سوا کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جا سکے اور حال کی باتیں اہل ذوق کے سپرد کی جائیں۔

آپ کی مشہور تصانیف مکتوبات شریف' معارف الدنیا' مکاشفات غیبیہ ہیں۔ شرح رباعیات حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک وقیع تالیف ہے۔

حضرت امام ربانی شرک وطغیان کے تاریک دور میں دین حنیف کی تجلیاں بکھیرتے رہے۔ قرآن حکیم ایسے ہی علمائے حق کو اولیاء اللہ کے معزز لقب سے نوازتا ہے۔ تاریخ مسلمانان ہندو پاک آپ کی تجدید توحید و دین کی گراں قدر مساعی پر حشر تک ناز کرے گی۔

marfat.com

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

سرورِ دیں کی دعا میرے معین الدین ہیں
سرگروہ اولیاء میرے معین الدین ہیں
ہند کے ظلمت کدوں کو آپ نے روشن کیا
شمع ایماں کی ضیاء میرے معین الدین ہیں
توڑ ڈالا آپ نے باطل خداؤں کا طلسم
رہنمائے اصفیا میرے معین الدین ہیں
ہر طرف لہرا دیا پرچم شہِ کونین کا
منبعٔ جود و سخا میرے معین الدین ہیں
آپ کے فیضان کے جاری ہیں ہر سُو سلسلے
نور فطرت کی ضیاء میرے معین الدین ہیں
آپ کے دم سے طریقت اور شریعت کو فروغ
مخزن لطف وعطا میرے معین الدین ہیں
رہبر عشاق احمد مظہر اسرارِ حق
جانِ تسلیم و رضا میرے معین الدین ہیں
نذ ر کرتا ہے رضا بہر عقیدت چند پھول
پیکر صدق و صفا میرے معین الدین ہیں

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

خواجہ خواجگان

حضرت خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

دُنیا کا شائد ہی کوئی ایسا خطہ ہو جہاں مبلغین اسلام کے قدم نہ پہنچے ہوں اور جہاں انہوں نے اشاعت اسلام کا پرچم نہ لہرایا ہو۔ زمانے بھر پھیلتی ہوئی تعلیمات اسلامی کی روشنی انہی صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا صدقہ ہے جن کا ہر عمل قرآن حکیم اور سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار تھا۔ اس لئے ان کے قدم جہاں بھی پہنچے وہیں شمع اسلام کی لافانی روشنی نے عوام الناس کے دلوں مین گھر کرلیا اور زمانے کا زمانہ حلقہ بگوش اسلام ہوتا گیا۔ انہی محسنین اسلام میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری کا رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ماہتاب ہدایت کی صورت جگمگا رہا ہے۔

جلوۂ حق کی ضیاء خواجہ معین الدین ہیں　　　شاہِ بطحا کی دُعا خواجہ معین الدین ہیں
ہند میں اسلام کے پرچم کو اونچا کر دیا　　　سرگروہِ اولیاء خواجہ معین الدین ہیں

ہند کا برطانوی وائسرائے لارڈ کرزن کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں دو ایسے بزرگ دیکھے ہیں جو اپنی وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں پر اس طرح حکمرانی کر رہے ہیں کہ جیسے بہ نفس نفیس اُن کے یہاں موجود ہوں۔ اُن میں سے ایک تو مغلیہ حکمران اورنگ زیب عالمگیر ہے اور دوسرے خواجہ معین الدین اجمیری۔

اورنگ زیب عالمگیر کی مقبولیت و ہردل عزیزی کے بارے میں لارڈ کرزن کا کہا سچ ہو یا نہ ہو لیکن اس میں کوئی کلاء نہیں۔ صرف معین الدین چشتی کی مقبولیت کے بارے میں اُس کا قول حرف بحرف حقیقت ہے۔

سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جو برصغیر کے عوام کے دلوں پر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حکمرانی کرتے ہیں۔ ایک ...... کمال میں یکتا' قطب المشائخ بزرگ کامل درویش تھے۔ عمر کے پہلے پندرہ سولہ سال کا عرصہ اپنے حال مین مست وسرشار ہو...... نہ حال پر نظر نہ مستقبل کی فکر' باب فوت ہو چکا تھا۔ منزل مقصود میں تھے۔ لہٰذا باپ کا چھوڑا ہوا ترکہ جو

marfat.com

کہ ایک ...... اور پن چکی پر مشتمل تھا' کو سنبھالا۔ صبح سے شام تک باغ کی نگہداشت کرنا' پرندوں سے پودوں کو بچانا یا پھر بن چکی سے ...... یہی مشاغل تھے یہی روزگار تھا۔

ایک دن معمول کے مطابق باغ کے درختوں کو پانی دے رہے تھے۔ سورج سوا نیزے پر تھا' سخت گرمی میں' محبت شفقت اس کام سے جسم پسینہ پسینہ ہو جا رہا تھا' چہرہ دھوپ کی غازت سے سرخ تھا۔ اپنے آپ مگن دل تہی سے دل میں مشغول تھے۔ اچانک مرد قلندر نام جن کا ابراہیم قدوزی تھا' باغ میں داخل ہوئے۔ نوجوان کو باغ کی نگہداشت میں یوں جو مصروف پایا تو اسے پر ہلا سا تبسم پھیل گیا۔ پھر چپ چاپ خامشی سے ہی ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر غور سے اُسے دیکھنے لگے۔

ایک نوجوان کی جو نظر شہر کے مشہور قلندر پر پڑی تو سب کام چھوڑ کر فرطِ محبت وعزت و احترام سے آگے بڑھ کر ادب سے سلام کیا۔ ابراہیم قلندری نے قلندرانہ انداز میں جواب دیا اور پھر اُسی خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئے' جس طرح باغ میں داخل ہوئے۔ نوجوان قلندر کی معراج سمجھتا تھا۔ تصوف کی اصطلاح میں قلندر اُسے کہتے ہیں جو تصوف مین منتہی ہوتا ہے' نوجوان کم عمر تھا لیکن اتنا کم علم نیں۔ وہ قلندر کے مرتبے کو کچھ نہ کچھ تو جانتا ہی تھا۔ سو دوبارہ پلٹا انگوروں کی بیل سے ایک رس بھرا خوشہ انگوروں کا توڑ کر فرطِ عقیدت سے بزرگ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ادب سے بولا

حضرت! انگور نوش فرما کر اس خادم کو شرف بخشیں۔

قلندر نے ایک نگاہ نوجوان پر ڈالی' جس میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ وہ بے خود سا ہونے لگا۔ بزرگ نے اُس کے بڑے ہاتھوں سے انگوروں کا خوشہ لیا اور چند انگور توڑ کر کھا لئے۔ نوجوان وہیں عقیدت سے اُن کے سامنے بیٹھ گیا پھر اُس بزرگ نے اپنی بغل سے کوئی چیز نکالی کچھ خود بیبائی اور باقی جو بچی وہ نوجوان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے' لے تو بھی کھا۔

نوجوان جھوٹی چیز کو بے چوں و چرا لے کر کھانے لگا۔ نجانے وہ شے کیا تھی کہ جس کا خلق سے اُترنا ہی تھا کہ نوجوان کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہ باغ جو کل تک اُسے اپنے درخشاں مستقبل کا امین نظر آتا تھا' خار دار بھاڑیوں سے زیادہ اہم نہ لگا۔ ہر گز حقیر سی نظر آنے لگی۔ طبیعت میں ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی۔ دل عشق الٰہی اور رسول کی محبت سے معمور ہو گیا۔ نگاہوں مین دنیا کی ہر گز حقیر لگی۔ قلندر تو اپنا کام کر کے چلتا بنا' نوجوان کا سکون غارت ہو گیا۔ دل ہر چیز سے اُچاٹ ہوا تو سب کچھ چھوڑ کر تحصیل علم اور ماہ نجات کی خاطر سمر قند و بخارا کی راہ لی۔ قرآن حفظ کیا۔ ظاہری علوم حاصل کئے پھر دل تو آتش سوزاں میں اسی بڑی طرح بھینکنے لگا کہ کسی پل چین نہ رہا جب کچھ علم نہ تھا تو سب ٹھیک

marfat.com

تھا۔ جب علم اصل ہوا تو طبیعت میں ایک بے نام سی بے چینی بڑھ گئی۔ راہ نوردی عشق کی تلاش تھی، مردِ کامل کی راہنمائی چاہتے تھے، مردِ کامل کی تلاش میں کوچہ گردی وصحرا گردی شروع کر دی۔

یہی نوجوان تھا جسے اک دن شہنشاہ اقلیم چشتیت کا لقب پانا تھا۔ جسے ولی الہند، خواجہ غریب نواز رہنمائے سالکاں، اعزاز ملنا تھا۔ جس کے فیوض چشتیت سے ایک زمانے کو علم وحکمت کی ضیاء ملنی تھی۔ اس مردِ قلندر نے جو آگ ان کے سینے میں لگائی تھی اس آتش عشق روحانی نے انہیں دنیا وآخرت میں سرخرو کرنا تھا۔ آج زمانے میں جدھر دیکھیئے اس مردِ خدا جس کا پورا تذکرہ ہو چکا ہے عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ڈنکا بج رہا ہے۔

۱۴ رجب المرجب ۵۳۷ ھ کو دوشنبہ (پیر) کے دن صبح صادق کے وقت سنجر کے تمام پر کتم عدم سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ شاعر نے آپ کی تاریخ ولادت یوں لکھی ہے۔

سید معین الدین ولی	مقتدائے دین شہ ہندوستان
سال تولیدش بگو بدر المنیر	ازسرور عارف صوفی بخواں
۵۳۷	۵۳۷

علوم ظاہری پر دسترس حاصل کرنے کے بعد آپ کے قلب معانی میں معارف باطنی کے حصول کا جذبہ صادقہ پیدا ہوا اور آپ تلاش مرشد میں بخارا سے نکل کھڑے ہوئے اور بغداد میں پہنچ کر حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ انیس الارواح میں آپ نے اپنی بیعت کا ایمان افراز واقعہ خود بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردِ کامل نے آپ کو پہلی صحبت ہی میں کمالات و فیوضات روحانی سے مالا مال کر دیا تھا اور تمام مدارج سلوک یک لخت طے کرا کے فرمایا:

"ترا نجدار سانیدم ومقبول حضرت اور اگرداشام"

میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا ہے اور مقبول بارگاہ بنا دیا ہے۔

حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت اور حصول فیض کی تفصیل خود خواجہ غریب نواز اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کا یہ دعا گو معین الدین سنجری بمقام بغداد شریف خواجہ جنید کی مسجد میں دولت پابوسی حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ سے مشرفہوا۔ اس وقت مشائخ کبار حاضر خدمت اقدس تھے جب اس درویش نے سر نیاز زمین پر رکھا، پیر ومرشد نے ارشاد فرمایا:

marfat.com

دو رکعت نماز ادا کرو' میں نے ادا کی۔

پھر فرمایا ...... قبلہ رو بیٹھو ...... میں بیٹھ گیا...... حکم دیا کہ سورہ بقرہ پڑھو ...... میں نے پڑھی ...... فرمان ہوا کہ ...... اکیس بار درود شریف پڑھو ...... میں نے پڑھا...... پھر آپ کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا آج تجھے خدا تک پہنچا دوں۔ بعدازاں مقراض لے کر دعا لو کے سر پر چلائی اور کلاہ چہارتر کی اس درویش کے سر پر رکھی' گلیم خاص عطا فرمائی۔ پھر فرمایا بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا پھر فرمایا ہمارے خانوادہ میں ایک شبانہ روز کے مجاہدہ کا معمول ہے تو آج رات مشغول رہ۔ یہ درویش بحکم محترم مشغول رہا۔ دوسرے دن جب حاضر خدمت ہوا ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ اور ہزار بار سورۃ اخلاص پڑھو' میں نے پڑھی۔ فرمایا آسمان کی طرف دیکھو میں نے دیکھا استفسار فرمایا کہاں تک دیکھا ہے' عرض کیا عرش اعظم تک۔

خواجہ عثمان ہارونی نے فرمایا ''زمین کی طرف دیکھو' میں نے دیکھا

دریافت فرمایا: کہاں تک دیکھا ہے؟

عرض کیا ...... تحت الثریٰ تک

پھر فرمایا ...... ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھو' میں نے پڑھی

فرمایا ...... پھر آسمان کی طرف دیکھو' میں نے دیکھا

پوچھا ...... اب کہاں تک دیکھا ہے

عرض کیا ...... جواب عظمت تک

فرمایا ...... آنکھیں بند کرو ...... میں نے بند کر لیں

فرمایا: کھول ...... میں نے کھولیں

پھر مجھے اپنے انگلیاں دکھا کر استفسار فرمایا ...... کیا دیکھتا ہے؟

میں نے عرض کیا ...... ستر ہزار عالم دیکھتا ہوں۔

بعدازاں سامنے بڑی ہوئی ایک اینٹ کے اٹھانے کیلئے فرمایا

میں نے اٹھایا تو مٹھی بھر دینار برآمد ہوئے۔

فرمایا ...... ان کو لے جا کر فقراء میں تقسیم کر ...... میں نے حکم کی تعمیل کی۔

بعدازاں حاضر خدمت ہوا' ارشاد ہو چند روز ہماری صحبت میں رہو۔ عرض کیا فریق عالی سر اور آنکھوں پر (معین الدین ص ۳۶، ہند کے راجہ، انیس الارواح ص ۷۱)

marfat.com

بیعت کے بعد حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد طریقت کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بیس سال کا طویل عرصہ سفر و حضر میں مرشد کامل کے ساتھ رہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدات کئے۔ مسلسل ایک ایک ہفتہ روزہ رکھتے اور اٹھویں دن پانچ ...... کی ایک ٹکیہ پانی میں بھگو کر روزہ افطار کرتے۔ بدن پر صرف ایک دو تائی جامہ ہوتا جب پھٹ جاتا تو اسے پیوند لگا لیتے۔ دوران سفر پیر و مرشد کا سارا سامان سر پر اُٹھاتے اور ساتھ چلتے ریاضت شاقہ اور خدمت مسلسل کے باعث آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے منظور نظر بن گئے۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا ''معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی' ' (یعنی معین الدین خدا کے محبوب' ہیں' مجھے ان کی مریدی پر فخر ہے)

حج بیت اللہ

جب حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے حج کا عزم کیا تو آپ بھی ہمراہ ہو لئے۔ بیت اللہ شریف کے طواف سے فارغ ہو کر میزاب رحمت کے نیچے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور بارگاہ الٰہی میں آپ کی مقبولیت کیلئے دعا مانگی۔ اسی وقت غیب سے آواز آئی۔

معین الدین دوست است اور اقبول کردم و برگزیدم

معین الدین ہمارا دوست ہے' ہم نے اسے قبول کیا اور عزت بخشی۔

بارگاہِ رسالت میں مقبولیت

حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر حضرت خواجہ عثمان ہارونی اور حضرت خواجہ غریب نواز مدینہ منورہ گئے اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بصد ادب و احترام سلام عرض کیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیکم یا سید المرسلین و خاتم النبیین

روضۂ اقدس سے آواز آئی:

وعلیکم السلام یا قطب المشائخ

اس رات خواب میں آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی جس میں آپ کو ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی اور وہاں پہنچ کر تبلیغ و اشاعت اسلام کا حکم ہوا۔

marfat.com

حصول خرقۂ خلافت

بارگاہ الٰہی اور دربار رسولی سے مقبولیت کا پروانہ حاصل ہو جانے کے بعد مرشد طریقت نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا خرقہ مصلیٰ، نعلین، چوبی اور عصا عنایت فرما کر ارشاد فرمایا۔

ہندوستان میں تشریف آوری

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۸۷ھ میں سرزمین ہند کو اپنے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف بخشا۔ اس کے بعد ولایت ہند سے باہر کبھی تشریف نہیں لے گئے، پرتھوی راج کا ستارہ اقبال آپ کے سامنے غروب ہوا۔

ورودِ لاہور

حضرت خواجہ، خواجگان غزنی سے سیدھے لاہور آئے اور مخدوم الاولیاء حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر چالیس دن معتکف رہ کر عبادت الٰہی اور ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ مزار سے رخصت ہوتے وقت حضرت غریب نواز نے یہ شعر پڑھا جو آج زبان زد خاص و عام ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

لاہور سے دو ماہ کا سفر پیدل طے کر کے اجمیر شریف پہنچے جو اس زمانہ میں ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی اور مذہبی مرکز تھا۔ لاہور سے اجمیر تک تمام راستے میں حضرت خواجہ تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ دلی اور بتیہ کے راستے میں سات سو ہندوؤں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

آپ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کیلئے کس طرح تشریف لائے، اسی کا پس منظر بھی ملاحظہ کیجئے، جب آپ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا تو اکثر مسجد قبا میں چلے آتے اور عبادات میں مشغول ہو جاتے۔ مسجد قباء میں آپ عبادت کرتے اور عشق الٰہی میں سرشار رہتے۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا، آخر کار وہ خوش بخت ساعت آپہنچی کہ جب آپ کو دربار رسالت سے نوازا گیا۔ آپ کو وہ مژدہ ملا کہ جس سے آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آپ کو دربار رسالت سے بشارت ہوئی کہ اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے۔ میں نے ولایت ہندوستان تجھ کو عطا کی وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر جا تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہو گی اور اسلام کا نور ہدایت پھیلے گا۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے خواجہ صاحب پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کی خوشی کی

marfat.com

کوئی انتہاء نہ تھی مگر ایک بات آپ کی سمجھ میں نہ آئی کہ اجمیر کہاں ہے کس ملک میں ہے کیسی جگہ ہے کون سا مقام ہے، مدینہ سے کتنی دور ہے۔ ان ہی خیالات میں خواجہ کی آنکھ لگ گئی، نہیں نہیں بلکہ قسمت کا ستارہ چمکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجمیر کا تمام شہر قلعہ دکوشان دکھایا۔ سرور عالم علیہ السلام نے خواجہ غریب نواز کو جنت کا ایک انار عطا فرمایا اور آپ کو رخصت فرمایا۔

(مسالک السالکین جلد دوم ص ۲۷۸، معین الدین ص ۵۶)

اگلے دن خواجہ چشتی نے اپنا یہ خواب عثمان ہارونی کو سنایا۔ عثمان ہارونی کو بھی خواب میں اس قسم کی ہدایت مل چکی تھی۔ اس نے بعد خوشی اجازت دی۔ عثمان نے جن کا چہرہ اپنے مرید کی اس عزت افزائی سے خوشی سے ٹمٹما رہا تھا۔ خواجہ سے ...... نے ہندوستان نہیں دیکھا۔ ذرا آنکھیں بند کروتا کہ تمہیں اس اجنبی سرزمین کی سیر کراسکیں۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں بند کرلیں اور اپنے مرشد عثمان کے فیض روحانی سے ہندوستان کے ان مقامات کو دیکھا جہاں پر تشریف لے جانا تھا۔

ہندوستان اُس زمانے میں دنیا بھر میں بت پرستی کا سب سے بڑا گھوارہ تھا۔ کفر کے اندھیروں میں ڈوبی اس سرزمین پر اسلام کی روشنی خواجہ چشتی سے پہلے پہنچ چکی تھی مگر ابھی تک اسلام کو وہ غلبہ حاصل نہ ہوا تھا جو ہونا چاہیئے تھا۔

سلطان ...... جو آندھی وطوفان کی طرح ندوستان کے باطل خداؤں اور ان بت پرستوں پر خدا کے قہر کی طرح ٹوٹا تھا اور جس نے سرزمین پر اسلام اور بت پرستی کا عظیم الشان معرکہ سوغات کے علاقہ میں جیتا تھا اب اس دنیا میں نہیں تھا۔ اُس ...... نے باپ کی فتوحات کو صحیح طور پر سنبھالا اور محمود غزنوی جس کے دم قدم سے ہندوستان کے بت پرستوں کے کلیجے کانپتے ...... کے منظر سے ہٹتے ہی ہندوؤں نے پھر پَر نکالنا شروع کر دیئے اور جلدی وہ غزنی کی مسلمان کے دائرہ سے اپنا بڑا ...... سکنے میں کامیاب ہو گئے، بعد کے مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کے ساتھ لاتعداد جنگیں لڑیں مگر کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

خواجہ ہندالولی نے اجمیر پہنچ کر شہر کے باہر پیپل کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ اجمیر کے راجہ کے ساربانوں نے آپ کو وہاں بیٹھنے سے منع کیا اور کہا یہ جگہ راجا کے اونٹوں کے بیٹھنے کی ہے۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا ہم چلے جاتے ہیں لیکن تمہارے راجا کے اونٹ

marfat.com

بیٹھے ہی رہیں گے۔ آپ نے چالیس خدام کو ساتھ لیا اور حوض اناساگر کے کنارے قیام پذیر ہو گئے۔ اب اسی جگہ آپ کا روضہ مبارکہ ہے جب راجا کے اونٹ آئے تو وہ ایسے بیٹھے کہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ ساربانوں نے اُٹھانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ آخر راجا کو سارا ماجرا بیان کیا' اس نے کہا درویشوں کی منت سماعت کرو یہ انہی کی وجہ سے ہوا ہے۔

جب ان کو اپنی گستاخی کا علم ہوا تو تمام ساربان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' قصور کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا ''جس کے حکم سے اونٹ بیٹھ گئے تھے اسی کے حکم سے کھڑے ہو جائیں گے۔ ساربان واپس آ۔ ئے تو تمام اونٹوں کو کھڑا پایا۔ شہر بھر میں اس واقعہ کی شہرت ہوگئی' لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ (سلطان الہندص ۲۴)

اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا۔ عوام الناس ہندو راجاؤں کے ستائے ہوئے تھے۔ انہیں جب امن و راحت اور سفروئی کا گہوارا نظر آیا تو جوق در جوق آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے بہرہ ورہونے لگے۔ ایک ایک دن میں سینکڑوں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ پرتھوی راج کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا کہ اس ہندوستان کوئی مسلمان درویش اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دے اور اس کی حکمرانی کیلئے خطرہ بن جائے۔

پرتھوی راج نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنا ایک سردار بھیجا' میں نے آپ کو پرتھوی راج کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ جتنی جلد ہو سکے اجمیر چھوڑ کر کہیں بھی تشریف لے جائیں۔

خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ کا پیغام سنا مگر اثر کوئی نہ لیا لیکن جب نامہ برمسلسل آپ کے چہرے کی طرف جواب کی امید لئے دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا''۔

پرتھوی راج کو یہ جواب ملا تو اس کا مفہوم ہی سمجھ سکا۔ چنانچہ جھنجلا کر اُس نے خواجہ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ہتک عزت کی ہے کیونکہ مہاراجہ نے جب ایک شخص کو ان کے پاس اسلام قبول کرنے بھیجا تو خواجہ نے اُس کی نیت پر شک کیا۔ اگرچہ بعد میں انہوں نے اُسے مسلمان تو کرلیا لیکن پہلے انکار کر کے راجہ کی اہانت ضرور کی۔ چنانچہ وہ اور ان کے رفقاء اسی ...... کی حدود چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم پر ذرا بھی توجہ نہ دی اور ایک شان بے

marfat.com

نیازی سے گویا ہوئے' تین دن ...... کیا ہے جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔

مہاراجہ کا ایلچی اس گول مول جواب کو لے کر جب پرتھوی راج کے سامنے پہنچا تو فوراً راجہ بھی اس کا مفہوم نہ سمجھ سکا' دل میں خیال کرنے لگا کہ شاید خواجہ نے تین دن کی مہلت مانگی ہے۔

ہندوستان سے دور شکست خوردہ شہاب الدین غوری راجہ پرتھوی کے ہاتھوں شکست کے بعد انتہائی افسردہ ...... مستقبل کیلئے لائحہ عمل تیار کر رہا تھا' اُسے اپنی ناکامی کا انتقام لینا تھا مگر اپنے وسائل پر نظر ڈال کر پھر رہ جاتا کہ اس ...... سے ہندو راجہ لی کثیر سپاہ سے ان کی اپنی زمین پر لڑنے جانا خود کشی ہی کہی جائے گی۔ اسی غمزدگی اور معمولی کیفیت اُس نے رات ایک خواب دیکھا کہ ایک بزرگ اُسے کہہ رہے ہیں' غوری اُٹھ ہندوستان کا تخت و تاج تیرا انتظار کر رہا ہے۔

شہاب الدین غوری جو پہلے ہی انتقام کی آگ میں بھڑک رہا تھا' اس خوش کن خواب کو دیکھ کر ہمت و جذبہ کے ساتھ ہندوستان پر حملے کی تیاری کا حکم دیا ار جوق رفتاری سے ہندوستان کی طرف کوچ کرنے لگا۔

اُدھر پرتھوی راج جو ابھی خواجہ معین الدین چشتی کے اسلام قبول کرنے کے پیغام کو پا کر غصے سے کھول رہا تھا اور اہانت آمیز پیغام موصول ہوا۔ یہ شہاب الدین غوری کی طرف سے اُس کا قاصد لے کر آیا تھا' جس میں سلطان نے لکھا۔

''سرہند اور تھا بنر کا علاقہ مسلمانوں کی ملکیت ہے تم اسے خالی کر کے اُسی طرح اطاعت گزار بن کر رہو جیسے سلطان اور اُس کی اولاد کے ...... گزر بن کر رہے ہو۔ ورنہ دوسری صورت میں تم سے بزور شمشیر یہ علاقے لئے جائیں گے اور انہیں انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

پرتھوی راج اس پیغام کو پا کر غم و غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور حقارت سے شہاب الدین غوری کے فرمان کو لانے والے کے ہاتھ کہلوا بھیجا ''اگر تم سرزمین ہند سے اسی وقت نہ نکل کھڑے ہوئے تو میرے قہر سے نہ بچ سکو گے''۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے بموجب تیرے دن ترائن کے مقام پر پھر ایک خوفناک گھمسان کا رن پڑا اور پرتھوی راج مسلمانوں کے غیض و غضب کا شکار ہو کر فرار ہو گیا۔ مگر مسلم لشکر نے اُس کا پیچھا کیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

شہاب الدین غوری ایک فاتح کی حیثیت سے اجمیر میں داخل ہو اور جب اُسے معین الدین چشتی سے شرف ملاقات ہوئی تو اُنہیں دیکھ کر حیرت سے اُچھل پڑا اور بے ساختہ اُسکے منہ سے

marfat.com

نکلا'' آپ ...... آپ ہی وہ بزرگ کامل ہیں جنہوں نے مجھے ہندوستان کیلئے فتح کی بشارت دی تھی۔ آپ نے اسے دعاؤں سے نوازا اور سمجھایا کہ حکمرانی کے آداب کیا ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق پر ظلم نہ کرو کہ مصیبت کے وقت ہی تمہاری سپاہ اور مشکل میں تمہاری مددگار ثابت ہوگی۔ اس نے نصائح پر عمل کیا اور اسی کی بدولت اسی نے ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ستانوے برس کی عمر میں پچانوے لاکھ ہندوؤں کو کلمہ شریف پڑھا کر پورے ہندوستان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کا جھنڈا لہرانے کے بعد آخرکار چھ رجب شریف ۶۲۷ھ کو اجمیر شریف کی مقدس زمین پر اپنی جان اللہ خالق کائنات کے حوالے کرکے ہمیشہ کیلئے دنیا سے پردہ فرما گئے۔ بظاہر پردہ فرما گئے لیکن حقیقت میں خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ ہیں اور تا قیامت زندہ رہیں گے۔ کیونکہ اللہ کے ولی اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے روضوں میں زندہ ہیں۔ (ماہِ اجمیر ص ۴۰۳)

آپ کی شخصیت میں بلا کی تاخیر تھی۔ جو ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں آتا' آپ ہی کا ہو جاتا۔ آپ کی ذات وہ چشمہ فیض تھی جس سے رشد و ہدایت کے کئی دریا جاری ہوئے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی' حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر' حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی وغیرہ ایسے اکابر آپ ہی کے خوان کرم کے خوشہ چین ہیں۔ آپ نے مبلغین اسلام کی عظیم جماعت تیار کی اور اسے ملک ہند کے مختلف حصوں میں پھیلا دیا۔ صاحب سیر العارفین نے بجا طور پر لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کا احسان یہاں کے مسلمانوں پر حد سے زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک برصغیر میں جو بھی مسلمان ہوں گے ان کا حق اسلام حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو پہنچتا ہے۔

وصال

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سالہا سال تک ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کارنامہ سرانجام دیا اور لاکھوں گم کردہ راہوں کو اسلام کی صراط مستقیم پر گامزن کر دیا۔ بالآخر وہ گھڑی بھی آ پہنچی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کو اپنے پاس بلا لیا' آپ نے ۶۳۳ھ میں وصال فرمایا۔ سرمد کی اس رباعی سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شد ز دنیا چو د بہشت بریں مرشد متقی معین الدین

marfat.com

گفت تا ریخ و حلقش سرمد محرم دل ولی معین الدین

آپ کہا کرتے تھے ''لوگو! تم میں ضعیف ترین شخص وہ ہے جو ایک بات کہے اور پھر اُس پر ثابت قدم رہ نہ سکے''۔

ایک بار آپ نے فرمایا ''بت پرستی کا دوسرا نام خود پرستی اور نفس پرستی ہے جب تک انسان ان سے چھٹکارا پاتا وہ خدا پرستی کی منزل سے دور رہتا ہے''۔

''متوکل وہ ہے جو مصائب اور تکالیف سے بے حال ہو جائے مگر حرف شکایت زبان پر نہ لائے''

marfat.com

زُہد الانبیاء حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

ایک روز خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ملتان کی سرائے حلوائی والی مسجد میں تشریف لائے۔ اس مسجد میں اپنے دور کے ممتاز عالم دین مولانا منہاج الدین اطراف و جوانب سے آنے والے طالبان علم کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اس مسجد میں ادائے نماز کر چکے تو خیال آیا کہ مولانا منہاج الدین کے شاگردوں کو ایک نظر دیکھ لوں۔ آپ کی نظر کریمانہ دوسرے شاگردوں سے ہوتی ہوئی ایک طالب علم پر پڑی، جو دوسرے طلباء سے ذرا ہٹ کر مسجد کے ایک کونے میں مصروف مطالعہ تھا۔ اس نوجوان طالب علم کی پیشانی پر جستجوئے علم کے آثار جگمگا رہے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب کی نگہِ انتخاب نے اس نوجوان کے روشن مستقبل کی آب و تاب کو پرکھ لیا اور پھر خود ہی اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس خوش بخت طالب علم نے جب علوم معرفت کے اس مہر عالم تاب کو اپنے قریب دیکھا تو فرطِ احترام سے کتاب ہاتھ میں لئے ایستادہ ہو گیا۔ حضرت قطب الاقطاب نے دریافت فرمایا ''نوجوان کیا پڑھ رہے ہو؟''

طالب علم نے عرض کیا ''نافع الصلوٰۃ کا مطالعہ کر رہا ہوں''۔

حضرت قطب الاقطاب نے دوبارہ دریافت فرمایا ''اس کتاب کے پڑھنے سے تمہیں کیا نفع ہو گا؟''۔

طالب علم نے آپ کے چہرۂ اقدس پر ایک نظر ڈالی اور فوراً محسوس کر لیا کہ اس کی منزل اس کے قریب آ پہنچی ہے۔ چنانچہ بصد احترام عرض کیا ''مجھے انشاء اللہ آپ کی نگہِ سعادت بخش سے فیض پہنچے گا''۔ پھر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے ہوئے یہ رباعی پڑھی:

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد — و ز لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد
لطف یکدام دزہ پیوست مے — کاں ذرّہ بہ از ہزار خورشید نشد

یہ نوجوان طالب علم کہ جن پر خوش بختی سایہ فگن ہو چکی تھی حضرت بابا فرید الدین مسعود تھے،

marfat.com

جنہیں دنیا حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے پکارتی ہے اور آپ کی تعلیمات سے ظلمت قلب ونظر کو مستنیر کرتی ہے۔ اس ساعت سعید پر آپ نے حضرت قطب الاقطاب سے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی استدعا کی جسے انہوں نے قبول فرما لیا۔ اس وقت بابا فرید الدین مسعود کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ حضرت قطب الاقطاب نے جتنے روز ملتان میں قیام فرمایا' حضرت بابا فرید زیادہ سے زیادہ وقت آپ کی خدمت میں بسر کرتے رہے۔ جب حضرت قطب الاقطاب ملتان سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت بابا فرید بھی ہمراہ چل پڑے۔ ابھی چند میل ہی سفر کیا ہوگا کہ حضرت قطب الاقطاب نے ارشاد فرمایا:

"میرے عزیز ابھی کچھ مدت اور علوم ظاہری کی تکمیل میں صرف کرو' جب تحصیل علم سے فراغت ہو جائے تو میرے پاس آ جانا۔ انشاء اللہ اپنی مراد کو پہنچو گے"۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے حکم شیخ سن کر سرِ تسلیم خم کر دیا اور پوری تندہی اور ذوق و شوق کے ساتھ علوم ظاہری کی تکمیل کیلئے مصروف ہو گئے۔

............O............

اب ہم تاریخ کے ایوانوں سے گزرتے ہوئے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کی منزل مقصود ان کی جستجوئے کمال کو مدنظر رکھتے ہوئے خود ان تک آ پہنچی تھی' کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت بابا صاحب صحیح النسب فاروقی ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس طرح جا ملتا ہے۔

۱۔ حضرت بابا فرید الدین	۲۔ حضرت شیخ جمال الدین سلیمان (والد)
۳۔ شیخ شعیب	۴۔ شیخ احمد
۵۔ شیخ یوسف	۶۔ شیخ محمد
۷۔ شیخ شہاب الدین	۸۔ شیخ احمد معروف بہ فرخ شاہ بادشاہ کابل
۹۔ شیخ نصیر الدین	۱۰۔ محمود شاہ
۱۱۔ سامان شاہ	۱۲۔ شیخ سلیمان
۱۳۔ شیخ مسعود	۱۴۔ شیخ عبدالشواعظ الاکبر
۱۵۔ شیخ ابوالفتح	۱۶۔ شیخ اسحاق
۱۷۔ حضرت خواجہ ابراہیم شاہ بلخ	۱۸۔ خواجہ ادہم

marfat.com

۱۹۔ شیخ سلیمان
۲۰۔ شیخ ناصر
۲۱۔ حضرت عبداللہ
۲۲۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم

............O............

دنیائے عجم میں بارھویں صدی عیسوی جنگ و جدل اور شور و ہنگامہ کا دور تھا۔ اس طوائف الملوکی میں حضرت بابا صاحب کے دادا حضرت شیخ محمد شعیب نے اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لیا اور لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور میں قیام راس نہ آیا تو قصور چلے گئے۔ مقامی قاضی نے آپ کا پر تپاک خیر مقدم کیا اور سلطان کو ان حالات سے آگاہ کیا جن کی بناء پر یہ خاندان اس علاقہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ سلطان نے بڑی ہمدردی اور شائستگی سے دریافت کیا کہ وہ اس خاندان کی کیا خدمت کر سکتا ہے"۔ قاضی شعیب نے جواب دیا کہ انہیں کسی عہدے یا مرتبے کی ضرورت نہیں اور پھر کمال استغناء سے فرمایا:

''ہم اس چیز کے پیچھے نہیں دوڑنا چاہتے جو ہم سے چھن گئی ہو''۔

اس کے باوجود سلطان نے انہیں کھتوال کا قاضی مقرر کر دیا اور قاضی شعیب اپنے خاندان کے ہمراہ کھتوال میں آباد ہو گئے۔ قاضی شعیب کے تین فرزندوں میں سے ایک کا نام جمال الدین سلیمان تھا' جن کی شادی کھتوال میں شیخ وجیہہ الدین خجندی کی صاحبزادی مریم بی بی سے ہوئی۔ جمال الدین سلیمان کے ہاں تین فرزند تولد ہوئے۔ پہلے اعز الدین محمود' دوسرے بابا فرید الدین مسعود اور تیرے نجیب الدین محمد متوکل۔ بابا فرید الدین مسعود کا سن پیدائش ۵۷۱ھ/ ۱۱۷۵ء کے لگ بھگ ہے۔ حضرت بابا صاحب کی ایک بہن تھیں' حضرت بی بی ہاجرہ ملقب بہ جمیلہ خاتون' یہی خاتون محترم حضرت مخدوم سید علاء الدین علی احمد صابری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔

............O............

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی' جو شب بیدار اور عارفہ کامل خاتون تھیں۔ بیشتر تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ بی بی مریم خاتون اپنی عبادت گزاری اور زہد و تقویٰ کی بناء پر ولایت کے مرتبہ پر فائز تھیں۔ حضرت بابا صاحب ابھی کم سن ہی تھے تو آپ کے والد محترم انتقال فرما گئے۔ اب ان کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داری ان کی والدہ محترمہ کے کندھوں پر آ پڑی جسے انہوں نے بصد حسن و خوبی انجام دیا۔ حضرت بی بی مریم خاتون سے کئی کرامات بھی منسوب ہیں۔ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مادر زاد ولی تھے' جب آپ

marfat.com

کی ولادت ہوئی تو اس سال رمضان کے چاند کے بارے میں شک تھا۔ لوگوں نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ روزہ رکھا جائے یا نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ قاضی صاحب (آپ کے والد) کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا اگر اس نے دودھ پی لیا تو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ اسی رات آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے دودھ نہیں پیا چنانچہ لوگوں نے روزہ رکھ لیا۔

آپ کی والدہ محترمہ نے نہایت توجہ سے اپنے لخت جگر کی پرورش کی۔ سات سال کی عمر ہی میں انہوں نے تمام ابتدائی دینی کتب ختم کر لیں۔ اب ان کی والدہ کو کسی ایسے استاد کامل کی جستجو ہوئی جو اس جوہر قابل کو علوم متداولہ سے مالا مال کر سکے۔ چونکہ علاقہ میں کوئی ایسا بڑا عالم نہیں تھا جو انہیں مزید پڑھا سکے۔ اس لئے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو علوم وفنون کے مرکز عظیم ملتان میں بھیج دیا۔ ملتان پہنچ کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سرائے حلوائی والی کے قریب مسجد میں مقیم ہو گئے اور یہیں حضرت مولانا منہاج الدین سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

مولانا نے آپ کو دو تین سالوں میں تفسیر' حدیث' اصول' معانی' فقہ' منطق' ریاضی اور ہیئت سے متعلق تمام مروجہ کتب پڑھا دیں۔ اسی مسجد میں آپ کی قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملاقات ہوئی' جن کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو ذرّے سے آفتاب بنا دیا' جب حضرت قطب الاقطاب نے دہلی جاتے ہوئے حضرت بابا صاحب کو ملتان میں رہتے ہوئے علوم ظاہری کی تکمیل کی تلقین کی تو پھر آپ نے حکم کی تعمیل میں تکمیل علوم کے بعد قندھار' بغداد' سیوستان اور بدخشاں وغیرہ میں گزارے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقات کر کے اپنی ظاہری و باطنی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کا اہتمام کیا۔ اب آپ فکری طور پر اس قدر لطافت آشنا ہو چکے تھے کہ جب دہلی میں حضرت قطب الاقطاب کے دربار میں حاضری دی تو وہ دیکھتے ہی پکار اُٹھے کہ "یہ خوب ہوا' تم اپنے کام کی تکمیل کے بعد میرے پاس آئے ہو"۔

............O............

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے ساتھ ہی بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تعلیم وتربیت کے ایمان آفریں مرحلے شروع ہو گئے۔ اگرچہ روحانی ونظری کیفیات آپ کو ورثے میں عطا ہوئی تھیں مگر ان کی حیثیت ابتدائی تھی۔ اب بابا فرید کے روپ میں ایک کامل عالم دین روحانی سربلندیوں کی منزل کی طرف گامزن ہو رہا تھا۔ ریاضت وعبادت آپ کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھی' حضرت قطب الاقطاب کی صحبت سونے پر سہاگہ

marfat.com

ثابت ہوئی اور آپ کٹھن مجاہدوں اور ریاضتوں کے مرحلہ ہائے شوق کو طے کرنے لگے۔ ایک مرتبہ حضرت بابا صاحب نے مرشد کے ارشاد کے موجب طے کا روزہ رکھا۔ یہ روزہ تین دن کا ہوتا ہے اور افطاری کے وقت صرف دو تین تولہ پانی پیا جاتا ہے۔ روزہ کے آخری روز افطاری کے وقت ایک شخص آپ کیلئے کھانا لایا' آپ نے اسے غیبی امداد جان کر قبول کیا مگر کھانا نوش فرماتے ہی فوراً قے ہوگئی اور معدہ صاف ہوگیا۔ آپ نے مرشد سے تمام واقعہ کہہ سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کھانا ایک شرابی کی طرف سے آیا تھا جسے تمہارا معدہ قبول نہیں کر سکتا تھا۔ دوبارہ طے کا روزہ رکھو اور غیب سے جو چیز میسر آئے اس سے افطار کرو۔ آپ نے اس بار بھی اس روزے کے ایام پورے کر لئے مگر افطاری کے وقت کہیں سے کوئی چیز میسر نہ آئی۔ ضعف و نقاہت نے غلبہ کر لیا' بے قراری بڑھنے لگی تو ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگے' چند کنکر ہاتھ لگے' وہی اُٹھا کر منہ میں ڈال لئے' مگر حکمت ایزدی دیکھئے کہ وہی کنکر منہ میں جاتے ہی شکر بن گئے۔ اس عالم میں بھی تقویٰ دامنگیر رہا اور فوراً وہ شکر منہ سے نکال دی اور ذکر خداوندی میں مصروف ہو گئے۔ بے چینی کا پھر غلبہ ہوا تو کنکر منہ میں ڈال لئے جو فوراً شکر ہو گئے' آپ نے وہ شکر پھر نکال دی۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا تو آپ نے اسے انعام خداوندی سمجھ کر اس سے روزہ افطار کر لیا' بعد میں حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں تمام ماجرا عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے غیب کے تحفہ سے روزہ افطار کیا' اب تم تمام عمر یونہی اپنے کردار کی شیرینی تقسیم کرتے رہو گے۔ دوسرے واقعات کے ساتھ یہ واقعہ بھی آپ کے گنج شکر کے لقب سے مشہور ہونے کا باعث ثابت ہوا۔

عبادت و ریاضت اور روحانی مجاہدوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپؒ کو حضرت قطب الاقطاب کی طرف سے ایک حجرہ خاص عطا ہوا تھا۔ یہ حجرہ آپ کا مسکن اور آپ کی عبادت و ریاضت کا امانت دار تھا۔ مختلف تذکروں میں آپ کی کٹھن ریاضت کے اس قدر حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مرشد گرامی کی طرف سے آپ کو نماز معکوس ادا کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے وہ بھی ادا کی۔ دہلی کے علاوہ مختلف مقامات پر بھی عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ آپ نے اس دوران میں متعدد شہروں میں چلّے کاٹے اور مجاہدات کیئے۔ آپ کے مرید بھائی رشک آمیز نظروں سے آپ کی طرف دیکھتے جبکہ حضرت قطب الاقطاب فخر کرتے کہ انہیں ایسا مرید عطا ہوا تھا۔ آپ کی عبادت و ریاضت بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو رہی تھی جس کا اظہار مختلف بشارتوں سے ہوتا تھا۔ مس خام کندن بن چلا تھا' اس شدید محنت کے بعد اب جزا اور عطا کا وقت آنے والا تھا۔

marfat.com

...........O............

اور پھر وہ ساعت سعید بھی آ پہنچی۔ ایک روز خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں اپنے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خانقاہ میں تشریف لے آئے۔ اس روز جشن عید کا سا سماں تھا۔ اپنے خلیفۂ خاص کی خانقاہ میں اصحاب طریقت کا ہجوم اور حضرت قطب الاقطاب کی روحانی تربیت کا کمال دیکھ کر حضرت خواجہ خواجگان کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور فرمانے لگے:

''قطب الدین! آج ہم تمہارے مریدین باصفا سے ملنا چاہتے ہیں''۔ حضرت قطب الاقطاب نے اپنے شیخ کے اس حکم کو سعادت عظیم تصور کیا اور اپنے مریدین کو باری باری خواجۂ خواجگان کے حضور پیش کرنے لگے۔ سب مرید پیش ہو چکے تو خواجۂ خواجگان نے پوچھا ''کوئی مرید باقی رہ تو نہیں گیا''۔ حضرت قطب الاقطاب نے عرض کیا ''پیر و مرشد! ایک مرید کہ جس کا نام مسعود ہے' اپنے حجرے میں مصروف عبادت ہے اور کثرت ریاضت کی بدولت اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ اس کیلئے یہاں حاضری دینا ممکن نہیں رہا۔

حضرت خواجہ خواجگان نے فرمایا ''تو چلئے ہم چلتے ہیں''

چنانچہ حضرت خواجہ خواجگان حضرت قطب الاقطاب کی معیت میں بابا فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے میں داخل ہوئے۔ بابا فرید نے جب ان جلیل القدر بزرگ شخصیات کو اپنے حجرے میں داخل ہوتے دیکھا تو فرطِ اشتیاق سے آگے بڑھ کر قدم بوسی کرنا چاہی مگر کمزوری و نقاہت کے باعث اُٹھنے کا یارا بھی نہ رہا۔ دونوں شیوخ جب بابا فرید کے بالکل قریب آ گئے تو انہوں نے اپنی بے زبانی کو ترجمان شوق بناتے ہوئے اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیا۔ حضرت خواجہ خواجگان نے فرمایا:

''قطب الدین اس جوان کو کب تک مجاہدے کی آگ میں جلاؤ گے' اس کو کچھ عطا کرو''۔

حضرت قطب الاقطاب نے عرض کیا ''آقا میں تو آپ کا غلام ہوں' میری کیا مجال کہ حضور کی موجودگی میں کچھ دے سکوں''۔ یہ سن کر حضرت خواجہ خواجگان نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تو آؤ اسے ہم دونوں مل کر عنایت کریں''۔

حکم شیخ کی تعمیل میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے۔ حضرت خواجۂ خواجگان بابا فرید الدین مسعود کے دائیں طرف کھڑے ہو گئے اور حضرت قطب الاقطاب کو بابا فرید کے بائیں طرف کھڑا کر دیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بزرگوں نے حضرت بابا فرید الدین کا دامن مراد

marfat.com

باطنی فیوض و برکات سے بھرپور کر دیا۔ پھر خواجۂ خواجگان نے بارگاہ خداوندی میں دعا فرمائی:

''خدایا ہمارے فرید کو قبول فرما' اور اسے اکمل درویش کے مرتبے پر پہنچا''۔

غیب سے آواز آئی ''ہم نے فرید کو قبول کیا''۔

ع...... یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو جس طور حضرت خواجۂ خواجگان اور قطب الاقطاب نے روحانی تصرفات اور غیر معمولی فیوض و برکات سے نوازا' اس کی مثال نہیں ملتی کہ کسی مرید باصفا کو اُس کے مرشد اور پھر مرشد کے مرشد نے بیک وقت اس حد تک نوازا ہو' امیر خورد نے اس رباعی میں اسی خوش بختی کو نظم کیا ہے:

بخششیں کونین از شیخین شد درباب تو
پادشاہی یافتی زیں پادشاہانِ زماں
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلّم برترا
عالم کن گشتہ اقطاع تو اے شاہِ جہاں

اس کے بعد حضرت خواجۂ خواجگان نے اپنا پیرہن مبارک اور حضرت قطب الاقطاب نے اپنی دستار مبارک حضرت بابا فرید کو عطا فرمائی اور منصب خلافت سے سرفراز کیا۔ حضرت خواجہ خواجگان' حضرت بابا فرید سے غیر معمولی شفقت فرمایا کرتے تھے اور اس امر سے آگاہ تھے کہ مستقبل میں یہی خوش بخت نوجوان زہد الانبیاء اور سلطان الاتقیاء کے القاب سے پکارا جائے گا اور پھر اسی کی بدولت سلسلہ عالیہ چشت کو برصغیر میں غیر معمولی فروغ حاصل ہو گا۔ اسی لئے ایک مرتبہ آپ نے حضرت قطب الاقطاب سے مخاطب ہو کر بابا فرید کے متعلق ارشاد فرمایا:

''قطب الدین تم نے ایک عظیم شہباز کو گرفتار کیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے علاوہ اور کہیں اپنا آشیانہ نہ بنائے گا' فرید ایک ایسا چراغ ہے جو خانوادۂ درویشاں کو منور کرے گا''۔

............O............

حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ خلافت عطا ہونے کے بعد بھی کافی عرصہ تک اپنے مرشد کامل کی خدمت میں رہے اور اپنے مرشد سے اجازت طلب کر کے ہانسی تشریف لے گئے۔ بابا فرید کا خیال تھا کہ وہ یہاں آرام وسکون کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مصروف رہ سکیں گے مگر اچانک ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ ہوا یوں کہ مولانا ترک جو ایک معروف صوفی اور دلآویز

marfat.com

خطیب تھے' ہانسی کی جامع مسجد میں وعظ فرمانے لگے تو بابا فرید بھی ان کا وعظ سننے کیلئے چلے گئے۔ بابا فرید کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے اور ان کی ظاہری حالت سے ان کے غیر معمولی علم و فضل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی مولانا ترک سے شناسائی بھی نہیں تھی مگر جونہی آپ مسجد میں داخل ہوئے مولانا ترک بول اُٹھے:

''اے مسلمانو! صرافِ حق آ پہنچا ہے''

ہر ایک کی نظر بابا صاحب کی طرف اُٹھ گئی۔ مولانا ترک نے بابا صاحب کی بے حد مدح و تحسین کی۔ اس سلسلہ میں بابا فرید اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ مولانا ترک نے ایسے الفاظ میں میری تعریف کی کہ کسی بادشاہ کی تعریف میں ایسے الفاظ نہیں کہے گئے ہوں گے۔ بابا فرید کا تذکرہ عام ہوا تو لوگ کثرت سے آپ کے پاس آنے لگے۔ آپ متواتر کئی سال ہانسی میں مقیم رہے اور خلق خدا کو خدا آشنا کرتے رہے۔

ہانسی میں قیام کے دوران ہی میں حضرت خواجہ بختیار کاکی نے اس دنیائے فانی سے منزل آخرت کی طرف کوچ کیا' جس رات آپ کا وصال ہوا' حضرت بابا فرید نے ایک پریشان کن خواب دیکھا کہ حضرت قطب الاقطاب آپ کو بلا رہے ہیں۔ صبح سویرے آپ دہلی روانہ ہو گئے۔ وہ قاصد جو آپ تک حضرت قطب الاقطاب کی وفات کی خبر لے کر آ رہا تھا' آپ کو راستے میں ملا۔ دہلی پہنچ کر آپ سب سے پہلے اپنے مرشد کے مزار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ خوانی کی۔ اگلے روز قاضی حمید الدین ناگوری نے حضرت قطب الاقطاب کی وہ امانت بابا فرید کے سپرد کر دی جسے ان کے سپرد کرتے وقت قطب الاقطاب نے فرمایا تھا:

''میرا خرقہ جو مجھے مرشد گرامی سے ملا ہے' میرا مصلی خاص نعلین چوبی اور میرا عصا فرید الدین مسعود کو پہنچا دیا جائے وہی میرا جانشین ہوگا''۔

آپ نے مرشد گرامی کا عطا کردہ خرقہ زیب تن کیا' مصلّی پر دوگانہ نماز ادا کی۔ اب سلسلہ عالیہ چشت کی قیادت کا تاج آپ کے زیب سر تھا۔ دہلی والے جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ آپ کو جلوت کی نسبت خلوت زیادہ پسند تھی' اس لئے زیادہ وقت اپنے حجرے میں مقیم رہ کر عبادت و ریاضت میں گزارتے مگر اس کے باوجود خلق خدا کے ہجوم کے باعث آپ سکون سے عبادت نہیں کر سکتے جو آپ کو ہانسی میں میسر تھا۔ انہی دنوں ہانسی کا ایک شخص جس کا نام سرہنگ تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے آیا کئی روز جدوجہد کے بعد اسے حاضری نصیب

marfat.com

ہوئی تو قدموں میں گر گیا اور رو رو کر کہنے لگا:

''جب آپ ہانسی میں تھے تو آپ تک رسائی ممکن تھی مگر یہاں بہت مشکل ہے''

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس صاحب شوق کی یہ بات سن کر از حد متاثر ہوئے۔ دل تو دہلی سے پہلے ہی اچاٹ ہو چکا تھا' فوراً دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کے مریدوں اور نیاز مندوں کو اس فیصلہ پر حیرت ہوئی اور انہوں نے عرض کیا:

''حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے یہ جگہ آپ کیلئے خاص کر دی ہے' آپ دوسری جگہ کیوں جاتے ہیں''۔

بابا فرید نے جواب میں فرمایا:

''میں جہاں جاؤں گا میرے مرشد کی دعائیں میرے ساتھ جائیں گی' چاہے میں اس شہر میں ہوں یا بیابان میں''۔

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور یہ مہر عالم تاب ولایت ہانسی کے مطلع پر ضوفگن ہو گیا۔

............O............

حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی چھوڑنے کا فیصلہ جذباتی یا ہنگامی نوعیت کا نہیں تھا' وقت نے ثابت کر دیا کہ آپ کا فیصلہ بالکل درست' صائب اور برحق تھا۔ سلطان التمش کی وفات کے بعد دہلی کی معاشرتی زندگی کی قدریں اس تیزی سے بدلنے لگیں کہ آہستہ آہستہ حق و باطل کا امتیاز اُٹھ گیا اور علماء صوفیاء بھی کسی نہ کسی امیر کے دربار سے وابستگی میں عافیت تلاش کرنے لگے۔ اس بدنظمی' افراتفری اور اخلاقی زوال کے دور کے آغاز سے پہلے ہی آپ کا دہلی سے چلے جانا' آپ کی روشن ضمیری پر مبنی تھا۔ ہانسی میں آپ ایک مدت تک مقیم رہے' وہاں کے عوام الناس نے حضرت بابا فرید کے وجود مسعود سے خوب فیض اُٹھایا۔ طالبان شوق آپ کے درِ دربار پر حاضری دیتے اور مرادوں کی جھولی بھر کر جاتے تھے۔ ہانسی میں آپ کی شہرت اس قدر پھیل چکی تھی کہ ہر وقت عقیدت مندوں کا ایک ہجوم آپ کی نگہِ کرم کا جویا رہتا تھا۔ آپ اب پھر کسی ایسے گوشہ عافیت کی تلاش میں تھے' جہاں لوگ آپ کو تنگ نہ کریں۔ بالآخر آپ نے شیخ جمال الدین ہانسوی کو سند خلافت سے سرفراز فرمایا اور انہیں ہانسی میں ہی مستقل قیام کی تلقین کر کے اجودھن کی طرف چل پڑے۔ وہ اجودھن جو آج پاک پتن شریف کے نام سے مشہور ہے اور جس کا نام زباں سے ادا ہوتے ہی اصحاب طریقت کے دلوں کی دھڑکن تیز ہونے لگتی ہے۔

marfat.com

............O............

اجودھن کہ جہاں کفر و شرک اور گمراہی و ضلالت کے سائے منڈلا رہے تھے' اس مردِ کامل کی بدولت مرکزِ حق و صداقت بننے والا تھا۔ تاریکیوں کے مٹنے کا وقت آ پہنچا تھا کیونکہ بابا فرید تبلیغ اسلام کی شمعِ ایمانی جلا کر اس ظلمت کدے کو منور کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اجودھن ان دنوں ایک جنگل کا نقشہ پیش کر رہا تھا' جہاں انسانوں کی نسبت حشرات الارض کثرت سے بستے تھے۔ اس کے اطراف و جوانب میں کفار اور مشرکین کی بستیاں تھیں۔ خدا کی رحمت کا بھی عجیب عالم ہے۔ رحمت ایزدی اپنے ظہور کیلئے ان علاقوں کو منتخب کرتی ہے جہاں گمراہی و جہالت کا سب سے زیادہ زور ہوتا ہے۔ مردانِ خدا انہی پسماندہ علاقوں میں ڈیرے ڈالتے ہیں اور پھر یہی غیر آباد اور غیر معروف علاقے ان اصحاب فکر و عمل کی نسبت سے مرجع خلائق بن جاتے ہیں۔

بقول شاعر مشرق:

؎ حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

اجودھن کے ظلمت کدوں کا مقدر جاگ اُٹھا تو قدرت نے یہاں حضرت بابا فرید کی معرفت تبلیغ دین مصطفوی کا اہتمام کر کے اسے پاکپتن کے مقدس نام سے موسوم کر دیا۔ اجودھن میں مستقل قیام سے پیشتر بابا صاحب کھتوال میں اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر خلق خدا کے اژدہام کے باعث زیادہ عرصہ وہاں ٹھہر نہ سکے تھے۔ اجودھن میں عوام ان پڑھ' گھٹیا' بدمزاج اور ضعیف الاعتقاد تھے۔ ایک ولی اللہ کیلئے ریاضت و عبادت اور مجاہدہ کی خاطر اس سے بہتر پُر سکون جگہ اور کہاں ہو سکتی تھی' قصبہ سے باہر درختوں کے جھنڈ کے نیچے آپ نے مصلّے بچھا لیا۔ کچھ عرصہ تک آپ کی عبادت و ریاضت میں کوئی شخص مخل نہ ہوا۔ جلد ہی آپ کا مجاہدہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا' عزلت صحبت میں بدل گئی' آپ کے گھر کا دروازہ ہر کس و ناکس کیلئے کھول دیا گیا۔ آپ نے زائرین کا ہجوم دیکھ کر ارشاد فرمایا:

"میرے پاس اکیلے اکیلے آؤ تا کہ میں ہر شخص کو توجہ دے سکوں"۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود کی شہرت اب چاروں طرف پھیل رہی تھی' گمراہی و جہالت کے سائے سمٹنے لگے تھے' دلوں کو انوارِ ایمانی کی بدولت روشنی عطا ہو رہی تھی' کافر حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے اور جو مسلمان جادۂ حق سے بھٹک چکے تھے وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو رہے تھے۔ دیکھتے ہی

marfat.com

دیکھتے اس علاقہ میں حیرت انگیز انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ یہ عظمت اسلام اور شعائر دین سے محبت کا انقلاب تھا۔ توحید اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزمے بلند ہو رہے تھے لیکن جہاں ایک زمانہ آپ کے فیضان نظر سے اپنا مقدر سنوار رہا تھا وہاں کچھ حاسدین بدباطن بھی آپ کے در پئے آزار ہو رہے تھے مگر آپ نے جوابی کاروائی کے بجائے معاملہ خدا پر چھوڑ دیا تھا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اغیار کی ریشہ دوانیوں کی بدولت وہ چراغ یقین کیونکر بجھ سکتا تھا جسے قدرت نے اس علاقہ کے ظلمت کدوں کو منور کرنے کیلئے جگمگایا تھا۔ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا' سماع چونکہ آپ کے مرشد اور جملہ شیوخ چشت کا پسندیدہ عمل رہا ہے۔ اس لئے آپ نہایت ذوق وشوق سے محافل سماع کا اہتمام فرمایا کرتے۔ اس ضمن میں آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "سماع انہی لوگوں کیلئے جائز ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو انہیں خبر نہ ہو"۔

ایک روز بابا فرید نے سماع کی خاطر قوال کو بلایا تو قوال موجود نہ تھا۔ آپ نے مولانا بدر الدین اسحاق کو قاضی حمید الدین ناگوری کا خط پڑھنے کا حکم دیا۔ خط میں حمد ونعت کے بعد لکھا تھا:

بندہ حقیر نحیف ضعیف۔ بندۂ درویشاں دریدہ خاکپائے ایشاں محمد عطا المعروف حمید الدین ناگوری۔

یہ سنتے ہی حضرت بابا فرید پر کیفیت طاری ہوگئی' جب مولانا نے خط میں درج یہ رباعی پڑھی تو حضرت بابا فرید پر وجد طاری ہوگیا۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
آں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ گرفتی زجمال
آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

علمائے ظاہر اور بداعمال افسران کیلئے حضرت بابا صاحب کو برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ کبھی سماع کو بہانہ بناتے اور کبھی آپ کے در پر زائرین کے ہجوم پر اعتراض کرتے۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ ان کی نام نہاد برتری کا طلسم خاک میں ملنے کو ہے۔ بابا فرید کی شہرت برصغیر پاک وہند

marfat.com

کو عبور کر کے دور دراز کے ملکوں سے لوگوں کو کھینچ لائی تھی۔ اجودھن کے قاضی آپ کی شہرت اور ہر دل عزیزی سے جلتے تھے اور ان کی انگیخت پر جاگیرداروں اور دوسرے سرکاری افسروں نے بابا صاحب کے افرادِ خاندان کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ بابا صاحب سب کچھ صبر و تحمل سے برداشت کر گئے' جب قاضی صاحب کی ہر کوشش بابا صاحب کی متحمل مزاجی کے سامنے ناکام ہو گئی تو انہوں نے علمائے ملتان سے بابا صاحب کے بارے میں ان الفاظ میں فتویٰ مانگا:

''ایک تعلیم یافتہ شخص جو وجد میں رہتا ہے۔ گانا سنتا ہے او ناچتا بھی ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے''۔

علمائے ملتان نے قاضی صاحب سے اس شخص کا نام دریافت کیا ہے' جب انہوں نے بابا فرید کا نام لیا تو وہ بیک زبان پکار اُٹھے:

''تم نے ایسے بزرگ کے بارے میں پوچھا ہے' جس کے خلاف کوئی مجتہد انگلی تک نہیں اُٹھا سکتا''۔

قاضی اجودھن کے حسد کی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔ اس ذلت و رسوائی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے بابا صاحب کو شہید کرانے کیلئے کرائے کے قاتل کی خدمات حاصل کیں جو کپڑوں کے نیچے خنجر چھپا کر بابا صاحب کے آستانے پر جا پہنچا۔

شیخ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ بیان فرماتے ہیں:

''ایک دن شیخ الاسلام فرید الدین صبح کی نماز کے بعد سجدے میں گر گئے۔ وہ اکثر اسی طرح سجدے میں کچھ وقت گزارا کرتے تھے۔ چونکہ موسم سخت سرد تھا' آپ پر ایک پوستین ڈال دی گئی۔ اس وقت بابا صاحب کے پاس میرے سوا کوئی خادم موجود نہ تھا۔ اچانک ایک آدمی آیا اور اس نے زور سے السلام علیکم کہا۔ بابا صاحب بھی چونک پڑے اور پوچھا کون ہے؟ میں (نظام الدین اولیاء) نے جواب دیا حضور میں ہوں۔ اس پر بابا صاحب نے فرمایا جو شخص آیا ہے وہ درمیانے قد اور ہلکے زرد رنگ کا ترک ہے' جب میں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ ہو بہو ویسا ہی تھا' جیسا بابا صاحب نے فرمایا تھا' میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور یہ شخص ایسا ہی ہے۔ پھر بابا صاحب نے پوچھا اس کی کمر پر زنجیر ہے' جب میں نے دیکھا تو اس کی کمر پر زنجیر بھی تھی' میں نے جواب دیا حضور زنجیر بھی موجود ہے پھر آپ نے پوچھا کیا اس نے کانوں میں کچھ پہن رکھا ہے' چنانچہ میں نے جواب دیا حضور اس کے کانوں میں بالیاں ہیں۔ چنانچہ بابا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کہو ذلیل ہونے سے پیشتر چلا

marfat.com

جائے۔آپ کا یہ کہنا تھا کہ وہ شخص سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اُٹھا اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا"۔

کرائے کا یہ قاتل سیدھا قاضی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا ایسے مردِ خدا کو قتل کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد بھی قاضی حضرت بابا صاحب کے فرزندوں کو تنگ کرتا رہا' جب انہوں نے بابا صاحب سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا "تم عنقریب دشمنوں سے نجات پا لو گے' کچھ عرصے بعد دشمن تتر بتر ہو گئے اور جو رہ گئے وہ آپ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ ہو گئے۔ مذکورہ قاضی کا جانشین بھی اپنے پیشرو کی طرح ظالم' حاسد اور کینہ پرور تھا' اس نے اجودھن کے حاکم کو بھی بابا صاحب کے خلاف کاروائی پر اُبھارا۔حاکم نے بابا صاحب کے صاحبزادگان کو تنگ کرنا شروع کیا تو ایک روز آپ کے بڑے فرزند نے انتہائی بے بسی کے عالم میں آپ سے کہا:

"آپ کے روحانی فضل و کرم کا ہمیں صرف اتنا فائدہ پہنچا ہے کہ حاکم نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے"۔

آپ سے صاحبزادے کی آزردگی دیکھی نہ گئی' طبیعت میں جلال آ گیا اور اپنا عصا زمین پر دے مارا' ادھر عصا زمین پر لگا ادھر حاکم کے پیٹ میں شدید درد اُٹھا اور شدت کرب سے چلانے لگا "مجھے شیخ فرید الدین کے پاس لے چلو"۔لوگ اسے چارپائی پر ڈال کر بابا صاحب کی طرف لا رہے تھے کہ راستے ہی میں انتقال کر گیا۔

............O............

اب سازشوں' ریشہ دوانیوں' حاسدانہ کاروائیوں اور ستم کاریوں کا دور لد چکا تھا۔آپ کے علم و فضل اور غیر معمولی ہردلعزیزی سے جلنے والے یا تو اپنے آتش حسد میں جل کر خاک ہو چکے تھے اور یا تائب ہو کر آپ کے دامانِ شفقت سے منسلک ہو چکے تھے۔خلقت تھی کہ اکناف عالم سے کھنچی چلی آ رہی تھی۔سخت عبادت و ریاضت اگرچہ آپ کا خاصۂ حیات تھا مگر آپ مجلس آرائی کیلئے وقت نکالتے۔آپ کے ارشادات عالیہ سن کر اصحاب علم کو یوں محسوس ہوتا کہ علم و فضل کے جواہر بے بہا لٹائے جا رہے ہیں۔طالبان شوق آگے بڑھتے اور ان جواہر پاروں کو اپنے دامان ادراک میں محفوظ کر لیتے۔سماع کی محفلیں آراستہ ہوتیں تو قوال پاکیزہ کلام پیش کرتے۔آپ سماع کی حالت میں عالم جذب و تحیر میں کھو جاتے اور کئی کئی روز اسی عالم کیف و سرمستی میں گزر جائے مگر اس حالت میں بھی نماز باقاعدگی سے ادا فرماتے تھے۔ایک بار آپ سے سماع کے حلال و حرام ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "سبحان اللہ ایک تو جل کر خاک ہو گیا اور دوسرا حلال و حرام

marfat.com

کے چکر میں ہے۔ سماع راحت قلوب ہے اور اہل دل کے دلوں میں حرکت پیدا کرتا ہے اور عشق الٰہی کی آگ کو بھڑکاتا ہے"۔

اجودھن میں ان دنوں ایک جوگی بشمبر ناتھ کا بہت شہرہ تھا مگر وہ حضرت بابا صاحب فرید کی شان جلالت کی تاب نہ لا کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور شیخ کمال کا نام پا کر بابا صاحب کی نسبت سے صاحبان بصیرت میں شامل ہو گیا۔ اس جیسے بے شمار خلق خدا کو گمراہ کرنے والے شعبدہ باز آپ کے سامنے آئے تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کے لطف کریمانہ کے اسیر ہو گئے۔ پنجاب کے جو قبیلے آج مسلمان نظر آتے ہیں ان سب نے حضرت بابا فرید کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں میو، سیال، وٹو، وڑائچ، چیمے، گوندل، جھب، رانجھے، ٹوانے، کھوکھر، ڈوگر اور کمبوہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اگر آپ حکمت ایزدی کے مطابق دہلی سے نہ نکلتے تو شاید یہ علاقہ اس طور انوار و تجلیات چشتیہ سے فیضیاب نہ ہو پاتا۔

آپ کے کم و بیش بائیس خلفاء ایسے ہوئے ہیں جو دنیائے معرفت میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے سلسلۂ تبلیغ کی بدولت مشرق وسطیٰ میں اسلام کی اشاعت کی اتنی سعادت شاید ہی کسی اور بزرگ کے حصے میں آئی ہو۔ جملہ تذکرہ نویس اس امر پر متفق ہیں کہ آپ اگر پاکپتن میں شمع معرفت روشن نہ کرتے تو یہ علاقے نجانے کب تک کسی دانائے راز کی آرزو میں کفر و ضلالت کی آماجگاہ بنے رہتے۔

............O............

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو شہباز طریقت قرار دیا تھا۔ آپ کی روحانی پرواز لاہوتی تھی۔ صبر و رضا اور خودی و استغناء کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اپنے مریدین کو بھی انہی صفات کی تلقین کیا کرتے تھے اور امرائے وقت کو بھی ان کے فرائض کا احساس دلانے میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا کرتے تھے۔ تحمل، بردباری، قناعت، توکل، تقویٰ، ورع، عشق، ذوق و شوق میں آپ بے نظیر تھے۔ حسب ذیل رباعی بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے:

خواہم کہ ہمیشہ در رضائے تو زیم خاکی شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ ز کونین توئی از بہر تو میرم و برائے تو زیم

مریدوں کی روحانی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے۔ اس ضمن میں شریعت کے اصولوں

marfat.com

کی بالادستی کا خیال رکھتے۔ ایک روز مولانا جلال الدین ہانسوی جنگل سے ڈیلے اور مولانا بدر الدین اسحاق لکڑیاں لائے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے ان کو اُبالنے کیلئے چولہے پر چڑھا دیا اور بازار جا کر بقال سے نمک ادھار حاصل کر کے ڈیلوں میں ڈال دیا' جب دستر خوان بچھایا گیا اور جملہ مریدین کھانے بیٹھے تو حضرت بابا فرید نے لقمہ اُٹھایا اور یہ کہتے ہوئے واپس رکھ دیا کہ لقمہ طبیعت پر گراں گزرتا ہے' کوئی شبہ والی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر حضرت نظام الدین اولیاء نے جنگل سے ڈیلے لانے اور اُبالنے کی بابت ماجرا عرض کیا تو حضرت بابا فرید نے ایک لمحہ تامل کے بعد فرمایا ''نمک کہاں سے آیا'۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے دست بستہ عرض کیا ''یہ خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے کہ ڈیلوں کو ذائقہ دار بنانے کیلئے نمک قرض لا کر ڈال دیا''۔

حضرت بابا فرید نے ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا دوسرے فقراء میں تقسیم کر دو' پھر ارشاد فرمایا:

''درویش چاہے فاقے سے مر جائے
لذت نفس کیلئے قرض نہیں لے گا''

حضرت نظام الدین اولیاء نے اسی وقت دل میں عہد کیا کہ آئندہ قرض نہیں لوں گا۔
حضرت بابا فرید نے فوراً ان کی دلی کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''انشاء اللہ اب تم کو قرض لینے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی''۔

یہ تو مریدین اور فقراء کی روحانی وفکری تربیت کی جھلک ہے۔ آپ کو جب کبھی سلاطین سے مراسلت کرنا پڑی تو اس میں بھی عظمت استغناء اور شانِ فقر کا نمونہ پیش کر دیا۔ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آپ کی خدمت میں سلطان بلبن کے نام سفارشی خط لکھ کر دینے کیلئے حاضر ہوا' اس ضرورت مند کی حاجت درست تھی۔ آپ انکار نہ کر سکے اور آپ نے سلطان بلبن کے نام یہ خط لکھ کر اس کے حوالے کیا۔

میں نے اس شخص کی ضرورت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا پھر تیرے پاس بھیج دیا۔ اگر تو نے اس کو کچھ دے گا تو دین اللہ تعالیٰ کی ہو گی اور یہ تیرا شکر گزار ہو گا اور اگر کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہو گی اور تو معذور سمجھا جائے گا''۔

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کی طرف سے اس کا معتمد الغ خاں پانچ گاؤں کا پروانہ اور رقم لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے رقم تو فقراء میں تقسیم کر دی مگر پانچ گاؤں کا پروانہ یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ فقیروں کو ان چیزوں سے کیا واسطہ' یہ انہیں دے دو جو اس کے

marfat.com

ضرورت مند ہیں۔ سچ ہے:

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

آپ نے گنج شکر کا لقب پایا اور زندگی بھر خلق خدا کو شیرینیٔ حیات کی چاشنی عطا کرتے رہے۔ گنج شکر کے لقب کی شہرت کے کئی واقعات ہیں' جن میں سے ایک واقعہ طے کے روزہ کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ ایک واقعہ ان کے بچپن کا ہے۔ آپ کی والدہ نماز کی پابندی کروانے کیلئے آپ کے مصلّی کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں۔ آپ نماز پڑھ چکتے تو وہ فرماتیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں غیب سے شکر عطا ہوتی ہے۔ایک دن والدہ شکر رکھنا بھول گئیں مگر آپ نے مصلّی اُٹھایا تو شکر کی پڑیا موجود تھی' جب آپ نے والدہ کو یہ واقعہ سنایا تو وہ سمجھ گئیں کہ یہ سامان غیب تھا' انہوں نے اپنے بیٹے کو اسی دن سے گنج شکر کہنا شروع کر دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک سوداگر گاڑی پر شکر لادے اجودھن (پاکپتن) کے قریب سے گزرا تو راستے میں بابا فرید کھڑے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا لدا ہے؟ تو اس نے کہا کہ نمک ہے۔ آپ نے فرمایا ''اچھا نمک ہی ہوگا' سوداگر نے منزل پر پہنچ کر بورے کھولے تو ان میں شکر کے بجائے نمک تھا۔ پریشانی کے عالم میں واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جھوٹ بولنے پر معافی کا خواستگار ہوا' جس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''اچھا شکر تھی تو بوروں میں شکر ہی ہوگی''۔ سوداگر نے گھر پہنچ کر دیکھا کہ بوروں میں شکر بھری ہوئی تھی۔ شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

کانِ نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

غرضیکہ تلخابۂ حیات کو زندگی کی حقیقی مٹھاس عطا کرتے ہوئے حضرت بابا فرید نے دلوں کو معرفت کا ذوق بھی بخشا اور فقر و استغناء کے انداز بھی سکھائے کہ جب فقیر اس مقام پر آجائے کہ اس کی زبان تقدیر الٰہی کا پرتو بن جائے تو شاہانِ کجکلاہ کی طرف وہ آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا بلکہ بادشاہ تو خود اس کی رضا جوئی کے طفیل وارث تخت و تاج بنتے ہیں۔ الغ خاں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ادھر اس کے دل نے آرزو کی ادھر بابا فرید نے مستقبل کی سلطانی کا مژدہ سنا دیا۔ یہی الغ خاں تھا جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت نشین ہوا۔

marfat.com

برہان الواصلین سلطان العارفین
حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان جلیل القدر صوفیائے کرام میں ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی زبان کی تاثیر اور نظر کی قوت تسخیر سے اہل نظر کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔ آپ قادری سروری سلسلۂ طریقت کے نامور بزرگ تھے۔ آپ مادر زاد ولی اور سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فکری و روحانی وراثت کے امین تھے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کے مقامات قدسیہ اور محاسن دل کھول کر بیان کئے ہیں۔ آپ گفتار اور کردار میں اللہ کی برہان اور اپنے ارشادات کے حوالے سے احکام مصطفوی کے ترجمان تھے۔ آپ جب تک حیات رہے ایک زمانہ آپ کے روحانی فیوض و برکات سے اپنے دامانِ عمل کو بھرپور کرتا رہا اور آج جبکہ آپ آسودۂ لحد ہیں تو آپ کے مزارِ اقدس پر شب و روز عقیدت مندوں کا ہجوم آپ کے مرجع خواص و عوام ہونے کا ثبوت ہے۔ آپ کی یہ مقبولیت آپ کے روحانی مدارج کی سربلندی کا ثبوت ہے، جس کی طرف آپ کے ایک بیت میں یوں اشارہ ملتا ہے:

ظاہر باطن عین عیانی ہو ہو پیا سینوے ہو
نام فقر تنہا ندا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

ولادت باسعادت

آپ ۱۰۳۹ھ میں ضلع جھنگ کے قصبہ شور کوٹ میں عظیم صوفی بزرگ حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حضرت بازید محمد پابند صوم وصلوٰۃ، صاحب شریعت و طریقت بزرگ اور زہد و تقویٰ کی بلندیوں پر فائز تھے۔ آپ کی اماں محترمہ حضرت بی بی راستی بھی زہد و عبادت میں یکتا، بے ریائی و پرہیزگاری میں بے مثال اور تذکرہ نگاروں کے بقول ولیہ خاتون تھیں۔ آپ کے والد عالم فاضل ہونے کی بناء پر سلطنت مغلیہ کے عہدیدار تھے۔ حضرت

marfat.com

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو مادر زاد ولی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی بہت سے ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آئے۔ آپ کی روحانی تربیت میں آپ کے عظیم والد کے ساتھ ساتھ آپ کی ولیہ مادر محترم کا خاص دخل ہے کہ جن کی آغوش نے انہیں بچپن ہی سے منفرد و یکتا بنا دیا۔ انہوں نے آپ کو بچپن ہی میں وہ تمام مقامات سلوک طے کروا دیئے جو بہت سے صوفیاء کو پیری میں بھی نصیب نہیں ہوتے۔ آپ نے اپنی والدہ محترمہ کی عنایات کریمانہ اور روحانی تربیت کا اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔

لقب باہو

آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے بچپن کو ایک نظر دیکھتے ہی سمجھ گئی تھیں کہ ان کا یہ فرزند ایک روز آسمان طریقت و معرفت پر صورت شاہباز پرواز کرے گا۔ وہ جان چکی تھیں کہ ان کا یہ لخت جگر دنیاوی علائق سے بے گانہ ہو کر اپنے خدا سے لو لگائے ہوئے ہے۔ اس لئے انہوں نے آپ کا اسم گرامی ''باہو'' رکھا۔ یہ ایک منفرد اور نیا نام تھا جو اس سے پہلے کسی ولی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ آپ کو بھی اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے عطا کردہ نام اس قدر عزیز ہوا کہ آپ نے نثری کتب اور خاص طور پر اپنی معجزانہ شاعری میں نہایت شدت اور تواتر کے ساتھ اس نام کو استعمال کیا۔ خود فرماتے ہیں:

ع ...... فقیر باہو فنائی عین ذات باہو

اور ایک جگہ اپنے نام کی اہمیت یوں واضح کرتے ہیں:

ع ...... تو نمے دانی کہ باہو باخدا است

آپ کو اپنے نام کے تقدس اور اس کی انفرادیت کا احساس تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ آپ اس طرح سے فنا فی اللہ کے مقام پر فائز ہوئے کہ آپ کا نام اپنی پوری معنویت اور روحانی جامعیت کے ساتھ زبان زد عام ہو گیا۔

مادر زاد ولی

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ آپؒ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کی ولایت کے شاہد آپ کے والدین ہی نہیں بلکہ اہل قصبہ بھی تھے۔ بچپن میں ہی آپ کی ذات بابرکات سے جو غیر معمولی روحانی امور ظہور پذیر ہوئے' وہ آنے والے ادوار میں آپ کی سلطنت ولایت پر حکمرانی کی نوید سنا رہے تھے۔ آپ کے بچپن میں جب پہلی مرتبہ رمضان المبارک آیا تو آپ نے اپنی والدہ

marfat.com

ماجدہ کا دودھ نہ پیا۔ سحری سے لے کر افطاری تک دودھ نہ پیتے۔ گویا آپ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ روزہ دار ہونے کا حق ادا کر رہے تھے۔ اگلے رمضان المبارک میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کا چہرہ روشن آنکھیں منور اور پیشانی نور ایمان سے ضوفگن تھی اور بچپن ہی میں آپ کی ایمانی تجلیات کی یہ تاثیر تھی کہ جب دایہ کے ساتھ باہر نکلتے اور آپ کے چہرۂ انور پر کسی غیر مسلم کی نظر پڑ جاتی تو وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا۔ آپ کا ارشاد ہے:

رحمت حق بر روانِ راستی ...... راستی از راستی آراستی

سلسلہ کتب اور بیعت

چونکہ آپ بچپن ہی سے فیض ازلی سے بہرہ مند تھے' اس لئے بچپن ہی میں آپ پر روحانی واردات و جذبات الٰہی طاری ہونے لگے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ان تجلیات الٰہیہ کی کثرت کے سبب علم ظاہری حاصل کرنے کا کوئی وقت نہیں بچتا تھا لیکن علم باطن کی فتوحات اس قدر تھیں کہ تخیل و تصور میں نہ سما سکیں۔

اگرچہ نیست مارا علم ظاہر
زِ علم باطنی جاں کشتہ طاہر

علم تصوف اور سلوکِ طریقت کے موضوع پر آپ نے علوم باطن کے کشف سے فارسی اور عربی زبان میں ایک سو چالیس کتابیں لکھیں' جن کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اگر یقین کامل کے ساتھ ان کا مطالعہ کیا جائے تو راہِ سلوک میں طالبانِ حق کے لئے رہبر کامل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

باطنی طور پر آپ کی بیعت سب سے پہلے سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی' چنانچہ خود فرماتے ہیں:

دست بیعت کرد مارا مصطفٰیؐ
فرزند خود خواندست مارا مجتبٰیؐ

پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باطن ہی میں آپ کو حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا اور باطنی تلقین فرمائی۔ ان باطنی فیوض کے باوجود آپ کی والدہ کی فرمائش تھی کہ ظاہری مرشد کی بیعت بھی ضروری ہے۔ ایک طویل عرصہ تک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہنے کے بعد آخر کار آپ کو سلطان الاولیاء حضرت پیر عبدالرحمٰن قادری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں وہ مردِ کامل نظر آیا' جو ان کی روحانی تشنگی کا ازالہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت سلطان باہو

marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ نے اسی درویش خدا مست کے ہاتھ پر بیعت کر کے نئے روحانی سفر کا آغاز کر دیا۔

صاحب کراماتِ کثیرہ

چونکہ آپ مادر زاد ولی تھے' اس لئے آپ کی ذات سے بچپن ہی سے کرامات کا ظہور ہو رہا تھا۔ بچپن سے لے کر لحد میں آرام فرما ہونے تک آپ سے بے شمار کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے مریدین کے ہمراہ پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے اور مدتوں وہاں محو عبادت رہتے۔ ایک مرتبہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے زرخیز پہاڑی علاقہ کلر کہار پر تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ آپ کے ساتھیوں پر بھوک پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ سے شکایت کی۔ آپ نے مراقبہ سے سر اُٹھا کر فرمایا:

''براتِ عاشقاں برشاخِ آہو''

آپ کی زبان مبارکہ سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی فوراً ایک ہرن اپنے سینگوں پر کھانے کا دستر خوان اور پانی سے بھرا آبخورہ لٹکائے آ حاضر ہوا۔ آپ نے ساتھیوں کو کھانا کھانے اور پانی پینے کا حکم فرمایا' جب سب ساتھی اپنے شیخ کی سرکردگی میں کھانے سے فارغ ہو چکے تو ہرن غائب ہو گیا۔ آپ کے مرید حضرت سلطان نورنگ نے جب اپنے شیخ کامل کے باطنی تصوف اور روحانی کمالات کا یہ عالم دیکھا تو بے ساختہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے مصرع پر گرہ لگا دی کہ:

عجب دیدم تماشہ شیخ باہو...... براتِ عاشقاں برشاخ آہو

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی بے شمار کرامات اور کمالات پاکیزہ تذکروں اور سوانحی حالات میں مذکور ہیں۔ آپ نے گمراہوں کو نشانِ منزل عطا کیا۔ بے یقینوں کو ایمان کی دولت بخشی' دکھ درد کے ماروں کو ابدی سکون سے ہمکنار کر دیا اور اصنام کے پرستاروں کو عشق مصطفیٰ اور توحید خداوندی کی دولت سے بہرہ ور کر دیا۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے مردہ دل زندہ کر دیئے۔ کفر کی تاریکیاں چھٹنے لگیں' ایمان کے اُجالے چاروں طرف توحید خداوندی کے انوار لٹانے لگے اور زمانہ پکار اُٹھا کہ:

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی   بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

شاعری حقائق کا گنجینہ

سلطان العارفین قبلۂ عالم حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری فقط شاعرانہ کمالات کا

marfat.com

مرقع ہی نہیں ہے بلکہ یہ شاعری محبت الٰہی، عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تصوف و معرفت کا گنجینہ ہے۔ آپ کی شاعری گلہائے معرفت کا ایسا سدا بہار گلدستہ ہے کہ جس کا ہر پھول رُوحانی لطافت سے معطر ہے۔ آپ کے وصال کو صدیاں گزر گئیں اور شام ابد تک زمانہ اپنا سفر جاری رکھے گا مگر آپ کی لازوال شاعری بدر کمال کی صورت میں ہمیشہ جگمگاتی رہے گی۔ آپ کی شاعری میں ''باھو'' کی تکرار نہ صرف ایک ایمان آفریں تاثر بخشتی ہے بلکہ بندوں کو خدا سے واصل ہونے کے آداب بھی بخشتی ہے۔ اس لفظ کے ادا کرنے سے زبان کو چاشنی، فکر کو لذت اور ذوق کو حلاوت عطا ہوتی ہے۔ آپ کی شاعری ہمیشہ اہل ایمان کے لئے چراغِ منزل ایمان بنی رہے گی اور اہل دل آپ کی سیرت کے ساتھ ساتھ آپ کی شاعری کے انوار سے بھی دلوں کو منور کرتے رہیں گے۔ خود فرماتے ہیں:

جتھے ہو کرے رُشنائی اوتھوں چھوڑا اندھیرا دیندا ھو
دوئیں جہان غلام اس باھو جیہڑا ھو نوں صحیح کریندا ھو

سلطان العارفین کی تاریخ وصال یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ ہے۔ آپ کا مزار اقدس شورکوٹ ضلع جھنگ میں صدیوں سے مرجعِ خلائق ہے۔ طالبانِ شوق آپ کے مزار پر حاضر ہوتے اور حاجت براری کا سامان حاصل کرتے ہیں۔ آپ بلاشبہ سلطان العارفین ہیں کہ آپ نے معرفت خداوندی کی شمع کے اُجالوں سے تاریک قلوب کو انوارِ خداوندی سے اس طرح معمور کر دیا کہ یہی دل عرفانِ ذات الٰہی کے مظہر بن گئے۔ آپ کے مزارِ انور پر شب و روز اصحاب نظر کا ہجوم آپ کے لفظوں کے مطابق آپ کی حیات دوام کی دلیل ہے کہ اس مقام کا حقدار وہی ٹھہرتا ہے جو اللہ سے لو لگا لیتا ہے۔

چوداں طبق کرن رشنائی انھیاں کجھ نہ دِسے ھو
بانجھ وصال اللہ دے باھو ھو رسب کہانی قصے ھو

marfat.com

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سخی سرور بلاشبہ برصغیر پاک و ہند خصوصاً پنجاب کے اولیائے کبار اور صوفیائے عظام میں سے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل آپ کا حلقہ اثر اتنا وسیع تھا کہ بلاامتیاز مذہب و ملت سب قوموں کے لوگ اس میں نظر آتے ہیں۔ مسلم' ہندو' سکھ سبھی آپ کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ حضرت سخی سرور نے عبادت و ریاضت کے دوران میں پاک و ہند کے بہت سے شہروں کو نوازا ہے۔ ضلع گوجرانوالہ کے کئی شہروں مثلاً دھونکل' گوجرانوالا' ایمن آباد اور سوہدرہ سے بھی آپ کا تعلق رہا ہے۔ اسی حوالے سے آپ کے سوانح حیات رقم کرتے ہوئے ہم اس ضلع میں آپ کا قیام کا خصوصی تذکرہ کریں گے۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد عرب کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید زین العابدین بغداد سے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے اور ملتان سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی' جو آج کل شاہ کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ علاقہ کے دوسرے عوام کی طرح وہاں کا نمبردار پیرا رہان بھی آپ کا مرید ہو گیا۔ اور اس نے اپنی بیٹی بی بی عائشہ کی شادی آپ سے کر دی۔ شادی سے کوئی سال دو سال بعد ان کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا' جس کا نام سید احمد سلطان تھا اور جس نے آگے چل کر سید سخی سرور کے نام سے شہرت پائی۔ کم و بیش تمام تذکرہ نگار متفق الرائے ہیں کہ حضرت سخی سرور کا اصل نام سید احمد سلطان ہے اور آپ کو کئی ایک القاب سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً سخی سرور' لکھی خان' لالانوالہ' روہیانوالہ' پیر خانو' وغیرہ ان سب القاب سے عقیدت مندوں کو آپ کی سخاوت و دریا دلی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

آپ حسینی سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سے جا ملتا ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت کے بارے مختلف بیانات ہیں۔ تاہم زیادہ تر تذکرہ نگار اس امر پر

marfat.com

متفق ہیں کہ آپ ۵۲۳ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ آپ کم عمری میں اپنے والد سے علوم شرعی سیکھتے رہے۔ اور پھر ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے لاہور تشریف لائے۔ یہاں ان دنوں مولانا سید محمد اسحاق کا علم و فضل کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت سخی سرور نے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ایک ہونہار شاگرد کی طرح بتدریج علوم شریعت کے ارتقائی مراحل طے کئے۔

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کی شادی حاکم ملتان گھنو خان کی بیٹی بی بی بائی سے ہوئی تو آپ کی بیوی جہیز میں بہت زیادہ سازو سامان لے کر آئی۔ تمام امیروں کبیروں نے نذریں گزاریں لیکن حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ نے چند دنوں میں ہی تمام سامان' بے شمار دولت اور گھوڑے جوڑے غرباء میں تقسیم کر دیئے۔

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کو باطنی تعلیم کے حصول کا بے حد شوق تھا۔ والد کی وفات کے بعد آپ کو اپنے وطن شاہکوٹ سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ والد کی وفات' عزیزوں کی اموات اور خالہ زاد بھائیوں کی بے مروتی اور چیرہ دستی کو دیکھ کر آپ مجبور ہو گئے کہ وطن سے کہیں دور جائیں۔ اس کے علاوہ علوم باطنی کی تحصیل کا جذبہ دل میں گھر کر چکا تھا۔ اس لئے وطن سے نکلے تو بغداد میں غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پُر انوار میں جا کر دم لیا اور کئی برس ان کی صحبت میں رہ کر اکتساب فیض کیا اور جب وہاں سے وطن واپس لوٹے تو اپنے ہمراہ سلسلہ قادریہ بھی لائے۔ واپسی پر آپ نے اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی اور پھر پاک و ہند کے دوسرے علاقوں کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بالآخر کوہ سلیمان کے دامن میں اس جگہ رہائش اختیار کی جو آج کل آپ کے نام پر سخی سرور کہلاتی ہے۔

آپ نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی سے بھی روحانی فیض پایا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور انہی کے دست مبارک سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ غرض آپ ولی کامل بن گئے اور آپ سے خارق عادت افعال اور کرامات کا ظہور ہونے لگا۔

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد سے واپسی پر جن مقامات سے قیام کیا ان میں پاک و ہند کے دوسرے مقامات کے علاوہ ضلع گوجرانوالہ کے مقامات دھونکل' سوہدرہ' ایمن آباد اور گوجرانوالہ بھی شامل ہیں۔ اب ہم ان مضافات کا فرداً فرداً ذکر کرتے ہیں۔

marfat.com

سوہدرہ میں قیام

حضرت سخی سرور بغداد سے واپس آئے تو پہلے لاہور میں مقیم ہوئے اور یہاں پر علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سوہدرہ تشریف لائے' جو گوجرانوالہ سے چند میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی طرف وزیر آباد کے متصل واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دریائے چناب کے کنارے اپنا ڈیرہ جمایا۔ آپ شب و روز یادِ الٰہی اور ہدایت خلق میں مشغول رہتے تھے۔ نواحی علاقوں میں آپ کی ولایت کا چرچا ہوا تو گروہ کے گروہ فیض حاصل کرنے کیلئے آپ کے پاس آنے لگے۔ بے اندازہ روپیہ آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ لایا جاتا تھا لیکن آپ ساری کی ساری رقم غریبوں محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ خدا نے آپ کو بڑی قبولیت عطا کی تھی۔ خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آتے تھے لیکن کوئی ناکام و نامراد نہ جاتا۔ آپ گویا شمع معرفت تھے اور عقیدت مندوں کا ہجوم پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہوتا اور اپنی مراد حاصل کر کے روانہ ہوتا۔ یہی وہ دور ہے جس میں آپ نے اپنی غریب پروری کا مظاہرہ کیا اور سخاوت کے ایسے دریا بہائے کہ لوگ آپ کو سلطان سخی سرور اور لکھ داتا کہہ کر پکارنے لگے۔

جب تک آپ سوہدرہ میں مقیم رہے۔ خلق خدا آپ کی روحانی تعلیمات سے برابر بہرہ اندوز ہوتی رہی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے۔

دھونکل میں ورود

تذکرہ نگاروں کے مطابق یہ قصبہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ایک راجہ نے آباد کیا تھا۔ اس نے ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ جب اس راجہ کی حکومت جاتی رہی تو حضرت سخی سرور اس جگہ تشریف لا کر مصروف عبادت ہوئے۔ آپ کی برکت سے یہاں پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ شاہجہان کے زمانہ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کے عبادت خانہ پر ایک پختہ مسجد بنوائی اور چشمہ کی جگہ کنواں تیار کرایا۔ سکھوں کے عہد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پانی کی حفاظت کیلئے اس کنویں پر ایک گنبد تعمیر کرایا۔ حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت گاہ پر ہر سال ہاڑ کے مہینے کی پہلی جمعرات سے ساون کے مہینے کی پہلی جمعرات تک ایک میلہ لگتا ہے' جس میں اطراف ملک کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ آپ کی کرامت سے پانی کا جو چشمہ جاری ہوا تھا وہ کوڑھ کیلئے مفید بتایا

marfat.com

جاتا ہے، جس جگہ آپ نے یہاں عبادت کی تھی اس کو شاہجہان کے عہد میں ایک عظیم الشان دربار میں منتقل کر دیا گیا اور اس چشمے کو جس پر کنواں بنایا گیا۔ دلکش اور نظر افروز بنا دیا گیا۔ پہلے حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کا چڑھاوا اٹھائیس کنوؤں کے مالکوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جاتا تھا لیکن اب یہ دربار محکمہ اوقاف کی تحویل میں آ چکا ہے اور اس کا نظم و ضبط اسی محکمے کے سپرد ہے۔

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کے قیام دھونکل سے متعلق کئی واقعات مختلف کتابوں میں درج ہیں۔ ایک دن دھونکل کا نمبردار جوندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا حضرت میرا لڑکا دھونکل جس کے نام پر میں نے یہ گاؤں آباد کیا ہے۔ چند روز سے مفقود الخبر ہے۔ براہ کرم دعا کیجئے وہ میرے پاس آ جائے، آپ نے کہا جاؤ اور اطمینان رکھو لڑکا انشاء اللہ آج تمہارے پاس آ جائے گا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ لڑکا اسی روز باپ کے پاس آ گیا۔

آپ چند سال دھونکل میں مقیم رہے۔ تواریخ میں مرقوم ہے کہ دھونکل میں ایک جگہ سلطان سخی سرور کے نام سے منسوب ہے۔ یہ جگہ اگرچہ ہمیشہ زیارت گاہ خلائق رہی ہے لیکن موسم گرما میں برصغیر پاک و ہند کے مختلف گوشوں سے لوگ جوق در جوق یہاں آتے ہیں، نذریں گزارتے اور یہاں عبادت کرتے ہیں۔ کوئی دو مہینے تک اس جگہ زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ وہ لوگ جو آپ کے عرس میں شرکت کیلئے ڈیرہ غازی خان جاتے ہیں، وہ پہلے دھونکل میں آپ کی جائے قیام پر حاضری د یتے ہیں۔

گوجرانوالہ میں ایمن آباد میں آمد

اگرچہ سوہدرہ اور پھر دھونکل کی طرح آپ کا بیان زیادہ قیام تو نہیں رہا لیکن جس طرح ابر رحمت کسی جگہ کھل کر نہ برسے تو بھی گزرتے گزرتے چند چھینٹے ضرور برسا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ جب ان علاقوں سے گزرے تو یہاں کے عوام نے بھی آپ کے دامان رحمت سے خوشہ چینی کی اور اس ابر گوہر بار سے کچھ گہرہائے تابدار چن کر اپنے دامن تقدیر میں سجا لئے۔ آپ جب بھی ان علاقوں سے گزرتے تو گردونواح کے لوگ آپ کی راہوں میں دیدہ و دل فرش راہ کرتے ہوئے آپ کے استقبال کو موجود ہوتے۔ آپ کی شہرت برصغیر پاک و ہند میں اس قدر پھیل چکی تھی کہ شہر شہر قریہ قریہ، گاؤں گاؤں آپ کی کرامات مقدسہ کے چرچے ہوتے تھے اور دور دور سے متلاشیانِ منزل ایمان و عرفان آپ کی خدمت عالیہ میں حاضری دینا ایک بہت بڑی سعادت تصور کرتے تھے۔

آپ اگرچہ اپنے خالہ زاد بھائیوں کی دشمنی سے تنگ آ کر اپنی زمینوں کو خیر باد کہہ کر اپنے

marfat.com

اہل و عیال سمیت ڈیرہ غازی خاں کے کوہ سلیمان کے دامن میں ڈیرہ جما چکے تھے۔ لیکن ان بھائیوں نے یہاں بھی آپ کو چین سے نہ رہنے دیا' جس جگہ آپ نے قیام کیا وہ جگہ پہلے نگاہہ کہلاتی تھی لیکن بعد میں آپ کی نسبت سے سخی سرور کے نام سے مشہور ہوئی۔

آپ کے خالہ زاد بھائیوں نے اپنی قوم یعنی کھوکھر قبیلے کے بہت سے آدمیوں کو آپ سے بدظن کر دیا اور بالآخر اس قبیلے کے ہزاروں افراد نے آپ پر لشکر کشی کی تاکہ آپ کو شہید کر دیں۔ آپ کے چند وفادار مرید آپ کے ناموس پر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ خود مردانہ وار گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلے پر نکلے اور کوئی بہتر آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیئے۔ آخر دشمنوں نے آپ پر قابو پا کر بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا۔ حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن بیشتر تذکرہ نویسوں کے مطابق آپ کی تاریخ شہادت ۵۷۷ھ ہے۔

سید سرور و سخی احمد ...... بود سلطان عالم و والی

گفت سرور چو سال تاریخش ...... ہاتفش گفت سرور عالی

۵۷۷ھ

آپ کی یاد میں دھونکل کے میلے کے علاوہ پشاور میں جھنڈا میلہ' لاہور میں قدموں کا میلہ اور پار کا میلہ کے علاوہ ڈیرہ غازی خاں میں سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ جس میں ملک کے اطراف و اکناف سے آپ کے لاکھوں عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔

marfat.com

سلطان الاولیاء

حضرت میاں میر بالا پیر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند میں جن اولیائے کرام نے روحانی عظمتوں کے چراغ روشن کئے ہیں' ان میں سلطان الاولیاء حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ آپ نے اس وقت دلوں کو ذوق معرفت خداوندی سے آشنا کیا' جب مغل ملوکیت کا دور دورہ تھا اور عوام الناس ملوکیت کی چوکھٹ پر جبیں سائی کو اپنے لئے سعادت تصور کرتے تھے۔ حضرت میاں میر قادری وہ درویش خدا آگاہ تھے' جنہوں نے عوام کو بتایا کہ جو پیشانی خدا کے حضور جھکتی ہے وہ کسی کجکلاہ کے حضور خم نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اصل سلطانی اس بوریا نشین کی ہوتی ہے' جس کے سامنے تاج وتخت کے وارث جھکتے ہیں۔

آپ کی پوری زندگی اس حقیقت کی شاہد تھی کہ اصحابِ فقر کی عظمت و جلالت کا نقش کبھی بھی مٹ نہیں پاتا کیونکہ ان کا احترام ارادت مندوں کے دلوں میں نقش ہوتا ہے۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر پاک و ہند کے اہل یقین کے دلوں پر عظمت توحید و رسالت کا نقش ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یوں اُجاگر کر دیا کہ آج جب تاریخ تصوّف کا تذکرہ چھڑتا ہے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات قدسیہ کی خوشبو پھیلنے لگتی ہے۔

سچ ہے کہ:

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

خاندان

آپ کا اسم گرامی شیخ میر محمد ہے۔ دنیائے طریقت میں آپ حضرت میاں میر اور شاہ میر کے القاب سے مشہور ہیں۔ عقیدت و احترام سے ارادت مند آپ کو میاں جی بھی کہتے تھے۔ آپ کا

marfat.com

پیدائشی علاقہ ٹھٹھہ اور بھکر کے درمیان سیوستان ہے۔ آپ کے والد ماجد قاضی سائیں دتہ تھے' جبکہ آپ کے دادا کا نام قاضی قلندر تھا۔ آپ فاروقی نسب ہیں' آپ کے اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے درمیان اٹھائیس واسطے پائے جاتے ہیں۔ والدہ محترم کا نام بی بی فاطمہ ہے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے تین بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ تین بھائیوں کے نام یہ ہیں: قاضی یونس' قاضی عثمان' قاضی طاہر اور قاضی محمد۔ ہمشیرگان کے نام جمال خاتون اور بی بی باوی ہیں۔ حضرت میاں کے نانا قاضی قارن اپنے دور کے نامور عالم دین اور صاحب ولایت بزرگ تھے۔

ولادت باسعادت

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۹۵۷ھ بمطابق ۱۵۵۰ء ہے۔ جب آپ کی عمر سات برس کی تھی تو آپ کے والد محترم انتقال کر گئے۔ آپ کی پیدائش اپنے نانا جان قاضی قارن کے ہاں ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ بی بی نے حصولِ معرفت کیلئے اپنے والد سے بیعت کی تھی۔ زہد و تقویٰ کے لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری تھیں۔ جب حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے کشف سے معلوم کر لیا کہ یہ لڑکا معرفت کے اعلیٰ مراتب کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ پھر انہوں نے تہجد کی نماز کے بعد اللہ کریم سے دعا کی کہ یا الٰہی میں ایسا بیٹا مانگتی ہوں جو عارف' عبادت گزار اور شب و روز تیری یاد میں محو رہنے والا ہو۔ اس دعا کے بعد اس نیک خاتون کو آوازِ غیبی سنائی دی کہ تو نے ایک بیٹا مانگا ہے ہم ایک بیٹا اور ایک بیٹی تجھے اس صفت خاص کا دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت میاں میر محمد پیدا ہوئے' جس بہن کے ولیہ ہونے کی خوشخبری عطا ہوئی تھی ان کا نام جمال خاتون تھا اور وہ ایک بھائی کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔

تعلیم و تربیت

جب حضرت میاں میر کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے علم باطنی سیکھنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں روحانی سربلندیوں سے ہمکنار ہوئے تو والدہ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ مشاہدات اور مجاہدہ و ریاضت کیلئے دوسرے علاقوں کا سفر کر سکوں۔ والدہ سے رخصت عطا ہوئی تو آپ سیوستان کے پہاڑوں میں کسی مرد کامل کی تلاش میں گھومنے لگے۔ والدہ محترمہ کی جلائی ہوئی شمعِ حق تھی' جس نے آپ کو مسلسل تلاش حق و صداقت اور تلاشِ شیخ کامل میں مصروف عمل رکھا۔ یہاں تک کہ عارف باللہ فنا فی اللہ حضرت خضر سیوستانی (متوفی ۱۵۸۶ء/۹۹۴ھ)

marfat.com

سے ملاقات ہوئی۔ شیخ خضر سیوستانی سلسلہ قادریہ میں یگانہ آفاق اور ترک و تجرید میں منفرد تھے۔ حضرت میاں میر نے فوراً بیعت کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ حضرت خضر سیوستانی طریقت و روحانیت میں بے نظیر تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ آپ کو غوث وقت کہا کرتے تھے۔ حضرت خضر سیوستانی تارک الدنیا شخصیت تھے، مال و دنیا کی کوئی چیز جس پر علائق کا شبہ ہوتا تھا قبول نہیں کرتے تھے۔ جنگلی پھل ان کی خوراک تھی۔ لباس ایسا ہوتا تھا جو آپ کے جسم کو زانوں سے ناف تک ڈھانپتا تھا۔ سردیوں کے موسم کیلئے انہوں نے تنور تیار رکھا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں جلا کر تنور گرم کر لیتے۔ راتیں تنور ہی میں بسر کرتے۔ شہر کا رُخ نہیں کرتے تھے۔ تاہم سال میں ایک دو مرتبہ گھومنے پھرنے کیلئے شہر آیا کرتے تھے مگر اللہ کے سواء کسی سے آشنائی نہیں رکھتے تھے۔

ایک دن سیوستان کا حاکم ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تو دیکھا کہ دھوپ میں ایک پتھر کے اوپر یادِ خدا میں مستغرق بیٹھے ہیں۔ حاکم وقت کے قریب ہونے پر اس کا سایہ ان پر پڑنے لگا۔ آپ نے سر اُٹھایا تو حاکم وقت نے عرض کیا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی خدمت تو یہ ہے کہ اپنا سایہ مجھ سے دور کر دو اور دھوپ مجھ تک آنے دو اور دوسری بات یہ ہے کہ خدا وہ وقت نہ لائے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کا خیال دل میں پیدا ہو۔

حضرت شیخ خضر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آپ نے بہت جلد بلند روحانی مقامات حاصل کر لئے اور دل کو پوری طرح غیر اللہ سے جدا کر کے صرف اللہ کے ہو گئے۔ حضرت شیخ خضر سے روحانی فیوض آپ کو باقاعدہ مرید ہو کر حاصل ہوئے تھے۔ جبکہ آپ کو سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بلاواسطہ روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ حضرت غوث الاعظم نے آپ کو اپنی روحانی برکات سے مشرف فرما کر مرتبۂ کامل پر فائز کر دیا۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ سیدنا غوث الاعظم نے حضور محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جسم پاک سے بلاواسطہ صورتِ ظاہری میں تربیت حاصل کی تھی۔

ورودِ لاہور

جب حضرت میاں میر کو شیخ خضر علیہ الرحمۃ سے روحانی کمالات حاصل ہو گئے تو انہوں نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اب آپ جہاں جی چاہے جا کر رہیں، آپ کامل ہیں، چنانچہ شیخ سے اجازت حاصل کر کے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ لاہور چلے آئے۔ بعض تذکرہ نویس لاہور میں آپ کی آمد کا سلسلہ آپ کے شیخ کی وفات سے ملاتے ہیں کہ حضرت خضر واصل

marfat.com

باللہ ہوئے تو اس وقت آپ عازم لاہور ہوئے تھے۔ لاہور آ کر آپ حضرت مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں بڑے جید عالم اور علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے فاضل استاد کے زیر سایہ بہت جلد علوم معقول و منقول میں کمال حاصل کر لیا اور اپنے زمانہ کے تمام علماء پر بازی لے گئے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سعد اللہ کے علاوہ مولانا نعمت اللہ سے بھی علوم کی تحصیل فرمائی۔ مولانا نعمت اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس کئی سال تک پڑھتے رہے۔ آپ نے ہمارے تمام علوم حاصل کر لئے لیکن ہم پھر بھی آپ کے حالات سے واقف نہ ہو سکے اور یہ کمال راز داری آپ کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ لاہور میں آمد کے وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی جبکہ بعض تذکرہ نگاروں نے اس وقت عمر ۲۸ سال بتائی ہے۔ یہ جلال الدین اکبر ۱۵۵۰ء/ ۹۶۳ھ تا ۱۶۰۵ء/ ۱۰۱۴ھ کا دورِ حکومت تھا۔

عبادت و ریاضت

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا نمونہ تھی۔ آپ کا معمول تھا کہ لاہور میں آمد کے بعد دن کے وقت مشہور بزرگوں کے مزارات پر تشریف لے جاتے یا پھر ایسی جگہوں پر چلے جاتے جو سنسان اور ویران ہوں اور جہاں لوگوں کا گزر نہ ہو۔ اس طرح آپ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر یادِ الٰہی میں محو ہو جاتے۔ بعض اوقات مریدین اور معتقدین بھی ہمراہ ہوتے تو وہ بھی شیخ کی تقلید میں علیحدہ علیحدہ مقامات پر محو عبادت خداوندی ہو جاتے اور ذکر الٰہی میں اپنا وقت گزارتے لیکن جونہی نماز کا وقت ہو جاتا یہ سب حضرات ایک مقام پر جمع ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کو تنہائی بہت پسند تھی۔ اکثر آپ رات جاگتے ہوئے گزار دیتے اور حق تعالیٰ کے ذکر میں محو رہتے۔ آپ قبلہ رُخ ہو کر بیٹھا کرتے اور یہ اشعار اپنی زبان مبارکہ سے ادا فرماتے:

کسے غافل از حق یک زبان است
دراں دم کافراست انا نہاں است
کزیں غفلت بجاں پیوستہ بودے
در اسلام پہ ہر وقت بستہ بودے

marfat.com

ترجمہ: جو شخص ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو اس کا تمام وقت کافری میں گزرتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے عوام غافل ہیں۔ اگر اسی غفلت میں جان نکل گئی تو اسلام کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کئی سال تک بالکل نہیں سوئے۔ رات دن اللہ کے ذکر میں بسر ہوتے۔ حضرت میاں محمد مراد مفتی کی روایت کے مطابق جب حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ قادری کی عمر اسی سال سے زیادہ ہوگئی تو پوری رات میں صرف چار سانس لیتے تھے۔ خدا کی ذات پر آپ کا توکل انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ رات کے وقت کوزے سے پانی گرا دیتے تا کہ پانی پر سے توکل اُٹھ جائے۔ آپ کو خطرات قلبی کے علاج بہت یاد تھے۔ آپ کا دل اللہ کی یاد میں ہمہ وقت مصروف رہتا تھا۔ اس میں اتنی گنجائش ہی نہیں تھی کہ خدا کے علاوہ کوئی اور سما سکے۔ جب نگاہوں کے سامنے اور قلب و جاں میں اللہ اللہ ہی کی تکرار ہو اور ماسوا اللہ سے مکمل لاتعلقی ہو تو پھر اس دل میں توکل کی عملی تفسیر جس قدر بھی دکھائی دے کم ہے۔

''خزینۃ الاولیاء'' کے مطابق آپ عابد شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی۔ ''تحقیقات چشتی'' میں لکھا ہے کہ حضرت ایسے قابل فقیہ تھے کہ کوئی ہم عصر آپ کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

شہنشاہی فقیر کی چوکھٹ پر

تاریخ شاہد ہے کہ جن شاہان وقت نے اولیاء اللہ کی چوکھٹ پر حاضری کو اپنے لئے سعادت سمجھا ہے' وہی بقائے دوام کے حق دار ٹھہرے ہیں۔ مختلف اوقات میں کئی سلاطین' شہنشاہ اور امرائے سلطنت آپ کے حضور حاضر ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی ان سلاطین کے کروفر کو نہیں دیکھا اور ایک لحظہ کیلئے بھی ان کے جاہ و حشمت اور شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ جب بھی ضرورت پیش آئی' آپ نے ان بادشاہوں کے سامنے اعلانِ حق کہا' انہیں خلق خدا کی خدمت اور حقوق العباد پہچاننے کی تلقین کی۔

دارا شکوہ ''سکینۃ الاولیاء'' میں لکھتا ہے:

''جہانگیر بادشاہ اولیاء وصوفیاء کا معتقد نہ تھا۔ اس نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تو آپ سے اپنے ہاں تشریف لانے کی گزارش کی۔ آپ نے دعوت قبول فرما لی اور چلے گئے۔ بادشاہ نے کمال عزت و تعلیم سے آپ کا استقبال کیا اور وعظ و نصیحت کا خواستگار ہوا۔ آپ نے دنیا

marfat.com

کی بے ثباتی اور آخرت کی عظمت پر اس قدر مؤثر وعظ فرمایا کہ وہ مال و دولت شہنشاہی سب کچھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے بادشاہ! اپنے دل کی طرف توجہ کرو۔ حکومت اہم نہیں دل اہم ہے' اگر دل فقیر ہو جائے تو تصوف کا علم عطا ہو جائے گا۔ بادشاہ نے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے آپ عدل و انصاف اور اپنے جانشین پر توجہ دیں پھر دیکھا جائے گا۔ بادشاہ نے عرض کیا حضور میرے لائق کوئی خدمت؟ آپ نے فرمایا کہ کیا میں جو کچھ مانگوں کا تم دے دو گے۔ بادشاہ نے عرض کیا جی جناب ...... اس پر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور شانِ استغناء سے فرمایا کہ:

''اب مجھے اجازت دو' آئندہ مجھے تکلیف نہ دینا''۔

آپ تو یہ فرما کر چلے آئے مگر جہانگیر بادشاہ کے دل میں آپ کی عقیدت دو چند ہو گئی اور اس نے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کو خطوط لکھے' جن میں ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور اپنے لئے دعا کی بطورِ خاص درخواست کی تا کہ وہ دشمنوں اور فسادیوں کے شر سے محفوظ رہے۔

اور اسی طرح علامہ محمد اقبال نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نظم کیا ہے کہ:

آپ کے ارادت مندوں میں ہندوستان کا ایک بادشاہ جب دکن میں مصروف جنگ تھا تو کامیابی کی دعا کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی درخواست سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرید نے چاندی کے کچھ سکّے آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ایسے لوگوں کیلئے خصوصاً قابل توجہ ہے جو حصولِ دُنیا کو منزل مراد سمجھتے ہیں۔ مرید سے ارشاد ہوا کہ یہ سکّے اس بادشاہ کو دے دو جو بادشاہی کے لباس میں گداگر ہے۔ سورج چاند ستاروں پر حکومت کرتا ہے مگر اپنی حرص کی بدولت دنیا کے مفلس ترین لوگوں میں سے ہے۔ یہ دوسروں کے دستر خوان پر اپنی نظریں جمائے ہوئے ہے۔ اس نے اپنی فکر خام کی وجہ سے لوٹ مار کا نام تسخیر رکھا ہے۔ خود اس کا لشکر اور اس کے غنیم کا لشکر اس کی بھوک کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ فقیر کی بھوک کی آگ تو اسی تک محدود رہتی ہے لیکن بادشاہ کی بھوک کی آگ ملک و ملت کو فنا کر دیتی ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ جو غیر اللہ کیلئے تلوار اُٹھاتا ہے وہ خود اپنے سینے میں خنجر مارتا ہے۔

سلطان نور الدین جہانگیر کے بعد شہاب الدین محمد شاہ جہاں بھی آپ کے آستانہ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا۔ شاہجہان دو مرتبہ آپ کے حجرہ پر حاضر ہوا۔ دونوں مرتبہ اس کا بیٹا دارالشکوہ (مصنف سکینۃ الاولیاء) اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے ہر بار بادشاہ شاہجہان کو عدل و انصاف' خلق و مروت' صلہ رحمی' صلح جوئی اور انسانیت نوازی کی تلقین فرمائی۔

marfat.com

شاہجہان کہا کرتا تھا کہ میں نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کا درویش اس دنیا میں عبادت گزار ہوتے نہیں دیکھا۔ ایک بار جب شاہجہان ملاقات کو حاضر ہوا تو حضرت نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

بادشاہ عادل کا فرض ہے کہ رعایا کے حالات سے باخبر رہے۔ ملک کو ہر طرح کے دشمنوں سے بچائے اور سرحدوں کی خبر گیری رکھے۔ اپنی تمام ہمت رعایا کی بھلائی اور ملک کو آباد کرنے پر صرف کرے۔

اس کے علاوہ حضرت نے معرفت' طریقت اور دین اسلام کی تعلیمات ارشاد فرمائیں۔ حضرت نصیحت فرما چکے تو بادشاہ نے داراشکوہ کی چار ماہ کی پرانی بیماری کا تذکرہ کیا اور بڑی عاجزی اور منت سماجت سے بیماری کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ داراشکوہ کی بیماری ایسی پختہ تھی کہ ملک کے اعلیٰ درجہ کے حکیموں اور معالجین کے علاج کے باوجود بھی جان نہ چھوڑتی تھی۔ حکیموں نے داراشکوہ کو لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ بادشاہ کی درخواست کے جواب میں حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے داراشکوہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک پیالہ مٹی کا پانی سے بھرا ہوا منگایا اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر دم فرمایا اور داراشکوہ کو پینے کو کہا۔ اس پانی کو پینے سے ایک ہفتہ میں بیماری بہت حد تک جاتی رہی۔ کامل شفاء کیلئے آپ نے فرمایا کہ فلاں وقت' فلاں دن اور فلاں ساعت کامل شفا ہو گی اور واقعی اس دن اور ساعت کو داراشکوہ کو کامل شفا نصیب ہوئی۔

دوسری مرتبہ ملاقات پر شاہجہان نے عرض کیا کہ آپ توجہ فرمائیں تا کہ ہمارے دل سے دنیا کی محبت ختم ہو جائے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''بادشاہ! نیک عمل کرو اور مسلمانوں کے دلوں کو خوش رکھو' نیک اعمال کے بعد اپنے لئے دعا کیا کرو اور خدا سے خدا تعالیٰ ہی کو مانگو' خدا سے غیر خدا کو نہ مانگو۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

بادشاہ نے ایک دستار مبارک اور تسبیح پیش کی۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے دستار تو واپس کر دی اور تسبیح رکھ لی اور پھر وہی تسبیح داراشکوہ کی عقیدت مندی کے پیش نظر اسے عطا کر دی۔

داراشکوہ کی عقیدت مندی

داراشکوہ کی حضرت میاں میر سے عقیدت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ بالمشافہ ملاقات سے قبل

marfat.com

بھی داراشکوہ آپ سے غائبانہ عقیدت رکھتا تھا' جب بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت جی سے ملاقات کیلئے بالاخانہ کی طرف چڑھنے لگا تو داراشکوہ نے آپ کے آستانہ کو وادئ مقدس جان کر اپنے جوتے اُتار دیئے اور ننگے پاؤں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوران گفتگو میں حضرت میاں میر صاحب لونگ چبا چبا کر تھوک رہے تھے اور درباریوں کو تو یہ ادا ناگوار گزری لیکن داراشکوہ کو حضرت کے دہن مبارک کے چبائے ہوئے لونگ اس قدر پسند آئے کہ کمال ارادت سے اُٹھا اُٹھا کر کھانے لگا۔ لونگ چباتے ہی داراشکوہ کی عقیدت و اخلاص میں اضافہ ہونے لگا' روحانی برکات عطا ہونے لگیں حتیٰ کہ داراشکوہ خود کہتا ہے کہ:

''میں نے جو پایا سو پایا' یہ چیز بیان سے باہر ہے کہ میں نے کیا حاصل کیا' ان لونگوں کے چبانے سے میری زبان کو بیان کی قوت عطا ہوئی اور طبیعت کو کلام میں موزونیت حاصل ہو گئی اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت کو حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کے گداگروں میں اُٹھایا جاؤں''۔

بعد میں داراشکوہ تنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے سر کو آپ کے مبارک قدموں پر رکھ کر انہیں چومتا رہا۔ آپ نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھا اور اسے اپنی عنایات اور فیوض سے نوازنے لگے۔ داراشکوہ کا یہ رشتۂ عقیدت زندگی بھر آپ سے استوار رہا۔ آپ کے در کی گدائی کو اس نے ہمیشہ اپنے لئے دنیا کی بہت بڑی سعادت تصور کیا۔ یادگار تصنیف ''سکینۃ الاولیاء''، بھی داراشکوہ کے اسی حسن عقیدت کا شاہکار ہے۔

اصلاح و تربیت

آپ کے دور میں اُمت مسلمہ اخلاقی و روحانی طور پر انحطاط کا شکار ہو چکی تھی۔ دُنیا کی محبت میں عاقبت کا تصور رُخصت ہو چلا تھا۔ اکبر اعظم کا دین الٰہی اگرچہ ایک قصۂ پارینہ بن چکا تھا لیکن بعض مادیت زدہ ذہنوں پر ابھی تک اس کے اثرات بدظالب تھے۔ آپ نے اپنے کردار کی شمع روشن کر کے دلوں کو خدا آشنا کر دیا اور اہل طلب کو معرفت خداوندی کی دولت سے بہرہ ور فرمایا۔ آپ نے غیر شرعی رسوم اور جاہلانہ عادات و اطوار کو ختم کرنے کیلئے عوام کو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی سختی سے تلقین کی۔

ایک مرتبہ آپ نے خدا شناسی کے ضمن میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے فرمایا کہ اللہ تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ جذب ہے کہ اللہ تعالیٰ یک لخت اپنی جانب کسی کو کھینچ لے اور اپنے فضل سے کسی بندہ کو اپنا عرفان عطا فرما دے۔ دوسرا طریقہ سلوک ہے جس میں بندہ ریاضت و

marfat.com

مجاہدہ کے علاوہ کسی صاحب نظر سے ارادت مندی کا رشتہ جوڑتا ہے اور اس طرح طویل واسطوں سے اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیرانِ طریقت کا فرض ہے کہ اپنے ارادت مندوں کو مخلوق سے علیحدگی، خلوت گزینی اور دنیاوی لذات سے دستکش ہونے کی ترغیب دیں۔

آپ ریاکاری کی عبادت اور تصنع سے نفرت فرماتے تھے۔ اپنے نیاز مندوں کو بھی یہی نصیحت فرماتے کہ عبادت و ریاضت محض خدا کیلئے ہوتی ہے، خلق خدا میں ناموری حاصل کرنے کیلئے نہیں ہوتی۔ آپ کا لباس بھی عام درویشوں اور فقیروں کی طرح نہیں ہوتا تھا۔ گدڑی یا پیوند لگے ہوئے لباس نہیں پہنتے تھے کہ اس طرح فقیری کا غرور آتا ہے۔ کم قیمت دستار مبارک زیب سر رکھتے تھے۔ کھدر کے موٹے کپڑے پہنتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ ہمارے زمانے میں بہت سے لوگوں نے گودڑی کا استعمال اور کرامات کے اظہار کو مخلوق میں عزت و جاہ اور حصولِ مال کا ذریعہ بنا رکھا ہے کہ لوگ دیکھتے ہی کہیں کہ وہ درویش ہے۔ یہ محض خودستائی اور ریاکاری ہے۔

آپ بہت کم لوگوں کو بیعت کیا کرتے تھے لیکن جو ایک بار آپ کے دامانِ رشد و ہدایت سے وابستہ ہوگیا اسے ذرہ سے آفتاب بنا دیا۔ آپ فرماتے تھے کہ صوفی وہ ہے جس کا وجود فنا ہو جائے، کسی وزیر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور جب خاص وقت قبولیت ہو تو ایسے عالم میں مجھے بھی اپنی دعا میں یاد فرمایئے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس وقت پر خاک پڑے کہ جس وقت ماسویٰ اللہ کا خیال کروں اور خدا کی یاد دل میں نہ ہو۔

آپ خود بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل پیرا تھے اور مریدین پر بھی سختی سے توجہ فرماتے تھے۔ شریعت کے خلاف ایک قدم بھی باہر نہ نکالتے اور جلوت و خلوت میں کسی وقت بھی اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالتے جو شریعت کے خلاف ہوتا۔ اپنے مریدین کو مرید کہہ کر نہیں بلکہ دوست اور رفیق کہہ کر بلاتے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے عوام الناس کی اصلاح اور روحانی تربیت کیلئے انہیں سمجھایا کہ تمہاری نجات اسی صورت ہے کہ تم دین اسلام پر اس طور پر کاربند ہو جاؤ کہ تمہاری زندگیاں تعلیمات قرآن و اسلام کا عملی نمونہ بن جائیں۔

حضرت کے حسن اخلاق نے عوام کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ کوئی شخص حاضر خدمت ہوتا تو آپ اس پر اس قدر مہربانی فرماتے کہ وہ سوچنے لگتا کہ مجھ جیسی شفقت آپ نے کسی اور پر نہیں

marfat.com

فرمائی ہو گی۔ حالانکہ آپ کی شفقت ایک سمندر کی صورت تھی کہ جس سے ایک زمانہ سیراب ہو رہا تھا۔ آپ نے جہاں حکمرانوں کو ان کے فرائض اور خلق خدا کی خدمت کا پیغام دیا' وہاں عوام کو ان کے فرائض اور اخلاقی و روحانی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے فیض عام سے لاکھوں انسانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہو گئی۔ آپ نے اہل ایمان کو سمجھایا کہ انسان نفس' دل اور روح کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے۔ نفس کی اصلاح شریعت سے' دل کی طریقت سے اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سماع بھی سنتے تھے اور ہندوستانی زبان میں کہے گئے تمام اشعار کو خوب سمجھتے تھے۔ اگر کوئی قوال آ جاتا تو آپ قوالی سن لیتے' نہ آتا تو قوالی کا اہتمام نہ کرتے تھے اور نہ ہی قوالوں کو ہمیشہ ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بطور خاص سماع سننے کیلئے بھی کہیں نہیں جاتے تھے' جب قوالی سنتے تو شریعت کی اتباع میں کوئی وجد' رقص وغیرہ نہیں فرماتے تھے۔ جب کسی شعر میں طبیعت میں خوشی آتی تو اس خوشی کا اظہار آپ کے چہرے پر اس طرح ظاہر ہوتا کہ چہرہ نور کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

کرامات

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جب کوئی صاحب ایمان رضائے خداوندی میں ڈھل جاتا ہے اور اس کی زندگی مکمل طور پر منشائے ربانی کی تصویر بن جاتی ہے تو پھر اس کی زبان قدرت کی ترجمان بن جاتی ہے اور اس کی تدبیر تقدیر کا پرتو لے لیتی ہے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی رضائے الٰہی کے تابع تھی' اس لئے خدا نے آپ کو اس قدر نوازا کہ آپ جو کچھ زبان سے کہتے وہ رضائے الٰہی سے ہو جاتا۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کراماتوں کے اظہار کو مناسب نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسے درویشی کی تشہیر خیال کرتے تھے۔ آپ حتیٰ الامکان کراماتوں کو پوشیدہ رکھتے تھے پھر بھی وہ ظاہر ہو کر رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ آپ مزار کامران کے باغ کے سامنے دریا کے کنارے لیٹے تھے اور خدام پاؤں دبا رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک بڑا سانپ آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ نے فرمایا اسے آنے دو۔ سانپ قریب آیا تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ سانپ آپ کے حضور میں بلند ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا "خوب ایسا ہی سہی" سانپ اُٹھا تین مرتبہ حضرت کے گرد پھرا اور چلا گیا۔ خدام کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ سانپ نے کہا کہ تہیہ کر رکھا ہے کہ میں نے آپ کو دیکھوں گا

marfat.com

تو آپ کے گرد طواف کروں گا۔ جواب میں میں نے کہا ”بہتر ایسا ہی سہی“۔

ایک بار آپ زین خاں کے باغ میں تشریف فرما تھے۔ اس درخت پر ایک فاختہ چہک رہی تھی جس پر آپ بہت مسرور ہوئے۔ اسی دوران میں ایک شکاری نے آکر غلہ پھینکا تو فاختہ مرگئی۔ شکاری چلا گیا تو آپ کے کہنے پر ایک مرید مردہ فاختہ کو اُٹھا لیا۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ زندہ ہوگئی اور درخت کی اسی شاخ پر بیٹھ کر پھر چہکنے لگی۔ وہی شکاری پھر ادھر چلا آیا اور فاختہ کے دوبارہ شکار کیلئے ارادہ کیا تو حضرت نے منع فرمایا' وہ نہ مانا اور پھینکنا چاہا تو غلہ پوری شدت کے اس کی اپنی انگلی پر لگ گیا اور وہ شدت کرب سے زمین پر گر پڑا۔ آپ ازراہ شفقت قریب تشریف لائے اور اس شخص کو نصیحت کی کہ اگر تو فاختہ کو دوبارہ نہ مارے تو تیری انگلی ٹھیک ہوسکتی ہے۔ شکاری نے فوراً توبہ کر لی جس پر حضرت نے خصوصی توجہ فرمائی تو اس کا درد ایک آن میں جاتا رہا۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات تعداد میں کافی ہیں۔ آپ کے روحانی تصرفات کی شاہد کئی کرامات کا مطالعہ ذوقِ ایمانی کو تازہ کرنے کا باعث بنتا ہے لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ نے مردہ دلوں کو زندہ کر دیا' گمراہوں کو جادۂ حق پر گامزن کر دیا' بے یقینوں کو ایمان و یقین کی دولت عطا کی' جاہ پرستون اور مال و دولت کے پرستاروں کو خدا اور رسول خدا کی محبت بخشی' دل و جان کو معرفت آشنا کیا۔ غرضیکہ آپ نے اپنی تعلیمات اور کردار کی بدولت ایک ایسا انقلاب بپا کر دیا کہ جس کی بدولت بے شمار انسانوں کی زندگیاں ہدایت اور فوز و فلاح کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ اصلاح احوال کیلئے آپ نے جو کردار ادا کیا ہے حقیقت میں یہی آپ کی سب سے بڑی کرامت ہے۔

سرہند کا سفر اور علالت

لاہور کے اندر رہتے ہوئے جب آپ کا ذکر خیر عوام میں پھیل گیا اور عوام جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے تو آپ کو خلوت گزینی کے متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا اور آپ سرہند شریف چلے گئے' لیکن وہاں پہنچ کر آپ بیمار ہو گئے۔ پہلے گھٹنوں میں درد پیدا ہوا پھر سخت بیماریوں نے گھیر لیا۔ ایک شب آپ نے پیران پیر سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روحانی مدد چاہی۔ اسی رات سیدنا غوث الاعظم اور جناب خضر علیہ السلام کی تشریف آوری ہو گئی۔ آپ نے بیماری کی بابت عرض کیا تو حضرت غوث الاعظم نے اپنا ہاتھ میاں میر صاحب کے بدن مبارک پر پھیرا اور کشتی نما پیالہ جو پانی سے بھرا ہوا تھا آپ کو پینے کو دیا۔ آپ نے پی لیا تو (مکاشفہ کے بعد)

marfat.com

آپ صحت یاب ہو گئے۔ بیماری کے ان طویل دنوں میں کوئی شخص آپ کی عیادت کیلئے حاضر نہ تھا۔ سرہند شریف میں ایک بزرگ حاجی نعمت اللہ رہتے تھے۔ ان کو آپ کی صورت میں ایک مردِ کامل کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت میاں میر کی تیمار داری میں مصروف رہنے لگے۔

حاجی نعمت اللہ نے اس توجہ سے آپ کی تیمار داری کی کہ آپ کے فضلات اور بول براز اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا کرتے تھے۔ جب حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ صحت یاب ہو گئے تو حاجی نعمت اللہ کی عقیدت اور محبت دیکھ کر دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور ان پر خصوصی توجہ فرمائی اور ایک ہفتہ میں اعلیٰ مقام اور بلند درجہ پر پہنچا دیا۔ جب آپ سرہند شریف سے لاہور واپس آئے تو اہل شہر کو یوں معلوم ہوا کہ جیسے موسم بہار کی بہاریں لوٹ آئی ہیں۔

کہتے ہیں کہ آپ غوث الاعظم کا نام نامی بے وضو نہیں لیتے تھے۔ یہ آپ کی سیدنا غوث الاعظم سے عقیدت کا کمال تھا اور اسی عقیدت کا اثر تھا کہ سیدنا غوث الاعظم نے آپ کو بلاواسطہ روحانی سربلندیوں سے بھی نوازا اور جب آپ سرہند شریف میں بیمار ہوئے تو یہاں بھی آپ کی صحت یابی سیدنا غوث الاعظم کی خصوصی توجہ کے باعث ہوئی۔

وفات

جب لاہور شہر میں رہتے ہوئے آپ کو ساٹھ سال ہو گئے تو اسہال کی تکلیف شدت سے شروع ہو گئی۔ یہ تکلیف آپ کو پانچ دن تک برابر رہی۔ پانچویں دن ۷ ربیع الاوّل ۱۰۴۵ھ بمطابق ۱۶۳۵ء کو آپ کی روح مقدس نے جسم ناسوتی کی قید سے آزادی حاصل کر لی۔ اس روز منگل کا دن تھا اور محلہ خانی پورہ آبادی میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے جس حجرہ مبارک میں آپ کی سکونت تھی وہیں آپ کا وصال ہوا۔ ایک عظیم المرتبت درویش کامل کی روح اپنے مقام حقیقی کی جانب پرواز کر گئی۔ قطرہ سمندر سے ہم آغوش ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

دوران علالت میں لاہور شہر کا حاکم وزیر خاں ایک نامور طبیب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عیادت کے بعد علاج کیلئے عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم مطلق اللہ کریم کافی ہے۔ یہ کہہ کر وزیر خاں کو رخصت کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرض الموت میں بھی آپ کے پیش نظر اللہ ہی اللہ تھا۔

آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے دوستوں کے درمیان دفن کرنا۔ یہ جگہ ہے جہاں میاں

marfat.com

صاحب تھا اور حاجی سلمان اور بعض دوسرے حضرات کو دفن کیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی جگہ آپ کے وجود اقدس کو سپرد خاک کر دیا یا۔ آپ کے جنازہ میں عوام و خواص اور شہر و اطراف کے بے شمار مسلمانوں نے شرکت کی۔

مزار پاک

آپ کا مزار علاقہ میاں میر میں ہے۔ آپ کے مزار پر ایک خوبصورت گنبد ہے' مغرب کی جانب مسجد ہے' احاطہ مزار کافی کھلا ہے اور احاطہ کے ارد گرد چار دیواری ہے۔ آپ کے مزارِ مقدس کو داراشکوہ نے بنوانا شروع کیا تھا کہ وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ کچھ عرصہ تک مزار کی عمارت نامکمل رہی لیکن بعد میں اورنگزیب عالمگیر ایک مرتبہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا تو اس نے عمارت کو مکمل کروا دیا۔ آپ کے گنبد کے دروازے پر یہ تاریخ درج ہے:

سفر جانب شہر جاوید کرد...... چوں زیں لخت آباد دلگیر شد
خرد بہر سال و فاتش نوشت ...... بفردوسِ والا میاں میر شد

آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اہل دل یہاں حاضر ہوتے اور اپنی حاجت براری کا اہتمام کرتے ہیں۔

مآخذ

سکینۃ الاولیاء — شہزادہ داراشکوہ
سفینۃ الاولیاء — شہزادہ داراشکوہ
گلزار صوفیاء — عالم فقری
حضرت میاں میر — مراد حسین قادری

marfat.com

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

سلیمان تونسوی کے فیض کا اظہار دیکھا ہے
شہ اجمیر کی رحمت کو ہی ضوبار دیکھا ہے
سلیمان تونسوی نے یوں اندھیروں کو ضیاء بخشی
کہ مردان خدا کو رحمت رب علیٰ بخشی
زمانے کو انہوں نے لطف سے پرنور فرمایا
دلوں سے ظلمت اشرار کو ہے دور فرمایا
مریدوں کو نوازا اور جینے کی ادا بخشی
قلوب معرفت کو عظمت حق کی نوا بخشی
جو ان کے سامنے آئے انہی کا ہو کے رہ جائے
مرادیں جو بھی ہیں دل میں نہاں سرکار سے پائے
انہوں نے نور حق بخشا' عطا کی رحمت باری
انہی سے ہوگیا پھر معرفت کا سلسلہ جاری
رضا بھی ان کے الطاف و کرم کا ہے تمنائی
جو آیا ان کے در پر اس نے دل کی آواز پائی

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

مخدوم المشائخ

حضرت خواجہ محمد سلیمان چشتی تونسوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

جب بھی برصغیر پاک و ہند اور خاص طور پر خطہ پنجاب میں تبلیغ اسلام کے حوالے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کی خدمات کا تذکرہ چھڑتا ہے تو حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی خصوصی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ آپ نے خواجۂ خواجگان حضرت محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی مشن کو آگے بڑھایا۔ آپ کو خدائے کریم نے حسن صورت سے نوازا تھا۔ سیرت وکردار کی بلندیاں بھی کمال درجہ کی عطا ہوئی تھیں اس لئے جو بھی جوئندہ معرفت تونسہ شریف کا رخ کرتا آپ کا جلوہ اقدس دیکھتا تو پھر یہیں کا ہو کہ رہ جاتا۔ اس پر شاہ سلیمان تونسوی کا رنگ چڑھنے لگتا اور پھر وقت ایسا آتا کہ اسے وہ سب کچھ یہیں سے عطا ہو جاتا جس کا وہ متمنی تھا۔ یہ ایک سو یا ایک ہزار کی بات نہیں یہاں تو علاقے کے علاقے آپ کی روحانی پناہ میں آ چکے تھے اور دنیاوی و روحانی فیوض سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔

دلوں کی سلطنت پر فیض جاری تھا سلیمان کا
کہ نشہ فکر ایمانی کا طاری تھا سلیمان کا

شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں ایسے جلیل القدر نام دکھائی دیتے ہیں کہ عقل حیرت میں گم ہو جاتی ہے۔ سرزمین میرا شریف کے حضرت خواجہ احمد میروی' سیال شریف کے حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی' جلال پور شریف کے حضرت حیدر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف کے توسط سے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ایسے نام ہیں کہ جن میں سے ایک ایک سے ہزاروں لاکھوں نے توحید و رسالت کے گہرہائے گراں مایہ کے ساتھ ساتھ ولایت و معرفت کی کرنوں کے انوار حاصل کئے۔

خواجہ ترا دربار بھی کیا' عالی نشان تھا
جو شخص بھی آیا تھا وہی شاہ جہان تھا

marfat.com

مخدوم چشتیاں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ 1183ھ بمطابق 1764ء میں موضع گڑگوجی میں جو تونسہ شریف سے تیس میل مغرب کو ہے' پیدا ہوئے' والد ماجد کا اسم گرامی محمد زکریا خان تھا جو نیک اور صالح افغان تھے اور رمدانی' سالارانی قبیلہ کے سردار تھے۔ والدہ ماجدہ کا نام نامی بی بی زلیخا تھا جو حضرت محمد زکریا کے اپنے خاندان کی ایک خاتون اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھیں۔ آپ کی پیدائش کے متعلق کئی بزرگوں نے بہت پہلے ہی بشارتیں دیں۔ مشہور ہے کہ ایک گوشہ نشین درویش دور سے آپ کی والدہ ماجدہ کے سامنے آ کر تعظیم کرتا اور جھکتا۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس بی بی کے شکم سے وہ فرزند ارجمند تولد ہوگا جس کا نور مشرق سے مغرب تک دنیا کو روشن کرے گا۔

پیدائش کے تھوڑے دنوں بعد ہی آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا اور آپ دریتیم ہو کر مادر مہربان کی گود میں پلنے لگے۔ چار سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ نے مولوی یوسف جعفر کے سپرد کیا اور آپ نے ابتدائی پندرہ سیپارے ان سے حفظ کئے۔ پھر ایک عالم دین جو حاجی صاحب کے لقب سے مشہور تھے سے باقی پندرہ پارے اور فارسی کی ابتدائی کتابیں کریما' پند نامہ شیخ عطار وغیرہ پڑھیں۔ آٹھ سال کی عمر میں علاقہ سانگھڑ تشریف لے گئے اور فارسی نثر کی کتابیں میاں حسن علی سے ختم کیں۔ پھر تونسہ چھوڑ کر فارسی نظم کی کتابیں پڑھنے کے لئے میاں ولی محمد ارائیں کے حلقہ درس میں داخل ہوئے جو ان دنوں دریائے سندھ کے کنارے لانگہ نام بستی میں پڑھایا کرتے تھے۔ آخر کار علم کا شوق آپ کو کوٹ مٹھن شریف لے گیا جہاں حضرت قاضی محمد عاقل' خلیفۂ اجل حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کا بہت بڑا درس تھا۔ آپ نے عربی وہاں پڑھی اور قطبی تک تعلیم حاصل کی۔

حضرت شاہ فخر الدین دہلوی نے اپنے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے فرمایا تھا کہ ایک شہباز بلند پرواز کوہستان سلیمان سے اترے گا' وہی ملک سلیمان کا وارث ہوگا۔ اس کو تلاش کرو اور جتنی جلدی ہو سکے اسے شکار کرو۔ اس لئے خواجہ مہاروی ہر سال اس شہباز طریقت کی تلاش میں مغرب کی طرف سفر کرتے تھے جو اس وقت کوٹ مٹھن میں انہی کے خلیفہ کے پاس علم دین حاصل کر رہا تھا۔ ادھر حضرت شاہ سلیمان نے سن رکھا تھا کہ مہار شریف میں قبلہ عالم کے لقب سے مشہور ایک بلند پایہ بزرگ ہیں جو عام مجالس میں راگ سنتے ہیں اور ان کے مرید رقص کرتے ہیں۔ آپ کے خیال میں یہ فعل غیر شرعی تھا اس لئے انہوں نے ارادہ کیا کہ جب کبھی ملاقات کا موقع ملا انہیں اس سے روکنے کی کوشش کریں گے۔

marfat.com

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی اچ شریف آئے اور حضرت قاضی محمد عاقل اپنے شاگردوں کے ہمراہ اُچ شریف روانہ ہوئے۔ حضرت شاہ سلیمان نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور امر بالمعروف کے ارادہ سے دوسرے طالبعلموں کے ساتھ چل پڑے۔ ایک چھری ساتھ لیتے گئے کہ اگر نہ مانیں گے تو ان کا کام تمام کردوں گا۔ شکار کرنے گئے تھے لیکن خود شکار ہوگئے۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی ہیبت زدہ ہوگئے۔ جب خواجہ صاحب ان کے روبرو ہوتے تو وہ آپ کو غور سے دیکھتے تھے اور قاضی صاحب سے آپ کے بارے میں پوچھتے تھے۔ کئی دن خدمت بابرکت میں رہے مگر اپنا ارادہ پورا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخری دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت ہونے کے لئے سلام کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تو خواجہ صاحب نے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایسی توجہ فرمائی کہ آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ چھری ہاتھ سے گر پڑی۔ خواجہ صاحب دیر تک آپ کا ہاتھ پکڑے رہے اور اسی حالت میں آپ کو روضہ شریف کے اندر لے گئے اور بہت دیر تک چپ چاپ کھڑے رہے۔ پھر دروازہ بند کردیا' خود بھی بیٹھ گئے اور ان کو بھی بٹھا دیا لیکن ہاتھ نہ چھوڑا اور کچھ پڑھ کر آپ کے سینے پر پھونکا اور دونوں ہاتھ آپ کے سینے پر ملے' اس کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے اور علم حاصل کرنے کی تاکید کی۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات ہی نے آپ کی طبعیت میں انقلاب پیدا کردیا تھا۔ جب حضرت قبلہ ُعالم سوار ہو کر چلے گئے تو بڑی دیر تک وہاں حیران ہو کر کھڑے رہے۔ چاہا کہ دوڑ کر ان کے پیچھے چلے جائیں لیکن ہیبت نے دامن پکڑا اور بلا اجازت جانا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوٹ مٹھن چلے آئے اور تحصیل علم میں مشغول ہو گئے لیکن دل ہر لحظہ بے قرار رہنے لگا حتیٰ کہ حضرت قبلہ عالم کے عشق میں بیتاب ہو گئے اور ایک ماہ کے بعد مہار شریف روانہ ہوگئے۔ ہفتہ تک قیام کیا تو پیر ومرشد نے واپس ہونے اور علم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ آپ کوٹ مٹھن واپس آ گئے لیکن طبیعت میں عشق کی شدت بڑھتی گئی۔ آپ کا معمول تھا کہ ایک ماہ کوٹ مٹھن رہتے اور پھر مہار شریف چلے جاتے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم آپ کو ایک ہفتہ سے زیادہ اپنے پاس نہیں ٹھہرنے دیتے تھے۔ ایک بار کوٹ مٹھن کو خیر باد کہہ کر مہار شریف مستقل قیام کا ارادہ کیا تو حضرت قبلہ عالم نے روک دیا اور واپس جا کر علم حاصل کرنے کی تلقین کی اور یہ شعر پڑھا:

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

marfat.com

تحصیل علم سے فارغ ہو کر آپ نے سلوک الی اللہ کی تکمیل کے سلسلہ میں سخت مجاہدات اور ریاضتیں کیں۔ اگرچہ آپ مراد تھے یعنی حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خود تلاش کیا تھا اور بیعت سے مشرف کیا تھا لیکن آپ کے شوق کو مہمیز لگانے کے لئے آپ کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ ہر آزمائش میں پورا اُترے، ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ہمت و استقلال سے وادی محبت کی بادیہ پیمائی کی۔ یاد رہے کہ بیعت کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی، اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس چھوٹی سے عمر میں ہی قدرت آپ پر اس درجہ مہربان ہو چکی تھی کہ آپ اپنے روحانی راہنما کا دست عقیدت تھام کر ریاضت باطنی اور مجاہدات کی کٹھنائیوں سے گزرنے کے قابل ہو چکے تھے۔

الغرض آپ مجاہدات کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ پیرو مرشد کی نظر میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔ اسی دوران میں آپ کے بھائی یوسف خان کی مرگ ناگہانی آپ کی والدہ پر برق سخت بن کر گری اور آپ حضرت قبلہ عالم کے ارشاد کے مطابق اپنی مصیبت زدہ ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کرنے وطن مالوف واپس آئے۔ صرف بیس دن گھر رہے تھے کہ معشوق حقیقی کی تڑپ نے دل کو بے قرار کیا اور آپ اپنی شفیق ماں سے اجازت لے کر پھر مہار شریف آ پہنچے۔ اس کے بعد یہ معمول ہوا کہ والدہ محترمہ کو ملنے کے لئے کبھی کبھی وطن مالوف لوٹتے اور مہار شریف چلے آتے۔ اس عشق اور وارفتگی کی مثال مشکل سے ملے گی۔ بالآخر حضرت قبلہ عالم نے جب ہر طرح سے اپنے اس محبوب مرید کو کامل مکمل کر دیا تو خلافت واجازت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ یہ حضرت قبلہ عالم کی حیات ظاہری کے آخری لمحات تھے۔ جب امانت الٰہی کا بارگراں آپ کے تفویض کیا گیا تو روانگی کے وقت پیر روشن ضمیر نے چند وصیتیں کیں جن پر آپ زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ تبلیغ دین کے لئے ایک عرصہ گڑگوجی ٹھہرے۔ آپ کی ولایت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ پہاڑ کا محدود میدان طالبان کمال اور مشتاقان وصال کے لئے تنگ معلوم ہوا تو تونسہ شریف آ کر آباد ہو گئے یہی وہ مقدس قریہ ہے جسے آپ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آپ کے فیض کا سلسلہ لامنتہا ہے۔ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کی بڑی بڑی گدیاں آپ ہی کے خوان کرم کی خوشہ چین ہیں۔ آپ بہت بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق عادات ظہور میں آئے لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت احیائے سنت، تعمیر سیرت اور اصلاح امت ہے آپ کی زندگی اب بھی ہمارے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

marfat.com

شب جمعہ ۷ صفر ۱۲۶۷ھ آسمان ولایت کا یہ آفتاب جہانتاب ظاہری نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی کئی تاریخہائے وفات نکالی گئی ہیں سب سے عمدہ مادہ غربا نواز ہے۔ جو آپ کے مرید با اخلاص ابو الوفا محمد یار خواجہ کے ذہن کی تخلیق ہے۔ مولوی محمد حسین پشاوری نے تاریخ وصال اس طرح نکالی ہے۔

خواجۂ ما آں امام المسلمین
شہ سلیماں رحمت للعالمین
ہفتم ماہ صفر روز خمیس
جاں بجاناں داد آ نفس نفیس
روح ہائے اولیاء گرد آمدند
بہرسال نقل او آ ہے زدند
زاں بیاں نالہ کناں باہو دہائے
روح مولانائے گفتا ہائے ہائے
اے دریغا اے دریغا اے دریغ
گشت پنہاں آفتابے زیر میغ

............O............

اب ایک نظر آپ کے مشاغل عالیہ کو دیکھتے ہیں۔

ایک عرصہ تک شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کی وجہ سے آپ پر محبت الٰہی کا غلبہ ہوا' اس دوران میں کئی دفعہ سماع کی مجالس میں (جیسا کہ مشائخ چشتیہ کا معمول رہا ہے) شرکت کا اتفاق ہوا' تو آپ پر وجد کی غیر اختیاری حالت طاری ہوئی' اور بعض اوقات گھنٹوں بے خودی اور بیہوشی کی حالت میں پڑے رہے۔

جب آنجناب پر محبت الٰہیہ کا غلبہ ہوتا تھا اسی میں جذب ہو جاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں سے خون آمیز آنسو جاری ہو جاتے تھے اور بعض اوقات دو دو گھڑی تک بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے گویا کہ جان نہیں ہے اور نبض بھی بند ہو جاتی تھی اور جب اس حالت سے ہوش میں آتے تھے' آہ یا اف تک زبان پر نہیں لاتے تھے۔

اس عرصہ میں آپ نے منازل سلوک کو طے کیا' حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی توجہ اور

marfat.com

شفقت بھی آپ کے حال پر بہت تھی اور آپ کو اپنے پیر و مرشد سے ربط معنوی حاصل تھا۔ ادھر آپ کی والدہ ماجدہ بھی آپ کی جدائی میں بے قرار تھیں کیونکہ زمانہ طالب علمی سے اس وقت تک وطن واپس نہیں گئے تھے۔ چنانچہ آپ 1202 ھ/ 1784ء میں اپنے پیر و مرشد کے حکم سے اپنی والدہ سے ملنے گڑگوجی آئے لیکن تین ہفتہ سے زیادہ نہیں رہے۔ اس کے بعد 1205ھ/ 1790ء تک آپ صرف تین دفعہ اپنی والدہ سے ملنے وطن گئے۔ آخری مرتبہ جب والدہ سے ملنے کے لئے وطن جانے لگے اس وقت حضرت خواجہ نور محمد مہاروی موضع ماڑی شوق شاہ (بہاولپور) میں مقیم تھے۔ خواجہ محمد سلیمان کو الوداع کہنے کے لئے بستی سے باہر دور تک تشریف لائے اور رخصت کرتے وقت آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ شعر پڑھا

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ادھر خواجہ محمد سلیمان تونسوی وطن پہنچے ادھر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ جب علاج معالجہ سے مایوسی ہوئی تو بھری مجلس میں اپنے محبوب مرید خواجہ محمد سلیمان کو روہیلہ کے نام سے یاد کیا۔ آپ کے صاحبزادے نور الصمد نے عرض کیا اگر فرمان ہو تو میں خود جا کر ان کو لے آؤں۔ اس پر حافظ محمد جمال ملتانی نے صاحبزادے صاحب سے کہا کہ آپ اس علاقہ میں کبھی نہیں گئے مجھے اجازت ہو تو جاؤں۔ لیکن خواجہ نور محمد نے یہ دیکھ کر کہ وقت کم ہے منع فرما دیا۔ اُدھر خواجہ محمد سلیمان کی بیقراری بڑھی ہوئی تھی خود بخود مہار شریف روانہ ہو گئے اور شب و روز طویل مسافت طے کر کے چوتھے روز صبح کو مہار شریف پہنچ گئے۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان' حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں پہنچے تو خواجہ مہاروی کے ارد گرد خلفاء اور مریدین کا مجمع تھا۔ صاحبزادہ نور الصمد نے حضرت خواجہ کو اطلاع دی "محمد سلیمان آ گیا' آپ نے فرمایا الحمد للہ' حاضر خدمت ہوئے تو وطن اور والدہ کی خیریت دریافت کی۔

اس کے بعد تمام لوگوں کو رخصت کیا اور خواجہ محمد سلیمان سے فرمایا میرے سامنے بیٹھو۔ آپ نے تعمیل حکم کی چنانچہ یکم ذی الحج 1205 ھ/ 1790ء کی صبح سے 2 ذی الحج 1205ھ کی نماز عصر تک سامنے بٹھا کر توجہ فرماتے رہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے فرمایا:

تم آزاد منش آدمی ہو' اگر حق سبحانہ تعالیٰ تم کو اپنے خزانہ کا مالک بھی بنا دے کہ اسباب ظاہری و باطنی کے لحاظ سے سارا جہاں بھی فیض یاب ہونے لگے تو بھی اپنی آبائی زمین کے قطعات

marfat.com

کو ضائع نہ کرنا بلکہ اپنی ملکیت رکھنا۔ اپنے دروازے پر آنے والوں کو خواہ کیسے بھی ہوں ظاہری وباطنی امداد کے بغیر خالی واپس نہ کرنا۔ جس کسی کا ہاتھ پکڑنا' اس کو ضائع نہ کرنا' اگرچہ اس کی طرف سے تمہارے حق میں کیسی بھی ناشائستگی ظاہر ہو۔

دنیا داروں سے زیادہ میل جول نہ رکھنا' ہاں اگر ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں' کیونکہ فقراء کا دروازہ خدا کا دروازہ ہوتا ہے' عاجزوں اور سائلوں کو محروم نہ کرنا اور ہمیشہ غریبوں اور علماء کا مددگار رہنا' جو کچھ ہم سے اور بزرگان سلسلہ سے اور جناب حق سبحانہ وتعالی سے حاصل ہوا ہے اس کی حفاظت واشاعت کے لئے بزرگوں کے طریقہ کے مطابق کوشش کرتے رہنا۔

جب تک آپ کی صحت اچھی رہی آپ کا یہ معمول رہا کہ آپ ہر سال تونسہ شریف سے مہار شریف حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے عرس پر حاضر ہوتے۔ آپ کے ہمراہ سینکڑوں درویش اور فقراء ہوتے' آپ وہاں دو ماہ تک قیام کرتے۔ اس کے علاوہ ہر دوسرے سال حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے عرس پر پاک پتن شریف حاضر ہوتے لیکن اس دور کے اعراس' آج کل کے عرسوں کی طرف خرافات ومنکرات کے مجامع نہیں ہوتے تھے بلکہ صلحا وعلماء ومشائخ کے بابرکت اجتماع ہوتے تھے۔

عمر کے آخری چند سالوں میں بہ سبب ضعف بدنی آپ نے مہار شریف اور پاکپتن شریف کے سفر موقوف کردیئے اور ان آخری چند سالوں میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کا عرس تونسہ شریف میں منعقد کرتے رہے۔ انہی ایام میں آپ نے ایک روز صاجزادہ خواجہ محمود مہاروی نبیرہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بڑی حسرت سے فرمایا

اگر اس غلام کو بڑھاپے کا عارضہ نہ ہوتا تو پرندوں کی طرح اڑ کر حضرت قبلہ عالم کے مزار مبارک اور آپ لوگوں کی زیارت کرتا۔ کیا کروں کہ بدن میں طاقت نہیں اور ضعف بہت ہو گیا۔

شاہ صاحب کا علمی تبحر

شاہ محمد سلیمان صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ قرآن' حدیث اور فقہ پر ان کو پورا عبور تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلی کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردی اور امام اکبر کے بنیادی خیالات پر کافی غور وفکر کیا تھا۔

حدیث وفقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد

marfat.com

نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قبلۂ عالم کے عرس میں تشریف فرما تھے ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ آپ نے برجستہ ان کا شافی وکافی جواب عنایت فرمایا۔ اس مجلس میں مولوی خدا بخش صاحب (خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانی) بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنے برادرزادہ اور شاگرد مولوی عبدالغفار سے فوراً کہا کہ ان ارشادات کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ لو چنانچہ وہ سوالات اور جوابات جمع کر لئے گئے۔ خاتم سلیمانی میں اس رسالہ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اس سے شاہ صاحب کی وسعت نظری اور وسعت معلومات اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فقہ اسلامی کے مطالعہ پر خاص زور دیتے تھے۔

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب کا لنگر نہایت وسیع اور باقاعدہ تھا۔ کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ لنگر کے اہتمام کے لئے ایک پورا محکمہ تھا۔ پیارا نامی بلیہ بنئے مودی مقرر کیا گیا تھا' میاں علی محمد ہوتانی لانگری تھے۔ مستوفی حساب برخوردار خاں چاکی تھا' نور خان گرمانی' وکیل اور صلاح کا کام انجام دیتے تھے۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو ملا تھا۔ یہ پورا محکمہ لنگر کا انتظام کرتا تھا۔ لنگر میں کھانے کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ حجام' لوہار' موچی' دھوبی' آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے۔ اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانی درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہتی تھی۔ بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر سے مفت ملتی تھیں۔ مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے بغیر پوچھے اس کو دوا دے دی جائے۔ ایک مرتبہ خدا بخش لانگری نے عرض کیا "غریب نواز اس مہینے میں مودی نے پانچ سو روپے درویشوں کی دواؤں کے سلسلہ میں درج کیا ہے"۔ آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا فرمایا اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ دی جائے' کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپے کی کچھ حقیقت ہے۔ لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتے ملتے تھے۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لئے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ان کو اس کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ' سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا لیکن ایک سفید لنگی اور ایک گوسفند بھی عطا ہوتا تھا۔

خواجہ صاحب کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء' مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کو تمام ضروریات زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس

marfat.com

طرح دینی کام کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔ اصحاب تاریخ اس عظیم الشان لنگری نظام کے دوررس اثرات اور نتائج پر معلومات کی کمی کی بناء پر تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں پانچ سوفقیر رہتے تھے اور ان کے خوردونوش کا انتظام ہوتا تھا۔ خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحب کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ محمد سلیمان کا یہ کل نظام ایک مقصد کے ماتحت تھا' وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس وتدریس اور مشائخ کو تبلیغ و اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم فیض جگہ جگہ سے تونسہ میں آ کر جمع ہوتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے۔

حضرت شاہ محمد سلیمان نہایت ہردل عزیز بزرگ تھے۔ عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ مکان کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دیئے جاتے تھے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے رہتے۔ جب شاہ صاحب تونسہ سے باہر جاتے تو اسٹیشنوں پر معتقدین کے ہجوم لگ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ بٹھنڈہ کے اسٹیشن پر اس قدر خلقت جمع ہو گئی کہ گاڑی کو بہت دیر تک رکنا پڑا۔

شاہ صاحب کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔ قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیرداران کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعث فخر ومباہات سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت سے حاضری دیتا تھا۔ جاگیرداروں اور والیان ریاست کا یہ معمول تھا کہ تخت نشینی کے وقت آپ سے دستار بندھوایا کرتے تھے اور ان کی دعاؤں کو اپنے لئے سعادت تصور کرتے تھے۔

اپنے وصال تک حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی بیش از بیش توجہات آپ پر مبذول رہیں حتی کہ ایک روز حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے فرمایا:

''اس لڑکے نے ہم سے معارف الٰہیہ کے حاصل کرنے میں ہم کو حیران کردیا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو کتنا وسیع ظرف وحوصلہ دیا ہے کہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کی استعداد و قابلیت' اس سے زیادہ کی متقاضی ہوتی ہے۔

یہ پیر ومرشد کی نگہ کرم اور ان کے کمال اطاعت ہی کا صدقہ تھا کہ آپ کی شہرت نے

marfat.com

زندگی میں ہی انتہاؤں کو چھو لیا۔ آپ کی شہرت سن کر ہندوستان، سندھ، عرب، عجم، عراق، خراساں سے عوام آ آ کر بیعت ہونے لگے۔ اور گناہوں سے تائب ہو کر عارف باللہ کے مقام تک پہنچنے لگے۔ آپ سے بے شمار کرامات، تصرفات اور خوارق کا ظہو ہوا جن کا چرچا دنیا بھر میں ہے۔ کسی دوسرے بزرگ کو ایسا قبول عام نصیب نہیں ہوا۔ شاہان وقت اور نوابین ریاست عرض گزار رہتے تھے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لے جائیں مگر اس صاحب فقر نے اپنی خانقاہ میں ہی زندگی گزار دی۔

دور آخر میں آپ کی طرف مخلوق خدا کا اتنا رجوع ہوا کہ مشائخ متقدمین کی خانقاہوں اور ان کے رجوع عام کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ آپ کے خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے ہیں۔

جس قدر خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی بیعت کی گئی اور آپ کی بزرگی کی شہرت ہوئی اتنی خواجہ نور محمد مہاروی کی نہیں ہوئی۔ چنانچہ بلخ، بخارا، ایران، ہرات اور ہندوستان، سندھ اور حرمین شریفین تک سے لوگ حاضر ہو کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوئے۔

آج کے سجادہ نشینوں کے لئے آپ کا اُسوہ شمع ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ جس والا مرتبت ولی کامل کا ذکر وہ کرتے ہیں، اس کے کردار و سیرت کی جھلک ان کے اندر نظر آنے لگے۔ اگر ایسا ہو جائے تو خانقاہیں ایک مرتبہ پھر احیائے دین مصطفوی ﷺ کا گہوارہ بن جائیں۔

حوالہ جاتی کتب

۱۔ منتخب المناقب

۲۔ مناقب سلیمان

۳۔ نافع السالکین

۴۔ قصر عارفاں

۵۔ مرآۃ العاشقین

۶۔ مناقب المحبوبین

۷۔ سیارہ ڈائجسٹ، اولیائے کرام نمبر

۸۔ ماہنامہ سلسبیل اولیاء نمبر

۹۔ خواجہ محمد سلیمان اور اُن کے خلفاء

۱۰۔ راحۃ العاشقین

۱۱۔ تاریخ مشائخ چشت

marfat.com

زبدۃ العارفین حضرت

سید جماعت علی شاہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ

علی پور سیداں شریف

تاریخ اس ایمان افروز حقیقت کی شاہد ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی شمع ان مشائخ کرام اور صوفیائے عظام نے روشن کی ہے، جنہوں نے دلوں میں عظمت و شان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ روشن کر کے ظلمت کدۂ برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے کو نورِ ایمان سے جگمگا دیا۔ ان مشائخ وصوفیاء میں ایک سربلند اور تاریخ تصوف کے حوالے سے روشن نام سراج الاولیاء، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانیؒ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ جنہوں نے اپنے زہد وتقویٰ، عبادت و ریاضت اور جذبۂ تبلیغ اسلام کی بدولت اسلاف کی یادتازہ کر دی۔

اقلیم ولایت کے شہر یار حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانیؒ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹ محرم الحرام ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۰۔ اگست ۱۸۴۹ء بروز جمعرات علی پور سیداں شریف کے ایک مردِ درویش حضرت سید علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب بتیس واسطوں سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے بزرگ ۱۵۴۰ء میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ایران سے ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ بعد علی پور شریف کو اپنی روحانی توجہات کا مرکز بنا کر یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلانے لگے۔ پھر اسی خانوادے میں قطب یگانہ حضرت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جنم لیا، جن کے کردار کی عظمت، شخصیت کی دلآویزی اور اخلاص مومنانہ نے بے شمار انسانوں کو جادۂ حق پر گامزن کر دیا۔ سرکار لاثانی کا ہر عمل اور سیرت و کردار کا ہر پرتو اس حقیقت کا مظہر تھا کہ:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا

آپ کی دینی تعلیم اپنے گاؤں کے معروف عالم حضرت مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ ظاہری تعلیم کا اہتمام تھا، مولانا آپ کو قرآن و حدیث اور فقہ وتصوف کی تعلیم دیا

marfat.com

کرتے۔ آپ کی رغبت آہستہ آہستہ تصوف و روحانیت کی طرف زیادہ ہوتی گئی۔ اب آپ صوفیائے کرام کے احوال و واقعات کا مطالعہ فرمانے لگے اور آہستہ آہستہ آپ کا دل کسی مردِ کامل کی زیارت اور اس کی صحبت سے فیضیاب ہونے کیلئے مچلنے لگا۔ تصوف کے گہرے مطالعہ نے آپ کو قال کی منزلوں سے نکال کر صاحب حال کر دیا۔ آپ آغازِ شباب سے قبل ہی عرفانِ الٰہی کی ان کیفیات سے بہرہ اندوز ہو چکے تھے جن کے حصول کیلئے بعض صوفیاء کو اس وادیٔ پُر خار میں مدتوں مجاہدات کے دور سے گزرنا پڑتا ہے۔

رہبر صادق کی تلاش ہوئی تو چورہ شریف کے مرکز رشد و ہدایت سے ایک عالم کو فیضیاب کرنے والے ممتاز صوفی بزرگ سلطان الاتقیاء حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ قدس میں حاضر ہو گئے جو اصحاب طریقت کے نزدیک "باوا جی سرکار" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کیا حسن اتفاق ہے کہ انہی دنوں علی پور سیداں شریف سے آپ کے ہم نام، ہم فکر اور ہم ذوق سید بزرگ امیر ملت حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی "حضور باوا جی سرکار" کے آستانہ عالیہ پر جبین عجز و نیاز خم کئے حاضر ہو چکے تھے۔

خواجۂ خواجگان حضرت فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمۃ نے ایک نظر دیکھا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ مردِ صالح ایک روز شاہباز طریقت بن کر فقر و استغناء اور زہد و تقویٰ کی انتہائی بلندیوں پر اپنا بسیرا کرے گا۔ چنانچہ بارگاہ فقیر محمد چوراہی سے آپ کو ثانی اور لاثانی کے خطابات عطا ہوئے اور بہت جلد آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ صحیح معنوں میں وہ مردِ لاثانی ہیں جو ظلمت زدہ دلوں کو معرفت آشنا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ کچھ عرصہ کے بعد باوا جی سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرما دیا کہ علی پور سیداں میں مستقل قیام کرو اور اس پورے علاقہ کو معرفت الٰہی کے انوار سے ضوفگن کر دو۔ اس سے قبل باوا جی سرکار آپ کو خرقۂ خلافت اور بے پناہ روحانی نوازشات سے نواز چکے تھے۔

جب حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علی پور سیداں کو اپنی روحانی توجہات کا مرکز بنایا تو غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے طالبان شوق آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے علی پور سیداں کا غیر معروف قصبہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن اور بے شمار نگاہوں کا نور بن گیا۔ یہاں کے ویرانے آبادیوں میں بدل گئے اور علوم ظاہری و باطنی کے متوالے آپ کی صحبت کی تمنا لئے معروف شہروں سے نکل کر علی پور سیداں کی فضاؤں میں سرکارِ لاثانی کے ابدی و جاودانی فیوض ڈھونڈنے لگے۔ اب علی پور سیداں محض ایک قصبہ نہ تھا بلکہ مردہ دلوں کے

marfat.com

لئے مسیحائی، غمزدوں کیلئے روحانی قرار اور خستہ جانوں کیلئے اُمید و سرخوشی کا مرکز بن چکا تھا۔
اقبال نے شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

سرکار لاثانی کی نگاہِ کیمیا اثر نے مردہ دلوں کو حیات نو بخش دی، نامراد مایوس انسانوں کو جینے کے آداب عطا کئے۔ بے یقینوں کو یقین کا ادراک عطا کیا، راہ ہدایت سے بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ دلوں کو خود شناسی اور پھر خدا شناسی کی لذت بخش دی۔ دُکھ درد کے مارے ہوؤں کو زندگی کا سلیقہ و دیعت کر دیا۔ آپ کی گفتگو میں غضب کی تاثیر تھی، جو ایک بار آپ کی گفتار سے فیضیاب ہوتا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو کر رہ جاتا۔

آپ کا کردار شرعِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور احکامات قرآنی کی عملی تفسیر تھا۔ آپ احکامات شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا تھے اور اپنے مریدوں، ارادت مندوں اور چاہنے والوں کو بھی سنت رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کا درِ لطف و کرم سب کیلئے تھا۔ عوام بھی حاضر ہوتے اور خواص بھی، علماء بھی حاضر ہوتے اور مشائخ بھی۔ امراء بھی حاضر ہوتے اور فقیران فاقہ مست بھی۔ سب کو بقدر ظرف عطا ہوتا۔ گویا آپ کی عنایات اس سحابِ کرم کی صورت تھیں جو گلشنوں اور ویرانوں کو یکساں وسیع الظرفی سے سیراب کرتا ہے۔

آپ نے اپنی روشن کی ہوئی شمعِ ہدایت کی بدولت لاکھوں تاریک دلوں کو عرفانِ الٰہی کا نور بخش دیا۔ ایک زمانہ آپ کے فیوض ظاہری و باطنی سے خوشہ چینی کر رہا تھا۔ آپ کی خدمت میں اکابرین اُمت اسلامیہ بھی حاضر ہو کر نگاہِ لطف کے امیدوار ہوتے۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کہ جن کا آبائی شہر سیالکوٹ اسی علاقہ میں آباد تھا، کئی مرتبہ اس مردِ کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نے وقت کا غوث اور ولی اپنی نگاہوں سے دیکھنا ہو تو سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے۔ یہ انہی صوفیائے کرام کا فیضان تھا کہ اقبال کو کہنا پڑا کہ:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ایک مرتبہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگ شہنشاہِ ولایت حضرت پیر جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کچے اور سادہ حجرے کو دیکھ کر چلے آتے ہیں حالانکہ وہاں پر ذات باری تعالیٰ کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔ آفتاب ولایت شاہ سراج الحق چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سرکار لاثانی کو اللہ تعالیٰ نے ولایت و معرفت میں لامتناہی مقامات عطا

marfat.com

کئے ہیں۔ شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف کے نام پر دکانداریاں تو بہت لوگ کر رہے ہیں مگر صحیح معنوں میں ولی تو سرکار لاثانی پیر جماعت علی شاہ ہیں۔

والا قدر حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کا از حد احترام کرتے تھے۔ جب کوئی ارادت مند آتا اور آپ کا ذکر چھڑ جاتا تو امیر ملت بڑی محبت سے سرکار لاثانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ ”اس دور میں اگر کسی کامل صاحب فقر کی تلاش ہے تو پھر پیر لاثانی کے پاس جاؤ“۔

پیر جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کرامات کثیرہ تھے۔ دراصل جب مردِ مومن رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے تو اس کی ہر ادا حکم خداوندی کا پرتو بن جاتی ہے۔ بے شمار لوگ آپ کی کرامات کے راوی ہیں مگر ہمارے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ نے مردہ دل زندہ کر دیئے۔ اُمت اسلام کو پھر سے جادۂ حق پر گامزن کر دیا۔ آپ نے اپنے ہم نشین، درویشوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی، جس نے باطل قوتوں کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔ آپ کے حلقۂ صحبت میں جانے والے کو پہلا خوشگوار احساس یہی ہوتا تھا کہ وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے زمانہ میں پہنچ گیا ہے۔ آپ نے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو عام کیا اور قرآنی تعلیمات کو اپنے چاہنے والوں کے دلوں کی خلوتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بسا دیا۔

ایک عرصہ تک طریقت و معرفت اور شریعت مطہرہ کی خوشبو لٹانے کے بعد بالآخر یہ ماہتاب ولایت ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ بمطابق یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء لحد کی خلوتوں میں آسودۂ خواب ہو گیا۔ آپ کے وصال سے زمانے کو یوں احساس ہوا جیسے اس کی متاعِ عزیز اس سے جدا ہو گئی ہو۔ آپ کی تاریخ وصال یوں نکالی گئی:

با یزید عصر حاضر سید والا نسب	یعنی وہ سید جماعت شاہ لاثانی لقب
از سرِ ایمان لکھ سالِ وفات ان کا رضی	شاہِ جماعت بایزید عصر لاثانی لقب
	۱۹۳۹ء

آپ کا مزار پاک مرجع خلائق ہے۔ آپ کا مزار نہایت حسین و جاذب نظر ہے۔ اسلامی فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار آپ کے پوتے پیر سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں تعمیر ہوا۔

ہندوستان کے اس وقت کے معروف ماہر تعمیرات مستری حبیب اللہ کو بطور خاص بلایا گیا،

marfat.com

جنھوں نے نہایت عقیدت، جذباتی لگن اور روحانی انہماک کے اس مزار پاک کی تعمیر مکمل کی۔ مزارِ اقدس کے ساتھ ہی خوبصورت مسجد ہے۔ دربار پاک کا ماحول نہایت پاکیزہ اور مقدس ہے۔ اس کی ایمان افروز فضاؤں میں پہنچتے ہی بے اختیار روحانی پاکیزگی کے قلب وجان میں رچ جانے کا احساس ہونے لگتا ہے۔

سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی علم وعمل کا مرقع تھی، آپ کے ارشادات اور فرمودات نے ارادت مندوں کے دلوں کی بنجر کھیتیوں کو گلزار کی صورت بہار ساماں کر دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا فانی ہے۔ اس سے دوستی بے فائدہ ہے۔ دوست اس کو بناؤ جو لافانی ہے اور وہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ آپ فرماتے کہ دنیا ایک زہریلا سانپ ہے، پہلے اس کا علاج سیکھو پھر ساتھ رکھو۔ آپ فرماتے کہ علم کی مجالس جنت کے باغیچے ہیں۔ عقبیٰ کو بھول جانا دل کو زنگ آلود کرنے کے مترادف ہے۔ نماز کی پابندی کرنا قبر کے اندھیروں میں چراغ روشن کرنا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے سچائی چہرے کا نور ہے۔ تنہائی بری صحبت سے بہتر ہے۔ نیک بخت فکر آخرت کرتا ہے اور بد بخت کو دنیا کی فکر ہوتی ہے۔ ہر زخم کی دوا ہے مگر بداخلاقی کا کوئی علاج نہیں۔ آپ کی تعلیمات تواضع اور عجز پر مبنی تھیں۔ فرمایا کرتے کہ مایوس ہو کر فقر اختیار کرنے سے بہتر ہے کہ انسان اس سے پہلے ہی خدا کی طرف رجوع کر لے۔ ریاکاری سے پرہیز کرنا، صداقت کا سورج روشن کرنا ہے۔ آپ کا ہر ارشاد آپ کے عمل کی تاثیر سے زندگی پرور اور ایمان آفریں صداقت میں ڈھل چکا ہے۔

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

حضرت قبلہ پیر جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تین فرزند تھے۔ پیر سید فدا حسین شاہ، پیر سید خادم حسین شاہ اور پیر سید غلام رسول شاہ۔ آپ نے بڑے بیٹے پیر سید فدا حسین شاہ کو جانشین نامزد کرتے ہوئے ان کی طرف خصوصی توجہ فرمائی مگر وہ سرکار لاثانی کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ اب سرکار لاثانی کی پوری توجہ سید فدا حسین شاہ کے فرزند حضرت پیر سید علی اکبر شاہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ آپ نے اس ہونہار پوتے کی پیشانی پر طریقت کے چمکتے ہوئے انوار وآثار دیکھ لئے تھے اس لئے سرکار لاثانی نے اپنی نگرانی میں حضرت سید علی اکبر شاہ کی دینی، دنیاوی اور روحانی تربیت کا اہتمام کیا۔ آپ ہر لحاظ سے اس مردِ حقیقت آشنا کو اپنی روحانی امنگوں کا ترجمان اور سراپا فیضان دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک زمانہ شاہد ہے کہ سرکار لاثانی نے جیسا چاہا تھا ویسا ہی ہوا اور حضرت قبلہ پیر سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں اپنے عظیم المرتبت جد اعلیٰ کی روحانی

marfat.com

عظمتوں کے امین ثابت ہوئے اور جب سرکار لاثانی وصال فرما گئے تو دیکھنے والوں کو پیر سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آ کر وہی روحانی لطف عطا ہوتا تھا جو سرکار لاثانی کی روحانی مجالس کا امتیاز تھا۔ ارادت مندوں کو آپ کی شخصیت میں سرکار لاثانی کی جلوہ نمائی محسوس ہوتی اس لئے چاہنے والے دور دور سے حاضر ہوتے' آپ کی زیارت سے شاد کام ہوتے' روحانی فیوض حاصل کرتے اور آپ کی پاکیزہ مجالس سے اصلاح قلوب اور روحانی بالیدگی کا سامان حاصل کرتے۔

حضرت قبلہ پیر سید علی اکبر شاہ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ضلع سیالکوٹ اور ان تمام اضلاع اور قصبات میں پہنچے' جہاں آپ کے مریدین اور ارادت مند آباد تھے۔ ان پر پاکستان ی اہمیت اور حضرت قائداعظم کی عظمت واضح کی۔ آپ کے مریدوں میں ایک خاص تعداد کانگریس نواز مسلمانوں کی تھی۔ آپ نے ان کی نظریاتی اصلاح فرما کر انہیں تحریک پاکستان کیلئے سرگرم عمل کر دیا۔ اس ضمن میں آپ نے کانگریس اور کانگریس کی ہمنوا مسلم جماعتوں کے طلسم کو بھی پارا پارا کر دیا' جب پاکستان بن گیا تو آپ پھر سے حجرہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ آزادیٔ کشمیر کیلئے جدوجہد کا دور چلا تو آپ نے پھر بھرپور دورے کئے' چندے جمع کئے' مجاہدین کی بھرپور امداد کی اور اپنے مریدین کو رضا کارانہ طور پر جہاد کشمیر کیلئے آمادہ کیا۔ اس طرح جب ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاک و ہند جنگ ہوئی تو آپ نے لٹے ہوئے قافلوں کو ٹھہرانے کا انتظام کیا اور اپنے مریدین کو حکم دیا کہ جہاں بھی کسی مسلمان کو تکلیف میں دیکھو' اس کی مصیبت کو رفع کرنے کیلئے اپنے تمام وسائل صرف کر دو۔

حضرت قبلہ پیر سید علی اکبر شاہ حضرت سرکار لاثانی کے باطنی فیوض کا عملی نمونہ تھے۔ آپ نے مدتوں اس شمع معرفت کو روشن رکھا' جو آپ کے جد امجد نے روشن کی تھی۔ آپ نے شریعت اور طریقت کے امتزاج سے اپنے ارادت مندوں کی ظاہری و باطنی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ کی تاریخ وصال ۳ شعبان المعظم ۱۹۶۵ء ہے۔

آپ کو سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ اقدس کے جنوب مشرقی کونہ میں تقریباً ایک سو گز کے فاصلہ پر سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی تدفین کے بعد آپ کے صاحبزادگان حضرت قبلہ پیر سید محمد افضل شاہ جماعتی اکبری اور حضرت قبلہ پیر سید محمد فیاض حسین شاہ جماعتی اکبری کی نگرانی میں آپ کا خوبصورت مزار پاک تعمیر کرایا گیا' جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ اور تمام تر معنوی و صوری حسن لئے ہوئے ہے۔ سرکار لاثانی پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ پیر سید علی اکبر شاہ کے سالانہ عرس مبارک کی تقریبات ۱۴، ۱۵ جون کی تواریخ میں پورے روحانی تزک و احتشام سے منعقد کی جاتی ہیں' جن کی نگرانی آپ کے صاحبزادگان والا شان فرماتے ہیں۔

marfat.com

حضرت امیر ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ اور تحریک پاکستان

برصغیر پاک و ہند کے ظلمت کدوں کو نورِ اسلام سے منور کرنے کیلئے صوفیائے کرام کا کردار ہمیشہ باعث صد افتخار رہا ہے۔ یہ صوفیائے کرام چونکہ خود شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر اور عظمت ایمان و یقین کی فکر افروز تنویر تھے اس لئے ان کا اندازِ تبلیغ اس قدر متاثر کن اور طریق رشد و ہدایت اس قدر فکر افروز تھا کہ جو ان کے پیغام کو سنتا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کے دام محبت کا اسیر ہو جاتا۔ ان اولیائے کبار اور صوفیائے عظام نے ہر نازک مرحلہ پر اُمت مسلمہ کی راہنمائی کا حق ادا کیا۔ معاملہ تزکیۂ قلوب کا ہو یا اصلاحِ احوال کا' اپنے ارادت مندوں کی فکری و نظری راہنمائی کا مرحلہ ہو یا کفر و اسلام کی آویزش کا سلسلہ' ان فرزندانِ اسلام نے ہر دور میں اپنی روحانی بصیرت اور ایمانی صلاحیتوں کی بدولت سفینۂ اسلام کی اس طور ناخدائی کی کہ انسانی قلوب و اذہان مسخر ہوتے گئے اور اسلام کی روشنی سے ماحول کے ظلمت کدے ہی نہیں بلکہ دلوں کے تاریک ایوان بھی جگمگانے لگے۔

امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان صوفیائے عظام میں ہوتا ہے جو علمی لحاظ سے اسلاف کی یادگار اور عملی لحاظ سے دنیائے ایمان کا افتخار تھے۔ آپ ایک بے مثال فقیہ' نامور محدث' صاحب تدبر قائد' علم و عمل کی عظمتوں سے بہرہ ور روحانی پیشوا اور بے شمار انسانوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے شیخ طریقت تھے۔ آپ کی صلاحیتوں کا ایک زمانہ معترف تھا' جس طرف بھی گئے' اپنی خداداد روحانی و نظری صلاحیتوں کے نقوش جاوداں ثبت کرتے گئے۔ آپ کی کس کس صفت خاص کا تذکرہ کیا جائے' رب دو عالم نے آپ کو کتنے ہی خصائص عالیہ اور اوصاف حسنہ سے نواز رکھا تھا۔ آپ علم و حکمت کا ماہِ تاباں تھے اور ایک زمانہ مدتوں آپ کے فیض و برکات سے مستفیض ہوتا رہا۔ اس وقت درج ذیل مضمون میں ہمیں تحریک پاکستان کے حوالے سے آپ کے یادگار کردار کا تذکرہ مقصود ہے۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری نے جب اسلامیانِ ہند کی راہنمائی کیلئے

marfat.com

میدانِ عمل میں آنے کا فیصلہ کیا تو اس وقت مسلمان سیاسی اور سماجی طور پر بے پناہ محرومیوں کا شکار تھے۔ سات سمندر پار سے آنے والے سفید فام انگریز آقا برصغیر پاک و ہند کی قسمت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ پوری دنیائے اسلام میں سے بیشتر مسلمان ممالک یا تو سامراجی طاقتوں کے غلام تھے یا ان کی پالیسیاں غیر ملکی سامراجیت کی مصلحتوں کی اسیر تھیں۔ برصغیر پاک و ہند پر انگریز کے طویل دور حکومت نے آہستہ آہستہ اسلامیانِ ہند کے دلوں۔سے احساسِ زیاں ختم کرنا شروع کر دیا تھا مگر پھر بھی آزادی کے متوالے تھے کہ موت کی ابدی شاہراہوں پر دیوانہ وار رقص کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کو برطانوی تسلط سے آزادی دلانے کیلئے مختلف ادوار میں کئی تحریکات نے جنم لیا۔تحریک خلافت' تحریک مسجد شہید گنج' مجلس اتحاد و ملت' سمیت کتنی ہی تحریکات تھیں جو عشاق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا نذرانہ لے کر تاریخ آزادی کا بیش بہا سرمایا بن گئیں اور آزادی کی روشن راہوں کے مسافر یہ عزم لئے پروانہ وار شمعِ حریت پر نثار ہوتے گئے کہ:

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

ان ادوار میں لیلائے آزادی کی محبت کا دعویدار کوئی بھی حریت پسند خود کو ان تحریکات سے علیحدہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ حضور امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری کی نگاہِ دور بین یہ دیکھ رہی تھی کہ یہی تحریکات جو ظلماتِ کفر کے خاتمے کیلئے منظر عام پر آ رہی ہیں ایک دن یقیناً تحریک پاکستان کے عظیم نصب العین میں ڈھل جائیں گی اس لئے آپ نے انگریزی استبدادیت کے خاتمے اور سامراجی عزائم کی قلعی کھولنے کیلئے نہ صرف ان تحریکات کو کامیاب بنانے کیلئے مکمل اور بھرپور تعاون کیا بلکہ آزادی و حریت کے ہراول دستے کے قائد کی حیثیت سے فرزندانِ حریت کی ہر مقام پر درست اور صائب راہنمائی فرمائی۔

اسلامیانِ برصغیر آپ کو اپنا روحانی ہی نہیں بلکہ فکری و نظری راہنما تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۵ء میں راولپنڈی میں منعقد ہونے والی ایک عظیم الشان کانفرنس میں آپ کو اتفاق رائے سے امیر ملت منتخب کر لیا گیا۔ اس کانفرنس میں برصغیر کے ہر شہر سے مشائخ و علماء اور قومی سطح کے تمام قابل ذکر مسلم سیاسی قائدین جمع ہوئے تھے۔آپ کا یہ انتخاب بلاشبہ اس امر کی دلیل تھا کہ زمانہ آپ کو قیادت و سیادت کا حق دار تصور کر رہا تھا۔ آپ کو بھی اپنی قائدانہ ذمہ داریوں کا بخوبی احساس تھا۔ اس لئے آپ زندگی بھر اسلام دشمن قوتوں کے خاتمے اور برطانوی سامراج سے آزادی

marfat.com

کے حصول کیلئے پوری ایمانی تب و تاب کے ساتھ کوشاں رہے۔

پاکستان بلاشبہ اولیائے عظام کا فیضان ہے۔ سنی مشائخ و علمائے کرام نے اس کے حصول کی خاطر جو لازوال قربانیاں پیش کی ہیں وہ ہمیشہ تاریخ کے اوراق پر زریں الفاظ کی صورت میں فروزاں رہیں گی۔ حضرت سیدی امیر ملت محدث علی پوری کے علاوہ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی' حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں' حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی' پیر صاحب مانکی شریف' پیر صاحب زکوڑی شریف' حضرت پیر فضل شاہ جلال پور شریف' مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا سید غلام بھیک نیرنگ' حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی' حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری' حضرت مولانا ابوالحامد سید محمد محدث کچھوچھوی' حضرت سید پیر غلام محی الدین گولڑہ شریف' مولانا غلام محمد ترنم' مولانا عبدالغفور ہزاروی' مولانا عبدالستار خاں نیازی' حضرت خواجہ نظام الدین تونسہ شریف' مولانا سید احمد سعید کاظمی' حضرت خواجہ غلام سدید الدین تونسہ شریف' مولانا محمد عارف اللہ میرٹھی' صاحبزادہ محمد شاہ گجراتی' مولانا مفتی صاحبداد خاں' حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف' مولانا امجد علی اعظمی سمیت کتنے ہی مشائخ و علماء تھے' جو تحریک پاکستان کے سلسلہ میں مدتوں کوشاں رہے۔ کس کس کا نام لیا جائے یہاں تو بے شمار نام ہیں جو تاریخ کے یادگار البم میں شہرت دوام کی خلعت زیب تن کئے اپنے بھرپور وجود کا احساس دلا رہے ہیں۔ ان تمام مشائخ و علماء میں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری کی ذات والاصفات مہر منور کی صورت آزادی و حریت کے اُجالے بکھیرتی نظر آتی ہے۔

کوئی بھی تحریک اپنے ساتھ مختلف عوامل لے کر چلتی ہے۔ یہ عوامل اپنی اپنی جگہ جامعیت کے حامل ہونے کے باوجود بالآخر ایک انتہائی جامع تحریک میں ڈھل جاتے ہیں۔ تحریک پاکستان کو ان عوامل کے حوالے سے دیکھا جائے تو حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ مختلف محاذوں پر قیادت و سیادت اور قربانی و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ عوامل یا قومی و سیاسی محاذ حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی قائدانہ صلاحیتوں کے امین اور ان کی ایمان افروز یادوں کے پاسدار ہیں۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر جو عوامل کارفرما تھے وہ یہ تھے:

اوّلاً: ان تمام سیاسی و قومی تحریکات سے تعاون کیا جائے جو عظمت اسلام کی نقیب اور انگریز و ہندو سمیت تمام باطل قوتوں کے غلبے کے خلاف مصروف عمل ہوں۔

ثانیاً: مذہبی محاذ پر انتہائی سرگرمی سے کام کیا جائے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے ہوئے

marfat.com

اسلامیانِ ہند کے دلوں میں آزادی کی شمع روشن کی جائے۔

ثالثاً: تعلیمی و تدریسی اور علمی و روحانی مراکز (سکول، کالج، مساجد اوراشاعتی ادارے وغیرہ) اس انداز سے وجود میں لائے جائیں کہ ان سے بہرہ یاب ہونے والے مسلمان عظمت توحید اور شانِ رسالت سے بہرہ ور ہو کر میدانِ عمل میں آئیں۔

رابعاً: تحریک پاکستان کی کامیابی کیلئے مشائخ وعلماء کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے تا کہ حصولِ پاکستان کی جدوجہد تیز تر ہو سکے۔

تحریک آزادی اور تحریک حصولِ پاکستان کے پس منظر میں کارفرما ان عوامل پر ایک نظر ڈالتے ہی احساس ہونے لگتا ہے کہ حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری نے ان تمام عوامل کو مؤثر بنانے کیلئے شایانِ شان کردار ادا کیا ہے۔ سیاسی وقومی تحریکات کے ضمن میں آپ نے تحریک خلافت، مجلس اتحاد ملت، مسجد شہید گنج سمیت ہر اس تحریک سے تعاون کیا اور اپنی روحانی راہنمائی کے علاوہ مالی امداد و تعاون سے بھی نوازا جو انگریز کے تسلط کے خلاف مصروف عمل تھی اور جس کا اولین مقصد احیائے عظمت اسلام تھا، آپ نے لاکھوں روپے کے زرِ تعاون سے ان تحریکات کو مالی استحکام بھی بخشا اور ملک گیر دوروں میں اپنے ایمان آفریں خطابات کے ذریعہ بھی دلوں کو عظمت ایمان سے گرما دیا۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بنیادی طور پر عظیم المرتبت شیخ طریقت اور برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے بے تاج بادشاہ تھے، اس لئے آپ نے تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کو ایک لحہ کیلئے بھی فراموش نہ کیا۔ شاردا ایکٹ، شدھی تحریک، فتنہ ارتداد سمیت آپ نے تمام خلاف اسلام یورشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں انگریز دشمنی، ہندو بالادستی کے خلاف جدوجہد کی شمع یوں روشن کی کہ آنے والے ادوار میں مسلمانوں کو تحریک پاکستان کے پلیٹ فارم پر جمع کرنا آسان ہو گیا۔

عظمت اسلام، فروغ دین اور اسلامی تشخص کو عام کرنے کیلئے آپ نے بیسیوں روحانی علمی، تہذیبی اور تدریسی مراکز قائم کیے۔ حصولِ پاکستان کے دلآویز نعرے کی اصل روح بھی یہی اسلامی تشخص تھا، جسے نظریۂ اسلام یا دو قومی نظریہ پاکستان بھی کہتے ہیں۔ آپ نے بہت سی مساجد تعمیر کروائیں، مدارس کھلوائے، کتب خانے قائم کرائے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کہ جہاں سے حصولِ پاکستان کی جنگ لڑنے والے نامور فدائین نے جنم لیا، حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی مالی امداد کے سہارے روشن مستقبل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسلامیہ کالج لاہور اور متعدد دوسرے کالج اور تعلیمی ادارے حضرت

marfat.com

امیر ملت کی روحانی سرپرستی، فکری راہنمائی اور مالی امداد سے مستفیض ہو رہے تھے۔ اس تمام راہنمائی اور تعاون کے پس پردہ امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر یہی مقصود تھا کہ مستقبل کی قیادت کیلئے ایک ایسی نسل سامنے آئے جو مذہب اسلام کے بنیادی شعائر سے بہرہ ور اور قومی تقاضوں سے پوری طرح باخبر ہو کیونکہ اسی طور ہی تحریک پاکستان کے محاذ پر فیصلہ کن جنگ لڑی جا سکتی تھی۔

چنانچہ جب تحریک حصولِ پاکستان کے سلسلہ میں فیصلہ کن قدم اُٹھانے کا مرحلہ آیا تو حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ اپنی پوری علمی و عملی توانائیوں اور روحانی و نظریاتی صلاحیتوں کے ساتھ مسلم لیگ کی صف اوّل کی قیادت میں اپنے مؤثر وجود کا احساس دلاتے نظر آتے ہیں۔ حصولِ پاکستان کے باقاعدہ مطالبہ سے پیشتر بھی آپ کی تمامی مساعی برصغیر میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو پھر سے بحال کرنے کیلئے وقف تھیں۔ چنانچہ جب تحریک پاکستان کے نام سے باقاعدہ جدوجہد کا آغاز کیا گیا تو آپ کو یوں محسوس ہوا جیسے دیرینہ آرزوئیں رنگ لا رہی ہوں اور برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب تعبیر سے ہمکنار ہو رہے ہوں۔ آپ امیر ملت تھے۔ قائد اسلامیان ہند تھے، سنوسئ ہند کا لقب بھی پا چکے تھے، اسلامیانِ ہند راہنمائی کی خاطر آپ کی طرف دیکھ رہے تھے مگر آپ کی مستقبل بین نظریں محمد علی جناح کی صورت میں مسلمانانِ برصغیر کے قائد اعظم کو منصۂ سیاست پر بصد شان اُبھرتے ہوئے دیکھ چکی تھیں۔ چونکہ آپ کو سیاسی و قومی محاذ کے علاوہ روحانی و فکری محاذ پر بھی سرگرم عمل رہنا تھا اور پھر آہستہ آہستہ صحت بھی کمزور ہو رہی تھی اس لئے آپ نے قائد اعظم محمد علی جناح کو ہر ممکن تعاون سے نوازتے ہوئے قیادت کے سلسلہ میں ان کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔

سن ۱۹۴۳ء میں جب قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ ہوا، تو آپ نے اپنے پوتے جوہر ملت حضرت پیر سید اختر حسین کے ہاتھ بہت سے قیمتی تحائف اور ایک مکتوب قائد اعظم کے پاس بھجوائے۔ آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا:

''قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے اور پاکستان کیلئے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام ہے مگر میں اب سو سال سے زیادہ عمر کا ضعیف و ناتواں شخص ہوں۔ میرا بوجھ جو آپ پر آپڑا ہے اس میں آپ کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں، نمرود کی دشمنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی، فرعون کی دشمنی حضرت کلیم اللہ کے دین کی، ابوجہل کی دشمنی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ترقی کا باعث ہوئی ہے...... جس شخص کو اللہ تعالیٰ کامیاب فرمانا چاہتا ہے اس کے دشمن پیدا کر دیتا ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرے، ہم

marfat.com

سب آپ کے معاون و مددگار رہیں گے۔ آپ بھی عہد کریں کہ آپ اپنے مقصد سے ذرہ بھر بھی نہیں ہٹیں گے"۔

چند روز بعد قائداعظم کا خط آپ کے نام آیا' جس میں انہوں نے لکھا تھا:

"جب آپ جیسے بزرگوں کی دعا میری شامل حال ہے تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی تکلیفیں کیوں نہ آئیں' میں اپنے مقصد میں کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ آپ نے قرآن شریف اس لئے عنایت فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں جب تک قرآن اور دین کا علم نہ ہو' کیا میں لیڈری کر سکتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا' انگریزی ترجمے میں نے منگوا لئے ہیں۔ ایسے عالم کی تلاش میں ہوں جو مجھے انگریزی میں قرآن کی تعلیم دے سکے۔ جانماز آپ نے اس لئے عطا کیا ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیوں مانے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھا کروں گا۔ تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی ہے میں اس پر درود شریف پڑھا کروں۔ جو شخص اپنے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا' اس پر اللہ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے' میں اس اشارے کی بھی تعمیل کروں گا"۔

یاد رہے کہ آپ نے قائداعظم کو تحفوں میں قرآن شریف' تسبیح' جانماز' شال' دھسہ اور دوسری قیمتی اشیاء ارسال کی تھیں۔

یہ حقیقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اگر حضرت امیر ملت محدث علی پوری قائداعظم اور مسلم لیگ کو اپنے بھرپور تعاون اور راہنمائی سے نہ نوازتے تو شاید حصولِ پاکستان کی منزل اتنی جلدی قریب نہ آتی۔ آپ نے برصغیر کے طول و عرض میں بے شمار دورے کئے' تحریک پاکستان کے مقاصد کو عام کرنے کیلئے اور مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنانے کیلئے آپ نے بیسیوں عظیم الشان اجتماعات سے خطاب کیا۔ کانفرنسیں منعقد کروائیں اور مشائخ و علمائے اہلسنّت سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی اپیل کی۔ اپنے لاکھوں ارادت مندوں کو پاکستان کی حمایت کیلئے خود کو وقف کر دینے کی تلقین کی۔ آپ نے قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے پیغام کو جو فی الحقیقت آپ کا اپنا پیغام تھا' ہر شہر قریہ اور قصبہ میں پہنچانے کیلئے تمام ممکنہ وسائل سے کام لیا۔ اس سلسلہ میں رئیس احمد جعفری کی کتاب "قائداعظم اور ان کا عہد" سے یہ اقتباس پاکستان کیلئے امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی جذباتی وابستگی کے اظہار کا خوبصورت نمونہ ہے۔

اور مشائخ و علمائے پنجاب کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے الحاج پیر سید جماعت

marfat.com

علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''حکومت اور کانگریس دونوں کان کھول کر سن لیں کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبۂ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی۔ بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو برملا گالیاں دے رہے ہیں لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا۔ یہ ان کے سچا راہنما ہونے کا ثبوت ہے۔ خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں' میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سید ہوں اور سید موت سے کبھی نہیں ڈرتا' اس کے بعد موصوف نے اپنے مریدوں اور حلقہ بگوشوں سے فرمایا کہ وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں''۔

حصولِ پاکستان کی جنگ بلاشبہ ایک نظریاتی جنگ تھی' جس میں ایک طرف تو کروڑوں شیدائیانِ رسول کریم تھے جو اسلام کو عالم اسلام کی شوکت ایمانی کا مرکز بنانے کیلئے مصروف عمل تھے اور دوسری طرف ہندو سکھ اور دوسری غیر مسلم قوتیں تھیں' جن کی پشت پناہی برطانوی سامراج کر رہا تھا۔ اس جنگ نے اس وقت شدت اختیار کر لی' جب کئی جبہ پوش مسلم علماء اپنے تمام تر علمی تجر کے باوجود ہندو کے نظریۂ وطنیت کا شکار ہو کر کانگریس کی صفوں میں جا بیٹھے تھے اور مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اب امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مشائخ و علماء کو نہ صرف انگریزوں اور ہندوؤں سے نبرد آزما ہونا تھا بلکہ نظریہ قومیت کی فریب کاری کے شکار ان مسلم علماء کے پروپیگنڈے کی قلعی بھی کھولنا تھی جو ہندو مسلم سمیت تمام ہندوستانی اقوام کو ایک قوم قرار دے رہے تھے۔ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال نے ایسے حالات میں دو قومی نظریہ اسلام کی حمایت میں مسلمانوں کو یہ پیغام عمل دیا:

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

حضرت امیر ملت محدث علی پوری اس صورتحال سے بے خبر نہ تھے۔ آپ مسلم لیگ اور کانگریس کے معرکے کو کفر و اسلام کی جنگ قرار دے رہے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ ہر جگہ فرمایا کرتے:

''مسلمانو! یہاں دو جھنڈے ہیں۔ ایک اسلام کا دوسرا کفر کا۔ بتاؤ کس جھنڈے کے نیچے جانا چاہتے ہو؟ لوگ جواب میں کہتے ''اسلام کے جھنڈے کے نیچے'' اس خوبصورت طرز استدلال نے اسلامیان ہند کے دل موہ لئے اور قیام پاکستان کیلئے فضا انتہائی تیزی سے ہموار ہونے لگی۔

قائد اعظم محمد علی جناح کو بھی حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار مساعی کا بے پناہ

marfat.com

احترام تھا' اس کا ثبوت وہ خطوط ہیں جو قائداعظم نے حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے نام ارسال کئے۔ قائداعظم کے متعلق آپ کے مخلصانہ جذبات کا اندازہ لگانے کیلئے ۱۹۴۴ء میں سری نگر میں آپ کی قائداعظم سے ملاقات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ اس ملاقات کا اہتمام قائد کشمیر چودھری غلام عباس مرحوم نے کیا تھا کہ جو حضرت امیر ملت کے مرید تھے۔ حضرت امیر ملت سری نگر میں تشریف فرما تھے۔ قائداعظم وہاں کے دورے پر آئے تو چودھری غلام عباس قائداعظم کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے قائداعظم کی پُر تکلف دعوت کی تھی۔ مختلف اقسام کے ۴۵ کھانے دستر خوان پر چن دیئے گئے۔ قائداعظم سے آپ نے بستر پر بیٹھنے کی فرمائش کی مگر انہوں نے خلاف ادب جانا اور آپ کے ساتھ ہی قالین پر بیٹھ گئے۔ آپ بصد اصرار قائداعظم کو ہر کھانے سے تھوڑا تھوڑا کھلاتے رہے۔ قائداعظم نے سب کھانوں کو پسند فرمایا اور کہا ''میں نے ایسی پُر تکلف دعوت ساری عمر نہیں دیکھی' میرا بس چلے تو میں باورچی کو اُڑا لے جاؤں''۔

جب یہ اکابرین ملت کھانا کھا چکے تو آپ نے قائداعظم کو دو جھنڈے عطا کئے۔ ایک سبز تھا' دوسرا سیاہ' نقد روپیہ بھی عطا کیا۔ ان میں سے سبز جھنڈا اسلام اور مسلم لیگ کا تھا جبکہ سیاہ جھنڈا کفر کا تھا۔ آخر میں آپ نے قائداعظم کو اپنے عظیم مقصد کے حصول میں کامیابی کی نوید بھی سنائی۔ رخصت کے وقت قائداعظم نے دوبارہ اُٹھ کر آپ سے معانقہ کیا۔ قائداعظم کو حضرت امیر ملت کے تعاون اور امداد کا بہت زیادہ احساس تھا۔ امیر ملت کے تعاون اور روحانی نوازشات کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظم نے قیام پاکستان سے کئی سال پہلے لاہور کے ایک بہت بڑے جلسہ عام میں کہا تھا

''میرا ایمان ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا' کیونکہ امیر ملت مجھ سے فرما چکے ہیں کہ پاکستان ضرور بنے گا اور مجھے یقین واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کو ضرور سچا کرے گا''۔

حضرت امیر ملت نے قد آور اشتہارات کے ذریعہ مسلم لیگ کے پیغام کو عام کرنے کیلئے اعلان فرمایا:

''مسلمانو! مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ' میرا جو مرید مسلم لیگ کی حمایت نہیں کرے گا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس وقت دو جھنڈے ہیں۔ ایک ہلالی پرچم مسلم لیگ کا اور دوسرا کفر کا۔ اب فیصلہ کرو کہ تم کس کے ساتھ ہو''۔

تاریخ پاکستان رقم کرنیوالا کوئی بھی مؤرخ ''سنی کانفرنس'' کے انعقاد اور اس کے ہمہ گیر اثرات سے پہلو تہی نہیں کرسکتا۔ مشائخ وعلمائے اہلسنت کی یہ نمائندہ ''سنی کانفرنس'' تحریک پاکستان

marfat.com

کی جدوجہد کو تیز تر کردینے کا باعث ثابت ہوئی۔ اس کے عظیم اجتماعات دس سال بعد ہوتے تھے۔ پہلی سنی کانفرنس مراد آباد میں ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوئی۔ دوسری بار ۱۹۳۵ء میں بدایوں کے مقام پر منعقد ہوئی جبکہ تیسری سنی کانفرنس کا انعقاد ۱۹۴۵ء میں بنارس کے مقام پر ہوا۔ حضرت امیر ملت کے حصے میں یہ سعادت بھی آئی کہ تینوں تاریخ ساز کانفرنسوں میں صدارت آپ نے فرمائی۔ ان کانفرنسوں میں لاکھوں عوام اور ہزاروں علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی۔ صدارت کیلئے امیر ملت کا انتخاب ان کے تبحر علمی اور روحانی عظمت کے اعتراف کا غیر معمولی ثبوت تھا۔ آپ نے ان کانفرنسوں میں اپنے مؤقف کا کھل کر اظہار کیا اور عوام کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے اور پاکستان کے حصول کی خاطر قائد اعظم کی قیادت کو تسلیم کرنے کی تلقین کی۔ ان سنی کانفرنسوں کے خاطر خواہ مثبت نتائج برآمد ہوئے اور سنی مشائخ و علماء تمام اختلافات فراموش کر کے حصولِ پاکستان کیلئے سرگرم کار ہو گئے۔

تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کیلئے باطل قوتیں اپنے تمام ہتھکنڈے استعمال کر رہی تھیں۔ پاکستان کے بنیادی محرکات پر اعتراضات کئے جا رہے تھے۔ قائد اعظم کی شخصیت پر الزامات کی بوچھاڑ کی جا رہی تھی۔ حضرت امیر ملت نے ہر جگہ مقاصد پاکستان کی وضاحت کرنے کے علاوہ قائد اعظم کی ذات پر کئے جانے والے اعتراضات کو بھی ردّ کیا۔ ایک دفعہ امرتسر میں مسجد جان محمد میں جلسہ ہو رہا تھا۔ حضرت امیر ملت کی تقریر کے دوران میں بعض مخالفین نے سوال کیا ''جناح کافر ہے یا مسلمان'' آپ نے برجستہ فرمایا ''تم نے کون سی ان کے ساتھ رشتہ داری کرنی ہے جو ان کا مذہب دریافت کرتے ہو۔ ہم نے جناح صاحب کو اپنا امام ''قاضی یا نکاح خواں مقرر نہیں کیا بلکہ وہ ہمارے وکیل ہیں۔ یہ ہم سب کا کام ہے جس کو وہ کر رہے ہیں۔ یہ پوچھنے سے کیا حاصل کہ ان کا مسلک کیا ہے''۔

اعتراض کرنے والے لاجواب ہو گئے تو آپ نے زوردار لہجے میں فرمایا:

''مسٹر جناح پاکستان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس میں انہیں کامیابی ہو گی۔ پاکستان کے مخالفین کان کھول کر سن لیں کہ پاکستان بن کر رہے گا۔ بارگاہ رب العزت سے اس کی منظوری ہو چکی ہے۔ پاکستان ہم سب کا ہے اکیلے مسٹر جناح کا نہیں ہے۔ وہ ہمارا کام کر رہے ہیں اور ہمارے وکیل ہیں''۔

ایک بار آپ مسلم لیگ اور پاکستان کیلئے فضا ہموار کرنے اور اعتراضات کو باطل کرنے کیلئے

marfat.com

کوہاٹ تشریف لے گئے۔ وہاں احرار کا زور تھا' کارکنان مسلم لیگ نے درخواست کی کہ اپنے ارادت مندوں کومسلم لیگ میں شمولیت کی تلقین کیجئے۔آپ نے ان کی درخواست کوشرف پذیرائی بخشا اور حاضرین پر زور دیا کہ وہ بلاتاخیر مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔اس پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے جوش میں آ کر فرمایا ''کہ اگر مسلم لیگ میں شامل نہ ہوں تو کیا کفر لیگ میں شامل ہوں گے''۔

پھر اعتراض ہوا کہ ''مسلم لیگ پر تو خاکسار چھائے ہوئے ہیں''۔اس پر آپ نے فرمایا 'تم مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ' وہ بھی مسلم لیگ کے جھنڈے تلے رہیں گے یا اپنا الگ ٹھکانہ ڈھونڈھ لیں گے''۔

وہاں کے عوام نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مسلم لیگ میں شمولیت کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ کی عظمت اس طور مسلم ہوگئی کہ دوسری تمام سیاسی جماعتیں اس کی یلغار کی تاب نہ لا کر مقبولیت سے محروم ہوگئیں۔

تحریک پاکستان کی حمایت اور قائداعظم کے مشن کی وکالت کیلئے حضرت امیر ملت محدث علی پوری نے صدر آل انڈیا بمبئی کانفرنس کی حیثیت سے جو بیان دیا وہ بھی آپ کی بصیرت ایمانی اور حق وصداقت کی پاسداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

''اس بناء پر فقیر جمیع مسلمانانِ ہند سے اپیل کرتا ہے کہ جس طرح فقیر نے شملہ کانفرنس کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد سیاسی جماعت ہے۔اب چونکہ جدید انتخابات ہونے والے ہیں۔اس موقع پر جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناح صاحب نے مسلمانانِ ہند سے اپیل کی ہے کہ ہر ایک مسلمان کو مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینا چاہیئے اور اپنی حیثیت سے زیادہ چندہ دینا چاہیئے۔فقیر بحیثیت امیر ملت' قائداعظم محمد علی جناح کی اس اپیل کی پُر زور تائید کرتا ہے اور جمیع مسلمانانِ ہند سے عموماً اور اپنے یارانِ طریقت سے خصوصاً جو لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہیں۔مکرر پُر زور اپیل کرتا ہے کہ اس موقع پر ہر طرح سے مسلم لیگ کی امداد کریں اور میرے متوسلین انشاء اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کی امداد کرتے رہیں گے''۔

حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلم لیگ کے ساتھ تعلق اور اس کے مقاصد سے اتفاق اس وقت سے تھا جبکہ ابھی مسلم لیگ نے علیحدہ مسلم مملکت کا نام ''پاکستان'' استعمال کرنا شروع نہیں کیا تھا۔قراردادِ لاہور سے مدتوں پیشتر ہی حضرت امیر ملت نے مومنانہ فراست اور روحانی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے مسلم لیگ کی حمایت اور اس کی امداد شروع کر دی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں

marfat.com

کانگریسی وزارت کے خاتمے پر قائداعظم کی اپیل پر پورے ملک میں یوم نجات منایا گیا۔ اس سلسلہ میں علی پور سیداں (ضلع سیالکوٹ) میں آپ کے ایماء پر بہت بڑا جلسہ ہوا۔ "یوم نجات" کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے اس جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

'دو جھنڈے ہیں' ایک اسلام کا ایک کفر کا' جو کفر کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوں گے ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو کیا تم اس کے جنازے کی نماز پڑھو گے؟ سب نے انکار کیا' پھر دریافت فرمایا" کیا تم مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرو گے' سب نے اقرار کیا کہ نہیں' ہرگز نہیں! پھر ارشاد فرمایا کہ اس سیاسی میدان میں اسلامی جھنڈا مسلم لیگ کا ہے' ہم بھی مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور سب مسلمانوں کو بھی مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیئے"۔

حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نظریہ پاکستان کی کتنی خوبصورت تشریح ہے۔ اس بیان سے آپ کی جرأت ایمانی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور مطالبۂ پاکستان کیلئے آپ کی جذباتی وابستگی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

امیر ملت کے صاحبزادے سراج الملت سید محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے عظیم والد کی اتباع میں تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے شدید کام کیا۔ انہوں نے والد محترم کے ہمراہ اور علیحدہ بھی بھرپور اور وسیع وعریض دورے کئے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ہمراہ تمام وابستگان طریقت اور اسلامیان برصغیر کو مسلم لیگ کا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ پیر صاحب مانکی شریف نے قائداعظم کو سپاسِ عقیدت پیش کرنے کیلئے مانکی شریف میں عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا تو اس میں بطور خاص حضرت امیر ملت کو بھی شرکت کی دعوت دی۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ ناسازیٔ طبع کے باعث خود تو نہ جا سکے البتہ اپنے فرزند ارجمند حضرت سید محمد حسین شاہ کو اپنی جگہ ایک سونے کا تمغہ تین سو روپے کی تھیلی اور کئی دوسرے تحائف دے کر بھیج دیا۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے خیر مقدمی جذبات کے ساتھ سراج الملت حضرت سید محمد حسین شاہ کا استقبال کیا اور جلسہ کی صدارت بھی انہی سے کروائی۔ جب قائد اعظم سٹیج پر تشریف لائے تو حضرت سید محمد حسین شاہ نے آپ سے کہا کہ:

"حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کیلئے کامیابی کا سونے کا تمغہ بھیجا ہے"۔

قائداعظم اس پر بہت خوش ہوئے' کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر بولے:

"پھر تو میں کامیاب ہوں' آپ تمغہ میرے سینے پر آویزاں کر دیجئے"۔

marfat.com

حضرت امیر ملت کا اپنا علاقہ اگرچہ صوبہ پنجاب تھا، مگر چونکہ پورے ہندوستان میں آپ کے لاکھوں ارادت مند بستے تھے، اس لئے تحریک پاکستان کو نئی زندگی عطا کرنے کیلئے آپ نے برصغیر کے ایک ایک شہر کا دورہ کیا۔ قیام پاکستان کی منزل قریب آنے لگی اور صوبہ سرحد میں ریفرینڈم کا فیصلہ ہوا، تو آپ پیر صاحب مانکی شریف کی خصوصی درخواست پر صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے۔ مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں عوامی فضا ہموار کرنے کیلئے خوب کام کیا اور جا بجا جلسے کر کے عوام کو بتایا کہ صرف اور صرف پاکستان کے قیام کی صورت ہی میں ان کے حقوق کا تحفظ ممکن ہے۔ دوسرے مشائخ اور علماء بھی اس طویل دورہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔ بالآخر آپ کی یہ تگ و دو رنگ لائی اور وہاں عوام نے غالب اکثریت سے پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

۱۹۴۶ء کا سال تحریک پاکستان کے سلسلہ میں خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سال مرکزی اور صوبائی انتخابات کے ذریعہ مسلمانوں نے برطانوی سامراج اور ہندو مہا سبھائیوں پر یہ واضح کرنا تھا کہ ہندوستان میں صرف انگریز اور ہندو ہی نہیں بستے بلکہ مسلمان قوم بھی اپنا مؤثر وجود رکھتی ہے۔ حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری نے پیرانہ سالی کے باوجود ملک کے طول و عرض میں دورے کئے۔ آپ کے ہمراہ بہت سے نامور مشائخ اور علمائے کرام نے بھی شبانہ روز سفر کر کے کروڑوں فرزندانِ توحید کو پاکستان کی اہمیت و عظمت سے آگاہ کیا۔ ان انتخابات کے نتائج نے طاغوتی طاقتوں کو یہ باور کرا دیا کہ اب ان کیلئے مسلم قوت کے طوفان کے سامنے سازشوں کے بند باندھنا ممکن نہیں رہا۔

کوئی بھی تحریک صرف زبانی دعوؤں، لفظی جمع خرچ یا پر جوش تقاریر کے سہارے ہی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی بلکہ اسے کامیاب بنانے کیلئے عظیم منصوبہ بندیٔ خلوص نیت اور جذباتی لگن کے ساتھ ساتھ مادی تعاون کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ حضرت امیر ملت نے مسلم لیگ کو جتنا چندہ دیا، اس کا صحیح اندازہ اگرچہ دشوار ہے مگر آپ نے مسلم لیگ کو چندے کے طور پر لاکھوں روپے دیئے اور انتخابات پر بھی لاکھوں روپے خرچ کئے۔ آپ نے اپنے طویل و عریض سیاسی دوروں کیلئے مسلم لیگ سے کبھی کرایہ بھی طلب نہ کیا۔ اپنے تمام ہمراہیوں کے کرایہ کی رقم سے لے کر خور و نوش کے اخراجات تک تمام اخراجات خود برداشت کرتے۔ بعض اوقات جلسوں سے جملہ اخراجات بھی اپنی جیب سے ادا کرتے۔ یہ اس بطل جلیل کے جذبۂ قربانی و ایثار کی ایک جھلک ہے، جس نے کبھی اپنے پاس کچھ نہیں رکھا بلکہ جو کچھ آتا خدا کی راہ میں خیرات کر دیتے تھے۔ آپ کی عظمت فقر کا اندازہ اس

marfat.com

امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام زندگی آپ کے پاس کبھی اتنا اثاثہ جمع نہ ہوا کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی نصیب ہوتی تو حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کو بے پناہ خوشی و مسرت کا احساس ہوا کیونکہ اب وہ منزل قریب نظر آ رہی تھی جس کے حصول کیلئے یہ ملک بھر کے علماء و مشائخ کو ہمراہ لے کر برسوں سے مصروفِ جدوجہد تھے۔ آپ نے اس موقع پر قائداعظم کو مبارکباد کا پیغام ارسال کیا' جس میں اسلامیان ہند کی جدوجہد آزادی کی کامیابی کا تذکرہ کر کے حضرت قائداعظم کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا گیا تھا۔
قائداعظم نے اس کے جواب میں یہ پیغام آپ کے نام ارسال کیا:

محترم پیر صاحب!

آپ کی نیک تمناؤں اور مبارکبادوں کا بہت بہت شکریہ اور مجھے یقین ہے کہ مسلمان خوش ہیں کہ آخر کار ہم نے دوسو سال کی غلامی کے بعد خود اپنے پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت بنا لی۔

پاکستان بن گیا تو حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی سیاسی عزائم یا ذاتی مفادات سے سروکار نہ رکھا۔ آپ کی حیثیت اس قافلہ سالار کی سی تھی جو کارواں کو آشنائے منزل کرنے کیلئے طویل عرصہ تک مصروف عمل رہا ہو اور جب کارواں کامیابی کے مراحل طے کرتا ہوا منزل سے ہمکنار ہوا تو میر کارواں کو ستانے کی سوجھنے لگی۔ اب ان کا کام ختم ہو چکا تھا۔ نیا دور نئے تقاضے لئے پاکستان کے روشن مستقبل کی نوید بن کر حالات کے افق سے اُبھر رہا تھا۔ آپ کے جذبات کامیابی کی سرخوشی سے سرشار تھے مگر ایسے عالم میں بھی آپ نے حب الوطنی کے تقاضوں کو فراموش نہ کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کو قیام پاکستان پر مبارکباد کا برقیہ ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''ملک گیری آسان ہے۔ ملک داری بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ملک داری کی توفیق عطا فرمائے''۔

حصولِ پاکستان کیلئے آپ کی جدوجہد ایک طویل عرصے پر محیط ہے۔ آپ تحریک پاکستان کو اپنا جزوِ ایمان تصور کرتے تھے۔ اس لئے آپ قائداعظم کو سپاسِ محبت پیش کرتے ہوئے یہی فرمایا کرتے تھے کہ ''قائداعظم ہمارا کام کر رہے ہیں'' آپ نے قیام پاکستان کے بعد اپنی اولاد کیلئے کوئی عہدہ طلب نہیں کیا اور بلاشبہ بے شمار اصحاب ایمان کے دلوں پر بصد شان روحانیت حکومت کرنے والا سلطانِ اقلیم یقین دنیاوی اعزازات یا عہدوں کا محتاج کیسے ہو سکتا تھا۔ کیونکہ:

نگاہِ فقر میں شان سکندری کیا ہے ۔۔۔ خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

marfat.com

قیام پاکستان کے فوری بعد ہی آپ اس احساس سے شاد کام ہو چکے تھے کہ ہمارے حصے کا کام ختم ہو چکا۔ پاکستان وجود میں آ چکا۔ اب اسے تعمیر و ترقی کے مراحل سے گزارنا آنے والے دور کی ذمہ داری ہے۔ پیر صاحب مانکی شریف کے نام آپ کا پیغام بھی اسی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

''پیر صاحب پاکستان بن گیا' اب ہمارا کام ختم ہوا' اب ملک چلانے والے جانیں اور ان کا کام''۔

حضرت قبلۂ عالم امیر ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اتنی ہمہ گیر اور جامع الخصائل تھی کہ آپ کی زندگی کے کسی بھی پہلو پر خامہ فرسائی کیلئے چند صفحات نہیں بلکہ دفتر درکار ہیں۔ آپ کی عبادت و ریاضت' زہد و تقویٰ' دلوں پر اثر کرنے والی تکلم باریاں' اصحاب فکر کیلئے رشد و ہدایت کی مہکباریاں' طالبانِ حقیقت پر کرم نوازیاں' رہ نور دانِ کوچۂ شوق پر عنایات بے کراں' واماندگان ہستی کیلئے لطف و رحمت کا نیر تاباں' غرضیکہ کس کس ادائے خاص کا تذکرہ کیا جائے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می بینم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

پاکستان کا وجود حضرت امیر ملت کے بے مثال تدبر' غیر معمولی فراست' ایمان افروز راہنمائی' فکر آفریں قیادت' عہد آفریں سیادت' اور غیر معمولی جذبۂ خلوص و یقین کا مرہون منت تھا۔ پاکستان کا کوئی بھی صاحب نظر دانشور تحریک پاکستان پر قلم اُٹھاتے ہوئے حضور امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ محدث علی پوری کے زندۂ جاوید کردار کو فراموش نہیں کر سکے گا۔ جب بھی تاریخ کے اُفق کے اس پار جھانکتے ہیں تو حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کا روشن سراپا محسوسات کے مطلع تاباں پر بصد آب و تاب روحانی زندگی بخش کرنیں لٹاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان خدائے کریم اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پہ احسان بھی ہے اور محبان ملک و ملت کا ارمان بھی۔ یہ نظریاتی مملکت خداداد حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اولیائے کرام کا فیضان بھی ہے اور اہل نظر کیلئے قرار جسم و جان بھی۔ وطن عزیز کی آزاد فضاؤں کا ایک ایک لمحہ حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیۂ سلام عقیدت نذر کرتا اور زبان حال سے یہی کہتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تا زبند عشق یک دانائے راز آید بروں

marfat.com

زینت دنیائے تصوف

حضرت پیر سید علی اکبر شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شوکت اقلیم معرفت، رمز آشنائے طریقت، حضرت قبلۂ عالم پیر سید علی اکبر شاہ نقشبندی جماعتی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان عظیم نفوسِ قدسیہ میں ہوتا ہے، جن کی زندگی کا مقصد اولیٰ خلق خدا کی اصلاح اور خدمت انسانیت ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے جیتے ہیں۔ ان کے افکار سربلند اور ان کا کردار شمعِ روشن کی صورت ضوفگن ہوتا ہے۔ ان کا وجود ظلمت شب میں تاریکیوں کا پردہ چاک کرنے والے ستاروں کی صورت ہوتا ہے جو تمام رات ضوفشاں رہتے ہیں اور ظلمتوں کی یورش کو اپنی ایمانی تب و تاب سے مٹا کر رہتے ہیں۔ یہ اقبال کے لفظوں میں اس عزم مصمم سے آراستہ ہوتے ہیں کہ:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شر رفشاں ہو گی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہو گا

سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ سرکارِ لاثانی، قطب ربانی حضرت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور آپ کے فیوض و برکات سے ایک عرصہ تک فیضیاب ہونے والے خوش قسمت انسان تھے۔

سرکار لاثانی کی صحبت تو ناقصوں کو کامل بنا دیتی تھی، جس پر ان کی نگاہِ لطف پڑ جاتی وہی شخص رشد و ہدایت کی دنیا کا درخشندہ ستارا بن جاتا تھا اور پھر حضرت سید علی اکبر تو سرکارِ لاثانی کے لاڈلے پوتے تھے۔ وہ سعید قسمت پوتے کہ جنہیں اس ولیٔ کامل کا فیض بھی عطا ہوااور سرکار لاثانی کی آغوش رحمت میں پرورش بھی پائی۔ جسے سرکار لاثانی کی گود میسر ہو جائے اس کے مقدر کا کیا کہنا اور پھر سید علی اکبر اپنے مقدر پر ناز کیوں نہ کرتے کہ:

؎ یہ فیضان نظر بھی رحمت رب تعالیٰ ہے
کہ جس سے اہل ایماں کے دل و جان ہیں اُجالا ہے

marfat.com

بلاشبہ یہ فیضان نظر ہی تھا کہ جس نے حضرت سید علی اکبر کو آداب فرزندی ہی نہیں بلکہ آداب طریقت و معرفت کی رفعتوں سے بھی بہرہ ور کر دیا۔

حضرت قبلہ سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح معنوں میں اصلاح احوال اُمت اسلام اور اہل نظر کے قلوب و اذہان کی تطہیر کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کی روحانی عظمت اور ایمانی سربلندی کا احساس ایک زمانے کو تھا۔ آپ حضرت قبلہ پیر سید فدا حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور سرکارِ لاثانی کے پوتے تھے۔ سرکارِ لاثانی نے آپ کے بچپن کے دوران ہی میں آپ کو اپنی روحانی توجہ کا مرکز بنا لیا تھا اور جب آپ کے والد ماجد قبلہ سید فدا حسین شاہ کا انتقال ہو گیا تو سرکارِ لاثانی نے اس یتیم پوتے کو ہر طرح سے اپنی روحانی لطافتوں سے نوازنا شروع کر دیا۔ آپ پر اپنے نامور دادا جان اور مرشد کامل سرکارِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرم فرمائیاں یوں اثر انداز ہوئیں کہ آپ اپنے اعمال اور افعال کے لحاظ سے دادا جان کی روحانی تفسیر بن گئے۔ ایسی تفسیر کہ جس کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر ورق پر سرکارِ لاثانی کی عظمت دل و جان پر اُجاگر ہونے لگے۔ آپ نے فنا فی الشیخ کے درجے پر فائز ہو کر وہ بلند مقام حاصل کر لیا کہ عوام اور خواص آپ کو ہر لحاظ سے سرکارِ لاثانی کا جانشین ماننے لگے۔ عام ارادت مندوں کی تو بات ہی کیا' معروف شیوخ طریقت بھی آپ ہی کو سرکارِ لاثانی کی روحانی متاع کا وارث سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا تذکرہ یقیناً اہل نظر کیلئے روحانی جلا کا باعث بنے گا۔

علی پور شریف کی غیر معمولی شہرت کا ایک سبب حضور سرکار لاثانی کے علاوہ حضرت لاثانی کے ہم نام پیر بھائی امیر ملت حضرت پیر حافظ سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا وجود بھی ہے' جن کے فیوض سے ایک زمانہ فیضیاب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ ریاست حیدر آباد دکن کا ایک رئیس حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ:

''شیخ محترم میں نے علی پور کے دوسرے آفتاب طریقت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی کے روحانی کمالات کا بہت شہرہ سن رکھا ہے۔ وہ آپ کے ہم نام اور برادر طریقت ہیں۔ ان پر حالت فقر کا غلبہ زیادہ رہتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل کر لوں' حضور قبلہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مرید کی زبان سے سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا تو دل مسوس کر رہ گئے اور پھر چند منٹ خاموش رہنے کے بعد نہایت کرب کے ساتھ فرمایا ''بیٹا جن کی تو بات کرتا ہے وہ تو اس دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں۔ البتہ میں تمہیں ان کی جیتی جاگتی تصویر دکھا سکتا

marfat.com

ہوں، جس کو دیکھ کر تم میرے برادر معظم کے سراپا کا تعین کر سکو گے"۔ اس رئیس نے جب سنا کہ قبلہ عالم سرکارِ لاثانی وصال فرما چکے ہیں تو نہایت غم کا اظہار کیا۔ حضرت قبلہ محدث علی پوری نے فرمایا کہ بیٹے خدا کی رضا کو تسلیم کیئے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ البتہ میں تمہیں اپنے بھائی کی ایک ایسی نشانی کی زیارت کروا سکتا ہوں جو اپنے دادا جان کی طرح سادگی کا پیکر ہے۔ یہ سن کر اس رئیس نے عرض کیا کہ میرے آقا اگر ایسی ہی بات ہے تو آپ مجھے ان کی زیارت ضرور کرائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ ان کا اسم گرامی کیا ہے۔ حضرت محدث علی پوری نے فرمایا "اس کا نام صاحبزادہ علی اکبر شاہ ہے اور وہ میرے برادر گرامی سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے پوتے ہیں"۔ حضرت قبلہ محدث علی پوری اس وقت نحیف اور کمزور تھے۔ چنانچہ آپ کے حکم پر بیل گاڑی میں پیال وغیرہ بچھا کر اوپر نرم وگداز گدا ڈال دیا گیا اور آپ صاحبزادہ پیر سید اختر حسین شاہ اور اس رئیس کو ساتھ لے کر بیل گاڑی میں سوار ہوئے اور اہل طریقت کی سنت کے مطابق آپ نے تحفے کے طور پر دیسی گنے کی شکر کا ایک تھیلا بھی ساتھ رکھوا لیا۔ شکر کا وزن ایک من کے قریب ہوگا۔

حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ جب دربار عالیہ لاثانیہ کے قریب پہنچے تو حضور قبلہ پیر سید علی اکبر شاہ صاحب والہانہ انداز میں آپ کے استقبال کیلئے تشریف لے گئے اور نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کو بیت اشرف میں لا کر آپ کی شان کے لائق خاطر و مدارت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اسی دوران میں حضرت قبلہ محدث علی پوری نے اپنے پوتے حضرت پیر سید اختر حسین شاہ کو ارشاد فرمایا "اختر حسین مجھے خدشہ تھا کہ کہیں علی پور سیداں سے ولایت ختم ہی نہ ہو جائے مگر بحمد للہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری و ساری رہے گا اور میرے بعد اگر تمہیں مجھے دیکھنے کی ضرورت پیش آئے تو صاحبزادہ سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر لیا کرنا۔

علاوہ ازیں حضور قبلہ محدث علی پوری نے پیر سید علی اکبر شاہ کی سادگی تواضع، محبت و اخلاص اور انکساری کو دیکھا تو حیدر آباد دکن سے آئے ہوئے رئیس نے برملا عرض کیا کہ حضور میں نے جو کچھ سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا تھا وہ سب کچھ میں نے صاحبزادہ صاحب میں دیکھ لیا ہے اور مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ میں سرکارِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے محروم نہیں رہا۔

حضرت قبلہ سید علی اکبر نے تمام اسلامی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس سلسلہ میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اس ضمن میں تحریک پاکستان خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہ دور اہل ایمان پر انتہائی کٹھن تھا۔ غلامی کی تاریکیاں چاروں طرف چھائی ہوئی تھیں۔ ایسے دور پُر

marfat.com

آشوب میں قائداعظم محمد علی جناح آزادی کے سورج بن کر اُبھرے اور آپ کی بے مثال قیادت نے غلامی پر رضا مند مسلمانوں کو آزادی کا متوالا بنا دیا۔ قائداعظم کی بے مثال جدو جہد کا ثمر تھا کہ سواد اعظم اہلسنّت و جماعت نے بالخصوص تحریک پاکستان کے سلسلہ میں قائداعظم سے بھرپور تعاون کیا۔ سنی مشائخ اور علمائے کرام نے قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے ارادت مندوں کو تحریک پاکستان کیلئے بھرپور کردار ادا کرنے کی تلقین کی۔

حضرت سید علی اکبر شاہ نے دوسرے صاجزادگان کے ہمراہ مسلم لیگ کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے بڑی تندہی اور جانفشانی سے دورے کئے۔ بالخصوص تحصیل شکر گڑھ میں جہاں آستانہ عالیہ علی پور شریف کے ارادت مند کثرت سے آباد ہیں' آپ نے تحریک پاکستان کی حقیقی روح پھونک دی۔

ان دوروں کے دوران میں انگریزوں کے چند پٹھوؤں نے جب آپ کو سیاست سے الگ رہنے کا مشورہ دیا تو آپ نے جرأت رندانہ سے اس مشورے کو ٹھکرا دیا۔ ۱۹۴۵ء۔۴۶ کے دوران میں آپ مسلم لیگ کو مزید مستحکم اور مضبوط بنانے کیلئے مسلسل تبلیغی دورے فرماتے ہوئے ضلع امرتسر تشریف لے گئے اور وہاں جلسۂ عام میں اپنے آستانہ سے وابستہ اصحاب ایمان کو پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

اتفاق کی بات کہ ان دنوں وہاں مجلس احرار کا جلسہ بھی تھا اور سید عطا اللہ شاہ بخاری کی تقریر تھی' جس میں انہوں نے حسب معمول پاکستان کے خلاف زہر اگلنا تھا' لوگوں نے بخاری صاحب کو بتایا کہ یہاں پر پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے بھی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ لوگوں کو مسلم لیگ کو کامیاب کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ چند لوگوں کے ساتھ پیر سید اکبر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

''حضور صاجزادہ صاحب شاید آپ کو معلوم ہی ہو کہ میں کسی پیر کا قائل نہیں مگر آپ کے جد امجد حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی کی بزرگی کا پورے طور سے معترف ہوں۔ ایک دفعہ وزیر آباد کے اسٹیشن پر اچانک میری ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ میں ان کی شخصیت اور گفتگو سے شدید متاثر اور مرعوب ہوں۔ وہ بلاشبہ مشائخ سلف کا نمونہ تھے۔

حضرت قبلہ صاجزادہ سید علی اکبر شاہ نے بخاری صاحب کی گفتگو سنی تو فرمایا:

marfat.com

''مولانا صاحب! میرے جد امجد کی تعریف کر کے آپ مجھے مسلم لیگ کی حمایت سے نہیں روک سکتے اور پاکستان کے خلاف آپ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا''۔

بخاری صاحب یہ صاف جواب سن کر مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

صاحبزادہ پیر سید علی اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچانے کیلئے دوسرے مشائخ اور صوفیاء کے ہمراہ اپنے ایمانی مشن کو پوری شدت سے جاری رکھا۔ بالآخر پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بن کر تاریخ کے اُفق پر عالمگیر حقیقت بن کر اُبھر آیا۔ آہستہ آہستہ جب وطن عزیز کے حکمران پاکستان کی نظریاتی بنیادوں سے روگردانی کرنے لگے تو آپ نے سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی تمام تر توجہ آستانہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے ارادت مندوں کی اصلاح اور روحانی سر بلندی پر صرف کر دی۔

حضرت قبلۂ عالم کی زندگی فقر و استغناء اور درویشی و پاکبازی کا نمونہ تھی۔ ایسا حسین نمونہ کہ جسے دیکھنے کیلئے زمانہ مدتوں ترستا ہے۔ آپ کی گفتگو دلآویز اور جاذب فکر تھی۔ بات کرتے تو آپ کے الفاظ بے اختیار دل کی گہرائیوں میں جگہ بنا لیتے۔ آپ طویل گفتگو سے اجتناب کرتے مگر اس مردِ درویش کے اقوال کی یہ تاثیر تھی کہ جو کچھ کہتے ارادت مند فوراً اسے اپنے عمل کا اعزاز بنا لیتے۔ شاید آپ جیسے مقبول زمانہ کے بارے میں شاعر نے کہا تھا کہ:

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

آپ عام پیران طریقت کے برعکس خود بھی صاحب عمل تھے اور عقیدت مندوں سے بھی توقع رکھتے تھے کہ وہ بھی صاحب عمل ہوں۔ آپ کے اعمال پاکیزہ میں شوکت اسلاف کی جھلک تھی۔ آپ کا مقصد دولت کا حصول کبھی نہیں رہا بلکہ آپ نے اپنے محترم اور عظیم المرتبت جد امجد حضور سرکار لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے۔ بوریا نشینی کو اپنا افتخار حیات بنائے رکھا۔ آپ تو اقبال کے اس شعر کی تفسیر مجسم تھے کہ:

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

نذرانوں کی وصولی سے احتیاط فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ بغرض تبلیغ بھٹیاں گوجراں تحصیل شکر گڑھ تشریف لے گئے تو بٹھالی کے نمبردار نے عرض کیا کہ آپ ہمارے گاؤں میں تشریف لائیں

marfat.com

سرکار لاثانی کے بہت سے ارادت مند بستے ہیں۔ آپ تشریف لائیں گے تو وہاں کے اہل ثروت کثیر تعداد میں نذرانے آپ کی نذر کریں گے۔ اس پر آپ نے شان استغناء کے ساتھ فرمایا:

''نمبردار جی ہم شہر شہر' قریہ قریہ اس لئے نہیں گھوم رہے کہ اپنے خاندانی مریدوں سے نذرانے وصول کرتے پھریں' ہم دعوت الی الحق اور تبلیغ دین کیلئے آتے ہیں۔ اگر آپ ہمیں نذرانے دینے کے بجائے خدا و رسول کی اتباع و پیروی کریں تو یہ ہمارے لئے خوشی کا باعث ہو گا۔ آپ لوگ سرکارِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کو اپنا لیں' قیامت کے دن یہی چیز آپ کے کام آئے گی''۔

حق تو یہ ہے کہ آپ کی یہی راست بازی' بے ریائی' پاکبازی اور روحانی بلند پروازی اہل شوق کے دلوں کو ایمان کی منزل پر فائز کرنے کا باعث بن گئی۔ آپ نے اپنے افکار اور نگاہوں کی پاکیزگی سے بے پناہ قوت تسخیر کا کام لیا اور جدھر جدھر بھی گئے' محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو لٹاتے رہے۔ آپ صحیح معنوں میں فنا فی الرسول تھے جب تک یہ زمانہ اپنا وجود رکھتا ہے ہر صاحب ایمان اس حقیقت کا اعتراف کرتا رہے گا کہ:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آپ کی تاریخ وصال ۳ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ ہے۔ اس تاریخ کو ملک کے اطراف و اکناف سے عقیدت مند آپ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوتے اور روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

ع......خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

marfat.com

حضرت شاہ رحمٰن نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ
(بھڑی شاہ رحمٰن)

پنجاب کے مشہور مذہبی اور معاشرتی تہواروں میں سے ایک عرس بھڑی شاہ رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ یہ سالانہ عرس اس جگہ پر منایا جاتا ہے جہاں عظیم روحانی شخصیت حضرت شاہ رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ ہے۔ حضرت شاہ رحمٰن وہ برگزیدہ صوفی تھے کہ جن کے فیوض روحانی کی بدولت اس علاقہ کے ہزاروں انسانوں کے تاریک دل ایمان کی روشنی سے منور ہو گئے۔ ان کی تمام زندگی علم و عمل کا نمونہ تھی۔ وہ خود بھی ایک صوفی باعمل تھے اور اپنے مریدوں سے بھی اسی اخلاص ایمانی پابندیٔ شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سربلندی کردار کی توقع رکھتے تھے۔ ان کی تعلیمات نہایت سادہ اور دلوں میں گھر کرنے والی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ارادت مند بھی شعائر اسلامی کی پاسداری کے پیکر بن گئے' جو بھی ایک باران کے حلقہ تربیت میں آیا وہ ہمیشہ کیلئے انہی کا ہو کر رہ گیا۔

بچپن کے زمانے میں ایک بار حضرت رحمٰن شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ بمقام بچہ چٹھہ کھیل رہے تھے کہ ادھر سے حضرت حاجی محمد قادری عرف حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ گزرے اور کچھ دیر قیام کیلئے اس گاؤں میں ٹھہر گئے۔ حضرت پاک رحمٰن کھیلتے کھیلتے ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان پر نگاہِ عنایت فرمائی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت پاک رحمٰن بے ہوش ہو گئے۔ دوسرے لڑکے فوراً ان کے گھر پہنچے اور والدہ کو تمام ماجرا سنایا' والدہ اپنے بیٹے کی بے ہوشی کا سن کر وہاں پہنچیں اور لڑکے کو اُٹھا کر حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر کے اس کی بیہوشی پر اپنی بے قراری کا اظہار کیا تو حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بچہ بالکل ٹھیک ہے آپ اس کو گھر لے جائیں' جب یہ سنِ بلوغ کو پہنچے تو ہمارے پاس لے آیئے گا"۔

سنِ بلوغ کو پہنچنے تک آپ کی یہی کیفیت مدہوشی رہی۔ آپ کی والدہ کو شیخ سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا اور وہ انہیں لے کر حضرت نوشہ گنج بخش کی خدمت میں لے گئیں۔ انہوں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تو یہ فوراً ٹھیک ہو گئے اور اپنی عمر کا ایک عرصہ پھر اس شیخ کامل کی صحبت میں گزار دیا۔ شیخ

marfat.com

نے بیعت کرنے کے فوری بعد ہی اس خاص توجہ سے نوازا کہ یہ معرفت اور طریقت کی منازل بڑی تیزی سے طے کرنے لگے اور جلد ہی فنا فی الشیخ کا رتبہ حاصل کر لیا۔ آپ کا طریق یہ تھا کہ یہ روزانہ ساہن پال (جہاں شیخ کی قیام گاہ تھی) سے شام کو اپنے گاؤں چلے آتے کہ کہیں وہاں قیام سے مجھ سے بے ادبی نہ ہو جائے' دو سال یہی معمول رہا۔ امتحان کی ابتدائی منازل طے ہو گئیں تو شیخ نے ہر روز آنے کی تکلیف اُٹھانے سے روک دیا اور آپ کو چھ مہینے اپنے پاس اور چھ مہینے اپنے گاؤں میں رہنے کا حکم دے دیا۔

آپ ریاضت نفس کے بڑے قائل تھے اور اسے نجات کا باعث سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔ اسی عبادت و ریاضت کے سلسلہ میں آپ نے شیخ کی راہنمائی کی بدولت کئی چلّے کاٹے اور تزکیۂ نفس اور تربیت روحانی کے مراحل ایمانی سے گزرتے رہے۔ جب حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عالم فانی سے کوچ کا وقت آیا تو انہوں نے سب مریدوں سے ان کی خواہشیں دریافت کیں۔ کسی نے مال و زر مانگا تو کسی نے دولت اور امیری' مگر آپ نے عرض کیا کہ ''حضرت میری تو یہی خواہش ہے کہ مجھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آپ کے قدموں میں اُٹھائے' آپ کا ساتھ بخشے اور امیری سے بچائے کیونکہ امیری سے آدمی سرکش ہو جاتا ہے' میرے لئے دال روٹی ہی کافی ہے''۔ حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن جا تو نے سب کچھ لے لیا' دنیا تیرے قدموں میں ہو گی اور تو اس کی پرواہ تک نہ کرے گا اور فقر کی شاخ کی خدمت کرے گا''۔

اپنے شیخ کامل کی وفات کے بعد آپ کچھ عرصہ بچہ چٹھہ میں رہے اور پھر تقریباً تیس سال کی عمر میں موجودہ گاؤں بھڑی شاہ رحمٰن تشریف لے آئے۔ آپ کے آنے سے پیشتر اس جگہ ایک شہر موسوم بہ اورنگ پور ڈھلہ تھا۔ یہ شہر زلزلے کی وجہ سے غرق ہو گیا۔ آپ کے اس جگہ پر قیام پذیر ہونے سے یہ ویران جگہ پھر بھڑی شاہ رحمٰن کے نام سے ہمیشہ کیلئے آباد ہو گئی۔

اُن دنوں بھڑی شاہ رحمٰن میں ایک بزرگ سید محمود شاہ نامی رہا کرتے تھے۔ وہ اپنی والدہ کو کندھوں پر اُٹھا کر جنگل میں پھرایا کرتے تھے۔ ایک بار وہ والدہ کو جنگل میں بٹھا کر دور چلے گئے کہ تاریک بادل اُمنڈ آئے۔ شاہ عبدالرحمٰن کا ادھر سے گزر ہوا تو ان کی والدہ کو بارش سے بچانے کیلئے محفوظ مقام پر لے آئے اور سردی سے بچانے کیلئے آگ روشن کر دی' جب سید محمود شاہ اپنی والدہ کی تلاش میں وہاں پہنچے تو پہلے تو ناراض ہوئے اور پھر اپنی والدہ کی زبانی حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

marfat.com

کی خدمت گزاری کا پتہ چلا تو غصہ کافور ہو گیا اور فرمایا کہ جو کچھ مجھے اللہ نے عطا کیا ہے وہ سب آپ کی نذر کرتا ہوں اور ہم چاروں بھائی بعد از مرگ بھی آپ کے چاروں طرف پہرا دیا کریں گے۔ چنانچہ آپ کے مزار کے مغرب میں سید محمود شاہ کا مزار ہے اور ان کے بقیہ تین بھائیوں کے مزارات باقی تین سمتوں میں ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ تارک الدنیا تھے مگر پھر بھی شریعت کے اہم فریضہ کی ادائیگی کیلئے دو مرتبہ شادی کی۔ آپ کی دوسری اہلیہ محترمہ سے تین صاحبزدیاں پیدا ہوئیں، جن میں سے ایک کی شادی حضرت عبدالرحیم سے ہوئی جو آپ کے رشتہ دار تھے اور آپ ہی سے بیعت بھی تھے۔

ایک دن حضرت عبدالرحیم نے حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ کے بعد کون آپ کے سلسلہ روحانی کو آگے بڑھائے گا تو حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خداوند کریم آپ کو ایک نیک بخت فرزند عطا کریں گے جو ہمارے فقر کے سلسلہ کی توسیع کریں گے اور وہ درحقیقت دوئم عبدالرحمٰن ہوں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا پوری ہوئی، حضرت عبدالرحیم کو خدا نے تین بیٹے دیئے، جن میں سے سب سے چھوٹے کا نام دولہا محمد زمان تھا، یہی محمد زمان آگے چل کر اپنی عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور فقر و استغناء کی بدولت دوئم عبدالرحمٰن مشہور ہوئے۔ حضرت محمد زمان اپنے والد سے بیعت تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آ کر نیویں مسجد میں آپ نے درس حاصل کیا اور علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ آپ کمال درجہ کے عالم تھے اور عالم بھی باعمل، شریعت کے حامی اور اس پر سختی سے کاربند تھے۔ ان سے پہلے دربار شاہ رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی زمین نہ تھی۔ آپ نے زمین خرید کر دربار کے نام وقف کی، لنگر کا سلسلہ جاری کیا۔ حجرے تعمیر کروائے، آپ فی الحقیقت دوئم عبدالرحمٰن تھے اور حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا تمام سلسلہ روحانیت آپ ہی کی وجہ سے پھیلا اور آپ ہی نے سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کی شاخ ڈالی اور اس سلسلہ کو پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیلا دیا۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا میں زندگی کے لیل و نہار اللہ تعالیٰ کی مرضی میں گزار کر ۱۱۲۵ھ کو عالم فانی سے عالم بقا کو سدھارے۔ آپ کے روضہ کی اوّلین تعمیر برخوردار ہرل کے ہاتھوں ہوئی، جو آپ کی بیعت سے شرف یاب ہونے سے قبل مغل فوج میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ بادشاہ نے کسی کام پر خوش ہو کر انہیں انعام دینا چاہا تو برخودار ہرل نے کہا کہ اگر آپ انعام دینا ہی چاہتے ہیں تو میرے پیشوا حضرت شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پُر انوار موضع بھڑی

marfat.com

شاہ میں شاہی خزانہ سے تعمیر کروا دیجئے۔ چنانچہ شاہی خرچ پر یہ مزار آپ کی وفات کے تقریباً بارہ برس بعد تعمیر ہوا' یہ مزار چھوٹی اینٹوں اور سیمنٹ سے اس خوبی سے بنایا گیا کہ خوبصورتی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ اس مزار کو پھر دوبارہ سیمنٹ وغیرہ کیا گیا۔

تیسری دفعہ ۱۳۶۴ھ میں مزار پر سفید سنگ مرمر لگایا گیا۔ مزار کے اندر ایک آب شفا ہے جو کہ شاہجہان سلطان ہندوستان نے عرب سے منگوا کر دیا۔ نیز یاد رہے کہ آپ کو مقبرہ کے اندر ایک صندوق میں بند کر کے دفن کیا گیا ہے اور صندوق زنجیروں سے لٹک رہا ہے۔ پہل روضہ پر جانے کیلئے سات سیڑھیوں سے گزرنا پڑتا تھا اور نیچے آپ کی قبر تک پہنچنے کیلئے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا' جس سے گزر کر صندوق کے پاس پہنچا جاتا تھا مگر اب اس دروازہ کو بند کر دیا گیا ہے اور سیڑھیاں اب صرف تین رہ گئی ہیں اور باقی سیڑھیاں زمین میں دب گئی ہیں۔

آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کے عرس کے ایام میں لاکھوں عقیدت مند دور دراز کے شہروں سے حاضر ہوتے ہیں اور فیوض روحانی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے دربار کا تمام انتظام اب محکمہ اوقاف نے سنبھال رکھا ہے اور حکومت کی زیرنگرانی آپ کے عرس کی تقریبات پُروقار اور شایانِ شان طریقے سے منعقد کی جاتی ہیں۔

marfat.com

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ

توکل شاہ کے جلووں سے دل معمور دیکھا ہے
انہی کے فیض سے افکار کو پُرنور دیکھا ہے
تمام اقوال ان کے بزم ہستی کا ہیں آئینہ
انہی کے لطف سے ہر قلب کو مخمور دیکھا ہے
اماں ملتی ہے جن کو ایسے درویشوں کی چوکھٹ پر
سدا رنج و الم کو ہم نے ان سے دُور دیکھا ہے
خدا کے ذکر میں شاغل؛ اسی کے نام پر واصل
خدائے پاک کی الفت میں ان کو چُور دیکھا ہے
ہمیشہ مشکلوں میں مسکراتے ان کو پایا ہے
پریشاں حالیوں میں ان کو ہی منصور دیکھا ہے
فنا فی اللہ ہو جانا سعادت ہی سعادت ہے
جو خواہش انکی ہو رب کو وہی منظور ہوتا ہے
رضاؔ جو ان خدا والوں کا رستہ چھوڑ دیتا ہے
اسے بے راہ پایا اس کا دل بے نور دیکھا ہے

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

درویش باخدا

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ درویش خدا مست تھے۔ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہنے والے مجذوب صفت شخصیت تھے۔ بہت حد تک کوشش فرماتے کہ آپ کی شخصیت عوام الناس سے پوشیدہ رہے۔ طالبین خدمت میں حاضری دیتے تو کسی اور طرف بھیج دیتے لیکن خوشبو تو خوشبو ہوتی ہے اسے جتنا چھپاؤ گے اتنا ہی زیادہ اس کا ظہور ہوگا۔ یہی حال مشک و عنبر کا ہے جو اپنے وجود کے اظہار کیلئے کسی عطار کی توصیف کے محتاج نہیں ہوتے۔

بزم ہستی میں چھپے گا کس سے حسن لاجواب
مشک اور عنبر کی خوشبو آپ ہے اپنا جواب

ویسے بھی اولیاء اللہ اپنی شان کے ظہور کیلئے سہاروں کے محتاج نہیں ہوتے' وہ تو معرفت الٰہی کے تمنائی ہوتے اور جب یہ دولت ان کا مقدر بن جاتی ہے تو ان کی خلوت بھی جلوت کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور وہ جہاں بھی ہوتے ہیں زمانہ ان کے قدموں کے نقوش تلاش کرتا ہوا ان کی تلاش میں ہوتا ہے۔ مردِ خدا حضرت قبلہ سائیںؒ توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی مردِ روزگار کہ جن سے ایک دنیا نے فیض حاصل کیا۔

آپ موضع بھکو کے ضلع گورداسپور میں ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹی عمر ہی تھی کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کے نانا جان نے کی' جن کا اسم گرامی جناب اللہ دین شاہ مست تھا۔ حضرت اللہ دین شاہ مست سلسلہ نوشاہیہ کے ایک بزرگ سے نسبت بیعت رکھتے تھے اور ان کی اجازت سے اسی سلسلہ کا فیض آگے کو پہنچا رہے تھے۔

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی کو بچپن ہی سے بزرگوں کی صحبت کا شوق دامن گیر تھا۔ اس جذبہ نے سن بلوغ سے پہلے ہی آپ کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ جستجو نہ جانے کہاں کہاں لئے پھری' پھرتے پھراتے اجمیر شریف جا پہنچے۔ خانقاہ عالیہ میں ایک چشتی نظامی بزرگ قیام پذیر

marfat.com

تھے۔ ان پر محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ صبح سے اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے ظہر تک مراقبے میں رہتے' حتیٰ کہ سماع میں بھی شریک نہ ہوتے' آپ اکثر اوقات ان کی صحبت میں گزارتے۔

ایک روز اُس مرد خدا نے حضرت کو بطریق چشتیہ نفی اثبات کی تلقین فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں اُسی وقت میرے قلب میں کلمہ شریف جاری ہو گیا اور عجیب کیفیت کا ورود ہوا۔ نہ کچھ عرصہ بعد خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حکم ہوا کہ تم سلسلہ نقشبندیہ میں صاحب ارشاد ہو گے۔ تمہارا پیر پنجاب میں ہے وہاں چلے جاؤ۔ آپ تلاش مرشد میں واپس پنجاب آئے۔ راستہ میں ایک مجذوب ملا اُس نے کہا تم جہاں خیلاں چلے جاؤ۔ جب آپ جہاں خیلاں کے قریب پہنچے تو ایک مجذوبہ عورت نے کہا: آگئے ہو' آفتاب ہدایت غروب ہونے والا ہے' جلدی سے اپنا حصہ لے لو۔ الغرض آپ شمس العرفان خواجہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بوقت تلقین شیخ کامل نے مرید صادق سے فرمایا ''اکو واری یا کیاری کیاری'' آپ نے عرض کیا کہ ''اکو واری''۔ شیخ نے آپ کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور نسبت نقشبندیہ کا القا کرتے ہوئے انوار و لطائف سبعہ اور فیوض اور واردات و لایت ثلاثہ سے مالا مال کر دیا۔ فیض کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ناک سے خون بہنے لگا' اور بے ہوش ہو گئے۔

ع...... نہ تو تو رہا نہ ہی میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

کچھ عرصہ شیخ کامل کی خدمت میں رہنے کے بعد شہر انبالہ رہنے کی اجازت ہو گئی۔ آپ انبالہ چلے آئے اور ہمیشہ کیلئے انبالہ شریف وطن مالوف بن گیا۔ البتہ گاہے گاہے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شمس العرفان نے خلافت سے مشرف فرما کر مسند ارشاد پر بٹھا دیا۔

سائیں توکل شاہ انبالوی خلافت کی حقیقت اور حیثیت سے آگاہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دنیاوی جاہ پسندی زمانے کو متاثر کرنے کیلئے نہیں ہوتی بلکہ اس سے دلوں کو گداز اور روح کو بلندئ پرواز عطا ہوتی ہے۔ خلافت چھینی نہیں جاتی' مال و دولت جاہ و حشمت سے عطا نہیں ہوتی' اور جو خلافت کسی دنیادار پیر کو اپنے عہدے اور رتبے سے متاثر کر کے عطا ہوتی ہے اس کا مقام و مرتبہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ فقط ایک دھوکا ہے اور کتنا بدقسمت ہے وہ انسان جو تصوف کے راستے پر دھوکا دینا پسند کرے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کیلئے کہا گیا ہے کہ دنیا و آخرت کے خسارے میں رہتے ہیں۔

جناب سید ظہور الدین اس بارے میں آپ کے خیالات کے حوالے سے کہا کرتے تھے کہ

حضور اکثر فرمایا کرتے کہ خلافت آسمان سے خدا کی طرف سے آتی ہے۔ حضور کا ارشاد

marfat.com

ہے کہ ہم اپنے پیر دستگیر کے چہلم پر گئے۔ تمام خلفاء کی دستار بندی ہوئی مگر مجھے کمسن سمجھ کر دستاری بندی نہ کرائی گئی۔ میں اسی فکر میں جنگل کی طرف چلا گیا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ عالم سکرات میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی لمبی دستار کا پلہ عرش سے میرے پاس آیا' آواز آئی اس کو باندھ لو۔ یہ دستار اللہ کی طرف سے آئی ہے، میں نے اُسے باندھنا شروع کر دیا۔ دستار اتنی لمبی تھی کہ میں اُسے باندھے گیا اور باندھتے باندھتے تھک گیا مگر وہ ختم نہ ہوئی۔

طریقت کی بنیاد ہی مجاہدہ پر ہے۔ جذب و محبت' سوز و گداز' پھر شیخ کامل کی نظر کیمیا اثر' مجاہدات و ریاضات آپ کا مزاج بن گیا تھا۔ آپ پر ہر وقت جذب طاری رہتا۔ علاوہ دیگر اوراد و مشاغل کے سلطان الاذکار کا اکثر شغل رکھتے۔ تالاب میں غوطہ لگا کر حبس دم کے ساتھ یہ شغل کرتے اور دو دو گھنٹہ کے بعد سر نکالتے۔

درود شریف آپ کے وظائف میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے' جس خوبی سے آپ نے نبھایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس ورد کے دوران کسی سے کلام نہ فرماتے' جب آپ درود شریف کا ورد فرماتے تو اپنے لب ہائے مبارک کو یوں ملا کر چوستے جیسے رَس چوس رہے ہوں۔ پوچھنے پر فرمایا ''جب درود شریف پڑھتا ہوں تو منہ میں مٹھائی سی گھل جاتی ہے۔ متوسلین کو اس ورد کی تلقین فرماتے اور اکثر اس کے فضائل اور فوائد بتاتے''۔

اس عرشی دستار والے نے اپنے پیر دستگیر حضرت خواجہ قادر بخش قدس سرہٗ کے وصال کے بعد دیر تک سلسلۂ بیعت جاری نہیں کیا۔ جو کوئی بیعت ہونے آتا' آپ اُسے حاجی محمود جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے یا اپنے پیر بھائی خلیفہ عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیتے اور اپنے پاس کسی کو نہ بیٹھنے دیتے اور نہ ہی اللہ کا نام بتاتے۔ پھر عالم کشف میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا اور سلسلہ جاری فرما دیا۔ پھر تو یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے آ گیا۔ آپ کی صحبت میں عجیب اثر تھا' اپنوں کا تو کیا ذکر بیگانے بھی آپ کو دیکھتے تو بے ساختہ بول اُٹھتے کہ یہ ولی اللہ ہے۔ ایسے پاکیزہ قدسی نفوس اپنوں سے بڑھ کر بیگانوں کے محبوب بن جاتے ہیں۔ اسی لئے آپ کی ولایت مسلم اور غیر مسلم سب پر یکساں چھائی ہوئی تھی اور سب حسب مرتبہ مقصد کو پہنچتے۔

مصنف ''ذکر خیر'' خواجہ محبوب عالم قدس سرہٗ فرماتے ہیں'' حضور اکثر فرماتے کہ اب تو ہمارا ڈیرہ ہی حقیقت محمدیہ میں ہو گیا''۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اتباع سنت میں آپ کا کیا مقام تھا اور یہ اعمال بلاتکلف آپ سے صادر ہوتے اور زندگی کا ہر شعبہ سنت نبوی کا نمونہ تھا۔ عمر بھر میں

marfat.com

آپ ایک چپہ زمین کے مالک نہ بنے۔ فرماتے کہ یہ فساد کی جڑ ہے۔ پلنگ پر کبھی آرام نہ فرمایا' فرماتے دو جہاں کے سردار تو زمین پر بستر کریں اور ہم پلنگوں پر آرام کریں۔ فرماتے اتباع سنت کی بناء پر نکاح بھی کیا ہے ورنہ اس کا خیال تک بھی نہ تھا' حجرہ شریف کچا ہی رہا' بجائے دری یا قالین کے کسیر کا گھاس بچھا رہا۔

جیسا کہ ہم کئی مقامات پر تحریر کر چکے ہیں کہ ان اللہ والوں کے اقوال آب زر سے لکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ عام آدمی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ یہ کسی مرد کامل کی عمر کا حاصل ہوتے ہیں۔ ان اقوال میں ان کا روحانی مشاہدہ اور عرفانی تجربہ شامل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے آپ کے چند اقوال ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ فرمایا: علم ظاہر کے بغیر فقر میں قدم رکھنا گمراہی ہے۔ رہا علم لدنی سو یہ محض خدا کا فضل اور انعام ہے جو ہر کسی کا حصہ نہیں۔

۲۔ ایک روز حیات و ممات کے مسئلہ میں گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں لیکن ہم سنتے آ رہے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں"۔ اس حیات کے کیا معنی ہیں۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی حیات النبی ہیں۔ حیات کے یہ معنی ہیں کہ جیسے تصرفات و اختیارات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بوقت حیات ظاہری جاری تھے وہ اب روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے بدستور جاری ہیں۔ پھر فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ہی اعلیٰ ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے تمام اولیاء اللہ بھی زندہ ہیں۔ اُن کی قبور میں اُن کی ارواح سے فیض جاری ہے۔

۳۔ تصورِ شیخ کا تذکرہ تھا' کسی نے کہا کہ تصور شیخ کو علما نے شرک لکھا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ پتھر کا بت ہو یا تصویر وغیرہ وہ سب مصنوع انسان ہیں' ان کا تصور کرنا عین شرک ہے اور بے حاصل ہے مگر مرشد خاص خداوند تعالیٰ کی صنعت ہے اس کا تصور شرک نہیں ہو سکتا۔

۴۔ ارواح بزرگان کو ایصالِ ثواب کے بارہ میں آپ نے فرمایا "ایک دفعہ ہم نے اپنے خواجہ صاحب کا ختم دلایا اور رکابیوں میں کھانا ڈال کر سب کے سامنے چن کر اُن پر فاتحہ کہلائی تو بحالت مکاشفہ یہ کیفیت دیکھی کہ ان رکابیوں کی نوری شکل بن گئی ہے۔ طعام سے بھری ہوئی وہ نوری شکل کی رکابیاں آسمان پر چڑھ رہی ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ آسمان سے بھری ہوئی وہی نوری شکل

marfat.com

کی رکابیاں اُتر کر حضرت خواجہ صاحب کی قبر پر جا رہی ہیں"۔ پھر فرمایا "مرنے کے بعد بدن کو غذا کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ وہ فنا ہو جاتا ہے' البتہ روح کو غذا کی ضرورت ہے اور چونکہ یہ دنیاوی کھانے روح کی غذا نہیں بن سکتے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان کھانوں کو نور سے بدلا جائے اور نور سے بدلنے کا یہی طریقہ ہے"۔

اس کائنات میں ہر چیز فانی ہے۔ بڑے بڑے مصلحین' روحانی شخصیات' مدبرین کو بالآخر اس کائنات سے چلنا ہی ہوتا ہے لیکن عام لوگوں اور ان مردان خدا میں یہ امتیاز ہوتا ہے' عام لوگوں کے جانے کے بعد ان کا نام بہت جلد دنیا والوں کے دلوں سے محو ہو جاتا ہے مگر ان مردان حق کا پیغام اور کام شام ابد تک زندہ رہتا ہے۔ یہ خدا کے ہو کر زندہ رہتے ہیں اور خدا اپنے پیاروں کا نام نامی کبھی مٹنے نہیں دیتا۔ ان کا جانا اس شان سے ہوتا ہے کہ:

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن و صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

آخر عمر حضور (رحمۃ اللہ علیہ) کو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہوئیں۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اٹھاون سال کی ہوئی تو قرب و وصال کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ ۱۳۱۳ھ میں فرمایا "اب ساڈا وقت نیڑے آ گیا اے" ہم نے دیکھا کہ ہماری روح سبز کا ہی کا عمامہ باندھے بدن سے جدا تیار بیٹھی ہے۔ ۱۳۱۵ھ تک مرض بڑھتا ہی رہا۔ آپ اکثر دعا میں فرماتے "خدایا مجھے شہادت کی موت عطا فرما"۔ یہ اُسی دعا کی برکت تھی کہ وصال سے ایک ماہ قبل اسہال کبدی شروع ہو گئے۔ دوا پیتے ہوئے فرماتے کہ ہم صرف سنت سمجھ کر دوا پی رہے ہیں۔ آخر نہ ٹلنے والی گھڑی آن پہنچی۔ ۴ ربیع الاوّل ۱۳۱۵ھ چہار شنبہ کا دن تھا۔ آپ نے فجر کی نماز اوّل وقت چارپائی پر لیٹے ہوئے اشارہ سے باجماعت ادا کی۔ یہ آپ کی آخری نماز تھی' کرب و بے چینی برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی اُٹھتے اور کبھی لیٹ جاتے۔ آخر میں شہد کا شربت نوش فرمایا اور پوچھا کیا وقت نماز ہے۔ عرض کیا گیا نہیں۔ فرمایا وقت مراقبہ تو ہے۔ عرض کیا گیا' ہاں۔ یہ سن کر دو زانو تشریف فرما ہوئے۔ دس بجے دن کا وقت تھا کہ حبس دم کے ساتھ سلطان الاذکار شروع کیا۔ دو دفعہ حبس دم کر کے سانس لیا۔ تیسری دفعہ حبس دم کیا تو روح اعلیٰ علیین پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون O

آپ کے خلفاء اور مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اختصار کے مدنظر صرف چار خلفاء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

marfat.com

۱۔ خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ محبوب عالم قدس سرہٗ (مزار سیداشریف ضلع گجرات)

وفات ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۷ء

۲۔ حضرت خلیفہ حاجی مظفر علی خاں مراد آبادی (مزار شہر حصار بھارت)

۹۱ برس کی عمر میں وصال ہوا۔ ۲۴ جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۹۲۰ء

۳۔ حضرت سائیں عبدالکریم شاہ صاحب

اپنے پیر و مرشد کے در پاک کے عین سامنے آسودۂ خاک ہیں۔

۴۔ حضرت خلیفہ میر یوسف علی شاہ دہلوی (مزار اقدس انبالہ شریف)

خدائے کریم کی لاکھوں رحمتیں ہوں اس مرد قلندر پر جو آج اپنے مزار پُر انوار میں آسودۂ لحد ہے مگر جس کی روحانی تجلیات اب بھی بے شمار دلوں کو فکر و عمل کی روشنی سے ضوبار کر رہی ہیں۔

marfat.com

شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

بہار بے خزاں ہے گلستاں شیر محمد کا
پیام زندگی ہے آستان شیر محمد کا
میاں ' شیر محمدؒ قطب عالمؒ شیر یزدانی
ہے دریائے کرم ہر سو رواں شیر محمد کا
پیو دو گھونٹ تم بھی چشمہ رحمت کے متوالو
کہ ہے زوروں پہ لطف بے کراں شیر محمد کا
دلوں نے روشنی لی آپ کے افکار عالی سے
چراغ معرفت ہے ضوفشاں شیر محمد کا
وہ شاہ شرقپورؒ مرد یقینؒ قندیل برہانی
فروغ دین ہے حسن بیاں شیر محمد کا
جہان نقشبندیت کا اس کو حکمران کہیے
دلوں پر راج ہے اب بے گماں شیر محمد کا
غلامانِ مجدد کے لئے وہ نازش عالم
بہر انداز ہے رتبہ عیاں شیر محمد کا
نرالی زندگی پھر سے رضاؔ اسلام نے پائی
اڑا جب پرچم عالی نشان شیر محمد کا

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ انتہائی خوش قسمت انسان تھے جنہوں نے تعلیمات قرآن کے نور سے بے شمار دلوں میں اجالا کر دیا۔ بے شمار دلوں میں اس شان سے نقشبندیت کے حوالے سے پابندی شریعت کو فروغ دیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روشن دور کی یاد تازہ ہوگئی۔ آپ نے خلفائے کرام کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جس نے برصغیر پاک وہند میں سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ آپ کو ''شیر ربانی'' کہا جاتا ہے کیونکہ کلمۂ حق آپ کا شعار تھا اور آپ اس سلسلہ میں کسی مصلحت یا رعایت کے قائل نہیں تھے۔

یہی حسن صداقت جہاں میں نور پھیلاؤ
شریعت کے علم کو دہر میں ہر سمت لہراؤ

آپ 1865ء میں بمقام شرقپور شریف حضرت میاں عزیز الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ آغاز ہی سے نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔ سکول میں بھی ظاہری علوم سے زیادہ روحانی علوم پر توجہ مائل تھی۔ خوش نویسی کی مشق کی اور اپنے چچا حافظ حمید الدین سے فارسی کی کتب پڑھیں۔ نقشبندی سلسلہ میں آپ نے حضرت خواجہ امام علی شاہ مکان شریف کے خلیفہ حضرت خواجہ امیر الدین کوٹلہ شریف والوں سے بیعت کی۔ بیعت کے ساتھ ہی آپ پر بے قرار، اضطرار اور استغراق کا جذبہ طاری ہوگیا۔ مسجدوں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے اور رب کریم کو آوازیں دے دے کر پکارتے۔ آپ نے اشاعت اسلام کے لئے ہوشیار پور، دیپال پور، حجرہ شاہ مقیم، مکان شریف، کوٹلہ شریف، فیروز پور، لاہور، بیربل شریف، کشمیر، پانی پت، کلیر شریف، شاہ پور، امرتسر، ملتان، اور سرہند شریف سمیت درجنوں مقامات کے سفر کئے۔ درجنوں شیوخ اور بزرگان دین سے اکتساب فیض روحانی کیا اور بے شمار لوگ آپ کے الفاظ کی تاثیر سے راہ حق پر گامزن ہوئے۔ لاہور سے آپ کو خصوصی پیار تھا۔ صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی ''انقلاب الحقیقت'' میں لکھتے ہیں کہ لاہور کے عوام میں آپ کا تذکرہ اور آپ کے حالات بہت سنے ہیں۔ لاہور میں آپ کے بہت ڈیرے اور مقام تھے جن میں آپ

marfat.com

ارادت مندوں سے ملاقات کے لئے قیام فرما ہوتے۔ لاہور میں درج ذیل بزرگوں سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے۔ حضرت آغا شاہ جو حضرت شاہ محمد غوث کی اولاد سے تھے۔ حضرت سید میر جان کابلی نقشبندی' حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ لاہوری' حضرت مولانا غلام محمد بھیروی اکثر جمعرات اور جمعہ کو آپ کے ارشادات سننے کے لئے حاضری دیتے۔

نام سید ذوالفقار حسین تھا' مولانا یار محمد سہارن پوری چشتی صابری سے بیعت تھے۔ حضرت میاں صاحب شرقپوری سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت میاں صاحب شرقپوری کے متعلق آپ جب سنتے کہ وہ لاہور میں کہیں آئے ہیں تو آپ فوراً حاضری دیتے۔ شرقپور شریف بھی حاضر ہوتے۔ مولانا مضطر شرقپور شریف میں واقع حضرت میاں صاحب کی کچی رہائش گاہ کا ذکر کرتے ہوئے اکثر اشکبار ہو جاتے اور فرمایا کرتے کہ درویشوں کی طرح ہی رہنا چاہیے جس طرح حضرت میاں صاحب اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

حافظ فتح محمد اچھروی المتوفی ۱۹۱۶ء

حضرت میاں صاحب شرقپوری لاہور میں کثرت سے آپ کے پاس آیا کرتے تھے اور آپ سے مخلصانہ محبت رکھتے تھے' اچھرہ میں جامعہ فتحیہ آپ کے نام سے ہی قائم ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال لاہوری المتوفی ۱۹۳۸ء

حکیم الامت علامہ محمد اقبال بھی آپ کی خدمت میں شرقپور شریف حاضر ہوتے تھے۔ تفصیل ''ذکر اقبال'' مؤلف عبدالمجید سالک اور ''حیات اقبال' تاج کمپنی میں دیکھی جاسکتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے ساتھ میاں محمد شفیع' میاں فضل حسین اور ایک اور صاحب شرقپور گئے تھے۔

علامہ اصغر علی روحی لاہوری المتوفی ۱۹۵۴ء

پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور تھے' آپ اکثر حضرت میاں صاحب کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے۔

حافظ فخر الدین لاہوری

آپ مسجد حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری کے امام تھے' حضرت میاں صاحب آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے۔

marfat.com

مزید برآں حضرت میاں شہاب الدین قادری' حضرت شاہ ابو الخیر نقشبندی' حضرت شیخ ابراہیم جیلانی بغدادی (اولاد حضرت غوث الاعظم)

آپ پر حضرت داتا گنج بخش کی خصوصی نظر کرم تھی۔ میاں صاحب خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت داتا گنج بخش کے مرقد منور کے پاس سے گزر رہا تھا کہ درگاہ سے ایک آواز آئی۔ میں نے کہا جو کچھ دینا ہے میرے پیچھے پیچھے بھیج دیجئے چنانچہ آپ کی نسبت میرے ساتھ چلی آئی۔ نواب رام پور' میاں محمد شفیع' خان بہادر کرنل ڈاکٹر محمد یوسف' میاں افتخار' میاں قمر الدین اجمیری جیسے لوگ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے۔

حضرت میاں محمد اسماعیل کرمانوالے فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب شرقپوری کا ارشاد تھا کہ آپ کے ہاتھوں اللہ کریم لاہور میں ایک مسجد آباد کرائیں گے اور مسجد نور مغلپورہ لاہور آباد ہوئی۔ یہ وہ مسجد ہے جو ویرانگی کی حالت میں تھی اور جس میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی دہلوی' امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی نے نمازیں ادا کی تھیں۔

آپ سنت نبوی پر اتنی سختی سے عمل کرتے اور کراتے تھے کہ باید وشاید' اپنی مجلس میں کسی داڑھی منڈوانے والے کو کچھ سنانے کے لئے کھڑا نہ ہونے دیتے۔ نماز کے وقت پہلی صف میں داڑھی منڈوانے والے کو کھڑا نہ ہونے دیا جاتا خواہ وہ کس قدر امیر ہی کیوں نہ ہو۔ ساری عمر رسول اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور اتباع سنت کی مکمل تعمیل کرتے رہے۔ پابندی شریعت پر آپ بہت زور دیتے تھے' فرمایا کرتے تھے کہ شریعت کی پابندی نماز' روزہ کے فرائض کی تکمیل ہی نہیں' بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حسن معاملہ بھی لازمی ہے۔ حضرت میاں صاحب جلال و جمال کی ہر دو صفات کمال سے آراستہ تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے عشق میں غرق رہتے تھے۔ اگر کسی کو سنت کے خلاف کام کرتے دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے۔ انگریزی بود و باش اور طرز معاشرت کے شدید مخالف تھے۔ مروجہ تصوف کے بھی خلاف تھے جس میں بے عمل صوفی شامل ہوتے۔ اگر کوئی شخص حاجت روائی کے لئے آتا تو فرماتے کہ تم میرے پاس کس لئے آتے ہو' نماز پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کرلیا کرو۔ اگر کوئی نمازی ہوتا تو اسے تہجد ادا کرنے کی تلقین فرماتے۔ حق گوئی میں شمشیر برہنہ تھے۔ انگریزی تہذیب کے دلدادہ یا کالجوں اور دفاتر کے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات ہوتے ان سے برملا اسلام کی حقانیت بیان فرماتے۔ معاشرتی برائیوں کے انسداد کے لئے بے پایاں خدمات سرانجام دیں' بلکہ آپ نے ان کو ختم کرنے کے لئے جہاد کیا۔ جو لوگ حاضر ہوتے ان کو سماجی برائیوں سے

marfat.com

اجتناب برتنے کی ترغیب دیتے نذرانوں سے نفرت کرتے تھے۔ دستر خوان نہایت وسیع تھا۔ نہایت متواضع، راست گو، خوش خلق اور سلیم الطبع تھے، سادہ لباس زیب تن فرماتے۔

اللہ اللہ کرنے کا شوق تو حضور کو بچپن سے تھا اور تعلیم کے زمانے میں فارغ وقت گوشہ مسجد میں اللہ اللہ کرنے میں گزارتے۔ اور رقت طبعیت میں اس قدر تھی کہ محبوب حقیقی کی یاد میں رونا گویا آپ کی گھٹی میں تھا۔ طبیعت کے اس زور نے وجد و ذوق کی ایسی حالت پیدا کر لی کہ زمانہ تربیت میں حضور کی طبیعت کا یہ خاصہ بن گیا اور معمولی سے دعیہ سے طبیعت بے قابو ہو جاتی اور وجد طاری ہو جاتا۔ آپ نے اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں کثرت سے حاضری دی اور گاہے گاہے حضرت بابا امیر الدین بھی شرقپور شریف تشریف لاتے اور آتش محبت کو اور بھڑکاتے۔ مادر زاد اولیاء اللہ کو بھی ظاہری رسوم سے گزرنا پڑتا ہے حضرت میاں صاحب نے جذب باطن اور سلوک الی اللہ دونوں منازل طے کر لیں تو حضرت مرشد نے اجازت طریقت عنایت فرمائی اور سلسلہ کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد فرمائیں۔

آپ خود تو مادر زاد ولی اللہ تھے، جذب وسلوک کے دونوں شہپر آپ صناع قدرت سے بنوا کر لائے تھے لیکن آپ جب تربیت کی مسند پر بیٹھے تو ہزاروں کی بگڑی بنا دی۔ مجرم، جرم سے لتھڑے آتے اور نور کا لباس پہن کر جاتے۔ ایک ہی نظر میں دل کے سارے کھوٹ دُھل جاتے اور بندہ اپنی حقیقت بندگی سے آشنا ہو جاتا۔

حاجی فضل احمد مدیر ماہنامہ سلسبیل آپ کے حوالے سے لکھتے ہیں

گستاخ اور بے باک آنکھیں آتیں اور حیا سے بھرپور ہو کر جاتیں۔ سنگ دل اپنی سنگ دلی کے پتھر لاتے اور آنسوؤں کے موتیوں کی جھولیاں بھر بھر لے جاتے۔ غافل اپنی غفلت کے نشے سے چور، مجبور و بے نصیب ہو کر آتے اور ذکر وفکر کے آسمانی نغمے زبان حال وقال سے الاپتے جاتے اور ایک دفعہ تو ایسے ڈھل جاتے کہ گویا مدینہ رسول سے ہو کر آئے ہیں اور رسالت کے نور کی تازہ شعائیں اپنے سینوں میں بھر لائے ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا□: **من احیاء سنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید** (جس نے میری سنت کو اس وقت زندہ کیا جب امت فتنہ وفساد کی نذر ہو گی اس کے لئے ایک سو شہید کا ثواب ہے)

حضرت میاں صاحب کو سنت رسول اکرم سے عشق تھا۔ آپ کی عادات واطوار، حرکات

marfat.com

وسکنات، سنت کا عین عکس تھیں۔ گفتار، رفتار، لباس، پوشاک، کھانے پینے میں سنت کی خوشبو آتی تھی اور سنت کا نقشہ ہر مقام پہ دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ خلاف سنت امور سے آپ کو سخت نفرت تھی اپنے والہانہ جذبہ محبت سے اور عشق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسا ذوق شوق اور ایسا سوز و درد اور ایسی اتباع کامل کا ماحول پیدا ہو گیا تھا کہ شرقپور شریف آنے جانے والے اور حضرت اقدس سے تعلق رکھنے والے چہرے اپنی مثال آپ تھے۔ نور کی تصویریں آسمانی ڈھانچوں میں ڈھل کر زمین پہ اتری تھیں، سفید لباس، ٹوپی اور دستار، باوقار وجود، کم بولنے والے، اپنی غرض سے غرض رکھنے والے، سینکڑوں نہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں مقبولان بارگاہ الٰہی پنجاب کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ شرقپور شریف کا سکہ اتنا مقبول و معروف تھا کہ کوئی نگاہ مغالطہ نہ کھاتی تھی اور اس فیض میں گندھے ہوئے اثر کی پائیداری کا اندازہ اس سے لگائیں کہ بہار کے ان موسموں کو گزرے ہوئے بھی سالہا سال ہو گئے لیکن عرس مبارک کے اجتماع کو ایک نظر دیکھ جائیں۔ ایسا عجب نقشہ کہیں ڈھونڈے نہیں ملتا۔ سنت کے مطابق داڑھیاں، نور سے بھرپور چہرے، خندہ پیشانیاں، اطاعت کا رنگ لئے ہوئے برکت بھرے وجود ادھر ادھر نظر آئیں گے اور موسم گل کی یاد آنکھوں کو دکھلائیں گے۔

چونکہ گل رفت وگلستان شد خراب بوئے گل را از کہ جویم از گلاب

تربیت روحانی میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور آپ کا کوئی وار خطا نہ جاتا تھا۔ عوام کو اپنی زبان سے کچھ فرماتے تھے اور باتوں ہی باتوں میں دنیا کا نقشہ بدل جاتا۔ ساری دنیا فنا ہی فنا نظر آتی، لامذہبی کی جگہ مذہب اپنا نورانی چہرے دکھاتا۔ رسوم بد کی حقیقت آنکھوں کے سامنے آ جاتی۔

آپ کو دولت دنیا سے محبت نہ تھی اور دولت کو خدا سے دور ہونے کا ذریعہ سمجھتے۔ آپ سمجھایا کرتے کہ فقر و درویشی ہمارا سرمایہ ہے اور اگر ہم اس سرمایہ کو چھوڑ کر مال و دولت اور حرص میں کھو گئے تو پھر نہ ہم دین کے رہیں گے اور نہ ہی دنیا میں اعزاز و سربلندی حاصل کر سکتے ہیں۔ انگریزوں اور انگریزی تہذیب و تمدن سے نفرت کرتے۔ مسلمانوں کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے۔ باطل قوتوں سے نفرت فرماتے اور اہل ایمان کو بھی شیطانی شر سے بچنے کی تلقین فرماتے اور آپ کے فرمودات کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

مجلس شریف میں اکثر موجودہ تمدن کی حقیقت ظاہر فرماتے کہ پیسوں کے بتوں نے ہمارے

marfat.com

اندر بھی بت پیدا کر دیئے ہیں۔ (دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے) انگریزی کلوں نے ہمیں تباہ کر دیا وغیرہ وغیرہ' تاثیر اور روحانیت سے بھرے بھرے الفاظ سن کر آنکھیں برس پڑتیں اور دنیا کی حقیقت سامنے آ جاتی۔ کبھی اپنا دست شفقت طالب کے جسم پر رکھتے اور برقی لہریں سائل کو گھیر لیتیں۔ ظاہر و باطن کا سارا نقشہ فی الفور بدل جاتا۔

خواص کے لئے اکثر آپ یہ مبارک عمل فرماتے کہ طالب علم کے زانو پر ہاتھ رکھا اور مراقبانہ صورت میں ہو گئے۔ آپ کے وجود سے روحانی لہریں اٹھتیں اور ہاتھ مبارک کو آہستہ آہستہ جھٹکے لگتے اور دل کے یہ جذب معمول کے رگ و ریشہ میں اتر جاتے۔

مجدد طریقت' غوث زمان' جذب و سلوک کے مجمع البحرین حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت عمومی کے نشانات تو شرق و غرب میں پھیلے ہوئے تھے لیکن خلافت اور جانشینی کا مرتبہ تو ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم کے مصداق خاص الخاص موہبت ربانی ہے جس کو چاہیں نواز دیں۔

حضرت اعلیٰ غوث زمان میاں صاحب نے باغ جہاں میں آ کر عجب بوٹے لگائے۔ فیض کے دریا بہائے اور سنت سید الانام ﷺ کو زندہ کیا۔ 65 سال کی عمر تھی کہ آپ بیمار ہوئے اور جمعہ کمزوری کی وجہ سے مسجد میں نہ آ سکے۔ غلامان کو اس حال میں بھی باریابی ہوتی تھی۔ وعظ تلقین' ذکر و فکر اور دعا و نصیحت فرماتے تھے بعض اطباء نے تبدیلی ہوا کے لئے سفر کشمیر کا مشورہ دیا۔ آپ کشمیر تشریف لے گئے تین روز وہاں ٹھہرے پھر واپس تشریف لائے۔ طبیعت زیادہ علیل ہو گئی۔ لاہور علاج کے لئے لایا گیا لیکن اس محبوب الٰہی کے لئے عالم لاہوت میں جانا اس عالم ناسوت کی رہائش سے زیادہ ضروری قرار پایا اور عرش کی فضاؤں میں پرواز کرنے والے شہباز کے لئے اپنی خاص فضائیں مقرر ہو گئیں۔

تین ربیع الاول 1347ء دوشنبہ کا دن تھا' شام کے پانچ بجے سکرات کے آثار ہو گئے اور رات کے ساڑھے دس بجے اللہ کا یہ محبوب اور اللہ کا یہ عاشق زار اپنے محبوب کے وصال سے سرفراز ہوا اور اپنے حقیقی وطن میں جا اقامت گزیں ہوا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ولی اللہ کی موت' موت نہیں ہوتی' یہ محبوب حقیقی سے وصال کا ایک ذریعہ ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب (موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے

marfat.com

ملا دیتا ہے)۔

رات کے وقت حضور رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیا گیا' صبح آپ کا جنازہ اٹھایا گیا سات ہزار کے قریب مخلصین نے جنازہ میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت صاحبزادہ محمد مظہر قیوم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ساڑھے چھ بجے شام حضور کو لحد مبارک میں اتار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک پر کروڑوں رحمتیں برسائے۔

آپ نے اپنے مریدوں کی اس طرح تربیت فرمائی کہ محبت رسول اور اوصاف اولیاء کا اعلیٰ ترین نمونہ بن گئے۔ خصوصاً آپ کے خلفا اور جانشینوں کا کیا کہنا جنہوں نے آپ کے حلقۂ تربیت میں بیٹھ کر محبت خدا و رسول ﷺ کے آداب سیکھے اور آپ کے بعد اپنے مواعظ' تقاریر' خطبات اور مجالس کے ذریعہ آپ کے پیغام کو زندہ رکھتے رہے۔ آپ کے خلفائے گرامی میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

حضرت ثانی میاں غلام اللہ شرقپوری المتوفی ۱۹۵۷ء

حضرت سید محمد اسماعیل شاہ کرمانوالہ شریف المتوفی ۱۹۶۶ء

حضرت سید نور الحسن شاہ کیلیانوالہ شریف المتوفی ۱۹۵۲ء

حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربل شریف ضلع سرگودھا المتوفی ۱۹۶۷ء

حضرت صاحبزادہ سید مظہر قیوم مکان شریف المتوفی ۱۹۴۳ء

حضرت میاں رحمت علی گھنگ شریف المتوفی ۱۹۷۰ء

ابوالرضا سید حاکم علی لاہوری المتوفی ۱۹۴۰ء

آپ کا روضہ مبارک شرقپور شریف میں ہے جو مرجع خاص و عام ہے۔ عرس مبارک ہر سال یکم' دوم' سوم ربیع الاول کو نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوتا ہے جس میں پاکستان کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں عقیدت مند شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ خانقاہ عالیہ پنجاب کی عظیم ترین خانقاہوں میں سے ایک ہے۔

آپ کے بعد ثانیٔ لاثانی حضرت میاں غلام اللہ سجادہ نشین مقرر ہوئے جنہوں نے اپنے مرشد اعلیٰ کی تعلیمات اور پیغامات کو عام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آپ کا فیض روحانی ایک عرصہ تک دلوں کو عقیدت آشنا کرتا رہا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان حضرت میاں غلام احمد اور حضرت میاں صاحبزادہ جمیل احمد نے آپ کے پیغام کو جاری رکھا۔ خصوصاً سجادہ نشین حضرت میاں جمیل احمد کی ادبی' علمی' روحانی' نظریاتی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ نے

marfat.com

درجنوں کتب شائع کیں۔ رسائل وجرائد کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ کتب اور رسائل و جرائد آپ کی وساطت سے حضرت شیر ربانی کے افکار کو عام کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔(انشاءاللہ)

بادشاہوں سے مراتب میں سوا درباں تیرا
کیمیا سے بھی فزوں تیرے درکی خاک ہے
غیرت کحل البصر ہے خاک پاک آستاں
آنکھ میں رکھنے کے قابل ہر خس وخاشاک ہے

marfat.com

حضرت شاہ محمد اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

رنج ہستی کا مداوا شاہِ اسماعیل ہیں
رحمت خالق کا دریا شاہِ اسماعیل ہیں
پیشوائے مقبلاں ہیں، رہنمائے اولیاء
گلشن حق جن سے مہکا شاہِ اسماعیل ہیں
زندگی ان کی تھی تنویر شہؐ ہر دوسرا
ابر لطف و جود چھایا شاہ اسماعیل ہیں
ان کا ہر انداز تھا تبلیغ دین مصطفےؐ
دین حق کا ہر تقاضا شاہ اسماعیل ہیں
نقشبندیت کی تعلیمات حق کا بے گماں
ایک بحر نور امڈا شاہ اسماعیل ہیں
روح کی تسکین اور دل کی تسلی کیلئے
دہر نے ہے جس کو مانا شاہ اسماعیل ہیں
اے رضاؔ راہ یقیں میں کامرانی کیلئے
رہنما ہے جن کو سمجھا، شاہ اسماعیل ہیں

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

راہِ حق کا مسافر

حضرت سید محمد اسماعیل شاہ بخاری

کرمانوالہ شریف رحمۃ اللہ علیہ

آستانہ عالیہ کرمانوالہ شریف کے تاجدار، فخر سادات حضرت سید محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری کے انتہائی مقبول مرید اور محبّ خاص تھے۔ کہتے ہیں زمین جس قدر نم ہو بارانِ رحمت کا اثر اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ کوئی صاحب دل جب روح کا گداز اور ایمان کی تشنگی لے کر کسی مردِ کامل کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو پیر کامل کے فیوض و برکات اس پر لطف و کرم کی بارش کی صورت بے تحاشا نازل ہوتے ہیں۔ اب دل کا گداز اور فکر و نظر کی تشنگی اُس بارانِ نور کے ایک ایک قطرے کو چوس لیتے ہیں۔ دلوں میں طریقت و معرفت کے غنچے مہکنے لگے ہیں اور پیران کامل کی نظر کرم سے نئی زندگی کی نوید حاصل کر لیتے ہیں۔ حضرت شیر ربانی بھی ایسے ہی پیر کامل تھے جو مس خام کو کندن اور ذرے کو آفتاب ہدایت بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے فیوضات نے کتنے ہی صاحب دلوں کو اپنے رنگ میں اس طرح رنگ دیا کہ وہ ہمیشہ کیلئے تاریخ تصوف کا حصہ بن گئے۔

فخر سادات حضرت سید محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی خوش بخت صاحب فکر تھے جنہیں شیر ربانی کی نگاہ کرم نے نوازا اور خوب نوازا۔ آپ کو زمانے بھر کی آنکھ کا ستارا بنا دیا۔ آپ کی اس طور تربیت فرمائی کہ آپ بے شمار دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ پیر کامل نے مرید صادق کو ایک زمانے کا راہنما بنا دیا۔

بے بسوں کے درد کا چارا تھے اسماعیل شاہ
بے کسوں کے کی آنکھ کا تارا تھے اسماعیل شاہ
آج بھی ان کے لحد ہے مرکز اصحاب دل

marfat.com

ہر دل پہ درد کا یارا تھے اسماعیل شاہ
ان کا پیغام حسین ہر دور میں ہے جاوداں
ان کے فرمودات ہیں اسرار حق کے رازداں

حضرت سید اسماعیل شاہ کرمانوالے موضع کرموں والے تحصیل فیروز پور کے رہنے والے تھے۔ والد بزرگوار کا نام سید علی شاہ تھا' جو آپ کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ آپ شروع ہی سے علم کی تمنائی تھے اس لئے دہلی اور سہارن پور بغرض تعلیم مقیم رہے اور جی بھر کر علم کی پیاس بجھائی۔ فیروز پور کے مشہور صوفی بزرگ مولوی شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ پیر و مرشد کے انتقال کے بعد آپ کھوئے کھوئے رہتے تھے۔ آپ کو بہت سے بزرگوں کی طرف سے اشارا ہوا اور شرقپور شریف جا پہنچے۔ شیر ربانی حضرت میاں شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت قبلہ نے فرمایا ''آپ کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں'' بولے ''کچھ ہوں تو سہی مگر سمجھ نہیں ہے''۔

حضرت قبلہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سمجھ بھی دے دیں گے'' اور انہیں خصوصی توجہ سے نوازا۔

کہتے ہیں اس روز ان کی موجودگی میں حضرت قبلہ کے پاس ایک شخص چاولوں کا ایک تھال لے کر حاضر ہوا' حضرت نے قبول فرمایا اور ممدوح کے آگے رکھ کر بولے ''شاہ صاحب! انہیں پانی سے دھو ڈالئے'' جب یہ دھو چکے تو فرمایا ''میں نے آپ کی تمام گذشتہ کمزوریاں دھو ڈالی ہیں' یہ چاول کھا لیجئے اور آگے کھلاتے رہئے''۔ گویا پہلی ہی ملاقات پر حضرت قبلہ نے ان کی بلند استعداد کے پیش نظر بھرپور طریقہ سے نوازا۔ اس کے بعد آپ ہمہ تن اللہ اللہ میں لگ گئے' دراصل حضرت قبلہ کا یہی مقصود تھا۔ یہ حضرت قبلہ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ جب شرقپور کی سرزمین میں قدم رکھتے تو پاس ادب سے خاموشی اختیار کر لیتے۔ فرماتے ہیں اس خاموشی نے بڑا کام کیا ہے۔

چپ چاپ حضرت قبلہ کے روبرو دوزانو بیٹھے رہتے' برسوں کے عقدے چند لمحوں میں حل ہو جاتے۔ فرماتے ہیں ''جب ان کے روبرو ہوتا تھا تو حاضرین میں سے ہر ایک کے حالات منکشف ہو جاتے تھے اور گاہے حضرت قبلہ مجھے لے کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے تھے''۔ سبحان اللہ! شیخ کی نظر کرم ہو تو ایسی ہو۔

فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ میں نے انہیں خط میں زبدۃ العارفین اور قدوۃ السالکین کے رواجی القاب لکھ دیئے تھے۔ حضرت قبلہ بہت خفا ہوئے' کیونکہ وہ شہرت کو سخت ناپسند فرماتے تھے' دراصل

marfat.com

شہرت کی انہیں ضرورت بھی نہ تھی' حق سبحانہ وتعالیٰ نے بہ طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولایت میں انہیں وہ بلند مقام عطا کیا تھا کہ شہرت کو خود ان کی ضرورت تھی۔ فرماتے "جس طرح حضرت قبلہ ہدایت فرماتے میں اس پر عمل کرتا تھا" حضرت قبلہ سے ایثار ومحبت کا یہ عالم تھا کہ جب حاضر خدمت ہوتے تو روپیہ پیسہ جو پاس ہوتا پوٹلیا میں باندھ لیتے اور حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ عموماً فیروز پور سے رائے ونڈ تک ریل گاڑی میں سفر کرتے اور رائے ونڈ سے پیدل شرقپور شریف پہنچ جاتے۔

فرماتے "ایک مرتبہ میری طبیعت کو بڑی گھبراہٹ تھی' چپکے سے ریلوے اسٹیشن پر آیا اور وہاں سے حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ معلوم ہوا' آج حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ رحلت فرما گئی ہیں' حضرت قبلہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا "ہاں اگر اتنا بھی معلوم نہ ہو سکے تو اللہ اللہ سے فائدہ!"

قصور اور فیروز پور کے اکثر لوگ جو حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے' انہیں فرماتے "میرے پاس کیوں آتے ہو' کرموں والے سید محمد اسماعیل شاہ صاحب کے پاس چلے جایا کرو"۔

ایک مرتبہ فرمایا "حضرت قبلہ حقہ پینے والوں کو میرے پاس زیادہ بھیجا کرتے تھے۔ فرماتے کہ اُنہیں حقہ چھڑوانے کی اچھی ترکیب آتی ہے' یہ کہتے ہیں کہ اصل چابی تو حضرت قبلہ ہی کے ساتھ میں ہوتی تھی' میرے پاس تو لوگوں کو یوں ہی بھیج دیتے تھے"۔

فرماتے ہیں "حضرت قبلہ مجھے مکان شریف اور سرہند شریف بھی لے گئے تھے۔ فرمایا کہ سرہند شریف میں فیضان ایک سمندر کی طرح مواج تھا"۔

تقسیم ملک کے بعد کچھ عرصہ پاکپتن شریف میں رہے' پھر اوکاڑہ کے پاس پکے چک میں مقیم ہو گئے۔ اب یہی جگہ کرمانوالہ شریف کے نام سے موسوم ہے۔ ریلوے اسٹیشن بھی ہے جس سے عقیدت مند کثرت سے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میاں صاحب آپ کے پہلے گاؤں کو بھی کرمانوالہ پکارا کرتے تھے' خدا نے نئے علاقہ کو بھی کرمانوالہ شریف بنا دیا۔

حضرت ممدوح کی صحبت پاک اور مجلس میں یہ خاص بات تھی کہ وہاں دین حق اور شریعت مطہرہ کے بجز کوئی بات چیت نہیں ہوتی۔ سائل بیعت کیلئے حاضر خدمت ہو' زیارت کے لئے آئے یا کسی جسمانی عارضے کیلئے چل کر آئے' ان سب سے ممدوح دین ہی کی باتیں کرتے تھے' وہ بھی ہر نماز کے بعد اکثر بیماروں کو صرف نماز کی تاکید فرماتے اور بعض کو فرماتے کہ داڑھی رکھ لو' کٹائی یا منڈائی چھوڑ دو' اللہ پاک صحت دے دیں گے' چنانچہ حضرت ممدوح کے ان "مجوزہ نسخوں" کے استعمال سے عموماً مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ دراصل ممدوح کی توجہ آنے والے کے روحانی عوارض پر ہوتی

marfat.com

تھی، جس کے علاج پر آپ بہت زور دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حرص و آز اور لالچ انسان کی روح کو ناپاک کر دیتے ہیں۔ ان سے چھٹکارا پانے کی ایک ہی صورت ہے، دل کا تعلق رب دو عالم سے قائم کیا جاتا ہے۔ خدا سے محبت کی بدولت تمام بیماریوں سے چھٹکارا ہو جاتا ہے۔

فرماتے تھے ''حق سبحانہ و تعالیٰ سے اس وقت تک انس پیدا نہیں ہوتا جب تک ان کاموں سے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غفلت دلانے اور روکنے والے ہیں، چھٹکارا نہ ہو''۔ فرمایا ''ایسی عبادت اور ذکر و فکر بھی مفید ثابت نہیں ہوتے جب تک آدمی نیک چلن اور امر و نہی پر کاربند نہ ہو''۔ فرمایا ''اکل حلال کے بغیر عبادت میں حظ اور لطف محسوس نہیں ہوتا، لقمہ حلال کے بغیر کوئی عبادت کارگر نہیں ہوتی''، گویا حضرت قبلہ کی صحبت پاک اور مجلس ایک ایسی روحانی یونیورسٹی تھی جہاں تھوڑی ہی دیر کے قیام سے ''مریض'' پر نہ صرف اس کی بیماریاں آشکار ہو جاتیں بلکہ ان کا مداوا بھی مل جاتا تھا۔ بحمد اللہ حضرت ممدوح کی یہ بابرکت صحبتیں مولانا روم کے بقول:

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کا مصداق ثابت ہوئیں۔ سبحان اللہ

ان بابرکت مجالس کے علاوہ حضرت والا جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر مجمع کثیر کو جس میں لاہور، اوکاڑہ اور منٹگمری تک سے لوگ آ کر شامل ہوتے تھے، دین حقا کی طرف راغب کرتے۔ آپ کے واعظ پُر تاثیر ہوتے تھے۔ شریعت اور دین حق پر عمل پیرا ہونے کی خصوصی تلقین فرماتے۔ درود پاک کی تلاوت اور قرآن پاک کثرت سے پڑھتے رہنے پر زور دیتے، پانچ وقت کی نماز کی تلقین فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک میجر صاحب حاضر خدمت ہو کر بولے ''مجھے غصہ زیادہ آتا ہے'' فرمایا ''اگر نفس کیلئے آتا ہے تو برا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کیلئے ہے تو اچھا ہے''۔ وہ بولے ''کوشش کے باوجود انسان بدی سے باز نہیں رہتا''۔ فرمایا ''اللہ اللہ کرتا رہے اور نیکی کی طرف راغب رہے، اللہ تعالیٰ خود ہی ایک روز نیکی کو غالب کر دیں گے''۔ بولے ''حضرت توجہ فرمائیں کہ میں نیکی کی طرف راغب ہو جاؤں''۔ فرمایا ''نیکوں کی صحبت رکھئے اللہ پاک نیک کر دے گا''۔ بولے یہ جو کہتے ہیں:

ع...... نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس کی اصلیت کیا ہے؟ فرمایا ''ایک مرتبہ جلال پور کے پیر صاحب حیدر شاہ صاحب کے

marfat.com

پاس تشریف رکھتے تھے کہ کسی نے ان سے بھی سوال دریافت کیا تھا' انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ گا ہے گا ہے"۔

حضرت ممدوح کے کشف کا یہ عالم تھا کہ جوں ہی کوئی شخص حضرت موصوف کے روبرو مجلس پاک میں آ کر بیٹھتا ہے' ممدوح سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ فرما لیتے ہیں اور حضرت قبلہ کا یہ خداداد جوہر کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں بلکہ مجلس پاک میں محض چند منٹ بیٹھنے سے نئے سے نیا آدمی بھی یہ چیز آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سن لیتا تھا' مریض یا حاجت مند جن کا ہر وقت تانتا سا لگا رہتا تھا جب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بوجہ موجودگی حاضرین بعض باتیں صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کرتے اور سب کے روبرو بیان کرنے سے گھبراتے' حضرت ممدوح وہ خود بخود ان پر ظاہر کر دیتے بلکہ بعض اوقات تو ان سے باتیں اُگلوائی جاتیں۔

ایک شخص حاضر خدمت ہو کر معروض ہوا کہ اس کا بیل چوری ہو گیا ہے۔ فرمایا "تم نے بھی چوری کی ہو گی یہ اس کی سزا ہے" وہ بولا "نہیں حضور" فرمایا "یاد کرو" بولا! اچھی طرح یاد ہے' ارشاد کیا "بچپن میں ایک مرتبہ" وہ کچھ سوچ کر بولا ہاں میں بھول گیا تھا........."

اسی طرح ایک مریض سے دریافت فرمایا: تم نے کبھی شراب پی ہو گی۔ ایک آدھ مرتبہ ہی ...... وہ بولا "ہرگز نہیں" حاضرین میں سے ایک سے فرمایا "اُس شخص سے معلوم کرو میں صحیح کہتا ہوں۔ آخر کار وہ شخص مان گیا کہ ہاں ایک مرتبہ تھوڑی سی اس نے پی تھی"۔

ایک شخص ملاقات کیلئے حاضر ہوا' فرمایا "کیسے آئے ہو' کہاں سے آئے ہو" اس نے اتہ پتہ بتایا' فرمایا "کام بھی بتاؤ" بولا کچھ نہیں' فرمایا: اچھا تو باہر بیٹھو جا کر یا چلے جاؤ" وہ شخص اُٹھ کر چلا گیا' ممدوح نے سب کے روبرو ایک صاحب سے مخاطب ہو کر کہا "یہ عورت کے چکر میں ہے اور میرے پاس تعویذ دھاگے کے لئے آیا ہے' اس سے جا کر دریافت کرو" وہ شخص گیا اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آیا کہ حضرت وہ تو انکاری ہے' فرمایا: پھر جا کر معلوم کرو' چنانچہ اس نے حضرت کے فرمودہ کی تائید کی' فرمایا' اسے کہہ دو میں اس کام کیلئے یہاں نہیں بیٹھا ہوں"۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو ہر روز مجلس پاک میں حاضر ہونے سے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ سبحان اللہ

اللہ پاک فرماتے ہیں "مومن کی فراست سے ڈرو' یہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے"۔ حضرت ممدوح کو اللہ تعالیٰ نے بطفیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بحرمت حضرت میاں صاحب قبلہ نگاہ حق بیں وحق آگاہ عطا فرمائی تھی جس سے ممدوح اکثر تالیف القلوب کا کام بھی لیتے تھے۔

marfat.com

مولانا عبدالحق صاحب خطیب جامع مسجد حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن شریف فاضل دیوبند تھے' شروع میں اولیائے کرام کے متعلق ان کے خیالات کچھ اچھے نہ تھے' ایک مرتبہ یوں ہی حضرت ممدوح کی خدمت میں موضع کرموں شریف پہنچ گئے اور مختصر ملاقات کے بعد اجازت لے کر واپس چلے گئے' حضرت ممدوح نے ایک خط انہیں لکھا' کہتے ہیں اس خط کو مولانا صاحب کا دیکھنا تھا کہ ان کی حالت غیر ہوگئی' پھر کیا تھا خط لئے ہوئے ممدوح کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ادھر خادمان کو ہدایت تھی کہ ان کے پاس انہیں نہ جانے دیا جائے چنانچہ یہ تین روز وہاں پڑے رہے' روتے تھے اور آہیں بھرتے تھے۔ آخر خدمت اقدس میں اجازت ہوئی' تین یوم کی گریہ وزاری سے اُن کے پہلے تمام خیالات ڈھل چکے تھے' پہلے کیا تھے اور اب کیا ہیں' حضرت ممدوح نے توجہ خصوصی سے نوازا اور اسی توجہ پاک کے طفیل وہ حضرت ممدوح کے مقبولوں میں شمار ہوتے تھے۔

برادرم قربان علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ابتداء میں وہ آیت پاک ''الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' پر غور کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو تھے کہ یا باری تعالیٰ مجھ پر اس آیت کی وضاحت ہو جائے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک شب عالم خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک قبر کھلی ہے اور اس میں ایک بزرگ آنکھیں بند کئے چت لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ پہلے تو سمجھے کہ شاید بے حس و حرکت پڑے ہیں کہ انہوں نے آنکھیں کھول کر ان کی جانب دیکھا اور انکی آنکھ کھل گئی' چنانچہ اس واقعہ کے کافی عرصہ کے بعد جب لوگوں نے انہیں کرموں شریف میں حضرت موصوف کا اتہ پتہ دیا تو یہ حاضر خدمت ہوئے' ممدوح حجرہ شریف میں چت لیٹے ہوئے تھے اور شکل و صورت بھی بالکل ان ''قبر'' والے بزرگوں سے ملتی جلتی تھی' جب یہ پاس گئے تو گھوم کر ان کی طرف دیکھا بھی بالکل اسی طرح اور فرمایا کیوں بھائی میں وہی ہوں نا' یہ جی ہی جی میں خدا کا شکر بجالائے۔

غرض آپ کی کس کس کرامت کا ذکر کیا جائے۔ تذکار آپ کی کرامات سے بھرپور ہیں۔ جناب محمد امین شرقپوری نے کئی کرامات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اللہ کے بندے جو بات بھی زبان سے نکالتے ہیں' وہ سب اٹل ہوتا ہے کیونکہ وہ نہ ہونے والی بات زبان سے ہی نہیں نکالتے اور جب کہہ دیتے ہیں تو وہ بحکم ربی ہو جاتا ہے۔

حضرت موصوف کے ایک اور خادم بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ موصوف کی خدمت میں جا رہے تھے' گاڑی میں بڑی بھیڑ تھی یہ جگہ چاہتے تھے۔ آخر ایک شخص کے پاس انہوں نے بیٹھنے کی کوشش کی تو اس نے ان کے طمانچہ جڑ دیا۔ خادم نے فی الفور حضرت قبلہ سے رجوع کیا کیونکہ

marfat.com

اُنہی کی خدمت میں حاضری کیلئے جا بھی رہے تھے اگلے اسٹیشن پر اس شخص نے اترنا تھا' جب گاڑی رُکی تو نیچے اُترا اور پلیٹ فارم پر گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا جیسے کسی دوسرے شخص کے آنے کا منتظر تھا' گاڑی نے حرکت کی وہ پائدان سے ٹکرا کر گرا اور درد سے بلبلا اُٹھا کیونکہ اس چوٹ سے اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی' اب ان کی سنئے جب حضرت ممدوح کے پاس حاضر ہوئے تو فرمایا ''ظالم نے تجھے بڑے زور کا طمانچہ مارا تھا کہ مجھے بھی تکلیف ہوئی تھی' کیا وہ جان سے مر گیا یا زندہ ہے'' یہ بولے ہے ''تو زندہ البتہ ٹانگ ٹوٹ گئی ہے''۔ فرمایا ''لوگ بڑے ظالم ہیں' سبحان اللہ' کیا بروقت امداد فرمائی کہ ظالم کو بھی کیئے کی سزا مل گئی۔

یہ کرامات اپنی جگہ۔ ان سے واقعی کسی صاحب ولایت انسان کے کامل ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ:

وہ فرماتے ہیں جو اللہ کی تقدیر ہوتی ہے
کہ ان کی گفتگو تقدیر کی تنویر ہوتی ہے

ان کی بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے خدا ناشناسوں کو خدائے کریم کے انوار سے آشنا کر دیا۔ ان کے پاس آنے والوں کے دل جو حرص و آز' لالچ' خود غرضی' دنیاداری اور بے یقینی کے اندھیروں سے تاریک تھے۔ ان میں شمع ایمان کچھ اس طرح روشن کی کہ ان کے دل انوار خداوندی کا آئینہ بن گئے جہاں خدا خود اپنی تجلی دکھاتا ہے۔ انہوں نے بندگان خدا کو الطاف خداوندی کا مظہر بنا دیا۔ ان کی بارگاہ مصائب و آلام کے ستائے ہوئے انسانوں کیلئے دار الامان تھی' جہاں نور ہی نور تھا' رحمت ہی رحمت تھی' رب دو عالم کا کرم ہی کرم تھا' آپ نے بندگان خدا کو عشق خداوندی کی لذتوں سے بہرہ ور فرمایا۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کا اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

آپ کے مرشد حضرت شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ وہ حضرت سید محمد اسماعیل شاہ کے ہاتھوں اللہ کے فضل و کرم سے ایک مسجد تعمیر کروائیں گے۔ حضور شیر ربانی کے وصال کو دس بارہ سال ہو چکے تھے کہ حضرت شاہ صاحب ایک روز مغل پورہ ریلوے اسٹیشن کے پاس (نزد بستی کمہاراں) جہاں اکثر مال گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں' تشریف لے گئے۔ وہاں ایک پرانی مسجد افتاد زمانہ سے زمین میں دب گئی تھی اور لوگ اس جگہ پر گدھے باندھتے تھے۔

marfat.com

حضرت ممدوح نے نور باطن سے دیکھا کہ حضرت قبلہ نے جس مسجد کے آباد کرنے کا اشارہ فرمایا تھا وہ یہی مسجد ہے' چنانچہ حضرت ممدوح نے کھدوا کر اسے باہر نکلوایا اور جگہ کی صفائی کرا دی اور ایک درویش مولوی چراغ دین نامی کو وہاں بٹھا دیا۔ یہ جگہ محکمہ ریلوے کے تصرف میں تھی' جب انہوں نے مسجد میں لوگوں کی آمد و رفت دیکھی تو بطور حد بندی مسجد کے گرد آہنی سلاخیں لگا دیں' گویا مسجد کی عمارت کو محدود کر کے آنے جانے کا راستہ بند کر دیا۔ مولوی صاحب حضرت ممدوح کے پاس پہنچے' فرمایا ''تم فکر نہ کرو چپ چاپ وہیں بیٹھے رہو'' چنانچہ اسی رات ریلوے کا افسر جو انگریز تھا اور جس کے حکم سے حد بندی اور ناکہ بندی کی گئی تھی' کے ہاں عجیب واردات ہوئی۔ رات کو جب وہ لوگ سوئے تو چارپائی سے گر گر پڑتے' آخر جوں توں رات کٹی' صبح سویرے وہ مولوی صاحب کے پاس بھاگا چلا آیا کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہاں جو ''پادری'' رہتے ہیں وہ بڑے بزرگ ہیں۔ اس نے آہنی سلاخیں اکھاڑنے کا حکم دے دیا' اب مسجد کیلئے راستہ صاف تھا' حضرت موصوف کے حکم سے یہاں دبے ہوئے دو تین کنوئیں بھی صاف کئے گئے' فرمایا کہ یہ مسجد بڑی بابرکت ہے یہاں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے بزرگان عظام اور سائیں توکل شاہ انبالوی ایسے درویش کامل اللہ اللہ کرتے رہے ہیں اور ان کے انوار و فیوض و برکات ہنوز وہاں پائے جاتے ہیں۔ ایک بڑے کنوئیں کے متعلق فرمایا کہ اس کا پانی ہر مرض کیلئے شفا کا حکم رکھتا ہے' فرمایا کہ یہ جگہ شہر سے دور تنہائی میں یاد اللہ کیلئے بہت عمدہ ہے' اس مسجد کا نام ''مسجد نور'' رکھا گیا اور یہاں نمازیوں کا ہجوم رہتا ہے۔

آپ جہاں بھی قیام پذیر رہے' لنگر کا انتظام باقاعدگی سے رہا' آپ کے دربار میں جو بھی آیا لنگر کھائے بغیر نہ گیا۔ لنگر کی روٹی خواہش اور بھوک کے بغیر بھی جس قدر چاہو کھا لو کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اگر کسی صاحب سلوک کو سلوک کی منزل میں کوئی رکاوٹ پیش آئی تو لنگر کے کھانے سے فوراً رفع ہو گئی۔

شاہ صاحب اپنی عمر شریف کے آخری برسوں میں اکثر بیمار رہنے لگے تھے۔ میو ہسپتال میں داخل ہوئے' آپ ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو واپس کرمانوالہ تشریف لے آئے۔ بالآخر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء بوقت عصر حکمت و دانش اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ڈوب گیا۔

ایک ہی قانون عالم گیر کے ہیں سب اثر
بوئے گل کا باغ ہے گل چیں کا دنیا سے سفر

marfat.com

آپ کو اپنے پیرخانے سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ چند بیلی آپ کی مجلس میں بیٹھے کوئی تسبیح دیکھ رہے تھے۔ تسبیح کے امام کے سوراخ کو پیش نظر رکھ کر مدینہ منورہ کا نقشہ دیکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا ''ذرا مجھے دو میں بھی دیکھوں'، اور پھر فرمایا کہ آپ کو کیا نظر آ رہا ہے۔ ایک بیلی نے کہا مدینہ منورہ۔ حضرت قبلہ نے فرمایا ''مجھے تو شرقپور شریف نظر آ رہا ہے'' یہ فرمانا تھا کہ کئی صاحب دل وجد میں آ گئے۔

آپ کی زبان فیض ترجمان از حد پُر تاثیر تھی' جس کی بدولت دینی تعلیمات سے بے بہرہ پابند شریعت بن جاتے تھے۔ حکیم شیر محمد (بہاولنگر) راوی ہیں کہ میں نے کامل طب وجراحت کا چار سالہ کورس پاس کیا اور میری تعیناتی منچن آباد کے سرکاری دوخانے میں ہوگئی۔ اس دواخانہ میں ایک ملازم عبدالرحمٰن' حضرت محمد اسماعیل شاہ کا مرید تھا۔ مجھے بھی شاہ صاحب کی زیارت کا شوق ہوا' میں اس وقت نہایت خوش پوش نوجوان تھا اور جدید وضع قطع کے لباس کے ساتھ قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بعد از عشاء آپ نے مجھے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر اپنا دست مبارک میرے سینے اور قلب پر پھیرا۔ بس پھر جو ہوا بیان سے باہر ہے۔ میں کئی دن عالم حیرت میں رہا۔ دنیا کی لذتوں سے دل برداشتہ ہو گیا اور جلدی جلدی حضرت قبلہ کی خدمت میں آنا جانا شرع کر دیا۔ میں نے رسالہ

''الفراق بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان''

میں جو صفات ایک ولی کامل کی دیکھی تھیں' وہ حضرت صاحب میں بدرجہ اتم پائیں۔ آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہی اللہ اللہ اس کے حبیب کی محبت دل میں سما جاتی اور لذت آشنائی سے آگاہی ہو جاتی ہے۔

سرزمین حضرت کرمانوالہ شریف مدتوں سے اہل دل کیلئے قبلہ شوق بنی ہوئی ہے اور ہمیشہ بنی رہے گی۔ علوم روحانیت کے قافلے اس بارگاہ میں حاضری دے کر اپنا مقصود حاصل کرتے رہیں گے۔ پروانے جھوم جھوم کر اس شمع شوق پر نچھاور ہوتے رہیں گے' سچ ہے کہ جو خدا کا ہو جائے خدا بھی اس کا ہو جاتا ہے اور سید محمد اسماعیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بعد از وفات روحانی پذیرائی اسی حقیقت کا اعلان ہے۔

marfat.com

آفتابِ معرفت
حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
کیلیانوالہ شریف

قبلۂ اہل طریقت حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان عظیم فرزندانِ گیتی میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے علم و عمل اور فکر خدا آگاہ سے کاروانِ عشق و عقیدت کو منزل حق سے ہمکنار کر دیا۔ آپ کی حیات مقدسہ احکامات ربانی اور ارشادات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگمگاتی تفسیر تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لحہ رضائے خداوندی اور منشائے قدرت کی خاطر وقف کر کے ثابت کر دیا کہ محبان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرنا اور جینا فقط اسلام اور قرآن کیلئے ہوتا ہے۔ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی زندہ مثال بن کر آپ نے ظلمت حیات کو انوارِ ایمان سے ضوفگن کر دیا۔ سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ تصوف کا ایک روشن نام دلوں میں اُجالے بکھیرتا نظر آتا ہے۔ آپ بلاشبہ وہ مردِ کامل تھے کہ رضائے الٰہی میں غرق ہو کر ''عبد خاص'' کے مقام سے نوازے گئے۔ وہ ''عبد خاص'' کہ جس کی زبان فیض ترجمان تقدیر خداوندی کا پرتو بن جاتی ہے اور جس کا ایمان توحید و رسالت کی برہان بن جاتا ہے۔ سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی دانائے رموز فطرت تھے کہ جن کیلئے شاعر مشرق نے کس شان سے اظہار صداقت کیا ہے کہ:

عبد دِیگر عبدہٗ چیزے دگر
ایں سراپا انتظار اُو منتظر

وہ علاقے اور بستیاں خوش بخت ہوتے ہیں کہ جنہیں کسی مرد کامل سے نسبت ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غیر معروف قصبے ''حضرت کیلیانوالہ'' میں جنم لیا' اس صاحب اسرار کی نسبت سے آج یہ بستی بالخصوص ارادت مندانِ نقشبندیت کے حوالے سے مرجعِ عقیدت بن چکی ہے۔ آپ نے صفحۂ حیات پر کردار و سیرت کے لازوال نقوش یوں ثبت

marfat.com

کئے کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود حالات کی گردشیں ان کی روحانی تب و تاب کو گہنا نہیں سکیں بلکہ ہر آنے والا دور ان کی لازوال جگمگاہٹ سے اپنے دامانِ فکر و تدبر کو دلآویز بنانے کا اہتمام کرتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اڑتالیس پشتوں تک پہنچ کر حضور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملتا ہے۔ ۱۸۸۹ء کو سید غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جنم لینے والے اس طفل معصوم کے مقدر کا ستارا یوں جگمگایا کہ خطۂ پنجاب ہی نہیں برصغیر کا گوشہ گوشہ اس کی تجلیات سے منور ہو گیا۔

سید نورالحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ آپ دل لگا کر کھیتی باڑی کرتے اور پھر ایک وقت وہ آیا کہ زمینوں کو نم بخش کر گل گلزار اُگانے والا یہ سیدزادہ بے شمار بنجر دلوں کی کیفیتوں کو عقیدت و محبت کا نم بخش کر وہاں محبت خدا و رسول کے گلاب کھلانے لگا۔ زمینداری اور کاشتکاری سے لے کر مخدوم ملت اسلام کے مقام پر فائز ہونے تک آپ نے جو سفر طریقت طے کیا اس کا تذکرہ ایمان آفریں بھی ہے اور اصحاب فقر کیلئے شمع راہ بھی۔ آپ شیر ربانی حضرت قبلہ عالم میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دامانِ لطف و کرم سے وابستہ ہوئے تو ایک آن میں کائنات بدل گئی۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

سید نورالحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری تعلیم اگرچہ زیادہ نہ تھی مگر علم لدنی سے بہرہ ور تھے۔ آپ کے پاکیزہ خصائل و اوصاف کا مشاہدہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ قدرت آپ کو کسی بڑے روحانی مشن کی انجام دہی کیلئے تیار کر رہی تھی۔ والد محترم کی نگاہ باطن انہیں مستقبل کی کامیابیوں کی جانب گامزن کرتی رہی۔ آپ زہد و ریاضت' پاکیزہ اطوار و کردار اور روشن روشن اوصاف کا پیکر تھے۔ آپ کی طلب صادق کا کمال تھا کہ خدا نے علم لدنی کی صورت میں جو کچھ آپ کو عطا کر دیا' اس کی مثال نہیں ملتی۔ بہت جلد وہ وقت آ گیا کہ آپ کا دل کاشتکاری اور زمینداری کے موروثی پیشے سے اکتانے لگا۔ اُمورِ دنیا سے نفرت ہونے لگی امورِ دنیا سے نفرت نے آپ کے دل کو پاک کر دیا اور آہستہ آہستہ یہی قلب پاکیزہ یادِ الٰہی کا گنجینہ بن گیا۔

آپ کو محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت اور ذکر خداوندی کی لگن ورثہ میں ملی تھی۔ والد محترم خدا شناس انسان تھے' ان کے پند و نصائح نے اس سعید بخت فرزند کو بھی محبت خدا و رسول خدا کی نعمت لازوال سے فیضیاب کر دیا۔ آپ کی عمر کا قافلہ ذرا آگے بڑھا تو یادِ الٰہی میں لذت اور

marfat.com

زیادہ محسوس ہونے لگی۔ اب کس طرح ممکن تھا کہ فیاضیٔ قدرت سید نور الحسن شاہ کو خدا شناسی کے مقام پر فائز نہ کرتی۔ آپ کے والد محترم سید غلام علی شاہ مرحوم نے اپنے اردگرد ایسا ماحول تخلیق کر رکھا تھا کہ جو بھی آپ کے پاس آتا' آپ کے رنگ کو قبول کر لیتا۔ بیٹے کو عظیم والد کی صحبت پاکیزہ نے طبیعت کا نکھار عطا کر دیا۔ آپ کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہی بے اختیار یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اگر آپ کو آغازِ حیات سے ہی والد قبلہ گاہی کی مجلس پاکیزہ نصیب نہ ہوتی تو شاید آپ وہ کچھ نہ بن سکتے جو قدرت آپ کو بنانا چاہتی تھی۔ راہنمائے فطرت نے اس شان کے ساتھ آپ کی راہنمائی کی کہ آپ خود بخود طریقت کی راہوں پر گامزن ہویت گئے۔

نہیں مشاطگی کی کچھ ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم کی راہنمائی میں عبادات اور تذکار خداوندی کے ساتھ ساتھ روحانی مجاہدوں کے ذریعہ اپنی ایمانی صلاحیتوں اور باطنی خوبیوں کو جلا بخشتے رہے۔ عبادت و ریاضت میں حد درجہ توجہ کے باوجود آپ نے رزقِ حلال کے سلسلہ میں محنت شاقہ کے مراحل کو فراموش نہ کیا اور رزق حلال کی جستجو میں کئی جگہ کاشتکاری کے سلسلہ پر بھرپور توجہ سے کام کیا۔ اس سلسلۂ روزگار میں ٹھیکیداری بھی کی۔ خوش نویسی بھی سیکھی اور چند ایک کتب بھی تحریر فرمائیں مگر جلد ہی اس کام کو خیر آباد کہہ دیا۔ البتہ جب آپ شیر ربانیِ حضرت قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تو حکم مرشد کی تعمیل میں دو کتب لکھیں جو فن خوش نویسی کا قابل قدر نمونہ ہیں۔ ان کتب کے نام ''حکایات الصالحین' 'اور'' مرأۃ المحققین' 'ہیں' جب آپ نے یہ کتب لکھ کر حضور شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیں تو وہ بے حد خوش ہوئے اور ان کی طباعت کا حکم صادر فرمایا۔

سرکار کیلانی صحیح معنوں میں مرادِ مرشد تھے۔ روایت ہے کہ جب کبھی شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کوٹلہ شریف کو جاتے ہوئے سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قصبۂ ولادت سے گزرتے تو فرمایا کرتے کہ:

''اس جگہ سے ایک عزیز کی خوشبو آتی ہے''

اس سے معلوم ہوتا ہے آپ حضرت میاں صاحب شرقپوری کی مراد تھے اور نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معمور۔

marfat.com

حضرت قبلۂ عالم میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی نسبت روحانی کا واقعہ دلچسپ بھی ہے اور ایمان آفریں بھی۔ ایک بار سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادر اکبر کے ہمراہ شرقپور شریف میں زمین کے تبادلے کیلئے پہنچے۔ وہاں پہنچ کر اس مرد قلندر کی بارگاہ میں حاضری کا خیال آیا' جسے سلطان شرقپور کے نام سے پہچانا جاتا تھا' جب شیر ربانی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو شیر ربانی نے سید نور الحسن بخاری کو ایک نظر دیکھتے ہی اس شہباز کے مقام و مرتبہ کو پہچان لیا اور آپ کے سامنے کے رُخ سے گُرتے سے پکڑ لیا اور ان کے بھائی سے دریافت کیا:

''اس نوجوان کا کیا نام ہے؟''

انہوں نے ادب سے عرض کیا ''نور الحسن''!

یہ سن کر شیر ربانی نے فرمایا کہ ''نام نور الحسن ہے' نور نہ بنا دوں؟''

سید نور الحسن شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں کبھی بڑے سے بڑے افسر سے بھی مرعوب نہیں ہوا لیکن حضرت میاں صاحب شرقپوری کا رُعب اس قدر چھایا کہ میں لب کشائی نہ کر سکا''۔

شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے قلب پر ہاتھ سے ٹھیس لگا کر فرمایا:

''مربعوں کے تبادلے کی اتنی ضرورت نہیں ہے اگر چاہو تو ہم تمہاری قسمت کا تبادلہ کر دیتے ہیں''

ع...... یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اس وقت تو سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر اپنے گاؤں چلے آئے مگر گھر آتے ہی کیفیت یہ ہوگئی کہ رات رات بھر نیند نہ آتی تھی اور فرطِ اشتیاق سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ سینہ پھٹ جائے گا۔ کچھ دنوں سرکار شرقپور کی خدمت میں حاضری دی اور باقاعدہ شرف بیعت سے نوازے گئے۔ آپ بہت جلد مرشد کی صحبت کے بحرِ بے کراں میں غرق ہو گئے۔ وارفتگی شوق غالب آتی گئی' آہستہ آہستہ مرشد اور مرید کا تعلق اور ارتباطِ روحانی اس قدر بڑھا کہ یہ مہینوں شرقپور شریف میں رہتے تھے۔ مرشد کی فرقت ایک دن کیلئے بھی گوارا نہ ہوتی تھی' اس لئے گھر والوں کے اصرار پر چند یوم کیلئے بھی گاؤں آنا منظور نہ کرتے' جب میاں صاحب گاؤں جانے کا حکم دیتے تو اسے بھی مرشد کا حکم سمجھ کر گاؤں چلے آتے مگر دل شرقپور شریف کے تاجدار روحانیت کے قدموں تلے ہی لوٹتا رہا۔

marfat.com

مرشد بے مثال اور مرید عقیدت آفریں میں اس درجہ عشق و عقیدت کا نتیجہ یہ نکلا کہ روحانی مدارج بہت تیزی سے طے ہوتے گئے۔ سلوک کی راہِ یقین کا سفر بھی جاری رہا اور اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی و ظاہری تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ غرض مرشد کی نگہِ کرم سے محبت و ارادت کی بھٹی سلگتی رہی اور مس خام کو کندن کی تابنا کی میسر آتی رہی۔ سرکارِ شرقپوری نے اپنی خصوصی چشم عنایت سے آپ کو غیر معمولی طور پر نواز کر ثابت کر دیا کہ:

یک زمانہ صحبت باولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت میاں صاحب شرقپوری کی نگاہِ کیمیا اثر سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یوں سرفرازِ منزل کر گئی کہ آپ جب سرکار شرقپوری علیہ الرحمۃ کے حلقۂ ارادت میں آئے تھے تو وہ جبی تعلیمات دنیوی سے بہرہ ور تھے مگر اب یکا یک علم و حکمت اور ایمان و یقین کی گھتیاں سلجھانے لگے۔ ایک وقت وہ بھی آیا کہ آپ نے اپنے روحانی مشاہدات اور علمی کمالات کا نچوڑ ایک ایمان افروز تصنیف

''الانسان فی القرآن''

کی صورت میں اہل بصیرت کے سامنے پیش کیا تو دنیا آپ کی روحانی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ کی فقہی بصیرت اور علمی رفعت کی بھی قائل ہوگئی۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور طلب صادق کا فیضان تھا کہ آپ کی روشن تحریر اور مواعظ حسنہ دلوں کی تاریک وادیوں کو نورِ بصیرت سے منور کرنے لگے اور طالبانِ راہ حق آپ کے فیوض و برکات کو اپنے دامانِ طلب میں سمیٹنے لگے۔

حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی جو کہ سید نور الحسن شاہ بخاری کیلانی کے پیر بھائی اور شیر ربانی کے خلیفہ مجاز تھے' اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''انقلاب الحقیقت'' میں سید نور الحسن شاہ بخاری اور سرکار شرقپوری کے ارتباط روحانی کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب کو مابہ الامتیاز جو خاصہ حضرت شرقپوری سے عنایت ہوا ہے' وہ سوز ہے' آپ کی طبیعت عاشقانہ ہے۔ ان کے اور حضرت قبلہ کے راز و نیاز کے تعلقات تھے۔ پیری مریدی کا تعلق نہ تھا۔ گاہ ان سے ناراض معلوم ہوتے تھے اور گاہ ان پر فدا۔ اس والہانہ طبیعت نے آپ کو ایسا بے اعتماد کر رکھا تھا کہ بعض وقت خلاف ارشاد دامن محبت نہ چھوڑتے۔ کئی بار حضرت شرقپوری نے فرمایا کہ اپنی حیاتی میں تمہارا ثمر دیکھوں گا۔ گاہ شاہ صاحب کو محبت سے رخصت کیا اور گاہ خفگی سے مگر ہفتہ گزرنے نہ پاتا تھا کہ شاہ صاحب آ دھمکتے۔ پہلے تو حضرت قبلہ روحی فداہ دیکھ کر

marfat.com

ناراض ہوتے لیکن بعد میں ان کی جبلی طبیعت پر نظر فرماتے ہوئے پیر ومرید شیر وشکر ہو بیٹھتے"۔

جو لوگ حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت روحانی' سطوتِ ایمانی اور فقہی سرفرازیوں سے آگاہ ہیں وہ اس اقتباس سے حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری کی اس خوش قسمتی کا اندازہ کر سکتے ہیں جو انہیں دنیائے شریعت و معرفت کے اس باجبروت فرمانروا یعنی سرکار شرقپوری کی خصوصی کرم فرمائی کی صورت میں میسر آئی تھی۔

حضرت میاں صاحب شرقپوری نے آپ کو خلافت عطا فرما کر حضرت کیلیانوالہ شریف کے عوام کی تربیت روحانی کا حکم دیا تو آپ اپنے گاؤں چلے آئے۔ شیخ طریقت سے فرقت قلب وجگر پر گراں گزرتی تھی' اس لئے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ کر شیخ کامل کے قدموں میں پہنچ جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ علاقہ بھر کے عوام جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے اور اس طرح حضرت شرقپوری کی جلائی ہوئی شمع ایمانی فقط اور خطۂ پنجاب کے قصبات و دیہات کے عوام کے دلوں کو ہی منور نہ کرنے لگے بلکہ اس سے برصغیر کے مختلف علاقوں اور شہروں کے متلاشیانِ حق بھی ایمان و آگہی کے اُجالے حاصل کرنے لگے۔

آپ کی عظمت کردار اور خاندانی نجابت و وجاہت تو ویسے ہی مسلم تھی۔ حضرت شیخ کی دعاؤں اور روحانی نوازشات نے آپ کو تبلیغ اسلام اور ترویج و اشاعت سنت نبوی کے سلسلے میں علم وعمل کا کرنیں بکھیرتا ہوا آفتاب بنا کر مطلعٔ ایمان پر جگمگا دیا تھا۔

حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی بیسیوں کرامات مشہور ہیں' جن سے آپ کی روحانی قدر و منزلت اور ایمانی وقار کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے حضرت شرقپوری کا روحانی مشن زندہ رکھا۔ عقیدت مندوں کو سنت مصطفوی کے سانچے میں ڈھالنے اور انہیں شریعت نبوی کے روشن اصولوں کا پابند بنانے کے سلسلہ میں آپ کی مساعی بلاشبہ تاریخ روحانیت میں آب زر کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ زندگی کے ہر پہلو میں' خلوت ہو یا جلوت' حلقۂ ارادت منداں ہو یا محفل احباب کسی موقع پر بھی احکامات قرآنی اور ارشادات نبوی کو جاری و ساری کرنے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔

سرکارِ کیلانی سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے ذوقِ شاعری بھی ودیعت کر رکھا تھا۔ آپ باقاعدہ طور پر شاعر نہیں تھے مگر شاعری چونکہ ابتداء ہی سے دلوں کی ترجمان اور شرحِ

marfat.com

احوالِ محبت کا عنوان رہی ہے، اس لئے آپ بھی بعض اوقات اپنے جذبات اور روحانی تاثرات کو اشعار کی صورت میں قلم بند فرماتے تھے۔ ایک بار اپنے پیر و مرشد حضور شیر ربانی کو اپنی فرقت و مجبوری کا افسانہ بصورت اشعار یوں سناتے ہیں:

پڑی ہے قعرِ طوفاں میں بچا لو میری کشتی کو
مناہی میں تباہی ہو رہی ہے میری ہستی کو
مرے مولیٰ مری بگڑی بنا دو نظر شفقت سے
ہوتی جاتی ہے طغیانی سہا لو میری کشتی کو
نہ مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ ہے یاور کوئی میرا
سوا تیرے مرے آقا جو بدلے تیرہ بختی کو
سراسر ڈوبنے کو ہوں میں اب طوفانِ عصیاں میں
چھپا لو اپنے دامن میں مری بیداد پستی کو

اسی طرح آپ کے کلام سے انتخاب کی صورت میں مزید چند اشعار قارئین کی نذر ہیں:

مشہور ہے جہان میں اُلفت حضور کی
قدرِ حضور پوچھیے حضرت بلال سے

نہ تو درد ہی میں مزا رہا نہ کوئی دل لگی کو مزار ہے
ہے عجب طرح کا یہ ماجرا نہ تو درد ہے نہ قرار ہے

سامنے ہوتے ہی جب اعراض کر کے چل دیئے
میری جاں حیرت میں ڈوبی تختۂ تقدیر تھی
میں تو سمجھا تھا اسے مرہم یہ آنکھیں کھل گئیں
تحریر تھی یا کیا غضب تھا کلک کی شمشیر تھی
دب گئے تھے زخم جو وہ آج تازہ ہو گئے
دم کے دم میں نامۂ ہمدم میں یہ تاثیر تھی

قبلۂ عالم سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وصال ۲۱ نومبر ۱۹۵۳ء بمطابق ۳ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس گیارہ مہینے تھی۔ اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ عمر تاریخ وصال اور وقت وصال میں آپ کی مطابقت اپنے شیخ طریقت

marfat.com

سرکار شرقپوری کے ساتھ انتہائے کمال پر ہے۔ آپ نے اپنے مرشد کامل کی ظاہری و باطنی اتباع کا حقیقی نمونہ خواص وعوام کے سامنے اس شان کے ساتھ پیش کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ سب فنا فی الشیخ کے درجات اولیٰ ہیں۔ آپ کی اور آپ کے شیخ کی تاریخ وصال عمر اور وقت وصال میں ایک منٹ کا فرق بھی رونما نہیں ہوا۔ اپنی عمر اور اقوال و اعمال میں بھی آپ اپنے شیخ طریقت سے پوری طرح مطابقت رکھتے تھے۔ اسی لئے تو حضرت شیر ربانی اپنی حیات قدسیہ میں اس مرید باصفا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''جس نے مجھے دیکھنا ہے وہ سید نور الحسن کو دیکھ لے''

اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ آپ تو اپنے شیخ کی دعائے مستجاب اور مراد تھے۔

آپ کے جنازہ میں ہزاروں ارادت مندوں نے شرکت کی۔ ہر مسلک طریقت کے مشائخ اور علماء بھی کثیر تعداد میں جنازہ میں شریک ہوئے۔ آپ کی وفات کی خبر ارادت مندوں اور آپ کے سلسلۂ روحانیت سے وابستگان کیلئے رنج و الم کی شدت کا باعث ہوئی۔ آپ کے وصال پُر ملال پر بہت سے شعراء نے اپنے جذبات الم مراثی کی صورت میں اور قطعۂ ہائے وصال کی صورت میں پیش کئے۔ مولانا محمد عبداللہ کنجاہی نے آپ کا قطعۂ تاریخ وصال یوں رقم کیا:

سید السادات فرزند رسول ○ جامع الحسنات دلبند رسول

نورِ کامل آفتاب شرقپور ○ بے شبہ بد ماہتاب شرقپور
۱۳۷۲

رفت خضر راہ دعا گو در جناں ○ پیر نور الحسن شاہ عارف زماں
۱۳۷۲

ذاکر حق پیر نور الحسن شاہ ○ رحمت حق صلہ یافت از بارگاہ

آج قبلۂ عالم سیدی نور الحسن شاہ ظاہری طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں مگر آپ نے علم وحکمت کے جو چراغ فروزاں کئے تھے' وہ زمانے کی بادِ صرصر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہمیشہ روشنی بکھیرنے کا باعث بنتے رہیں گے۔ جس طرح چاند کی روشنی اس کی کرنوں سے ہوتی ہے اور سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ماہتاب علوم معرفت تھے۔ آپ کے فرزندان ارجمند حضرت پیر سید محمد باقر علی شاہ بخاری صحیح معنوں میں اس ماہتاب لازوال کی نورانی کرن ہیں۔ وہی اپنے والد بزرگوار کا اُسوہ' وہی ان کا اندازِ تبلیغ' وہی ان جیسی محبت و شفقت' وہی ان کی طرح فیوض و برکات کی خیرات کا انداز' غرضیکہ پیر سید محمد باقر علی شاہ کا حسن تبلیغ متلاشیانِ منزل صداقت کو خود شناسی سے

marfat.com

لے کر خدا آگاہی تک کی منازل سے ہمکنار کر رہا ہے۔ آپ مریدوں کے دلوں کی دھڑکن اور آستانہ عالیہ سے وابستہ بے شمار ارادت مندوں کی آنکھوں کا تارا ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اپنے عظیم والد اور مرشد سیدنا نور الحسن شاہ بخاری کی صحبت میں گزارا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مجلس ایمانی میں چند ساعتیں گزار کر ہی اندازہ ہونے لگتا ہے کہ ہم سیدنا نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس قدس کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

سجادہ نشین آستانہ عالیہ کیلیانوالہ شریف حضرت سید باقر علی شاہ کے فرزند ارجمند اور جانشین جناب پیر سید عظمت علی شاہ بخاری کو رب کریم نے جوان العمری میں ہی روحانی صفات سے نواز رکھا ہے۔ آپ اپنے والد محترم سے بیعت اور طریقت میں انہی کے جانشین ہیں۔ آپ کو عقیدت کیش محبت سے ''چن جی سرکار'' کہتے ہیں۔

بلاشبہ آپ سے مل کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قلب ونظر میں جمال معرفت کی چاندنی اُتر آئی ہو۔ ''چن جی سرکار'' رمز آشنائے معرفت ہیں۔ آپ کو تبلیغ اسلام کا جذبہ غیر معمولی طور پر عطا ہوا ہے۔ صرف ملک بھر میں ہی تبلیغی دورے نہیں فرماتے بلکہ بلادِ عرب اور بلادِ یورپ میں بھی عظمت اسلام اور محبت رسول کا پرچم لہرانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ تبلیغی دوروں کے دوران ہی میں کئی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں' جب منزل حق اور خداشناسی کی طلب صادق رکھنے والے آپ سے ملتے ہیں اور پھر حضور پیر سید محمد باقر علی شاہ بخاری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں تو قبلہ عالم سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض پیہم کی رم جھم برستی محسوس ہوتی ہے۔

آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف صرف معرفت وطریقت کا گہوارا ہی نہیں بلکہ یہاں مکمل طور پر شریعت خداوندی' ارشاداتِ مصطفوی اور تعلیمات اسلاف کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ یہاں غیر شرعی رسوم اور باطل روایات سے مکمل طور پر اجتناب کیا جاتا ہے کیونکہ اس خانوادۂ طریقت کے پاسبان سمجھتے ہیں کہ سلطان مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر دینی اور دنیاوی طور پر فوز وفلاح کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت مطہرہ کی سربلندی اور تمام اُمور میں بالادستی کا جو تصور سیدنا نور الحسن شاہ بخاری کے پیش نظر تھا' وہی مقصد اولیٰ آج ان کے محترم جانشینوں کی دینی اور روحانی مساعی کا مرکز ومحور بن چکا ہے۔

قبلہ عالم سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس مبارک ۲۳/۲۲ نومبر بمطابق

marfat.com

۷/۸ مگھر روحانی تزک و احتشام سے منعقد ہوتا ہے۔ عرس کی تقریب میں ملک کے طول و عرض سے ہزاروں عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔ وطن عزیز کے ممتاز علمائے دین اور مشائخ کثرت سے شرکت کرتے ہیں۔ آپ کا مزار پاک بلاشبہ مرجع خلائق ہے۔ یہ مزار حسن تعمیر کے لحاظ سے سادگی و پرکاری کا حسین نمونہ ہے۔ اس مزارِ انور کی ایک جھلک دیکھتے ہی بے قراروں کو سکون و قرار کی دولت نصیب ہونے لگتی ہے۔ یہ مزار نشانِ منزل اور صاحب مزار منزل طریقت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مزار کی ایک جھلک دیکھتے ہی اس مردِ قلندر کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لحہ نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے، جس کا ہر عمل سنت رسول کی عملی تصویر اور جس کا ہر فعل حکم خداوندی کی تفسیر تھا۔ اس مردِ حق آگاہ کی پاکیزہ سیرت کا ایک ایک لحہ ہمیں اس حقیقت کا ادراک بخش رہا ہے کہ:

یہی لوگ ہیں جن سے دُنیا ہے قائم
اِنہی سے ہی اِیمان کی روشنی ہے

marfat.com

حضرت محمد عمر بیربلوی شریف رحمۃ اللہ علیہ

بیربل کی سر زمیں سے وہ ولی کامل اٹھا
بن گیا جو شیر ربانی کے دل کا مدعا
حضرت شیر محمد نے نوازا اس طرح
مل گئی خواجہ عمر کو بزم ہستی میں بقا
ان کا جو فرمان عالی ہے وہی ہے مستند
ان کے ہیں اقوال یا گلزار دیں مہکا ہوا
حضرت خواجہ عمر وہ بیربل کے تاجدار
جن سے ہے ہر اک دل غمگیں تبسم آشنا
شیر ربانی سے قربت ان کی تھی کچھ اس طرح
جس طرح کہ آشنا سے مل رہا ہو آشنا
طالبانِ شوق کی خاطر جلا دی آپ نے
بزم فکار و عمل میں مشعل راہ ہدیٰ
جس سے ملتا ہے عمل کا نور دل کی روشنی
منقبت خواں ہے رضاؔ اس صاحب کردار کا

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

فدائے شیر ربانی

حضرت محمد عمر بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ انتہائی خوش بخت شیخ طریقت تھے۔ آپ نے اپنی تربیت خاص سے متوسلین اور خلفائے عظام کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے ان کے پیغام رشد و ہدایت کو چاروں طرف پہنچا دیا۔ ان پاکیزہ نفوس میں سے ہر ایک ایمان و یقین میں پختہ اور عشق و عقیدت کی منزلوں سے بہت آگے کا مسافر تھا۔ وہ خلفائے عظام جنہوں نے شیر ربانی کے پیغام کو وسعت دی۔ اپنے علم و عمل سے زمانے کو ظلمتوں سے نکال کر راہِ ہدایت پر گامزن کرنے کی کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب و کامران رہے۔ ان میں ایک نام فخر نقشبندیت' مظہر اسرار طریقت حضرت محمد عمر بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو اپنے افکار اور اعمال سے اپنے پیر و مرشد کی تصویر تھے۔ روحانیت آپ کے چہرے سے اس شان کے ساتھ ہویدا تھی کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔

اللہ اللہ گفتن اللہ می شود
ایں سخن حق است واللہ می شود

یعنی یادِ خدا میں سرمست ہو کر مردِ مومن اللہ کا قرب خاص حاصل کر لیتا ہے۔ یہ قول بالکل برحق ہے اور خدا گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

یوں تو ہر ولی اللہ کی نسبت کا ایک خاص نقشہ ہوتا ہے لیکن غوث زماں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فقر و تصوف کا وہ نقشہ پیش کیا جو انبیاء علیہم السلام کے نقشے سے ملتا جلتا ہے اور اللہ کے بندوں کی ایسی تربیت فرمائی کہ جو ہدایت کے نور کا خاص نمونہ تھی۔ جو بھی جتنا ظرف لایا اس کا برتن بھر دیا۔ اور بعض ایسی ہستیاں اس مقدس خانقاہ سے فیض تربیت پا کر نکلیں جن کی نگاہ کیمیا اثر سے ہزاروں بندگانِ خدا کو ہدایت کی دولت مل گئی اور وہ دین و دنیا میں انسانیت کیلئے نمونہ قرار پائے۔ ان مقدس مقبولان بارگاہ میں قطب العالم حضرت محمد عمر بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص مقام ہے' آپ کی زندگی فقر کا نمونہ اور ہر قسم کے اعتدال کا مجسمہ تھی۔

marfat.com

علم و عمل میں آپ لاثانی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں ایک فرد کامل۔ ولی ابن ولی ابن ولی کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا۔ حسن ظاہر اور تاثیر باطن مل کر طالب کو محبت کی چوٹی پر بٹھا دیتی تھیں۔ آپ قیوم عالم حضرت غلام مرتضٰی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور علم و عمل کے پیکر، ولی کامل، حضرت احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ۔ حضور ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ میں تولد ہوئے۔ ولایت کا گھرانہ نور سے بھرپور، خانقاہ و مدرسہ دونوں گھر میں موجود، پڑھانے والے بھی گھر میں اور تربیت دینے والے بھی گھر میں۔ پڑھانے والے بھی اولیاء اللہ اور تربیت دینے والے بھی اولیاء اللہ۔ بچپن کے نقوش دیرپا ہوتے ہیں اور طبیعت کی رہنمائی میں یہ اپنا مقام رکھتے ہیں۔ پاکیزہ بچپن، مقدس اور ذہین طبع کو ظاہر میں صحیح راستے پر آگے بڑھنے میں اپنے اندر سے محرک مل جاتا ہے۔ اپنے گھر میں حضور نے حفظ قرآن کیا اور ۱۲ سال کی عمر میں حضرت قیوم عالم غلام مرتضٰی بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ مقتدی بنے اور آپ نے رمضان کی تراویح میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔

کیا کہنے ہیں اس امامت کے اور کیا کہنے ہیں اس اقتداء کے۔ خانقاہ فقر کے ساتھ ساتھ علوم دینی کا دریا گھر میں بہہ رہا تھا۔ فقر کے انوار بھی لئے اور شرح جامی تک کتابیں بھی اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ اس کے بعد متجسس اور مبارک طبع سفر پر آمادہ ہوئی۔ عنفوانِ جوانی میں لاہور تشریف لائے، پھر دہلی میں بھی مدت تک قیام کیا اور حصول تعلیم میں مستغرق رہے۔ پھر اورنٹیل کالج لاہور سے مولوی فاضل کیا، منشی فاضل کیا اور ادیب فاضل کیا۔ انگریزی کے امتحانات بھی دیئے۔ اس کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ سات سال تک وہاں تعلیم دی، اس سات سال کی داستان بھی عجب داستان ہے۔ سبحان اللہ۔ ادھر حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ کالج اور کالج کا سب ماحول یک دم چھوٹ گیا۔ اور کرسی کی بجائے فرش اختیار ہوا۔ خانقاہ کا ماحول دیکھا بھالا ماحول تھا اور کامل ولی دیکھے ہوئے تھے۔ اس لئے کالج نے اپنی ہر قسم کی جدتوں کے باوجود کوئی مغالطہ پیدا نہ کیا۔ سجادہ نشین مقرر ہونے پر اگرچہ آباؤ اجداد کے مخلصین کا جمگھٹا ارد گرد رہنے لگا۔ تاہم مرشد کامل اور ہادئ اکمل کی تلاش اور جستجو ایک منٹ کیلئے بھی جدا نہ ہوئی اور کامل بننے کی پہلی سیڑھی یہی ہے۔

تلاش بسیار کے بعد اور جستجو کے مجاہدۂ عظیم کے بعد مقصد کی کلید ہاتھ آ گئی۔ حضرت شیر محمد میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری دی ہی تھی کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کیمیا اثر نے ظاہر و باطن کے سارے حجابات دور کر دیئے۔ اور پہلی مجلس میں القائے نسبت کے بعد

marfat.com

تلقین فیوض کا باب بھی کھول دیا۔ یہ باب جب کھلتا ہے تو باقی دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ آزمائش پر آزمائش اور امتحان پر امتحان نے دنیا کی حقیقت پر کاہ کے برابر بھی نہ رہنے دی۔ اور یہی وہ مقام ہے جس کو فنا کہتے ہیں اور جو موتوا قبل ان تموتوا کی ایک بولتی ہوئی تصویر ہوتا ہے۔ انوار و تجلیات کی کثرت نے وحدہٗ لاشریک سے محبت اور محبت میں استغراق کا غلبہ پیدا کر دیا اور مدت تک جلوت میں خلوت رہی۔ متوسلین آتے جاتے تھے' خانقاہ کی رسوم بھی جاری تھیں لیکن اللہ کا یہ مرد اپنے فکر میں محو اور دنیا و مافیہا سے الگ' انقطاع اور تبتل کے حقیقی گوشے میں بوریا نشین تھا۔ ۱۹۲۸ء میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی محویت اور تبتل میں تھے۔ اتنے بڑے حادثے اور جدائی کے اتنے بڑے صدمے نے احساس فنا کو خاص متاثر نہ ہونے دیا۔ اس فراق و وصال اور فقر کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں اور زندگی نے نئی کروٹ لی۔

حضرت محمد عمر بیربلوی کی زیارت کا جس کو بھی شرف حاصل ہوا یا خدا بن گیا۔ آپ جذب و سلوک کا ایک خوبصورت مجسمہ اور محبوبیت کی ایک دلنشیں تصویر تھے۔ آپ فنا فی اللہ کے مدارج عالیہ پر فائز تھے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضری دیتے اور جن خوش بختوں پر آپ کی نظر کرم پڑ جاتی وہ کچھ سے کچھ ہو جاتے۔ فیض عام کا چشمہ تھا کہ ہر وقت سیراب کرتا رہتا تھا۔

اخلاق نہایت بلند تھے' اپنے تو اپنے ہوتے ہی ہیں' بیگانوں کو اپنا بنانے کا ڈھنگ آپ کو خوب آتا تھا۔ نگاہ کی تاثیریں اتنی غالب تھیں کہ جس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اُس کو پھر ہمیشہ کیلئے اپنا بنا لیا۔ اگر پہلی صحبت میں آنکھوں کے راستے دل میں بیٹھ جاتے اور پھر دل اپنا نہ رہتا تھا' ان کا ہو جاتا تھا' جدھر چاہتے لے جاتے جو کام چاہتے لے لیتے۔ مذہبی تفرقہ بازیوں سے حضور کو بہت نفرت تھی۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ عموماً اولیاء کاملین کو تفرقہ بازی سے نفرت ہوتی ہے۔ وہ اس لئے کہ فقر محبت کی سرزمین میں پھلتا پھولتا ہے اور جزوی اختلافات' ذاتی جذبات بن کر نفرت پیدا کرتے ہیں اور ولایت کو تفرقے سے نفرت ہے۔

نمود اور مظاہرہ سے آپ کوسوں بھاگتے تھے' بلکہ اکثر ایسا ہوتا کہ اگر ساتھی زیادہ ہو گئے ہیں تو آپ ان کو الگ چھوڑ کر راستہ بدل لیتے۔ لباس سادہ' خوراک سادہ' ادائیں دلکش اور دلربا' مجلس میں بولنے میں حکمت کے دریا بہتے اور خاموشی پر ازل کے راز کھلتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پاس بیٹھنے والے دنیا میں رہ کر آخرت کے بنے ہوتے اور مافیہا کا خیال بھول جاتا۔ ہر صاحب فن کو اس کے فن کی اصطلاحوں میں فیض کی تاثیریں مہمانی کے طور پر دیتے۔ درجوں کی پہچان بہت ضروری تھی'

marfat.com

ہر شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق جانتے پہچانتے اور پھر فیض دیتے۔ جو بھی آیا کچھ بن کے گیا' یہ بننا اور بننے کو سلامت رکھنا آسان اور مشکل کا مشکل جوڑ ہے۔ ولی اللہ کی صحبت دل کی دنیا بدل دیتی ہے لیکن استقامت میں تو بدلنے والے کا اپنا ووٹ بھی کام کرتا ہے۔

قالوا ربنا اللّٰہ۔ بے شک مشکل ہے لیکن "ثم استقاموا" مشکل تر ہے۔

حضرت میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا اچھا فرماتے ہیں:

ہر مشکل دی کنجی یارو مرداں دے ہتھ آئی
مرد نگاہ کرے جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

یہ پیر کامل کی خوب تعریف ہے لیکن مرید صادق کی استقامت کا باب اس کے بعد شروع ہوتا ہے اور وہ آہ سحر گاہی سے کھلتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے' پیر کا کام تیلی لگانا ہے' نگاہ اوّل کی بہت تعریفیں ہیں اور یہ بڑی مشکل کشا ہے لیکن ظرف سالک فیض ازل کا کرشمہ ہے جس کو چاہا دے دیا۔

بے حد نازک طبع اور بے حد برداشت والے' آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا احساس ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کو عیاں کر دیتا' اکثر دیکھا گیا کہ بولتے چیختے آئے اور خاموش دیدہ گریاں لے کر لوٹے۔

آپ قلمی تبلیغ کو بڑا درجہ دیتے تھے اور اہل قلم کے بارے ارشاد ہوتا کہ خیال ہمارے ہوں اور قلم ان کے پھر کام بنتا ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا حقیقت کے راز کھولے اور حقائق کو گوشوں سے نکالا۔ اور وضاحت نہ سمجھنے والے کا گلا پکڑ لیتی کہ یہاں بھی کم فہمی میں مبتلا ہوا ور آفتاب کو نہیں دیکھتے۔

تربیت کا طریقہ بالکل حضرت میاں صاحب سے ملتا جلتا تھا۔ جیسا کوئی مریض آیا ویسی ہی دوا دی۔ کسی کو اللہ ھو کا سبق دیا۔ اس کی تھوڑی سی تشریح فرما دی جو طریق ادا سے متعلق ہوتی لیکن یہ سبق صاحب استعداد سالک کو دیا جاتا۔ ورنہ یا کریم یارحیم' یا حی یا قیوم' یا سلام یا سلام اور جو صفاتی نام مناسب سمجھا اس کا سبق دے دیا۔ یہ فیض ظاہر و باطن کی ابتداء ہوتی تھی۔ سلسلے میں داخل ہونے والے کو نماز کی پوری پابندی کی تاکید کے بعد فرماتے کہ ہر نماز کے بعد ۱۱ مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھا کرو۔ صبح کی نماز کے بعد ۱۱ مرتبہ الم نشرح پڑھا کرو اور مغرب کی نماز کے بعد الحمد شریف' الحمد شریف کی تعداد میں اور طریقہ ادا میں صاحب نسبت کی نسبت کا خیال فرماتے اور ہر وظیفہ کو سمجھ بوجھ کر پڑھنے کی تاکید ہوتی۔

تلاوت کلام اللہ کے سلسلے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ تاکید فرماتے کہ قرآن کریم بے شک تھوڑا پڑھو' مگر سمجھ کر پڑھو' سمجھ اپنی اپنی' ادا اپنی اپنی۔ آپ کے لفظوں سے نتیجہ فیض کی صورت میں پہنچتا اور

marfat.com

حقائق قرآنی مجسم بن کر سامنے آتے اور ہر حقیقت اپنا چمکتا چہرہ دکھلا جاتی۔ دعا کا مخصوص طریقہ تھا۔ اُٹھے ہوئے ہاتھ آہستہ آہستہ لمبے ہونا شروع ہو جاتے اور توجہ الی اللہ اس قدر بڑھ جاتی کہ گویا دنیا و مافیہا سے الگ ہیں اور جب دعا مانگتے محسوس ہوتا کہ اب اس دعا نے عرش کے کنگرے تھامے ہوئے ہیں۔ آپ کی دعا سے اور توجہ سے ہزاروں کی بگڑی بن گئی جو مقصد بھی کوئی لایا وہ بفضلہٖ تعالیٰ فائز المرام ہو کر لوٹا۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلسلے میں آپ کا یہ ارشاد آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ بعض لوگ سنت کو عبادات میں مخصوص سمجھتے ہیں اور اس پر بحث کرتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعت پڑھیں کہ بیس، رفع یدین اور رفع سبابہ دوامی سنت ہیں یا وقتی سنت وغیرہ اور یہ نہیں سمجھتے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی مقدس سنت ہے، ہمارے ہر لحہ کی ہر ادا میں یا سنت ہے یا غیر سنت۔

لباس پوشاک، گفتگو، مہمان نوازی، سفر حضر، احباب کے ساتھ برتاؤ، مسئلہ مسائل، تشریحات دین میں کوئی عمل کوئی قول سنت کے خلاف نہ ہوتا تھا۔

آپ کے مرید خاص اور روحانی طور پر خصوصی تربیت یافتہ، مدیر ماہنامہ سلسبیل حاجی فضل احمد لکھتے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں حضور نے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سفر اختیار کیا۔ یہ غلام بھی حضور کے ہمراہ تھا۔ سبحان اللہ کیا حج تھا اور کیا زیارت تھی۔ کعبۃ اللہ کے سامنے حضور کئی مرتبہ آہستہ آہستہ گنگنا رہے ہوتے اور آنکھیں پُرنم ہوتی تھیں۔ ع...... ہم اس کے پاسباں ہیں یہ پاسباں ہمارا

مسجد نبوی میں جب حاضری دی تو عجب سماں تھا۔ میں نے اکیلے ۱۹۳۷ء میں بھی حج و زیارت کا شرف حاصل کیا ہوا تھا لیکن وہ سماں کچھ اور تھا، یہ سماں کچھ اور تھا۔ جب حضور قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ مواجہ شریف کے سامنے پہنچے تو میری آنکھوں نے وہ نظارہ دیکھا جو قلم میں یارائے تحریر نہیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نور مجسم مواجہ شریف سے باہر تشریف لائے اور اس سارے سفر مبارک میں قدم قدم پر کرامات کا ظہور تھا۔ دراصل کرامت کو دیکھنے والی آنکھ مشکل سے ملتی ہے، ورنہ اولیاء اللہ کا سارا وجود اور زندگی کا لحہ لحہ کرامات سے لبریز ہوتا ہے۔ میں کس کس کرامت کا ذکر کروں۔

ع...... وقت کوتاہ و قصہ طولانی

marfat.com

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک ایک لفظ حقائق کی تصویر ہوتا تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد فراق کے سوز میں اور وصال کی لگن میں ''انقلاب الحقیقت'' لکھی جس میں فقر کی مشکل اور عمیق اصطلاحات کو نہایت آسان لفظوں میں بیان فرمایا۔ دوسری طباعت کیلئے آپ کا خیال تھا کہ بہترین کاغذ عمدہ لکھائی اور نفیس چھپائی ہو۔

افسوس کہ بعض مشکلات اور ذرائع نے یہ کام جلدی سرانجام نہ ہونے دیا اور آپ (رحمۃ اللہ علیہ) وصال فرما گئے۔ لیکن ''انقلاب الحقیقت'' ۳۰۰ صفحات میں شایانِ شان طریقے سے طبع ہوئی۔

گرمی کا اثر آپ کی طبع مبارک پر بہت ہوتا تھا۔ گرمی کے روزے ہمیشہ ٹھنڈے مقامات پر رکھتے تھے۔ پاکستان بننے سے قبل دو مرتبہ سری نگر تشریف لے گئے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہی ہمیشہ کیلئے علاقہ سون کے قصبہ کھوڑہ تحصیل خوشاب کو موسم گرما کیلئے منتخب فرما لیا تھا۔ ملک حبیب الرحمٰن صاحب آپ کے نہایت مخلص خادم ہیں' ہمیشہ انہی کے مکان میں آپ کا قیام ہوتا تھا۔ اپنا کھانا اپنا پکانا' ایک ایک وقت میں بیس بیس پچیس پچیس مہمان ہوتے تھے جو لنگر سے ضروریات حاصل کرتے تھے۔ اکثر مقبول غلامان ہمیشہ ہمراہ ہوتے تھے۔ جب آپ کھوڑہ میں ہوتے تھے تو کھوڑہ کے در و دیوار بھی ذکر کرتے ہوئے محسوس ہوتے اور ان میں نُور کی چمک دکھائی دیتی تھی' مسجدوں میں رونق ہوتی' گلیوں میں رونق ہوتی اور محفل دو وقت لگتی تھی۔ ولی اللہ کی محفل کا کیا کہنا' اللہ یاد آتا تھا۔ جولائی ۱۹۶۷ء میں آپ کو دائیں پسلی پر ایک ورم نکل آیا۔ کمزوری بڑھتی گئی' کھانا چھوٹ گیا' کھوڑے ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ نوشہرہ کے سول ہسپتال سے ڈاکٹر صاحب آئے' معائنہ کیا' علاج شروع کیا۔ تین چار روز علاج کے بعد مجھے کہا کہ مولوی صاحب! امرض خطرناک ہے۔ آپ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور لے جائیے۔ لاہور کی تیاری ہو گئی۔ ۱۶ اگست کو لاہور پہنچ گئے۔ سروسز ہسپتال میں داخلہ مل گیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ۲۳ اگست کو بائیں طرف فالج کا حملہ ہو گیا۔ ڈاکٹروں کے بورڈ بیٹھے' حکماء نے معائنے کئے۔ ڈاکٹر محمد یوسف' ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ' ڈاکٹر عبدالقوی ہسپتال تشریف لے گئے۔ علاج میں کوئی کمی اور کجی نہیں ہے۔ یہ فیصلہ دے کر آ گئے لیکن قضا و قدر کے قاضی نے کچھ اور فیصلہ لکھ لیا تھا۔

ہسپتال میں ایک بیماری کے علاج کیلئے گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر تین بیماریوں نے گھیرا ڈال دیا جن میں سے ہر بیماری بڑی بیماری تھی۔ صدقات' خیرات کی بھی کوئی کسر نہ چھوڑی' ختم کلام اللہ کئے گئے۔ لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھا گیا' بیماری کے دفعیہ کیلئے یہ اکسیری نسخہ ہے یا سلام کا ختم پڑھا

marfat.com

گیا۔ ہزاروں مریدین رو رو کر ہر وقت اور ہر لمحہ دعا مانگ رہے تھے لیکن قدرت کا اٹل فیصلہ یہ تھا کہ اب اپنے محبوب کو ہم اپنے پاس بلا ہی لیں گے۔

تقدیر کا قلم چل چکا تھا' طبیب اپنی دانش بھول چکے تھے۔ دعاؤں کا اثر ملتوی کر دیا گیا۔ وہ جن کی ایک نظر مردہ دلوں کو زندہ کر دیا کرتی تھی' وہ جو غریبوں کا سہارا تھے' وہ جن کی دعاؤں سے تقدیریں بدلی جایا کرتی تھیں' وہ جن کا جسم گلاب کا پھول تھا' وہ جن کی خوشبو میں عطر بسا ہوا تھا' محبت کا وہ مجسمہ الفت کا وہ دریائے رحمت' شفقت کا وہ بے مثال آفتاب ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء مطابق ۱۹ جمادی الاوّل ۱۳۸۷ھ ایک بجے دن کے نوری فرشتوں کی جماعت میں انبیاء و اولیاء کی معیت میں اپنے حقیقی محبوب سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۞

کئی تاریخہائے وفات لکھی گئیں' حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ساہن پال شریف' ضلع گجرات نے یہ تاریخ وصال لکھی۔

وانک لعلی خلق عظیم

۱۹۶۷ء

الغرض حضرت محمد عمر بیربل شریف کی زندگی ہر لحاظ سے مرد کامل کی زندگی تھی' جنہوں نے اپنا مرنا جینا رضائے الٰہی کے مطابق کر لیا تھا۔ مریدوں کیلئے سراپا رحمت' گمراہوں کیلئے شمع ہدایت' اتحاد بین المسلمین کی عمدہ ترین تصویر انہوں نے جہاں روحانی اور عملی اقدار کو فروغ دیا' وہاں علم و شریعت کے فروغ کیلئے بھی خاص کردار ادا کیا۔ آپ جہاں کسی صاحب تصنیف بزرگ کو دیکھتے' اس کی بھرپور راہنمائی فرماتے۔ ''انقلاب الحقیقت'' اس کی زندۂ جاوید تصویر ہے۔ آپ ہی کے فیوضات کے سہارے ماہنامہ سلسبیل نے مدتوں تعلیمات تصوف کو عام کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ آج جب بھی آپ کا تذکرہ چھڑتا ہے تو آپ کی روحانی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے علمی اور نظریاتی مقام و مرتبہ کو بطور خاص اُجاگر کیا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ:

نور حق تھا' عظمت ایمان کی پہچان تھا
غم کے ماروں کیلئے ہر درد کا درمان تھا
علم و حکمت اور طریقت کا نمونہ تھا عمر
شیر ربانی کی تعلیمات کا عرفان تھا

marfat.com

شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان برگزیدہ اولیائے عظام میں ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور اسلامی نظریات کی ترویج میں بسر کر دی تھی۔ قدرت کو جب کسی خاص خطے یا علاقے کی راہنمائی اور ظاہری و باطنی احوال کی اصلاح مقصود ہوتی ہے تو اس علاقے کو کسی دانائے راز اور مردِ کامل کے وجود سے نواز دیتی ہے۔ ایسا دانائے راز جو فطرت کے اسرار کو بے حجابانہ دیکھنے اور گم گشتگانِ منزل کی راہنمائی کے آداب جانتا ہو، ایسا مردِ کامل جس کی اداؤں میں بوئے اسد اللّٰہی اور نواؤں میں جمال فقر پوشیدہ ہو۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں پنجاب کو ایک ایسا مردِ کامل میسر آیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے خلق خدا کو یوں خدا شناس بنا دیا کہ چاروں طرف توحید خداوندی اور عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی زمزمے گونجنے لگے:

عمرہا باید تا یک مردِ دل پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۴ھ کو سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ یہ دور برصغیر اور خصوصاً پنجاب کے مسلمان کیلئے انتہائی صبر آزما تھا۔ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی اور دوسری طرف انگریز مسلمانوں کے پایۂ تخت دہلی کے خلاف دن رات ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد میاں محمد یار اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی بناء پر علاقہ بھر میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ اس دور کے مسلمان صاحبان علم و عمل جس سیاسی و تمدنی بے چارگی اور محرومی سے دوچار تھے میاں محمد یار اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ کو حق و صداقت کی پاسداری کی بناء پر کئی بار سکھوں کے مظالم سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ کی انتہائی آرزو تھی کہ آپ کا فرزند شمس الدین دینی تعلیم کو بحسن کمال حاصل کرے تا کہ اس دور کے خوابیدہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا فریضہ انجام دے سکے۔

marfat.com

خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے سات سال کی عمر میں قریبی مدرسے میں قرآن پاک ختم کر لیا' پھر علاقہ پنڈی گھیپ میں میکی ڈھوک کے مقام پر تشریف لے گئے' جہاں آپ نے ابتدائی دینی کتب کی تعلیم حاصل کی' پھر مکھڈ کے صاحب کمال مولوی علی محمد کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ مکھڈ میں قریباً تیرہ برس قیام کر کے آپ نے علوم دینیہ کی تدریس مکمل کی۔ اسی دوران میں آپ کو ایک تاجر محمد امین کے ہمراہ افغانستان جانے کا اتفاق ہوا' جہاں کافی عرصہ مقیم رہ کر آپ نے کابل کے متبحر عالم دین حافظ دراز سے ہدایہ شریف پڑھی اور حدیث شریف کی سند بھی حاصل کی۔

تحصیل علوم دین سے فارغ ہو چکے تو آپ کو کسی مرشد کامل کی جستجو نے آ لیا تا کہ قلبی و روحانی تسکین کا سامان مہیا آ سکے۔ آپ کے استاد مولوی علی محمد بھی کسی شیخ طریقت کی تلاش میں تھے۔ ان دنوں سلطان الفقراء حضرت خواجہ محمد شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت شناسیوں کی شہرت آپ تک پہنچی تو اپنے استاد محترم کے ہمراہ تونسہ شریف میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت تونسوی کی زیارت کرتے ہوئے انہیں احساس ہوا کہ وہ گوہر کامل میسر آ گیا ہے جس کی تلاش انہیں عرصہ سے بے چین کئے ہوئے تھی۔ فوراً دونوں نے حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی اور شیخ کامل کی نگاہ فیض ترجمان کی بدولت مقامات جذب وسلوک سے بہرہ ور ہونے لگے۔

قریباً چھ ماہ تک آستانہ عالیہ تونسہ شریف میں قیام کے بعد آپ حضرت مولوی علی محمد کی معیت میں مکھڈ واپس آئے تو مولوی صاحب کے اپنا تمام اثاثہ آپ کے سپرد کر کے مدرسہ کا انتظام بھی آپ کی نگرانی میں دے دیا۔ چونکہ مولوی صاحب کی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے جملہ توقعات اپنے اس ہونہار شاگرد ہی سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ آپ کو اپنے استاد محترم سے اس درجہ محبت تھی کہ ایک لحظہ بھی ان کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ آپ کے والدین آپ کی شادی کرنا چاہتے تھے مگر آپ کو استاد کی فرقت گوارا نہ تھی۔ بالآخر اپنے مرشد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں سیال شریف روانہ ہوئے اور پھر باقی عمر سیال شریف میں بسر کر دی۔

سیال شریف میں آپ کی مستقل تشریف آوری اس علاقہ کیلئے نہایت باعث برکت و سعادت ثابت ہوئی۔ آپ مرشد کے حسب ہدایات اوراد و اذکار پوری پابندی سے انجام دیتے رہے۔ فرصت کے وقت تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سال میں کئی کئی مرتبہ پا پیادہ تونسہ شریف حاضری دیتے اور کم سے کم چالیس روز قیام کرتے' جب بتقاضائے عمر جسم میں اضمحلال اور کمزوری

marfat.com

رونما ہوئی تو بامر مجبوری سوار ہو کر تونسہ شریف حاضری دینے لگے۔ مرشد کی خدمت میں حاضری آپ کیلئے بے پناہ مسرت و شادمانی کا باعث بنتی۔ آپ نے چودہ مرتبہ حضرت پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسوی کی قیادت میں تونسہ شریف سے مہار شریف کا سفر اس شان سے کیا کہ حضرت پیر پٹھان تونسوی ایک تیز گھوڑی پر سوار ہوتے اور حضرت شمس الدین سیالوی اپنے مرشد کا قرآن کریم مع رحل اور دیگر وظائف سر پر رکھے پانی کا بھرا ہوا کوزہ دائیں ہاتھ میں' حضور کا عصا اور مصلیٰ بغل میں لئے بادۂ عقیدت سے مخمور ہو کر حضرت کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے۔ لوگ دیکھتے تو پہچان لیتے کہ شہباز معرفت روحانی سربلندیوں کی جانب پرواز کرنے کیلئے پر تول رہا ہے۔ اس ضمن میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ تونسہ شریف سے مہار شریف قریباً ایک صد پچاس میل کی طویل مسافت پر واقع ہے اور اُس دور میں یہ علاقہ ریگستان کا نمونہ پیش کیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ یونہی پابرہنہ شیخ کی گھوڑی کے آگے چل رہے تھے' تپتی ہوئی ریت پر چلتے ہوئے کانٹوں اور کنکروں نے پاؤں کو اس قدر زخمی کیا کہ چلنے کا یارا نہ رہا مگر وفور محبت دیکھئے کہ چلے جاتے تھے' مرشد کامل کی نگاہ پڑی تو اپنی پاپوش مبارک اُتار کر عطا کی کہ پہن لو' آپ نے تحفہ تو قبول کر لیا مگر چوم کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ شیخ کی عطا کردہ جوتیاں پاؤں میں نہ پہنیں۔ کچھ وقت پر شیخ کامل نے آپ کو پھر ننگے پاؤں دیکھا تو اپنے عطا کردہ پاپوش مبارک کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت شمس الدین سیالوی نے بصد ادب عرض کیا کہ میں نے ان جوتیوں کو وہاں سجا لیا ہے جو ان کیلئے مناسب ترین مقام ہے۔

حضرت پیر پٹھان اپنے مرید کی سعادت مندی اور حسن عقیدت سے ازحد متاثر ہوئے۔ گھوڑی سے نیچے اُترے اور سعید بخت مرید کو سینے سے لگا لیا۔ اس وقت شیخ کا دریائے کرم جوش پر تھا' خوش قسمت مرید کو اس موقع پر جو کچھ عطا ہوا وہ اس قدر قابل رشک تھا کہ حضرت سیالوی زندگی بھر اس ساعت سعید پر ناز فرماتے رہے۔

جب حضرت شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کی عمر چھتیس برس کی ہو گئی اور عبادت و ریاضت کی بدولت آپ پر اسرارِ معرفت منکشف ہونے لگے تو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور فرمایا کہ میں تمہیں اس احساس کے ساتھ بیعت و خلافت کی اجازت دے رہا ہوں کہ تم زندگی بھر راہ صداقت کی تلاش میں بھٹکنے والوں کو جادۂ حق پر گامزن کرتے رہو گے۔ آپ نے اس عظیم منصب کی قبولیت سے معذوری ظاہر کی تو حضرت پیر پٹھان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہچکچاہٹ کیسی؟ اب تم ہم سے جدا نہیں ہو' تمہاری بیعت حقیقت میں ہماری ہی

marfat.com

بیعت ہو گی۔ میں تجھے حکم خداوندی سے بیعت کا مجاز کر رہا ہوں۔ شیخ کامل کی نظر عنایت سے آپ کے روحانی کمالات کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق کسب فیض کیلئے آپ کی خدمت عالیہ میں حاضری دینے لگے۔

حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تبلیغ حد درجہ مؤثر اور سادہ تھا' نہ مناظرہ' نہ مباحثہ' پیار و محبت کی فراوانی تھی' شفقت و عنایات کا بحر بے کراں امڈا رہتا۔ ساٹلان طریقت پروانہ وار آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور دامان مقصود کو بھر کر لے جاتے۔ بڑے بڑے عالم اس توقع پر حاضر ہوتے کہ ہم اس شیخ کو اپنی علمی صلاحیتوں سے زچ کر دیں گے مگر جونہی وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے' اپنا علمی غرور فراموش کر کے آپ کے دامانِ فیض سے وابستگی کو سعادت تصور کرنے لگتے۔ نامور فضلاء حاضر ہوتے تو انہیں احساس ہوتا کہ اس صاحب حکمت و فضیلت کے سامنے ان کی حیثیت ابجد خواں سے زیادہ نہیں ہے۔ حضرت کی خدمت اقدس میں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے تھے' فقیر بھی امیر بھی' گدا بھی اور نواب بھی' عالم و فاضل بھی اور ان پڑھ اور جاہل بھی' ہر شخص حسب ظرف و ضرورت اس شہباز طریقت کے فیوض و برکات روحانی سے فیضیاب ہوتا۔ آپ کے حضور حاضری سے قبل ہر ایک کا علیحدہ رنگ ہوتا مگر جب وہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضری دیتا تو پھر بہت جلد اس پر آپ کا رنگ طریقت غالب آ جاتا اور وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے تبلیغ اسلام کی خاطر اپنا تن من دھن وقف کر دیتا۔ سچ ہے کہ:

؎ نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ کے عہد ولایت میں جس کثرت سے علمائے ظاہر نے آپ کی خدمت میں حاضری دی' اس پائے کے علماء کی اتنی بڑی تعداد ہمیں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں جبکہ کفر و ضلالت کے تاریک سائے چاروں طرف منڈلا رہے تھے' مسلم سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا اور مسلمان احساس زیاں سے عاری ہو کر خواب غفلت میں مدہوش ہو چکے تھے اگر آپ اپنے علاقہ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام نہ دیتے تو نہ معلوم اس علاقہ میں ان دنوں مذہبی صورتحال کیا ہوتی۔ انیسویں صدی کے تاریک ماحول میں اس رہبر کامل نے جو شمع روشن کی اور جس طرح اپنی مسیحا نفسی سے مردہ دلوں کو ایمانی حرارت عطا کی اس کا تذکرہ باعث برکت بھی ہے اور وجہ افتخار بھی۔ آپ اپنے روحانی تصرفات اور باطنی توجہات سے بندگان خدا کا

marfat.com

ٹوٹا ہوا رشتہ خالق سے جوڑتے رہے۔ آپ کی تقلید میں آپ کے خلفاء برصغیر پاک و ہند میں چاروں طرف پھیل گئے اور ملک کے اطراف واکناف کو ایمانی روشنی سے منور کر دیا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کہ جنہیں آپ کی روحانی صحبت و تربیت میسر آئی تھی، آپ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

شمس نورانی کہ نور مطلق است
درجہاں آفاق نورش مطبق است
گرندادے نام پاکت دست را
کس ندیدے در جہاں ایں مست را
ہر دو عالم وز ہرائش باختہ
پائے از دیدہ براہش ساختہ
آں کہ سروے از گلستانِ ہدیٰ
شاہبازِ قدس آں شمس العلیٰ

چونکہ آپ کا حقیقی مقصود سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوں میں اُجاگر کرنا تھا، اس لئے آپ خود بھی احکام شریعت کی انتہائی پابندی فرماتے اور مریدوں اور ارادت مندوں کو بھی احکام شریعت پر عمل پیرا ہونے کی سختی سے تلقین فرمایا کرتے۔ نماز باجماعت پر بطور خاص زور دیتے۔ مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرماتے۔ آپ کی کرامات بہت زیادہ ہیں، جن سے آپ کے روحانی تصرف اور باطنی سربلندیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کرامات کی عظمت اپنی جگہ مسلّم لیکن حقیقت ہے کہ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے صراط مستقیم سے بھٹکنے والوں کو پھر سے خدا کی پہچان کرا دی، عصیاں کاروں کو ذوقِ عبادت عطا کیا، تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو ایمان کا اُجالا بخشا اور اہل نظر کو خدا شناسی کی وہ لذت عطا کی کہ وہ خلائق سے بیگانہ ہو کر یادِ خدا میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مشغول ہو گئے۔

حضرت خواجہ کی تاریخ وصال ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ ہے۔ وفات سے پیشتر آپ نے اپنے صاحبزادہ اور جانشین حضرت خواجہ محمد دین ثانی کو بلایا اور فرمایا کہ ”مجھے دو چیزوں سے پیار ہے اور یہ دونوں چیزیں مجھے پیران عظام سے مرحمت ہوئی ہیں۔ اوّل محبت درویشاں اور دوم اطاعت مرشد، تم توکل تسلیم اور صبر وقناعت کو اپنا معمول بنانا اور خلق خدا کی راہنمائی سے کبھی غافل نہ ہونا۔ صاحبزادہ

marfat.com

صاحب نے گذارش کی کہ "میری دعا ہے کہ آپ مزید چالیس برس تک یونہی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہیں"۔ آپ یہ سن کر پہلے تو خاموش ہو گئے اور پھر فرمانے لگے کہ "مجھے تو چالیس دن کا بھی اعتبار نہیں ہے کیونکہ میں نے خدا سے التجا کی ہے کہ میری عمر اپنے پیر و مرشد خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کے موافق ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہونے والا ہے کیونکہ حضرت تونسوی نے ماہ صفر میں انتقال فرمایا تھا' شاید ہماری رحلت بھی اسی ماہ صفر میں ہو جائے۔ یہ سن کر صاحبزادہ صاحب شدت غم سے بے قرار ہو کر رونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ نور چشم میں چاہتا تھا کہ اسرارِ یزدانی سے تم کو آگاہ کروں مگر تم تھوڑی سی بات پر بے خود ہو گئے۔ دنیا کی فانی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں' ہر شخص نے ایک دن جام اجل پینا ہے اس لئے حق تعالیٰ کی یاد میں زیادہ سے زیادہ معروف رہو۔ وفات کے روز آپ دست مبارک میں تسبیح لے کر درود شریف پڑھتے رہے اور پاس انفاس میں مشغول ہو گئے۔ پھر حاضرین کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھ کر قبلہ رو ہو گئے اور مطلع رشد و ہدایت کا وہ بدر کامل جو قریباً نصف صدی تک دلوں کو سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے منور کرتا رہا تھا' موت کے دامن میں روپوش ہو گیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی آپ کی تاریخ وفات یوں لکھی ہے:

دریغا صد دریغا صد دریغا
کہ شمس الدیں امام العارفیں رفت
ہزار افسوس کیں مہر جہاں تاب
بہ اوجِ عرش ز فرش زمیں رفت
چوں سرور جست تاریخش ز ہاتف
بگفتا شمس اوجِ علم دیں رفت

۱۳۰۰ھ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ نے اپنے علاقہ میں تبلیغ و ترویج اسلام کے جس عظیم مقصد کا بیڑا اُٹھایا تھا' تائید ایزدی کی بدولت وہ مقصد عام ہو کر رہا۔ آپ کے ظاہری و باطنی فیوض نے نہ صرف اپنے علاقہ کو نورِ ایمان سے منور کیا بلکہ برصغیر پاک و ہند کے اطراف و اکناف میں آپ کا روحانی فیض ایک بحر بے کراں کی صورت پھیل گیا۔ حق تو یہ ہے کہ آج ہم دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن برکات سے فیضیاب ہو رہے ہیں ان کو عام کرنے میں حضرت خواجہ شمس

marfat.com

الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ آب زر سے لکھنے جانے کے قابل ہیں۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے وارثین علم و حکمت نے آپ کے مقدس مشن کو جاری رکھا۔ آپ کے خلفاء نے برصغیر میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی اشاعت کے سلسلے میں خاص کردار ادا کیا۔ زمانہ روزِ ازل سے محو سفر ہے لیکن شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت و کردار، اتباع سنت مصطفوی، اشاعت اسلام اور خدمت خلق خدا کے جو لازوال نقوش چھوڑے ہیں وہ وقت کی پیشانی پر ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے اور اہل ایمان ان کی بدولت قلب و نظر کی روشنی کا اہتمام کرتے رہیں گے۔ سچ ہے:

صاحبانِ عشق مثل مہر حق تابندہ ہیں
آبروئے زندگی یں تا ابد پائندہ ہیں

marfat.com

خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

وقارِ علم روحانی' محمد دین خواجہ ہیں
جمال بزم ایمانی' محمد دین خواجہ ہیں
فقیری دیکھ کر جن کی سلاطیں رشک کرتے تھے
وہی تو جانِ سلطانی' محمد دین خواجہ ہیں
فیوض خواجہ شمس العارفین کو تازگی بخشی
ضیائے شمع نورانی' محمد دین خواجہ ہیں
دلوں کو کر دیا روشن جمالِ معرفت دے کر
کمالِ حسن ایمانی' محمد دین خواجہ ہیں
زمانے میں فیوض چشتیہ کو روشنی بخشی
پیام فکر برہانی' محمد دین خواجہ ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جن سے دلوں کو چین ملتا ہے
بہار حکم یزدانی' محمد دین خواجہ ہیں
شریعت کو عطا کی سربلندی اس زمانے میں
فروغ نورِ قرآنی' محمد دین خواجہ ہیں
لحد ان کی رضا ہو عظمت ایمان کی مظہر
جہاں میں حسن روحانی' محمد دین خواجہ ہیں

marfat.com

اشرف الاولیاء

حضرت خواجہ محمد دین ثانی (رحمۃ اللہ علیہ)

﴿سیال شریف﴾

سیال شریف کی سرزمین معرفت کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ یہاں یکے بعد دیگرے ایسی شخصیات نے جنم لیا ہے جنہوں نے نہ صرف اپنے اسلاف کے فیوض کے سلسلے کو جاری و ساری رکھا بلکہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کو پنجاب میں بہار جاوداں بخشنے کیلیئے لاثانی کردار ادا کرتے رہے۔ حضرت خواجہ محمد دین ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسی ہی نادر روزگار شخصیت تھے، جنہوں نے عظیم المرتبت پدر بزرگوار کی روحانیت کے چراغوں کی لو کو تیز تر کر دیا۔ آپ کی بصیرت افروز راہنمائی نے خلق ہدایت کو راہ مستقیم پر چلنے کا شعور بخشا۔ آپ کے کردار عالی اور فیوض و برکات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے:

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

ولادت سراپا سعادت

سیدی خواجہ محمد الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں آستانہ قدسیہ سیال شریف میں حضور شمس معرفت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے کاشانہ اقدس میں دنیائے ظاہری میں تشریف فرما ہوئے۔

تعلیم و تربیت

ابتدائی فارسی درسیات اپنے عظیم المرتبت والد گرامی سے پڑھیں۔ حضور شمس معرفت ظاہری علوم کے بھی محقق و مدقق عالم تھے اور اپنے شیخ گرامی حضرت سلیمان دوراں تونسوی کی سنت کو جاری رکھتے ہوئے تدریس بھی اختیار فرما رکھی تھی۔ اپنے لخت جگر اور نور نظر کو بھی ابتدائی فارسی درسیات کا

marfat.com

خود سبق دیا۔ دراصل ہماری ابتدائی فارسی درسیات میں اخلاق اسلامی اور تصوف کی تعلیم کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ کریما اور پندنامہ عطار پر سرسری سی نظر ڈالیں تو آپ اسلامی اخلاق اور نبوی تصوف کا مہکتا گلشن اپنی نظروں کے سامنے پائیں گے۔ آج جدید تعلیمی نصابات میں اخلاقیات کا کہیں مستقلاً درس نہیں ہے۔ ہمارے قدیم نصاب کے مرتبین کے سامنے یہی حقیقت تھی کہ اگر طالب علم ابتدائی درسیات میں اخلاق اسلامی اور تصوف محمدی سیکھ لے گا تو عملی زندگی میں ''سراپا خیر'' بن جائے گا۔ اسی بناء پر آغاز ان کتب سے کرایا جاتا تھا اور اس گئے گزرے دور میں بھی ہمارے دینی مدارس میں یہ کتب شامل نصاب ہیں۔

جب ان کتابوں کے پڑھانے والے شمس معرفت ہوں اور طالب علم ثانی لاثانی سیالوی ہوں تو واضح بات ہے کہ یہ اشعار مجسمہ عمل بن کر حیات ثانی میں داخل ہو گئے ہوں گے اور انفاس شمس نے اپنے بیٹے کے دل و دماغ میں عشق رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھر دیا ہو گا جسے اخلاق اسلامی نے مزید جلا دی ہو گی اور یہی چیز آگے چل کر ہم حضرت ثانی کی زندگی میں پاتے ہیں۔

ابتدائی فارسی درسیات کے بعد آپ نے علوم دینیہ مولانا محمد سلیمان اور کچھ عرصہ مولانا فتح محمد آف لیانہ ضلع جھنگ سے پڑھے۔ اعلیٰ کتب اور تکمیلی مرحلہ حضرت خواجہ معظم الدین مرولوی رحمۃ اللہ علیہ سے طے فرمایا۔

حضرت شمس العارفین کے حلقۂ معرفت میں درجنوں ایسے علماء تھے جن پر زمانہ ناز کرتا تھا۔ خواجہ مرولوی تو اپنی نظیر آپ تھے۔ پھر پیر سید گولڑوی جیسی شخصیات جو اس آستانے سے وابستہ تھیں انہوں نے بھی آپ کو مسلسل نوازے رکھا۔ آپ کے اساتذہ گرامی کی طویل فہرست جنہوں نے اس مردِ لاثانی کو سیال شریف کا اعزاز بنانے کیلئے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کے فیض عام کی ایک جھلک آپ کے تذکار سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز ثانی تونسہ شریف کے سفر میں واپسی پر علاقہ دمنی کی بستیوں میں تشریف لے گئے۔ گاؤں کے پیر بھائی ایک دو منزلیں پہلے ہی پالکی لے کر پہنچ جاتے' کیونکہ بوجہ ضعف اور کبر سنی بغیر پالکی کسی اور سواری سے آپ سفر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اپنے سفر کا حال اپنی زبان سے حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا جب مولانا محمد سعید مرحوم بھی مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے بتایا کہ ایک گاؤں سے جانے کیلئے آپ پالکی میں سوار تھے اور مریدین اسے اُٹھائے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اس روز محرم کی پانچویں تھی' جب پاکپتن شریف میں بہشتی دروازہ

marfat.com

کھلنے کا دن ہوتا ہے۔ ایک نے کہا:

''ہمارے لئے بہشتی دروازہ یہی ہے جو بہشتی بننا چاہتا ہے' اس پالکی کے نیچے سے گزر جائے''۔

یہ کہنا تھا کہ ہندو' مسلمان' پیر بھائی اور دوسرے سبھی لوگوں نے نیچے سے گزرنا شروع کر دیا۔

حضرت خود رقت قلب سے پانی پانی ہو رہے تھے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہے تھے:

''یا اللہ! میں عاجز بندہ جو کچھ ہوں تو اچھی طرح جانتا ہے ان (بندوں) کے نیاز و اخلاص کی داد تو خود ہی دینا''۔ (تذکار بگویہ، ص ۲۳۳، ۲۳۲)

عظیم محدث' مفسر اور سیرت نگار ضیاء الامت جسٹس پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

آپ کے عہد میں سلسلہ چشتیہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ ملک کے دور دراز گوشوں سے بندگان خدا فقیر کے آستانہ عالیہ کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے۔ قافلوں کے قافلے حاضر خدمت ہوتے اور مئے محبت سے مخمور و سرشار ہو کر اپنے گھروں کو واپس لوٹتے۔ اس جاہ و جلال شاہی کے باوجود تواضع و انکسار کی کوئی انتہاء نہ تھی اور شان دلنوازی کی جلوہ سامانیاں ہر دیکھنے والے کو محو حیرت کر دیا کرتی تھیں۔ آستانہ عالیہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ نیاز مند کے ساتھ بھی وہ لطف و کرم فرماتے کہ وہ نیاز مند اپنی خاکساری پر ناز کرنے لگتا۔ اعلیٰ حضرت کے خلفاء کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے اور ان کی روحانی تربیت اور ظاہری سرپرستی میں کمال فیاضی فرماتے۔ دیکھنے والے شمس العارفین کے عہد میں اور حضرت ثانی کے عہد میں بڑی مشکل سے تمیز کر سکتے تھے۔

حضرت کا لنگر بڑا وسیع تھا' سینکڑوں درویش جو ذکر الٰہی سیکھنے کیلئے یہاں فروکش ہوتے ان کی خاطر مدارت میں پوری کوشش کی جاتی۔ آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے والے مہمانوں کے آرام و آسائش کیلئے آپ ہر ممکن اہتمام فرماتے اور کوئی بعد از وقت آنے والا مہمان اور مسافر بھی بھوکا نہ رہتا۔ حضرت کا معمول تھا کہ رات کا کھانا نماز عشاء ادا کرنے کے بعد تناول فرماتے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر کوئی مہمان تاخیر سے آئے اور لنگر میں کھانا ختم ہو گیا ہو تو حضرت اپنا کھانا پیش کر دیتے۔ وسیع لنگر کے انتظامات کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کی ترقی کیلئے بھی خصوصی توجہ فرماتے۔ سینکڑوں کی تعداد میں طلباء اکتساب علم کیلئے موجود رہتے۔ ان کی رہائش' خوراک اور تعلیم کا مفت انتظام کیا جاتا۔ آستانہ عالیہ پر جو عظیم الشان عمارات نظر آ رہی ہیں ان میں سے بیشتر حضرت کے ذوق لطیف اور ہمت بلند کا شاہکار ہیں۔ روضۂ مقدسہ معنوی حسن و خوبی کے علاوہ صوری جاہ و جلال

marfat.com

میں بھی عدیم النظیر ہے۔ اس کی بلندی اس کی پختگی اور اس کے اندر ماہر کاریگروں نے جو نقش و نگار اور گلکاری کی ہے اسے دیکھ ایک عجیب قسم کی روحانی آسودگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کو تعمیر ہوئے ایک سو سال سے زائد عرصہ گزر گیا ہے لیکن نقش و نگار کی تابنا کی میں ذرا فرق نہ آیا۔

تحصیل خوشاب میں انگہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ قاضی سلطان محمود کا زمانہ تھا جن کی شہرت ایک زمانے تک پہنچ چکی تھی۔ قاضی صاحب کو پتہ چلا کہ ان کے ضلع شاہ پور میں سیال کے مقام پر ایک درویش جو سماع سنتا ہے' لوگ کثرت سے اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی رگ مناظرہ پھڑکی۔ ایک جانور پر کتابوں کا گٹھڑ لادا۔ ان کے معتقدین کی بڑی تعداد بھی ہمراہ تھی۔ اب اتفاق دیکھیے کہ قاضی سلطان محمود سیال شریف میں اس وقت پہنچے جب خواجہ محمد دین کے والد عالی مقام خواجہ شمس العارفین قوالی کی محفل سجائے ہوئے تھے۔

مجلس آراستہ بھی معرفت کے موتی لٹ رہے تھے۔ قاضی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' آداب مجلس کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو شریعت میں ممنوع ہیں۔ حضرت نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا۔ قاضی صاحب میری گردن بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلاف شریعت کام کرنے سے بچائے۔ یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر وضو کرنے کیلئے شرقی کنواں پر تشریف لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفل سماع کا آغاز کیا:

جھنگ کنوں دل تنگ پیوسے پچھاں ہزارے دیاں داناں
میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں جیوں کھنڈ شکر بناتاں

قاضی صاحب سماع کی آواز سن کر غصے سے دوڑتے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے' پھر بھی آپ باز نہ آئے' پھر بھی آپ باز نہ آئے۔

جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور غش کھا کر گرے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ اور قوال برابر ان بولوں کو دہرا دہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم و فضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی و شوق میں اپنی دستار سر سے اتاری اور

marfat.com

قوالوں کو جا کر نذر کر دی۔ اس محفل پر مستی و کیف کا جو رنگ چڑھا ہو گا اس کی ماہیت کیونکر بیان کی جاسکتی ہے۔ قوال جب اس بول کا تکرار کرتے تو آپ تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے:

حق او یارو حق ! حق اور یارو حق

حضرت ثانی غریب نواز اس محفل پاک میں حاضر تھے۔ جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کو نذر کی تو آپ چپکے سے اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیورات تھے سب اُٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار ان سے لے لی اور فرمایا یہ عالم کی دستار ہے اور اسی کے سر پر زیب دیتی ہے' پھر قاضی صاحب کے سر پر وہ دستار باندھ دی۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز اپنے فرزند دلبند کی اس ادا شناسی پر بڑے مسرور ہوئے اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔ مردان خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی چشم کرم سے عشق و محبت کے خیاباں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات شاذ و نادر ہی نہیں بلکہ ہر روز کا معمول تھے۔ خدنگ ناز کی زد میں جو آیا جانے نہیں دیا۔

صاحبزادہ محمد معظم الحق معظم آبادی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

۱۳۰۰ھ میں حضرت شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک ہوا۔ اب گلستان سیال کو زیب و زینت کس طرح عطا ہو گی اور چمنستان طریقت کی رکھوالی کرنا' اس دبستان محبت کی شگفتگی قائم رکھنا اور اس میخانہ عشق کی بھیڑ کو برقرار رکھنا خواجہ محمد دین سیالوی کی اولین ذمہ داری تھی۔ حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال سے ایک مرتبہ بلا کشان محبت ہر سو اندھیرا اندھیرا محسوس کرنے لگے' جن لوگوں نے عرفان خداوندی کو سینوں میں مچلتے دیکھا تھا' جبینوں میں انوار خداوندی کو چمکتے دیکھا تھا' ہر خاص و عام کیلئے پیر سیال کو سراپا مہر و فا بنتے دیکھا تھا تو وہ اپنی دنیا اجڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ عین اس لحہ میں حضرت خواجہ محمد دین سیالوی نے اپنے اعلیٰ اخلاق' دلکش اور من موہنی اداؤں اور اپنے والد گرامی کے نور نسبت اور اپنے مرشد عظیم پیر پٹھان کی توجہ کاملہ سے اس مسند کو وہ رونق بخشی کہ گلشن پیر سیال میں ایک رنگ' ایک بہار آ گئی۔ فیض پیر سیال پہلے سے دوگنا ہو گیا۔ بقول ارباب طریقت ''صاحب مزار بزرگ کا فیض اس لئے زیادہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی نو حصے توجہ خالق کی طرف اور ایک حصہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے' اور قبر میں معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا ہے۔ نو حصے توجہ مخلوق کو نصیب ہوتی ہے تو اعلیٰ حضرت سیالوی کی اسی توجہ کا ظہور حضرت ثانی کی ذات انور سے شروع ہو گیا''۔

marfat.com

بروایت منشی امیر بخش صاحب مؤلف انوار شمسیہ (یہ کتاب حضرات سیالوی کے تذکرہ میں ایک معتبر نام ہے) حضرت ثانی نے فیض شمس کو اس زور سے تقسیم فرمایا کہ انوار شمس کی ضیاء پاشیاں چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں۔ کچھ روحانی مقامات اور باطنی کیفیات میں حضرت ثانی اپنے والد بزرگ سے بھی سبقت لیتے نظر آنے لگے۔

ہونہار بروہ کے چکنے چکنے پات' بچپن ہی سے آپ کی طبیعت میں وہ کل باتیں موجود تھیں' جن سے ایک انسان کامل کی طبیعت دوسرے افراد سے بالکل الگ اور ممتاز ہوا کرتی ہے۔ آپ کریم ابن کریم تھے۔ اسی لئے تو یہ حال تھا کہ گھر سے روٹی باہر اُٹھا لاتے اور چھوٹے چھوٹے ہم عمر کم سن بچوں سے بانٹ کھاتے اور کہتے کہ میں تمہیں لنگر تقسیم کر رہا ہوں۔ حضرت صاحب اعلیٰ کو محبت تو آپ سے بہت تھی مگر اس کا اظہار ظاہری طور پر بہت کم ہوا اور نہ گود میں لے کر بہت پیار کیا۔ مگر توجہ عنایت یہ تھی کہ ایک دفعہ جبکہ آپ صرف سات آٹھ سال کی عمر میں صاحب فراش ہوئے تو حضرت صاحب اعلیٰ نے چارپائی کے قریب کھڑے ہو کر آپ کی طبیعت کا حال دریافت فرمایا۔ اس عاشق شیدا نے جواب میں عرض کیا "غریب نواز' اوپری اوپری پرسش میں ہی نہ رکھئے گا' بندہ تو آپ کی توجہ باطنی کا بھوکا ہے"۔ یہ عشق تھا نوخیز جو ازل ہی سے آپ کے حصے میں آیا اور یہ درد تھا روز افزوں جو عنایات وہبی ہی سے آپ کو ملا اور ہمیشہ آپ کے دل پر قربان رہا۔

قصہ دارورسن بازئ طفلانہ دل
التجائے ارنی سرخی افسانہ دل

مولوی صاحب مرلوی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم لنگر خانہ تھے اور حضور کم سن تھے۔ خراماں خراماں تشریف لائے اور مولوی صاحب سے چند روپے مانگے۔ انہوں نے انکار کیا اور عرض کیا کہ لنگر کا روپیہ بغیر منظوری حضرت صاحب میں کسی کو نہیں دے سکتا۔ حضور نے چپکے سے مٹھی بھر لی اور بھاگ گئے' مولوی صاحب بہ پیچ و تاب بسیار حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کو عرض کرنے کے بعد کہنے لگے کہ غریب نواز اس طرح مجھ سے کام نہیں ہو سکتا' آپ فرمانے لگے "خیر" اس لفظ کے فرماتے ہی معاً مولانا موصوف کی جملہ نسبتیں سرد ہو گئیں جب تک خود ہمارے حضرت صاحب نے معافی کی مرہم مولوی صاحب کے سینہ پر نہیں لگائی درد دور نہیں ہوا۔

"بہ کمال حسن و خوبی تو مسیح جان مائی"

جو ہاتھ لگا' حتیٰ کہ زیور تک بھی اکثر اوقات دولت خانہ سے اٹھا لائے اور درویشوں کے

marfat.com

کھانے اور کپڑے میں صرف کر دیئے۔ مولانا محمد ذاکر بگوی تونسہ شریف آپ کی معیت میں جانے کے خواہش مند تھے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اتنے میں خواجہ محمد دین روانہ ہو گئے۔

ایک روز شام کی نماز پڑھنے لگے' سجدہ سے سر اٹھاتے ہی اسی طرح بیٹھے رہ گئے آخر سلام پھیر دیا۔ کئی درویشوں نے بھی ساتھ ہی نیت توڑ دی اور خیال کیا کہ شاید آپ کا وضو جاتا رہا۔ عرض کرنے پر فرمانے لگے کہ وضو تو بہت بری طرح ٹوٹا ہے آپ جلد اسباب اُٹھاؤ گاڑی آنے والی ہے۔ تونسہ شریف کا ارادہ ہوگیا' نماز ریل ہی میں پڑھیں گے۔ خدام کو کھٹ گئی کہ ضرور کوئی غیر معمولی واقع پیش آیا ہے لیکن بپاس ادب زبان نیاز کورو کے رکھا اور کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ ریل میں سوار ہوئے اور دوسرے روز شام کے قریب محلات حضوری میں پہنچ گئے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی تشریف فرما تھے' پشت مبارک دروازے کی طرف تھی اور حافظ صاحب کے جلو میں جانے والوں کی فہرست تیار کرا رہے تھے۔ عین جبکہ حضرت صاحب آپ کے قریب پہنچ گئے تو خواجہ صاحب نے بغیر ادھر دیکھے فرمایا کیا ہی اچھا ہوتا کہ مولوی صاحب بھی یہیں آ جاتے۔ آپ نے فوراً ہی عرض کیا غریب نواز فقیر حاضر ہے۔ خواجہ صاحب محظوظ اور نہایت خوشی اور محبت سے بغل گیر ہوئے۔

خوشا روزے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورواز وصل یارے

جب آپ اجمیر شریف سے مراجعت فرمائے سیال شریف ہوئے تو ایک روز کسی درویش نے موقع پر اس واقع کی نسبت دریافت کیا۔ ارشاد ہوا کہ جب میں نے سجدہ سے سر اُٹھایا تو حضرت صاحب اعلیٰ سیالوی کا یہ ارشاد صاف آواز میں سنا کہ یہاں سے ان کے ساتھ ہو لینا کیا نیاز ہے۔ ادب اور محبت کا تو یہ تقاضا تھا کہ تونسہ شریف پہنچتا' میں دل میں نہایت شرمندہ ہوا اور چپ چاپ اسی طرح اُٹھ کھڑا ہوا۔

زباں سے میں خاموش اب اس لئے ہوں
تیری بات دل سے سنا چاہتا ہوں

ایک روز آپ فرمانے لگے "ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا کہ تم پیروں کے انتقال کی تاریخ کو عرس کیوں کہتے ہو؟ اور عرس کے لفظی معنی کیا ہیں؟" میں نے کہا: عرس کے معنی ہیں شادی' اور یہ اس لئے کہتے ہیں کہ بزرگان دین کی وفات سے ان کی ایک قسم کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور ان کے انتقال کا دن بے حجابانہ وصل کا مطلع انوار اور ان کو بے انتہاء درجات انعام دیئے جاتے ہیں اور یہ

marfat.com

حالات پس ماندگان کیلئے باعث خوشی وخرمی ہیں نہ کہ مایۂ آلام۔ میرا یہ جواب سن کر حیران سا رہ گیا اور پھر کچھ دیر تأمل کے بعد کہنے لگا لیکن عورت کی تاریخ وفات کو تم عرس کیوں نہیں کہتے"۔ میں نے جواب دیا کہ کہنے میں حرج بھی کوئی نہیں اور وہ تو خود ہی عروس ہے' وہ خاموش ہو گیا اور پھر کچھ نہ کہا۔

ایک روز کسی بات میں فرمانے لگے ان خشک ملاؤں کا بھی عجب دستور ہے' خود جھوٹ بولتے ہیں تو اس کا نام مبالغہ رکھ لیتے ہیں اور جو کوئی اور غریب بھولے سے بھی بول دیتا ہے تو بڑی صحت سے لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین پڑھنے لگتے ہیں۔

ایک دفعہ شیعوں کے اعتقادات کا تذکرہ حضور میں تھا' فرمانے لگے "شاہ دو جہاں تخت ناز پر جلوہ گر ہو اور دائیں بائیں وزرائے باکمال رونق افروز ہوں اور اگر کوئی شخص حاضر ہو کر یہ کہے کہ میں ان وزرائے اربعہ میں سے صرف ایک ہی کو مانتا ہوں تو سخت بے ادبی ہے اور قسمت کی گردش ہم تو دربار میں حاضر ہو کر ہر ایک کو سلام کرنا اور سب سے نیاز برتنا عین دین و ایمان سمجھتے ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی بابرکت جناب میں تو نیاز عرض کرنے کے بھی قابل نہیں' پھر یہ مصرعہ پڑھا:

"غلامی دا دعویٰ کیہا تیری گولیاں دی پڑ گولی اے میں"

ایک دفعہ صاحبزادہ محمد امین نے عرض کیا "غریب نواز! حضرات چشتیہ میں بھی توجہ ہوتی ہے" فرمانے لگے ہوتی ہے" انہوں نے پھر دریافت کیا کہ توجہ اور عنایت میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا "توجہ عام ہوتی ہے اور عنایت خاص۔ خواہ عنایت سے ہو یا خفگی سے"

شاہی مسجد لاہور میں قیام تھا ایک نووارد نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں تونسہ شریف بھی ہو آیا ہوں اور جلال پور شریف اور گولڑہ شریف بھی' مگر مجھے تو ان سب جگہ کوئی اللہ والا نظر نہیں آیا۔ فرمانے لگے تو پھر میرے پاس کیا لینے آیا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ
(سعدی)

آپ کے ایک محرم راز لکھتے ہیں:

ایک بار کسی نے ایک کتاب میرے ہاتھ میں رکھ کر کہا کہ سیال شریف جا کر اسے پڑھو' میں نے پوچھا آپ کون ہیں' جواب میں جو کچھ فرمایا میں نہیں سمجھا' ساتھ ہی وہیں وہ روپوش ہو گئے ان کے جانے کے بعد میں نے کتاب کھول کر جو دیکھا تو اس میں سراسر توحید وجودی کے رموز نظم و نثر میں تھے۔

marfat.com

ایک محفل میں پہنچا' بہت سے حضرات تشریف فرما تھے' مسند صدر میں تکیہ لگائے ایک سن رسیدہ بزرگ بیٹھے تھے۔ توحید وجودی کے بارے میں کچھ گفتگو ہونے لگی۔ میں نے بھی کچھ کہا لیکن معاً خیال آیا کہ ایسی بزرگ محفل میں کوئی کلام کرنا پرلے درجے کی بے ادبی ہے۔ میں خاموش ہو گیا اور چپ چاپ ان سب کی آپس میں بحثیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد چند نقیبوں نے آ کر بہت سے آدمیوں کو باہر نکال دیا۔ بعدازاں قوال بلائے گئے اس وقت میں کیا دیکھتا ہوں کہ صدر میں وہی تکیہ لگائے خود حضور اشرف الاولیاء تشریف فرما ہیں۔ میں اشتیاق کے عالم میں قدم بوسی کیلئے آگے بڑھا لیکن ایک غیر معمولی شور سے اس وقت میری آنکھ کھل گئی۔ بدنصیبی اور محرومی ہی ہو تو کیا ہو سکتا ہے؟ اکثر سیال شریف حاضری سے قاصر رہتا ہوں اور یہی بڑی بھاری وجہ ہے فیضان عام سے محرومی کی۔

؎ اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی لیکن
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

مگر مشکل تو یہی ہے کہ اس محفل میں جا کر قابلیت ہی بھول جاتی ہے اور اس کی شرط بھی گم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے تو کئی ایک مجھ سے لوگوں کے دلوں میں جسارت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ایک موقعہ پر عرس مبارک کی حاضری سے اسی جسارت کی وجہ سے محروم رہا۔

کہ ام من بیدلے بے اعتبارے
غریبے بے نصیبے خاکسارے
(جامی)

مولوی محمد اکرم ریاست بہاولپور والے سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صاحب نے خود ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے ختم خواجگان کی وجہ دریافت کی' چونکہ مجھے معلوم نہیں تھا' میں نے حضرت صاحب ثانی تونسوی کی خدمت مبارک میں عرض کیا "ارشاد ہوا کہ ہمارے پیران عظام اسی طرح کرتے آئے ہیں ہم بھی کر لیتے ہیں' بعد از مدت مدید جب میں اجمیر شریف حاضر ہوا ایک روز اکیلا میں ہی صرف روضہ کے اندر تھا اور خواجۂ بزرگ کی بائیں کی طرف کھڑا تھا کہ یکایک ایک شخص نے اندر آ کر بہ آواز بلند جیسے کہ بالکل ظاہری حیات میں زندہ شخص سے پوچھا کرتے ہیں' خدمت خواجہ بزرگ سے یہی بات پوچھی۔ مزار مبارک سے آواز آئی آواز عین حضرت شمس العارفین کی آواز سے ملتی ہوئی تھی کہ یہ ختم الہامی ہے اور جس طرح ارشاد ہوا پڑھا جاتا ہے اور ہم ہی نے شروع کیا تھا۔

marfat.com

یہی مولوی کہتے ہیں:

ایک شب آپ بہت جلد پلنگ پر دراز ہو گئے اور مولوی صاحب قبلہ نے اسی کمرے میں عین آپ کے سرہانے میرو اور شبیر قوالاں کو بلا کر سماع شروع کرا دیا۔ مزامیر نالہ کرنے لگے اور رنگ محفل خوب گرم ہوا۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا' نہ اضطراب تھا نہ سکون' نہ تحیر' چپ چاپ لیٹے رہے مگر آہ چپ چاپ بھی تو نہیں تھے' خدا جانے کہاں تھے کیا کر رہے تھے' ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ راگ ہوتا رہا اور آپ سنتے رہے لیکن جل شانہٗ ہی کو خبر ہے کہ کس طرح سنتے رہے' خوب یاد آیا' ایک دفعہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل سماع میں شاہ رکن عالم بھی تشریف فرما تھے۔ محبوب پاک بحالت وجد کھڑے ہوئے تو رکن عالم نے پکڑ کر آپ کو بٹھا دیا اور دوسری دفعہ پھر آپ کھڑے ہوئے پھر انہوں نے بٹھا دیا۔ تیسری بار جب آپ نے قیام فرمایا تو شاہ صاحب نے ایک کونے میں ہو کر نوافل کی نیت باندھ لی۔ کسی نے دوسرے روز شاہ صاحب موصوف سے عجیب واقعہ کی نسبت عرض کیا' فرمانے لگے کہ پہلی دفعہ جب آپ کھڑے ہوئے ملکوت میں تھے' دوسری بار لاہوت میں لیکن تیسری دفعہ تو میں نے ہر ایک جگہ ڈھونڈ احتیٰ کہ لامکاں میں بھی' مگر آپ کہیں نہیں تھے۔ آہ کجائی امیر بیاد بگو

در ملک جاں خسروٗ چہ خسروٗ خسرو خوباں
بود نخل قدت فتنہ۔ چہ فتنہٗ فتنہ دوراں
دہانت غنچہ باشد۔ چہ غنچہٗ غنچہ دلکش
چہ دلکش دلکش خرمٗ چہ خرمٗ خرم خنداں
جمالت مجمہ ہ باشدٗ چہ مجمعٗ مجمعہ خوباں
چہ خوبیٗ خوبی یوسفٗ چہ یوسفٗ یوسف کنعاں

حسن کو امیر صاحب نے تشبیہات اور استعارات کے پیراہن میں دکھانے کی کوشش تو فرمائی مگر حسن کجا اور اس کے معنی کجا۔ وہی بات ہے کہ الفاظ ختم ہو گئے وصف کی ابتداء بھی پوری نہ ہوئی۔

اس دور کے معروف خطیب مولوی ولی محمد جالندھری ایک دفعہ عرس مبارک پر وعظ کیلئے سیال شریف آئے۔ آپ نے دلنوازی فرماتے ہوئے علیحدہ کمرہ عنایت فرمایا اور خاص اپنے کمرہ کا فرش گاؤ تکیہ ان کیلئے روانہ کر دیا۔ ان کے وعظ کیلئے آپ نے ایک روز محفل جلد ختم کروا دی اور محفل خانہ میں ان کے لئے تخت بچھوا کر انہیں وعظ کہنے کا اشارہ کیا۔ آپ کے صاحبزادہ سعد اللہ صاحب کو گراں گزرا کہ روضہ شریف کے قریب انہیں اونچی جگہ بٹھایا گیا ہے۔ انہوں نے حضور سے عرض کر

marfat.com

دی۔ آپ فرمانے لگے تو طبلہ سارنگی کا سماع سن چکا ہے' اب احادیث کا سماع سن لے۔ اختتام پر دست مبارک میں کچھ روپے لے کر ان کے تخت کے قریب گئے اور کمال نیاز سے نذر گزاری۔ مولانا موصوف بہت خوش ہوئے۔ آخری ایام میں وہ آپ کے بیعت ہو گئے تھے۔

ایک دفعہ ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس وردی پہنے حاضر ہوا اور اپنے ساتھ ایک پادری کو بھی لایا' جس کے ساتھ کچھ انگریز بھی تھے۔ آپ نے ان کو عزت دیتے ہوئے چارپائی پر بٹھایا۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ ہمارے پادری صاحب کچھ خدا کی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے دلنوازی سے فرمایا' شوق سے کریں۔ لوگ جمع ہو گئے' پادری صاحب نے لمبی تقریر کی۔ آپ نے دوران تقریر کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ لوگوں کو اس بات کا برا خیال ہوا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے اور بار بار ادھر ادھر کنکھیوں سے دیکھنے لگے۔ اس اثناء میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ آپ اس سے فرمانے لگے: پادری صاحب آپ کے خدا کی باتیں تو ہم نے بہت سن لیں اجازت ہو تو اپنے خدا کی باتیں سن لیں۔ اس نے حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ کا اور ہمارا خدا علیحدہ علیحدہ ہے؟ فرمانے لگے ہاں' آپ کا خدا بیوی بچے والا اور ہمارا خدا وحدہٗ لاشریک۔ اس طرح آنے والے لوگ آپ کی وسعت ظرفی سے بھی متاثر ہوئے کہ آپ نے پادری کی گفتگو پوری طرح سنی۔ بعدازاں آپ نے مذکورہ جملہ بول کر عیسائی چالبازوں کے نظریہ وحدت ادیان کی قلعی کھول کر رکھ دی' نیز عیسائیت اور اسلام کے آپس میں ڈانڈے ملانے کو بھی ناکام کر دیا۔

حضور ثانیؒ لاثانی غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے جاہ و جلال شاہی کے باوجود تواضع و انکساری کی کوئی حد نہ تھی اور شان دلنوازی کی جلوہ سامانیاں ہر دیکھنے والے کو حیرت زدہ کر دیا کرتی تھیں جس کی بناء پر بندگان خدا فقیر کے آستانہ کی طرف کھنچے کھنچے آ رہے تھے' جہاں انہیں روحانی تربیت اور ظاہری سرپرستی میں کمال فیاضی دیکھنے کو ملتی۔

اپنے سجادہ نشین کے نامزد کرنے میں آپ نے وہی معیار سامنے رکھا' جس کی بنیاد پر آپ کو والد گرامی حضور شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے نامزد فرمایا تھا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد امین صاحب زہد و تقویٰ' علم و فضل اور اوراد و وظائف میں کمال رکھتے تھے لیکن خانقاہ کے انتظام اور غلاموں کی دلجوئی میں برتری کی بنیاد پر آپ نے اپنے دوسرے صاحبزادے خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔

الٰہی تا ابد آستان یار رہے...... آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

marfat.com

حضرت خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال انور پر متعدد تعزیتی منظومات کہی گئیں جن میں عشق وعقیدت کا اظہار کیا گیا اور آپ کے اوصاف ومحاسن کو بھرپور خراج عقیدت ادا کیا گیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چھپ رہا ہے خاک میں اے گوہر شب تاب تو
پہلے دلکش تھا بنا اب دلبر نایاب تو
دل کی منزل سے نشان پائے مہماں گم ہوا
جاں کو تنہا چھوڑ کر وہ رونق جاں گم ہوا
بے زبانی کا گلہ ہے اک بیان زندگی
بے نشان ہو کر ہی ملتا کچھ نشان زندگی
زندگی کہتے ہیں جس کو عمر بھر کی قید ہے
طائر دل یاں سراپا آرزو کا صید ہے
محفل الفت سراپا خامشی کا نام ہے
موت یعنی زندگی کا آخری انعام ہے
التجائے دید بھی اک پردۂ دیدار ہے
یہ تو بلکہ اور الٹا جان کا آزار ہے

مولوی محمد سعید صاحب نے آپ کی تاریخ وصال یوں رقم طراز کی ہے:

ملاذ دین و ملت قطب عالم شاہ محمد دین
پناہ بے پناہاں غوث اعظم شاہ محمد دین
چورخ پوشید از عالم نیازے بے نیازی اش
جہاں برہم زد از گیسوئے پُرخم شاہ محمد دین
سعید زار گفتہ سالی آں بانا لہائے زار
بہ ہجر جان عالم فخر آدم شاہ محمد دین
"باوج چشت آمد آفتابے" سال پیدائش
۱۲۵۴ھ
وصالش رحمۃ دینی مجسم شاہ محمد دین
۱۳۲۷ھ

marfat.com

مجاہد ملت

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

کسی ایک عظیم خاندان میں یکے بعد دیگر عظیم المرتبت شخصیات کا وجود نعمت خداوندی سے کم نہیں ہے۔ اس لحاظ سے آستانہ عالیہ سیال شریف کو دیکھیں تو اس خانوادۂ معرفت میں ادوار کی ترتیب سے ایسی سربلند شخصیات کا وجود سامنے آتا ہے جنہوں نے اپنی خداداد علمی و روحانی صلاحیتوں اور ایمانی تب و تاب کی بدولت نہ صرف اپنے اسلاف کے معیار کو جاودانی عظمت عطا کی بلکہ ان کے روحانی پروگرام کو اپنے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

سیال شریف کے آستانۂ عالیہ کو جو لافانی عظمت حضرت شمس العارفین خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ کے فیضان نظر کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ آپ کے بعد آپ کی آنے والی نسلوں نے اس سربلندی کو قائم رکھنے کی بدرجۂ اتم کوشش کی۔ خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حضرت قبلہ محمد دین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر آپ کے پوتے حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس شان کے ساتھ اپنے جلیل القدر جد امجد کے روحانی سلسلے کو آگے بڑھایا اس کا تذکرہ ہر لحاظ سے ایمان افروز ہے۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کہ زمانہ جنہیں ضیاء الملت والدین کے لقب سے یاد کرتا ہے' اوصاف حسنہ اور عادات عالیہ کے لحاظ سے اپنے دادا کی تصویر تھے۔ وہی جلال قلندرانہ' وہی جمال معرفت' وہی روحانی ادائیں' وہی ایمانی جگمگاہٹیں۔ آپ کی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے عظمت ایمان کا مکمل نمونہ تھے اور روحانی جلال و جمال کے امتزاج سے چہرے پر ہر وقت فکری و نظری شکوہ کی علامات نظر آتی تھیں اور ایک نظر دیکھتے ہی اندازہ ہونے لگتا تھا کہ:

مقامات سعادت کے امیں ہیں یہ مراحل

....

marfat.com

حضرت خواجہ حافظ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ بروز جمعۃ المبارک پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حضرت خواجہ ثانی لاثانی محمد دین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ اس سلسلہ میں حفظ کی خاطر آپ کی بھرپور رہنمائی کی گئی۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین نے بہت جلد قرآن مجید حفظ کر لیا اور حصولِ سعادت کی خاطر تیس برس تک خود مصلیٰ سنایا۔ بعد میں کتب فارسی اور عربی مولانا غلام محمد سے پڑھیں۔ درس نظامی کی تکمیل کی۔ اسی دوران میں حضرت ثانی صاحب نے آپ کو تونسہ شریف میں حضرت حافظ محمد موسیٰ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے بیعت سے سرفراز کرایا' جب حضرت حافظ محمد موسیٰ کے جانشین حضرت خواجہ محمد حامد مسند نشین ہوئے تو آپ بدستور ان کی صحبت میں آستانہ عالیہ تونسہ شریف سے فیوض روحانی کی دولت سمیٹتے رہے۔

حضرت مجاہد ملت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمد حامد تونسوی رحمۃ اللہ عیہ سے عشق کی حد تک ارادت رکھتے تھے۔ حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ پر غایت درجہ شفقت فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ کی درخواست پر شہزادہ تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد حامد رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف تشریف لائے تو جشن مسرت کا سماں بندھ گیا۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری پر وجد میں آ کر رقص فرمانے لگے۔ چاروں جانب ارادت و عقیدت کی خوشبو کی برسات ہوئی۔ یوں گماں ہوتا تھا جیسے آسمان سے ستارے زمین پر اُتر آئے ہوں۔ ہر طرف سے ارادت مندوں کے ہجوم بارگاہِ شہزادۂ تونسہ شریف کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جبین عقیدت خم کر کے نیاز مندی کا اظہار کرتے۔

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ محض رمز آشنائے معرفت ہی نہیں تھے بلکہ سیاست کی خاردار وادیوں کے بھی شہسوار تھے۔ آپ صحیح معنوں میں مردِ مومن تھے اور ایمان کے اس تقاضے سے بخوبی آشنا تھے کہ اسلام میں دین اور سیاست کا وجود الگ الگ نہیں ہے بلکہ دونوں کے امتزاج ہی سے اسلام کی عملی تفسیر مکمل ہوتی ہے۔ آپ کی نظر برصغیر کے سیاسی و معاشرتی حالات پر تھی اور آپ سمجھتے تھے کہ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ کھل کر آزادی پسند تحریکات کا ساتھ دیا جائے اور برطانوی سامراج کی بیخ کنی کیلئے ہر اس ادارہ اور تحریک سے تعاون کیا جائے جس کا مقصود بالخصوص عظمت اسلام کا احیاء ہے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ بہت سے سجادہ نشین مصلحت کے دام کے اسیر ہو کر اطاعت حکمران وقت کا فتویٰ دے رہے تھے۔ ان نازک حالات میں ہی شاعر مشرق علامہ محمد اقبال

marfat.com

نے بیتاب ہو کر کہا تھا کہ:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہی ماحول سے باہر آ کر آزادی پسند تحریکات سے جس طور عملی اور مالی طور پر تعاون کیا' اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس دور میں تحریک خلافت کا دور دورہ تھا' اس تحریک کا مقصد برصغیر پاک و ہند سے انگریزوں کو نکالنا اور خلافت اسلامیہ کو پھر سے زندہ کرنا تھا۔ تمام قابل ذکر علماء و مشائخ اور بیشتر مسلم سیاستدان اس تحریک سے تعاون کر رہے تھے۔ بالخصوص مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی جادو بیانی نے اس تحریک میں حیرت انگیز حد تک نئی روح پھونک دی تھی۔

مجاہد ملت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک خلافت کے پلیٹ فارم پر جدوجہد آزادی کا پرچم لہرا کر اس تحریک کو بے پناہ قوت عطا کر دی' جب ولائتی کپڑے کے بائیکاٹ کا وقت آیا تو آپ نے کھدر استعمال کرنا شروع کر دیا اور جب ترک مجاہدین کی مالی امداد کا وقت آیا تو پہل اپنے گھرانے سے کی اور اپنے گھر کی محترم خواتین کے زیورات امداد فنڈ میں جمع کروانے کے علاوہ ہزاروں روپے کا چندہ بھی دیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ فتوٰی بھی جاری فرما دیا کہ:

''جملہ مسلمانوں بالخصوص سیال شریف کے متعلقین کیلئے انگریز کی نوکری حرام ہے۔ جو فوجی انگریز کی نوکری چھوڑنا نہیں چاہتا وہ سیال شریف کی مقدس حدود میں قدم نہ رکھے''۔

آپ کے اس مجاہدانہ اعلان سے برطانی سامراج بوکھلا اُٹھا۔ گورنر کے نمائندوں نے بار ہا آپ سے ملاقات کی' آپ کے نیاز مندوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا گیا کہ آپ کسی طور پر اس اعلان سے دستبردار ہو جائیں۔ اس مقصد کی خاطر انگریز حکومت کے ایک نمائندے نے آپ کو اٹھارہ مربع اراضی کی پیشکش بھی کی مگر آپ نے کمال استغناء سے جو جواب دیا وہ تاریخ آزادی میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''انگریز تو مجھے میرے ہی وطن کی زمین دے کر مجھے خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم اگر انگریز بہادر مجھے اپنے وطن لنڈن سے بھی اتنا رقبہ دے دیں تو میرا جواب یہی ہو گا۔ حق اور باطل ایک مقام پر جمع نہیں ہو سکتے۔ انگریز کے خلاف ہمارا جہاد جاری رہے گا۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

marfat.com

صوبہ پنجاب کی تحریک کے متفقہ صدر حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ اس سلسلہ میں ایک اجلاس کا حال قلمبند ہوتے کرتے حکیم علی محمد یوں رقمطراز ہیں:

"لاہور میں ایک شاندار علماء کانفرنس منعقد ہوئی' اس میں مولانا ابوالکلام آزاد نے عربی میں خطاب فرمایا۔ مولانا حسرت موہانی (تحریک آزادی کے نامور مجاہد) نے کئی دفعہ اُٹھنا چاہا۔ اس وقت حضرت مجاہد ملت نے فرمایا ہاں ہاں کچھ فرمائیے' حسرت رہ نہ جائے۔ مولانا حسرت موہانی نے غور سے حضرت کو دیکھ کر بصورت شکریہ سلام کیا۔ اس کانفرنس کے بعد تحریک خلافت کا عملاً کام شروع ہو گیا۔ رضا کاروں کے جلوس نکلنے لگے اور ہر طرف اللہ اکبر کے نعرے بلند ہونے لگے"۔

مجاہد ملت نے پوری شدت کے ساتھ تحریک خلافت کی سرپرستی فرمائی اور اس سلسلہ میں انگریز کی کسی وارننگ یا کسی مصلحت کی ذرا برابر بھی پروا نہ کی۔ دارالعلوم سیال شریف کے صدر مدرس مولانا محمد حسین اور آپ کے طلبہ حضرت مجاہد ملت کے مجاہدانہ پیغام کو عام کرنے کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔ پنجاب بھر میں جلسے منعقد کئے گئے' حضرت مجاہد ملت اور آپ کے خلفاء اور مدرسین ان جلسوں سے خطاب کرتے۔ انگریز حکومت آپ کو گرفتار کرنا چاہتی تھی مگر یہ خوف دامنگیر تھا کہ آپ کی گرفتاری آستانہ عالیہ سیال شریف کے بے شمار متعلقین میں بغاوت کی آگ بھڑکا دے گی۔ اس لئے برطانوی حکومت کوشش اور خواہش کے باوجود آپ کو گرفتار نہ کر سکی۔

حضرت مجاہد ملت مولانا محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد آزادی کو دیہات و قصبات تک پہنچانے کیلئے دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد حسین کے علاوہ جو حضرات سرگرم کار تھے' ان میں حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ محمدی شریف' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ حکیم علی محمد' مولوی ظہور احمد بگوی اور کوزی خان محمد کی مساعی بھی تحریک کا حصہ ہیں۔ انگریز حکومت نے ان مجاہدین تحریک آزادی کو گرفتار کر لیا اور مولانا محمد حسین کو اڑھائی سال' مولانا محمد ذاکر کو ڈیڑھ سال اور حکیم علی محمد کو دو سال قید کی سزا سنا دی۔ ان حضرات نے کمال صبر و استقامت کے ساتھ جیل کے شدائد اور صعوبتوں کا سامنا کیا۔ ہر مشقت برداشت کی مگر ایک لحظہ کیلئے بھی ہراساں نہ ہوئے۔ حضرت مجاہد ملت اپنے جانثاروں کا برابر خیال رکھتے رہے۔ انہیں اپنی دعا سے نوازتے رہے اور ایک مرتبہ جہلم جیل میں ان سے ملاقات کیلئے تشریف لائے تو فرمایا کہ:

"حضرت علامہ مولانا فضل حق خیر آبادی کو بڑی اذیتیں دے کر تمام عمر کالے پانی میں رکھا گیا اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ لہٰذا آپ سب کو ہر مشکل اور پریشانی کو صبر و تحمل سے برداشت کرنے کیلئے تیار

marfat.com

رہنا چاہیئے۔ آپ کو ثابت قدم دیکھ کر میں بہت خوش ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کے اس جہاد کو قبول فرمائے''۔

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر انگریز کو مالیہ اراضی ادا نہ کیا۔ آپ ہر لحاظ سے مجاہد ملت تھے۔ شہسواری' نشانہ بازی' تیغ زنی کی خاص مشق تھی۔ کئی کئی دن شکار گاہ میں بھوکے پیاسے گزار دیتے۔ اس غیر معمولی مجاہدانہ شان کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اگر فرنگی سے دو بدو مقابلہ کی نوبت آ جائے تو اسلاف کی شجاعت کی یاد تازہ کی جا سکے۔

انگریز سے آپ کی نفرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انگریز کا ملازم اگر لنگر شریف کے برتن میں کھانا کھا لیتا یا ہاتھ لگاتا تو آپ اس برتن کو تڑوا دیتے۔ ایک فوجی ملازم نے آپ کی گھوڑی کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ میرے کسی کام کی نہیں رہی کیونکہ فرنگی ملازم کا ہاتھ اس کو لگ چکا ہے۔ آپ کو رائفل کے لائسنس کی ضرورت پیش آئی تو حکومت نے رائفل کی ضرورت دریافت کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

''تلوار سے جنگ کا زمانہ نہیں رہا' دل کی آرزو ہے کہ موقعہ ملے اور کسی انگریز کے سینہ میں گولی اُتار دوں'' سچ ہے کہ:

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت مجاہد ملت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ سیال شریف میں عظیم دینی درسگاہ کا قیام ہے' جسے ''زمانہ دارالسلام ضیاء الشمس الاسلام'' کے نام سے جانتا ہے۔ حضرت مجاہد ملت خود بہت بڑے عالم دین تھے۔ مدرسہ کی سرپرستی' نگرانی اور جملہ انتظامات آپ نے خود اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ تدریس کیلئے انہوں نے نامور عالم دین حضرت مولانا محمد حسین کا انتخاب کیا جو اجمیر شریف کے عظیم مدرسہ معینیہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل تھے اور بحر العلوم حضرت علامہ معین الدین اجمیری کے فیوض علمی کی روشن تصویر تھے۔ حضرت مجاہد ملت کی سرپرستی اور مولانا محمد حسین کے تبحر علمی اور شدید محنت کی بدولت ''دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام'' بہت جلد طالبان علم کیلئے مرجع عقیدت بن گیا اور تشنگان علوم دینیہ چاروں طرف سے کھنچے کھنچے اس دارالعلوم کا رُخ کرنے لگے۔ جب مولانا محمد حسین جرم آزادی کی پاداش میں پابند زندان ہوئے تو مدرسہ کسی قدر زوال کا شکار ہو گیا مگر آپ کے جیل سے رہا ہوتے ہی وہی پرانی رونقیں پھر لوٹ آئیں۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس عظیم دارالعلوم کو حیات نو عطا ہوئی اور

marfat.com

یہ دارالعلوم آج پھر وطن عزیز کے دینی مدارس میں ممتاز مقام کا حامل ہے

خواجہ محمد ضیاء الدین کی زندگی مجاہد اسلام کی زندگی تھی۔ آپ نے اسلام اور ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برپا ہونے والی ہر شورش کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ آپ کے دور میں ایک طرف عیسائی مشنری مسلمانوں سے ایمان کی دولت چھین کر مختلف ترغیبات کے ذریعے غریب اور جاہل مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف راغب کر رہے تھے تو دوسری طرف انگریز کا خود کاشتہ پودا قادیانیت اپنے برگ و بار پھیلا رہا تھا۔

اہل ایمان پر یہ وقت بہت کٹھن تھا' ان باطل تحریکات کو حکومت وقت کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے شمشیر براں کی صورت باطل کا مقابلہ کیا۔ آپ نامور عالم دین تھے۔ مبلغ اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ' اہل ایمان کے سامنے پیش کیا' عیسائیت کی کمزوریوں کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا' علم اور تحقیق پر دسترس کا یہ عالم تھا کہ آپ کو بائبل کے کئی کئی صفحات زبانی یاد تھے۔ آپ نے عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے اور انہیں ان کے مذہب کی خرافات سے باخبر کر کے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح آپ نے قادیانیت کا بھی بھرپور تعاقب فرمایا اور عشاق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتنہ کے مفاسد سے خبردار کیا۔ اپنے مریدین' متعلقین اور جملہ اہل اسلام کو سمجھایا کہ قادیانیت ایک لعنت سے کم نہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے قادیانیت کے سد باب اور اپنے علاقہ کے مسلمانوں کو خبردار کرنے کیلئے کئی خطبات ارشاد فرمائے اور مختلف مقامات پر جلسوں کا انعقاد فرمایا۔

آپ کے فرزند ارجمند شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت خاص آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ نے مستقبل کے سجادہ نشین کی اس طور روحانی وفکری راہنمائی فرمائی کہ خواجہ صاحب آنے والے ادوار میں تحریک پاکستان کے مطلع عمل پر روشن ستارے کی صورت جگمگاتے رہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس واقعہ سے جہاں شیخ الاسلام کی استقامت ایمانی کا اظہار ہوتا ہے' وہاں یہ علم بھی ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام اپنے والد بزرگوار سے کسی طور ذہنی وفکری طور پر متاثر اور ان کے جذبۂ حریت سے کس طور فیضیاب تھے۔ رائفل کے لائسنس کے حصول کے سلسلہ میں انگریز حکومت کو حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین علیہ الرحمۃ کے دوٹوک جواب کا تذکرہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ کو رائفل کے لائسنس کی ضرورت محسوس ہوئی تو:

marfat.com

''سرگودھا کے ڈپٹی کمشنر نے آپ کے لائسنس کی درخواست پر لکھ بھیجا کہ آپ انگریزی حکومت کی خدمات لکھیں تا کہ ان خدمات کے استحقاق پر آپ کو لائسنس دیا جا سکے تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ شاید میرے والد محترم حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین کے نام نامی اور کارناموں سے واقف ہوں گے' جس قسم کی خدمات انہوں نے حکومت انگلشیہ کی انجام دی ہیں انہی خدمات کو مجھ سے توقع رکھیں۔ آپ فرماتے ہیں یہ جواب تو میں نے لکھ دیا کیونکہ یہ میرے ایمان کی پکار تھی مگر میں لائسنس سے مایوس ہو گیا۔ اسی رات جناب والد بزرگوار خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ خواب میں ملے اور فرمایا کہ قمر الدین تم کیوں مایوس ہوتے ہو اور ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جس میں ہر قسم کی رائفلوں کا انبار تھا' اس میں سے جو چاہو چن لو' چند روز ہی گزرے تھے کہ انگریز ڈپٹی کمشنر نے خود لائسنس بھیج دیا۔ حق تو یہ ہے کہ:

شرطیعت شر مرا کہ نگیرم بجز تو دوست

عہد لیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو ہیچ

ضیاء الملت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ مکمل طور پر محبت اسلامی کے جذبہ سے سرشار تھے' جس کا اعتراف برصغیر کے بیشتر مسلم زعماء علماء و مشائخ اور اصحاب سیاست کو تھا۔ ایک مرتبہ آپ ۱۹۲۸ء کے وسط میں دہلی تشریف لائے' دہلی اسٹیشن پر آپ کے استقبال کیلئے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سمیت بہت سے مسلم قائدین موجود تھے۔ مولانا محمد علی جوہر آپ کو اپنے ہاں لے گئے' وہاں نادر شاہ (بعد میں افغانستان کے تخت پر بیٹھے) اس کے بیٹے' ظاہر شاہ' حکیم اجمل خاں اور دیگر معززین نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایک دن قیام کے بعد آپ درگاہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء پر حاضر ہوئے۔ عرس کا موقع تھا' فوجیوں کو پتہ چلا کہ پیر سیال تشریف لائے ہیں تو جوق در جوق فوجی افسروں اور سپاہیوں کی حاضری شروع ہو گئی' سب نذرانے رکھتے تھے' جب سب بیٹھ گئے تو آپ نے کمال جلال کے ساتھ فرمایا:

''یہ وہی مقام ہے جہاں انگریزوں نے مسلمان شہزادوں کا خون بہایا تھا' اب بھی خون کے چھینٹے گنبد کی دیواروں پر موجود ہیں۔ تم اسی انگریز کے نوکر ہو اور میرے زخموں پر نمک پاشی کرنے آئے ہو' اُٹھو اپنے نذرانے اُٹھا لو اور میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ''۔

غرضیکہ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ہر لحاظ سے صاحب فضیلت اور روحانی و نظری رفعتوں کے امین تھے۔ آپ زاہد شب زندہ دار بھی تھے اور میدانِ معرفت کے مرد

marfat.com

افتخار بھی۔ اسلاف کی عظمتوں کے پاسدار بھی تھے اور بے شمار بندگانِ خدا کے لئے روشنی فکر وعمل کا مینار بھی۔ آپ کی نواؤں میں بوئے اسد اللّٰہی کی جھلک تھی تو آپ کا کردار صورت آفتاب معرفت فروزاں تھا۔ آپ کاروانِ حریت کے رکن رکین بھی تھے اور صاحب اسرار یقین بھی۔ آپ کی سیرت خواجہ شمس العارفین کی روحانی جلالتوں کا پرتو لئے ہوئے تھے اور صورت کی دل نشینی کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ آپ کے حلقۂ تربیت میں حاضر ہوتا پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا۔ یہ آپ کی بے مثال جدوجہد آزادی ہی کا ثمر ہے کہ انگریزی سامراج کا سورج برصغیر کے مطلعِ اقتدار سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا اور ہمیں پاکستان کی صورت میں آزادی کی لازوال دولت نصیب ہوئی۔ خدائے بزرگ و برتر کی بے شمار رحمتیں ہوں' اس مردِ کامل پر کہ جس نے اپنی ایمانی استقامت اور جرأت و پامردی کی بدولت جدوجہد آزادی کو نئے ولولوں سے سرشار کیا۔ زمانہ صدیوں کے افق پر سفر کرتا رہے گا اور حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی شمع ایمانی کی صورت' دلوں میں ایمان آفریں یاد بن کر فروزاں رہیں گے۔

دلوں کو زندگی احساس کو نور یقیں بخشا
زمانے بھر کو آزادی کا پیغام حسیں بخشا

marfat.com

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ آسمانِ رشد و ہدایت پر ضوفگن ماہِ عالمتاب تھے کہ جس کی کرنوں سے صرف زمان و مکاں کے ظلمت کدے ہی منور نہیں ہوئے بلکہ ظلمات قلب ونظر کو بھی فکری و روحانی روشنی میسر آتی ہے۔ آپ کی شخصیت اس قدر جامع الصفات ہے کہ تذکرہ نگار کو بہت جلد اپنی ادبی کوتاہ سامانی کا احساس دامنگیر ہونے لگتا ہے۔ آپ عالم بے نظیر تھے کہ زمانہ مدتوں آپ کی نکتہ طرازیوں سے فیضیاب ہوتا رہا۔ فقیہ کامل تھے کہ آپ کے علمی وفقہی کمالات ارادت مندوں کے دلوں کو ہمیشہ اُجالے بخشتے رہیں گے۔ شیخ العصر تھے کہ آپ کی ایک ایک ادا چاہنے والوں کیلئے پیغام شوق تھی۔ پاسبان ناموس رسالت تھے کہ آپ نے کسی لحظہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا' بوریا نشین تھے کہ شہنشاہی آپ کی خدمت میں حاضری کو سعادت تصور کرتی تھی' غلامان شہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ سالار تھے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خوشنودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف تھا' تحریک پاکستان کے نڈر مجاہد تھے کہ کاروانِ حریت آپ کے جذبۂ شوق سے نئی زندگی حاصل کرتا تھا' دنیائے عشق و سرمستی کے تاجدار تھے کہ دلوں کو آپ کی توجہ سے قرار اور نگاہوں کو بصیرت ایمانی عطا ہوتی تھی۔

ایسے مردانِ حق کیلئے ہی اقبال نے کہا ہے:

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

آپ نے ۱۳۲۴ھ میں سیال شریف کے مشہور خانوادۂ روحانیت کے سربراہ ضیاء الملت والدین حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جنم لیا' آپ کے جد امجد شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ وہ بے نظیر شیخ طریقت تھے کہ جن کے فیض روحانیت سے برصغیر کا ایک ایک شہر مستفیض ہوتا رہا۔ حضرت شمس العارفین قبلہ عالم حضرت خواجہ سلیمان تونسوی

marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے۔ قبلہ شمس العارفین کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت ثانی صاحب خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاندان کے سلسلۂ معرفت کو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت جلا بخشی۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ شریف کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے بے مثال شیخ طریقت تھے۔ آپ ایک عظیم المرتبت روحانی خاندان کے سربراہ ہونے کے ساتھ حربی و جنگی فنون میں بھی مہارت کامل رکھتے تھے۔ نشانہ بازی، نیزہ بازی، تیراندازی، شمشیر افگنی اور شہسواری میں آپ کا ثانی دور دور تک نہیں ملتا تھا۔ آپ بے پناہ جذبۂ جہاد اور شوقِ حریت و آزادی سے بہرہ ور تھے۔ ان فنون سپہ گری کے حصول سے آپ کا مقصود یہی تھا کہ اگر انگریزوں سے مقابلہ کی نوبت آ جائے تو پھر دادِ شجاعت دیتے ہوئے عظمت ایمان کا ثبوت بہم پہنچایا جا سکے۔ آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد قمر الدین کو جو آنے والے دور میں شیخ الاسلام والمسلمین کے لقب سے شہرت دوام کے مستحق ٹھہرے، روحانی و نظری علوم کے ساتھ ان کو فنون دلاوری میں بھی فرد کرنے کی کوشش فرمانی شروع کر دی۔ ان کی غیر معمولی توجہ، حضرت شیخ الاسلام کی خداداد علمی صلاحیت اور اکابرین سلسلہ عالیہ کی روحانی توجہ کے سبب حضرت شیخ الاسلام مستقبل کے میدان روحانیت کی ممتاز ترین شخصیت بن کر وارد ہوئے۔

آپ کو خدائے کریم نے نابغہ روزگار کی صفات عطا کی تھیں۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ فارسی اور عربی فنون کی کتابیں مدرسہ ضیاء الشمس الاسلام سیال شریف میں پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں بہت سے معروف نام بھی شامل ہیں، جن میں سے حضرت علامہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ علامہ اجمیری مدرسہ صوفیہ اجمیر شریف کے شیخ العلم تھے۔ آپ تحصیل علم کیلئے اجمیر شریف لے گئے اور علامہ اجمیری سے سلسلۂ فیض استوار کیا۔ ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ حضرت خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ اجمیری کو سیال شریف بلا لیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ سیالوی بھی علامہ اجمیری کے ساتھ اپنے گھر چلے آئے اور پھر استاذ محترم کی نگرانی میں آپ نے جملہ علوم دینی حاصل کئے۔ آپ نے ان علوم کے حصول میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ جب ۱۳۵۶ھ میں حج بیت اللہ کیلئے ملک حجاز تشریف لے گئے تو وہاں کے علمائے حرمین نے بھی آپ کو سندات عطا کیں۔

آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم المرتبت روحانی پیشوا

marfat.com

نہیں تھے بلکہ تحریک آزادی کے سلسلہ میں بھی ان کا کردار ناقابل فراموش رہا ہے۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین انگریز دشمنی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ نے مختلف تحریکات آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی انگریز دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے حکومت انگلشیہ کو رائفل کے لائسنس کے حصول کیلئے خط لکھا تو حکومت نے رائفل کی ضرورت دریافت کی۔ خواجہ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا ''تلوار کا زمانہ نہیں' دل کی آرزو ہے کہ موقعہ ملے تو کسی انگریز کے سینہ میں گولی پار کردوں''۔

یہی انگریز دشمنی حضرت خواجہ محمد قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں عطا ہوئی تھی۔ آپ کی بیدار مغزی' دردمندی و دلسوزی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور آپ اپنی جملہ علمی وفکری صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے میدان سیاست میں اس شان سے داخل ہوئے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حالات کا رُخ پلٹ کر رکھ دیا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو رائفل کے لائسنس کی ضرورت پیش آئی۔ سرگودھا کے انگریز ڈی سی کو خط لکھا تو اس نے ضروری کاروائی کرتے ہوئے فرنگی حکومت کیلئے آپ کی خدمات دریافت کیں۔ غیرت ایمانی کے اس مظہر عظیم نے کمال جلالت یقین کے ساتھ جواب دیا:

''تم کو میرے والد کی خدمات کا علم ہوگا جس قسم کی خدمات انہوں نے حکومت انگلشیہ کی انجام دی ہیں' انہی کی مجھ سے توقع رکھو''۔

آپ نے اپنے والد محترم کی جن خدمات کا حوالہ دیا تھا ان کے تذکرہ سے ہی فرنگی استبدادیت کو لرزہ محسوس ہونے لگتا تھا۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین میدانِ سیاست میں مجاہدانہ شان کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا جادو جگاتے ہوئے نمودار ہوئے تو علاقہ کے فرزندان حریت جوق در جوق آپ کی قیادت میں جمع ہونے لگے۔ آپ سرگودھا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح کے پیغام کو عام کرنے اور پاکستان کی اہمیت و افادیت کو اُجاگر کرنے کے لئے آپ نے برصغیر پاک و ہند کے تمام قابل ذکر شہروں اور قصبات کے دورے کئے۔ آپ کے خانوادۂ علمی سے نسبت روحانی رکھنے والے امراء اور سیاستدان جو مصلحت پسندی کی چادر اوڑھے انگریز کی سیاست کے نقیب بن کر زندگی گزار رہے تھے' آپ کی مجاہدانہ یلغار سے گھبرا اُٹھے اور انہوں نے آپ کو جہادِ عشق سے باز رکھنے کیلئے عرض کیا کہ چونکہ ہم سب آپ کے نیاز مند اور مرید ہیں۔ اس لئے خدارا آپ غیر جانبدار رہیں مگر آپ نے ان کی استدعا کو ٹھکراتے ہوئے واضح

marfat.com

طور پر اعلان فرمایا کہ ''مسلم لیگ اور کانگریس کی جنگ کفر اور اسلام کی جنگ ہے اور میں اس جنگ میں اسلام کے پرچم کو سرنگوں نہیں رکھ سکتا' پاکستان یقیناً وجود میں آ کر رہے گا''۔

انگریز آمریت نے آپ پر حرص و آز کا جال پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ وہ جال تھا جس نے کتنے ہی صاحبان سجادہ کو مصلحت پسندیوں کا اسیر بنا رکھا تھا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ کو سب سے بڑا دینی و روحانی اعزاز ''ہزہولی نس'' عطا کرنے کی سفارش کی گئی' جب یہ چٹھی حضرت خواجہ تک پہنچی تو آپ نے کمال استغنا سے اس کے پرزے پرزے کر کے اسے نذر آتش کر دیا اور فرمایا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور پیر پٹھان بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی ہی میرے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے' جب حرص اور آز لالچ سے آپ کو جرأت ایمانی سے باز نہ رکھا جا سکا تو پھر آپ کو عبرت دلانے کیلئے ساڑھے گیارہ مربع اراضی ضبط کر لی گئی اور آپ کے وروں اور تقاریر پر پابندی لگا دی گئی مگر آپ نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کمپنی باغ سرگودھا کے درو دیوار آپ کی ایمانی استقامت' یقین محکم اور عظمت قیادت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ جدھر جاتے شمع آزادی کے پروانے آپ کے پسینہ پر خون نچھاور کرتے ہوئے پابہ رکاب ہوتے۔ انگریز حکومت نے آپ کو گرفتار کر کے گوبر اور گندے پانی سے بھری ہوئی کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں نہ بیٹھا جا سکتا تھا اور نہ ہی نماز پڑھی جا سکتی۔ لیکن یہ تمام سزائیں' جرمانے' پابندیاں اور ابتلائیں آپ کے شوقِ آزادی کو کچلنے میں ناکام رہیں اور اس جذبۂ غیرت اسلام سے سرشار پاکستان کی منزل کی جانب گامزن رہے کہ:

کہاں سے تو نے اسے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں مین ہے تیری بادشاہی کا

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں آپ نے اپنے عقیدت مندوں کی کثیر تعداد کے ساتھ شرکت کی اور اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کیلئے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کو اس کانفرنس کی رابطہ کمیٹی کا رکن مقرر کیا گیا۔ اس طور آپ کو سنی کانفرنس کے مقاصد کو جو تحریک پاکستان کی فکری قوت تھے' عام کرنے کا موقع میسر آیا اور یہ آل انڈیا سنی کانفرنس تحریک پاکستان کیلئے مشائخ و علمائے اہلسنّت کو انتہائی طور پر سرگرم کار کرنے کا باعث ثابت ہوئی۔ ۱۹۴۶ء میں صوبہ سرحد میں ریفرینڈم کا موقع آیا تو آپ پیر صاحب مانکی شریف اور پیر صاحب زکوڑی شریف کے ساتھ صوبہ سرحد کے عوام کو پاکستان کی روحانی و دینی اہمیت سے آگاہ کرنے کیلئے مصروف عمل ہو گئے اور چند روز میں ہی مخالفتوں کا زور یوں ٹوٹا کہ سرحد کے جیالے مسلمان پاکستان کے پرچم آزادی کی چھاؤں میں

marfat.com

مستقبل کی روشنی ڈھونڈنے لگے۔

پاکستان اسلامیانِ برصغیر کے خوابوں کی تعبیر بن کر صفحۂ ہستی پر نمودار ہو گیا تو آپ نے حضرت قائداعظم کو مبارک باد دیتے ہوئے اسلامی آئین کے نفاذ اور اسلامی اصولوں کی ترویج کیلئے خط لکھا' جس کے جواب میں قائداعظم نے تحریک آزادی کے سلسلہ میں آپ کی یادگار کوششوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ:

''پاکستان کی تحریک میں مشائخ عظام کی خدمات بڑی عظیم اور قابل قدر ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں پاکستان میں یقینی طور پر اسلامی قانون ہی نافذ ہو گا''۔

حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفکر' مدبر اور مبلغ اسلام تھے۔ خدائے کریم نے آپ کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت عظیم اس شان سے عطا کر رکھی تھی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شانِ اقدس میں معمولی سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ توہین رسالت کا ارتکاب کسی فرد کی طرف سے ہوتا یا گروہ کی طرف سے آپ گستاخانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شمشیر بے نیام بن جاتے۔ اس سلسلہ میں آپ ظاہری نتائج سے بے نیاز ہو کر میدانِ عمل میں مردانہ وار کود پڑنے کے قائل تھے۔ آپ نے گستاخانِ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریروں اور تقریروں کا اس طرح ابطال کیا کہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتیں اہل نظر کیلئے بصیرت آفرین بن گئیں۔ فرنگی کے ظل عاطفت میں پروان چڑھنے والے قادیانیت کے نخل باطل کی بیخ کنی کیلئے آپ کی خدمات جلیلہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے خانہ ساز نبوت کے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریات کی تردید کیلئے برصغیر کے طول و عرض میں دورے کئے اور زندگی کے آخری ایام تک قادیانیوں کا تعاقب ترک نہ کیا۔

۱۹۵۳ء میں تمام مکاتب فکر کے علماء کا ایک کنونشن برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں منعقد ہوا' جس میں آپ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ آپ نے اس کنونشن میں فرمایا کہ ''قادیانیوں کا مسئلہ باتوں سے حل نہیں ہو گا۔ آپ مجھے حکم دیں میں قادیانیوں سے نپٹ لوں گا اور چند دنوں میں ربوہ کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر دوں گا۔

آپ اور جملہ علمائے حق کی ولولہ انگیز مساعی کا ہی اثر تھا کہ ۱۹۷۴ء میں حکومت وقت کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا پڑا۔ آپ کو استحکام پاکستان دل و جان سے عزیز تھا چونکہ قیام پاکستان کے سلسلہ میں آپ نے لازوال خدمات انجام دی تھیں اس لئے پاکستان کے معرض وجود

marfat.com

میں آ جانے پر آپ کو کسی صورت بھی گوارا نہیں تھا کہ وطن عزیز کی عظمت و سالمیت پر معمولی سی آنچ بھی آئے۔ پاکستان کو نقصان پہنچانے کیلئے اندرونی اور بیرونی حملہ آوروں نے جب بھی یورش کی آپ ان کے مقابل پوری ایمانی قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہو گئے۔ آپ کی حب الوطنی کی ایک جھلک حضرت پیر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

''اپنے رب کریم کی بارگاہ میں آپ شہادت کیلئے ہمیشہ دست بدعا رہا کرتے' جب کشمیر کو آزاد کرانے کیلئے جہاد شروع ہوا تو آپ نے اپنے عقیدت مندوں کو اس جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دی جو سینکڑوں کی تعداد میں سب سے اگلے مورچوں پر بھارت کی فوجوں سے برسر پیکار رہے اور ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ مجاہدین کشمیر کی مالی خدمت کرنے کے علاوہ آپ نے بے شمار سپاہیوں کو اسلحہ اور بارود اپنی گرہ سے خرید کر مہیا کیا اور اس کی کبھی نمائش نہ کی' جب ۱۹۶۵ء کی جنگ شروع ہوئی تو آپ نے اپنے کاشانہ اقدس کی خواتین کے تمام زیورات افواجِ پاکستان کی خدمت میں نذر کر دیئے اور اس بے مثال قربانی کا کبھی اظہار نہ ہونے دیا''۔

آپ نظریۂ پاکستان کے زبردست فدائی اور عظمت اسلام کے نقیب تھے۔ اسلامی اقدار کا فروغ اور اسلامی تعلیمات کی ترویج آپ کو ہر حال میں عزیز تھی۔ آپ پاکستان کو اسلام کا قلعہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان تصور کرتے اور آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ اس ملک میں جو صرف اور صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ کوئی باطل نظام پرورش پائے۔ ۱۹۷۰ء میں اشتراکیت کے پرستاروں نے اسلام پر ضرب کاری لگانے کی ٹھان لی اور تمام اسلام دشمن طاقتیں ایک ہو کر پاکستان میں سرخ سویرا لانے کے خواب کو عملی تعبیر بخشنے کیلئے اشتراکیت کے فروغ کیلئے اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے ہوئے میدانِ عمل میں اُتر آئیں اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کو پاکستان کا لینن گراڈ بنانے کی تیاریاں کرنے لگیں۔

عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو گئے اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں کل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی' جس میں غلامانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوئے۔ ہزاروں علماء و مشائخ نے متفقہ طور پر آپ کو جمعیت العلمائے پاکستان کا صدر منتخب کر کے آپ سے ان مشکل ساعتوں میں ملت اسلامیہ کی راہنمائی کی درخواست کی۔ آپ پیرانہ سالی کے باوجود ایک بار پھر میدانِ عمل میں اس شان سے باطل قوتوں کے مقابل صف آراء ہوئے کہ بہت جلد عظمت اسلام کا پرچم ایمان و یقین کی سربلندیوں پر لہرانے لگا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کو دارالسلام کا نام دے دیا گیا اور اسلام

marfat.com

دشمنوں کے وہ عزائم خاک میں مل گئے' جو اس گلشن اسلام کو ویران کر کے اشتراکیت کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔ آپ نے جمعیت العلمائے پاکستان کو محبان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کا تارا بنا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مذہبی جماعت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سبز پرچم لہراتے ہوئے ''الدین والسیاست'' کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے لگی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت خاصانِ خدا کا امتیاز ہے۔ یہ محبت حاصل ایمان بھی ہے اور شوکت انسان بھی۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کا دل حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئے جاں نواز سے ہمہ وقت مہکبار رہتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے تو آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ تشہد میں السلام علیك ایها النبی اور اشهد ان محمد عبده ورسوله پر پہنچتے تو آپ کا وجود اقدس لرزتا ہوا معلوم ہوتا اور یہ منظر ایسا دلگداز ہوتا کہ دیکھنے والوں کو اپنے احساسات پر لرزیدگی طاری ہوتی ہوئی محسوس ہوتی۔ کوئی عرب ملاقات کو آیا تو اس کے ہاتھ چوم لیتے۔ سادات کا غیر معمولی احترام کرتے اور متعلقین کو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے احترام و عقیدت کا رشتہ استوار کرنے کو فرمایا کرتے کیونکہ حضور نبی کریم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل سے محبت ہی مسلمان کا توشۂ آخرت ہے۔ گنبد خضریٰ کے سبز رنگ کو ادراک میں بسائے رکھتے۔ سبز چیز پر پاؤں رکھنا خلافِ ادب تصور کرتے۔ آپ نے پوری عمر ایسا جوتا نہ پہنا اور نہ ہی پسند فرمایا جس پر ذرا بھی سبز رنگ کا نشان موجود تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس یا آپ کے نعلین مبارک کا فریم کہیں آویزاں دیکھتے تو وہیں سر جھکا کر کھڑے ہو جاتے اور آنکھیں آنسوؤں کی مالائیں پرونے لگتیں۔ مدینہ منورہ حاضری دیتے تو وہاں کے سادات کے گھرانوں میں حاضری دیتے اور سید زادوں کی ہر ممکن امداد کرتے۔ خاک طیبہ کے ذرے ذرے کو چومتے' خس و خاشاک راہگوار شہر مدینہ کو آنکھوں سے لگاتے' وہاں کے کتوں سے بھی پیار کرتے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے تمام ایام میں آپ عظیم المرتبت عاشق رسول سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سنت عقیدت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرتے کہ:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

آپ کی شخصیت محاسن واَوصاف کے لحاظ سے اسلاف کی آئینہ دار تھی۔ آپ کا خانوادۂ چشت دنیائے طریقت و معرفت میں غیر معمولی قدر و منزلت کا حامل ہے۔ اس لئے برصغیر کے

marfat.com

اصحاب ایمان آپ سے اس خانوادہ کے شایانِ شان کردار کی توقع رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے افعال اور اقوال کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا' انسانی سیرت و کردار کی سربلندیوں کو مجسم کر دیا جائے تو پھر مطلع افکار پر خواجہ محمد قمرالدین کا نام ہی ابھرتا ہے۔ ایک عظیم سجادہ نشین کی حیثیت سے' ایک قائد عالی مرتبت کی حیثیت سے' کاروانِ حریت کے سالار کی حیثیت سے' عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے' علماء و مشائخ کے افتخار کی حیثیت سے' تعلیمات اسلامی کے مبلغ کی حیثیت سے' عقیدۂ ختم نبوت کے پاسدار کی حیثیت سے' جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر عالی وقار کی حیثیت سے' تحریک پاکستان کے ہراوّل دستے کے صف شکن مردِعز وقار کی حیثیت سے' آپ نے حق و صداقت کی پاسداری اور انسانی اقدار کی سرفرازی کیلئے کبھی بھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا' جب بھی گردشیں آپ کا راستہ روکتیں اور طوفان آپ کی مجاہدانہ یلغار کے مقابلے میں امنڈتے تو آپ کے چہرے پر ملکوتی تبسم رقصاں ہوتا اور کمال شانِ استغنا کے ساتھ فرمایا کرتے:

''عزت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' اگر میں نے ایک لمحہ کیلئے بھی یہ سوچا کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی مٹا سکتا ہے تو میں کافر ہو جاؤں گا''۔

میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ایسے ہی رمز آشنائے اسرارِ خودی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا:

اللہ کو پامردئ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

خوشی و مسرت کے گہواروں میں جھولتے ہوئے اقدار اسلامی کے تحفظ کی بات کرنا آسان ہے مگر اسلامی اقدار کی سربلندی و پاسداری کا اس وقت امتحان ہوتا ہے جب انسان جسمانی طور پر معذوری ولاچاری کی کیفیت سے گزر رہا ہو' شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری کی معراج دیکھنی ہو تو حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی کے وقت آخر کا تصور کیجئے۔

رمضان المبارک چودہ تاریخ کو آپ آستانہ عالیہ سیال شریف سے لاہور روانہ ہوئے۔ سرگودھا لاہور سڑک پر سرگودھا سے چند میل کے فاصلے پر ایک ٹرک سامنے سے آتا دکھائی دیا جو غلط سمت سے آ رہا تھا۔ آپ کے جانثار ڈرائیور غلام حیدر نے جو پینتالیس برس سے آپ کے سفر کا رفیق تھا' گاڑی کو اور بائیں جانب کر لیا اور پھر آہستہ آہستہ کچے راستہ پر اُتار دیا لیکن ٹرک ڈرائیور نشہ میں غرق اپنے ٹرک کو غلط سمت آگے بڑھاتا رہا۔ قیامت خیز دھماکہ ہوا اور ٹرک نے آپ کی گاڑی کو پیس

marfat.com

کر رکھ دیا۔ آپ کا ڈرائیور وہیں موقع پر ہی نذرانہ حیات پیش کر کے حیات ابدی کا مستحق ٹھہرا۔ ایک دوسرا خادم اللہ بخش بھی جو کار کی پچھلی سیٹ پر تھا آپ کے قدموں پر نثار ہو گیا۔ دو اور رفیقان سفر کو شدید چوٹیں آئیں۔

حضرت قبلہ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی ڈرائیور کے ساتھ پہلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ آپ کی دائیں ٹانگ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چہرۂ اقدس اور جسم کے باقی اعضاء صحیح سلامت تھے۔ آپ کی استقامت و پامردی کا اندازہ کیجئے جانثار جام شہادت نوش کر چکے' خود زخمی ہیں' حالت روزہ میں ہیں' شدت کی گرمی پڑ رہی ہے' اطراف و اکناف سے آپ کے عقیدت مند جمع ہو رہے ہیں' آپ کو چارپائی پر لٹایا جا چکا ہے۔ ایک عقیدت مند ادب سے پانی کا گلاس پیش کرتا ہے مگر تاریخ اسلام کا یہ بطل جلیل اپنے جسم کی تمام توانائیوں کو سمیٹتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے گلاس کو پرے ہٹاتے ہوئے فرما رہا ہے:

''میں پانی نہیں پیوں گا' میرا روزہ ہے''

وقت کے تپتے ہوئے دشت کربلا میں صبر حسین رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ کر دینے والے اس ولیٔ کامل کے یہ الفاظ داستانِ صبر و رضا کا جگمگاتا ہوا باب حیات آفریں ہیں جن کی ایمانی چمک دمک سے دلوں کے ظلمت کدے روشنی پاتے رہیں گے۔

دو روز تک آپ ڈسٹرکٹ ہسپتال سرگودھا میں زیر علاج رہے۔ سترہ رمضان المبارک ۱۹۸۱ء کو آپ کو ڈاکٹروں کے مشورے پر سی ایم ایچ لاہور لے جایا گیا' لیکن ڈاکٹروں کی تمام تر مساعیٔ پیشہ ورانہ جدوجہد اور بے شمار عقیدت مندوں کی دعاؤں کے باوجود اجل کا وار نہ ٹل سکا اور وہ شخصیت دارِ فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئی جسے دنیا شیخ الاسلام والمسلمین' قمر الملت والدین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے اسم گرامی سے پہچانتی تھی۔

موت ہے ہنگامہ آراء قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں
نے مجالِ شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے

آج حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ جسمانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں مگر آپ کا روشن کردار زمانے کی گردشوں کو شکست دیتا ہوا رہ نوردان جادۂ شوق کو حیات

marfat.com

جاودانی کی نوید دے رہا ہے۔ آپ کی کس کس ادائے خاص کا تذکرہ کیا جائے اور سیرت و کردار کی عظمتوں کو کس کس زاویہ ہائے خرد سے دیکھا اور محسوس کیا جائے۔ آپ تو سراپا روشنی ہیں۔ انوار لٹاتا ہوا قمر اسلام ہیں' آفتاب رشد و ہدایت ہیں۔ جلالت روحانیت کا یہ عالم کہ کجکلاہان وقت آپ کے آستانہ پر جبیں سائی کو حاضری دیتے دیکھتے اور فقر غیور کو یہ عالم کہ جسم کا لباس انتہائی سادہ جس میں بعض اوقات پیوند لگے ہوتے' سخاوت و کشادہ چشمی کا یہ عالم کہ جو بھی آپ کے دروازے پر حاضر ہوا' جھولی بھر کر لے گیا اور استغنا کا یہ عالم کہ ایک بار جب سرکاری حکم پر نوٹ بدلوانے کیلئے بینکوں پر ساری خلقت اُمڈ پڑی تھی تو سیال شریف کی اقلیم روحانیت کے تاجدار کے پاس فقط آٹھ آنے تھے۔ قیادت و سیادت کا یہ عالم کہ جدھر کا رُخ کیا' زمانہ پابہ رکاب چلتا رہا' مگر بے نیازی کا یہ عالم خلوت نشینی اور حجرہ گزینی کو ہی اصل حیات تصور کرتے رہے۔ اولوالعزمی اور جرأت و پامردی کا یہ عالم کہ وقت کے فرعونوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں پیغام حق سناتے رہے اور علائق دنیوی سے بیزاری کا یہ عام ذاتی مقصد براری کیلئے تمام زندگی کسی صاحب اقتدار سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

ہو کوئی بادشاہ یا کوئی وزیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی وہ نابغہ روزگار شخصیت تھے جو زندگی کے اُفق سے کاروانِ شوق کو ولولۂ تازہ بخشنے کیلئے نمودار ہوتی ہے۔ آپ علم و عمل کا پیکر تھے' صدق و صفا کے مخزن تھے' زندگی پائندگی کا بہاریں بکھیرتا ہوا گلشن تھے' گلستانِ چشت کی بہار تھے' قلزم معرفت کا گوہر تابدار تھے' بزم ہستی کی آرزو تھے' قافلۂ ذوق وشوق کا حاصل جستجو تھے' عرصۂ عالم میں رفعت ایمان کی نمود تھے' زینت سرائے بزم شہود تھے' فقر غیور کی مجسم تنویر تھے' رشد و ہدایت کی عملی تصویر تھے' عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر صد آفرین تھے' محفل ارباب ولایت کی تزئین تھے' انوار بکھیرنے والے قمر الملت والدین تھے' دلوں کو ذوقِ یقین بخشنے والے شیخ الاسلام والمسلمین تھے۔ آپ ہر گام' پر عقیدت مندوں کے دلوں میں مہرومہ کی صورت کرنیں لٹاتے اور ظلمات عصر میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جوت جگاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

marfat.com

قطب عالم حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ

کی ایمان آفریں شخصیت سے حضرت قبلہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ تک

بزم ہستی نے ہمیشہ یہی ایمان آفریں نظارا دیکھا ہے کہ جہاں کفر و شرک کی تاریکیاں مسلط ہونے لگتی ہیں، وہیں یک بیک انوارِ خداوندی جلوہ ریز ہونے لگتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے انوارِ خداوندی ظلمتوں اور تاریکیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام انہی انوار خداوندی کی نورانی چھاؤں میں آگے بڑھتے ہیں اور عظمت خداوندی اور شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اصحاب نظر کے دلوں میں جاگزیں کر دیتے ہیں۔ یہی وہ مبلغین اسلام ہیں جن کے کارناموں سے تاریخ عالم کا ہر گوشہ جگمگاتا ہے۔ خطۂ جنت نظیر ''میرا شریف'' (ضلع اٹک) ایسا ہی روحانی مرکز ہے جہاں سید الاولیاء قطب عالم حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان معرفت یوں کھلایا کہ آج تک زمانہ اس کی خوشبوئے طریقت سے دلوں کو معطر کر رہا ہے۔ آپ کے روحانی کمالات کی صدائے بازگشت مدتوں بعد بھی یہی اعلان کر رہی ہے کہ:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت قبلہ خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ خواجگان، سلطان اقلیم ولایت حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ آپ کے والد گرامی نے بھی اسی مردِ کامل سے فیض اُٹھایا تھا۔ خواجہ خواجگان نے حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنی توجہات خصوصی کا مرکز بنا لیا۔ خواجۂ خواجگان سے جب آپ شروع میں بیعت ہوئے تو انہیں ایک نظر دیکھتے ہی اعلان فرما دیا کہ یہ طفل ہونہار روحانیت کے آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرے گا اور اس شاہباز معرفت سے ایک زمانہ فیضیاب ہو گا۔ پہلی ہی ملاقات میں ایک عقیدت مند خراسان سے حاضر ہوا اور اس نے چار سیب خراسانی پیش کئے۔ خواجہ تونسوی نے آدھا سیب خود کاٹ کر حضرت احمد میروی کو دیا اور بقیہ سیبوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے حاضرین میں تقسیم کر دیئے۔ اس سیب کی تاثیر نے خواجہ احمد میروی

marfat.com

کے دل کی کایا ہی پلٹ دی اور پھر آپ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اسی آستانہ عالیہ چشتیہ کے ہو کر رہ گئے۔

حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کامل کے حکم کی تعمیل میں جی بھر کر دینی علوم حاصل کیئے۔ عربی اور فارسی پر بھرپور دسترس حاصل کی۔ قرآن حکیم کی تفسیر اور علوم دینیہ پر گرفت حاصل کی۔ ساتھ ساتھ شیخ کامل کے انوار رحمت و معرفت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ بالآخر وہ لمحہ قدسی آ پہنچا جب ذرے آفتاب اور قطرے سمندر کا روپ اختیار کرتے ہیں' جب آپ نے سخت مجاہدوں' روحانی ریاضتوں اور خواجہٴ خواجگان کے حکم کی تعمیل میں عباداتِ کثیرہ کے بعد روحانی سرفرازیوں کو چھولیا تو پھر خواجہٴ خواجگان حضرت سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا دریائے رحمت جھوم اُٹھا اور آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرما دیا۔ آپ نے خلافت کے حصول کے بعد بھی مرشد کامل کا آستانہ چھوڑا کیونکہ آپ کا مقصد تو شیخ کامل کی صحبت ایمانی سے جی بھر کر فیضیاب ہونا تھا۔ آپ اگر ان کے حکم کی تعمیل میں چلے بھی جاتے تو جلد واپس لوٹ آتے کہ آپ کو مرشد کو دیکھے بغیر ایک پل بھی قرار نہیں آتا تھا' جب خواجہ خواجگان وصال فرما گئے اور آپ کے نورِ نظر سلطان الواصلین حضرت قبلہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ جائیں اور خواجہٴ خواجگان سے حاصل کی ہوئی تعلیم کو چاروں طرف پھیلا دیں۔

فیضانِ چشتیت کو عام کرنے کیلئے آپ نے ایک مقام ''میرا'' انتخاب کیا جو پہاڑی علاقہ تھا' ریت ہی ریت تھی' بے آباد بنجر اور ویران علاقہ' پانی کوسوں دور سے لانا پڑتا' رات کو شیروں اور درندوں کا راج ہوتا۔ آپ ایک ٹیلہ کے اوپر جھونپڑی بنا کر ایک مرید کے ساتھ بیٹھ گئے پھر کیا تھا چاروں طرف سے خلق خدا کا ہجوم اُمڈ آیا۔ بے آباد علاقہ آباد ہونے لگا آج بھی جبکہ یہ علاقہ آباد ہو چکا ہے تو شام کو مضافات کی ویرانی اور نہایت کم آبادی دیکھ کر حیرت ہوتی کہ قبلہ عالم خواجہ احمد میروی نے کس روحانی ولولہ کے ساتھ مرشد کامل کے حکم کی تعمیل کی۔ یہاں ڈیرا لگایا ہوگا' آپ نے شدائد زمانہ اور مشکلات کی پروانہ کی اور پھر زمانے نے دیکھا کہ:

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

آپ کی اس روحانی ثابت قدمی کو دیکھ کر ہی شاہِ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب یہ ''میرا'' نہیں بلکہ میرا ہے''۔ یہ جملہ زبان زد عام ہو گیا اور ''میرا شریف'' دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر پاک و ہند کے اہل اللہ کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ علم و حکمت کے متوالے روحانیت کے سرچشمے سے

marfat.com

اپنی پیاس بجھانے کیلئے حاضری دینے لگے۔ نوابین اور امراء آپ کے قرب کے تمنائی تھے مگر آپ تو غریب نواز اور صاحب فقر تھے۔ آپ نے ہمیشہ غریبوں سے پیار کیا' ایک مرتبہ نواب آف کالا باغ (نواب امیر محمد خاں مرحوم کے والد) مدتوں اصرار کے بعد آپ کے راستے میں کھڑے ہو گئے مگر آپ نے راستہ بدل لیا اور فقط یہی پیغام بھیجا کہ ہماری دنیا اور ہے اور تمہاری دنیا اور ہے۔ آپ کی سادگی' سادہ دلی اور درویشی بے مثال تھی۔ ہر کام خود کرتے۔ مریدوں اور ارادت مندوں کو ہر ممکن سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کرتے اور پھر آپ ہی کا فیضان تھا کہ بنجر سر زمین رحمت خداوندی کی مظہر بن گئی۔ پہاڑوں سے رحمت کے چشمے اُبلنے لگے۔ ذراتِ راہ ستاروں میں ڈھلنے لگے اور پھر تو ''میرا شریف'' میں حاضری دینے والوں کو ہر لحظہ یہ احساس ہونے لگا کہ:

نہ اس میں گھاس اُگتی تھی نہ اس میں پھول کھلتے تھے
مگر اس سرزمین سے آسمان بھی جھک کے ملتے تھے

آپ صاحب کرامات کثیرہ تھے۔ آپ نے چوروں کو قطب بنایا' گمراہوں کو راہ حق پر گامزن کیا' بے یقینوں کو ایمان کی دولت دی' احکامات دین سے دور رہنے والوں کو دین اسلام سے آگاہی بخشی۔ آپ کا سال وصال ۱۳۳۰ھ ہے۔ آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے حلقہ ارادت سے فیضیاب ہونے والے مردِ کامل حضرت خواجہ احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین نامزد فرما دیا تھا۔ حضرت خواجہ احمد خان نے حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض عام کی دولت روحانیت کو جی بھر کر تقسیم کیا۔ حجرے بنائے' عمارات میں اضافہ کیا۔ آپ صحیح معنوں میں اپنے مرشد کامل کے نقش ثانی تھے۔

آپ کے تذکار سے آج بھی اہل اللہ کے قلب ونظر آباد ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے عظیم المرتبت بھتیجے' حضرت خواجہ فقیر محمد عبد اللہ میروی چشتی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین کی مسند علمی پر فائز ہوئے۔ حضرت خواجہ فقیر محمد عبد اللہ زہد وتقویٰ' روحانیت اور عبادت ریاضت میں اپنے عظیم المرتبت اسلاف کی تصویر تھے۔ آپ حسن و جمال کے مرقع تھے' صورت و سیرت کا دل نشیں پیکر تھے' آپ نے ویران دلوں کو آباد کیا' بے قراروں کو روحانی قرار کی دولت تقسیم کی۔ دربار عالیہ کے سلسلے کو وسعت دی۔ عمارات میں اضافہ کیا' سڑکیں بنوائیں' حجرے بنوائے' مسجد کو وسیع کیا۔ دینی مکتب کے نظام کو وسعت دی' آپ کا دور اس خانقاہ عالیہ چشتیہ سلیمانیہ میرا شریف کا انتہائی سنہری دور تھا۔ آپ کو رب کریم نے نہایت صالح اور سعید بخت فرزندوں سے نوازا' جنہوں نے آپ کے بعد آپ کے

marfat.com

پیغام قدسیہ کی اشاعت کیلئے تمام صلاحیتیں وقف کر دیں۔ آپ کے صاجبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت قبلہ خواجہ منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ خواجہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ خواجہ مقبول احمد

حضرت قبلہ خواجہ ظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ خواجہ شہزاد احمد

حضرت قبلہ خواجہ فخر احمد

حضرت قبلہ خواجہ منظور احمد اور حضرت قبلہ خواجہ ظفر احمد صاحب ایک عرصہ تک رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے خالق حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے صاجبزادگان والا تبار روحانیت و معرفت کے انوار کی اشاعت کیلئے اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ تیسرے بھائی مخدوم و مکرم مرشدی و مولائی حضرت قبلہ خواجہ محمد محبوب احمد گذشتہ سال رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ آپ کے وصال انور سے ایک زمانہ آنسوؤں میں ڈوب گیا' ہر طرف طوفان الم برپا ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ٥

حضرت مرشدی و مولائی خواجہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ کو رب کریم نے غیر معمولی صفات سے نوازا تھا۔ آپ نے تبلیغی دورے کثرت سے کئے تھے۔ یہ تبلیغی دورے بھی اہل طریقت کے روحانی اسلوب کا ایک حصہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگ جو دور دراز سے یہاں آ نہیں سکتے' ان تک معرفت کا پیغام پہنچایا جائے۔ آپ علوم دینی و دنیاوی سے بہرہ ور تھے۔ جہاں جاتے وہاں لوگوں کو راہِ حق پر گامزن کرنے کیلئے اپنے مواعظ سے نوازتے۔ آستانہ عالیہ ''میرا شریف'' سے خصوصی طور پر برکات حاصل کرنے والے معروف عالم دین حضرت مولانا غلام محمد صاحب اکثر آپ کے ہمراہ ہوتے۔ ان کے دلنشیں مواعظ اور تقاریر سے بے شمار دلوں کو روحانی آسودگی حاصل ہوتی۔ آپ جہاں جاتے وہاں پہلے ہی سے مطلع فرما دیتے تا کہ اردگرد کے لوگ جمع ہو کر فیضیاب ہو سکیں۔ آپ صحیح معنوں میں مبلغ اسلام تھے۔ آپ کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا اور آنکھوں میں اس آستانہ عالیہ کے بزرگوں کا تصور روشنی دینے لگتا تھا۔ آپ کی محفل میں بیٹھ کر بجا طور پر احساس ہوتا تھا کہ:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

marfat.com

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت خواجہ محبوب احمد دین اسلام کی تعلیمات کا حسین عکس تھے۔ آپ کی تعلیمات دلوں میں گھر کر لیتیں اور دلوں کی بنجر کھیتیوں پر سحاب نور برسنے لگتا۔ آپ اپنے اسلاف سے روشناس کرواتے۔ ان کے کارناموں سے آگاہ کرتے اور عوام الناس تک پیغام پہنچاتے کہ اگر فلاح دارین کے تمنائی ہو تو دامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ ڈھونڈ لو۔ اولیائے کرام کے اسوۂ حسنہ کو اپنا لو کیونکہ ہم فقط اسی صورت ہی روحانی سرفرازی کے حق دار بن سکتے ہیں۔ آپ اپنے مریدوں اور ارادت مندوں سے نہایت شفقت سے پیش آتے۔ دراصل آپ کا کردار عظیم اس قدر جاذب فکر تھا کہ اس کے نقوش دلوں میں جاگزین ہو جاتے۔ آج مخدومی و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ محبوب احمد ہم میں نہیں تو ایک زمانہ درہم برہم دکھائی دیتا ہے۔

اب کہاں سے لائیں گے اس سا شفیق و مہرباں
چھوڑ کر کشتی بھنور میں چل دیئے سوئے جناں

حضرت خواجہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ ایک مہر عالم تاب غروب ہو گیا۔ عظیم مردِ درویش آسودۂ لحد ہو گیا۔ اس خانوادۂ عالیہ کی شان ہی نرالی ہے، جسے بھی دیکھیں وہی آفتاب معرفت دکھائی دیتا ہے۔ راقم (محمد اکرم رضا) کا تعلق کوٹلی نواب گوجرانوالہ سے ہے۔ میں اس تصور کو اب تک دل و جان میں بسائے ہوئے ہوں، جب حضرت قبلہ خواجہ منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ برادر کبیر مولانا محمد انور چشتی نظامی خلیفہ میرا شریف کی دعوت پر میرے گاؤں تشریف لائے تھے اور راقم کو خصوصی توجہ اور رحمتوں سے نوازا تھا، میں تو ہمیشہ ہی سے اس خانقاہ عالیہ کے ٹکڑے کھانے والا گدا ہوں، میں نے تو آستانہ عالیہ "میرا شریف" پر حاضر ہو کر رات رات بھر دربار عالیہ کے اندر پُر انوار ماحول میں رہ کر عبادات کی لذتیں لوٹی ہیں، بہت سے مناقب کہے ہیں، آج یہی لذات روحانی میرے لئے خضر راہ بنی ہوئی ہیں۔

حضرت قبلہ خواجہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ مجھے خصوصی دعاؤں سے نوازتے رہے۔ حضرت مولانا غلام محمد تو خطاب فرماتے ہی تھے، مجھے خصوصی طور پر خطاب کرنے کی دعوت دی جاتی اور فرمایا کرتے کہ "پروفیسر صاحب حضرت اعلیٰ خواجہ احمد میروی کی زندہ کرامت ہیں"۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور اعزاز میرے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے ہر درگاہ اور آستانہ سے عزت ملی ہے اور یہ سب حضرت اعلیٰ خواجہ احمد میروی اور حضرت مرشدی خواجہ محبوب احمد کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔

marfat.com

ہمارا خاندان کئی پشتوں سے اس درگاہ عالیہ کا نیاز مند رہا ہے۔ موکھل سندھواں میں بھی آپ کا خصوصی دورہ ہوتا تھا۔ موکھل سندھواں پر خاندان عالیہ میرا شریف نے کئی پشتوں سے فیضان فرمایا اور خلافتیں عطا فرمائیں۔ راقم (محمد اکرم رضا) کو جب حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سے نوازا اور دستار بندی فرمائی تو برسوں سے راقم کی آنکھوں میں پوشیدہ آنسوؤں کے چشمے چھلک اُٹھے۔ حضرت قبلہ خواجہ صاحب نے لطف کمال سے فرمایا کہ ''رب کریم آپ سے آستانہ عالیہ میرا شریف کے پیغام کی اشاعت کا کام لے گا اور لگتا ہے کہ حضرت اعلیٰ خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو منتخب فرمایا ہے''۔ حضرت قبلہ مولانا غلام محمد اور برادرِ مکرم مولانا محمد انور صاحب چشتی بھی اس روحانی کیفیت کو دیکھ کر اشک بار ہو گئے۔

آج مخدوم ومکرم حضرت قبلہ خواجہ مقبول احمد مدظلہ العالی کی شخصیت چراغ طور کی صورت نظر آتی ہے۔ آپ کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ جیسے ''میرا شریف'' کی عظمت رفتہ لوٹ آئی ہے۔ حضرت خواجہ مقبول احمد کا روحانی سراپا دلنشیں اور ایمان افروز ہے۔ آپ سب پر نظر کرم کئے ہوئے ہیں۔ بے شمار ارادت مندوں کے پہلو بہ پہلو مجھ خاکسار کو بھی فیضان خصوصی سے نواز رہے ہیں۔

خواجہ مقبول احمد اپنے نام کی طرح مقبول زمانہ ہیں۔ ایک زمانہ آپ سے پیار کرتا ہے اور آپ کی روحانی توجہ کا منتظر رہتا ہے۔ آپ دربار عالیہ کے جملہ انتظامات میں مصروف رہتے ہیں اور ہماری دعا ہے کہ رب کریم اس کاروانِ طریقت کے قائد کا سایہ رحمت مدتوں ہمارے لئے سکون قلب کا باعث بنائے رکھے۔ آمین

اس کے ساتھ ساتھ ہم ان تمام صاحبزادگان والاتبار کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں، جو آج بھی اپنے اسلاف کی شمعِ روحانیت کو جلائے ہوئے ہیں۔ مضمون کی طوالت اجازت نہیں دیتی۔ ورنہ تمام صاحبزادگان کے حالات تفصیل سے لکھتا۔ تفصیل کیلئے کتاب درکار ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ رب کریم مجھے آستانہ عالیہ ''میرا شریف'' کے روحانی اور فکری ونظری کارناموں کے حوالے سے سیر حاصل کتاب کی تصنیف کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

marfat.com

رمز آموز معرفت

خواجہ محبوب احمد چشتی میروی رحمۃ اللہ علیہ

آستانہ عالیہ چشتیہ میرا شریف

اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے کردار کو مؤرخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو ہر دور میں شوکت ایمان کے چراغ روشن کرتے رہے۔ کفر و الحاد کی کتنی ہی آندھیاں چلتی رہیں لیکن ان چراغوں کی روشنی کبھی مدھم نہ ہونے پائی۔ علوم معرفت کے ان چراغوں کی روشنی کا سرچشمہ تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب لازوال ہے۔ اس آفتاب نور کی ضوپاشیوں کو دل میں سمو کر یہ خوش بخت فرزندان اسلام جدھر بھی گئے زمانہ مسخر ہوتا چلا گیا۔ انہی سعید بخت صوفیائے عظام میں ایک ہستی ممتاز روحانی شخصیت حضرت خواجہ محبوب احمد کی ہے جو درگاہ عالیہ چشتیہ میرا شریف کے سجادہ نشین تھے اور ۶ جولائی ۲۰۰۳ء کو بے شمار عقیدت مندوں کو غمزدہ چھوڑ کر وصال فرما گئے۔ آپ کی روحانی تب تاب اب بھی یہ اعلان کر رہی ہے کہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام را

خواجہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ چشتیہ میرا شریف کے بانی قبلۂ عالم خواجہ احمد میروی کی روحانی عظمت کے امین تھے۔ قبلۂ عالم خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ خواجگان شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ شہبازِ ولایت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اس گھرانے کیلئے مدتوں پہلے سے مرجعِ فیوض تھی۔ کیونکہ آپ کے والد گرامی بھی شاہ سلیمان تونسوی سے بیعت تھے۔ جب احمد میروی حضرت قبلہ شاہ سلیمان تونسوی کی بارگاہ میں پہلی مرتبہ اپنے ماموں علی خاں کے ساتھ پہنچے تو شاہ سلیمان تونسوی جمال و جلال کا مظہر بنے تشریف فرما تھے۔ خواجہ احمد میروی کی نگاہ فرطِ عقیدت سے جھک گئی۔ اچانک خواجہ خواجگان حضرت تونسوی اُٹھے اور دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ یہ سر نہ اُٹھا سکے تو لوگوں

marfat.com

نے متوجہ کیا کہ چشتیت کا آفتاب اپنی کرنیں لٹا رہا ہے۔ اے لڑکے آگے بڑھو' چنانچہ یہ ہمت کر کے آگے بڑھے اور حضرت تونسوی کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ اسی دوران میں ایک عقیدت مند خراسان سے حاضر ہوا اور چار سیب خراسانی پیش کئے۔

خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے آدھا سیب خود کاٹ کر احمد میروی کو دیا اور باقی سیبوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیئے۔ بس پھر کیا تھا حضرت احمد میروی کے دل کی کایا پلٹ گئی' گھر لوٹ آئے مگر محسوس ہوتا تھا کہ دل و دماغ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں نچھاور کر آئے ہیں۔ قرار ہی نہیں آتا تھا' تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر تونسہ شریف جا پہنچے۔ شاہ تونسوی نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم اسی شاہباز کے منتظر تھے اور پھر نظر کرم سے نواز کر بیعت سے سرفراز فرما دیا۔

خواجہ احمد میروی کے پیر بھائی شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تونسہ شریف میں ڈیرا جما رکھا تھا۔ ان پیر بھائیوں میں کیا کیا باتیں نہ ہوئی ہوں گی اور عشق و ارادت کے مرحلے کس طور دیوانہ وار طے نہ ہوتے ہوں گے۔ تذکار میں مرقوم ہے کہ ان دونوں محترم شخصیات میں بے پناہ محبت تھی اور خواجۂ تونسوی بھی ان شاہبازوں کو خصوصی نگاہ کرم سے نوازا کرتے تھے۔

حضرت احمد میروی نے تونسہ شریف میں خواجۂ عالم شاہ سلیمان تونسوی کے حلقۂ ارادت میں ہی علم و حکمت اور سلوک و معرفت کے تمام مراحل طے کئے۔ آپ نے مختلف علماء سے علوم دین کی تحصیل کی۔ اپنے شیخ کامل سے اجازت لیتے اور نامور علمائے وقت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے علوم دینیہ کے انوار سے قلب و نظر روشن کرتے۔ حصول علم کے سلسلہ میں آپ کو دور دراز کے علاقوں کے سفر کرنے پڑے۔ مہینوں فاقے کاٹنے پڑے' کپڑوں کو پیوند لگاتے' جوتا خود گانٹھتے اور جونہی مہلت میسر آتی شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو جاتے۔

جب خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ تونسوی سے خرقۂ خلافت سے نوازے گئے تو آپ کو دوسرے علاقوں میں جا کر رشد و ہدایت کا سلسلہ عام کرنے کا حکم عطا ہوا۔ آپ بارگاہ شاہ تونسوی سے کہیں دور جانا نہیں چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ شاہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جنید وقت حضرت اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آ پہنچا۔ انہوں نے حکماً چشتیت کے فیض کو آگے بڑھانے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ دل نشین حکم بھی صادر فرمایا کہ میرے سامنے تونسہ شریف میں ہی بیعت کا آغاز کرو۔ بس پھر کیا تھا ایک زمانہ ان کے قدموں میں اُمڈ پڑا۔ آپ بیعت کرتے تھے اور مریدوں کو حضرت قبلہ اللہ بخش تونسوی

marfat.com

کی بارگاہ اقدس میں پیش کر دیتے تھے۔

فیض چشتیت کو عام کرنے کیلئے مقام کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوا تو آپ نے دور دراز کے ایک علاقہ کا انتخاب فرمایا جہاں چاروں طرف ریتلی زمین تھی' ریت اور پتھر کے ٹیلے اور پہاڑ تھے' پانی کوسوں دور سے لانا پڑتا تھا' جنگل بیابان' ماحول سہما دینے والا تھا مگر خواجہ احمد میروی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف بے بایاں کا تصور کر کے وہیں بیٹھ گئے۔ راتوں کو شیروں' درندوں اور حشرات الارض کا دور دورہ ہوتا مگر یہ مردِ درویش ایک کٹیا بنا کر اپنے ایک مرید کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔ حوادثات زمانہ نے راستہ روکا مگر آپ نے تبلیغ اسلام کا کام جاری رکھا۔ شاعر مشرق کے لفظوں میں:

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش جس کو بخشے تھے حق نے انداز خسروانہ

درندے اور حشرات الارض تو ایک طرف اس علاقہ میں دین اسلام سے بے بہرہ چوروں اور ڈاکوؤں نے اندھیر نگری مچا رکھی تھی' نہ کوئی راستہ نہ سڑک۔ آپ نے فیض عام کا سلسلہ جاری فرما دیا' مشکلات نے راستہ روکا مگر یہ ولی اللہ کمال استقامت سے دین اسلام پھیلاتا رہا۔ بالآخر ظلمت کدوں میں ہدایت کے چراغ روشن ہونے لگے۔ باطل کے ایوانوں میں نغمہ توحید گونجنے لگا۔ اس درویش خدا مست کی آواز دلوں میں گھر کرنے لگی۔ جو ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں آیا' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو گیا۔ غیر مسلم دامان اسلام میں پناہ ڈھونڈنے لگے اور اسلام کے راستے سے بھٹکے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہونے لگے۔

وہاں دور دراز تک پانی کا کنواں نہیں تھا کیونکہ پانی کے حصول کیلئے عوام کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ آپ نے سوفٹ گہرا کنواں کھدوایا اور وہاں نوافل ادا کر کے اپنا لعاب دہن اس کنویں میں گرایا۔ وہیں سے پانی کا سرچشمہ پھوٹ نکلا۔ یہ سرچشمہ رشد و ہدایت تھا جس سے بھوکے پیاسے انسان سیراب ہونے لگے اور عظمت اسلام کے نم سے محروم بنجر و ویران دل بھی معرفت الٰہی سے سیراب ہونے لگے۔ بس پھر کیا تھا یہی جگہ جو اجاڑ اور ویرانہ تھی اور جسے "میرا" کہتے تھے رحمت خداوندی کی مظہر بن گئی اور زمانہ "میراث شریف" کے نام سے پکارنے لگا۔ وہی "میرا شریف" آج ہر علاقے میں انوار معرفت کی سوغات تقسیم کر رہا ہے۔

تذکروں میں حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات کثیرہ مذکور ہیں۔ دراصل جب مردِ مومن رضائے الٰہی سے ڈھل جاتا ہے' رضائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تقاضوں کو شعار حیات بنا

marfat.com

لیتا ہے تو پھر اس کی تدبیر تقدیر الٰہی کا پرتو بن جاتی ہے۔ خواجہ احمد میروی ایسے ہی مقام پر فائز تھے۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے ویرانے کو اپنا مسکن بنایا اور جب ایک طویل عرصہ تبلیغ اسلام میں صرف کر کے وصال فرمایا تو وہی ویرانہ گلشن معرفت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ راہزن اور قزاق یادِ الٰہی میں سرمست ہو چکے تھے اور چاروں طرف شوکت اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ خواجہ احمد میروی کا سال وصال ۱۳۳۰ھ ہے۔ آپ کی تاریخ وصال یوں ہے:

اندریں قحط الرجال ایں بود یک فرد الوجود

فقررا مصداق صادق' شائقاں را راہنما

۳۰ ۱۳ھ

حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زندگی ہی میں اپنے حلقۂ تربیت سے فیضیاب ہونے والے شاہباز خواجہ احمد خاں کو اپنا جانشین نامزد کر کے سلسلۂ چشتیہ کے تمام امور کی نگرانی ان کے سپرد کر دی تھی۔ خواجہ احمد خاں نے اپنے فرائض اس حسن و خوبی سے انجام دیئے کہ ان کے دور میں یہ سلسلہ چاروں طرف پھیل گیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت خواجہ فقیر محمد عبد اللہ سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ اسلاف کی روایات کے مطابق آپ کی دستار بندی بھی تونسہ شریف کے مرکز روحانیت پر ہوئی۔ خواجہ فقیر محمد عبد اللہ نے خانقاہ عالیہ کی عمارات کو وسعت دی۔ حجرے' سڑکیں اور مریدوں کیلئے قیام گاہوں کی تعمیر کا سلسلہ وسیع کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزندان عظیم خواجہ منظور احمد' خواجہ محبوب احمد' خواجہ مقبول احمد' خواجہ ظفر احمد نے اس سلسلہ کے پیغام روحانیت کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بالخصوص حضرت قبلہ خواجہ محبوب احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی لائق صد تحسین ہیں۔

خواجہ محبوب احمد ۱۹۴۰ء میں میرا شریف میں پیدا ہوئے اور اسی مرکز روحانیت سے علوم معرت کی دولت سمیٹ کر زمانے بھر میں عام کرنے لگے۔ آپ کے جملہ اسلاف علوم دینیہ سے مکمل طور پر بہرہ ور ہوئے۔ اس لئے حضرت خواجہ فقیر محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ فرزندان کی طرح آپ کی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا۔ آپ کی طبیعت دنیاوی علائق سے دور تھی۔ خلوت نشین رہنا پسند کرتے تھے۔ سعید بختی کے آثار بچپن ہی سے آپ کے چہرے سے ہویدا تھے۔ چونکہ دربار عالیہ میرا شریف میں تدریس قرآن اور درس نظامی کا پورا پورا اہتمام تھا اس لئے آپ نے پہلے قرآن حکیم پڑھا ترجمہ و تفسیر کے بعد دارالعلوم چشتیہ سلیمانیہ میرا شریف ہی میں علوم دینیہ کی تحصیل کی سعادت حاصل کی۔ بعدازاں آپ چکوال اور راولپنڈی

marfat.com

کے دینی مدارس اور دنیاوی تعلیم کے اداروں میں بھی پڑھتے رہے جہاں سے آپ نے دینی اور دنیاوی علوم میں مہارت خاص حاصل کر لی۔ آپ شروع ہی سے تبلیغی ذہن رکھتے تھے اس لئے تحصیل علم کے بعد آپ نے سلسلۂ عالیہ کے فروغ اور علوم روحانیہ کی ترویج کے ایمان آفریں دوروں کا آغاز کر دیا۔

حضرت قبلہ خواجہ محبوب احمد صحیح معنوں میں مبلغ اسلام تھے۔ آپ مہینوں تک دور دراز کے شہروں اور دیہات کی جانب محو سفر رہتے۔ سفر میں علمائے کرام اور نعت خواں بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ آپ بالخصوص ان علاقوں میں پہنچتے جہاں آستانہ عالیہ میرا شریف سے روحانی نسبت رکھنے والے موجود ہوتے۔ آپ کی تشریف آوری سے سیرت مصطفٰے کی محافل سج جاتیں۔ عظمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار بکھرنے لگتے' دلوں کو ایمان و یقین کی دولت عطا ہوتی' الحاد اور بے دینی کی ظلمات میں بھٹکنے والوں کو معرفت الٰہی کی روشنی عطا ہوتی اور خدا و رسول سے بے گانہ گمراہوں کو اسلام کی حقانیت اور عشق مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سوغات عطا ہونے لگتی۔ یہ اجتماعات کیا تھے' خوشنودی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بہانہ تھے' جن کے طفیل وقت کے ظلمت کدوں میں خدائے کریم کے عرفان کے چراغ جگمگا اٹھتے۔

خواجہ محبوب احمد کی زندگی اپنے اجداد کی پاکیزہ سیرت کا نمونہ تھی۔ فیاضیٔ قدرت نے حسین خدوخال عطا کئے تھے۔ سادہ لباس زیب تن کرتے' بزرگوں کی سنت کے مطابق سبز پٹکا گلے میں حمائل ہوتا' سر پر سفید ٹوپی' کبھی عصر حاضر کے نمود و نمائش کے شوقین سجادہ نشینوں کی طرح پُر تکلف یا مرصع لباس زیب تن نہیں کیا۔ سفر میں ہوں یا حضر میں مصلیٰ ہمراہ ہوتا' نماز قضا نہ ہونے دیتے۔ حتیٰ الامکان کوشش کرتے کہ نماز باجماعت ادا کریں۔ عالم باعمل تھے' درویش بے ریا تھے' صاحب فکر و گداز تھے۔ ایک بہت بڑے روحانی خاندان کی نظریاتی سطوتوں کے امین تھے مگر لباس میں حد درجہ سادگی کو کبھی ترک نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سادگی ہی ان کی دلآویز شخصیت کی پہچان بن گئی تھی۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

کسی بھی روحانی شخصیت کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کس قدر عمل پیرا ہے۔ راقم تحریر جب بھی آستانہ عالیہ میرا شریف میں حاضر ہوا تو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہر جماعت میں تمام صاحبزادگان والا تبار کا پہلی صف میں تکبیر اولیٰ سے پہلے موجود ہونا تھا۔ موسم سرما میں گرم پانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے حوض سے کھڑا تو ڑ کر وضو کیا

marfat.com

جاتا اور نماز میں شرکت کی جاتی۔ یہاں بھی کسی قسم کی سجادگی کا احساس دیکھنے کو نہ ملا۔ بندہ و صاحب ومحتاج وغنی کے ایک ہونے کا حسین تاثر ملا' جس نے دل کی کیفیات کو زیر وزبر کر ڈالا۔

خانقاہ عالیہ میرا شریف پنڈی گھیپ سے بیس میل جانب مغرب واقع ہے۔ ایک مدت پہلے اونٹوں پر یا پیدل سفر ہوتا تھا۔ اونٹوں کے قافلے قطار در قطار میرا شریف کی جانب رواں نظر آتے تو روحانی کہکشاں کے اُترنے کا سماں نظر آنے لگتا۔ پیر پٹھان شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض عام نے اس آستانہ کی صورت میں خواجہ محمد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے انوار معرفت کو عام کرنے کیلئے اس سرزمین کے صحراؤں کو گلزار بے خزاں میں تبدیل کر دیا تھا۔ حضرت مخدومی قبلہ خواجہ محبوب احمد اسی گلزار بے خزاں کے گل سرسبد تھے' جن سے مل کر اور جن سے باتیں کر کے روحانی لذت کی خوشبو کے دل و جان میں اُتر جانے کا احساس ہونے لگتا تھا۔

موسم سرما ہو یا موسم گرما خواجہ محبوب احمد اپنے تبلیغی مشن کو کبھی فراموش نہ کرتے۔ حتیٰ کہ بیمار بھی ہو جاتے مگر سفر کو ملتوی نہ کرتے۔ عقیدت مند تبلیغی سفر کو ملتوی کرنے کا مشورہ دیتے تو فرماتے کہ ''کسی صورت نہ رکو' چلتے چلو' میرے پیر بھائی انتظار کر رہے ہوں گے' وہ کیا خیال کریں گے''۔ ایک مرتبہ شدید حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی' چلنا مشکل تھا مگر اس عالم میں بھی آپ راقم کے گاؤں تشریف لے آئے اور شدید تکلیف اور علالت کے باوجود تبلیغی عمل میں ایک لحظہ کو بھی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دی۔

خواجہ محبوب احمد راقم تحریر سے بے پناہ شفقت کریمانہ سے پیش آتے تھے۔ نعت خوانوں کے علاوہ ممتاز عالم دین حضرت مولانا غلام محمد ہمراہ ہوتے۔ میرے متعلق آپ ازراہ عنایت فرمایا کرتے کہ ہم آپ کے مضامین اور منظومات دربار عالیہ پر آنے والے رسائل وجرائد میں پڑھتے رہتے ہیں۔ ہم آپ کو حضور شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور قبلہ عالم خواجہ احمد میروی کی عطائے خاص سمجھتے ہیں۔ یہ فقرات بلاشبہ میرے لئے حاصل حیات ہیں۔

جب خواجہ محبوب احمد مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس وقت بھی آپ کا تبلیغی سفر جاری تھا۔ مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے اپنے متعلقین خاص کے ہمراہ لاہور پہنچے تو گھٹنے میں درد کا آغاز ہوا۔ آہستہ آہستہ یہی تکلیف بڑھتی گئی' حکیموں اور ڈاکٹروں کا علاج جاری رہا۔ ''ایوب میڈیکل سنٹر'' میں پندرہ دن داخل رہے پھر احسان میڈیکل سنٹر میں داخل ہوئے۔ رب کریم کی طرف سے بلاوا آچکا تھا۔ لہٰذا

ع...... مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

marfat.com

بالآخر خود ہی اصرار فرمایا کہ علاج وغیرہ ترک کر دو۔ ہمیں رب کریم کی طرف سے بلاوا آ چکا ہے۔ دربار شریف میں تشریف لا کر مکمل طور پر ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ غذا لینی بالکل بند کر دی مگر اس کے باوجود چہرہ انتہائی تروتازہ اور ہشاش بشاش نظر آتا تھا۔ خود ہی قبر کی تیاری کیلئے ہدایات دینے لگے اور وقفہ وقفہ سے قبر کے بارے میں سوال کرتے۔ چہرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی ہویدا نہیں تھی۔ یوں نظر آتا تھا جیسے محب اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کیلئے بے قرار ہے۔ آخر وقت میں کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کیں۔ رشتہ داروں اور ارادتمندوں کا ہجوم ہو گیا تو آنکھیں کھولیں اور فقط اتنا فرمایا "**کل نفس ذائقة الموت**" آیات قرآنی' درود شریف اور کلمہ طیبہ کا ورد مسلسل جاری رکھا۔ بات چیت موقوف کر دی' سوال کرتے تو فقط یہی کہ وقت کیا ہے اور قبر کی تیاری کن مرحلوں میں ہے۔ ۶ جولائی کو ادھر فجر کی اذان گونجی اور ادھر آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

آپ کے وصال پُرملال کی خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی۔ عشاق سرمست کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جمع ہو گیا۔ چونکہ اس آستانہ عالیہ کی رشتہ داریاں بڑے بڑے روحانی خانوادوں سے ہیں اس لئے بیشتر روحانی مراکز کے پیران عظام پہنچ گئے۔ جہاں تک نظر جاتی اہل شوق کا آنسوؤں اور رنج والم میں ڈوبا ہوا جم غفیر دکھائی دیتا۔ اتنا بڑا تعزیتی ہجوم اور اتنی بڑی تعداد میں ارادت مندوں کا بہت بڑا مجمع کم ہی دیکھنے میں آیا ہے اور وہ بھی اتنے دور دراز علاقے میں۔ آپ کو غسل کے بعد جب کفن پہنایا گیا تو چہرہ ماہ تاباں کی صورت روشن تھا۔ آپ کی نماز جنازہ مکھڈ شریف کے سجادہ نشین پیر محی الدین صالح گل محمد نے پڑھائی۔ عصر کے وقت آپ کو قبر میں اُتارا گیا تو عوام الناس کا سیل اشک بہہ نکلا۔ حق تو یہ ہے کہ مرد کامل کو زمانے سے اسی شان کے ساتھ جانا چاہئے کہ:

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن و صالح ملا　　　فرش سے ماتم اُٹھیں وہ طیب و طاہر گیا

حق تعالیٰ رحمت خاص سے نوازے' اس مردِ مومن کو جس نے تمام زندگی عظمت اسلام کی نذر کر دی جو فنا فی الرسول (ﷺ) سے گزر کی فنا فی اللہ کی منزل پر فائز ہو چکا تھا۔ آج خواجہ محبوب احمد ہمارے درمیان موجود نہیں مگر آپکا روشن کردار ہمیں احیائے اسلام اور غلبۂ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مسلسل آگے بڑھنے کا پیغام دے رہا ہے۔ آپ کی برگزیدہ شخصیت ہمیں اس احساس سے آشنا کرتی محسوس ہوتی ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں　　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

marfat.com

تحریک پاکستان اور مشائخ وعلمائے کرام

جب بھی اشرارِ باطل نے سر اُٹھایا ہے تو انوارِ خداوندی کی لازوال چمک ہی اس کے طلسم کو پارا پارا کرنے کا باعث بنی ہے۔ خیر وشر کا تصادم تو ازل سے جاری ہے مگر فیصلہ کن معرکہ میں فتح کامل ہمیشہ ان مردانِ حق کا مقدر بنی ہے جنہوں نے حق وصداقت' فکر وعمل اور ایمان وایقان کے چراغ روشن کئے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کی تاریخ ان صوفیائے کرام' مشائخ عظام اور علمائے حق کے کارناموں سے جگمگا رہی ہے' جنہوں نے برصغیر میں تبلیغ اسلام سے لے کر قیام پاکستان تک ہر میدان میں ایمانی استقامت اور روحانی ونظریاتی پامردی کا مظاہرہ کر کے عظمت اسلام اور دوقومی نظریہ کے پرچم کو افق تا افق عرصہ حیات کی انتہائی بلندیوں پر لہرایا ہے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ یہ حقیقت رہی ہے کہ:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

تاج محل کی تعمیر کا تذکرہ کرتے ہوئے اگرچہ تاریخ فقط شاہجہان کا نام یاد رکھتی ہے مگر ہم ان معماروں کو فراموش نہیں کر سکتے' جن کی شبانہ روز محنت' غیر معمولی لگن' پسینے میں خون جگر کی آمیزش اور جذباتی انہماک سے یہ شاہکار تعمیر کے آخری مراحل سے ہمکنار رہوا۔ اسی طرح تحریک پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک جہاں ہر گام پر حضرت علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح کی دور اندیشی اور ولولہ انگیز قیادت کا تذکرہ ملتا ہے وہاں ہم ان عظیم المرتبت مشائخ اور علمائے اہلسنّت کے کارناموں سے صرف نظر نہیں کر سکتے' جنہوں نے فرداً فرداً نہیں بلکہ من حیث الجماعت مکمل طور پر قائد اعظم اور مسلم لیگ کا ہر گام پر بھرپور ساتھ دیا۔ یہ داستانِ عزیمت ایک طویل دور پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے حوالے سے دیکھیں تو حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی' مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی' مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی' مولانا رحمت اللہ کیرانی' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' مولانا احمد اللہ شاہ مدارسی' مفتی عنایت احمد کوروی' مولانا امام بخش صہبائی' مولانا رضی الدین بدایونی' مولانا نقی علی خاں بریلوی' مولانا لیاقت علی الٰہ آبادی' مفتی صدر الدین آزردہ' مولانا فیض احمد بدایونی سمیت کتنے ہی نام ہیں جو مطلعٔ آزادی پر ستاروں کی صورت جگمگا کر تاریخ اہلسنّت کے

marfat.com

ہر باب کو زرنگا بنا رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد کا سہرا مکمل طور پر مشائخ و علمائے اہلسنت کی جبین پر سجتا نظر آتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب انگیز کے کاسہ لیس علماء خوشامدی، مصلحت اندیش اور ابن الوقت دانشور انگریزی اقتدار کی راہیں ہموار کرنے کیلئے فتوے جاری کر رہے تھے۔ علمائے اہلسنت کو پابند زنداں کر دیا گیا، انہیں باغی قرار دے کر گولی سے اڑا دیا گیا۔ کالے پانی کے حبس دوام سے لے کر پھانسی کے تختے تک یہ اصحاب ایمان مسکراتے ہوئے پہنچے اور قربانیوں کے افق سے طلوع ہونے والے روشن مستقبل کے امانت داروں کو یہ باور کرا دیا کہ:

؎ جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

انگریزی استبداد کے دور میں مسلک اہلسنت و جماعت سے تعلق رکھنے والا ہر شیخ طریقت، عالم دین اور فقیہ اپنی تمام فقہی علمی اور روحانی توانائیاں تحریک پاکستان کی نذر کر رہا تھا۔ یہ کوئی وقتی مصلحت نہیں تھی بلکہ یہ تو برصغیر میں دوقومی نظریہ اسلام کے احیاء کا مرحلہ تھا۔ یہ وہی دوقومی نظریہ تھا جس کی اساس کلمہ طیبہ تھی اور جس کا وطینت کے تصور، جغرافیائی لسانی اور رنگ و نسل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی نظریہ کی بدولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کے رشتہ داروں کو ٹھکرا کر روم کے صہیب، حبش کے بلال، فارس کے سلمان سمیت ہر اس مسلمان کو سینے سے لگایا تھا جس کی دھڑکنوں میں کلمۂ طیبہ کی ایمان آفریں صدا گونج رہی تھی۔ اس دوقومی نظریہ اسلام کی بدولت دنیا بھر کے مسلمان افریقہ کے تپتے صحراؤں سے لے کر ایشیا کی پُرسکون وادیوں تک ایک ہی قوم کی مرکزیت اور وحدت کا جزو لاینفک بن چکے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس دوقومی نظریہ کو نئی زندگی سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جلال الدین اکبر کے غیر اسلامی نظام کے خلاف اعلائے کلمہ حق بلند کر کے عطا کی۔ مختلف ادوار میں مختلف حق پرست علماء اور حق شعار مشائخ اپنے خون جگر سے نخل اسلام کو سینچ کر دوقومی نظریہ کی بہار جاودانی کے سامان پیدا کرتے رہے۔ اسی نظریہ کی اساس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی سے اسلامیانِ ہند کو غلبہ ہنود سے رہائی دلانے کی درخواست کی۔ غرضیکہ ہندوستان کی ایک مظلوم مسلمان خاتون کی آواز پر لبیک کہنے والے عرب سپہ سالار محمد بن قاسم سے لے کر تحریک آزادی پاکستان تک یہی دوقومی نظریہ عظمت اسلام کا ترجمان بن کر دلوں کو ولولۂ شوق عطا کرتا دکھائی دے رہا ہے۔

اسلامیانِ برصغیر کیلئے سب سے کٹھن وقت وہ تھا جب انگریز کے غلبہ و اقتدار کے بعد بعض

marfat.com

مفتیانِ دین اور علماء نے ہندو کے سایۂ عاطفت میں پناہ ڈھونڈنا شروع کر دی۔ ان علماء کی نگاہوں سے دو قومی نظریہ کے خدوخال اوجھل ہوئے تو جدوجہد آزادی کے نام پر انہوں نے ہندو سیاست کی بالاتری کو قبول کرتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کر کے اسلامی اقدار کے منافی قومیت کے آثار ہویدا کرنے شروع کر دیئے اور پھر چشم عالم نے وہ منظر بھی دیکھا کہ دہلی کی شاہی مسجد کے منبر پر متعصب ہندو سیاستدان گاندھی کو بٹھا کر اس کی قیادت کو سلام کیا گیا۔ ایسے عالم میں عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل اس احساس کے ساتھ سلگ رہے تھے:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یہی "احساسِ زیاں" امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں اور تقریروں میں نعرۂ مستانہ بن کر گونج اُٹھا۔ آپ نے برصغیر کے فرزندانِ توحید کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں عظمت اسلاف کا احساس دلایا۔ اسلامی قومیت کی علمی و عملی تشریح کرتے ہوئے انہیں خواب غفلت سے جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا کہ:

"انگریز تمہارا دشمن ہے تو ہندو کب سے تمہارا دوست بنا ہے۔ یہ ہندو مسلم مخلوط اجتماعات ہندوؤں کے تہواروں اور رسوم میں شرکت' ہندوؤں سے تعلق داری کس عقیدۂ اسلام کی رو سے جائز ہے اور انگریز سے ترک موالات ضروری ہے تو ہندو سے بھی ترک موالات لازمی ہے۔ ہندو نہ تو مسلمان کا ساتھی بن سکتا ہے اور نہ ہی غمخوار"۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامیانِ ہند کے علیحدہ قومی تشخص پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"سودی کاروبار کو کسی صورت بھی جائز قرار نہ دیا جائے تا کہ ہندو ساہوکار غریب مسلمانوں کا خون چوسنے والی جونک نہ بن سکے۔ مسلمان اپنا بینک قائم کریں تا کہ ان کا قومی تشخص بھی اُبھرے اور وہ سرمایہ لگا کر اپنے غریب بھائیوں کے کام بھی آسکیں۔ مسلمان صرف مسلمان سے لین دین کرے تا کہ تجارت کے میدان میں وہ اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مالی قوت میں بھی استحکام پیدا کرے۔ ایسی تعلیم حاصل کرو جو انگریز اور ہندو کے فکری تغلب سے نجات دلا سکے۔ مذہب سے تعلق قائم ہو اور مستقبل کے عظیم مسلمان اُبھر سکیں"۔

کیا یہ نکات دو قومی نظریہ کی فکری توضیح نہیں ہیں۔ اسی نظریہ کے لئے علمائے حقانی میں سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ تحریری کام کیا ہے۔ انہوں نے اپنی فکر

marfat.com

رسا سے سمجھ لیا تھا کہ انگریز کدھر جا رہا ہے اور ہندو کیا چاہتا ہے۔ آپ کی علمی وفکری کاوشوں کو دیکھ کر علامہ اقبال جیسے مفکر نے بجا طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا' وہ اپنے دور کے بوحنیفہ ہیں''۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر کسی انگریز کی عدالت میں حاضری نہیں دی۔ لفافے پر ڈاک ٹکٹ الٹا چسپاں کرتے کیونکہ اس پر شاہِ انگلستان کی تصویر تھی۔ آپ نے صرف دوقومی نظریہ کی علمی تشریح وتعبیر پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنا وسیع حلقۂ عقیدت پیدا کیا' جس سے تعلق رکھنے والے بیسیوں علماء و مشائخ نے تحریک پاکستان کے دوران میں حضرت قائد اعظم کی بھرپور اعانت کی۔

اس دور میں جبکہ ہندو مسلم اتحاد کے داعی مسلم علماء اپنی تاویلات کے زور سے برصغیر میں بسنے والی تمام اقوام کو ملت واحدہ کا نام دے کر مسلم قومیت کے حقیقی تصوّر کو مسخ کر رہے تھے۔ علمائے حق اپنی پوری ایمانی قوت اور فکری و روحانی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ہندو نواز مسلم علماء کی اسلام دشمن کوششوں کو ناکام بنا رہے تھے۔ حضرت علامہ اقبال نے اسلامیوں کو ان کا فراموش کردہ سبق یاد دلاتے ہوئے کہا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ‌ ‌ ‌ خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

برصغیر میں علمائے حق کی نمائندہ مذہبی تنظیم ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے نام سے مسلم قومیت کا حقیقی تصوّر عوام کے سامنے پیش کرتے ہوئے پاکستان کی عظمت و اہمیت واضح کر رہی تھی۔ مسلمانانِ ہند کی اس عظیم مذہبی تنظیم نے مختلف ادوار میں عظیم الشان کانفرنسوں کا انعقاد کر کے کاروانِ حریت کی رفتار کو تیز سے تیز کر دیا۔ مراد آباد' اجمیر' بدایوں اور پھر بنارس میں منعقد ہونے والی سنی کانفرنسوں کے ذریعہ علماء و مشائخ کو تحریک پاکستان کے دوران میں پاکستان کے بنیادی محرکات کو عام کرنے اور اسلامی قومیت کی حقیقی تصویر عوام کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملا۔ ان سنی کانفرنسوں کو اعلیٰ مقاصد کی ترویج کیلئے کارآمد بنانے کا سہرا اعلیٰ حضرت کے دست راست صدر الافاضل حضرت محمد نعیم الدین مراد آبادی کے سر ہے' جنہوں نے حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی' حجۃ الاسلام حضرت حامد رضا خاں بریلوی اور امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری جیسے مشائخ عظام کے تعاون سے دو قومی نظریہ کی آبیاری کا فریضہ انجام دیا۔

marfat.com

آخری اور سب سے بڑی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے مقام پر قرارداد پاکستان (۱۹۴۰ء) کے ثمرات کو عام کرنے اور پاکستان کو اسلامیان ہندوستان کے دلوں کی مشترکہ آواز بنانے کیلئے منعقد ہوئی تھی۔

یہ کانفرنس ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوئی' اس کے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ پورے برصغیر کے اصحاب علم و حکمت اس کانفرنس میں شرکت کیلئے امنڈ پڑے۔ کانفرنس میں پانچ صد مشائخ' سات ہزار علمائے کرام اور تین لاکھ کے قریب عوام نے شرکت کی۔ صدر الافاضل نے وزارتی مشن لارڈ کرپس وغیرہ کو بھی دعوت دی کہ وہ بطور گورنمنٹ کے نمائندہ وفد کے مسلمانان ہند کی شوکت اور ان کے سیاسی مؤقف کو بچشم خود دیکھ لیں۔ سواد اعظم کے اجتماعی مؤقف اور مسئلہ پاکستان کی حمایت میں اتنا عظیم الشان اجتماع اس دور میں ایک تاریخی مثال تھا۔ مشائخ اہلسنت کا شوقِ عمل ملاحظہ ہو کہ پیرانہ سالی' ضعف اور نقاہت کے باوجود امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کانفرنس میں کرسی صدارت کو زینت بخشی۔ اس آل انڈیا کانفرنس میں شریک ہونے والے کس کس شیخ طریقت اور صاحب کمال عالم کا تذکرہ کیا جائے۔ متذکرہ بالا شخصیات کے علاوہ چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مجاہد اسلام پیر امین الحسنات مانکی شریف' حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف' مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی' شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی' شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی' مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی' غزالی زماں مولانا سید احمد سعید کاظمی' صدر الشریعت مولانا امجد علی اعظمی' مولانا عبدالحامد بدایونی' حضرت سید دیوان آل رسول علی خاں اجمیر شریف' مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد' مولانا ابوالبرکات سید احمد' محدث اعظم مولانا سردار احمد' حضرت حاجی مصطفیٰ علی بخشی۔

سوادِ اعظم کے سیاسی لائحہ عمل کی نمائندہ آل انڈیا سنی کانفرنس میں جس جماعتی مؤقف کا اعلان کیا گیا وہ یہ تھا:

''پاکستان ہماری زندگی ہے' اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں (خدانخواستہ) مسلم لیگ اگر مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو جائے تو آل انڈیا سنی کانفرنس اس مطالبہ سے دستبردار نہ ہوگی''۔

پاکستان کے متعلق جو قرارداد بالاتفاق منظور ہوئی وہ یہ تھی:

marfat.com

''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو''

اس کانفرنس کی قرارداد کی روشنی میں علمائے حقانیہ کا وہ کارواں جو پہلے ہی سے راست روی کا مظہر تھا اب اور زیادہ شدت خلوص کے ساتھ پاکستان کی منزل کے حصول کیلئے سرگرم کار ہو گیا۔ یہ علمائے حق ایک طرف تو انگریز اور ہندو کی سازشوں کے خلاف نبرد آزما تھے اور دوسری طرف انہیں کانگریس نواز علماء سے مقابلہ درپیش تھا' ان کانگریس نوازوں کا فکری ماحصل کچھ اس تلخ حقیقت کا آئینہ دار تھا:

کانگریسی مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے ۔۔۔ گاندھی کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

علمائے حق میں سے حضرت امیر ملت محدث علی پوری کا کردار خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آپ شیخ وقت' محدث عصر اور نامور عالم دین تھے۔ آپ نے پاکستان کے مؤقف کو برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ علامہ اقبال اور حضرت قائداعظم بھی آپ کی خدمات جلیلہ کے معترف تھے۔ آپ نے ۱۹۴۰ء میں قائداعظم کے نام تہنیتی پیغام میں فرمایا:

''فقیر نو کروڑ جمیع اہل اسلام ہند کے ساتھ دل و جان سے آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے اور آپ کی ترقی مدارج کیلئے دعا گو ہے''۔

قائداعظم سے ملاقات پر امیر ملت نے انہیں دو جھنڈے عطا فرمائے ایک جھنڈا سیاہ تھا جو کفر کا تھا اور دوسرا سبز جھنڈا مسلم لیگ کا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سبز جھنڈے کو تھامے رکھیں گے تو کامیابی ہمیشہ آپ کے قدم چومتی رہے گی۔ امیر ملت نے تحریک پاکستان کو قوت عطا کرنے کیلئے مسلم لیگ کی دل کھول کر مالی امداد کی۔ آپ کی نوازشات کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظم نے ایک بار لاہور کے جلسہ عام میں کہا تھا

''میرا ایمان ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا کیونکہ امیر ملت مجھ سے فرما چکے ہیں کہ پاکستان ضرور بنے گا اور مجھے یقین واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کو ضرور سچا کرے گا''۔

مشائخ کی فہرست میں ایک روشن نام حضرت خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی کا ہے' جنہوں نے اپنے بے شمار مریدین کے ساتھ تحریک پاکستان میں پوری فکری و عملی دلچسپی

marfat.com

کا مظاہرہ کیا۔ آپ کا شہرہ آفاق ہفت روزہ "منادی" مسلم لیگی مؤقف کی تبلیغ کیلئے وقف تھا۔ آپ نے کل ہند بنیادوں پر چشتی برادری قائم کی۔ اس میں اپنے تمام عقیدت مندوں کے علاوہ اہم سیاسی شخصیات کو بھی شمولیت کی دعوت دی۔ شرط یہ تھی کہ اس برادری کا ہر فرد مسلم لیگ کی حمایت کرے۔

ابوالکلام آزاد نے ان کی دعوت پر لکھا کہ چشتی برادری کا رکن تو بن سکتا ہوں مگر مسلم لیگ کی حمایت نہیں کر سکتا۔ خواجہ حسن نظامی نے ہی (۱۹۳۷ء) پہلی بار قائد اعظم کے نام خط میں انہیں ایک مسلم نیوز ایجنسی کے قیام پر آمادہ کرتے ہوئے ایک انگریزی روزنامہ کے اجراء کی ترغیب دی تا کہ مسلم لیگ مخالف پروپیگنڈا کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔ آپ نے ہی قائد اعظم کو اُردو میں دستخط کرنے کی مشق کروائی۔ تقسیم برصغیر کے بعد آپ کو بھارتی حکومت نے پاکستان نوازی کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ کچھ عرصہ کی نظر بندی کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں دہلی وفات پائی جب تک زندہ رہے پاکستان کیلئے دعا گو رہے"۔

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی بیک وقت عالم فاضل، ادیب خطیب صوفی شاعر پیر طریقت اور محدث تھے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ دیگر مشائخ کے ساتھ آپ نے تحریک پاکستان میں قائدانہ حیثیت سے کام کیا۔ بنارس اور اجمیر کی آل انڈیا سنی کانفرنسوں میں آپ کے خطبات تحریک پاکستان کی حمایت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ اجمیر کانفرنس کے خطبہ صدارت کے دوران میں آپ نے کہا "پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کی چڑ ہے اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے اور اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پینے ادا نہیں کرتا۔ حقیقت میں پاکستان کا رِسنیاں است۔ آپ کے یہ الفاظ اس قدر عام ہوئے کہ پوری ملت اسلامیہ کے لائحہ عمل کی صورت اختیار کر گئے۔ مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی حضرت فاضل بریلوی کے شاگرد رشید اور خلیفہ خاص تھے۔ آپ متعدد زبانوں کے ماہر، نامور مبلغ اسلام اور تحریک پاکستان کے بے لوث مجاہد تھے۔ آپ نے اپنے ہم مسلک دوسرے علماء کی طرح تحریک آزادی کا پورا پورا ساتھ دیا۔ بیرون ملک مصر، فلسطین، شام، لبنان، اُردن اور عراق کا دورہ کیا اور وہاں کے سیاستدانوں اور دانشوروں کو تحریک آزادی ہند کے تقاضوں سے آگاہ کیا۔ آپ نے پوری دُنیا کے تبلیغی دورے کئے۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت قائد اعظم نے انہیں اسلامی ممالک میں پاکستان کا نمائندہ بنا کر بھیجا۔

پنجاب میں آستانہ عالیہ سیال شریف کے سجادہ نشین شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خانوادۂ روحانیت سے وابستہ مشائخ چشت نے تحریک پاکستان کیلئے

marfat.com

اپنی تمام قوتیں وقف کر دیں۔ شیخ الاسلام سیالوی نے برطانوی استبدادیت کو للکارا اور اپنی قائدانہ جدوجہد کی بدولت صفحۂ تاریخ پر لازوال داستان رقم کر دی۔ اس جدوجہد میں حضرت پیر غلام محی الدین گولڑہ شریف‘ حضرت پیر محمد فضل شاہ‘ امیر حزب اللہ جلال پور شریف‘ حضرت پیر محمد شاہ بھیرہ شریف امیر جند اللہ‘ حضرت خواجہ غلام سدید الدین تونسوی خاص طور سے آپ کے شریک کار تھے۔ پنجاب کے بزرگانِ دین ہی میں سے شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے اور پھر قیام پاکستان تک اس کی معاونت فرماتے رہے۔ آپ نے تمام تحریکات آزادی میں حصہ لیا۔ جیلیں کاٹیں مگر پائے استقلال نہ ڈگمگایا‘ جب ۱۹۴۰ء میں اقبال پارک لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو آپ مولانا عبدالحامد بدایونی کے ساتھ اہلسنّت کی نمائندگی کرتے ہوئے اگلی صف میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھی مولانا عبدالحامد بدایونی نے جو کہ برصغیر کے نامور عالم دین اور تحریک پاکستان کے صف اوّل کے رٖاہنما تھے‘ اس تاریخ ساز اجتماع عام میں پُر جوش تقریر فرما کر نہ صرف اس قرار داد کی تائید کی بلکہ سواد اعظم کے فکری وعملی جذبات کی ترجمانی کا حق بھی ادا کر دیا۔

برصغیر پاک و ہند کے پیران عظام میں سے پیر سید امین الحسنات مانکی شریف اپنے غیر معمولی حلقۂ اثر کی بناء پر ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ آپ نے صوبہ سرحد میں کانگریس اور سرخ پوشوں کا زور توڑنے کیلئے طوفانی دورے کئے اور بالآخران کے طلسم کو پارا پارا کر کے رکھ دیا۔ اسی طرح پیر عبدالرحیم بھر چونڈی شریف اور آپ کے والد گرامی پیر عبدالرحمٰن کی گراں قدر خدمات بھی اظہر من الشمس ہیں۔ ان حضرات نے عملی طور پر قائداعظم کا ساتھ دیا۔ انہوں نے ایک جماعت احیاء الاسلام کی بنیاد رکھی اور پھر مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی میں قائداعظم کی موجودگی میں مع پانچ ممبران اسمبلی کے جو احیاء الاسلام کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے‘ اس جماعت کو مسلم لیگ میں ضم کر دیا۔

ان کے علاوہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی‘ سید مغفور القادری‘ پیر غلام مجدد سرہندی‘ مولانا عارف اللہ قادری میرٹھی کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر تاریخ پاکستان پر قلم اُٹھانے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسنات احمد قادری اور مفتی اعظم مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری جو کہ حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری کے فرزندانِ دلبند تھے۔ تحریک پاکستان کا افتخار اور اعزاز تھے۔ یہ محترم شخصیات جو کہ علم وفکر کا محور اور قیادت و سیادت کی خوبیوں سے بہرہ ور تھیں‘ ہمیشہ دوقومی نظریہ کی تبلیغ وتعمیر اور قیام پاکستان کے فکری محرکات کو عام کرنے کیلئے مصروف عمل رہیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دوقومی نظریہ کی پاسداری کا حق جس طریق سے مشائخ

marfat.com

وعلمائے حق نے انجام دیا۔ تاریخ برصغیر میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے دلوں میں عشق رسالت مآب رحمۃ اللہ علیہ کی شمع روشن تھی اور منزل مقصود عظمت اسلام تھی۔ وہ انگریز ہندو سمیت تمام غیر اسلامی قوتوں کے خلاف جہاد اپنا فرض اوّلین خیال کرتے تھے۔ راس کماری سے خیبر تک شمع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کروڑوں پروانے متحد ہو کر تحریک پاکستان کی مخالف قوتوں کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ مشائخ اپنے حجروں سے اور علمائے کرام اپنے فکری خلوت کدوں سے باہر نکل کر رسم شبیری کی ادائیگی کے مظہر بن کر اس شان سے پاکستان کے نظریاتی تشخص کی محافظت کا حق ادا کرنے لگے کہ پاکستان تصوّرات کے دھندلکوں سے نکل کر حقائق کی کرنیں لٹانے لگا۔ یہ انہی مشائخ وعلمائے حق کی بخشی ہوئی قوت تھی کہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے سب سے بڑے مسلمہ راہنما کے طور پر یہ باطل شکن اعلان کرنے کے قابل ہو گئے کہ:

''مسٹر گاندھی ونہرو اور ان کے ہمنوا یہ کہہ رہے ہیں کہ برصغیر میں صرف دو طاقتیں بستی ہیں انگریز اور ہندو۔ وہ تاریخ کی زبان سے سن لیں اور پہچان لیں کہ اس ملک میں ایک تیسری طاقت بھی بستی ہے اور وہ ہے مسلمان''۔

جس طرح رات کے سناٹوں میں سفر کرنے والے قافلے کے مسافر صرف ایک چاند کی روشنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لاتعداد ستاروں کی ضیا باریاں فراموش کر دیتے ہیں اور جس طرح تاج محل کی تعمیر کو فقط شاہجہان کا شہکار قرار دینے والے ان بے شمار مزدوروں اور معماروں کو بھول جاتے ہیں، جن کی ہڈیوں اور خون نے اس عمارت کیلئے اینٹوں اور گارے کا کام دیا تھا۔ اسی طرح ہمارے نام نہاد مؤرخین پاکستان کے وجود کو دو تین قائدین کا کارنامہ قرار دے کر ان محسنین کو فراموش کر دیتے ہیں، جنہوں نے اپنی فکری و روحانی اور عملی جدوجہد کی بدولت حضرت قائداعظم محمد علی جناح کو یہ قوت عطا کی کہ وہ انگریز ہندو اور کانگریس نواز علماء کی مشترکہ طاقت کے سامنے خود کو ناقابل تسخیر قائد اسلامیانِ ہند کی حیثیت سے پیش کر کے ان کے سحر باطل کا خاتمہ کر سکیں۔ آج ضرورت ہے کہ تحریک پاکستان کے مختلف ادوار کو قلم بند کرتے ہوئے ان مشائخ وعلمائے حق کی خدمات کو فراموش نہ کیا جائے، جنہوں نے ہر وقت اُمت اسلامیہ کی ناخدائی کرتے ہوئے اپنے عظیم اسلاف کی داستانِ جرأت وعزیمت کی یاد تازہ کر دی اور مسلم قومیت کے نخل ایمان کو اپنے خون وجگر سے سینچتے ہوئے اسے بہار جاودانی کا مظہر بنا دیا۔ زندہ قومیں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کیا کرتیں۔ ان مشائخ وعلمائے حق کی بے مثال جدوجہد آزادی کا اعتراف ہماری زندگی کا ثبوت بھی ہے اور ہماری پائندگی کی ضامن بھی۔

marfat.com

مآخذ و مراجع

۱۔ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس: محمد جلال الدین قادری

۲۔ اکابر تحریک پاکستان: محمد صادق قصوری

۳۔ تعارف علمائے اہلسنّت: محمد صدیق ہزاروی

۴۔ تحریک و تاریخ پاکستان: پروفیسر شیخ محمد رفیق

۵۔ اسلام اور قائد اعظم: محمد حنیف شاہد

۶۔ تاریخ نظریۂ پاکستان: پیام شاہجہان پٹوری

۷۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء: چوہدری حبیب احمد

۸۔ تذکرہ اکابر اہلسنّت: مولانا عبدالحلیم شرف قادری

۹۔ شاہراہ پاکستان: چودھری خلیق الزماں

۱۰۔ قائد اعظم کے ۷۲ سال: خواجہ رضی حیدر

۱۱۔ سات ستارے: محمد حسین بدر

۱۲۔ تاریخ پاکستان سے تحریک پاکستان تک: پروفیسر محمد اکرم رضا

۱۳۔ سیرت امیر ملت: پروفیسر محمد طاہر فاروقی

۱۴۔ تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند: محمد فاروق القادری

۱۵۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات: پروفیسر مسعود احمد

۱۶۔ مشاہیر جنگ آزادی: مفتی انتظام اللہ شہابی

۱۷۔ حیاتِ صدر الافاضل: مولانا غلام معین الدین نعیمی

۱۸۔ الخطبات الاشرفیہ: سید محمد محدث کچھوچھوی

۱۹۰۔ آزادیٔ ہند: رئیس احمد جعفری

۲۰۔ آئی وٹنیس آف ہسٹری (انگریزی): مختار مسعود

۲۱۔ اسلام ان انڈو پاکستان (سب کنسلیمنٹ) (انگریزی) میاں عبدالرشید

marfat.com

حضرت علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

جہاں ان پہ نازاں تو نازاں ہے حکمت
ہیں امجد علی اعظمی جانِ حکمت
"بہار شریعت" کا تحفہ دیا ہے
بڑی شان والے ہیں صدر شریعت
نبی کی غلامی کو اعزاز سمجھا
یہی ان کی سب سے بڑی ہے سعادت
مفسر، محدث، مصنف تھے امجد
خدا کی ہے ان پر ہر اک آن رحمت
ہیں شاگرد ان کے ستاروں کی صورت
جو روشن ہوئے صورت شمع فطرت
قلم سے کبھی اپنا رشتہ نہ توڑا
دلوں پہ ہے نقش ان کی شان عزیمت
رضاؔ ان کی توصیف کیا کر سکے گا
سمجھتے تھے قدر ان کی خود اعلیٰ حضرت

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

صدر الشریعت

حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

یہ کائنات اس حقیقت کی شاہد ہے کہ شہرت کی دیوی کسی پر بلاوجہ راتوں رات مہربان نہیں ہوتی۔ عزت' شہرت اور ناموری حاصل کرنے کیلئے جگر کو خون کرنا پڑتا ہے' برسوں تک نیند حرام کرنا پڑتی ہے' غیر معمولی مطالعہ اور فکری عمل جاری رکھنا پڑتا ہے۔ قرآن و حدیث سے جواہر ہائے صد زنگ چننا پڑتے ہیں۔ اسلامی فقہ اور دینی مسائل کی انتہاؤں کو چھونا پڑتا ہے' پھر کہیں وہ وقت آتا ہے کہ علم و ادب کا شیدائی عزت و وقار کی دنیا میں مہر منور کی صورت چمکنے لگتا ہے کیونکہ:

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

صدر شریعت او راسلامی فقہ کے انتہائی مقتدر عالم ہیں۔ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ایسے ہی عظیم لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنی غیر معمولی علمی فضیلت اور دینی ریاضت اور تدریسی مہارت کی بدولت آفتاب جہاں تاب بن کر چمکے اور اس شان سے چمکے کہ ایک زمانہ گزر جانے کے باوجود ان کی شان اور عزت و توقیر میں کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یوں تو آپ نے متعدد فقہی تصانیف پیش کیں۔ ایک بہت بڑا کارنامہ حضرت امام احمد رضا خاں سے قرآن مجید کا تاریخی مقام رکھنے والا ترجمہ لکھوانا ہے اور دوسرا کارنامہ ''بہار شریعت'' کے نام سے متعدد حصوں پر مشتمل فقہ اسلامی کی ایسی تاریخ دستاویز پیش کرنا ہے جس کی نہ پہلے مثال موجود تھی اور نہ اب تک نظر آتی ہے۔ ''بہار شریعت'' کا مقام اس قدر سربلند ہے کہ اس کا نام لیتے ہی مصنف اور کتاب دونوں دلوں کے ایوانوں میں جگمگانے لگتے ہیں۔

''بہار شریعت'' کا سبب تالیف حضرت مولانا امجد علی اعظمی کی اپنی تحریر سے ملاحظہ کیجئے:

''فقیر بارگاہ قادری ابوالعلا امجد علی اعظمی رضوی رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتا ہے کہ زمانہ کی حالت نے اس طرف متوجہ کیا کہ عوام بھائیوں کیلئے صحیح مسائل کا ایک سلسلہ عام فہم زبان میں لکھا

marfat.com

جائے، جس میں ضروری روزمرہ کے مسائل ہوں، باوجود بے فرصتی اور بے مائیگی کے "توکل علی اللہ" اس کام کو شروع کیا۔ ایک حصہ لکھنے پایا تھا کہ یہ خیال ہوا کہ اعمال کی درستی عقائد کی صحت پر متفرع ہے اور بہتیرے (بہت سے) مسلمان ایسے ہیں کہ اصول مذہب سے آگاہ نہیں۔ ایسوں کیلئے سچے عقائد ضروری کے سرمایہ کی بہت شدید حاجت ہے۔ خصوصاً اس پُر آشوب زمانہ میں کہ گندم نما جو فروش بکثرت ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں بلکہ عالم کہلاتے ہیں اور حقیقتاً اسلام سے ان کو کچھ علاقہ نہیں۔ عام ناواقف مسلمان ان کے دام تزویر میں آکر مذہب اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا اس حصہ یعنی کتاب الطہارۃ کو اس سلسلہ کا حصہ دوم کیا اور ان بھائیوں کیلئے اس پہلے حصہ میں اسلامی سچے عقائد بیان کئے۔ امید کہ برادران اسلام اس کتاب کے مطالعہ سے ایمان تازہ کریں اور اس فقیر کیلئے عفو و عافیت دارین پر خاتمہ کی دعا فرمائیں۔

حضرت علامہ کا اسم گرامی محمد امجد علی اعظمی تھا۔ والد محترم کا نام حکیم جمال الدین بن مولانا خدا بخش تھا۔ آپ بمقام گھوسی پیدا ہوئے۔ آپ کا سال ولادت ۱۲۹۶ھ بمطابق ۱۸۷۶ء ہے جبکہ وصال ۲ ذیقعد ۱۳۶۷ھ بمطابق ۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ آپ بلاشبہ حجۃ العصر تھے۔ شریعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر حاضر میں مؤثر ترین ترجمان تھے۔ آپ علمی لحاظ سے ایسے بلند قامت تھے کہ آپ پر صرف آپ کے ماں باپ یا شہر اور علاقہ کو ہی فخر نہیں ہوتا بلکہ آپ جیسی شخصیت ہر خطہ اور ہر ملک کا اعزاز بن جاتی ہے۔

چودھویں صدی ہجری کا دامن ان کی علمی و دینی خدمات سے لبریز ہے۔ انہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے ایک عہد کو روشن کیا ہے اور خدمات جلیلہ کے لافانی نقوش سے دامن گیتی کو مالا مال فرمایا ہے۔ ان کا عہد آفریں کارنامہ علوم اسلامیہ کے انحطاطی دور میں صاحبان کمال پیدا کرنا ہے جو مستقبل کے ہندو پاک میں اسلام وسنیت کے معمار ثابت ہوئے اور جن کے دم سے مذہب حقہ کا بھرم قائم رہا۔

صدر الشریعہ کے آباؤ اجداد علوم وفنون اسلامیہ کے دلدادہ تھے۔ والد ماجد اور جد امجد کو علم طب میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی اس کے بعد اپنے چچازاد بھائی حضرت مولانا صدیق علیہ الرحمۃ سے عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور پھر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری متوفی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کی درسگاہ میں حاضر ہوئے۔ ان دنوں مدرسہ حنفیہ جونپور سے حضرت استاذ الاساتذہ کے فیضان علمی کا باڑا بٹ رہا تھا اور علوم شرقیہ

marfat.com

کے متلاشی دور دراز سے شیراز ہند کا رُخ کر رہے تھے۔ استاذ الاساتذہ کی فیض رساں درسگاہ سے اس دور کے ماہرین علوم برآمد ہوئے۔ ایک سے ایک یکتائے روزگار نے استفادہ کیا۔ حصول علم کی راہ میں تلمیذ کی سعادت مندی بڑی اہم چیز ہوتی ہے جو مشفق اساتذہ کو بخوشی اپنے سینے کے علمی جواہر تلمیذ کے دامن میں انڈیلنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

صلاحیت فکر' ذہن رسا' محنت شاقہ اور لگن کے ساتھ ساتھ جن طلبا کو اساتذہ کی بارگاہ میں سعادت مند باادب اور خدمت گذاری کی توفیق مل گئی وہ اپنے زمانے میں آفتاب بن کر چمکتے ہیں۔ صدر الشریعہ کو حضرت استاذ الاساتذہ اور اپنے تمام مربیوں سے ایسی ہی نسبت تھی۔ استاذ الاساتذہ کا صدر الشریعہ کے بارے میں یہ فرمان نہایت اہم ہے:

''شاگرد ایک ہی ملا' وہ بھی بڑھاپے میں''

صدر الشریعہ نے استاذ الاساتذہ سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔ مدرسہ حنفیہ امام بخش جونپور میں آپ ۲ شوال ۱۳۱۴ھ کو داخل ہوئے تھے۔ اپنے وطن گھوسی سے اعظم گڑھ تک پیدل چل کر اور وہاں سے اونٹ گاڑی کے ذریعہ جونپور تک کا سفر ہوا کرتا تھا۔

صدر الشریعہ نے جس چشمہ علم و آگہی سے سیرابی حاصل کی۔ علامہ سلیمان اشرف سابق صدر شعبہ دینیات علی گڑھ (متوفی ۱۳۵۸ھ) اس بارے میں اس طرح فرمایا کرتے:

''استاذ گرامی حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں صاحب قدس سرہٗ یوں تو تمام طلبہ پر عنایت فرمایا کرتے تھے لیکن تین اشخاص مولانا صدیق (برادر بزرگ صدر الشریعہ) مولانا محمد علی اور سلیمان اشرف پر حضرت کی خاص الخاص نظر کرم تھی' چاہتے تھے کہ جو کچھ میرے سینے میں ہے نکال کر ان سب کو بخش دوں''۔

جونپور سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو علم حدیث وغیرہ کی تکمیل کا اشتیاق ہوا اور پیلی بھیت کے محدث وقت کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ اس سفر کیلئے استاذ الاساتذہ نے حافظ الحدیث حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی (متوفی ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کے نام تعارفی خط تحریر فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا:

''میں اپنا ایک مخصوص عزیز طالب علم آپ کے پاس بھیجتا ہوں اس کی تعلیم پر توجہ فرمائیں''۔

حضرت محدث سورتی قدست اسرارہم نے بھی اس گوہر شب تاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور علوم نبویہ کے مخانہ سے خوب خوب سیراب فرمایا اور اپنے اس تلمیذ کے کمال حصول کی داد خود محدث سورتی نے ان الفاظ میں دی ہے:

marfat.com

"مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی"

"صدر الشریعہ" نامی کتابچہ مطبوعہ دائرہ المعارف الامجدیہ گھوسی مطبوعہ ۱۹۷۶ء میں ہے کہ:
"حجۃ العصر شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کی علمی صلاحیت و حسن لیاقت کا اندازہ ذیل کی تحریر ہو سکتا ہے جو مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت نے تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں شائع کی تھی۔ ۶ ذی الحجہ کو بحمدہٖ تعالیٰ طلبہ کا امتحان حضرت مولانا مولوی شاہ محمد سلامت اللہ صاحب رامپوری دام فیضہ نے لیا۔ مولوی امجد علی صاحب نے بعد فراغ کتب درسیہ کے نہایت جانفشانی و کمال مستعدی سے سال بھر میں صحاح ستہ' مسند شریف' کتاب الآثار شریف' مؤطا شریف' طحاوی شریف کا قرأۃ و سماعۃ درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا۔ جس کے باعث ممتحن صاحب و حاضرین نہایت شاداں اور ان کی حسن لیاقت وفہم و ذکاوت سے بہت فرحاں ہوئے اور دستار فضیلت زیب سر کی گئی۔ (ضیاء الدین مہتمم مدرسہ)

محدث سورتی کی درسگاہ سے فراغت کے بعد لکھنو محلہ جھوائی ٹولہ کے حکیم عبدالولی صاحب سے علم طب کا درس لیا۔ کم وبیش تین سال تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں خدمت درس پر مامور رہے۔ ایک سال پٹنہ میں رہ کر مطب کیا' مگر قدرت کو ان سے معالج امراض جسمانی کا نہیں بلکہ امراض روحانی وقلبی کے علاج اور ملت بیمار کی مسیحائی کا کام لینا مقصود تھا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دارالعلوم منظر اسلام کیلئے قابل مدرس کی ضرورت تھی۔

حضرت محدث سورتی نے ان کا نام پیش کر دیا اور انہیں پٹنہ سے بریلی شریف جانے کا حکم دیا۔ علم اپنے اندر جو حرارت رکھتا ہے' صدر الشریعہ کی ذات پر اس کے اثرات ظاہر تھے' صدر الشریعہ نے طب کا علم حاصل کر کے پٹنہ میں مطب اس ارادہ سے کھولا تھا کہ وہ علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتے تھے۔ یہ اُن کے گوناگوں صفات اور علمی حمیت کا اثر تھا۔ بریلی پہنچ کر علم سے تپیدہ سینہ کو عرفان و احسان کا سایۂ کرم مل گیا اور صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کا دست مبارک تھام کر اپنا مقصود حیات پا لیا۔ علم وفضل کے پیکر پر معرفت و حقیقت کا رنگ چڑھنے لگا اور صدر الشریعہ کی شخصیت دوآتشہ بن گئی۔ بریلی شریف میں صدر الشریعہ منظر اسلام کے معلم و مدرس کی حیثیت سے آئے تھے مگر اس دور کی شہرۂ آفاق درسگاہوں سے باعزاز فراغت کے باوجود صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کے حضور روحانی و وہبی علوم کے حصول کے واسطے طفل مکتب کی حیثیت اپنا لی۔ ادب شناس'

marfat.com

آسودۂ علم امجد علی کو امام اہلسنت کی صحبت نے گوہر شب تاب بنا کر عشق و آداب رسول کا معلم بنا دیا اور "صدر الشریعہ" کا لقب مرحمت فرمایا۔ شیخ کامل نے فیوض و برکات کی داد و دہش سے فقیہ عصر کے منصب پر لا کھڑا کیا۔ فخر سے خود فرمایا:

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

علامہ بدر القادری لکھتے ہیں:

اسلام و سنیت کی انتھک خدمت اور بارگاہ شیخ کامل کے فرائض کی ادائیگی میں صدر الشریعہ کے غایت انہماک نے انہیں کام کی مشین بنا دیا تھا۔ منظر اسلام میں خدمت تدریس، مطبع اہلسنت کا انتظام، جماعت رضائے مصطفٰے کے فرائض مفوضہ کی ادائیگی، فتویٰ نویسی، رسائل و کتب کی پروف ریڈنگ اور خدمت مرشد میں حاضری صدر الشریعہ کی ذمہ داریاں تھیں۔

صدر الشریعہ کو امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں تقرب خاص کا مقام حاصل تھا۔ وہ امام وقت کے عرفان کی دولت سے مالا مال تھے۔ امام احمد رضا کے پیکر میں پوشیدہ عبقری شخصیت کو انہوں نے پہچان لیا تھا، اس لئے خلوت و جلوت میں حاضری اور اکتساب فیوض میں پیش پیش رہتے، اسی لحاظ سے آپ پر اعلیٰ حضرت کی چشم التفات بھی تھی۔

فاضل بریلوی کا فقید المثال ترجمہ قرآن "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء صدر الشریعہ کی سعی بلیغ کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اس ترجمہ کی تحریک کی اور بات یہ طے ہوئی کہ روزانہ وقت فرصت صدر الشریعہ حاضر ہوتے۔ آیات قرآنیہ کی تلاوت ہوتی اور فاضل بریلوی برجستہ ترجمہ ارشاد فرماتے جاتے اور یہ لکھتے جاتے:

اعلیٰ حضرت کے آخیر ایام تک حضرت صدر الشریعہ لبہائے امام سے جھڑنے والے در و موتی کو سمیٹتے رہے۔

مولانا حسنین رضا خاں مرتب وصایا لکھتے ہیں:

"مولانا امجد علی صاحب نے چھ وصایا شریف قلمبند کئے تھے جو حضور اقدس نے القاء فرمائے تھے"

صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اٹھارہ سال کا زمانہ گزارا اور تفقہ فی الدین میں کمال حاصل کیا۔ بہار شریعت حصہ سوم پر اپنے قابل فخر خلیفہ کے بارے میں امام احمد رضا کا

marfat.com

فرمان ہے:

''امجد علی کو درس نظامی کے تمام فنون میں کافی دسترس حاصل ہے اور فقہ میں تو ان کا پایہ بہت بلند ہے''

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے حالات اور ضرورت دینی کے پیش نظر بریلی شریف میں پورے ملک ہندوستان کیلئے (جس میں موجودہ پاکستان و بنگلہ دیش بھی شامل تھا) شرعی دارالقضاء قائم فرمایا تھا اور اس کیلئے تمام مشاہیر علماء ہند و مفتیان عصر میں سے صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کو احکام شرعی کے نفاذ اور مقدمات کے فیصلہ کے واسطے قاضی شرع مقرر فرمایا تھا۔ اس اہم کام کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت نے کتنا اہتمام فرمایا۔ حضرت برہان الملت (علیہ الرحمۃ) کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

''ایک دن صبح قریب نو بجے اعلیٰ حضرت مکان سے باہر تشریف لائے۔ تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا' ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لئے فرما رہے ہیں پھر حضور امام اہلسنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں آج بریلی میں دارالقضاء شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں''۔

اور انہیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انہیں بٹھا کر فرمایا ''میں آپ کو ہندوستان کیلئے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں''۔

مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں' جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کر سکتا ہے' وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے۔ پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے' جن کا اقرار حضرت صدر الشریعہ نے کیا۔ اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اس مسند پر حضرت صدر الشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا میں نے تمہارے فتوے دیکھے' افتاء کیلئے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے' میں تمہیں مسند افتاء پر بٹھا کر دارالقضاء شرعی کیلئے مفتی مقرر کرتا ہوں' اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر پھر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''دارالقضاء شرعی کیلئے قاضی شرع مولانا امجد علی اعظمی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتویٰ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ آج سے تم دونوں ہندوستان کے دارالقضاء شرعی' مرکز بریلی میں'

marfat.com

مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کئے جاتے ہو ہم دونوں سے کچھ کلمات فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سر نیاز خم کیا اور اُٹھ کر ہم نے اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کی۔ اعلیٰ حضرت نے دست مبارک اُٹھا کر بہت دیر تک دعا فرمائی۔ حضرت امجد علی اعظمی نے دوسرے روز ہی کام شروع کر دیا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے عنوان شباب ہی سے تدریسی خدمات شروع کی تھیں اور آخری دور تک کرتے رہے۔ بریلی شریف منظر اسلام کے زمانے میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کی ضرورت نے پکارا۔ آپ مرشد کا آستانہ چھوڑ کر کہیں اور نہیں جانا چاہتے تھے مگر ضرورت دینی سے جانا پڑا۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء میں اجمیر شریف گئے اور ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء میں بریلی شریف آ گئے۔ تین سال بعد دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں علی گڑھ کی دعوت پر تشریف لے گئے اور وہاں سات سال تک علم وفن کے موتی لٹاتے رہے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی‘ جو نہایت متبحر علمی شخصیت کے مالک تھے اور ایک دور میں حیدر آباد دکن میں وزیر برائے مذہبی امور کے درجہ پر فائز تھے اور درس و تدریس کی اعلیٰ قدروں سے آگاہ تھے۔ صدر الشریعہ کے تلامذہ نے ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء میں جب امتحانات میں اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ثبوت دیا تو نواب صدر یار جنگ نے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے صدر الشریعہ کے تدریسی ملکہ کا اعتراف کیا۔

تقریر کی ابتداء اس طرح کی کہ خطبہ کے بعد سب سے پہلے حضرت صدر الشریعہ کو مخاطب کیا۔ پھر حاضرین علماء و طلبہ و دیگر حضرات کی جانب متوجہ ہوئے۔ بانی مدرسہ اور منتظمہ کے بارے میں چند جملے کہنے کے بعد آپ نے اس زمانے کے فارغین و مدرسین میں استعداد کی قلت اور سطحیت کو شکوہ کیا۔ پھر ملک کے عربی مدارس اور ان کے سرکاری بورڈ کے ذریعہ ہونے والے امتحانوں پر سخت تنقید کی اور اس کے خلاف صحیح رُخ پر اسلامی علوم کا احیاء کرنے والی چند شخصیتوں میں حضرت صدر الشریعہ کے وقار علمی کا زبردست خطبہ پڑھا‘ فرمایا

”مدارس عربیہ میں یہ جو امتحانات‘ مولوی‘ مولوی فاضل‘ منشی‘ منشی فاضل‘ یونیورسٹیوں کے دلائے جاتے ہیں آپ یقین کیجئے کہ وہ ایک بلاء ہے اور طاعون کی طرح ایک وبائے عظیم ہے۔ یہ چیز علوم دینیہ کی بربادی کا سبب ہے‘ جس سے گریز اشد ضروری ہے۔ یہاں سے جو چند طلبہ کی دستار بندی کی گئی اور اسناد عطا کی گئیں وہ قابل شکر ہے۔ حضرات! آج کل مدارس بہت ہیں‘ مدرس بہت طلبہ بہت ہیں‘ ہندوستان کے مختلف مدارس میں پھرا اور دیکھا مگر واقعہ یہ ہے کہ ملک کے ایک گوشہ

marfat.com

سے دوسرے گوشے تک پھر جایئے اور مدرس تلاش کیجئے۔ صحیح معنوں میں مدرس نہیں ملیں گے۔ میرا جو ذاتی تجربہ ہے وہ یہ کہ جس کو مدارس کہتے ہیں وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں۔ ان چار پانچ میں سے ایک مولوی امجد علی صاحب ہیں' ان کے ہاتھ سے طلبہ کا فاضل ہونا اور اسناد پانا صاف بتلا رہا ہے کہ ان میں ضرور استعداد ہے' نام کے مولوی نہیں ہیں

(روداد مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ ۱۳۵۷ھ'۱۳۵۸ھ)

دادوں کے اسی مدرسہ میں مولانا عبدالشاہد خان شیروانی نائب مدرس تھے' انہوں نے صدر الشریعہ کے بارے میں اظہار خیال کیا:

''مولانا محمد امجد علی اعظمی' سات سال سے صدر مدرس تھے' بریلی اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔ کہنہ مشقی کی بنیاد پر درسیات پر پوری مہارت رکھتے تھے''۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۴۳ء میں دادوں سے اپنے وطن کے قریب بنارس کچی باغ کے مدرسہ مظہر العلوم میں ایک سال قیام کیا مگر شیخ کی ڈیوڑھی چھوڑ کر کہیں قرار نہ ملا۔ بالآخر ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۴۵ء میں پھر بریلی شریف لوٹ آئے اور درس و تدریس' تصنیف و تالیف میں مصروف ہوئے۔

مہارت تدریس

حضرت صدر الشریعہ صرف ایک کامل مدرس ہی نہیں بلکہ تدریسی و دینی اخلاص مندی کا عظیم مرقع تھے۔ اپنے طلبہ کو علم و آگہی کے ساتھ ساتھ خلوص وللّٰہیت کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی پڑھاتے اور سکھاتے تھے۔ ذہن و دماغ کو علم کی روشنی تو دیتے ہی تھے' اخلاق و کردار کو قرآن و سنت کا پیکر محسوس بنانا بھی جانتے تھے۔ ان کی درسگاہ کے باوقار فضلاء اس بات کی منہ بولتی تصویر ہوتے تھے اور اُن روشن میناروں کو ہندو پاک کے لاکھوں کروڑوں بسنے والوں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ صدر الشریعہ کے نام اور تلامذہ جن کے دیکھنے سے نگاہیں روشن اور دل دولت ضمانت پاتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں ایسے ایسے نامور علمائے دین اور فقہاء سامنے آتے جنہوں نے دنیائے علم وعمل کو مالا مال کر دیا۔ ان میں سے ہر فرد ایک لائبریری اور دبستان حکمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اظہار تبرک کیلئے فقط چند کے نام تحریر ہیں:

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد لائل پور' حضرت علامہ غلام جیلانی گھوسی براؤن شریف' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی' حضرت علامہ مولانا حشمت علی پیلی بھیت' شیخ الحدیث مولانا عبدالمصطفیٰ گھوسوی' حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری' حضرت مولانا شمس الدین جونپوری'

marfat.com

حضرت مولانا اعجاز ولی کراچی' مولانا تقدس علی خاں سندھ' حضرت مولانا سید آل مصطفےٰ اوروی۔ ایک طویل فہرست تھی جس میں ہم چند اسمائے گرامی پر اکتفا کررہے ہین

صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے پہلا حج قیام بریلی کے دوران ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۲۲ء میں کیا اور وہاں سے فارغ ہو کر زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز ہوئے۔ اسی سفر حرمین کے دوران آپ کی ملاقات حضرت علامہ الشیخ سلیمان جزولی علیہ الرحمہ سے ہوئی۔ علامہ جزولی' عظیم ترین فاضل اور صاحب نسبت بزرگ تھے' انہوں نے صدر الشریعہ کو دلائل الخیرات کی اجازت دی اور اجازت نامہ میں انہیں عالم و فاضل تحریر فرمایا۔

جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام ہوا اور اس کو مسلمانوں کے لئے ایک تدریسی و تہذیبی ادارہ کی حیثیت دی جانے لگی تو ضروری تھا کہ علوم اسلامیہ کیلئے بھی اس میں باقاعدہ انتظامات ہوتے۔ یہ تو نہ ہو سکا البتہ شعبہ دینیات کے نام سے ایک شعبہ کی منظوری عمل میں آئی اور اس کے نصاب تعلیم کے بارے میں فروری ۱۹۲۶ء میں ملک بھر کی علوم آگاہ شخصیتوں کا ایک اجتماع ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت صدر الشریعہ کو بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ارباب حل وعقد کی جانب سے دعوت ملی اور آپ بھی نصاب تعلیم مرتب کرنے والے اس اجتماع میں تشریف لے گئے۔

اس شعبہ کے ارکان ذیل حضرات تھے" نواب صدر یار جنگ' مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی' مولانا سلیمان اشرف صاحب صدر علوم مشرقیہ مسلم یونیورسٹی' مولانا مناظر احسن صاحب استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد و مولانا امجد علی صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر اور خاکسار اور مولانا عبدالعزیز صاحب میمن راجکوٹی استاذ ادبیات عربی مسلم یونیورسٹی نے بھی خاص خاص موقعوں پر شرکت کی"۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر علوم مشرقیہ علامہ محمد سلیمان اشرف صاحب علیہ الرحمۃ صدر الشریعہ کے تبحر علمی کے دل سے معترف تھے' صدر الشریعہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میرے علم میں مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ علیہ الرحمۃ
(علامہ ہدایت اللہ رامپوری) کی صرف آپ ہی یادگار ہیں"

بہار شریعت

صدر الشریعہ کو رب تعالیٰ نے تصنیف کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ قیام بریلی کے زمانے سے کثرت مشاغل سے کچھ وقت نکال کر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۴۳ء تک کے زمانے میں آپ نے شریعت کے مسائل مفتی بہ اور جزئیات پر محتوی ۲۷۶۷ صفحات پر مشتمل عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا "بہار

marfat.com

شریعت'' تیار فرما دیا' جس کے چھ حصوں کو امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حرف حرف سنا تھا اور بعض پر تقریظ لکھی تھی۔

فتاویٰ امجدیہ

متوسط سائز کے سترہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۳۴۰ سے شوال ۱۳۶۷ھ تک کے اہم فتاوے درج ہیں۔ دو جلدیں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ بحمد اللہ اب چاروں جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

حاشیہ شرح معانی الآثار

امام ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کی عظیم تصنیف جامع حدیث و فقہ مقبول ترین کتاب کا حاشیہ ہے۔ علامہ طحاوی کی اس کتاب کی عظمت کا اعتراف ان کے ہم عصر اور بعد کے علماء نے جی بھر کر کیا ہے۔

صدر الشریعہ نے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں اس کے تحشیہ کا کام (بزبان عربی) شروع کیا اور سات ماہ کے قلیل عرصہ میں نصف اوّل پر حاشیہ لکھ ڈالا جو باریک قلم سے ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ ۵۳۔۳۶ سطریں لئے ہوئے ہے۔

قامع الواہیات فی جامع الجزئیات

صدر شریعت نے یہ رسالہ عربی زبان میں تحریر کیا ہے جو ان کی علمی عظمت کا زندہ ثبوت ہے۔ غرض صدر الشریعت حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی کی شخصیت ایک بحر العلوم کی سی تھی۔ وہ بحر العلوم کہ جب کناروں سے اُچھلتا ہے تو بنجر زمینوں کو سیراب کر کے وہاں گل و لالہ کا اہتمام کر دیتا ہے۔ اس بحر العلوم نے دینی علوم کے فیوض سے محروم دلوں کو اسلامی علوم اور تعلیمات ایمانی و قرآنی سے جگمگا دیا۔ آپ کی کس کس حیثیت اور ادا کا ذکر کیا جائے۔ آپ شیخ طریقت تھے' یگانہ روزگار عالم دین اور محدث و مفسر تھے' شاگردوں کو اوج ثریا سے زیادہ بلند پر پہنچا دینے والے استاد محترم تھے' رہبر راہ عمل تھے' مرکز طالبان شوق' ایک فرد واحد کی حیثیت سے زمانے کو اتنا کچھ دے گئے کہ بڑی بڑی جامعات بھی نہیں دے سکتیں۔

دلوں کو عظمتوں کے رازداں صدر الشریعت تھے وقارِ علم' میر کارواں صدر الشریعت
دلوں کو زندگی بخشی' جہاں کو نور حق بخشا فروغِ علم کی روحِ رواں صدر الشریعت تھے

marfat.com

محدث اعظم پاکستان

حضرت مولانا سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ایک یاد ...... ایک ایمان افروز خطاب

محدث اعظم پاکستان، دانائے راز حضرت مولانا محمد سردار احمد فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا چھیڑا، قرطاس وقلم خوشبو سے مہکنے لگے، جذبات کو عنبر بیز ہونے کا احساس ہوا تو احساسات اس رجل رشید کے ذکر جاں نواز سے مشکبو ہو گئے۔ میں نے حضور محدث اعظم کی دو مرتبہ زیارت کی اور یہ شرف زیارت میری زندگی کی عظیم ترین سعادت میں ڈھل چکا ہے۔ محدث اعظم پاکستان کا ذکر میرے لبوں سے ادا ہونے سے پہلے ہی میرے صفحۂ دل پر ان کی علمی و فقہی لحاظ سے ہمالہ صفت شخصیت کے حسین وجاذب نظر خدوخال اُجاگر کرنے لگتا ہے۔ آج کی اس تحریر میں ایک دلآویز یاد کی چند جھلکیاں قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔

یہ غالباً اپریل ۱۹۶۱ء کی بات ہے۔ میں نویں جماعت کا طالب علم تھا، اچانک گھر میں ذکر چھڑا کہ محدث اعظم مدرسہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم سے فارغ التحصیل ہونے والے حفاظ اور علماء کی دستار بندی کیلئے مرکزی جامع مسجد زینت المساجد گوجرانوالہ میں تشریف لا رہے ہیں۔ دل زیارت کیلئے مچل اُٹھا، حضرت محدث اعظم کو دیکھا نہیں تھا مگر مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت و ارادت کے سبب آپ کے دبستان علم و حکمت سے فیضیاب ہونے والا ہر شاہباز علم و حکمت میرے لئے لائق صد تعظیم تھا۔ اعلیٰ حضرت سے محبت مجھے ورثہ میں عطا ہوئی تھی۔ ہمارا گاؤں شہر سے سولہ میل دور تھا۔ راستے میں میلوں تک سیلاب کے پانی کی حکمرانی، ذرائع سفر نہ ہونے کے برابر مگر محدث اعظم کی محبت نے کسی مشکل کا احساس نہ ہونے دیا اور مجھ سا طالب علم سرِ شام ہی زینت المساجد پہنچ گیا۔

اس دو روز سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کے بہت سے مقررین تھے۔ مناظر اہلسنت مولانا عنایت

marfat.com

اللہ مرحوم' حضرت قبلہ مفتی اعجاز ولی مرحوم' سلطان الواعظین مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں' سرمایہ سنیت مولانا محمد عمر اچھروی مرحوم سمیت بہت سی شخصیات اس تقریب کی زینت تھیں مگر نگاہیں ان بزرگوں کے حضور ارمغانِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب و مطلوب محدث اعظم علیہ الرحمۃ کو ڈھونڈ رہی تھیں کہ:

ع...... عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

رات دس بجے کے قریب حضور محدث اعظم زینت المساجد پہنچے تو چاروں طرف عقیدت و احترام کی کہکشاں بکھرنے لگی۔ ہر سو انسانوں کا ہوم اُمڈا ہوا تھا۔ یہ عشاق کی بارات تھی۔ اس وسیع و عریض مسجد کا اندرونی حصہ' برآمدے' صحن' چھت اور گلیاں حضرت محدث اعظم کے عقیدت مندوں سے اٹی ہوئی تھیں۔ ہر شخص بے چین و مضطرب تھا کہ اس بطل جلیل کی ایک جھلک دیکھ لے' جس نے ایک قلیل مدت میں خطہ پنجاب کو عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تقاضوں سے بہرہ ور کر دیا تھا۔ محدث اعظم تشریف لاتے ہی سٹیج پر جلوہ افروز ہو گئے۔ سٹیج پر علماء کا ہجوم تھا' محدثِ اعظم کرسی پر تشریف فرما تھے۔ چہرے پر نورِ ایمان رقصاں تھا' سفید لباس زیب تن تھا' سر پر نسواری رنگ کی کلاہ تھی اور اسی رنگ کا ایک کپڑا گلے میں حمائل تھا۔ حسین وجمیل چہرہ جس میں پنجاب کی قدرتی ملاحت بھی شامل تھی' ریش مبارک چہرے کے حسن کو دو چند کرتی ہوئی' آنکھیں اسرارِ فطرت کی گہرائیوں میں جھانکتی ہوئیں۔ علمائے کرام باری باری اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے مگر سامعین کی بے قراری حضور محدثِ اعظم کے اعجاز نطق کی منتظر تھی۔ نظامت و نقابت کے فرائض میزبان محفل امیر جماعت رضائے مصطفےٰ' حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق اپنے مخصوص انداز میں انجام دے رہے تھے۔

بالآخرہ وہ ساعتِ سعید آ پہنچی جس کیلئے سب ہمہ تن گوش تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے شب قبلہ محدثِ اعظم کا خطاب شروع ہوا تو سامعین نے سانسیں روک لیں۔ احترام آمیز سکوت چھا گیا' ایک بے کراں خاموشی جس میں فقط محدثِ اعظم پاکستان کی آواز گونج رہی تھی۔ آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد یہ آیت قرآنی تلاوت کی:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم۔

(پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۲۹)

اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ کی تشریح فرمائی اور پھر فرمایا کہ "میرا موضوع "حیات مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء" ہے اور میں اس آیت مقدسہ کی روشنی میں یہ ثابت کروں گا کہ میرے حضور

marfat.com

پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ آپ کی تقریر کا انداز منفرد تھا' جوش خطابت میں دونوں ہاتھوں کو اوپر اُٹھاتے اور پھر نیچے لے آتے۔ آپ کا خطاب کیا تھا' اسرار و معانی کا گلدستہ تھا۔ فکر و عظمت کا گنجینہ اور انوارِ مصطفوی کا خزینہ تھا' الطاف مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادِ بہاری تھی' مسجع مقفّی اور مرصع الفاظ کی عملداری تھی' ہر فقرہ عظمت حضور کا آئینہ دار اور ہر لفظ کانِ لطافت کا درِ تابدار تھا۔ عوام الناس تقریر بھی سن رہے تھے اور آپ کے رُخِ انور پر نظریں بھی گاڑے ہوئے تھے۔ میری اپنی بھی یہی کیفیت تھی۔ میں آپ کے چہرے کے پس منظر میں حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خدوخال تلاش کر رہا تھا۔ آپ کے خطاب میں لفظی شعریت بھی تھی اور بلا کی روانی بھی' دلوں کو گداز بخشنے والی تاثیر بھی تھی اور عقیدت و ارادت کی کہانی بھی' ہر آن یہ احساس ہو رہا تھا کہ:

ع ...... بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

آپ نے فرمایا ''پھول کو دیکھنا ہو تو اس کی پنکھڑیوں کی لطافت کو دیکھو' سمندر کو دیکھنا ہو تو اس کی لہروں کی شدت کو دیکھو' چاند کو دیکھنا ہو تو اس کی کرنوں کو دیکھو' سورج کو دیکھنا ہو تو اس کی شعاعوں کا نور ملاحظہ کرو۔ اسی طرح دو عالم کے تاجدار مکی مدنی افتخار' سید الابرار' رحمت کردگار حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ہو تو آپ کے عشاق اور جانثاروں کو دیکھو۔ یہ جانثار اس ماہ رسالت کی کرنیں ہیں اگر کرنیں موجود ہوں تو چاند کے موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ اگر شعاعیں روشنی لٹا رہی ہوں تو آفتاب کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ اگر لہریں مواج ہوں تو سمندر کی روانی کو ماننا پڑتا ہے۔ اگر کلیاں شاداب ہوں تو پھول کے وجود کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح آج بھی عشاق مصطفےٰ کا وجود' آپ کے چاہنے والوں کا مجمع' آپ پر جان لٹانے والوں کی کثرت' پوری دنیا میں ہر ساعت ہر آن لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کی ابھرتی ہوئی آوازیں اس حقیقت کا اعلان ہیں کہ میرے سرکار موجود ہیں' میرے حضور زندہ ہیں' میرے ملجا و ماویٰ ہماری دستگیری فرما رہے ہیں' میرے آقا و مولا خستہ حال غلاموں کے آنسو پونچھ رہے ہیں۔ آج جو شخص حیات مصطفےٰ کا منکر ہے وہ فقیر کے پاس آئے' فقیر اسے چند لمحوں میں حیاتِ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل کر دے گا۔

آپ کی تقریر اس قدر پُر جوش' ولولہ انگیز' دلائل و براہین سے آراستہ' آیاتِ قرآنیہ اور احادیث سے مرصع تھی کہ ہزاروں سامعین بار بار نعرۂ تکبیر اللہ اکبر' نعرہ رسالت یا رسول اللہ اور حیاتِ مصطفےٰ زندہ باد کے نعرے بلند کرتے۔ ہر شخص چپ تھا' ہر زبان گنگ تھی۔ حیاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ پر تقریر کرتے کرتے آپ کی آواز بھرا گئی' آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے' جنہیں آپ

marfat.com

نے دستار کے پلو سے پونچھا' یہ سماں ایسا رقت انگیز تھا کہ سامعین اشکبار ہو گئے۔ آنسوؤں کی لڑیاں لگ گئیں' محدث اعظم نے فرمایا:

"ارے ارے تم کس قدر گستاخ اور ناشکرے ہو' انہی کا کھاتے ہو اور انہی پر غراتے ہو' غضب خدا کا جس آقا کے صدقے میں سب کچھ عطا ہو رہا ہے اسی کی توہین کرتے ہو' جس کے وجود کے صدقے میں تمہیں وجود عطا ہوا اُسی کے وجود کا انکار کرتے ہو' رب کعبہ کی قسم اگر تم اُمت مصطفوی میں نہ ہوتے اور کسی اور نبی کی اُمت ہوتے تو اب تک قہر خداوندی تمہیں اپنی لپیٹ میں لے چکا ہوتا مگر تم تو حضور رحمۃ للعالمین کے اُمتی ہو' حضور شفیع المذنبین کے نام لیوا ہو' اس کا کلمہ پڑھتے ہو جو جان کے دشمنوں کو امان دیتا رہا' جو پتھر کھا کر جنت کے پھولوں کی بشارت دیتا رہا' جو کانٹوں پر چل کر رحمت عام کی خوشبو لٹاتا رہا' جو خود پیاسا رہ کر پیاسوں کی پیاس بجھاتا رہا' وہ کب چاہے گا کہ تمہاری شکلیں مسخ ہو جائیں۔

اسے کب گوارا ہے کہ تم عذاب الٰہی کا شکار ہو جاؤ' وہ تو سراپا رحمۃ للعالمین ہے۔ ازل میں بھی رحمت تھا اور ابد تک رحمت رہے گا۔ ماضی ہو' عہد حال ہو یا دورِ مستقبل اس کی رحمت ہر دور کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے ہے۔ پناہ میں وہی لیتا ہے اور امان وہی دیتا ہے جو زندہ اور موجود ہو۔ منکرو! یہ کتنا براستم ہے کہ تم نے جس کی کالی کملی کی چھاؤں میں پناہ لے رکھی ہے' جو رو رو کر تمہیں بخشواتا ہے' جو روضۂ اطہر میں بھی اُمت کی بدحالی پر بے چین و مضطرب ہے' تم اسی کو نعوذ باللہ مردہ قرار دے رہے ہو' سن لو میرے حضور زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے
ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

یہاں پہنچ کر قبلہ محدثِ اعظم علیہ الرحمۃ پر عجیب بے خودی و سرشاری سی چھا گئی' آپ نے "زندہ نبی' زندہ نبی" کی تکرار شروع کر دی۔ آپ بار بار یہی فرما رہے تھے اور ہزاروں کا اجتماع آپ کے اس انداز میں کھو کر زندہ نبی زندہ نبی کی تکرار کیئے جا رہا تھا۔ آپ نے قریباً آٹھ منٹ تک یہی ورد کیا۔ آپ خود بھی بے خود تھے اور مجمع کو بھی بے خود بنا دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی آنکھیں بہت سے اسرار سے پردے اُٹھتے ہوئے دیکھ رہی ہیں' کسی شخص کو دوسرے کا خیال نہیں تھا' ہر ایک پر یہی

marfat.com

ایمان افروز احساس طاری ہو چکا تھا کہ میرے حضور زندہ ہیں' میرے سرکار زندہ ہیں"۔

"زندہ نبی' زندہ نبی" کی تکرار کرتے کرتے آپ پر کھانسی کا حملہ ہوا (بعد میں معلوم ہوا کہ آپ شدید بیمار تھے) مگر آپ نے تکرار نہ چھوڑی۔ بالآخر آواز بیماری کی بدولت کمزور پڑتی گئی' آپ نے وما علینا الا البلاغ المبین کہا اور یوں یہ ایمان افروز خطاب اپنے اختتام کو پہنچا۔ آپ کا خطاب ایک گھنٹہ چالیس منٹ تک جاری رہا۔ میں نے یہ سب کچھ اپنے تخیل کو ماضی کے نہاں خانوں میں لے جا کر لکھا ہے۔ قلم اور بھی بہت کچھ لکھنے کو بے قرار ہے مگر "رضائے مصطفٰے" کی تنگ دامانی آڑے آ رہی ہے' میں جب خوشبو کی وادیوں میں سفر کرنا چاہتا ہوں تو یہ کہتا ہوا حضور محدث اعظم پاکستان کے اس عقیدت آفریں خطاب میں کھو جاتا ہوں کہ:

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو
ہاں دکھا دے اے تصوّر پھر وہ صبح و شام تو

marfat.com

حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء الدین قادری مدنی

مظہر لطف و عطا حضرت ضیاء الدین تھے
صورت شمع ہدیٰ حضرت ضیاء الدین تھے
عمر بھر تبلیغ عشق مصطفٰے کرتے رہے
مذہب حق کی صدا حضرت ضیاء الدین تھے
صاحب کردار تھے وہ منبع انوارِ دیں
پیکر صدق و صفا حضرت ضیاء الدین تھے
فقر و استغناء و درویشی شعار زیست تھا
کامرانی کی صدا حضرت ضیاء الدین تھے
دیکھ کر ان کو خدا کی یاد آتی تھی بہت
صاحب حق آشنا حضرت ضیاء الدین تھے
ان کے ہر انداز میں مضمر تھا خالق کی عطا
مظہر حلم و حیا حضرت ضیاء الدین تھے
مظہر اسلاف تھے وہ مصدر علم یقیں
نائب احمد رضا حضرت ضیاء الدین تھے
اے رضؔا شہر مدینہ میں رہے وہ عمر بھر
جانثار مصطفٰے حضرت ضیاء الدین تھے

(محمد اکرم رضؔا)

marfat.com

قطب مدینہ

حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء الدین احمد مدنی قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ علیہ کا شمار ان عظیم فرزندان اسلام میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی تمام زندگی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزار دی۔ آپ کے تذکار عام اور آپ کے فیوض زبان زد ملت اسلام ہیں۔ آپ سے فیض یاب ہونے والوں کا سلسلہ کروڑوں تک پہنچا ہوا ہے۔ آپ کا خوان رحمت انتہائی کشادہ تھا' جو بھی آیا اس سے خوشہ چینی کئے بغیر نہ رہ سکتا۔ آپ اپنوں اور بیگانوں کو یکساں طور پر نوازتے تھے۔ آپ کا سحاب کرم ہر ایک پر یکساں انداز سے برستا تھا۔ آپ کو رب کریم نے ایک طویل عرصہ مدینہ منورہ کی ضوبار فضاؤں میں زندگی گزارنے کا شرف عطا کیا۔ اسی نسبت سے آپ قطب مدینہ اور شیخ العرب والعجم کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

آپ کا سلسلۂ نسب خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر سے ملتا ہے۔ آپ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) پاکستان کے قصبہ کلاس والا (نزد سیالکوٹ) پیدا ہوئے۔ شروع کی تعلیم مولانا محمد حسین نقشبندی پسروری اور مولانا غلام قادر بھیروی سے حاصل کی۔ پھر برصغیر کے محدث کبیر علامہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پیلی بھیت (یو۔ پی) حاضر ہوئے۔ ساڑھے تین سال وہاں تعلیمی مدارج طے کئے اور پھر بریلی میں امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام احمد رضا نے ان کی دینی اور فکری صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ پر خصوصی کرم فرمایا اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہی ان کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں اجازت و خلافت سے نواز دیا۔

مفتی ضیاء الدین مدنی کے استاد محترم حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی نے انہیں سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت عطا فرما دی۔ جب حضرت علامہ محمد ضیاء الدین مدنی کے علمی و روحانی کمالات کا آفتاب جگمگایا تو برصغیر ہی نہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی بہت سی مقتدر روحانی شخصیات نے بھی آپ کو اجازت و خلافت عطا فرما دی۔

حضرت مدنی نے جو بیس سال کی عمر میں امام احمد رضا سے اجازت لی۔ بغداد آئے اور

marfat.com

وہاں نو برس قیام کیا۔ ۱۹۱۰ء میں مدینہ منورہ چلے آئے۔ اس وقت ترکوں کی حکومت تھی۔ عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ستم ڈھانے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ بعد میں نجدی حکومت نے شریعت کے نام جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی' صحابہ کرام' انبیاء اور اہل بیت کے قبے اور مزارات زمین بوس کئے' وہ الگ سے ایک لہو رنگ داستان ہے۔ پھر مفتیوں اور علماء سے ان بداعمالیوں کے جواز کیلئے زبردستی فتوے لئے جانے لگے جن کا تذکرہ بین الاقوامی جاسوس ہمفرے کی یادداشتوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے سامنے بھی فتویٰ پیش کیا گیا مگر آپ نے دستخط سے صاف انکار کر دیا۔ ڈرایا دھمکایا گیا مگر آپ نے کہا' جسے میں غلط سمجھتا ہوں اس کو حق کس طرح کہہ دوں۔

حضرت مفتی محمد ضیاء الدین مدنی نے قریباً ۷۵ برس مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ اس طویل مدت میں سوائے حج کے صرف تین مرتبہ مدینہ منورہ باہر تشریف لے گئے۔ پہلی بار ترکوں کے زمانے میں ترکی گئے۔ دوسری بار دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارا پا کر امام احمد رضا کی عیادت کیلئے بریلی آئے۔ تیسری مرتبہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد فضل الرحمٰن مدنی کے علاج کیلئے حیدر آباد دکن گئے۔ ان مواقع کے علاوہ آپ نے شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑا۔ آپ کی مدینہ سے اس قدر والہانہ عقیدت دیکھ کر حضرت امام مالک کی مدینہ منورہ سے محبت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے اسلاف کی تصویر تھے۔ آپ کو دیکھ کر اور آپ کی گفتگو سن کر دل و جان عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشاری میں ڈوب جاتے تھے۔ شاید ہی کوئی عالم مفتی محدث' مفسر سجادہ نشین' شیخ طریقت' مرد درویش ہو گا جو مدینہ منورہ حاضر ہوا ہو اور آپ کی محفل میں شرکت کی سعادت حاصل نہ کی ہو۔

آپ نے مدینہ طیبہ سے اس قدر والہانہ عشق کیا کہ آخری سانس تک اسی شہر عنبر بار کی خوشبو کو دل و جان میں بساتے رہے' اس کو دیکھ کر بیدم وارثی کے یہ اشعار نوک قلم کا اعزاز بن جاتے تھے:

تیرا در چھوڑ کے جاؤں تو کہاں جاؤں میں
میرے آقا' میرے سلطان مدینے والے
سگ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدم
یہی رکھیں مری پہچان مدینے والے

حضرت مفتی ضیاء الدین مدنی فاضل بریلوی کی ایمان آفریں مجالس کے خوشہ چین تھے۔ وہاں تو ہر وقت نعت و مدحت رسول کے ستارے بکھرے نظر آتے تھے۔ یہ فاضل بریلوی ہی کا فیض

marfat.com

تھا کہ آپ کے ارادت مندوں میں نعت کے حوالے سے بڑی بڑی شخصیات منظر عام پر آئیں۔ اب کیسے ممکن تھا کہ مفتی ضیاء الدین مدنی ایک عرصہ فاضل بریلوی کے قدموں میں گزارتے اور نعت کے فیضان سے محروم رہتے۔ آپ نعت گو شاعر تو نہ بن سکے مگر نعت فہمی اور نعت شناسی کا ذوق اس شان سے ودیعت ہوا تھا کہ آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنی رہائش گاہ کو نعت نگر بنا دیا جہاں ہر وقت نعت کی رم جھم برستی رہتی تھی۔ ہندوستان، پاکستان، مصر، شام، مراکش، تیونس، لیبیا سمیت درجنوں ممالک کے ارادت مند وہاں حاضری دینا قابل فخر سمجھتے تھے۔ ان محافل میں مختلف ممالک اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے نعت گو شاعر اپنا کلام سناتے۔ نعت خوان اپنی آواز کا حسن بکھیرتے۔ حضرت مدنی بہت سی زبانیں یکساں مہارت کے ساتھ بول اور سمجھ لیتے تھے اس لئے خوب خوب داد دیتے اور نعت خوانوں کو بھی خوب خوب نوازتے۔ ہندو پاک کا شاید ہی کوئی نامور نعت گو ہوگا جس نے حضرت مدنی کی محفل میں نعت سنا کر آپ کی دعاؤں کا تحفہ حاصل نہ کیا ہو۔

ایک بار آپ کے ہاں منعقدہ محفل نعت میں امجد حیدر آبادی نے یہ نعت پڑھی:

؎ کس چیز کی کمی ہے مولا تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں
سورج تجلیوں کا ہر دم چمک رہا ہے
دیکھا نہیں کسی دن سایہ تیری گلی میں
دیوانگی پہ میری ہنستے ہیں عقل والے
رستہ تری گلی کا پوچھا تری گلی میں

حضرت مدنی فرماتے تھے کہ امجد حیدر آبادی نے یہ نعت مدینہ منورہ میں میرے گھر میں لکھی۔ شاید آپ کی نگاہ کرم نواز نے نواز دیا ہو، تبھی یہ نعت شہرت و قبولیت کی اس معراج کو پہنچی کہ آج تک محافل نعت کی جان بنی ہوئی ہے۔

اپنے پیر و مرشد سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو بڑی والہانہ محبت تھی۔ مشائخ عظام اور اکابر کے تذکرے کے وقت ان کی رفعت شان بیان کر کے فرماتے تھے کہ ان کا مقام اپنی جگہ لیکن میرا شیخ میرا شیخ ہے اور میں نے حضور فاضل بریلوی جیسا کسی کو نہیں پایا۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں مسلسل ۷۵ سال تک محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ اس شان سے روشن کئے کہ تعلیمات اعلیٰ حضرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

marfat.com

مولانا ضیاء الدین مدنی قوت تاثیر اور علمی تبحر کا بحر بے کراں تھے۔ آپ کے تحمل، بردباری، تواضع و انکساری، ایثار و اخلاص، اعتدال، وسعت نظری، جذب و کیف کا چاروں طرف چرچا تھا۔ جو شخص آپ کے قریب آتا، آشنائے درود محبت ہو جاتا۔ اور آپ کی صحبت کیمیا اثر سے اس کی دنیا ہی بدل جاتی۔ آپ نے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد حجاج کرام کو دوران حج سہولتیں فراہم کرنے کی جانب خصوصی توجہ فرمائی۔ قیام و طعام سے لے کر آمد و رفت کی دشواریوں کے خاتمہ کیلئے فنڈ قائم کیے۔ خصوصاً حجاز ریلوے اسٹیشن کی ریلوے لائن کی تعمیر کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کو عالم اسلام میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی قربت میں انس و محبت کے دریا بہتے تھے۔ سلف صالحین کی تمام خصوصیات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

گذشتہ صدی ہجری میں جو علماء و مشائخ شبانہ روز تبلیغ اسلام اور تحفظ مقام مصطفےٰ میں مصروف رہے، ان میں حضرت مدنی کی خدمات تا قیامت روشن رہیں گی۔ انہوں نے ایسے ماحول میں عشق مصطفےٰ کی شمع روشن رکھی جس میں بظاہر یہ بات ممکن نظر نہیں آتی۔ دنیا بھر میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ مملکت حجاز میں بھی آپ کے مرید ہر شہر میں موجود تھے۔ سال بھر میں کوئی دن ایسا نہ گزرتا جبکہ مختلف ممالک کے زائرین و حجاج آپ کے پاس نہ آتے اور درود و سلام کی محفل میں شریک نہ ہوتے۔

۷۵ برس تک ایسے ملک میں درود و سلام کی محفلیں سجائے رکھنا کہ جہاں ان کو شرک و بدعت سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلاشبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی فیضان ہے۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ ان کے قدموں میں جگہ پانے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ روایتی پیروں اور ظاہر پرست علماء جیسی ان میں کوئی بات نہیں تھی۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ نہ صرف خود عشق مصطفےٰ کے بادۂ گلفام سے مخمور رہتے تھے بلکہ جس کو بھی اس مردِ حق کی صحبت نصیب ہوئی اس کے دل میں بھی عشق مصطفوی کے چراغ روشن کر دیئے۔ جب میں ان کے ایک سادہ سے حجرے میں داخل ہوا تو مجھے ایک سجادہ پر بیٹھا ہوا مردِ خدا نظر آیا جس کے چہرے پر انوار الٰہی کی تجلیاں بکھر رہی تھیں، جس کی سادگی اور پرکاری دلوں کو اپنا متوالا بنا رہی تھی۔ میری یہ پہلی ملاقات تھی لیکن اس کریم النفس ہستی نے مجھے وہ پذیرائی بخشی کہ ساری اجنبیتیں کافور ہو گئیں اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں اس محفل کے دیرینہ حاضر باش لوگوں میں سے ہوں"۔

marfat.com

حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ شروع میں مجھ پر بڑی سختی ہوئی۔ میرے خلاف پہرے لگ گئے' مجھے بدعتی اور مشرک مشہور کیا گیا' مجھ سے مناظرہ کیلئے لوگوں کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ وسیلہ پر مناظرہ کرنے آئے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تک رسائی کے لئے غیر اللہ کو وسیلہ بنانے کے قائل ہیں؟ میں نے کہا: وسیلہ تلاش کرنے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ

انہوں نے کہا اس وسیلہ سے مراد نماز اور نیک کام ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ صلوٰۃ (نماز) اللہ ہے یا غیر اللہ؟ اس پر سب ساکت ہو گئے۔ جواب نہ بن پڑا اور واپس چلے گئے۔ اس طرح متعدد مسائل پر گفتگو کیلئے آتے رہے۔ مجھ سے لوگوں کا ملنا جلنا بند کرتے رہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے انتہائی سخت مزاج امیر ابن ابراہیم نے آپ کو بلا کر غیض وغضب کے ساتھ گفتگو شروع کر دی۔ وہاں بھی امیر مدینہ نے وسیلہ کے بارے میں پوچھا: آپ نے متذکرہ بالا آیت پڑھی۔ امیر مدینہ نے کہا کہ یہ تو ہماری دلیل ہے نہ کہ انبیاء و اولیاء ہیں۔ آپ نے سوال کیا کہ ہمارے یہ نیک اعمال بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں یا مردود؟ اس نے کہا مجھے کیا معلوم؟ اس پر آپ نے کہا کہ اعمال وسیلہ بن سکتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ مقبول ہیں یا مردود تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں وسیلہ نہیں بن سکتے جو کہ بارگاہ خداوندی میں از حد مقبول و محبوب ہیں۔ اس پر امیر مدینہ کا سارا غصہ نرمی اور محبت میں بدل گیا۔ آپ کو چائے پلائی اور عزت و تکریم سے رخصت کیا۔

برصغیر پاک و ہند کے نامور سجادوں کے شیوخ جب مدینہ طیبہ جاتے تو آپ کی خدمت میں حاضری اور قیام کو اپنے لئے لازم قرار دے لیتے۔ اگر اپنی اولاد کو بھیجتے تو انہیں بھی یہ تلقین کر کے بھیجتے کہ قطب مدینہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ضرور حاضر ہونا تا کہ تم محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی مظاہر کو دیکھ سکو۔ کس کس کا نام لیجئے' شاید ہی کوئی ایسا سجادہ نشین' پیر طریقت اور عالم اکمل ہو گا جس نے آپ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل نہ کیا ہو گا۔ آپ کا لطف و کرم اسحاب عطا بن کر سب پر برستا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام وخواص آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں بتا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ ورنہ سرزمین عرب میں ہی آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں میں ہو گی۔ اب یہ سلسلہ تمام رکاوٹوں کو پھلانگ چکا ہے۔ آپ کی محافل کے شرکاء کی روزانہ تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ آج اگرچہ آپ بظاہر موجود نہیں ہیں مگر آپ کی اولاد کی مقبولیت اور محبوبیت میں کمی نہیں آئی اور لاکھوں زائرین آپ کی اولاد میں آپ کے انوار کو تلاش کرتے ہیں۔

marfat.com

آپ نے مدینہ طیبہ ہی میں دو نکاح کئے۔ پہلی اہلیہ کا تیرہ برس کی رفاقت کے بعد انتقال ہوا اور آپ کی تمام اولاد پہلی اہلیہ ہی سے ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد آپ نے دوسرا نکاح کیا۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت علامہ مولانا فضل الرحمٰن مدنی آپ کے جانشین تھے' جنہوں نے آپ کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے فیوض کا سلسلہ جاری رکھا۔ علامہ فضل الرحمٰن مدنی عظیم المرتبت عالم دین فاجل اجل اور عظمت اسلاف کی تصویر تھے۔

وصال سے دو دن قبل آپ کی طبیعت علیل ہوئی۔ بالآخر ۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جب جمعہ کا روز تھا اور مؤذن اذان کہہ رہا تھا تو آپ نے کلمہ شریف پڑھ کر اپنی جان خالق اکبر کے سپرد کر دی۔ آپ کے وصال کی خبر مدینہ طیبہ' مکہ مکرمہ' پاک و ہند اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں میں نہایت تیزی سے پھیل گئی بعد نماز ظہر اذان عصر سے پہلے آپ کو غسل دیا گیا اور پھر نماز عصر کے بعد درود وسلام اور قصیدہ بردہ شریف کی گونج میں جنازہ اٹھایا گیا۔ محراب نبوی میں منبر شریف کے قریب جنازہ رکھ دیا گیا۔ آپ کے خلیفہ فضیلۃ الشیخ مفتی محمد علی مراد شامی نے نماز جنازہ پڑھائی اور دعا کی گئی۔ آپ کا جنازہ تین منٹ تک مواجہ شریف میں رکھا گیا۔ ہر چہار طرف سے کلمہ طیبہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی مشہور نعت

"کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود"

پڑھی جا رہی تھی۔

آپ کا جنازہ جنت البقیع کی طرف لے جایا گیا۔ جنت البقیع میں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں لیکن حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدنی کے کہنے پر وہاں کی انتظامیہ نے دروازہ کھول دیا۔ حالانکہ وہاں حکومت کے مقرر کردہ حکام ہی تدفین کراتے ہیں۔ جنازہ کے ساتھ ہی تمام اصحاب بھی جنت البقیع میں داخل ہو گئے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے خود آپ کو لحد میں اتارا۔ بعد میں تدفین کے دوسرے دن محفل میلاد آراستہ ہوئی جس میں ان گنت نیاز مند شریک تھے۔ قل شریف میں دنیا بھر سے آئے ہوئے علماء ومشائخ زائرین مدینہ طیبہ اور ارادت مند شریک ہوئے۔

آپ کی تاریخ وصال ۴ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء ہے۔ آپ کا مزار مبارک سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مزار پاک سے دو گز کے فاصلے پر ہے۔ آپ کی قبر سے گنبد خضریٰ صاف نظر آتا ہے۔ دید گنبد خضریٰ کی آرزو بعد از وصال پوری ہونے کے اسباب خدا نے پورے کر دیئے۔

مرنے کے بعد بھی مری آنکھیں کھلیں رہیں عادت جو پڑی گئی تھی ترے انتظار کی

marfat.com

شیخ القرآن

مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

تحریک پاکستان کے ولولہ انگیز دور میں جن علماء و مشائخ نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی خاطر تاریخ ساز کردار ادا کیا اور اسلامیان ہند کو لیلائے آزادی سے ہمکنار کرنے کیلئے مسلسل راہنمایانہ بصیرت سے کام لیتے رہے، ان میں شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کو اس ضمن میں یہ شرف حاصل ہے کہ جب تیئس مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں مولوی اے کے فضل الحق نے قرارِ داد پاکستان پیش کی تو مختلف صوبوں کے راہنماؤں کے پہلو بہ پہلو پنجاب سے اس قرارداد کی تائید کرنے والوں میں مولانا ظفرعلی خاں کے ساتھ آپ کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مسلم لیگ کی جنرل کونسل نے ان دو مسلم لیگی راہنماؤں کو قرارداد کی تائید کے سلسلہ میں پنجاب کی نمائندگی کرنے کا اعزاز بخشا تھا۔

مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا نام عبدالحمید تھا۔ آپ ضلع ہزارہ کے ایک دور افتادہ گاؤں موضع چمبہ میں ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ حصولِ تعلیم کیلئے لاہور کی مختلف درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود جب تحصیل علم کا شوق بڑھتا گیا تو دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا مگر وہاں امتحان شروع ہونے کی بناء پر داخلہ سے محروم رہے۔ پھر دہلی چلے گئے اور وہاں کی مختلف درسگاہوں میں علم حاصل کرتے رہے۔ وہاں سے برصغیر کی ممتاز درسگاہ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی پہنچے اور حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور اسی درسگاہ سے بقیہ تمام دینی علوم کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہونے پر اسی درسگاہ میں مسند درس و تدریس پر فائز کر دیئے گئے۔ اسی دوران میں استاد محترم سے ابوالحقائق کا لقب پایا۔ ۱۹۳۵ء میں وزیرآباد تشریف لائے اور یہاں ''جامعہ نظامیہ غوثیہ'' قائم کر کے باقی عمر اسی علاقے کو علم و حکمت کی خوشبو سے مہکاتے گزار دی۔

آپ کو بچپن ہی سے قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر

marfat.com

بیعت کی سعادت حاصل ہو چکی تھی۔ سرکار گولڑوی نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا' جب آپ کے سامنے سرکار گولڑوی کا نام لیا جاتا تو دیوانہ وار جھومنے لگتے۔ مولانا ہزاروی عالم اکمل' فاضل اجل' صوفی باصفا اور مفسر قرآن ہی نہیں تھے بلکہ اپنے وقت کے نامور نکتہ دان' دینی گتھیاں سلجھانے والے استاد اور معروف سیاستدان بھی تھے۔

آپ کا شمار تحریک پاکستان کے ممتاز قائدین میں ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ میں شمولیت کی اور پھر قیام پاکستان تک اپنی جادو بیانی سے مسلم لیگ کے ولولہ انگیز پیغام کو عوام الناس کے دلوں کی دھڑکنوں میں بساتے رہے۔ آپ نے تحریک مسجد شہید گنج' تحریک ختم نبوت' تحریک خلافت اور تحریک نیلی پوش میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' مولانا ظفر علی خاں کی اتحاد ملت پارٹی میں بھی شریک رہے پھر آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۱۸ اپریل ۱۹۳۸ء میں اتحاد ملت پارٹی کو مسلم لیگ میں ضم کر دیا تو اس پر قائداعظم بہت خوش ہوئے۔

مسلم لیگ کے پیغام کو مقبول بنانے کیلئے آپ نے پشاور سے کلکتہ تک سینکڑوں اجتماعات سے خطاب کیا۔ راہِ آزادی میں ہر صعوبت کو برداشت کیا اور ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے قائداعظم علیہ الرحمۃ کو وزیر آباد میں مدعو کیا اور اپنی مسجد سے ملحقہ وسیع و عریض گراؤنڈ میں تاریخی اجتماع کا اہتمام کیا۔ اس سے مسلم لیگ کے مخالفین میں سراسیمگی پھیل گئی اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔

تحریک پاکستان کے مقتدر قائدین' راہنماؤں اور عوام کو یکساں طور پر آپ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف تھا۔ آپ کا شمار صف اوّل کے مسلم قائدین میں ہوتا تھا۔ منٹو پارک لاہور میں قرارِ داد پاکستان کی منظوری کے دوران میں آپ کو مولانا ظفر علی خاں کے برابر جگہ ملی اور آپ نے مولانا عبدالحامد بدایونی کے ساتھ اہلسنّت کی نمائندگی کی۔ جنوری ۱۹۴۰ء میں جب انگریز گورنر پنجاب نے قیام پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکانے کیلئے پاکستان کے حامی مسلم قائدین کی گرفتاری کا عام حکم دے دیا تو گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں گرفتاری کی سعادت سب سے پہلے شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی کے حصے میں آئی۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس جو صدر الافاضل اور حضرت محدث کچھوچھوی کی مساعی سے ہوئی اس میں کم و بیش پانچ ہزار علماء و مشائخ اور دو لاکھ عوام نے شرکت کی اس میں مولانا عبدالغفور ہزاروی نے تحریک پاکستان اور قائد اعظم کی اعانت کا اعلان کیا۔

marfat.com

مولانا ہزاروی نے برصغیر پاک و ہند بالخصوص پنجاب اور سرحد میں کاروانِ آزادی کو منزل بکنار کرنے کیلئے خاص کردار ادا کیا۔ گوجرانوالہ وزیرآباد اور دوسرے شہروں اور قصبات میں نظریہ پاکستان کو مقبول و معروف بنانے کیلئے آپ کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، جن دنوں اس علاقہ میں کانگریس یونینسٹ پارٹی اور ان کے ہمنوا پاکستان مخالف جماعتیں اپنے پروپیگنڈے سے عوام میں اپنا اثر و نفوذ جما رہی تھیں تو آپ نے بے پناہ قوت ایمانی سے سرشار ہو کر مخالفین کی قوت کو خاک میں ملا دیا۔

قدرت نے آپ کو غیر معمولی خطیبانہ صلاحیت بخشی تھی۔ قیام پاکستان سے عرصہ پیشتر ایک بار آپ وزیرآباد میں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے۔ آپ نے اس تاریخی اجتماع میں تحریک پاکستان کے مضمرات کو اس خوبی سے اُجاگر کیا اور پاکستان کو اسلامیانِ ہند کیلئے لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے اس خوبصورت اور دل نشیں انداز میں قائداعظم کا پیغام عوام تک پہنچایا کہ حاضرین جن میں بہت سی قومی نوعیت کی مسلم لیگی شخصیات بھی شامل تھیں، دم بخود رہ گئیں۔ بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں نے اس موقع پر ہزاروی کی سحر انگیز خطابت سے متاثر ہو کر فی البدیہہ یہ شعر آپ کی نذر کیا:

چشمہ اُبل رہا ہے محمد کے نور کا
میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا

مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عبدالغفور ہزاروی کے قابل رشک حد تک خوبصورت تعلقات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں قائدین تمام انگریز دشمن تحریکوں میں اکٹھے رہے۔ ایک بار مولانا ہزاروی حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہونے لگے تو ان کے اعزاز میں دی جانے والی ضیافت میں احباب کے پُر زور اصرار پر مولانا ظفر علی خاں نے فی البدیہہ ایک نظم مولانا ہزاروی پر کہی جس کے دو شعر نذر قارئین ہیں:

حج کو جانے والے ہیں عبدالغفور
آسماں برسا رہا ہے ان پہ نور
کس زباں سے ہو بیاں وصف آپ کا
آپ موسیٰ ہیں، وزیرآباد طور

تحریک پاکستان کے دوران میں آپ کو شدید مشکلات اور تکالیف سے دو چار ہونا پڑا۔ آپ

marfat.com

پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا مگر آپ بال بال بچ گئے، جن دنوں تحریک پاکستان زوروں پر تھی، وزیر آباد کے ہندوؤں نے متحد ہو کر ایک گوردوارہ کو اپنی ناپاک سازشوں کا مرکز بناتے ہوئے مسلمان راہگیروں پر حملہ کر کے ایک مسلمان عورت کو شہید کر دیا۔ اس پر مسلمانوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کی غیرت کو جھنجوڑتے ہوئے ان کی قیادت کی اور غیور مسلمانوں کو ساتھ لے کر باقاعدہ لڑائی لڑتے ہوئے ہندوؤں کی مذموم سازشوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی لٹے پٹے مسلمان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تو آپ نے ان مہاجرین کی آباد کاری اور امن و امان کی بحالی کے سلسلے میں ضلعی انتظامیہ سے بھرپور تعاون کیا اور مسلسل کئی ماہ تک فوجی افسروں کے اشتراک سے مہاجرین کی آباد کاری کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ استحکام پاکستان کیلئے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ آپ کا مطمعٔ نظر تھا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی آپ کا کردار فدا کارانِ ناموس محمدی کیلئے باعث صد افتخار تھا۔ آپ نے ملک کے طول و عرض میں اپنی ولولہ انگیز تقاریر کے ذریعہ تحریک ختم نبوت کے حقیقی مقاصد اُجاگر کئے۔ آپ کو داخل زنداں کر دیا گیا اور سات ماہ کا عرصہ آپ نے راولپنڈی جیل میں بڑے صبر و استقلال کے ساتھ گزارا۔

حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں حد درجہ استغنا اور خودداری تھی۔ جب تک تحریک پاکستان وقت کے سخت ترین مراحل سے گزرتی رہی، آپ نے ہر گام پر اہلسنّت کے پلیٹ فارم سے قائداعظم، مسلم لیگ اور مسلمانوں کی آزادی کی تمام تحریکات کا ساتھ دیا مگر جب پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو آپ نے سیاست کی خار دار وادیوں سے منہ موڑ کر منبر و محراب کو تبلیغ اسلام اور فروغِ عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ بنا لیا۔ آپ عالم اجل اور علوم حدیث و قرآن کے سلسلہ میں سند کا درجہ رکھتے تھے، پاکستان بھر کے علماء اور مشائخ آپ کو قدر و قیمت اور عزت و وقار کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ نے قیام پاکستان سے مدتوں پیشتر وزیر آباد میں ''جامعہ نظامیہ غوثیہ'' کے نام سے ایک عظیم الشان دینی درسگاہ قائم کی تھی، جس میں برصغیر کے مختلف علاقوں سے طلبہ تحصیل علم کیلئے حاضری دینا سعادت تصور کرتے تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران میں بھی آپ نے جامعہ نظامیہ غوثیہ کے تدریسی منصب کو فراموش نہ کیا، جب پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو آپ نے پوری توجہ اس جامعہ کے علمی و تدریسی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے پر صرف کر دی۔

marfat.com

آپ نے سرکاری اداروں اور درباری مناصب سے ہمیشہ گریز کیا۔ ''جامعہ نظامیہ غوثیہ'' سے آپ کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ڈاکٹر بلگرامی کی طرف سے شیخ القرآن کے منصب کی پیشکش کی گئی' اس منصب کے ساتھ معقول تنخواہ اور رہائش کی سہولت کے علاوہ دیگر مراعات بھی شامل تھیں مگر آپ نے یہ سوچ کر صاف انکار کر دیا کہ اس منصب کی قبولیت کی صورت میں ''جامعہ نظامیہ غوثیہ'' متاثر ہوتی تھی۔ آپ نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں شیخ القرآن کا منصب تو قبول نہ کیا مگر شیخ القرآن کا لقب آپ کے نام کا اس شان سے حصہ بنا کہ جب بھی شیخ القرآن کا لفظ ادا کیا جاتا ہے تو اس سے مراد آپ ہی کا اسم گرامی ہوتا ہے۔ شیخ القرآن کے لقب کے پس پردہ آپ کی غیر معمولی علمی ثقاہت' فکری سرفرازی' علمی سربلندی اور دینی عظمت کارفرما ہے۔ اپنی دینی و روحانی صفات نے آپ کو وطن عزیز کے اصحاب علم و دانش کی نگاہوں کا تارا بنادیا۔

مولانا ہزاروی کردار و گفتار کے لحاظ سے سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور صحیح معنوں میں عاشق رسول تھے۔ آپ کو قدرت نے موزونیٔ طبع کی بنا پر شعر گوئی کا ملکہ بھی عطا کیا تھا۔ آپ نے متعدد نعتوں کی صورت میں محبت رسول کا ارمغان بھی ورثہ کے طور پر چھوڑا ہے۔ ان نعتوں سے آپ کی علمی پختگی اور شعری راست روی کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی اتباع سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان تھا کہ آپ نے کلمۂ حق کہنے سے کبھی گریز نہ کیا۔ آپ کا جگمگاتا کردار گواہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی حکمران وقت کی کاسہ لیسی نہیں کی بلکہ علماء و مشائخ کو ہمیشہ یہ تلقین فرماتے تھے کہ انہیں اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانتے ہوئے تقرب سرکار سے احتراز کرتے ہوئے ہمیشہ حق و صداقت کی پاسداری کرنی چاہیئے۔ شاعری میں آپ چشتی تخلص فرماتے تھے۔ آپ فارسی اور اُردو میں یکساں مہارت فن کے ساتھ نعت کہتے تھے۔ ایک فارسی نعت کے شعر ملاحظہ ہوں:

بشارت شدم قاصد کجکلا ہے
پیامے ببراز گدائے بشا ہے
اے سلطان خوباں دو عالم پناہے
خدارا سوئے بدنصیباں نگاہے
چہ می پرسی از حال بے چارہ چشتی
سراپا خطائے مجسم گناہے
دو عالم فروزاں چوں شمس الضحائے

دو زلف درازش چو مارسیا ہے
جبینش منور چو صبح سعادت
بقد سرو سیمیں بہ رُخ ہچوما ہے

آپ ایسی نادرِ روزگار علمی شخصیت تھے کہ اہل شوق علوم دینیہ کی طلب مٹانے کیلئے آپ کو مرکز توجہ جان کر دیوانہ وار آپ سے رجوع کرتے۔ آپ بھی انہیں غیر معمولی توجہ سے نوازتے۔ بڑی تعداد میں اطراف و اکناف سے آنے والے طلبہ کی خورد و نوش کا اہتمام اور ان کو تعلیمی تقاضوں سے بہرہ ور کرنے کیلئے اچھے اساتذہ او رعلماء کا تقرر آپ کی خصوصی توجہ کا محور بنے رہے۔ یوں تو جامعہ نظامیہ غوثیہ میں تمام سال علم وفکر کی بارات اتری ہوئی محسوس ہوتی تھی مگر رمضان المبارک میں تو خاص طور سے روحانی جشن کا سماں نظر آتا۔ آپ رمضان المبارک میں اپنی جامعہ میں خصوصی طور پر دورۂ قرآن کروایا کرتے تھے' جس میں جامعہ کے طلبہ کے ساتھ ساتھ ملک بھر کے علماء وفضلاء بھی شرکت کرتے اور آپ کے علمی فیوض سے استفادہ کرتے۔ آپ قرآن حکیم کے رموز و نکات اِس اَحسن طریق سے بیان فرماتے کہ دلوں پر نقش ہو جاتے۔ یوں تو ماہِ رمضان المبارک میں ملک کی دوسری بڑی دینی درسگاہوں میں بھی دورۂ قرآن کا اہتمام کیا جاتا تھا مگر آپ کے ہاں علماء وفضلاء جس کثرت سے آتے اس سے صاف ظاہر ہوتا کہ آپ کا وجود علوم دینیہ کے میدان میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔

آج جب ہم تاریخ کے آئینہ خانے میں جھانک کر جامعہ نظامیہ غوثیہ سے علمی فیوض سمیٹنے والے علماء وفضلاء کی فہرست پر ایک نگاہ دوڑاتے ہیں تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ ملک بھر میں شاید ہی کسی ایک شخصیت کے سرچشمہ علوم سے اتنی بڑی تعداد میں علماء نے خوشہ چینی کی ہو۔ اس سلسلہ میں ہم چند ایسے نام پیش کرنا چاہیں گے جو مستقبل میں بذات خود ایک علمی ادارہ بن گئے۔ مولانا عبدالرشید جھنگوی' پیر محمد فاضل ڈھانگری آزاد کشمیر' صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی' پیر سید خادم حسین چورہ شریف' صاحبزادہ غلام جیلانی چورہ شریف' پیر سید عابد حسین شاہ علی پور شریف' پیر علاؤ الدین صدیقی نیریاں شریف' پیر جمال الدین میانوالی' مولانا غلام جیلانی ہزاروی مانسہرہ' شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی' مفتی حبیب الرحمٰن شاہ کوٹلی آزاد کشمیر' مولانا شمس الزماں محمد قادری لاہور' علامہ عبدالحکیم شرف قادری لاہور' مولانا سید منظور احمد شاہ ہمدانی' استاذ العلماء مولانا عبدالحق بندیالوی' مولانا معین الدین ڈسکہ' مولانا عبدالستار انصاری حافظ آباد' مولانا احمد علی قصوری' شیخ الحدیث مولانا محمد شریف رضوی' مولانا مفتی عبداللطیف گوجرانوالہ' مولانا غلام رسول سمندری' مولانا محمد سلیم فیصل آباد' صاحبزادہ سید خورشید احمد

marfat.com

شاہ گوجرانوالہ' مولانا غلام سیرانی مدرسہ غوثیہ رحیم یار خاں' مولانا محمد عبدالصبور منشور بیگ ہزاروی' مفتی ہدایت اللہ پسروری' مولانا سید محمد عبداللہ ملتانی' مولانا سید مراتب علی شاہ' مولانا عبدالخالق شمس لاہور' مولانا محمد صدیق سالک سیالکوٹ' مولانا سعید احمد مجددی' مولانا خالد حسن مجددی' مولانا ریاض الدین اٹک شہر۔غرضیکہ کس کس کا ذکر کیا جائے آپ نے علماء وفضلاء کی روحانی ونظری اور علمی وفکری تربیت کر کے انہیں آسمان رشد و ہدایت پر نجوم تاباں کی صورت جگمگا دیا۔آپ کے شاگرد آج آپ کی شمع ایمانی کو روشن رکھے ہوئے ہیں اور ان میں سے بیشتر معروف ومشہور دینی درسگاہوں کے مہتمم اور آپ کی بخشی ہوئی علمی امانت کے امین ہیں۔آپ کے فیوض سے بہرہ ور ہونے والے بہت سے علماء بیرون ملک کفر کے مراکز میں نورِ اسلام کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔

شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ایک مجاہد کی زندگی تھی۔ وہ مجاہد جو باطل قوتوں سے پوری طاقت کے ساتھ نبرد آزما ہوتا ہے اور شکست تسلیم نہیں کرتا۔تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک اور تحریک نفاذِ اسلام سے تحریک ختم نبوت تک آپ کا کردار چاند کی صورت اُجلا اُجلا اور ضوفگن نظر آتا ہے۔آپ کی موت بھی ایک مجاہد کی موت تھی' صبح کی سیر آپ کے معمولات کا حصہ تھی۔ ۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء بمطابق ۷ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ بروز جمعۃ المبارک آپ سیر کرتے ہوئے جی ٹی روڈ پر سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک تیز رفتار ٹرک کی زد میں آ گئے۔آپ کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔آپ کے زخمی ہونے کی خبر فوراً ارد گرد کے دیہات اور قصبات میں پھیل گئی۔وزیر آباد میں مکمل ہڑتال کر دی گئی' لوگ شدت غم سے چیختے ہوئے ہسپتال کی طرف بھاگے۔ہسپتال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر طرف لوگ اشکبار آنکھوں سے دست بدعا تھے۔مولانا ایسے عالم میں بھی صبر و تحمل کی تصویر بنے ہوئے تھے۔آخری لحات میں آنکھیں کھول کر فرمایا کہ ''میں نے اپنے مجرم کو معاف کیا' پھر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔اسی اثناء میں آپ کی وفات کی خبر ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔ دوسرے دن تین بجے سہ پہر دو لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے آہوں اور سسکیوں کے درمیان آپ کو سپرد خاک کر دیا۔آپ کے وصال پر وطن عزیز کے تمام مؤقر اخبارات و جرائد نے اپنے اداریوں اور کالموں میں آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔بعض اخبارات نے خصوصی ضمیمے شائع کر کے شیخ القرآن کی موت کو عالم اسلام کیلئے زبردست نقصان قرار دیا۔آپ کے وصال سے دنیا علم وحکمت کے ایک ایسے مرکز سے محروم ہو گئی جس کا فیض عام مدتوں اصحاب ایمان کے دلوں کو عشق رسول کی دولت بے بہا عطا کرتا رہا۔

marfat.com

تری یادیں تری باتیں ہمارے دل کی زینت ہیں
ترے افکارِ عالی ہی زمانے بھر کی عظمت ہیں
تری تقریر کیا تھی شوکت احمد کی ضوباری
تری تفسیر کیا تھی، سر بسر تھی رحمت باری
تو پاکستان کی تاریخ کا اک رُکن اعظم تھا
ہمارے واسطے ہر پل مکرم تھا معظم تھا
ترے افکار کی تاثیر سے دل میں اُجالا ہے
ترے اَفکارِ عالی کا ہر اک پہلو نرالا ہے
رضاؔ کے جملہ اساسات تیرے دم سے روشن ہیں
تری باتوں سے بزم فکر کے آباد گلشن ہیں

marfat.com

معروف خطیب اور تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما
مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے
ایک فکر انگیز انٹرویو

تحریک پاکستان کا تصور ابھرتے ہی ذہن وفکر میں وہ شخصیات سامنے لگتی ہیں جن کے بے مثال جذبۂ ایمانی کی بدولت کاروان آزادی منزل مقصود سے ہمکنار ہوا۔ ان محترم شخصیات میں سے ایک اہم نام مولانا محمد بخش مسلم کا ہے' جنھوں نے تحریک پاکستان کے انتہائی نازک مراحل میں اپنی فراست' تدبر ولیاقت اور نظریاتی پاسداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کی تائید کر دی کہ حصول پاکستان کے سلسلہ میں علماء ومشائخ حق کا کردار تاریخ ساز بھی ہے اور قابل صد افتخار بھی۔

مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان میں اپنے روشن کردار کے علاوہ مسلم مسجد لاہور کے خطیب ہونے کے حوالے سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں۔ مسلم مسجد اتحاد بین المسلمین کی علامت اور مختلف دینی تحریکات کا مرکز رہی ہے۔ آپ اس وقت اپنے کردار اور عمر کی بناء پر پاکستان اور لاہور کی تاریخ کا وہ تابندہ باب بن چکے ہیں' جس کا عصری مطالعہ کئے بغیر مقاصد پاکستان سے حقیقی آگاہی ممکن نہیں۔ آپ ۱۸ فروری ۱۸۸۷ء کو لاہور میں جناب میاں پیر بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ قدرت سے ذہن رسا عطا ہوا تھا۔ محلے میں ایک نیک سیدہ خاتون مسماۃ چراغ بی بی سے قرآن پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے والد اپنے بیٹے کو لینے کیلئے ان کے ہاں پہنچے تو اس خاتون نے کہا کہ میرے پاس پڑھنے والے تمام بچے بچیوں میں سے تمہارا بیٹا سب سے زیادہ ذہین اور لائق ہے' اسے ضرور تعلیم دلانا۔ ان کے والد نے ان کی نصیحت کا پاس کیا۔ مولانا محمد بخش مسلم نے میٹرک کے بعد منشی عالم اور پھر منشی فاضل کا امتحان پاس کر کے نمایاں حیثیت سے بی اے کا امتحان پاس کیا اور ملازمت اختیار کر لی۔

marfat.com

آپ ایک نامور خطیب عالم دین اور تحریک پاکستان کے قابل قدر راہنما ہی نہیں بلکہ کامیاب مصنف بھی ہیں۔ آپ نے طبع زاد کتب بھی تصنیف کیں اور تراجم بھی کئے، جن پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ آپ کی کتب کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے، جن میں سے رسول مقبول، بیان الاخلاق، ختم رسالت، مساوات، پیام اسلام، بیت الاسلام، مقروض قوم، آزاد پاکستان، اسلام اور پاکستان، قائداعظم اور پاکستان، جہاد، وحدت اسلام، برہان القرآن، وحدت اسلام وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ہم نے سوال کیا ''مولانا! آپ ایک غریب خاندان کے فرد تھے، جس کا سب سے بڑا مسئلہ فکر معاش ہے۔ آپ کے اندر یہ تصور کس طور جاگزیں ہوا کہ مجھے خدمت اسلام اور نظریۂ پاکستان کی ترویج کیلئے میدانِ عمل میں آنا چاہیئے''۔

مولانا نے فرمایا ''مجھے اپنے افلاس پر فخر ہے۔ میرے پاس کتب خریدنے کیلئے پیسے نہیں تھے۔ سب سے پہلی کتاب جو مجھے والد محترم نے عطا کی وہ روح اسلام تھی۔ ایک بار میں تمام رات جاگ کر مطالعہ کرتا رہا تو صبح والد صاحب نے کہا کہ تم تو تمام شب پڑھتے رہے مگر ہمارا دو پیسے کا تیل ختم ہو گیا۔ اس طرح پڑھتے رہے تو پیسے کہاں سے آئیں گے۔ والد صاحب بھی درست کہتے تھے مگر میرا مطالعہ کا شوق مسلسل جلا پاتا رہا۔ اس دور میں میں نے بیشتر کتب لوگوں سے مانگ کر پڑھیں۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں تاریخ اسلام اور مذاہب کے تقابلی جائزے میں مصروف تھا کہ اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھا:

؎ کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

یہ شعر میرے دور کے بے عمل مسلمانوں پر بہت گہرا طنز تھا، جس کی کاٹ میرے احساسات کو شدید مجروح کر گئی اور میرے اندر کا مسلمان بیدار ہو گیا۔ فوراً تہیہ کر لیا کہ بے مقصد اور رائیگاں زندگی نہیں گزاروں گا اور مقدور بھر خدمت اسلام کا فریضہ انجام دوں گا۔ اس دور میں قادیانیت اور تحریک پاکستان دو ایسے مسائل تھے جن سے کوئی صاحب ایمان بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے ایمان کے تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے قادیانیت کے استیصال اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ و اشاعت کیلئے مصروف عمل ہو گیا چونکہ میں سرکاری ملازم تھا، اس لئے حتیٰ المقدور کوشش کیا کرتا تھا کہ قانون کے دائرے میں رہ کر اپنے مقاصد کو انجام دوں''۔

''تحریک پاکستان کے حوالے سے ارشاد فرمایئے کہ وہ کون سا آفاقی جذبہ تھا جو برق کی

marfat.com

صورت میں اصحاب ایمان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو گیا تھا اور جس نے اسلامیانِ ہند کو یہ احساس بخشا تھا کہ وہ ایک الگ مملکت کیلئے جدوجہد کریں'۔ ہم نے سوال کیا۔

مولانا نے فکری توانائیوں کو یکجا کرتے ہوئے جذباتی انہماک سے جواب دیا؛

''وہ جذبہ دو قومی نظریۂ اسلام کا عطا کردہ تھا۔ یہ وہی دو قومی نظریہ تھا جس نے الگ مسلم قومیت کی بنیاد ڈالی تھی اور حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے جو آپ کے ہم وطن اور رشتہ دار تھے' منہ موڑ کر ان مسلمانوں سے قومیت کا رشتہ استوار کیا تھا جو اگرچہ مختلف علاقوں اور قبائل وممالک سے تعلق رکھتے تھے مگر ان کے دلوں میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عظمت جاگزیں ہو چکی تھی۔ یہیں سے دو قومی نظریہ کو فروغ حاصل ہوا۔ اسلام کے مقابلہ میں کفر ملت واحدہ ہے تو پھر اسلام کے ماننے والے ملت واحدہ کیوں نہیں۔ تحریک آزادی کا رُخ تحریک پاکستان کی طرف موڑنے کیلئے سب سے اہم کردار شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال کی شاعری اور افکار نے ادا کیا تھا۔ انہوں نے ہمیں باور کرایا تھا کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اور یہ قوم رسولِ ہاشمی اس وقت تک اپنی ترکیب میں خاص نہیں ہو سکتی تھی جب تک اس کے اذہان اور قلوب میں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ راسخ نہ ہو جائے۔ مسلمان کے عقیدہ کی معراج ہی عشق رسول ہے۔ اسی لئے تو اقبال کہتے ہیں:

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقبال کا یہ پیغام دلوں کی دھڑکنوں میں ڈھل گیا اور اسلامیانِ ہند اپنے دلوں سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعیں روشن کرتے ہوئے حصولِ پاکستان کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔ علماؤ مشائخ حق نے اس سلسلہ میں تاریخی کردار ادا کیا اور برصغیر پاک و ہند کے طول وعرض میں نظریہ پاکستان کے پیغام کو عام کرنے لگے۔

''محترم! علمائے حق کے تذکرہ سے یاد آیا' آج یہ حقیقت اپنا وجود منوا چکی ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران میں سواد اعظم اہلسنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخ نے من حیث الجماعت حصولِ پاکستان کیلئے کام کیا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں'' ہم نے پوچھا۔

marfat.com

''اس بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ پاکستان بنانے میں مشائخ وعلمائے اہلسنت نے فی الواقع من حیث الجماعت قائداعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا ہے۔ تحریک پاکستان کے جس ہنگامہ خیز دور میں دوسرے مکاتب فکر کے علماء اپنے تمام تر علمی مقام کے باوجود گاندھی و نہرو کے متحدہ قومیت کے سحر کے اسیر ہو کر قائداعظم کو کافراعظم اور پاکستان کو پلیدستان ثابت کرنے کیلئے معروف تھے' صرف اور صرف علماء و مشائخ اہلسنت ہی تھے جو اپنے تمام تر لسانی وفکری اور علمی و عملی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے نظریہ پاکستان کو اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح ثابت کرنے کیلئے میدانِ عمل میں مجاہدانہ کام کر رہے تھے۔ یہ انہی کی کوششوں کا ثمر تھا کہ نہ صرف کانگریس کے ہمنوا علماء کے پروپیگنڈے نے دم توڑ دیا بلکہ اسلامیانِ ہند ایک نئے جذبے سے سرشار ہو کر پاکستان کے قیام کو تقاضائے ایمانی سمجھنے لگے''۔

''جناب والا! تحریک پاکستان کے دوران میں علمائے حق کی عملی کاوشوں سے آگاہ فرمایئے تا کہ ہمارے قارئین گردشِ ایام کو پھلانگتے ہوئے' اس دور کی ایک جھلک دیکھ سکیں؟''۔ ہم نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

مولانا فرمانے لگے''تحریک پاکستان کے ضمن میں امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے نظریات اور افکار کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آپ ہی کے افکار اور تعلیمات کا فیضان تھا کہ علمائے حق بیک زبان مسلم لیگ اور قائداعظم کے ہمنوا ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادگان' خلفاء اور تلامذہ کے علاوہ آپ کے حلقۂ اثر سے تعلق رکھنے والے بے شمار اصحاب علم وفضیلت پاکستان کے پیغام کو عام کرنے کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔

آل انڈیا سنی کانفرنسیں اس سلسلہ میں بے پناہ مفید ثابت ہوئیں۔ حضرت فاضل بریلوی کے علاوہ آپ کے صاحبزادگان حضرت حامد رضا خاں بریلوی' حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی (رحمۃ اللہ علیہم) کی مساعی قابل صد ستائش ہیں۔ دوسرے علماء و مشائخ میں حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی' حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری' حضرت پیر غلام محی الدین گولڑہ شریف' حضرت پیر خواجہ محمد قمر الدین سیالوی' حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی' حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی' حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی' پیر صاحب زکوڑی شریف' پیر صاحب مانکی شریف' دیوان صاحب اجمیر شریف' حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی' حضرت مولانا سید محمد ابوالحسنات' حضرت خواجہ پیر حسن نظامی دہلوی' حضرت مولانا سید احمد سعید شاہ کاظمی اور حضرت مولانا

marfat.com

عبدالستار خاں نیازی (رحمۃ اللہ علیہم) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہ تذکرہ فقط ان چند ناموں تک محدود نہیں ہے بلکہ سواد اعظم سے تعلق رکھنے والے تمام مشائخ و علماء اسے کفر و اسلام کی فیصلہ کن جنگ سمجھ کر اسلام اور پاکستان کا ساتھ دے رہے تھے۔

ہم نے اگلا سوال کیا ''محترم آپ کے حوالے سے ہمیں موقع میسر آ رہا ہے کہ تحریک پاکستان پر ایک نظر ڈال سکیں۔ اس دور میں اپنی مصروفیات سے بھی ہمیں آگاہ فرمایئے تا کہ یہ معلومات بھی حوالہ تاریخ بن سکیں؟''۔

مولانا نے کچھ دیر توقف کیا اور اپنی یادوں کے گلستان سے خوشہ چینی کرتے ہوئے کہنے لگے ''انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ کے زیر اہتمام ہر سال بڑے پیمانے پر ختم نبوت کانفرنس ہوا کرتی تھی۔ میں وہاں بطور مقرر کے جایا کرتا تھا۔ اپنی تقاریر میں قادیانیت کے خلاف دلائل دیتا اور پھر آہستہ آہستہ اپنی تقریر کا رُخ تحریک پاکستان کی طرف موڑ دیا کرتا' میرا یہ انداز نہایت مؤثر ہوا کرتا۔ انگریز حکومت عام جلسوں کی اجازت بہت کم دیتی تھی اور پھر میری ملازمت بھی آڑے آئی۔ اس لئے میں میلاد' ختم نبوت اور اس نوعیت کی دوسری اسلامی تقریبات میں شریک ہوتا اور اپنی تقریر کو بالتدریج دو قومی نظریہ کی طرف لے آتا۔ میرا یہ انداز اتنا مقبول ہوا کہ لوگ میری تقریر سننے کے مشتاق رہنے لگے۔ ان دنوں بمبئی میں تحریک پاکستان کے مقاصد کیلئے سرگرم شخصیت حاجی محمد یوسف مکی ایسے مقررین کی تلاش میں تھے جو پاکستان کے پیغام کو اس علاقہ میں عام کر سکیں۔ انہیں چٹی شیخاں والے مولانا غلام فرید نے مشورہ دیا کہ میں تمہیں ایک ایسے عالم کا نام بتاتا ہوں' جو جیل میں بھی نہ جائے اور کام میں بھی کماحقہٗ انجام دے۔ وہ عالم دین محمد بخش مسلم ہے۔ چنانچہ ان کے مشورہ کے مطابق مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا اور میں ۱۹۴۶ء تک کم و بیش ۱۴۔۱۵ سال اس تمام علاقہ میں حضرت قائداعظم اور مسلم لیگ کی آواز کو پہنچاتا رہا۔ ان دنوں بمبئی میں مولانا شاہ احمد نورانی کے سگے تایا مولانا نذیر احمد خجندی ایک جامع مسجد کے خطیب و امام تھے۔

مولانا نذیر احمد خجندی اپنے بھائی مولانا عبدالعلیم میرٹھی کی طرح قیام پاکستان کیلئے انتہائی تگ و دو کر رہے تھے۔ آپ کو اس علاقہ میں قائداعظم کا وکیل سمجھا جاتا تھا۔ انتخابات میں آپ قائداعظم کے پولنگ ایجنٹ ہوا کرتے تھے۔ آپ قائداعظم کی شخصیت پر اس طور اثر انداز تھے کہ وہ آپ کے ہر مشورے اور رائے کو خلوص دل سے سنا کرتے تھے۔ یہ انہی کا فیضان تھا کہ قائداعظم جو پہلے آغا خانی اور پھر اثنا عشری شیعہ تھے' آہستہ آہستہ سنی اعتقادات کا رنگ قبول کرنے لگے۔ قائداعظم

marfat.com

عید کی نماز عام مسلمانوں کی طرح ان کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ بمبئی میں اپنے مقاصد کی ترویج کیلئے مولانا نذیر احمد خجندی کی شخصیت میرے لئے بہت زیادہ معاون و مددگار ثابت ہوئی۔

یادوں کے البم کے اوراق الٹتے ہوئے مولانا مسلم ذرا دیر کیلئے رکے اور پھر گویا ہوئے۔ بمبئی شہر کے تمام مقامات کے علاوہ صوبہ بمبئی کے تمام قابل ذکر شہروں سے خطاب کرنے کے مواقع بھی مجھے بارہا میسر آئے۔ میں پونا میں جاتا رہا جو اچھوتوں کا مرکز تھا' کلیان میں پنڈتوں کی کانفرنس میں اپنے نصب العین کی ترویج کی۔ آہستہ آہستہ اس تمام علاقہ میں مجھے ترجمانِ پاکستان کا لقب حاصل ہوگیا۔ دراجی کے علاقہ میں اپنے مقصد کی تبلیغ میں نے دل کھول کر کی' اسی طور مجھے کاٹھیاواڑ میں مسلم لیگ کے پیغام کو پہنچانے کا موقع بھی میسر آیا۔ برصغیر میں کاٹھیاواڑ واحد علاقہ تھا' جہاں کے مسلمان انتہائی امیر اور ہندو انتہائی غریب تھے۔ قائداعظم کو مسلم لیگ کے فنڈز کیلئے بیشتر رقوم وہیں سے حاصل ہوتی تھیں' جب قائداعظم کی سرپرستی میں انگریزی روزنامہ ''ڈان' جاری ہوا تو قائداعظم نے مختلف صوبہ جات سے اس کی امداد کی اپیل کی۔ کاٹھیاواڑ کے مسلم عوام سے کہا گیا کہ آپ ڈان اخبار کی امداد کیلئے تین لاکھ روپے جمع کر دیں۔

اس سلسلہ میں راہنماؤں نے قائداعظم سے عرض کیا کہ آپ چندہ کی اپیل نہ کریں' یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے' ہم خود ہی حسب توفیق رقم آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ قائداعظم مان گئے' جلسہ ختم ہوا تو وہاں کے مسلم عوام کی طرف پانچ لاکھ روپوں کی تھیلی قائداعظم کی خدمت میں پیش کی گئی۔ قائداعظم نے تھیلی وصول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''میں نے آپ سے تین لاکھ طلب کئے تھے' پانچ لاکھ نہیں' دو لاکھ روپے میری اپیل سے زائد ہیں۔ اس لئے آپ واپس لے لیں''۔

مقامی راہنماؤں نے عرض کیا ''قائداعظم ہم امداد کے نام پر یہ رقم دے چکے ہیں اس لئے ہم دو لاکھ روپیہ واپس لے کر اپنی ذات پر خرچ نہیں کر سکتے''۔

قائداعظم نے فرمایا ''تو پھر اس رقم کو کسی اور نیک کام میں خرچ کر دو''۔

قائداعظم کے حکم کی تعمیل میں یہ طے پایا کہ یہ دو لاکھ روپے کی زائد رقم دراجی کی جامع مسجد فاروقیہ کی تعمیر و توسیع پر خرچ کر دی جائے۔ اس واقعہ سے قائداعظم کی عظمت کردار کا نہایت روشن پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ قائداعظم اپنی قوم سے اتنی ہی قربانی طلب کرتے تھے' جس قدر ضرورت ہوتی تھی۔ قائداعظم نے دو لاکھ روپے کی زائد رقم لوٹا کر دوسرے قائدین کو جتلا دیا کہ عوام کے روپے کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور اس روپے کو تصرف میں لانے کیلئے

marfat.com

کس خلوص نیت اور احساس ذمہ داری کی ضرورت ہوتی ہے۔ قائداعظم کی سیرت کا یہ تابندہ پہلو آج تک میری یادوں کو منور کئے ہوئے ہے۔ ہم لوگ فخر کیا کرتے تھے کہ ہم قائداعظم کی عساکر آزادی کے سپاہی ہیں۔ یہی افتخار آج بھی ہمارا سرمایہ حیات ہے۔ قائد کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ مسٹر گاندھی کے آبائی علاقہ میں تقاریر کروں۔ بحمد اللہ مجھے وہاں بھی نہایت کامیابی حاصل ہوئی۔ مختلف علاقوں کے انگریز افسران میری گرفتاری کے درپے رہتے تھے مگر ہمیشہ تائید ایزدی آڑے آئی اور میں گرفتاری سے محفوظ رہا۔

ہم نے عرض کیا "محترم! اب قائداعظم کی بات چھڑی ہے تو اپنی یادوں کے حوالے سے تاریخ اسلام کے اس بطل جلیل کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایئے۔ ان کے مخالفین انہیں آمر، مردم گریز اور سخت مزاج کہا کرتے تھے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

"قائداعظم محمد علی جناح جیسی شخصیات بلاشبہ صدیوں بعد جنم لیتی ہیں۔ ان کا وجود تاریخ کے ایوانوں میں اس وقت اُبھرتا ہے جب قدرت کو کسی قوم کی بھلائی مقصود ہوتی ہے۔ قائداعظم علامہ اقبال کے مردِ مومن اور اسلامیانِ ہند کے نجات دہندہ تھے۔ آپ کا کردار بے داغ اور صاف ستھرا تھا۔ آپ کے مخالفین اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس صاحب ایمان کے کردار میں معمولی سی خامی بھی تلاش نہ کر سکے۔ قائداعظم آمر نہیں تھے، وہ تمام معاملات میں مشورت کے قائل تھے۔ تاہم اتفاق رائے سے جب کوئی فیصلہ کر لیتے تو بڑی سے بڑی طاقت بھی انہیں اس فیصلہ سے انحراف پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ وہ سخت مزاج تھے تو صرف اصولوں اور نظم و ضبط کے معاملے میں۔ آپ مردم بیزار ہرگز نہیں تھے۔ اگر آپ مردم بیزار ہوتے تو انتہائی پیرانہ سالی اور جسمانی انحطاط کے باوجود کس طرح لاکھوں عوام کے بے شمار اجتماعات سے خطاب کر سکتے تھے۔ آپ بڑے لیڈروں کے پہلو بہ پہلو چھوٹے کارکنوں کا خیال بھی رکھا کرتے تھے، جن دنوں پاکستان مخالف علماء قائداعظم اور پاکستان کی مخالفت میں ہر ممکن ہرزہ سرائی کر رہے تھے اور میں ان کے تمام اعتراضات کے تار و پود بکھیر رہا تھا تو قائداعظم تک میری مساعی اور کامیاب جدوجہد کی رپورٹ پہنچی۔ میاں فیروز الدین مرحوم نے قائداعظم کو میری کاوشوں کے بارے میں بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ ان پاکستان دشمن مولویوں نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اب میں خوش ہوں کہ اس نوعیت کے علماء میرے مشن کو آسان تر کر رہے ہیں پھر آپ نے میاں فیروز الدین سے کہا کہ اس آدمی کو میرے پاس لے کر آؤ، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ قائداعظم ان دنوں نواب افتخار حسین ممدوٹ کی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میاں

marfat.com

فیروز الدین نے کہا کہ جناب یہ وہی شخص ہے جسے آپ نے نواب زادہ رشید علی خان کی کوٹھی پر ملاقات کے لئے پندرہ منٹ دیئے تھے۔ اس پر قائداعظم کو یاد آ گیا اور آپ نے فرمایا کہ ان جیسے علماء یقیناً تحریک پاکستان کی کامیابی کا باعث بنیں گے۔

اسی طرح ایک بار مسلمانوں کے ایک جلسہ میں دوران تقریر ایک ایسا ریزولیشن پیش کیا گیا، جس میں شہریوں کو زیادہ اور زمینداروں کو کم فوائد حاصل ہو رہے تھے۔ اس پر زمینداروں میں بے چینی پیدا ہوگئی، میں نے اپنی تقریر میں ثابت کیا کہ اس ریزولیشن سے زمینداروں کو بھی بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ حاضرین میرے استدلال سے مطمئن ہوئے اور قائداعظم نے اس پر مسرت کا اظہار کیا۔

"علامہ محمد اقبال اسلامی نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ آپ نے یقیناً اپنی قومی جدوجہد کے دور میں انہیں قریب سے دیکھا ہوگا۔ ان کی محافل میں گئے ہوں گے اور ان کے کلام اور خطبات سے مستفیض ہوئے ہوں گے؟"۔ ہم نے سوال کیا

"علامہ محمد اقبال شاعر مشرق تھے، ترجمان خودی اور محرم اسرارِ بے خودی تھے۔ آپ کی تمام تعلیمات اور افکار کا محور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عشق ہی کا کمال تھا کہ زمانہ انہیں سلام کرتا تھا، میں تو رہنے والا ہی لاہور کا ہوں، اس لئے مجھے ان کی خدمت میں حاضری کے متعدد مواقع میسر آئے۔ انہیں اجتماعات سے بھی سنا اور ان کے دولت کدے پر بھی حاضری دی۔ ان کا کلام انہی کا زبانی سنا اور یہ اسی کی تاثیر ہے کہ آج تک اس کلام کی لذت میں کھویا ہوا ہوں۔ ابتداء میں اقبال کے ہاں حاضری دی تو ان کے اصرار کے باوجود دو مرتبہ نیچے بیٹھا لیکن جب تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ کرسی پر بیٹھو۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں کرسی پر بیٹھا، علامہ اقبال میری سیاسی اور نظریاتی جدوجہد سے بہت خوش تھے، جب علامہ اقبال مجلس قانون ساز کے الیکشن میں کھڑے ہوئے تو مجھے اُن کی خدمت کا بھرپور موقع میسر آیا۔ انتخاب کی اس مہم کے دوران میں ان کے تمام اشتہارات، پوسٹر، پمفلٹ اور انتخابی نعرے تک میرے تحریر کردہ تھے، میں کوشش کیا کرتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو پس پردہ رہ کر کام کروں۔ علامہ اقبال میرے کام کے انداز سے نہایت مطمئن تھے بلکہ میرا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ مجھ پر فخر کیا کرتے تھے۔ مجھے ان سے غیر معمولی محبت و عقیدت تھی اگر کبھی اختلاف کرنے کی نوبت آتی تو بڑے پیار سے دوسروں سے فرماتے "دیکھو یہ میرا چاہنے والا مجھ سے اختلاف کر رہا ہے۔ ابھی مولانا کی گفتگو جاری تھی کہ ہم نے سوال کیا "مولانا! علامہ اقبال کو نظریہ

marfat.com

پاکستان کا تصور کہاں سے عطا ہوا' نیز یہ بھی فرمائیے کہ پاکستان کا قیام کس طور ناگزیر تھا؟

مولانا مسلم ذرا دیر کو رک کے پھر فرمانے لگے میں اسی موضوع کی طرف آ رہا تھا۔ اقبال کو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت تھی۔ اُن کی اس عقیدت کی بنیاد حضرت مجدد کی وہ مجاہدانہ تگ و تاز تھی' جس نے نام نہاد دین اکبری کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اقبال چونکہ قرآن و احادیث کا گہرا علم رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جو کچھ بھی کیا اور کہا ہے اور عین تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے اس لئے اقبال سمجھتے تھے کہ دو قومی نظریہ کی بدولت ہی ہم برصغیر میں احیائے اسلام کا مقدس فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اقبال دوسرے صوفیا اور اولیاء سے بھی روحانی ارادت رکھتے تھے اور تمام اولیائے برحق نے ہند میں آ کر اسلامی تشخص کو اُجاگر کیا تھا' اس لئے اقبال کے نزدیک ہماری کامرانی اسی صورت ممکن تھی کہ ہم جداگانہ تشخص کے نام پر علیحدہ اسلامی مملکت تخلیق کریں۔

اور پھر یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہند میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت نہایت زبوں اور دردناک تھی اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک کسی قوم کی اقتصادی حالت بہتر نہ ہو' وہ شاہراہ حیات پر شایانِ شان سفر نہیں کر سکتی۔ اقبال نے ایک جگہ اسی طرف اشارہ کیا ہے:

''مسلمانوں کی اقتصادی حالت اسلامی ضابطے کے بغیر درست نہیں ہو سکتی اور اسلامی ضابطہ مسلم حکومت کے قیام کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا''۔

اتنے بڑے مفکر کی یہ بات جب میں نے پہلی بار سنی تو مجھے اپنی وہ سوچ یاد آ گئی جس کی بدولت میں نے متعدد کتب بھی تصنیف کی تھیں اور اپنے خطبات میں اس امر کو عام بھی کیا تھا کہ جب تک مسلمان اقتصادی لحاظ سے سربلند نہ ہوں گے۔ وہ دوسری اقوام کے شانہ بشانہ نہیں چل سکیں گے۔ اقبال اور قائد اعظم نے ہمیں عملی صورت دکھائی کہ پاکستان کے نام پر علیحدہ مملکت حاصل کر کے ہی ہم مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست کر سکتے ہیں۔ وقت نے ان کے فیصلے کو درست ثابت کر دیا کہ انگریز یا ہندو سامراج کے زیر تسلط رہ کر ہم خوشحال مسلم معاشرہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انگریز کی مسلم دشمنی اور ہندو کے غیر معمولی تعصب نے ہماری جدوجہد کو تیز سے تیز تر کر دیا اور ہمارے قدم ثابت قدمی کے ساتھ منزل پاکستان کی جانب اُٹھتے چلے گئے۔ ہم اپنی تقاریر میں علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ ''پاکستان کیلئے فقط اس لئے کام نہیں کر رہے کہ اس کا تصور اقبال نے دیا ہے یا قائد اعظم ہمارے راہنما ہیں بلکہ ہم تو اس لئے میدانِ عمل میں آئے ہیں کہ پاکستان کا قیام

marfat.com

قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔ میں چار اُمور کی سند پیش کیا کرتا تھا۔ قرآن‘ حدیث‘ صحابی کا قول اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل۔ علامہ اقبال بھی اسی خیال سے اتفاق فرمایا کرتے تھے کہ ان سے ہٹ کر ہماری قومی سیاسی اور دینی فوزوفلاح ممکن ہی نہیں۔

ہم نے عرض کیا ”حضرت! آپ نے ابتداء میں قادیانیت کے تعاقب کا تذکرہ کیا ہے‘ کچھ اس پر بھی روشنی ڈالئے؟“

مولانا کہنے لگے ”آج تو خیر قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جا چکا ہے لیکن تقسیم برصغیر سے قبل انہیں اس وقت کے حکمرانوں کی پوری پوری سرپرستی حاصل تھی۔ خراجِ عقیدت کے مستحق ہیں وہ علماء و مشائخ جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی ان کا احتساب جاری رکھا‘ میں کتابیں خرید نہیں سکتا تھا اور مانگ کر پڑھا کرتا تھا‘ جب میں مناظرہ کرتا تو مخالف فریق کو زِچ کر دیتا لیکن جب کتابوں سے حوالے دکھانے کی ضرورت پیش آتی تو کتابیں میرے پاس نہیں ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ کتابیں منگوائی جاتیں اور میں میدان جیت جاتا۔ لوگ حیران ہوتے کہ یہ کیسا حیرت انگیز عالم ہے کہ کتابیں اس کے پاس نہیں ہیں مگر اس کے تمام حوالے درست اور تمام دلائل برحق ہوتے ہیں۔ ختم نبوت کے سلسلہ میں میرا انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ کے اجتماعات میں مسلسل جانا ہوگیا اور پھر تو زمانہ شاہد ہے۔

ع...... عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

ملازمت کے دوران میں بااثر قادیانی میرے درپئے آزار رہتے تھے۔ ترغیب و تحریص غرضیکہ ہر طریق سے مجھے خریدنے یا خاموش کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ تو عشق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشہ تھا‘ جسے دنیا کی کوئی ترشی اُتار نہیں سکتی تھی۔ مشہور قادیانی راہنما سر ظفر اللہ خاں نے جو میری اقتصادی زبوں حالی سے آگاہ اور میری تبلیغ سے سخت نالاں تھے۔ بارہا مجھے کہا ”مولوی صاحب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ہم آپ کو لندن بھجوا دیتے ہیں۔ شیخ اعجاز احمد (برادر زادۂ اقبال) نے بھی کئی بار ایسی ہی خواہشات کا اظہار کیا لیکن میں نے اپنے مؤقف سے دستبردار ہونا قبول نہ کیا اور ایسی ہر ایک پیشکش کو ٹھکرا دیا جو مجھے مصلحت کا اسیر کر کے عشق رسالت مآب کے تقاضوں سے غافل کر سکتی تھی۔

ہم نے دریافت کیا ”ایک عالم دین‘ خطیب اور ادیب ہونے کے علاوہ آپ صحافت سے بھی متعلق رہے تھے اور شاعری بھی فرماتے رہے ہیں۔ اس میں کس حد تک صداقت ہے؟

مولانا فرمانے لگے ”آپ کی دونوں باتیں درست ہیں۔ مجھے صحافت سے متعلق رہنے کا

marfat.com

اعزاز بھی حاصل ہے اور شاعری بھی کی ہے۔ سید حبیب کے روزنامہ ''سیاست'' میں پانچ برس تک اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہوں۔ اتنا ہی عرصہ روزنامہ زمیندار میں بھی کام کیا ہے۔ ملازمت بھی جاری رکھی اور کام بھی کرتا رہا' خضر حیات کی وزارت اعلیٰ کے دوران میں میں روزنامہ زمیندار میں تھا۔ خضر حکومت نے مجھے قید کر لیا اور پھر کہا گیا کہ اگر توبہ کر لیں تو ہم رہا کر دیں گے لیکن میں تو معذرت کی بابت سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بہرحال یہ وقت بھی بیت گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلامیان ہند لیلائے آزادی سے ہمکنار ہو گئے۔ شاعری کے ضمن میں میں وجاہت حسین جھنجانوی سے باقاعدہ اصلاح لیا کرتا تھا اور انہیں اپنا استاد کہا کرتا تھا' وجاہت حسین مرزا داغ دہلوی کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔

''مولانا! تحریک پاکستان کے حوالے سے تو بہت باتیں ہو چکیں' یہ فرمایئے قائداعظم اور علامہ اقبال کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے۔ آج بعض نام نہاد دانشور دعویٰ کر رہے ہیں کہ قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟''۔

ہم نے سوال کیا۔

مولانا کہنے لگے ''اس پروپیگنڈا میں کوئی حقیقت نہیں کہ قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے یا علامہ اقبال لادینیت پسند ہے۔ کسی بھی شخص کی حقیقی تصویر اس کے افکار' تعلیمات اور کردار ہی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ علامہ اقبال کی تو شاعری ہی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت اسلام سے عبارت ہے۔ دوقومی نظریہ کا تصور ہی عین اسلام ہے۔ قائداعظم نے بارہا یہ اعلان فرمایا تھا کہ پاکستان میں قرآن اور اسلام کو بالادستی حاصل ہو گی۔ ایک بار انہوں نے یہاں تک فرما دیا تھا کہ میں کون ہوتا ہوں' پاکستان کا آئین بنانے والا' پاکستان کا آئین تو چودہ صدیوں قبل ترتیب پا چکا ہے۔ سیکولر اسٹیٹ بنانے کی الزام تراشی دراصل وہ لوگ کر رہے ہیں جنہوں نے پاکستان کو دل سے نہیں بلکہ صرف مصلحت کے تحت قبول کیا تھا۔ ان کی نظریں کبھی ماسکو کی طرف اُٹھتی ہیں اور کبھی نئی دہلی کی طرف۔ ان کی عقل و دانش مارکس اور لینن کی فلاسفی کی اسیر ہے۔ یہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے جو پاکستان اور اس کے عوام کی حقیقی ترقی کی بنیاد بن سکتا ہے۔

ہم جب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو عصر ہونے کو تھی' انٹرویو پھیل کر کئی گھنٹوں پر محیط ہو چکا تھا۔ داستانِ شوق دراز تھی' ہوش کا کس کو یارا تھا' ماضی کے اوراق اُلٹے جا رہے ہوں تو حال کی رفتار تھمنے لگتی ہے' رات کی تاریکیاں ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں لیکن مولانا محمد بخش

marfat.com

مسلم نے تحریک پاکستان اور عظمت اسلام کے حوالے سے جو کرنیں لٹائیں تھیں وہ مسلسل فکر و نظر کو اُجالا بخشنے کا اہتمام کر رہی تھیں۔ اس طویل انٹرویو کے دوران میں مولانا کے کتنے ہی ملاقاتی آئے مگر مولانا ہماری وجہ سے انہیں ٹالتے رہے۔ مولانا پر خدائے تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس پیرانہ سالی میں ان کی ایمانی بصیرت کے علاوہ بصارت بھی سلامت ہے اور سماعت بھی۔ ان کا حافظہ اس قدر تیز اور یادداشت اس قدر برمحل ہے کہ بات چھڑتے ہی احساس ہونے لگتا ہے کہ

ع...... میں گلستاں میں گیا گویا دبستاں کھل گیا

ہم نے آخر میں مولانا سے عرض کیا کہ وہ ''ضیائے حرم'' کی وساطت سے محبان ملک وملت کے نام کیا پیغام دینا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا ''میرا پیغام فقط یہی ہے کہ اسلام کو دلوں میں راسخ کیجئے اور مسلمان کہلائیے۔ ایسا مسلمان جو شانِ توحید کا علمبردار ہو اور عظمت و شان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدائی بھی۔ ایک قابل فخر مسلمان بن کر ہی ہم اسلام اور پاکستان کی حقیقی معنوں میں خدمت کا حق ادا کر سکتے ہیں''۔

اس کے ساتھ ہی ہم نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور ان کی تاریخ ساز یادوں کو قرطاس وقلم کی زینت بنانے کیلئے اُن سے رخصت کی اجازت طلب کی۔

نوٹ: جب ہم نے مولانا محمد بخش مسلم سے انٹرویو کیا تو اس وقت ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ تاریخی انٹرویو ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور (بھیرہ شریف) میں شائع ہوا تھا۔

marfat.com

وادیٔ نور کا مسافر

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

(یہ مضمون آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''ضیاء النبی'' کی تعارفی تقریب میں پڑھا گیا)

زمانہ ماہ و سال کی گردش کے جال بنتا ہے۔ کاروانِ حیات ہر سنگ میل کو ٹھکراتا ہوا منزل ابد کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔ زندگی لمحوں کے بطن سے مہینوں، سالوں اور صدیوں کے پیکر تراشتی ہوئی پائندگی کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ تاریخ کی اوٹ سے جھانکتا ہوا وقت کا گراں پیکر پہیہ مسلسل حرکت کرتا ہوا لیل و نہار کی مسافرت جاری رکھتا ہے۔ فطرت کا یہ تمام ترعمل کسی ایسے دانائے روزگار کی تلاش کیلئے ہے جو اپنے نقوش عمل سے سفر حیات کے ہر سنگ میل کو منزل ایمان کا حسن عطا کر سکے۔ ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کا وجود بھی ایک ایسے ہی دانائے حیات کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے پامردی سے آگے بڑھتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں سیکھا بلکہ جس کی کمند شوق علوم فطرت کی انتہائی سربلندیوں کو نخچیر بنانے کی آرزو رہتی ہے کہ:

ع...... یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ ایک نام، ایک تابندہ حقیقت، ایک نام ابدی سچائی، ایک نام رشد و ہدایت کا روشن استعارا، ایک نام جمال تحریر اور کمالِ تقریر کی آبرو ایک نام تحقیق و جستجو کے نام پر ازلی حقائق کیلئے محو آرزو۔ ایک فردِ تنہا اپنی ذات میں انجمن کی شان لئے ہوئے، فردِ یکتا فکری و نظریاتی کوہ پیمائی کی آن لئے ہوئے، خطیب دلپذیر، ادب و انشاء کا مہکتا ہوا گلستان لئے ہوئے، رہبر طریقت کہ سلوک و معرفت کی پہچان لئے ہوئے، صاحب اسلوب ادیب کہ جس کا قلم تحقیق کے جواہر لٹانا جانتا ہو، مفسر قرآن کہ جو معارفِ قرآن کی رفعتوں کو پہچانتا ہو، رہبر بے مثال کہ جو راہِ تحقیق میں منزل کو بھی نشانِ منزل مانتا ہو، جس کی نوک قلم نکہت ہی نکہت، جس کی فکر سربلند

marfat.com

ثنائے رسول کیلئے مدحت ہی مدحت، جو گفتگو ہو تو مدحت مصطفےٰ (ﷺ) کے پھول جھڑیں، جو جلوہ آرائے خطابت ہو تو اسرارِ حیات کے ساز چھڑیں۔

جس کے لفظوں میں بیان کی قدرت، جس کے تکلم میں تاثیر کی قدرت
ہاں وہ یعنی ...... ضیاء الامت ...... ضیاء الامت

زفرق تابہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

آج جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کا نام ایک تابندہ روایت میں ڈھل چکا ہے۔ ضیاء القرآن کی صورت میں یگانۂ روزگار تفسیر قرآن سے لے کر ''ضیاء النبی'' کے نام سے پیش کی جانے وال سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک پیر محمد کرم شاہ الازہری نے علم وعرفان اور تبلیغ دین کا جو سفر طے کیا ہے وہ بہار آفریں بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ ''ضیاء القرآن'' کی مقبولیت کے بارے میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ اہل ایمان کے قلوب کی زینت بن چکی ہے۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ''کنز الایمان'' کے بعد ایک عرصہ تک عشاق سرورِ کونین کو جس فکری، تہی سامانی کا شکار ہونا پڑا' ضیاء القرآن نے اسے علوم معارف قرآن کے حوالے سے ایمان ویقین کی بہار ابدقرار میں بدل دیا ہے۔

تفسیر ''ضیاء القرآن'' نے ضیاء الامت کو مفسرین عالم کی صف اوّل میں لا کھڑا کیا ہے۔ اطراف واکناف عالم میں اس کی خوشبو پھیلتی چلی گئی۔ اصحاب شوق ایک مدت سے تفسیر ''ضیاء القرآن'' کی فکری موشگافیوں میں کھو کر اس تحیر آفریں شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے میں ابھی محو ہی تھے کہ اُفق ادب سے سیرت سلطانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تب وتاب لئے ہوئے ایک مہر منور طلوع ہوا' اس مہر منور کا نام ''ضیاء النبی'' تھا اور اس مہر منور کے طلوع کے پیش منظر میں کوہِ فاران کی بلندیوں سے ابھرنے والے آفتاب عالم تاب صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال محبت کی جگمگاہٹیں جلوہ گر تھیں۔

''ضیاء النبی'' جناب ضیاء الامت کا دوسرا بڑا کارنامہ۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی خوش بختیاں کس قدر ضیائیں شامل ہیں۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' تفسیر ضیاء القرآن' ضیاء النبی' ماہنامہ ضیاء حرم اور ان کے پس پردہ خود میرے ممدوح ضیاء الامت اسلامیہ۔ معلوم نہیں ابھی اور کتنی ضیا باریاں دورِ مستقبل کے حوالے سے اُمت اسلام کا مقدر بنیں گی۔

؎ اسلام کی ضیا ترا جب کہ خطاب ہو

marfat.com

ایسا کہاں سے لاؤں جو تیرا جواب ہو

اس وقت ہمارے زیر تبصرہ سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہری کی رقم کردہ ''ضیاء النبی'' ہے، جس کی تین جلدیں (اب سات ضخیم جلدیں) منظر عام پر آ چکی ہیں۔ یہ تین جلدیں ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کی شب دیجور سے لے کر ولادتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح نور تک اور ہجرت سلطانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر غزوۂ اُحد تک محیط ہیں۔

عربی اور پھر فارسی میں سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا۔ یہ تو ''ورفعنا لك ذكرك'' کا زمزمۂ قدسی ہے جو سماعتوں اور بصارتوں کا اعزاز بن کر ہر عہد کے اصحاب تحقیق سے عظمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خراج لیتا رہا ہے۔ اُردو ادب میں فضائل و کمالات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس ضمن میں یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مروجہ اسالیب کے حوالے سے بہت کم کتب دستیاب ہیں۔ اس وقت جو تذکار سیرت دستیاب ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

رحمۃ للعالمین:۔از: قاضی محمد سلیمان منصور پوری

سیرت النبی: از: شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی

سیرت رسول عربی: از نور بخش توکلی

سیرت المصطفیٰ: از: محمد ادریس کاندھلوی

ہم نے صرف طبع زاد کتب سیرت کی بات کی ہے۔ تراجم یا فضائل و مناقب کے حوالے سے تعداد کتب کے بیش بہا سرمایہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان کتب سیرت کے درمیان سے ''ضیاء النبی'' کا علمی و تحقیقی انفرادیت کے ساتھ منصۂ شہود پر اُبھرنا ایک کار عظیم ہے، جسے پیر محمد کرم شاہ الازہری جیسی نابغۂ روزگار شخصیت ہی انجام دے سکتی تھی۔

پیر صاحب شبلی نعمانی کی طرح ''خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا'' کہہ کر اواخر عمر میں سیرت نگاری کی وادیٔ نور میں داخل نہیں ہوئے بلکہ ان کی نثر نگاری کا آغاز ہی ثنائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا اور یہ بھی:

ع......نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

اپنی طویل علمی ریاضت، تحقیقی لگن اور مطالعہ کی بناء پر اس حقیقت کا بلا خوف تردید اعلان

marfat.com

کرنا تحدیث نعمت سمجھتا ہوں کہ "ضیاء النبیؐ" کی تصنیف و تکمیل کے بعد پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ عصر حاضر کی واحد شخصیت ہیں جو بیک وقت مفسر قرآن بھی ہیں اور سیرت نگارِ رسول بھی۔

تفسیر قرآن اور سیرت نگاری کیلئے الگ الگ اسلوب اور پیمانے ہوتے ہیں۔ تفسیر قرآن جلالت خداوندی کے احساس سے لرزیدہ کر دیتی ہے تو سیرت نگاری کا احساس وفورِ شوق کے چشمہ نور میں غوطہ زن ہونے کا ادراک عطا کرتا ہے۔ اسلوب جدا جدا ہیں تو اندازِ نگارش بھی جدا جدا۔ یہی وجہ ہے کہ نامور مفسرین جب تفسیر قرآن سے عہدہ برآ ہوئے تو پھر معارفِ قرآن ہی میں گم ہو کر رہ گئے اور جنہیں سیرت نگاری کی سعادت عطا ہوئی وہ زندگی بھر اسی قلزم نور کے غواص بنے رہے۔ مگر ہاشمی خاندان کے مقدس لہو کو رگوں میں موجزن رکھنے والے

...... پیر محمد کرم شاہ الازہری! ....

آپ تو روح عصر بن کر جگمگا رہے ہیں کہ آپ مفسر بھی ہیں اور سیرت نگار بھی۔ آپ مدبر بھی ہیں اور لوح و قلم کا افتخار بھی۔ آپ محقق بھی ہیں اور ادب و انشاء کا وقار بھی۔ نامور مؤرخ بھی ہیں اور ظلماتِ وقت میں آگہی کا روشن مینار بھی۔ لفظوں کے جوہری بھی ہیں اور سراسر شوکت اظہار بھی۔

تو مفسر تو محدث اور تو سیرت نگار
اہل حق کے واسطے تو رحمت پروردگار
ہے تو وہ دانائے فطرت جس کی خاطر بالیقیں
بزم ہستی مدتوں رہتی ہے محو انتظار
(رضاؔ)

ضیاء النبی کی پہلی جلد کا عنوان "شب دیجور" ہے جس میں سلطانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مقدسہ سے قبل اقوام عالم کی نام نہاد تہذیبوں پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ جملہ انتہائی محققانہ ہے کہ ذہن بار بار ہزاروں سال پہلے کے ظلمت کدوں میں بھٹکنے لگتا ہے جہاں شمع مصطفوی کے اُجالے بکھرنے کو تھے۔ دوسری جلد "صبح نور" ہے۔ اس میں تحقیق اور تلاش حق کو خضرِ راہ بنا کر عشق و عقیدت کا راہوار منزل ایمان کی جانب جادہ پیما نظر آتا ہے۔ تیسری جلد ہجرت سے لے کر غزوۂ احد کی تاریخ ساز ساعتوں تک کا احاطہ کرتی ہے۔ اور ابھی قاری کا ذہن تیسری جلد کے اختتام پر پہنچ کر آگے بڑھنے کیلئے پرتول رہا ہوتا ہے کہ اسے یکبارگی رُک جانا پڑتا ہے اور وہ اقبال کے اس شعر کو وسیلۂ اظہار بنا کر مستقبل میں زیور اشاعت سے آراستہ ہونے والی جلدوں کیلئے سراپا دعا ہو جاتا ہے

marfat.com

کہ:

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

ضیاء النبی

بلاشبہ مرحلہ ہائے شوق کو سر کرنے کی داستان ایمان آفریں ہے۔ اس مرحلۂ شوق سے گزرتے ہوئے ہمارے ممدوح پیر صاحب خدا کے حضور کس طرح حسن طلب کی چاندنی بکھیرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''الٰہی جوشان' جوفضل وکمال' جوحسن و جمال' جوصوری محاسن اور معنوی خوبیاں تو نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح عرفان اور پہچان بھی نصیب فرما اور ان کو اس طرح بیان کرنے کی توفیق مرحمت فرما' جس کے مطالعہ سے تاریک دل روشن ہو جائیں' مردہ روحیں زندہ ہو جائیں' ذوق و شوق کی دُنیا آباد ہو جائے' جہاں غفلت کی تاریکیاں پھیلی ہوئی ہیں وہاں تیرے ذکر پاک اور تیرے محبوب مکرم کی مبارک یاد کی قندیلیں فروزاں ہو جائیں''۔

ضیاء النبی

محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گل کدہ ہے جس کا ہر پھول عطر بیز ہے تو ہر کلی عنبر فشاں۔ ہر جملہ مہکبار ہے تو ہر لفظ جان بہار۔ دیگر کتب سیرت کی نسبت اس کو کئی انفرادیتیں حاصل ہیں۔ ولادتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے دور ظلمات کا تفصیلی جائزہ' ولادت مصطفوی کا ذکر کرتے ہوئے خامۂ عنبر فشاں کی جولانیاں' یوم ولادتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل کا تفصیلی اور تحقیقی جائزہ جو قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ میلاد کی محافل کے انعقاد کے بارے میں بعض مدعیان علم و دانش کی غلط اندیشیوں کا مدلل جواب' عظمت و شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے معترضین اور گستاخانِ بارگاہ نبوت کے اعتراضات کا قرآن و احادیث کی روشنی میں جواب' عشاق سرورِ کونین کا ذکر حسین کہ جس کے مطالعہ سے روح فکر کو بالیدگی عطا ہو۔

فاضل مصنف ایک عظیم محقق ہی نہیں بلکہ بہت بڑے انشاء پرداز اور قابل فخر محبّ رسول بھی ہیں۔ انہوں نے تحقیق انشاء اعلیٰ اور عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھولوں کو چن کر ''ضیاء النبی'' کی صورت میں جو گلدستہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذر کیا ہے' اس کی بدولت پیر محمد کرم

marfat.com

شاہ الازہری بلاشبہ شہرت عام بقائے دوام کے حق دار قرار پائیں گے۔

تحقیق و جستجو کی خاردار وادیوں سے گزرتے ہوئے ادب عالیہ کے شہپارے تخلیق کرنا پیر صاحب ہی کا اعزاز ہے۔ میں ضیاء النبی کو پیر صاحب کے معجز نگار قلم سے پھوٹنے والے خورشید تازہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ وہ خورشید تازہ کہ جس کی ہر شعاع والشمس وطٰہ کی تابانیاں لئے ہوئے ہے۔

میری دعا ہے کہ ضیاء الامت کا قلم تاریخ و تحقیق کے پیرائے میں سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایوانِ نور میں یونہی روشنی بکھیرتا رہے۔

خدائے کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہماری دعاؤں کے نام پر خصوصاً ضیاء الامت کو صحت کاملہ' فرصت اور سازگاریٔ حالات سے نوازتا رہے تاکہ ہم سے خستہ سامانوں کو وادیٔ نور کے اس مسافر کا اثاثہ فکر و قلم میسر آتا رہے۔ ضیاء النبی کی عظمتوں کے حضور اپنی کوتاہ نظری اور فکر محدود کا اعتراف کرنے کیلئے پھر علامہ محمد اقبال کا سہارا مستعار لوں گا کہ:

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالہ

....

نوٹ: درج ذیل مضمون اس وقت رقم کیا گیا تھا جب حضرت ضیاء الامت بقید حیات تھے۔ ''ضیاء النبی'' سات تحقیقی جلدوں پر محیط ہے۔ ''ضخیم جلدیں آپ کی زندگی میں اور آخری دو جلدیں (جنہیں آپ ترتیب دے گئے تھے) آپ کے وصال کے بعد منظر عام پر آئی تھیں۔ ہمارا یہ مضمون اگرچہ ابتدائی تین جلدوں کا جائزہ ہے مگر غور کیا جائے تو اس میں ''ضیاء النبی'' کی تمام جلدوں کے ایمان افروز نقوش جلوہ گر ملتے ہیں۔

یہ تمام جلدیں حیات و سیرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی قابل قدر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب تک بزم ہستی اپنے وجود کا احساس دلاتی رہے گی ''ضیاء النبی'' کی تحقیقی و نظریاتی جگمگاہٹ اہل ایمان کیلئے نشانِ منزل بنی رہے گی۔ آج اگرچہ ضیاء الامت حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ظاہری وجود کے ساتھ ہمارے درمیان جلوہ آرا نہیں ہیں۔ ''ضیاء القرآن'' اور ''ضیاء النبی'' کا فکری اور معنوی حسن آپ کے وجود کا بدستور احساس دلاتا رہے گا۔

خدا کی رحمتیں نازل ہوں اس دانائے یکتا پر
قلم کی عظمتیں جس کی سدا دیکھیں گے جلوہ گر

marfat.com

قائد ملت اسلامیہ

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

بہت سی شخصیات زمانے کے معیار پر پورا اُترنے کی دُھن میں عمر گزار دیتی ہیں مگر بعض ایسے خوش بخت نفوس بھی ہوتے ہیں جن کے فکر و عمل کی بلندی اور سیرت و کردار سے زمانے کا تعین ہوتا ہے۔ ممتاز اسلامی مفکر، عالمی مبلغ اور تحریکات اسلامی کے رکن رکین علامہ شاہ احمد نورانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا شمار ان انسانوں میں ہوتا ہے جو حالات کی گردشوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر حاصل انتخاب بن جاتے ہیں۔ علامہ نورانی نے اپنی صداقت شعاری، حق گوئی و بے باکی، حسن قیادت، پاسداری ناموس رسالت اور دو قومی نظریہ کی سرفرازی کے حوالے سے وقت کی رہ گزار پر ایسے انمٹ نقوش ثبت کئے جو مدتوں ان کی عظمت کا احساس دلاتے رہیں گے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حضرت شاہ احمد نورانی نے ۱۹۲۶ء میں میرٹھ میں ایک ایسے عظیم گھرانے میں آنکھ کھولی، جہاں عظمت اسلام کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سرچشمے پھوٹ رہے تھے۔ تبلیغ اسلام کا بے کراں جذبہ اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ آپ کے والد گرامی عظیم مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی سے متعدد ممالک میں ساٹھ ہزار سے زائد غیر مسلموں کو دولت اسلام عطا ہو چکی تھی۔ شاہ عبدالعلیم میرٹھی کو دو قومی نظریہ کے عظیم داعی امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت عطا ہوئی تھی۔ تحریکات اسلامی میں حصہ لیتے لیتے آپ مسلم لیگ اور قائد اعظم کے اس قدر قریب آ گئے کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے آپ کو قیام پاکستان سے قبل کے مشکل ادوار میں اسلامی ممالک میں پاکستان کا غیر سرکاری ترجمان اور سفیر مقرر کر دیا۔ شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ تا زیست تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تبلیغ پیغام پاکستان کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کی جلیل القدر شخصیت کی نظریاتی کاوشوں کا اعتراف قائد اعظم اور مسلم لیگ کے تمام زعماء کو تھا۔

marfat.com

تمام زعماء کو تھا۔

شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ایمان آفریں ماحول میں جنم لیا تو والد گرامی آئیڈیل کی صورت میں سامنے نظر آئے' انہوں نے بھی تبلیغ اسلام' دوقومی نظریہ کی ترویج اور عشق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی مہک کو چارسُو عام کرنے کا فریضہ سنبھال لیا۔ بچپن ہی میں حفظ قرآن کا شرف حاصل کیا۔ پھر دینی اور دنیاوی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ نیشنل عربک کالج میرٹھ سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ الٰہ آباد اور میرٹھ کی دینی درسگاہوں سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ اس دوران میں چاروں طرف مسلم لیگ اور پاکستان کے نعرے گونج رہے تھے۔ مسلم لیگ سے فکری یکجہتی کی بناء پر اس کے پیغام کو لے کر چلے۔ پاکستان کا وجود ان کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ اس لئے تعلیمی امور سے نمٹتے ہی پاکستان کے قیام کیلئے سرگرم قوتوں کے ہمنوا بن گئے۔ ۱۹۴۶ء میں قیام پاکستان کے حوالے سے بنارس میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کی۔

آپ جانتے تھے کہ تبلیغ دین کا فریضہ مختلف زبانوں پر عبور حاصل کئے بغیر صحیح معنوں میں ادا نہیں ہوسکتا۔ آپ نے سترہ زبانوں پر عبور حاصل کیا' جن میں اُردو اور فارسی کے علاوہ عربی' انگریزی جرمن' سواحلی زبانیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں مقیم ہوئے اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ نے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا قیام آپ کا تاریخی کارنامہ ہے۔ اس بین الاقوامی تبلیغی ادارہ کی شاخیں متعدد ملکوں میں کام کر رہی ہیں۔

علامہ نورانی کثیر الصفات شخصیت تھے۔ آپ نے پہلی مرتبہ نو سال کی عمر میں مصلّٰی سنایا اور تمام زندگی کراچی میں قرآن سناتے رہے۔ آپ وصال تک ستر مرتبہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم سنانے کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ ہر سال رمضان المبارک میں نماز تراویح تہجد اور اشراق میں الگ الگ ختم قرآن کرتے تھے۔ ایک انتہائی مصروف بین الاقوامی مذہبی سکالر' نامور سیاستدان اور تبلیغ دین کو شعار زندگی بنانے والے عظیم مفکر کیلئے ہر سال اہتمام سے ختم قرآن کی سعادت حاصل کرنا بلاشبہ کار عظیم ہے۔ اسلام میں دین اور سیاست میں جدائی کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ تحریک پاکستان کے نامور راہنما علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہونے کے علاوہ خود بھی تحریک پاکستان کے عظیم رکن اور نظریاتی اقدار کے پاسدار تھے۔ اس لئے آپ نے جونہی پاکستان میں سیاست کے نام پر لادینیت اور حکومتی ایوانوں میں غیر اسلامی روایات کو پنپتے دیکھا تو بے اختیار

marfat.com

کھل کر میدان عمل میں اُتر آئے۔ شاعر مشرق کے تفکر کی تصویر بن کر:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری　　　کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

آپ نے جمعیت العلمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے آوازۂ حق بلند کیا۔ آغاز میں آپ کی سرگرمیوں کا مرکز کراچی تھا۔ مگر خوشبو زمان و مکان اور حدود و قیود کی پابند نہیں ہوتی اس لئے جلد ہی آپ کے اعلائے کلمۃ الحق کی صدائے بازگشت ملک کے قریہ قریہ‘ شہر شہر میں گونجنے لگی۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک آپ نے اپنی صلاحیتوں کو منوایا اور ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پوری طرح سے سیاسی دم خم کے ساتھ میدان سیاست میں اپنے موثر وجود کا احساس دلایا۔ آپ کی جماعت جمعیت علمائے پاکستان کو قومی اسمبلی میں سات سیٹیں ملیں۔ آپ اپنی پارٹی کے پارلیمانی لیڈر تھے۔ یہ وقت کڑے امتحان کا تھا۔ ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو کے سوشلزم سے ٹکراؤ تھا‘ دوسری طرف وقت کے حکمران جنرل یحییٰ خان کی عیش پرستی‘ بوالہوسی اور ہر قیمت پر اقتدار کی ہوس سے ٹکرانا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ پاکستان کسی صورت بھی تقسیم نہ ہونے پائے۔ آپ کا کہنا تھا کہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ پاکستان کو بچانے کیلئے شیخ مجیب الرحمٰن کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔

اس ضمن میں آپ نے مجاہد ملت عبدالستار خاں نیازی مرحوم کے ہمراہ جنرل یحییٰ خان کی خواہش پر اس سے ایوان صدارت میں ملاقات کی تو وہ اس وقت جنرل عبدالحمید خاں کے ساتھ جام وسبو رکھے ناؤ نوش کی محفل سجائے بیٹھا تھا۔ آپ کی رگ صدیقیت بھڑک اُٹھی اور برملا کہا کہ ملک ڈوب رہا ہے اور کشتی کا نگہبان نشے میں بدمست ہے۔ جب تک یہ جام وسبو نہ اُٹھاؤ گے تم سے بات نہیں ہو سکتی۔ یحییٰ خاں نے مجبور ہو کر کمرۂ ملاقات سے آلات عشرت ہٹائے‘ تب ملاقات کا آغاز ہوا۔ اپنے وقت کے آمر مطلق کو ایسا ہی مرد صفا للکار سکتا ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت ایمانی کا وارث ہو۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

پاکستان دولخت ہو گیا‘ مغربی پاکستان نے پاکستان کا تشخص اختیار کر لیا۔ آپ نے جمعیت العلمائے پاکستان کے پارلیمانی لیڈر کی حیثیت سے پیپلز پارٹی کی آمریت کے سامنے جس طور جرأت ایمانی کا مظاہرہ کیا وہ بلاشبہ پاکستان کی تاریخ سیاست کا انتہائی روشن باب ہے۔ آپ کی تقریریں مختلف امور پر مباحث‘ انٹرویوز‘ حریفوں پر تابڑ توڑ حملے اخبارات کے ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ اس دور میں کئی سعادتیں آپ کے حصے میں آئیں۔ ۱۹۷۳ء میں آپ کی کوششوں سے آئین میں

marfat.com

"اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے الفاظ کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں ملک گیر سطح پر ختم نبوت کی تحریک چلی تو آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مرزا ناصر احمد (لیڈر جماعت احمدیہ) جب اسمبلی کی مقرر کردہ کمیٹی کے روبرو پیش ہوا تو دلائل و براہین کے لحاظ سے قادیانیت کو غیر مسلم ثابت کرنے والوں میں آپ پیش پیش تھے۔ اسی وجہ سے اسے راہ فرار اختیار کرتے بنی۔ شہداء کی قربانیاں رنگ لائیں اور قادیانی غیر مسلم قرار پائے۔ آپ نے متفقہ آئین میں مسلمان کی تعریف کا تعین کیا اور تمام مسلم اکابر کے سامنے تحریر پیش کر کے اس تیزی سے دستخط کروا کر اسے متفقہ طور پر مسلمان کی تعریف کا درجہ دلوا دیا کہ اپنے اور بیگانے حیران رہ گئے۔

۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کی منظوری کے بعد نوتشکیل شدہ سینیٹ کے بانی ممبر بنے۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو کی دھاندلیوں کے باوجود قومی اسمبلی کے دوبارہ ممبر منتخب ہوئے۔ اس سے قبل جب ذوالفقار علی بھٹو نے (جو اس وقت صدر تھے) وزیر اعظم کا الیکشن لڑا تو اپوزیشن نے متفقہ طور پر آپ کو وزیر اعظم کے عہدہ کیلئے نامزد کیا۔ اگرچہ بھٹو جیت گئے مگر آپ نے بلا مقابلہ کا اعزاز اس سے چھین لیا۔ قومی اسمبلی اور پھر سینیٹ کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے قدم قدم پر جمہوری آمریت اور جبر و استبداد کا مقابلہ کیا۔ اسمبلی کے ایوانوں میں آپ کے نعرہ حق سے لرزہ طاری ہوتا رہا۔

جب بھٹو کی انتخابی دھاندلیوں کے خلاف تحریک نظام مصطفےٰ چلی تو آپ کی جمعیت العلمائے پاکستان نے ہراوّل دستہ کا کردار ادا کیا' جب بھٹو کو معزول کر کے جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا تو آپ کو سخت مایوسی ہوئی کہ ہم نے یہ قربانیاں ایک آمر کے خیر مقدم کیلئے تو نہیں دی تھیں۔ آپ کی حلیف تمام جماعتوں کو جنرل ضیاء الحق نے اقتدار کا اسیر بنا لیا مگر حضرت شاہ احمد نورانی نے آمریت کی چھتری تلے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی آپ کو امید تھی کہ شاید جنرل ضیاء الحق ۹۰ دن میں انتخابات کا وعدہ پورا کرے مگر جب دیکھا کہ جنرل ضیاء الحق کا مقصد اوّل تو محض بھٹو کو پھانسی دینا تھا اور وہ اقتدار کی تمام بلندیاں سمیٹ کر بھی نفاذ نظام مصطفےٰ (ﷺ) کیلئے مخلص نہیں ہے تو آپ ایک مرتبہ پھر میدان عمل میں اُتر آئے۔ اس کی منتخب کردہ مجلس شوریٰ کو اسلام کے ساتھ مذاق قرار دیا اور ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات کو جمہوری اقدار کی تباہی سے تعبیر کیا۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے آپ نے جنرل ضیاء الحق سے ملاقات میں اس کے اقدامات کو منافقت سے تعبیر کیا۔ آپ کا یہ جملہ بالآخر قول فیصل بن گیا کہ

"اگر ضیاء الحق اسلام سے مخلص ہوتے اور ان کے دور میں اسلام اگر اونٹ پر بیٹھ کر سرزمین

marfat.com

حجاز سے چلا ہوتا تو اب تک کراچی کے ساحلوں تک پہنچ چکا ہوتا''۔

آپ ضیاء الحق کے دام اقتدار کے اسیر مختلف جماعتوں کے اکابر کے بارے میں مختصر سا مگر فیصلہ کن تبصرہ کیا کرتے تھے کہ جنہیں اسلام آباد عزیز تھا وہ اقتدار میں چلے گئے اور نفاذ اسلام والے اب تک میدان عمل میں موجود ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ کا ہر خدشہ درست نکلا۔ غیر جماعتی انتخابات نے برادری ازم' لسانی اور صوبائی تعصبات کو ہوا دی۔ اس دور میں مہاجر قومیت کا بت بوتل سے برآمد ہوا اور آنے والے ادوار میں کئی سیاسی پیچیدگیوں میں اضافے کا باعث بنا۔ بالآخر جنرل ضیاء الحق ایک حادثے میں خدا کو پیارے ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتیں برسر اقتدار آتی رہیں مگر ہر حکومت ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین سے اغماض برتتی رہی۔ جب دنیا والے پاکستان کو سرزمین بے آئین کا نام دے رہے تھے تو ایسے عالم میں مسلح افواج کے سالار جنرل پرویز مشرف سیاسی ایوانوں میں داخل ہوئے اور سیاستدانوں کی بساط لپیٹ کر بلدیاتی اور پھر قومی وصوبائی اسمبلیوں کا ڈول ڈالا۔ ریفرنڈم کے ذریعہ مسند صدارت سنبھال لی۔ یہی وہ دور تھا کہ امریکن ٹاور گرنے کے بعد بین الاقوامی منظر نامہ تبدیل ہونے لگا۔ سامراجی عفریت مسلم ممالک میں پھنکارنے لگا۔ کشمیر' بوسینیا' فلسطین اور چیچنیا کے سانحے ہی کیا کم تھے کہ افغانستان اور عراق بھی زد میں آ گئے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے ایک مرتبہ پھر حالات کی نزاکت کو محسوس کیا۔ دینی جماعتوں کے اکابرین کو ایک مقام پر جمع کر کے متحدہ مجلس عمل کی بنیاد ڈالی۔ سینیٹ کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو آپ سینٹر منتخب ہوئے۔ آپ نے تادم آخر اپنی قومی سیاسی اسلامی اور نظریاتی ذمہ داریوں کو محسوس کیا۔ آپ متحدہ مجلس عمل کے سربراہ مقرر ہوئے اور رحلت تک یہ اعزاز آپ ہی کا مقدر بنا رہا۔

حالانکہ یہ عہدہ بدل بدل کر تمام جماعتوں کے حصے میں آتا ہے مگر سب نے متفق اللسان ہو کر یہ عہدہ آپ ہی کے پاس رہنے دیا جس سے آپ کی قائدانہ صلاحیت' جمہوری انداز فکر اور دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قدرت کا تقاضا یہی تھا کہ جب یہ بطل جلیل دنیا سے رخصت ہو تو دوسری بے شمار خوبیوں اور عظمتوں کے ساتھ ساتھ تمام دینی جماعتوں کی قیادت کا علم بھی اس پر سایہ کناں ہو۔

حضرت شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ رخصت ہوئے تو ایک طوفان الم بپا ہو گیا۔ ہر دردمند دل لرز اٹھا۔ محبت اسلام اور عشق رسول (ﷺ) کی تجلیات رکھنے والی ہر آنکھ پرنم ہو گئی۔ ایک سیل

marfat.com

اشک پھوٹ نکلا' رنج والم نے علمی اور سیاسی افق پر سیاہ چادر پھیلا دی۔ حکومتی سربر آوردہ شخصیات' علمائے اُمت اسلام' فقہائے دین محمدی' دینی اور سیاسی جماعتوں کے اکابرین آنسوؤں کی مالائیں پروتے ہوئے بہترین الفاظ کا ارمغان آپ کی نذر کرنے لگے۔ قومی اخبارات نے علامہ نورانی کے بارے میں فیچرز' مضامین' شہ سرخیوں' تصاویر اور کالموں کی صورت میں اتنا کچھ لکھا کہ قائد اعظم اور قائد ملت کے وصال کے بعد شاید ہی کسی پر اس قدر شدت اور تواتر سے تحریر کیا گیا ہو۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں کی وفات ایک بہت بڑا قومی المیہ تھی۔ حضرت شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال نے اس قومی المیہ کی شدت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔

نشتر پارک سے جب آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا تو آنسوؤں اور سسکیوں کو دامن میں لئے لاکھوں سوگوار تاریخ اسلام کے اس رجل رشید کو الوداع کہنے کیلئے اُمڈ آئے تھے۔ نشتر پارک کے چاروں طرف سڑکیں' مکانات کی چھتیں' تمام رہ گزاریں' نماز جنازہ پڑھنے والوں سے پُر تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج تمام راستے نشتر پارک کو جا رہے ہوں۔ چشم فطرت نے بھی یہ ایمان آفریں منظر دیکھ کر گواہی دی ہو گی کہ واقعی عالم کی موت ایک زمانے کی موت ہوتی ہے۔ جنازہ ہو چکا تو بھی جنازہ میں شرکت کرنے والوں کے قافلے نشتر پارک کی جانب بڑھ رہے تھے:

ع...... عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

عشاق سرور کونین کا رہنما آسودۂ لحد ہو گیا۔ جمہوری اقدار کا پاسبان اپنی آخری آرام گاہ میں ابدی نیند سو گیا۔ نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی دہائی دینے والا ملت اسلامیہ سے جدا ہو گیا۔ دو قومی نظریہ کا عظیم داعی ایک زمانے کو نظریاتی روشنی عطا کر کے ربّ کونین کی رحمتوں کی امان میں چلا گیا۔ آمروں سے ٹکرانے والا' غاصبوں کے خلاف کلمہ حق بلند کرنے والا' پاکستان کو بے داغ اسلامی ریاست بنانے کا تصور رکھنے والا نگاہوں سے ہمیشہ کیلئے اوجھل ہو گیا۔ اتنی مقبولیت' اس قدر ہر دلعزیزی' اس درجہ شہرت عام اور بقائے دوام کی نوید شاید ہی کسی اور کو ملی ہو۔ میں تاریخ پاکستان کے پس منظر میں جھانک کر سوچنے لگتا ہوں کہ وہ کیا اسباب تھے جو فکر و عمل کے ستارے بکھیرنے والے شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کو حیات دوام کی خلعت عطا کر گئے۔

علامہ نورانی کی فکر اور عمل میں یکسانیت تھی' جو کہا وہ کر کے دکھایا۔ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کا راہنما' جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنا ان کا جادۂ عمل تھا۔ یحییٰ خان' ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق جیسے آمروں کے منہ پر سچی بات کہی ان کی خامیوں پر ٹوکا۔ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ

marfat.com

وقت کے حکمرانوں سے نہ ملا جائے مگر جب بھی قوم و وطن پر مشکل وقت آیا تو جلسہ گاہوں کے علاوہ ان کجکلاہوں کے سامنے بیٹھ کر انہیں جمہوری اقدار کا درس دیا۔

شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ عصر حاضر میں عظمت اسلاف کی تصویر تھے۔ سادہ صاف ستھرا لباس، تمام زندگی کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں بسر کی۔ ایک کمرہ آپ کی نشست گاہ تھا۔ سادہ سی دری بچھی ہوتی۔ ایک طرف دو تین کرسیاں پڑی ہوتیں۔ وقت کے حکمران، غیر ملکی اکابرین، قومی اور بین الاقوامی شخصیات ملنے آتیں تو اسی فرشی نشست گاہ پر آپ کے ساتھ بیٹھ جاتیں۔ اتنی سادگی، اس قدر منکسر المزاجی جس پر زمانے بھر کا تکلف قربان جائے۔ یہ اس شخصیت کے رہنے سہنے کا انداز ہے جو لاکھوں عقیدت مندوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا، جو بین الاقوامی اور بین الاسلامی تشخص رکھتا تھا، جو سوادِ اعظم کا راہنما تھا، جس کے ایک اشارے پر اصحاب دولت اپنا سیم و زر اس کے قدموں پر نثار کرنے کو بے قرار تھے مگر ان کیلئے ''ورلڈ اسلامک مشن'' ہی سب کچھ تھا، عشق مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر جیتے تھے اور اسی کے سایۂ نور میں آخری سفر طے کیا۔

اس مردِ جلیل کی زندگی کا مرکز و محور نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نفاذ تھا۔ وہ ایک پل کیلئے بھی اپنے فریضہ سے غافل نہ ہوئے کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ پاکستان فقط اور فقط اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ سمجھوتہ کے قائل نہیں تھے۔ یحییٰ خاں اور بھٹو سے اور نہ ہی ضیاء الحق، نواز شریف، بے نظیر یا موجودہ حکمرانوں سے۔ وہ اسلام کو پاکستان کی اساس سمجھتے تھے اور اساس پر سمجھوتہ کیسا؟

آپ عالمی مبلغ اسلام تھے، تبلیغ دین آپ کا عظیم مشن تھا، اس لئے جب تبلیغ کیلئے بیرونی دنیا کا سفر کرتے تو گھر بار سب کچھ بھول جاتے مگر اپنے وطن کو کبھی فراموش نہ کرتے۔ ان کے ہم سفر کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک ملک میں اسلام اور نظام مصطفیٰ کا نفاذ بھی تبلیغ دین کا حصہ تھا۔ کسی بھی وطن میں ہوتے اپنے ملک کے حالات کی پوری پوری خبر رکھتے۔ ان کے بیانات اور افکار سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیرون وطن رہ کر بھی اپنے وطن ہی میں ہیں۔

شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ غیر ممالک میں اپنے عظیم والد شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پاکستان کے غیر سرکاری سفیر تھے۔ کبھی کوئی ایسا کام نہ کیا، جس سے وطن کی سبکی ہو، کوئی ایسا بیان جاری نہ کیا جس سے اہل وطن کی توہین ہو، ہر جگہ اور ہر مقام پر پاکستان کے اسلامی تشخص کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔

رب کریم نے ایسا قابل رشک کردار عطا کیا تھا کہ جس کی بلندیوں کو دیکھ کر، ایک زمانہ

marfat.com

غیر اللہ کے سامنے جھک نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کا کوئی سیاسی بیوپاری، جھوٹے نظریات کا تاجر یا کوئی آمر مطلق انہیں جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

نورانی میاں کا نام بھی نورانی تھا تو شکل بھی نورانی پائی تھی۔ دل بھی انوار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ضوبار تھا۔ لہجہ پُر تاثیر تھا۔ بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے۔ خلوص فکر ان کا سرمایہ تھا، حب الوطنی ان کی قوت تھی، اسلامی اقدار کی عظمت اور بالادستی ان کا سرمایہ افتخار تھی۔

آپ اتحاد بین المسلمین کی علمی تفسیر تھے۔ آپ کا فرمانا تھا کہ اپنا مسلک مت چھوڑو اور کسی کے مسلک کو نہ چھیڑو۔ یہ دراصل تصوف کی تعلیم تھی، یہی روح تصوف آپ کو اپنے والد کے علاوہ عالم اسلام کے نامور صوفی بزرگ حضرت قبلہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور والا قدر سسر حضرت فضل الرحمٰن مدنی سے عطا ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب متحدہ مجلس عمل وجود میں آئی تو بہت سے لوگوں نے مخالفت کی مگر بالآخر اپنے پرائے سبھی مان گئے اور آپ کی قائدانہ صلاحیتیں ایک مرتبہ پھر نکھر کر سامنے آ گئیں۔

آپ نے دو قومی نظریہ کی چھاؤں میں پرورش پائی تھی اس لئے آپ نے ہمیشہ اسی نظریہ کو اپنانے پر زور دیا۔ آپ ان طاقتوں کے خلاف پوری قوت ایمانی کے ساتھ میدان عمل میں اُترتے تھے، جو دو قومی نظریہ کے تقدس پر ضرب لگانے کیلئے تیار رہتی تھیں۔

(بار چہارم، جمعہ ۲ ذیقعدے ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء)

آپ نے آٹھ برس کی عمر میں حفظ قرآن کے بعد پہلی مرتبہ ماہ رمضان میں قرآن سنایا۔ آپ انگریزی، انگریزوں کی طرح اور عربی عربوں کی طرح بولتے تھے۔ قرآن حکیم کا نور آپ کے رگ و پے میں بسا ہوا تھا۔ تعلیمات قرآنی سے سینہ منور تھا، افکارِ قرآنی ان کی زندگی کا مرکز و محور تھے۔ سیرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے حاصل حیات تھی۔ فکر میں غزالی کا حسن تھا تو عمل میں رازی کی تڑپ۔ کلمہ حق کہنے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ تھا تو تبلیغ دین میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی پیروی کا لپکا۔ آپ عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صورت بریشم تھے تو شاتمان رسالت کیلئے صورت فولاد۔ آج آپ ہم میں موجود نہیں مگر آپ کا بے داغ کردار ہمیں پیغام دے رہا ہے کہ عظمت و سربلندی کے بلند ترین معیار کو چھونے کیلئے تخت و تاج یا جاہ و جلال شاہی کی ضرورت نہیں بلکہ یہ بلندیاں تو ان اصحاب فقر کا مقدر بنتی ہیں جو چٹائی پر بیٹھ کر دلوں پر حکومت کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو...... کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

marfat.com

بحر العلوم مولانا محمد فیض قادری رحمۃ اللہ علیہ

بحر العلوم حضرت مولانا مولوی محمد فیض، صاحب ولایت حضرت شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت شیر محمد غازی نے آپ کو خصوصی توجہ سے نوازا اور بچپن ہی سے آپ کی تربیت اس انداز سے کی کہ بڑے ہو کر اس عظیم خانقاہ کا نظام سنبھال سکیں۔ حضرت شیر محمد غازی خود بڑے عالم دین اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے اس لئے انہوں نے اپنے لخت جگر کو جہاں علوم دینیہ کی دولت عطا کی وہاں روحانی لحاظ سے بھی مسلسل نوازتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب مولانا محمد فیض عنفوان شباب کو پہنچے تو نہ صرف علوم دین میں طاق ہو چکے تھے بلکہ روحانیت اور طریقت میں بھی منفرد مقام حاصل کر چکے تھے اور اس اعزاز کے مستحق ٹھہر چکے تھے کہ خانقاہِ قادریہ نوریہ کے روحانی دینی سلسلہ کے نظم ونسق کو سنبھال سکیں۔

جب حضرت شاہ شیر محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کو شہادت کا رُتبہ نصیب ہوا تو مسند ارشاد پر ان کے صاحبزادے مولانا مولوی محمد فیض متمکن ہوئے۔ حضرت مولانا محمد فیض اپنے وقت کے جید عالم دین، صوفی کامل اور اور نعت گو شاعر تھے۔ شاعری میں آپ ملاحت تخلص کرتے تھے۔ آپ نے بہت کثرت سے فارسی کلام لکھا۔ ایک ممتاز استاذ علوم دینیہ' ایک نامور شاعر اور جلیل القدر فقیہہ کی حیثیت سے ان کا مقام اس قدر سر بلند ہے کہ ہر صاحب نظر آپ کے سوانح حیات کی ایک جھلک دیکھ کر ہی تعریف کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ علم و حکمت میں غیر معمولی دسترس رکھنے کی بناء پر آپ بحر العلوم کہلائے جانے کے مستحق تھے۔

مشہور کتاب چار باغ[1] پنجاب کے مصنف گنیش داس وڈیرہ نے آپ کا تذکرہ یوں کیا ہے:

''میاں محمد فیض ملاحت تخلص کہ کتاب مراۃ الحساب تصنیف لطیف وشرح مکاتبات[2] علامی

(۱) چار باغ پنجاب مصنفہ گنیش داس وڈیرہ مرتبہ: پروفیسر کرپال سنگھ ایم اے ناشران: سکھ ہسٹری ریسرچ ڈیپارٹمنٹ خالصہ کالج امرتسر ہے۔ (۲) ''شرح مکاتبات علامی ابوالفضل'' ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے دادا کے بھائی مولوی گل احمد نے ۱۲۸۲ھ میں نقل کی۔

marfat.com

ابوالفضل و گل گشتی خوب کردہ است"۔

مولوی محمد صالح کنجاہی کتاب "سلسلۃ الاولیاء"[1] میں حضرت محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"شیخ محمد ابراہیم طیب اللہ ثراہ جعل الجنۃ مثواہ عالم و عامل و زہد و تحمل رفیع الشان بود علم ظاہری بسیار اساتذہ حاصل نمود بود۔ چنانچہ از خدمت حضرت میاں محمد فیض (کھیالی والا) و حضرت مرزا مقصود بیگ و حضرت حافظ محمد یونس و حضرت میاں محمد صالح گجراتی رحمۃ اللہ علیہم درعلم باطنی مرید حضرت سید شاہ میر است"۔

ان حقائق کے اظہار سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ اہل نظر کو باور کرایا جا سکے کہ مولانا محمد فیض کس پائے کے استاد اور عالم دین تھے اور آپ سے ظاہری و باطنی فیوض حاصل کرنے والوں نے کس درجہ بلند مقام حاصل کیا، جس طرح شاگرد کو دیکھ کر استاد کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اسی طرح پیش کردہ اقتباس سے مولانا محمد فیض کے غیر معمولی تبحر علمی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

مولانا محمد فیض اپنے والد بزرگوار اور عظیم اسلاف کی بخشی ہوئی رشد و عرفان کی روشنی میں خانقاہ قادریہ نوریہ میں درس و تدریس کو مستقل طور پر اپنا شعار حیات بنا کر عوام الناس کو علم و حکمت کی روشنی سے فیضیاب کرنے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب پرانی علمی یادگاریں ایک ایک کر کے مٹتی جا رہی تھی۔ کھیالی دروازہ گوجرانوالہ کی یہ خانقاہ قادریہ اس وقت علم و حکمت کے عظیم مرکز میں تبدیل ہو چکی تھی۔

دور دراز سے طالبان شوق آتے اور مولانا محمد فیض کی بارگاہ علمی میں بیٹھ کر علم کی پیاس بجھاتے اور رشد و ہدایت کی دولت سے مالا مال ہوتے۔ اس دور میں عوام الناس ہی نہیں بلکہ اکابر علمائے کرام بھی اس درسگاہ سے فیضیاب ہوتے، جس کا ذکر مختلف تذکار میں ملتا ہے۔ اس زمانہ میں آج کل کے سکولوں اور کالجوں کی طرح رجسٹر حاضری تو نہیں ہوا کرتے تھے جن سے اس زمانہ میں مولانا کے شاگردوں کی تعداد دیکھی جا سکے۔ اس دور کے علماء و فضلاء کو طلبہ کے اعداد و شمار یا ان کی تعداد کے کم اور زیادہ ہونے سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ تمام محنت علوم اسلامیہ کی ترویج کیلئے کی جاتی تھی۔ اس لئے مولانا محمد فیض کے شاگردوں کی فہرست پیش نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ان کے ایک شاگرد کا تذکرہ نمونہ کے طور پر شامل کیا جاتا ہے، جس سے اس دینی و روحانی درسگاہ کی اہمیت اور نمایاں ہو جاتی ہے۔

---

(۱) سلسلۃ الاولیاء۔ سال تصنیف ۱۲۲۷ھ

marfat.com

مولوی محمد ابراہیم کنجاہی اپنے وقت کے صوفی کامل اور بہت بڑے عالم دین تھے۔ کسی وقت انہوں نے مولانا محمد فیض سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اس سلسلہ میں مولوی محمد صالح کنجاہی نے اپنی کتاب میں جو اقتباس دیا ہے اس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔

عملی طور پر درس وتدریس کے ساتھ ساتھ مولانا محمد فیض نے ابدی و دائمی تدریس کا بھی اہتمام کیا۔ ہمارا اشارا ان تصانیف کی طرف ہے جو آپ کی وفات کے بعد بھی اہل تحقیق کی راہنمائی کرتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد فیض نے متعدد اہم تصانیف یادگار چھوڑی ہیں' جنہیں ظالم وقت کے بے رحم ہاتھوں نے وقت کی گرد میں گم کر دیا ہے۔ منشی گنیش داس وڈیرہ نے اپنی کتاب ''چہار باغ پنجاب'' میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر بھی کیا ہے' جس کا حوالہ ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں۔

ان تصانیف میں سے ''مرأت الحساب'' اور ''شرح گل گشتی'' دستیاب ہیں۔ البتہ شرح ''مکاتباتِ علامی'' کے دو نسخے پروفیسر احمد حسین قلعداری کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ شرح نویسی آسان کام نہیں ہوتا' بلکہ شارح کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اصل متن کے حقیقی جزئیات تک رسائی رکھتا ہو اور یہ خوبی مولانا محمد فیض کی سراپا فضیلت شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

حضرت مولانا محمد فیض کا زمانہ سکھا شاہی کا بھرپور زمانہ تھا' جس سے سوائے تباہی و بربادی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس مردِ کامل کا کمال یہ ہے کہ اس نے سکھا شاہی کے ہاتھوں ہراساں اہل ایمان کو خانقاہی ماحول میں لا کر روحانی سکون عطا کیا اور ہر قسم کے انقلابات دہر سے بیگانہ ہو کر خدمت علم و ادب میں مصروف عمل رہے۔ آپ کے زمانہ میں پنجاب میں اور بھی علماء و فضلاء موجود تھے مگر افسوس کہ آپ کے معاصرین کی خاص فہرست تیار نہیں کی جا سکتی' جس سے اندازہ ہو سکے کہ آپ نے کن کن صاحبان علم و حکمت کے درمیان رہ کر عقل و دانش کے گلاب مہکائے ہیں۔ آپ کے شاگرد عزیز مولوی محمد ابراہیم کنجاہی کے احوال کے سلسلہ میں مولوی محمد صالح کنجاہی نے مرزا مقصود بیگ ولانوالیہ' مفتی محمد یونس شادیوالیہ اور حضرت مولوی محمد صالح گجراتی کا ذکر کیا ہے کہ ان کی معاصر درسگاہوں سے مولوی محمد ابراہیم کنجاہی نے اکتساب فیض کیا ہے۔

''شرح مکاتبات علامی'' میں مولوی محمد امین سودہرے والا اور مولوی محمد افضل ساکن تلونڈی موسیٰ خاں کے گاؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ مولوی غلام رسول ساکن قلعہ' قاضی فضل حق وزیر آبادی' حافظ خاں احمد قلعہ داری بھی سنین کے لحاظ سے ان کے معاصر تھے۔

marfat.com

مولانا محمد فیض اولیاء وصوفیاء کے از حد قدر شناس تھے' جب بھی علم ہوتا کہ فلاں مقام پر کوئی صاحب ولایت تشریف لائے ہیں تو فوراً ان کی زیارت کو چلے جاتے۔ وہ مردِ فقیر انہیں پہچانتے ہی فرطِ عقیدت سے اُٹھ بیٹھتا۔ آپ کی علم نوازی اور فقر و درویشی کو دیکھ کر آپ کی روحانی شہرت سے متاثر ہو کر پنجاب اور بلادِ ہند کے دوسرے علاقوں سے درویش اور صوفیاء آپ کی خدمت میں حاضری دینا وجہ سعادت سمجھتے تھے۔ آپ کی رہائش موضع کھیالی میں تھی اور روزانہ علی الصبح کھیالی سے خانقاہ قادریہ نوریہ (بیرون کھیالی دروازہ گوجرانوالہ) تشریف لایا کرتے تھے۔ شام کو بعض اوقات رات گئے گھر کو واپسی ہوتی تھی۔ عمر بھر یہی معمول جاری رہا۔ کھیالی سے گوجرانوالہ کی جانب آتے تو مردِ درویش حضرت مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ضرور رکتے۔ فاتحہ خوانی کرتے اور پھر وہاں عرصہ سے مقیم ایک صوفی نور احمد سے ملاقات کرتے اور بعض اوقات یہ ملاقات بہت طویل ہو جاتی۔ اس محبت اور خلوصِ باہمی کا ہی نتیجہ تھا کہ جب آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو آپ نے اس کا نام نور احمد ہی کے کہنے پر اظہار محبت کے طور پر نور احمد رکھا۔ یہ نور احمد تھے جو بعد میں مولانا نور احمد کے نام سے غیر معمولی روحانی شہرت کے حقدار قرار پائے۔ اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے باب میں آئے گا۔

غیر معمولی علمی مہارت اور فقہی دسترس کی بناء پر معاصر علماء کی نظروں میں آپ کی رائے کو قولِ فیصل کا درجہ حاصل تھا اور جید علماء و فضلاء آپ کی علمی آراء اور فقہی فیصلوں کو قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ بلادِ ہند کے عوام مختلف اسلامی و فقہی امور پر آپ کی رائے دریافت کرنے کیلئے آپ سے رجوع کرتے اور آپ سے فقہی مسائل کے حل کیلئے فتاویٰ کے طالب ہوتے۔ آپ اس ضمن میں فتویٰ جاری کرتے تو اس فتویٰ کو معاصر علماء کی نگاہوں میں توقیر و احترام کا مقام حاصل ہوتا اور بہت سے علماء آپ کے فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر کے آپ کی فقہی عظمت کی بالاتری کا اعتراف کر لیتے۔ مختلف علمی و تحقیقی تذکروں میں آپ کی فتویٰ نویسی اور اس سلسلہ میں قبولیت عام کا سراغ تو ملتا ہے مگر فتاویٰ کے سلسلہ میں ہم مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ فتویٰ نویسی اور اس کی قبولیت عام آپ کی علمی عظمتوں کی دلیل ہے۔ آپ نے فتویٰ نویسی کے ضمن میں جس قابل فخر روایت کی بنیاد رکھی' اس کی شان آپ کے صاحبزادے مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور پھر مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور علمی رفعتوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ آپ کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قرآن مجید' احادیث نبویہ اور اقوال آئمہ کرام کا غیر معمولی علم رکھتے تھے۔ ان علوم کی

marfat.com

سربلندیوں کا ادراک کئے بغیر علوم دینیہ میں قولِ فیصل کا درجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور مولانا محمد فیض رحمۃ اللہ علیہ کو بلاشبہ اس میدان میں قولِ فیصل کا درجہ حاصل تھا۔

قدرت نے آپ کو بہت سے دوسرے صوفیائے کرام کی طرح شاعرانہ ذوق سے بھی نواز رکھا تھا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قدرت کی طرف سے صوفیاء کو طبع موزوں عطا ہوتی ہے' جس کی بدولت وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے اہل نظر کی اصلاح کا کام لیتے ہیں۔ مولانا محمد فیض شاعری میں ملاحت تخلص کرتے تھے۔ فارسی اور عربی زبان پر بھرپور گرفت تھی۔ آپ کا بیشتر کلام فارسی میں ہے۔ آپ نے اپنے کلام کا کوئی باقاعدہ مجموعہ نہیں چھوڑا' بلکہ مختلف بکھرے ہوئے اوراق پر آپ کی شعری صلاحیتیں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ شعر و سخن کا یہ ذوق آپ کی ادبی و علمی رفعتوں کا عطیہ تھا۔ افسوس کہ ان کے شعر و سخن کا تمام کا تمام قیمتی سرمایہ دستبرد زمانہ کی نذر ہو گیا۔ معروف شاعر اور صوفی بزرگ مولانا غلام قادر شائق کی بیاضِ خطی سے آپ کا درج ذیل قطعہ دستیاب ہوا ہے جو شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

بعد زیں در عوضِ آہ و اشک دل آید بروں
آب چوں زاں کم شود از چشمہ گل آید بروں
عشق آمد بہر دل برون دُر سینہ نیافت
وزد از خانۂ مفلس چوں خجل آید بروں

ایک اور قطعہ میں یوں شعری جواہر پارے بکھیرتے ہیں۔

در مدرسۂ کہ برسر کا رم من
چوں لالہ بداغ دل بلگوارم من
من خود نہ مدرسم دریں مدرسہ بل
دیوانہ بطفلگاں گرفتارم من

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں یوں ارمغانِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

دل غم از لبریز شد سویم نگاہ یا علیؓ
جز جنابِ تو نمیدارم پناہ یا علیؓ
من نہ تنہا باشم از وردِ علی رطب اللساں
ہست وردِ ہر ملک و دہر بگاہ یا علیؓ
فخر با فقرم ہمیں بشاہاں کز ازل

marfat.com

شوئے درگاہ تو بختم داد راہ یا علیؑ
درجہاں از بخت خود نازم کہ می باشد مرا
برسر خاشاک درکاہت کلاہ یا علیؑ
گر مدد نشود شود کارم تباہ کیں چرخ دوں
رانطہ بر ملک و لم از غم سیاہ یا علیؑ
گر گدائے را نوازی از نگاہِ التفات
خود چہ کم گردد زجاہ چوں تو شاہ یا علی
می طپد ہر سطر انشایم ز بیتابی چو برق
ہست درہر بیت مضمون آہ یا علی
گردشِ گردوں بمن از جور چیزی کم مکن
یک نظر فرما سوئے ایں داد خواہ یا علیؑ

مشہور شعری تصنیف ''سکندر نامہ'' کے اختتام کی تاریخ یوں کہتے ہیں

چوں از فیض فضل خداوند عالم
شد ایں نامہ در وقت اسعد ختم
سروشم بفرمود تاریخ سالش
شرفنامہ در درجِ محبوب عالم
۱۲۶۸ھ

تاریخ نویسی کے سلسلہ میں ان کا ایک اور قطعہ ملاحظہ ہو:

از رُوزِ نقل حضرتِ ما نورِ احمد
بگریست آسمان دمہ و مہر و ماہ و میغ
تاربخش از خود جو بجستم گریست زار
درعین گریہ آہ زد و گفت بس دریغ
۱۲۷۶ھ

مولانا محمد فیض کی ایک فارسی غزل کے چند اشعار نذر قارئین ہیں:

کیست کارم پیش اُو فریاد از دست شما
اے شلانیاں ظالم داد از دست شما

marfat.com

کس نہ دیدم در جہاں بسیار کس را دیدہ ام
شاد از دست شما' ناشاد از دست شما
ماہماں بینیم شیریں لبان تلخ کور
آنچہ آمد برسر فرہا از دست شما
باعث اعزازِ ما باشد گر آب روئے ما
بیش ہم چشمہ نہ رُو بر باد از دست شما
گرچہ بارد تیغ در کوئے شماہاں لاتخف
سرنہادم ہرچہ بادا باد از دست شما

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ''شرح مکاتبات علامیؒ'' مولانا محمد فیض کی غیر معمولی علمی فضیلت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شرح وہی کر سکتا ہے کہ جو موضوع متعلقہ پر مکمل دسترس رکھتا ہو' جس کی جزئیات اور کلیات پر گہری نظر ہو' جو علمی تقاضوں اور فقہی امور سے آشنا ہو' جو مختلف النوع علوم پر حاوی ہو' جس کا مطالعہ وسیع اور جس کی علمی حیثیت بجائے خود سند کا درجہ رکھتی ہو۔ مولانا محمد فیض ان تمام علمی وفکری تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شرح آپ کے علمی کمالات اور گہرے مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ''شرح مکاتیات علامیؒ'' سے ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں تا کہ قارئین اس کی روشنی میں حضرت مولانا کا علمی وفقہی مقام متعین کر سکیں۔

''بر آنکہ نفس ہر چہارم قسم است۔ اوّل مطمنہ کہ قرار گرفتہ است بہ ذاتِ حق و مشاہدہ و معائنہ و ایں نفس پیغمبراں علیہم السلام است۔ دوم لوامہ کہ صاحب خود را ملامت کنندہ است و این نفس موموناں است۔ سوئم ملہمہ کہ الہام کنندہ است۔ یا الہام کردہ شدہ است و ایں نفس اولیاء است قدس سرہٗ۔ چہارم امارہ کہ صاحب خود را میری می کشد و ایں نفس کا فراں است علیہم اللعنۃ''

اس طرح کی مختلف العلوم کی تشریحات ''شرح مکاتباتِ علامیؒ'' میں درج ہیں جو حضرت میاں محمد فیض کے پایۂ علمی کی وضاحت کرتی ہیں کہ آپ کن کن علوم کے ماہر استاد تھے۔ یہ شرح انہوں نے کسی مولوی سلطان احمد کے کہنے پر تحریر کی۔ اس سلسلہ میں ان کی تحریر کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ابوالفیض محمد ملاحت کہتا ہے کہ اس نے یہ کتاب بعض ادب و انشاء کے آشناؤں کی فرمائش پر رقم کی۔ خصوصاً فضیلت پناہ' عالم بے نظیر مولوی سلطان احمد جو کہ اعلیٰ درجہ کے سخن شناس ہیں' ان کی فرمائش کو مد نظر رکھا ہے''۔

marfat.com

پھر آپ ایک قطعہ رقم کرتے ہیں:

از کلکِ ملاحت ایں سواد دلکش
در وقت نکوچہ نقش تربیت بست
سربسکہ بجیب فکر ہر دم جوں صدف
تانعمیہ سال جوں درافتاد بدست
گرچشم بہم زنی ز آہو سالش
ایں شرح مکاتیات نہامی دست

''شرح مکاتبات علامی'' کے دیباچہ میں ایک شعر حمدیہ اور ایک شعر نعتیہ درج ہے۔ حمد باری تعالیٰ کا شعر ملاحظہ ہو:

؎ تعالیٰ اللہ ز ہے بے شبہ و بے چوں
زہر چون و چرا کی عقل بیروں

سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت یوں بیان کرتے ہیں:

؎ در اسمِ احمد آں میمی کہ پیدا است
یکی آئینہ روئی احد را است

غرضیکہ مولانا محمد فیض ایک صاحب عمل صوفی' درویش باصفا' عالم نکتہ داں اور محقق دوراں تھے۔ آپ کے شاگردوں نے بہت نام کمایا۔ آپ اپنے معاصرین کی نگاہوں کا تارا تھے۔ اصحاب علم وفضل کے دلوں کا قرار تھے۔ آپ نے ایک طویل عرصہ تک خانقاہ قادریہ نوریہ کو اپنا مرکز بنا کر رشد و ہدایت کی شمع جلائے رکھی۔ آپ نے ء میں وفات پائی اور موضع کھیالی میں مدفون ہوئے۔

؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ ترے گھر کی نگہبانی کرے

marfat.com

شمس العلماء حضرت مولانا محبوب عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ

سرزمین گوجرانوالہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں مختلف ادوار میں ایسی جلیل القدر شخصیات نے جنم لیا جو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت بزم ہستی کا وقار بن گئیں۔ اس حوالے سے ممتاز علمی اور سیاسی شخصیت حضرت علامہ شمس العلماء مولانا محبوب عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ کا کردار آفتاب حکمت کی صورت جگمگا رہا ہے' آپ حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ (مدفون خانقاہ قادریہ نوریہ کھیالی دروازہ) کے خاندان تصوف کے رکن رکین تھے۔ آپ نے کھیالی دروازہ گوجرانوالہ میں خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ کے مرکز تجلیات کو وسعت بخشی اور اس روحانی اور علمی مشن کو جاری رکھا' جس کی گوجرانوالہ میں داتا شاہ جمال نوری نے بنیاد رکھی تھی۔ اس خانوادۂ روحانیت میں حضرت شیر محمد غازی' مولانا بحر العلوم محمد فیض اور سلطان العلماء مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہم جیسی عظیم المرتبت شخصیات اصحاب نظر کی آنکھوں کا ستارا بن کر اُبھریں' مولانا محبوب عالم کا سن پیدائش ۱۲۴۰ھ بمطابق ۱۸۲۳ء ہے۔

حضرت مولانا محبوب عالم مولانا غلام قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اور سلطان العلماء مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ مولانا محبوب عالم نے خانقاہ قادریہ نوریہ کے مرد کامل مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فکری و عملی فیوضات سے جی بھر کر خوشہ چینی کی اور اس مرکز علم و حکمت سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب کمال عالم نے اپنی نگرانی میں مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کو علوم دینیہ کا فیضان عطا کیا' ان کی مستقبل شناس نظریں دیکھ رہی تھی کہ یہ فرزند ہونہار ایک روز علم و جان سے حصول علم کے علاوہ دہلی سمیت مختلف شہروں سے بھی علوم دینیہ کی تحصیل کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ کا شمار اپنے دور کے انتہائی معروف علماء وفضلاء میں ہونے لگا۔

جب روحانی ونظری فیوضات کی تحصیل کا وقت آیا تو حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو خود شہباز طریقت تھے' انہیں روحانی تربیت کیلئے اپنے خلیفہ خاص ممتاز نظریاتی شخصیت اور علمی

marfat.com

اقدار کے امین فخر الاسخیا' حضرت خواجہ سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا۔ انہوں نے مولانا محبوب عالم کو خوب خوب نوازا اور پھر روحانی تربیت فرمائی۔ اس حوالے سے غوث العصر خواجہ محمد عمر (درگاہ معلّٰی قادریہ بازار خراداں) آپ پر خصوصی لطف فرماتے رہے۔ دونوں خانقاہوں کے درمیان قائم ہونے والا روحانی سلسلہ آج تک اپنی نظریاتی بہار لٹا رہا ہے۔ مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اور علمی کمالات نے درگاہ عالیہ قادریہ کھیالی دروازہ کو علم وحکمت کا عظیم مرکز بنا دیا۔

فکری و علمی اور روحانی و نظریاتی علوم میں کمال درجہ دسترس کے بعد حضرت مولانا محبوب عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ آپ کا جاری کردہ مدرسہ بہت جلد طالبان شوق کی نگاہوں کا مرکز بن گیا' صرف پنجاب اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ کئی ہمسایہ ممالک کے اہل شوق آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علوم دینیہ میں کمال حاصل کرنے لگے۔ مسلم مورخین نے ہی نہیں بلکہ انگریز تذکرہ نگاروں نے بھی آپ کے علمی فیوضات کے عام ہونے کا ذکر کیا ہے اور برملا اعتراف کیا ہے کہ آپ کا مدرسہ عالیہ پنجاب بھر میں دینی تعلیمات کا عظیم مرکز تھا' جس سے ایک زمانہ فکری روشنی حاصل کر رہا تھا۔ عہد حاضر کی نامور شخصیت حضرت خواجہ محمد بشیر قادری عباسی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حوالے سے 'سیرت الفقراء'' میں یوں رقمطراز ہیں'' آپ علوم شریعت کے مفتی' علم طریقت کے قاضی' سنت نبوی کے حامل اور ملت احمد کے عالم کامل' مقتدائے دین' ہادی دوراں' اہل علم کے استاذ' ولایت قلب کے حکمران صاحب حلم' اہل زمانہ کے پیشوا اور اہل تصوف کے راہنما گزرے ہیں''۔

یہ کہنا بالخصوص حقیقت کا الزام ہے کہ:

؎ عالم کامل فقیہ عصر' مرد بے نظیر
فخر ہستی' کاروان عشق و مستی کے امیر
ہیں رضا محبوب عالم شمع بزم معرفت
پیکر زہد و ریاضت' جان جاں' مرد شہیر
(از جمال فقر)

ایک عظیم سجادۂ روحانیت کے پیشوا اور عظیم علمی درسگاہ کے سربراہ کی حیثیت سے آپ نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ طالبان شوق چاروں طرف سے جوق در جوق آنے لگے' جب شمع علم و آگہی روشن ہو جائے تو پروانے سرمایہ جان وتن لے کر کیوں حاضر نہ ہوں گے۔ آپ سرزمین پنجاب کے نابغۂ روزگار محدث' مفسر اور فقیہ تھے۔ آپ کے ناخن تدبیر سے علم وحکمت کی

marfat.com

گتھیاں سلجھتی تھیں۔ عقدے حل ہوتے تھے' مسائل کی تفسیر اور تدبیر ممکن ہوتی تھی' آپ کی زبان فیض ترجمان اذہان کو علمی بلندیاں اور دلوں کو روحانی لطافتیں عطا کرتی تھی' اس علاقہ میں آپ کی علمی روحانی اور نظریاتی شخصیت اس قدر قد آور تھی کہ ممتاز ترین شخصیات آپ سے جھک کر ملتی تھیں اور آپ کی ایمان آفریں گفتگو میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ جب آپ دور دراز کے علاقوں کا سفر کرتے تھے تو وہاں کے روحانی شیوخ اور سماجی اکابرین آپ کی راہوں میں آنکھیں بچھا دیتے تھے۔

آپ نے شیخ الفقہ اور شیخ القرآن والحدیث کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں' وہ مطلع ایمان پر بصد آب و تاب جگمگاتی رہیں گی' ممتاز مصنفین' شعراء اور ادباء آپ سے رجوع کرتے' آپ کی خدمت میں اپنی گراں قدر تحریریں پیش کرتے' آپ کی رائے ان کیلئے قول فیصل کا درجہ رکھتی تھی' آپ کے فیوض روحانیت کے سرچشمے کناروں سے یوں اچھلے کہ برصغیر کے بے شمار علمی حلقوں کو سیراب کرنے لگے اور آپ کے علمی اور فقہی مقامات کا تذکرہ ہر سو پھیل گیا۔ آپ کا درس شریف حقیقی معنوں میں عظیم دبستان حکمت تھا' جس سے فیضیاب ہونے کیلئے عوام الناس ہی رجوع نہیں کرتے تھے بلکہ نامور مذہبی' روحانی اور علمی شخصیات بھی اس عظیم درسگاہ سے خوشہ چینی کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی تھیں۔ نامور محدثین اور مفسرین آپ کے ارشادات عالیہ کو سونے میں تولتے تھے۔ آپ کے علمی کمالات اور فکری محاسن کی شہرت چاروں طرف اس شان سے پھیل چکی تھی کہ آپ کے وصال تک آپ کو سرزمین گوجرانوالہ کی علمی اور سماجی پہچان سمجھا جاتا تھا اور آج بھی جبکہ آپ کو وصال فرمائے ایک صدی سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے آپ کا اسم گرامی تاریخ گوجرانوالہ کے علمی اعزاز کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔

جس طرح کسی درخت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی گھنی چھاؤں اور پھل سے لگایا جاتا ہے اسی طرح استاد کی علمی سرفرازی کا تعین اس کے تلامذہ اور اس کے سرچشمۂ حکمت سے خوشہ چینی کرنے والوں کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے' مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی طویل فہرست میں فقط چند پر ہی نظر ڈالیں تو آپ کی علمی فضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ (مخدوم العصر کے لقب سے معروف نامور شاعر اور اپنے دور میں دربار قادریہ بازار خراداں کے سجادہ نشین)' حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ نقشبندی (سجادہ نشین دربار کرتو پنڈوریاں)' سید غلام بھیک نیرنگ (نامور شاعر انشاء پرداز عالم)' غلام قادر زیرک

marfat.com

(عربی، فارسی اور اُردو کے ماہر، معروف عالم اور ممتاز شاعر) ایسی شخصیات ہیں، جن کے علمی کارنامے اپنے استاد کامل کی حقیقی فضیلت کے راز دار ہیں۔ آپ کی شادی ماڑی کلاں کے ہاشمی خاندان کی نیک خاتون رمضان بی بی سے ہوئی تھی، جنہوں نے اپنے صد افتخار شوہر کی کاوشوں کو آگے بڑھانے کیلئے امور خانہ داری کے ساتھ ساتھ خواتین کی تعلیم کے لحاظ سے بھی یادگار کردار ادا کیا۔

ایک معروف سجادہ کے سربراہ، نامور عالم دین اور فقیہ یگانہ ہونے کی بناء پر آپ مسلمانوں میں ہی غیر معمولی مقام نہیں رکھتے تھے بلکہ انگریزی حکومت، ہندو اور سکھ آپ کو یکساں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ ایسے مفتی تھے کہ جس کے فتویٰ کو معاشرتی ہی نہیں بلکہ سرکاری سطح پر بھی قول فیصل کا درجہ حاصل تھا۔ بعض اوقات حکومت انگلشیہ دینی معاملات آپ پر چھوڑ دیتی تھی اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذاہب کے مطابق آپ ہی کی رائے کو فوقیت دیتے تھے۔ حکومت انگلشیہ کا دور مسلمانوں کیلئے انتہائی کٹھن تھا، حکومت ہاتھوں سے چھن چکی تھی۔ اب اسلامی اقتدار کا وجود بھی خطرے میں تھا۔ آپ نے اس نازک صورتحال کو بھانپ لیا اور اہل اسلام کی بھرپور راہنمائی اور قیادت کا حق ادا کیا۔

انگریزی حکومت نے بھی آپ کے مقام و مرتبہ اور سماجی و علمی حیثیت کو دیکھتے ہوئے شہر گوجرانوالہ کی ترقی و بہبود کیلئے آپ کو تیس برس تک مسلمانوں کے واحد نمائندہ کے طور پر نامزد کئے رکھا۔ اس کے علاوہ آپ متعدد سماجی تعلیمی اور معاشرتی اداروں کے رکن اور سربراہ بھی تھے۔ آپ نے تمام دینی و دنیاوی امور میں اس شان سے راہنمائی اور قیادت کا حق ادا کیا کہ اپنے ہی نہیں بلکہ اغیار بھی آپ کی خداداد صلاحیتوں کے معترف ہو گئے۔ آپ کے نام متعدد حکومتی مراسلوں اور راسناد سے آپ کی سیاسی اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو درجنوں ایسے واقعات نظر آتے ہیں جو آپ کی علمی سیادت، ہردلعزیزی اور روحانی بلندیوں کی شہادت دے رہے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ تیس سال تک گوجرانوالہ شہر کی انتظامیہ کے اعلیٰ رُکن رہے تھے۔

آپ صحیح معنوں میں مرد درویش تھے۔ اپنے دور کی نامور ترین سماجی، روحانی اور علمی شخصیت ہونے کے باوجود آپ نے مدرسہ اور اپنے شاگردوں کی تدریس کو کبھی فراموش نہ کیا۔ آپ کی زندگی رضائے الٰہی کی تصویر تھی اور حق تو یہ ہے کہ جب مرد مومن رضائے الٰہی میں ڈھل جاتا ہے تو اس کی تدبیر خدا کی تقدیر کا پرتو بن جاتی ہے اور یہیں سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ صاحب کرامات کثیرہ تھے لیکن ہمارے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی تھی کہ آپ نے ظلمت کدوں

marfat.com

میں خدا آگاہی کے چراغ روشن کیے۔ زوال پذیر مسلمانوں کو علمی لحاظ سے باوقار ہونے کا شعور بخشا۔ جھوٹے عقائد اور نظریات کے خلاف جہاد کیا اور بندگان خدا کو صحیح معنوں میں معرفت خداوندی کی لذت عطا کر دی۔

ایک طویل عرصہ تک رشد و ہدایت کے چراغ روشن رکھنے کے بعد بالآخر اس مرد کامل کی زندگی کی آخری ساعتیں آ پہنچیں۔ آپ نے پیرانہ سالی کے باوجود تعلیم و تدریس اور تبلیغ اسلام کا مشن جاری رکھا۔ بالآخر ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ بمطابق ۵ دسمبر ۱۹۰۳ء جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آپ نے پیام اجل پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جان خدا کے سپرد کر دی۔ وفات کے وقت بھی آپ کے لبوں پر دل نواز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

آپ کی نماز جنازہ میں شہر اور علاقہ کے ہر مکتبۂ فکر اور تمام شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے افراد نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی اور آپ کو خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ' بیرون کھیالی دروازہ میں دفن کر دیا گیا۔ یہی وہ روحانی گلستان تھا جو آپ کے علمی فیوض کی بدولت ایک طویل عرصہ تک اپنی بہار دکھاتا رہا۔ آپ کی وفات پر برصغیر پاک و ہند کے درجنوں شعراء نے آپ کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

آپ کے بارے میں تذکار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے متعدد علمی اور فقہی تصانیف کے حواشی بھی تحریر کیے اور کئی کتابوں پر اعلیٰ فقہی انداز کی تقاریظ اور آراء بھی تحریر کیں۔

ان تذکار سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر تصنیف و تالیف کی جانب بھی رخ کر لیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بطور خاص آپ کی تصنیف ''شرح الثناء الحسن والحسین والدعا المرتضیٰ'' کا نام سامنے آتا ہے مگر امتداد زمانہ نے جس طرح آپ کا عظیم کتب خانہ نگاہوں سے اوجھل کر دیا اسی طرح آپ کی علمی اور ادبی کاوشیں بھی صرف تذکروں کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ اے کاش ماضی واپس لوٹ آئے اور کسی طور آپ کی متاع گم گشتہ اصحاب تحقیق کی توجہ کا مرکز بن سکے تاکہ آپ کے جلائے ہوئے چراغوں سے نئے تحقیقی چراغ روشن ہو سکیں۔

چونکہ درگاہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تمام روحانی توجہات کا مرکز تھی اس لئے آپ وہاں کے اعراس اور تقاریب میں باقاعدگی سے شریک ہوتے۔ خطہ لاہور کے اولیائے کرام اور

marfat.com

برصغیر کے صوفیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے۔ گوجرانوالہ میں غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات آپ کے خلوص و محبت کا خصوصی مرکز تھی۔ خانقاہ معلّٰی قادریہ بازار خراداں اور خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ کھیالی دروازہ کا روحانی تعلق خاطر ہر دور میں اپنی مثال آپ بن کر جگمگاتا رہا۔ آپ خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ میں اپنے تمام اسلاف کے اعراس باقاعدگی سے منعقد کرواتے رہے کہ آج بھی اس درگاہ عالیہ کی تمام روحانی تقاریب تواتر اور باقاعدگی سے منعقد ہو رہی ہیں۔ ۵ دسمبر کو منعقد ہونے والا عرس پاک بھی اسی درگاہ کے روحانی مشاغل کی پاکیزہ کڑی ہے جو ایک صدی سے زائد عرصے سے باقاعدگی سے انعقاد پذیر ہو رہا ہے۔

شمس العلماء حضرت مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیوض کے سلسلے کو آپ کے بعد ممتاز روحانی شخصیت حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تادم آخر جاری رکھا۔ حضرت مولانا غلام جیلانی' مولانا محمد عبد اللہ کے فرزند تھے اور ان کے دادا کا نام مولانا حسام الدین تھا جو مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کے برادر بزرگ تھے۔ چونکہ مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی اولاد نہیں تھی' اس لئے آپ نے حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ مولانا غلام جیلانی نے اپنی روحانی ریاضت اور زہد و تقویٰ سے ثابت کر دیا کہ آپ کا انتخاب نہایت درست اور تاریخ تصوف کا اہم اور روشن باب تھا۔

حضرت قبلہ مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ نے علم و فضل کے فروغ کیلئے تمام زندگی بھرپور کاوشیں کیں' جن کا اعتراف ایک زمانے کو ہے۔ دینی اور روحانی تعلیمات کا سلسلہ آپ کے بعد بھی جاری رہا۔ آج جب ہم درگاہ قادریہ نوریہ کے روحانی ماحول میں داخل ہوتے ہیں تو یہاں کی ایمان آفریں اور روحانی لحاظ سے پُرشکوہ عمارات کا ایک سلسلہ بے اختیار دامان توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

درگاہ کے احاطہ میں داخل ہوتے ہی حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک نظر آتا ہے۔ آگے بڑھیں تو جامع مسجد کا ظاہری اور باطنی حسن اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اور پھر فوراً حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کا پُرشکوہ روضہ اقدس اپنے تمام تر حسن کے ساتھ زائرین کے قلب و نظر میں سما جاتا ہے۔ حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی سائے میں شمس العلماء مولانا محمد محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے روحانی اکابرین آرام فرما رہے ہیں۔ دینی تعلیمات کے فروغ کیلئے مدرسہ فیض العلوم آج بھی اپنی فکری خوشبو لٹا رہا ہے۔ ان عظیم اور دلکش عمارات کی تعمیر کے سلسلہ میں حضرت مولانا غلام جیلانی کے فیض خوردہ اور

marfat.com

آپ کے روحانی فیوض سے دل و جان کو آباد کرنے والے حضرت پیر عاشق جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار بھی شمع روشن کی طرح جگمگا رہا ہے' جنہوں نے اپنے وصال تک اپنے مرشد کی محبت کو متاع جان بنائے رکھا۔ آج وہ دنیا میں نہیں مگر پیر خانے سے ان کی محبت کی داستاں دلوں کو عقیدت کا حسن بخش رہی ہیں۔

ہم مشہور شاعر غلام بھیک نیرنگ کے اس شعر پر اس تحریر کو ختم کر رہے ہیں؛

اسم تو محبوب عالم مظہر نور خدا

قاضی شرع محمد ہادئ راہِ صفا

marfat.com

جمال الاولیاء

حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ اولیائے کرام نے ہر عہد میں ہر علاقے میں عظمت اسلام کے چراغ روشن کئے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اولیاء و صوفیاء کے کردار کی سربلندیوں اور ان کے اخلاق عالیہ کی تاثیر سے پھیلا ہے۔ سلاطین اور شہنشاہوں نے انسانی جسموں پر حکومت کی ہے جبکہ اولیائے کرام کی لازوال حکمرانی عوام الناس کے دل و دماغ پر رہی ہے اور حکمرانی وہی ابدی ہوتی ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان صوفیائے عظام کی حکومت دائمی ہے۔ کائنات انسانی کے دوسرے علاقوں کی طرح برصغیر پاک و ہند میں کروڑوں مسلمانوں کا وجود انہی اولیائے کرام کی مقدس تعلیمات اور ان کی روحانی مساعی کا مرہون منت ہے۔ ان صوفیائے عظام نے شہروں' بستیوں' جنگلوں' ویرانوں غرضیکہ ہر علاقے اور خطے میں خدا اور رسول خدا حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سرمدی سنایا۔ علم و حکمت کے جواہر تقسیم کئے' رشد و ہدایت کے انعامات لٹائے اور کفر و ضلالت میں گھرے ہوئے انسانوں کے دلوں کو اسلام کی روشنی اور ایمان کی تابندگی عطا کر دی۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ' چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ سمیت تمام سلاسل معرفت کے صوفیاء کی خدمات اس ضمن میں ہماری تاریخ ایمان و یقین کا اعزاز ہیں۔ سلسلہ قادریہ کے عظیم روحانی پیشوا اور سلطنت فقر کے تاجدار حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور آپ کی مساعی جلیلہ کا تذکرہ ہم گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ اس باب میں ہمیں آپ ہی کے سلسلے کے روشن ضمیر ولی حضرت داتا شاہ جمال نوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ مقصود ہے' جنہوں نے میاں میر قادری لاہوری کے حکم کی تعمیل میں سرزمین گوجرانوالہ کو قادریت کے سدا بہار فیوض کی نعمت سے بہرہ ور کر دیا۔

marfat.com

ولادت

حضرت داتا شاہ جمال نوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش موضع حضرت والا ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہوئی۔ آپ کا وطن مالوف قبلۂ عالم حضرت میاں میر قادری لاہوری کے علاقۂ پیدائش سے قریب ہی ہے۔ حضرت میاں میر قادری سیوستان کے رہنے والے تھے۔ حضرت داتا شاہ جمال نوری کے حالات زندگی بہت کم دستیاب ہیں۔ بیشتر حالات کا دارومدار دوچار کتب تذکرہ اور ان کے خاندان میں سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی روایات پر ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ فاتح سندھ عماد الدین محمد بن قاسم کے ہمراہ فتوحات اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں سندھ میں تشریف لائے۔ چونکہ مسلم فاتحین اپنے ساتھ مبلغین اسلام اور فقہاء و علماء کو لے کر چلتے تھے کہ مفتوحہ علاقہ کو اسلام کی روشنی سے جگمگا سکیں۔ اس لئے شاہ جمال نوری کے مورثِ اعلیٰ کا فاتح فوج کے ساتھ برصغیر میں آنا قرین قیاس اور تاریخی حقیقت کے عین مطابق نظر آتا ہے۔

اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ نے پہلے پہل اوچ شریف میں قیام کیا اور پھر ڈیرہ غازی خاں میں مقیم ہوئے اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ خاندان ڈیرہ غازی خاں کے قریبی گاؤں حضرت والا میں آ کر مقیم ہو گیا۔ معلوم نہیں اس گاؤں کا پہلا نام کیا تھا مگر چونکہ حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت تک اس گاؤں میں اس خاندان کے کئی صاحب فکر و نظر بزرگ یکے بعد دیگرے رشد و ہدایت کا سلسلہ پھیلا چکے تھے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اس گاؤں کو اس خاندان کی عالی نسبی اور علمی و روحانی حیثیت کی بناء پر ''حضرت والا'' کہا جاتا تھا۔

حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ گمان اغلب یہ ہے کہ جن دنوں آپ لاہور تشریف لائے تھے۔ حضرت میاں میر قادری کی روحانی عظمت و شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ لاہور میں داتا شاہ جمال نوری کی آمد تحصیل علم کیلئے تھی۔ یہ آپ کی طالب علمی کا ابتدائی اور حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آخری دور تھا۔ حضرت میاں میر قادری کا سن وفات ۱۰۴۵ھ ہے۔ اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ آپ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے دس برس بیشتر لاہور تشریف لائے اور اس وقت آپ کی عمر تقریباً پچیس سال ہو (جیسا کہ یہ عمر ابتدائی تعلیم کے بعد دینی و روحانی تعلیم کیلئے مخصوص ہوتی ہے) تو پھر آپ کا سن ولادت اندازاً ۱۰۱۰ھ کے لگ بھگ بنتا ہے۔

marfat.com

حسب ونسب:

حضرت شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ حسب ونسب کے لحاظ سے قریشی صدیقی تھے۔آپ کا سلسلۂ نسب ۱۷ واسطوں سے خلیفۂ اوّل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ روحانی سلسلے سے آپ قادری تھے' اس طرح آپ کا سلسلہ مختلف شیوخ قادریت کی وساطت سے خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واسطوں سے جا ملتا ہے۔ ہم آپ کے خاندانی اور روحانی سلاسل درج کر رہے ہیں۔

شجرہ بلحاظ خاندان (صدیقی قریشی)

حضرت شاہ جمال نوری بن حضرت شاہ مرید الدین بن حضرت شاہ حسام الدین بن حضرت شیخ محمد شریف بن حضرت شیخ محمد حاجی بن حضرت شیخ محمد احمد بن حضرت شیخ عبدالرحمٰن بن حضرت شیخ محمد شریف بن حضرت شیخ معروف بن حضرت شیخ داؤد بن حضرت شیخ وجہ الدین بن حضرت شیخ نجم الدین بن حضرت شیخ محمد سلیمان بن حضرت شیخ ابراھیم بن حضرت شیخ عبدالشکور بن حضرت شیخ علاؤ الدین بن حضرت شیخ مودود بن حضرت شیخ قاسم بن حضرت شیخ عبداللہ درمی بن حضرت شیخ عبدالمجید بسطامی بن حضرت شیخ ابوالحسن گاذرونی بن حضرت شیخ محمد راضی بن حضرت شیخ محمود بغدادی بن حضرت شیخ جعفر بغدادی بن حضرت شیخ محمد قاسم بن حضرت شیخ ابومحمد مکی بن سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سلسلہ بلحاظ طریقت (سلسلہ عالیہ قادریہ)

حضرت داتا شاہ جمال نوری صدیقی قادری مرید حضرت شاہ ابوسعید معصوم مرید شیخ العالم حضرت میاں محمد میر بالا پیر قادری لاہوری مرید حضرت خضر ابدال بیابانی مرید حضرت سید احمد مرید حضرت سید ابد کبیر مرید حضرت شیخ ابوالقاسم مرید حضرت موسیٰ حلبی مرید حضرت خواجہ ابوبکر مقتول مرید حضرت ابوداؤد مرید حضرت شاہ سلیمان مرید حضرت حفص ابوبکر مرید حضرت خواجہ حسن قرشی مرید حضرت عبدالرزاق مرید غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی مرید حضرت شیخ ابوسعید مرید حضرت شیخ سنکاری مرید حضرت شیک ابوالفرح طرطوسی مرید حضرت شیخ عبدالواحد یمنی مرید حضرت شیخ شبلی مرید سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی مرید حضرت سری سقطی مرید حضرت خواجہ حبیب عجمی مرید حضرت خواجہ حسن بصری مرید شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ'۔

marfat.com

شیخ کامل کے حضور حاضری

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی موضع میں اپنے دادا حضرت شاہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور پھر مزید دینی تعلیم کیلئے لاہور چلے آئے۔ آپ ہی کے علاقہ کے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ اس سے قبل لاہور آ کر زمانے بھر کو علمی فیضان بخش رہے تھے۔ جس طرح سے حضرت داتا شاہ جمال نوری، حضرت میاں میر قادری کی تقلید میں اپنے علاقہ سے لاہور چلے آئے اور پھر جس طرح آپ کی حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوتی، اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے اور کچھ بعید نہیں کہ ان میں آپس کی رشتہ داری بھی ہو۔

جب داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کی آرزو لئے لاہور پہنچے تو آپ نے تحصیل علوم دینیہ کیلئے اس دور کے مختلف مدارس علیہ سے رجوع کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ میاں وڈھا کی درسگاہ میں دینی علوم کی تحصیل کرتے رہے۔ تحصیل علم کے اسی عرصہ کے دوران میں آپ کی ملاقات حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اور یہی ملاقات آپ کو زندگی کی آخری سانس تک ان کے حلقہ بگوش بنا گئی۔ ایک روز حضرت شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مدرسہ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے تھے کہ ادھر سے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا گزر ہوا۔ آپ نے اس سعید بخت نوجوان کو دیکھا تو طبیعت میں ذوق سخاوت مچل اُٹھا اور پوچھا:

"نوجوان! تم نے کیا پڑھا ہے؟"

حضرت شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سوال کے جواب میں عرض کیا:

حضرت میں نے علوم دینیہ پڑھے ہیں۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نہیں نوجوان تم کچھ بھی نہیں پڑھے۔

شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عرض پر اصرار کرتے ہوئے کہا:

یا حضرت! میں دینی علم پڑھ رہا ہوں۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بدستور فیصلہ کن لہجہ میں فرمایا۔

نوجوان تمہارا اصرار غلط ہے، ہمارے حساب سے تم بالکل نہیں پڑھے۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیصلہ کن جواب نے نوجوان شاہ جمال نوری کی نگہِ باطن شناس روشن کر دی۔ دل پر خرد کی بے بسی اور علم کی بے بصری واضح ہوگئی۔ فوراً اظہار

marfat.com

ندامت میں عرض کیا:

''حضور! آپ سچ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ نہیں پڑھا' مگر اب میں پڑھنے کا متمنی ہوں' نگاہیں بے اختیار آپ کی جانب اُٹھ رہی ہیں۔ للہ کرم فرما دیجئے''۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شان استغناء سے نوجوان شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور چپکے سے اپنی خانقاہ کی طرف ہو لئے۔ نوجوان شاہ جمال نوری کہ جن کے قلب ونظر میں محشر بپا تھا' بصد منت وزاری آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے' جب حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ میں جا پہنچے تو شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ نے دست بستہ عرض کیا کہ ''حضور! خرد کی گتھیاں تو سلجھا چکا ہوں' اب آپ کے فیضانِ نظر کا منتظر ہوں۔ خدارا مجھے اپنے دامانِ کرم سے وابستہ کر لیجئے۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا بحر کرم تو پہلے ہی مواجی پر تھا۔ وہ تو اس جوان رعنا کی پیشانی سے اُبھرتے ہوئے آثار سعادت کو پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے تھے' فوراً اپنا دامان لطف دراز کر دیا اور اس بلند قسمت نوجوان طالب علم شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی و باطنی تربیت کا مرحلہ شروع کر دیا۔

روحانی تربیت

شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ دینی علوم کی تحصیل تو کر چکے تھے' روحانی و باطنی فیوض کی باران رحمت نے انہیں مس خام سے کندن بنا دیا۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ان کیلئے دبستان معرفت ثابت ہوئی۔ کہتے ہیں کہ زمین جس قدر زرخیز ہو اتنا ہی زیادہ نم قبول کرتی ہے۔ شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی کشت آرزو تو مدتوں سے ایسے ہی ابر گوہر بار کے برسنے کی منتظر تھی' اس لئے آپ نے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سرچشمہ معرفت سے جی بھر کر سیرابی حاصل کی۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو روحانی گداز' باطنی مشاہدات اور روحانی سوز وساز سے بہرہ ور کر دیا۔ عبادت وریاضت میں اوقات بسر ہونے لگے' مجاہدے اور ریاضتیں ان کا معمول بنتی گئیں اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی روحانی کاوشوں کو اپنی پسندیدگی سے نوازنے لگے۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ کسی طالب راہ حق کو خصوصی عنایات سے نوازتے تو اسے مجاہدوں اور ریاضتوں سے گزار کر اپنے کسی خلیفۂ خاص کے سپرد کر دیتے تاکہ یہ رہ نوردِ راہ شوق منزل حق وصداقت پر فائز ہو سکے۔ شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت

marfat.com

کی تکمیل کیلئے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنے مرید خاص اور خلیفہ حضرت شاہ ابوسعید معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا اور انہیں تاکید فرمائی کہ اس صاحب ذوق وشوق کی باطنی تربیت میں کوئی کمی واقعی نہ ہونے پائے۔ ایک تو مرشد کا حکم تھا اور دوسرے شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی طبعٔ ساز کا کمال تھا کہ حضرت شاہ ابوسعید معصوم نے ان پر باطنی توجہ کو بطور خاص مرکوز کر دیا اور یہ نہایت تیزی سے فکری ونظری فیوض سے بہرہ یاب ہونے لگے۔ حضرت شاہ ابوسعید معصوم رحمۃ اللہ علیہ عظیم المرتبت ولی اللہ تھے۔ آپ کا مزار اقدس کوٹ رندھاوا ضلع امرتسر میں ہے۔

اگرچہ شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی باقاعدہ بیعت حضرت ابوسعید معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے تھی لیکن آپ کو حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے انعامات بھی مسلسل حاصل ہوتے رہے۔ اپنے مرشد کامل کے ارشادات کی روشنی میں شاہ جمال نوری کا مقدر ہر آن سنورتا رہا۔ ان کی کتنی بڑی خوش نصیبی تھی کہ ان پر ایک طرف تو مرشد کامل کی نوازشات برس رہی تھیں اور دوسری طرف حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں مسلسل اپنی باطنی توجہ کا حقدار بنائے ہوئے تھے۔

ع...... یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت ابوسعید معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ کیمیا اثر نے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل میں اس نوجوان صالح کو روحانی طور پر وہ سربلندیاں عطا کیں کہ دوسرے مریدین اس پر رشک کرنے لگے، جب شیخ کامل نے دیکھ لیا کہ صاحب دل مرید نے اس کے حلقۂ تربیت سے پورا پورا استفادہ کر لیا ہے تو انہوں نے حضرت شاہ جمال نوری کو خرقۂ خلافت عطا کر دیا۔ حضرت شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ تو خرقۂ خلافت سے زیادہ اپنے شیخ کی صحبت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ انہیں اپنے شیخ سے دوری گوارا نہ تھی مگر حضرت ابوسعید معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے شفقت سے سمجھایا کہ:

""شمع کا کام روشنی پھیلانا ہے۔ اسلام کا مقصود بھی یہی ہے کہ ہدایت کی روشنی پھیلتی رہے۔ ہم نے حق وصداقت کی جو شمع تمہارے سینے میں روشن کی ہے، تمہارا فرض ہے کہ اس کی روشنی سے زیادہ سے زیادہ خلق خدا کو فیضیاب کرو اور اپنے علم وحکمت سے ان علاقوں کو فیضیاب کرو جو تعلیمات اسلامی کی روشنی سے محروم ہیں""۔

اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں آپ نے اپنے سر کو جھکا لیا تو حضرت ابوسعید معصوم حضرت میاں میر قادری کے ایماء پر فرمانے لگے

""ہم نے گوجرانوالہ کی ولایت تمہارے سپرد کی ہے۔ جاؤ اور اس علاقے میں عظمت اسلام

marfat.com

کے پیغام کو عام کر دو۔ اس علاقہ کی مخلوقِ خدا کو اسلام اور قرآن کی تعلیم سے آشنا کرو ظلمتوں میں ایمان کے چراغ روشن کرو اور تاریک دلوں کو نورِ ہدایت سے جگمگا دو"۔

گوجرانوالہ آمد

آپ نے اپنے شیخ عالی مقام کے حکم پر آمنا وصدقنا کہا اور حکم کو بجا لاتے ہوئے گوجرانوالہ کو روانہ ہو گئے۔ اس دور میں گوجرانوالہ شہر کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ اس نام کا ایک گاؤں جی ٹی روڈ کے کنارے آباد تھا۔ آپ گوجرانوالہ کے نواحی گاؤں کھیالی میں مقیم ہو گئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تبلیغ و اشاعت دین کیلئے گاؤں کی فضا تنگ محسوس ہوتی تو کھیالی گاؤں سے جنوب کی جانب اپنی خانقاہ قائم کی۔ آج تو گوجرانوالہ اور کھیالی کے درمیان آبادی کی کثرت کی بناء پر فاصلہ نظر نہیں آتا۔ اس دور میں آپ کی خانقاہ اس راستے پر قائم تھی جو کھیالی سے گوجرانوالہ کو جاتا تھا۔ آنے والے ادوار میں جب گوجرانوالہ کی حدود وسیع ہوئیں تو شہر گوجرانوالہ کی آبادی آپ کی خانقاہ تک آ پہنچی اور آپ کی خانقاہ کے محل وقوع کو بیرون کھیالی دروازہ کہا جانے لگا۔

جس طرح خوشبو پھول کے بطن سے پھوٹتی اور ماحول کو معطر کر دیتی ہے اسی طرح اولیاء اللہ کا پیغام بھی ان کے دلوں سے اُبھر کر عوام الناس کے دلوں میں اپنا مقام بناتا ہے۔ حضرت شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام فی الحقیقت محبت وخلوص کی خوشبو کا پیغام تھا۔ یہ پیغام معرفت الٰہی اور جذب وشوق کا پیغام تھا' یہ تو دکھ درد کے مارے ہوؤں کیلئے امن و راحت کا پیغام تھا' یہ تعلیمات قرآنی کی اشاعت اور عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تھا۔ آپ کا پیغام دلوں میں گھر کرنے لگا' اہل نظر آتے اور دامانِ مراد بھر کر لے جاتے' جو ایک بار آپ کے حلقۂ صحبت میں آتا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو کر رہ جاتا۔ آپ کی صحبت دلوں کو روحانی گداز اور ایمانی تب و تاب بخش دیتی۔ غم حیات کے مارے ہوئے آپ کے دامن میں پناہ لیتے تو انہیں آلام روزگار کی سختیوں سے رہائی کا احساس ہونے لگتا۔ آہستہ آہستہ آپ کے نام کے ساتھ "داتا" کا لفظ مختص ہو گیا اور ارادت مند آپ کو داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پکارنے لگے۔ یہی نام آج تک نیاز مندوں کیلئے پیغام سکون بنا ہوا ہے۔

تبلیغ و اشاعت اسلام

حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے نامور راہنمائے طریقت

marfat.com

تھے۔ آپ کو غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت تھی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے روحانی معمولات نہایت پابندی سے ادا فرماتے، جس دور میں آپ نے خانقاہ قادریہ کے ذریعہ روحانی فیوض لٹانے شروع کئے تھے، اس دور میں یہ علاقہ اسلامی تہذیب وتمدن کی روشنی سے بڑی حد تک محروم تھا۔

اس علاقہ میں ہندو سکھ کثرت سے آباد تھے اور بیشتر زمینوں پر بھی وہی قابض تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور ہندوؤں سکھوں کی دیکھا دیکھی کئی غیر اسلامی رسوم مسلمانوں میں رواج پذیر ہوگئی تھیں۔

حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ نے عظمت اسلام کا پرچم اس شان سے لہرایا کہ چاروں طرف اسلامی تعلیمات کا دور دورہ ہونے لگا۔

آپ نے جہاں غیر مسلموں کو اسلام کی عظمت وحقانیت کی طرف مائل کیا، وہاں ان مسلمانوں کو جو جادۂ حق سے بھٹک چکے تھے پھر سے صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ ہندو سکھ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور آہستہ آہستہ ان پر اسلام کی حقانیت کا رنگ غالب آنے لگتا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ وہ مسلمان جو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل ہو چکے تھے، آپ نے انہیں پھر سے شعائر ایمان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تبلیغ نہایت سادہ اور مؤثر تھا۔ آپ بحث و مباحثہ سے گریز کرتے اور پُر تاثیر انداز سے وعظ ونصیحت فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ جس کے کانوں میں ایک بار آپ کے کلمۂ حق کی صدا پہنچ جاتی پھر وہ آپ کی خانقاہ عالیہ کے فیضان سے مستقل سیراب ہونے لگتا۔ آپ کی نگاہ میں غضب کی تاثیر تھی اور کیوں نہ ہوتی کیونکہ یہ تاثیر حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولیٔ کامل کی عنایت خاص تھی کہ جن کی چوکھٹ پر سلاطین وقت حاضری دینا اپنے لئے اعزاز تصور کرتے تھے۔ اس علاقہ میں شورشوں نے سر اُٹھا رکھا تھا۔ قتل و رہزنی اور غارت گری عام تھی۔ حملہ آوروں کے لشکر گزرتے اور بستیوں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ اس دور پُر آشوب میں آپ نے جس طور خلق خدا میں امن وسکون اور تسکین حیات کی دولت تقسیم کی اور جس طرح حالات کے ستائے ہوئے انسانوں کو قرار عطا کیا اس نے آپ کو مرجع خلائق بنا دیا۔

marfat.com

سیرت و کردار

آپ کی زندگی سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھی۔ آپ نہ صرف خود سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تقاضوں پر سختی سے کاربند تھے بلکہ اپنے مریدین اور ارادت مندوں کو بھی ارشادات مصطفوی پر عمل پیرا ہونے کی شدید تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ نے نہایت سادگی اور توکل سے زندگی بسر کی۔ فقر و استغنا کو اپنا معمول بنائے رکھا' درویش بے ریا کی صورت خدا کے بھروسے پر اشاعت اسلام کی شمع روشن کی اور پھر بہت جلد اس شمع ایمانی کی روشنی پورے علاقہ کا ظلمت زدہ ماحول منور کرنے لگی۔

شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اخلاص عمل' بے ریائی' جذبۂ خدمت خلق خدا' معرفت الٰہی اور تزکیۂ نفس کا جو بیج صدیوں پیشتر بویا تھا' اس سے پھوٹنے والے شجر سایہ دار نے مدتوں اصحاب علم و فضل کو اپنے وقار کا احساس دلائے رکھا۔ آپ نے بیرون کھیالی دروازہ میں ایک خانقاہ کے قیام کی صورت میں ایک ایسا دبستان معرفت قائم کیا تھا جس سے زمانہ صدیوں اکتساب فیض کرتا رہا۔ آنے والے برسوں میں یہ خانقاہ اہل نظر کیلئے بیش بہا سرچشمۂ معرفت ثابت ہوئی۔

حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ اس علاقہ کے راہنمایان طریقت میں مرکزی حیثیت کے حامل تھے۔ علمائے کرام اور شیوخ آپ کی خدمت میں حاضری دینا باعث سعادت تصور کیا کرتے تھے۔ آپ قطب یگانہ اور غوث وقت تھے۔ آپ کی حیات ظاہری میں بھی اولیائے عظام آپ کی خانقاہ میں حاضری باعث فخر سمجھتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد بھی اولیائے کرام آپ کے دربار میں اسی حسن عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔ آپ کی خانقاہ میں اولیاء کی حاضری ایک معمول کے طور پر صدیوں سے جاری ہے۔ جب کسی صاحب ولایت کو اس علاقہ میں تبلیغ و اشاعت کا فرض سونپا جاتا ہے تو وہ آپ کے مزار پر حاضر ہوتا ہے۔ گویا اپنے فرائض کو بجا لانے کیلئے اجازت طلب کرتا ہے اور جب وہی صاحب ولایت اس علاقہ سے رخصت ہوتا ہے تو پھر وہ سلام کیلئے آپ کے مزار پر حاضر ہوتا ہے۔ گویا وہ رخصت ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہوتا ہے۔ یوں کہنا بجا ہوگا کہ اس طور ان اصحاب معرفت کی فکری و روحانی حیثیت پر مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔

آپ صاحب کراماتِ کثیرہ تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب بندہ رضائے الٰہی میں ڈھل جاتا ہے اور اپنی زندگی مکمل طور پر خوشنودیٔ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کر دیتا ہے تو پھر تقدیر خداوندی اس بندۂ خاص کی تدبیر کا مزاج پہچاننے لگتی ہے اور یہ بندۂ خاص اپنی زبان سے جو کچھ بھی

marfat.com

کہتا ہے وہ پرتو تقدیر یزداں بن جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے اشارہ کیا ہے:

گفتہٴ اُو گفتہٴ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

حضرت شاہ جمال کی زندگی خدا کے احکام کی تعمیل اور خوشنودیٔ خدا کے حصول میں بسر ہوئی تھی۔ اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان کے فرمودات تائید ربانی کی بدولت تقدیر کے تقاضوں کے امین نہ بنتے۔ آپ کی کرامات بلاشبہ اہل ایمان کے دلوں کو روحانی جلا بخشنے کا سبب ثابت ہوئیں لیکن ہمارے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ نے کفر و ضلالت کی تاریک راہوں پر سفر کرنے والے گنہگاروں کو توحید خداوندی کی روشنی عطا کی' بتوں کی پرستش کرنے والوں کو خدائے واحد کے تصور سے آشنا کیا اور تعلیمات اسلامی سے دور ہٹنے والے مسلمانوں کو اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی اتباع کا ذوق بخشا۔ آپ کی نگاہوں کا فیضان ایک کرامت کی صورت مدتوں جاری رہا اور ایمان کی دولت سے محروم انسان آپ کی صحبت میں کچھ وقت گزار کر دنیاوی اور اخروی سرخروئی کا سامان حاصل کرتے رہے۔ آپ کا یہ فیضان آج بھی جاری ہے۔

؎ یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اہل ایمان تو آپ کے گرویدہ تھے ہی' غیر مسلم بھی آپ کی خدمت میں حاضری دینا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔ کتنے ہی ہندو سکھ تھے جو آپ کی خدمت میں حاضری دینے کی بدولت چوری چکاری' ڈاکہ زنی' لوٹ مار اور دوسری برائیوں سے اجتناب کرنے لگے۔ ہندو سکھ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے مزار پر حاضر ہوتے اور آپ کے عرس کی تقریب میں شرکت کرتے تھے۔ آپ کا پیغام امن و آشتی اور صلح و محبت کا پیغام تھا اور یہی وہ پیغام ہے جو دلوں کو مسخر کرتا اور روح انسانی کو تسلیم و رضا کے آداب سکھاتا ہے۔

وفات

آپ نے ۱۰۶۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۹ برس تھی۔ وفات کے بعد آپ اسی مرکز رشد و ہدایت یعنی خانقاہ قادریہ بیرون کھیالی دروازہ گوجرانوالہ میں مدفون ہوئے جہاں آپ نے زندگی بھر تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرنے کا مقدس فریضہ انجام دیا تھا۔ آپ کی

marfat.com

وفات کو صدیاں بیت چکی ہیں لیکن آپ کا روحانی فیض اسی انداز سے جاری ہے جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں تھا۔ اہل نظر آپ کے مزار پر حاضر ہو کر اس عظیم المرتبت ولی اللہ کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار خانقاہ قادریہ آج بھی آپ کے ایمان افروز جلوؤں سے آباد ہے۔ آپ کے خاندان میں یکے بعد دیگرے ایسے فرزندان حکمت مطلع علم و عمل پر اُبھرے، جنہوں نے آپ کے پیغام کو چار جانب پہنچانے کیلئے اپنا مشن جاری رکھا۔ آپ کے اہل خاندان، نامور خلفاء اور ذوقِ یقین سے بہرہ ور ارادت مندوں نے آپ کی تعلیمات کی عظمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور نہ صرف اس علاقہ میں بلکہ دور دراز کے معروف اور گمنام علاقوں میں اپنے عظیم مرشد کے روحانی سلسلہ کو آگے بڑھاتے رہے۔

marfat.com

شہباز طریقت حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

رب کائنات کو جب کسی قوم یا علاقے کی راہنمائی مقصود ہوتی ہے تو وہاں ایسے بلند فکر نفوس تخلیق کرتا ہے جو اپنی مبلغانہ مساعی اور محبت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اس علاقے کی روحانی و فکری راہنمائی اور اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ عظیم المرتبت مرد درویش حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی رہبر کامل اور مرد یگانہ تھے کہ جنہوں نے اپنے فیضان تربیت' روحانی بصیرت اور ایمان آفریں تعلیمات کی بدولت اسلاف کی روایات کو زندہ کر کے ثابت کر دیا کہ:

یک زمانہ صحبت باولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ خطہ پنجاب کے عظیم ولی حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے رکن رکین تھے' جنہیں آفتاب قادریت حضرت میاں میر بالا پیر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست فیض معرفت عطا ہوا تھا۔ آپ کے والد محترم کا نام مولانا محمد عبد اللہ اور دادا کا نام مولانا حسام الدین تھا' جو شمس العلماء حضرت مولانا محبوب عالم علیہ الرحمۃ کے برادر بزرگ تھے۔ مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۸۷۳ء کو ہوئی' سن شعور کو پہنچے تو شمس العلماء مولانا محبوب عالم نے اپنے حلقہ طریقت میں لے لیا اور اپنی خصوصی توجہ اور باطنی تصرفات کی بدولت بہت جلد آپ کو مس خام سے کندن بنا دیا۔ مولانا محبوب عالم صاحب کشف بزرگ تھے۔ انہوں نے مولانا غلام جیلانی کی ولادت پر ہی انہیں ان کے والدین سے مانگ کر مستقبل کیلئے جانشین نامزد کر کے خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ کھیالی دروازہ کے ماحول میں روحانی تربیت دینے کا اہتمام کر لیا تھا۔

مولانا جیلانی نے ابتدائی تعلیم سکول سے حاصل کی اور پھر شمس العلماء حضرت محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ عظیم عالم دین' نظریاتی علوم پر کامل دسترس رکھنے والے استاذ العلماء تھے۔ علاقہ کی مسلم سیاست میں آپ کا خصوصی مقام تھا۔ صرف پنجاب ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے

marfat.com

طالبان علم آپ کی خدمت میں حاضری دے کر علوم دین حاصل کرتے۔ غرضیکہ اس دور کے مختلف تذکروں اور تواریخ کے مطابق مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہر لحاظ سے مرجع خلائق تھی۔ چنانچہ جب ایسا ایمان افروز ماحول مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو میسر آیا اور شیخ طریقت نے انہیں خصوصی توجہات سے نوازا تو ان کی خوش بختی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور نہایت تعجیل سے روحانی مراتب سے ہمکنار ہونے لگے۔

جب مولانا محبوبعالم رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو خانقاہ قادریہ نوریہ کے حوالے سے اصحاب شوق کی باطنی رہنمائی کا اعزاز مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقدر بنا۔ آپ نے مولانا محبوب عالم کے علمی مقام و مرتبہ کو اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ بچپن سے ہی آپ کو خانا ہی رسوم کو جاری رکھنے کی تربیت عطا ہوئی تھی۔ لہٰذا جب آپ سجادہ نشین مقرر ہوئے آپ نے اپنے اخلاص عمل' درویشانہ خصائل اور مخلوق خدا سے محبت باعث ثابت کر دیا کہ آپ سے بڑھ کر اس مرکزی روحانیت کا کوئی اور حق دار نہ تھا۔

مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے گوناگوں خصائل وصفات سے نواز رکھا تھا۔ آپ کی نگاہِ باطن آشنا تھی' آپ دلوں پر حکومت کرنے والے مردحق تھے۔ بے ریائی آپ کی طبیعت کا خاص جزو تھی۔ طریقت و معرفت کی بلندیوں سے بہرہ ور تھے۔ آپ سادگی کی دلکش تصویر اور درویشی و استغنا کی تنویر تھے۔ دوسروں کی روحانی و اخلاقی تربیت اور تالیف قلوب کا خیال حد درجہ دامن گیر رہتا اور حتی الامکان کوشش فرماتے کہ ان کی ذات دوسروں کے دکھوں کا مرہم اور غمزدوں کے آلام کا چارا ثابت ہو۔ آپ نے پوری زندگی اپنی خانقاہ میں آنے والے مردان خدا کی خدمت اور ان کی تربیت میں صرف کر دی۔ جوانی میں آپ کی شادی ایک پاکیزہ خصائل خاتون سے ہوئی جو ایک بچی کو جنم دے کر آغوش اجل میں چلی گئی۔ بعد میں بچی بھی فوت ہو گئی۔ اس کے بعد اس صاحب ایمان پیکر رشد و ہدایت نے دنیاوی امور سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر کے فقط خدمت انسانیت اور تربیت خلق خدا کو اپنا معمول بنا لیا۔

آپ صاحب کردار اور انتہائی پاکیزہ سیرت رکھنے والی شخصیت تھے۔ آپ نے کبھی کسی کا دل نہ دکھایا' انسان تو انسان ہوتے ہیں جانوروں پر بھی ظلم برداشت نہ کرتے۔ آپ کی خدمت میں جہاں فرزانے حاضری دینا وجہ سعادت سمجھتے وہاں دیوانے بھی چلے آتے۔ یہ مجذوب صفت دیوانے وقت کی ٹھوکریں کھا کر مولانا غلام جیلانی کے آستانے کو دارالامان سمجھ کر حاضر ہوتے۔ آپ فرزانوں

marfat.com

سے زیادہ دیوانوں کی خدمت کرتے۔ اس سلسلہ میں ان مجذوب اور دیوانوں کا رویہ بعض اوقات نہایت تلخ اور ناقابل برداشت ہو جاتا مگر آپ کمال تحمل اور بردباری سے ان مجذوب صفت بزرگوں کی خدمت میں لگے رہتے۔ لوگ متعجب ہوتے تو فرماتے کہ عقل والوں سے تو ہر کوئی نباہ کر لیتا ہے' حق تو یہ ہے کہ ان عقل و خرد سے عاری انسانوں کی خدمت کی جائے۔ کیا یہ خدا کی مخلوق نہیں ......؟ آپ کے آستانہ پر جو بھی حاضر ہوتا آپ اس کو مخدوم بن کر نہ ملتے بلکہ خدمت کا حق یوں ادا کرتے جیسے آپ خدمت گار ہیں اور آنے والا مہمان مخدوم ہے۔ آپ اس حقیقت سے بہرہ ور تھے کہ:

ع...... ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شد

خدمت خلق اور راہ حق سے بھٹکے ہوؤں کی راہنمائی کا یہی جذبہ تھا' جس نے آپ کو اہل نظر کی آنکھ کا تارا اور اصحاب طریقت کا پیارا بنا دیا۔ آپ خدمت گار نظر آتے مگر مخدوم بن کر عوام الناس کے دلوں پر حکومت کرتے۔ آپ کی خانقاہ کا دروازہ ہر ایک کیلئے کھلا رہتا۔ یہاں امیر بھی آتے اور غریب بھی' بزرگ صوفیاء بھی آتے اور علماء بھی' پاکیزہ کردار رکھنے والے نفوس بھی آتے اور دنیا کے دھتکارے ہوئے مظلوم انسان بھی' آپ کی ذات سب کیلئے یکساں طور پر مرکز محبت تھی۔ آپ نہ تو کبھی کسی دولت مند کی امارت سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی کسی کی غربت آپ کی نظر میں ناپسندیدہ ٹھہری۔ آپ کا دل سب کیلئے کشادہ تھا' آپ کی تعلیمات سب کیلئے سحاب رحمت تھیں۔ آپ کے فیوض اس آفتاب ہدایت کی طرح تھے جو سب کو ایک جیسی روشنی سے ضوفگن کرتا ہے۔ رات کو درگاہ میں آئے ہوئے مہمانوں اور ارادت مندوں کو کھانا کھلا کر آخر میں خود کھاتے۔

مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد حیات میں خانقاہ کی حیثیت محبت سرا کی ہوتی تھی کہ جہاں سبھی آپ کی محبت کی گھنیری چھاؤں تلے امن و سکون کی نیند سویا کرتے۔ شب و روز میلے کا سماں رہتا تھا۔ رونق ہی رونق ہوتی تھی' اہل نظر کا تانتا بندھا رہتا۔ بعض اوقات درویشوں کا ہجوم اس قدر بڑھ جاتا کہ رات کو خانقاہ کے احاطے کے باہر بھی چارپائیاں بچھ جاتیں۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ کوئی مہمان بے آرام نہ ہو' خود راتوں کو جاگ جاگ کر دوسروں کے آرام کا خیال رکھتے۔

آپ کی طبیعت میں حلم و تواضع اور مروت و خلوص بدرجہ اتم موجود تھے۔ سوالی کو خالی ہاتھ واپس لوٹانا کسی صورت گوارا نہ ہوتا۔ کوشش فرماتے کہ آنے والا جو حاجت لے کر آیا ہے وہ پوری کی جائے۔ آپ کی شخصیت میں بلا کی روحانی کشش اور ایمانی تاثیر بھی تھی کہ جو ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو جاتا۔ بڑوں کیلئے تو آپ کی ذات سراپا مہر و وفا تھی

marfat.com

ہی، بچوں پر بھی خصوصی شفقت فرماتے۔ خود بڑھ کر بچوں کو سلام کرتے اور انہیں دعاؤں اور انعامات وتحائف سے نوازتے۔ فرمایا کرتے کہ یہ بچے ہماری نسبت خوش قسمت ہیں کہ ان کا دامن ابھی گناہ سے آلودہ نہیں ہوا۔

مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے نامور شیخ طریقت تھے۔ آپ کی زندگی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بسر ہوئی۔ سیرت و کردار کے لحاظ سے آپ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھے۔ آپ نے اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا حسین نمونہ پیش کیا کہ آپ کے ارادت مند بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا مرقع بن گئے۔ آپ کوئی دنیا دار واعظ یا ریا کار مبلغ نہیں تھے۔ آپ کا سلسلہ رشد و ہدایت نہایت سادہ اور پُر اثر تھا۔ احباب کے اجتماع میں روحانی و دینی امور اس سادگی سے زیر بحث لاتے کہ ان پر خشک وعظ کا گمان نہ ہوتا بلکہ عشق و سرمستی کا حسن دلوں میں گھر کرتا ہوا محسوس ہوتا اور آپ کے نصائح بغیر کسی ذہنی تردد یا ارادی کوشش سے حاضرین محفل کے قلوب میں راسخ ہو جاتے۔ آپ نے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ صورت و سیرت کے سانچے میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ آپ کے حلقۂ فیض سے خوشہ چینی کرنے والے بھی اپنے اعمال اور اطوار کے لحاظ سے اپنے شیخ کا نمونہ بن گئے۔

حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھا' آپ کا یہی بہت بڑا کمال ہے کہ آپ نے اپنے تمام اسلاف کے اعراس مبارکہ کو ان کی تواریخ پر پورے روحانی جمال و کمال کے ساتھ جاری رکھا' اسی طرح حضرت میاں میر بالا پیر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس اقدس پر آپ کی حاضری ایک خصوصی اہتمام کی حامل ہوتی تھی' آپ مدتوں پہلے تیاری کرتے جیسے یہ زندگی کا سب سے بڑا تہوار ہے' آپ چلتے تو علماء و مشائخ بھی ہمراہ ہوتے۔ ارادت مندوں کا ایک بڑا ہجوم ہمراہ ہوتا' جب دربار حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ قریب آنے لگتا تو آپ کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز ہونے لگتی' سانس تھمنے لگتا' یہی حال آپ کے مریدوں اور آپ کے چاہنے والوں کا ہوتا' جتنے دن وہاں گزارتے اس طور رہتے جس طرح سرزمین حرم پر ہیں۔ مجال ہے کہ اس درگاہ پاک کے احترام وعقیدت میں معمولی سی کمی بھی آ جائے۔ آپ کو بجا طور پر احساس ہوتا کہ انہوں نے اور ان کے بزرگوں نے جو کچھ بھی روحانی مقام و مرتبہ حاصل کیا ہے' یہیں سے کیا ہے' حضرت میاں میر کے احاطہ پاک میں آپ کی سخاوت کے در کھل جاتے' جو کچھ پاس ہوتا حاجت مندوں پر نچھاور کر دیتے' مانگنے والے بار بار انداز بدل کر آپ کے پاس آتے مگر بہت کچھ جان کر

marfat.com

بھی چشم عنایت سے کام لیتے اور لطف و جود کا برملا مظاہرہ کرتے۔ ایسے ہی اہل سخا کے بارے میں کسی نے کہا:

یوں بھی کچھ لوگ انہیں لوٹ کے لے جاتے ہیں
کچھ طبیعت بھی فقیروں کی غنی ہوتی ہے

آپ کی زندگی میں سادہ دلی اور درویشی کے عناصر کوٹ کوٹ کر بھرے تھے' انداز گفتگو انتہائی سادہ مگر دل میں اتر جانے والا تھا۔ باتوں میں ایسی دلکشی اور رعنائی تھی کہ جو ایک مرتبہ آپ کی بارگاہِ اقدس میں آتا تھا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو جاتا تھا۔ آپ کی انتہائی سادہ روش دیکھ کر بعض اوقات پہلی نظر میں احساس ہی نہ ہوتا کہ آپ اتنی بڑی روحانی وراثت کے امین ہیں مگر جب آنے والا آپ کی محفل پاک میں چند گھڑیاں گزارتا تو اسے احساس ہونے لگتا کہ مولانا غلام جیلانی بلاشبہ ایسے مرد درویش ہیں جو بوریے پر بیٹھ کر دلوں پر حکومت کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ نے کبھی اپنی شہرت اور ناموری کیلئے کرامات کا سہارا نہیں لیا لیکن یہ قدرت کا اصول ہے کہ صاحب ایمان جب خدا کی خوشنودی میں ڈھل جاتا ہے تو پھر تقدیر الٰہی اس کی تدبیر کے تابع ہو جاتی ہے اور قدرت خداوندی اس مرد مومن کے ہاتھ پاؤں اور آنکھ بن جاتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ عظمت خداوندی کا ظہور ہوتا رہے' حق تو یہ ہے کہ حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کردار اور عمل سے اپنے خدا کو راضی کر لیا تھا اور وہ علامہ محمد اقبال کے لفظوں میں اس مقام تک پہنچ گئے تھے کہ:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ عالیہ کے دروازے زمانے بھر کیلئے کشادہ تھے' اپنے ہوں یا بیگانے' یار ہوں یا اغیار' دوست ہوں یا دشمن' علمائے حق ہوں یا مردان باصفا' درویشان خدا مست ہوں یا مشائخ' والا تبار سب آپ کی خانقاہ عالیہ میں آ جاتے۔ یہاں کا لنگر اور فیض عالم اس قدر زبردست انداز سے جاری تھا کہ کسی سے سوال ہی نہیں کیا جاتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کتنے دن یہاں قیام کرے گا؟ سب کے خورد و نوش کا اہتمام ہوتا' بعض اوقات جیب خالی ہوتی مگر آپ کے خادم خاص حضرت عاشق جیلانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ خدائے کریم کے دست

marfat.com

غیب سے سب کچھ عطا ہو جاتا۔ ایسا لگتا تھا جیسے دست قدرت بھی عطا کرنے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ آپ کا ہر عمل رضائے الٰہی کیلئے وقف تھا' اس لئے رضائے الٰہی بھی اس مرد کامل پر لطف وکرم کا بادل برسانے کیلئے بے قرار رہتی تھی' اس لحاظ سے دیکھیں تو آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی نظر آتی ہے کہ آپ نے عوام الناس کے دل جیت لئے' بیگانوں کو اپنا بنا لیا' بندگانِ خدا کو راہِ حق کا خوگر بنا دیا۔ جس سے کوئی بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا' وہ آپ کی نگاہِ الطاف کی بدولت عوام کی نگاہوں کا مرکز بن گئے' آپ کے خلق نے گرتوں کو اُٹھایا' اُٹھنے والوں کو راہِ حق پر چلنے کا انداز سکھایا' راہِ حق پر چلنے کا عزم رکھنے والوں کو خدا آگاہ بنایا اور خدا آگاہی سے آشنائی پیدا کرنے والوں کو خدا کا بندۂ خاص بنا دیا' آپ کا اندازِ تربیت انتہائی دلکش تھا' آپ کی محفل پاک میں بیٹھنے والے حاصل زمانہ بن گئے۔ آپ کا کردار صحیح معنوں میں آپ کی سب سے بڑی کرامت تھی جس نے راہِ ظلمت میں سفر کرنے والوں کو سفر نور کا مسافر بنا دیا' یہ حقیقت ہے کہ:

درود آلام کے مارے ہوئے کیا دیتے ہیں
ہم تو بس اُن کی نگاہوں کو دُعا دیتے ہیں
بندہ بننا ہے خدا کا تو گدا بن ان کا
جو فقیروں کو شہنشاہ بنا دیتے ہیں
اللہ اللہ کئے جانے سے اللہ نہ ملے
اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں

مولانا غلام جیلانی بلاشبہ شہباز طریقت تھے۔ صرف القاب پڑھ دینے سے کسی کا مقام و مرتبہ نہیں بڑھ جاتا بلکہ طریقت کی بلندیوں کو وہی چھو سکتا ہے جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیوں سے آگاہ ہو' آپ نہ صرف خود شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل پیرا تھے بلکہ ہر عقیدت مند سے شریعت کی بجا آوری کی توقع رکھتے تھے' یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجلس پاک میں بیٹھنے والوں نے شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طور پر پاسداری کی کہ دیکھتے ہی دیکھتے' مردانِ طریقت بن گئے اور جب طریقت کے اسرار واشگاف ہوئے تو معرفت الٰہی سے آشنا ہو گئے' یہ آپ کا وہ فیضان ہے جس نے ایک زمانے کا مقدر بدل کر رکھ دیا:

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

marfat.com

آپ کو فطرت نے باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ صورت کی دلکشی سے بھی نوازا تھا۔ آپ کا قد بلند تھا' چہرہ حسین اور خوبصورت تھا' لباس ہمیشہ سادہ پہنتے' کُرتا اور تہمد۔ دولت وحشمت کا کبھی خیال نہ آیا۔ جو کچھ آتا خیرات کر دیتے۔ آپ کی بڑی متاع خانقاہ قادریہ نوریہ تھی جو آپ کے نام کے حوالے سے ''ڈیرہ مولانا غلام جیلانی'' کہلاتی تھی۔ آپ کا طرز عمل صوفیانہ اور آپ کی وضع قطع مکمل طور پر درویشانہ تھی۔ گفتگو میں عاجزی اور انکساری ہوتی۔ آپ ایسے درویش خدامست تھے' جس پر دنیا بھر کی دولت وثروت فدا کی جا سکتی ہے۔ عمر بھر پاس کچھ جمع نہ ہونے دیا' جو کچھ آیا لنگر میں خرچ کر دیا۔ لنگر کو جاری رکھنا بزرگوں کی سنت تصور کرتے تھے' جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ کے پاس ایک روپیہ تک برآمد نہ ہوا بلکہ لنگر اور خانقاہ شریف کے اخراجات کیلئے کئی حضرات سے لیا ہوا قرض ادا کرنا باقی تھا جو آپ کی وصیت کے مطابق بہت جلد ادا کر دیا گیا۔

آپ کے اسلاف میں نامور اولیائے کرام' مشائخ عظام اور درویشان باخدا شامل تھے۔ آپ نے زندگی بھر اپنے بزرگوں کے روحانی معمولات کو جاری کئے رکھا' آپ فرمایا کرتے کہ میں تو اپنے اسلاف کی عظمتوں کا امین ہوں۔ آپ کے اسلاف کا روحانی لحاظ سے شہنشاہ ولایت حضرت میاں میر بالا پیر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا۔ آپ بھی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی ارادت وعقیدت رکھتے اور ہر سال پابندی سے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تقاریب میں حاضری دیتے اور عرس کے تمام ایام وہیں گزارتے۔ ان دنوں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار محکمہ اوقاف کی تحویل میں نہیں آیا تھا' جب مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دربار حضرت میاں میر پہنچتے تو وہاں کے سجادہ نشین حضرت مخدوم سید' سید علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو خصوصی مقام دیتے۔ مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ رضائے خداوندی اور تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھے۔ زمانہ شاہد ہے کہ جب بندہ رضائے الٰہی میں ڈھل کر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کی تدبیر تقدیر خداوندی کا نمونہ بن جاتی ہے۔ مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کا تفسیر تھے۔ آپ صاحب کرامات کثیرہ تھے۔ ایک زمانہ آپ سے فیضیاب ہوتا رہا مگر آپ کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ آپ نے مردہ دلوں کو ذوق یقین عطا کر دیا' بندوں کو آداب بندگی سکھائے اور خدا آشنا کر دیا' کم کوشوں کو دولت عمل بخش دی' گمراہوں کو نشان منزل بخش دیا۔ راہ حق سے بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیا۔ باطل رسوم کے خاتمہ کیلئے جدوجہد کی۔ مسلمانوں کو اسلاف کی ایمانی رفعتوں کا احساس دلایا۔ درد و آلام کے مارے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قلبی و

marfat.com

روحانی سکون کی لافانی دولت سے بہرہ یاب ہوئے۔ آپ نے زندگی میں ہر کام پر محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خضر راہ بنائے رکھا۔ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر کبھی کالا یا سبز تہہ نہیں باندھا اور نہ ہی ان رنگوں کا جوتا استعمال کیا' کالے رنگ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کالی کملی کا تصور ہوتا اور سبز رنگ گنبد خضریٰ کی یاد دلاتا ہے۔ اپنے ملنے والوں کو ہر انداز سے احترام حضور ملحوظ رکھنے کی تلقین فرماتے۔ آپ پابند صوم وصلوٰۃ اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ ماہِ صیام کے روزوں سے پہلے ماہ شعبان کے آخری پندرہ روزے بھی تواتر سے رکھا کرتے۔ یہ صالح عمل زندگی بھر جاری رہا۔

ایک طویل عرصہ تک اصحاب ایمان کو جادۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب گامزن کرنے والے اس مرد کامل حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت وصال آ پہنچا۔ ۱۸۔ اپریل ۱۹۵۷ء بمطابق ۱۷ رمضان المبارک بمطابق (۶ بیساکھ) کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور بے شمار ارادت مندوں کو غمگین وملول کر کے راہی ملک بقاء ہوگئے۔

وصال کے بعد آپ کو آفتاب معرفت حضرت داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کے قرب میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ پہلے آپ کا مزار پالکی کی صورت میں تھا۔ چند برس بیشتر آپ کے خصوصی فیض یافتہ حضرت حاجی عاشق جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ اور محنت سے آپ کے مزار پُر انوار کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ قبلہ عالم حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرز پر آپ کا خوبصورت مزار تعمیر کیا گیا جو مزار داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مزار حسن تعمیر' آرائش وزیبائش اور ظاہری و باطنی و دلکشی کی بناء پر اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت حاجی عاشق حسین جیلانی آپ کے فکری جانشین تھے۔ آپ نے شیخ طریقت کے فیوض کو عام کیا اور دربار پاک کی تعمیرات کا بے مثال فریضہ انجام دیا' جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

آج اگرچہ مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جسمانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن آپ کے باطنی تصرفات اور روحانی فیوض کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ آپ کی تعلیمات آج بھی شمع عمل کی صورت ضوفگن ہیں۔ اہل دل آتے ہیں اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ:

بعد از وفات تربت مادر زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

marfat.com

آپ کے عرس مبارک کی تقریبات ہر سال ۱۸ اپریل کو پورے اہتمام سے منعقد ہوتی ہیں۔ اس تقریب کی نگرانی خانقاہ عالیہ نوریہ کے سجادہ نشین صاحبزادہ ڈاکٹر محمد وسیم گل صدیقی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب اپنے اسلاف کی عظمت وعقیدت سے بہرہ ور ہیں۔ وہ مسلسل اس کوشش میں رہتے ہیں کہ درگاہ عالیہ کے ارادت مندوں کی حاجات پوری ہوتی رہیں۔ انہیں رب کریم نے خدمت انسانیت کے جذبے سے نوازا ہے۔ یہی عظیم جذبہ مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا اعزاز تھا اور صاحبزادہ وسیم اسی جذبے کو عام کئے ہوئے ہیں:

جمال معرفت ہیں در حقیقت شاہ جیلانی
وقار معرفت ہیں درحقیقت شاہ جیلانی

marfat.com

فخر الاصفیاء حضرت ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ حضرت میاں میر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادتِ قدسیہ تھی کہ جب کوئی آپ کی بارگاہ میں بیعت کیلئے حاضر ہوتا تو آپ استفسار فرماتے کہ تم اکیلے ہو یا اہل و عیال بھی رکھتے ہو؟ اس پر اگر وہ شخص عرض کرتا کہ حضور اہل و عیال بھی رکھتا ہوں تو آپ اسے فرماتے کہ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ واپس چلے جاؤ اور بیوی بچوں کے حقوق پورے کرو۔ یہی عبادت ہے اور یہی بندگی ہے۔ بعض اصحاب آپ کا یہ فرمان سن کر واپس چلے جاتے اور خانگی مسائل میں اُلجھ جاتے مگر جو صادق الیقین ہوتے وہ اس بات پر اَڑ جاتے کہ حضور ساری زندگی آپ کے قدموں میں گزار دیں گے آپ خواہ کچھ بھی کہیں۔ یہاں سے اُٹھ کر ہرگز ہرگز کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ طالبانِ شوق کا جذبۂ صادق دیکھتے تو فرماتے کہ:

''میاں ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں لیکن ہمارا حکم ہے کہ پہلے تم اپنے گھر جاؤ' اپنے بیوی بچوں کو کسی بزرگ کی سپرداری میں دے کر ان کے نان و نفقہ کا مناسب اہتمام کر کے آؤ۔ اس صورت میں تم ہمارے ساتھ چل سکو گے''۔

چنانچہ جو طالبانِ شوق آپ کے حکم کی تعمیل میں ایسا کرتے پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ لاہوری کے ہو کر رہ جاتے۔ انہی انتہائی خوش قسمت اور برگزیدہ شخصیات میں ایک مشہور نام حضرت ملا محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے' جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے شیخ کے قدموں میں نچھاور کر کے خود کو فنا فی الشیخ کے درجہ سے ہمکنار کر لیا تھا۔ آپ گفتار اور کردار کے لحاظ سے اپنے شیخ عالی مرتبت کی ہو بہو تصویر تھے۔ آپ نے قریباً ساٹھ سال سے زائد کا عرصہ حضرت میاں میر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ قدسیہ میں بسر کیا۔ اس ضمن میں میاں محمد دین کلیم لاہوری' حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے اپنی

marfat.com

تصنیف لطیف ''تذکرہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت ملا تقریباً پچاس سال تک حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں رہے اور انہیں سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ ''سکینۃ الاولیاء'' میں شہزادہ داراشکوہ نے آپ کی زبانی بے شمار کرامات و خوارق حضرت میاں میر قادری بیان کی ہیں''

حضرت میاں میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ اپنے جس مرید کو اپنے قرب خاص اور خاص توجہ سے نوازتے تھے تو اسے علوم دینیہ کی منازل سے بھی ہمکنار فرماتے تھے اور جب وہ مرید علوم دینیہ میں کامل دسترس اور طریقت و روحانیت میں کمال حاصل کر لیتا تو آپ اسے ملآ کے لقب سے یاد فرماتے۔ اس زمانے میں یہ لقب انتہائی معزز و محترم اور لائق صد ستائش تھا اور کسی کسی کو یہ سعادت نصیب ہوتی تھی کہ اسے اس لقب سے پکارا جائے۔ اس لئے حضرت محمد سعید کیلئے یہ عظیم اعزاز تھا کہ ان کے شیخ نے انہیں ملآ کے لقب سے پکارا۔ یہی وجہ ہے کہ داراشکوہ نے بھی ''سکینۃ الاولیاء'' میں آپ کا اسی لقب سے اور دینی اعزاز کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

حضرت ملاّ محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ صحیح النسب سادات میں سے تھے۔ مشہور علمی و روحانی شخصیت حضرت ملا شاہ بدخشانی سے بھی آپ کا خاص تعلق تھا اور آپ ان کے ساتھ کئی سال کشمیر میں بھی رہے۔ ملا محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف اسمائے گرامی سے یاد کیا ہے۔ کہیں ملا محمد سعید لکھا ہے اور کہیں ملا محمد سعید قادری۔ کہیں آپ کو ملا محمد سعید خاں قادری کے نام سے یاد کیا گیا ہے تو کہیں ملا ابوسعید معصوم محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ بہر حال یہ امر طے ہے کہ آپ ہی وہ شیخ کامل ہیں، جنہوں نے حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص داتا شاہ جمال کی روحانی تعلیم و تربیت اس انداز سے فرمائی کہ آپ آنے والے ادوار میں آسمان علم و حکمت پر مہر تاباں کی صورت جگمگاتے رہے۔

حضرت ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو بہت زیادہ عرصہ تک حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہنا پڑا تھا اس لئے آپ اپنے قول و عمل سے اپنے شیخ کی تصویر بن گئے تھے۔ آپ کی زندگی اپنے شیخ کے زہد و ریاضت کی تفسیر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی جس قدر کرامات اور ایمان افروز واقعات حضرت ملا سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہوئے ہیں، اتنے اور کسی خلیفہ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نہیں ہوئے۔ داراشکوہ سے لے کر آج تک جملہ مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے حضرت محمد سعید کے بیان کردہ واقعات کو احترام اور عقیدت کے

marfat.com

جذبات کے ساتھ اپنے دل و جان میں جگہ دی ہے۔ اب ہم ''سکینۃ الاولیاء'' کے حوالے سے چند اہم واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت ملا محمد سعید سے روایت ہیں۔ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کس طور عبادت کرتے تھے اس سلسلہ میں داراشکوہ ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے سکینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہیں:

''ملا محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے جناب حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لاہور شہر کے باہر ایک ویران مکان میں پندرہ روز تک ذکر وفکر میں مشغول رہا تھا لیکن مجھے اطمینان قلبی نصیب نہ ہوا تھا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اس مکان سے کسی دوسری جگہ کو منتخب کرلوں۔ قریب ہی ایک کنواں تھا جس کے قریب ایک سقہ رہتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں نے پندرہ دن اس ویران مکان میں گزارے ہیں۔ یہ سقہ میرے پاس آ کر مجھے پوچھنے لگا کہ آپ کس لئے یہاں سے چلے گئے ہیں۔ میں نے کہا بھائی اس مکان میں میرے دل کو اطمینان حاصل نہیں ہو سکا' یہ سن کر وہ کہنے لگا کہ آپ کے قیام سے ایک دن پہلے کی بات ہے کہ ایک بارات کہیں باہر سے شہر کی طرف آ رہی تھی کہ اس مقام پر ان کو رات ہوگئی۔ اس لئے یہ براتی اس مکان میں رات رہے اور تمام رات کھیل تماشا کرتے رہے۔ یہ بات سن کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ ان لوگوں کے کھیل کھیلنے اور لہو ولعب کی وجہ سے اس مکان میں نحوست کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی لہو ولعب کا اثر اس مکان پر پڑ گیا ہے' جس کی وجہ سے مجھے اطمینان حاصل نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے لئے ایک اور جگہ کا انتخاب کیا اور وہاں جا کر اپنے ذکر وفکر میں مشغول ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ملا محمد سیعد خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''ایک دن میں نے ''نفحات الانس'' میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پڑھتے ہوئے یہ واقعہ پڑھا اور تعجب ہوا کہ اہل ارادت کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ جب ایک مرید حضرت بغدادی کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے تو ہر روز لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میں نے کامل تیس سال تک حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فضلے کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ عجب قسم کی عاجزی اور کسر نفسی ہے کہ آنجناب کی خدمت کرتے رہے ہیں اور اس پر اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ آپ نے جناب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فضلے کو اُٹھایا ہے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ واقعہ ''نفحات الانس'' کا جناب میاں

marfat.com

میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جو اس نے کیا بلکہ یہ آسان ہے جو شخص چاہے کر سکتا ہے اور اس طرح کی خدمت بجالا سکتا ہے لیکن مشکل کام تو وہ ہے جو کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم کے ساتھ کیا ہے کہ اپنے مرید کامل کا دِل غیر اللہ کے گند سے پاک کر دیا ہے اور یہ تمام نظام تعلیمات دنیاوی کے چھوڑنے سے ہی کامل ہو سکتا ہے اور جناب میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں پہلے تجرید (قطع تعلقات دنیوی) کا سبق دے دیا جاتا ہے تا کہ طالب جلدی اپنا حقیقی مقام حاصل کرنے کی قابلیت حاصل کر لے"۔

(بروایت ''سکینۃ الاولیاء'')

اسی طرح ملا محمد سعید اپنے مرشد حضرت قبلہ میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کرامت یوں بیان کرتے ہیں:

ملا محمد سعید عقیدت کے ساتھ حضرت کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ مولانا صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا مولانا گھر کی کیا خبر ہے' میں نے عرض کیا کہ دو بیٹیاں توام پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک فوت ہو گئی ہے اور دوسری زندہ ہے۔ اب میری بیوی حاملہ ہے سر سے چادر اُتار کر سجدہ میں رکھ کر روتی ہے۔ اے اللہ تو مجھے بیٹا دے دے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ خدا کیلئے بچہ دینے کا کام مشکل سمجھتی ہے کہ وہ ایک بچہ دے دے۔ اللہ کریم دو بچے عنایت فرمائے گا۔ چند ماہ کے گزرنے کے بعد ملا محمد سعید کے گھر دو لڑکے توام پیدا ہوئے' جنہوں نے طویل عمر پائی"۔ (بروایت ''سکینۃ الاولیاء'')

حضرت ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے جملہ حاجت مندوں کی حاجت پوری ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''ناصر مخدوم محمد اعظم شیخ محمد زاہد حاجی کے تھے اور بلخ سے آ کر لاہور قیام کر لیا تھا۔ اکبر بادشاہ کے ساتھ مراسم پیدا کر لئے اور سلطان اکبر نے ایک اشرفی روز کا خرچ مقرر کر دیا۔ اب وہ ماہ گزر گئے اکبر بادشاہ کی طرف سے روزینہ بند ہو گیا۔ صوفی محمد ناصر نے حضرت میاں جی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کر دیا اور عرض کیا کہ اب تو میرے دوستوں کو فاقے ہیں۔ آپ سے دعا کی اُمید لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ناامید نہ فرمائیں اور دعا کریں کہ روزینہ مقرر ہو جائے۔ آپ نے فرمایا صوفی آپ خود صاحب صلاح اور متقی ہیں' خود کیوں دعا نہیں فرماتے۔ عرض

marfat.com

کیا اگر میری دُعا قبول ہوتی تو میں آپ کو زحمت دیتا۔ فرمایا آپ جائیں آج رات آپ کے روزینہ کا فیصلہ ہو جائے گا اور آپ کو روزینہ مل جائے گا۔ اسی رات بادشاہ اکبر نے صوفی ناصر کو بلایا اور پوچھا کہ کیا وظیفہ باقاعدہ مل رہا ہے۔ صوفی صاحب نے سارا حال بیان کر دیا' بادشاہ نے دو ماہ کا وظیفہ اکٹھا دلوا دیا اور آئندہ کیلئے باقاعدہ روزینہ دینے کا وعدہ کر کے صوفی صاحب کو رخصت کیا''۔
(بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے فیض عام کی ایک اور داستان ملا محمد سعید کی زبانی سنئے۔ ملا صاحب فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دربار میں نماز ظہر کے بعد حاضر ہونے کا ارادہ کیا' جب قبلہ حضرت میاں صاحب کے مکان پر پہنچا تو خیال آیا کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اس وقت آرام کرتے ہیں اور اکثر حضرت میاں جی فرماتے ہیں کہ گرمیوں کی دوپہر سردیوں کی آدھی رات کی طرح ہوتی ہے اور اس وقت لوگوں پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا نماز ظہر کے بعد آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔ یہاں ہی بیٹھ جاتا ہوں تاکہ اس وقت آپ کو پریشان نہ کروں اور ساتھ ہی یہ احتیاط کی کہ اپنی آواز وغیرہ کو بند کر لیا تاکہ حضرت پریشان نہ ہوں۔ اسی حالت میں ایک خادم دوڑا آیا اور آ کر عرض کی قبلہ حضرت صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی کہ میں آیا ہوا ہوں۔ خادم نے کہا میں خود حیران ہوں کہ حضرت تو سو رہے تھے ناگہاں آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے اور مجھے بلا کر فرمایا کہ باہر جاؤ' دالان میں ملا سعید خاں بیٹھے ہیں ان کو بلا لاؤ۔ میں اس کرامت کو دیکھ کر حیران تھا کہ حضرت کو کس طرح پتہ چل گیا کہ میں باہر بیٹھا ہوا ہوں۔ دربار میں حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا''۔ (بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کس طرح اپنے نیاز مندوں کی دستگیری فرماتے تھے' اس کی ایک جھلک حضرت ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ملاحظہ کیجئے:

''ایک دن حضرت میاں میر نے الہامی زبان میں ارشاد فرمایا کہ ایک پٹھان میرے پاس آیا اور وہ بڑا بے قرار تھا اور مجھ سے دعا کی درخواست کی، میں نے دعا کر دی لیکن میں نے کہہ دیا کہ ننگے کو کپڑے پہناؤ اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ تو ساری مشکل کا میں ضامن ہوں' وہ جب وہاں سے چلا گیا تو ایک بھوکا اس کو راستے میں مل گیا اس کو اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ کھانا کھا لے' آگے چند ننگے آدمی ملے ان کو کپڑے پہنا کر پٹھان اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو اس کو ایک آدمی گھر کی

marfat.com

طرف سے آتا ہوا ملا۔ پٹھان نے خیال کیا کہ شائد مرنے کی خبر لایا ہے لیکن جب وہ ملا تو اس نے بیمار کے تندرست ہونے کی خبر دی۔ گھر جا کر اس نے حلوہ بنایا اور تھالوں میں بھر کر لایا اور ساتھ نقدی پیش کی۔ میں نے کہا یہ حلوہ کیسا اور یہ رقم کس لئے لائے ہو۔ پٹھان نے کہا کہ کل آپ نے فرمایا تھا بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور ننگے کو کپڑے پہناؤ میں تمہارا ضامن ہوں۔ میں نے اسی طرح کیا اور آپ کی دعا سے بیمار کو صحت حاصل ہو گئی۔ یہ حلوہ اور یہ نقد حاضر ہے' آپ قبول فرمائیں۔ آپ نے حلوہ تو یہاں کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور نقد رقم اس کو واپس کر دی اور فرمایا اپنی ذات پر خرچ کرلو"۔ (بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کس حد تک دنیاوی محفلوں سے کنارا کشی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ اس طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

"ملا محمد خاں آصف خاں کے استاد تھے۔ تین بار حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پہلی دو ملاقاتوں میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ملا جی بہتر ہے دُنیا سے تعلقات کو کم کر دو اور حق تعالیٰ سے دل کو لگا دو اور جب ملا محمد خاں تیسری مرتبہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مولانا ہم نے آپ کو آزمایا ہے آپ دنیا کو نہیں چھوڑ سکتے' تعلقات دنیاوی کو ختم کرنا آپ کیلئے مشکل ہے۔ یہ ہمت کا کام ہے جو آپ نہیں کر سکتے لیکن یہ ضرور کرو کہ آصف خاں کی دوستی چھوڑ دو۔ آصف خاں کی دوستی آپ کو سخت نقصان دے گی۔ ملا جی نے حضرت میاں جی کی نصیحت کو چھوڑ دیا اور کوئی پروا نہ کی اور آصف خاں کے ساتھ کابل روانہ ہو گئے۔ دریائے کابل کے کنارے آصف خاں کے دشمن نے آپ کو قتل کر دیا اور اس دوستی کا نتیجہ ہلاکت نکلا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ملا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے اکبر آباد چلے جانے پر مشہور ہو گیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں مگر حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں بیٹھ کر اس غلط خبر کی بذریعہ کشف تردید فرمائی۔ اس کی روداد ملا محمد سعید سے سنئے۔ کہتے ہیں:

"میں اکبر بادشاہ کے ساتھ اکبر آباد چلا گیا اور وہاں بیمار ہو گیا۔ لاہور میں اطلاع اس طرح آئی کہ میں فوت ہو گیا ہوں۔ ایک دن حضرت میاں میر نے میرے متعلق لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ملا محمد سعید کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا حضور ہم نے سنا ہے وہ فوت ہو گئے ہیں۔ فرمایا یہ خبر غلط ہے' میں دیکھ رہا ہوں کہ ملا محمد سعید زندہ ہیں اور صحیح سلامت ہیں۔ اللہ کی شان کہ میں نے اکبر آباد سے لاہور آنے کا ارادہ کیا جب لاہور آیا تو حضرت کی غلامی کی خاطر حاضر دربار ہوا تو فرمایا

marfat.com

کہ یہاں تو لوگوں نے آپ کے متعلق غلط بات مشہور کر رکھی تھی لیکن میں آپ کو زندہ سلامت دیکھتا تھا۔ چنانچہ سچ وہی ہوا جو حضرت کی نگاہ باطن نے دیکھا تھا۔ (بروایت سکینۃ الاولیاء)

حضرت ملا محمد سعید کے حالات و افکار کے ضمن میں سکینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے اور بھی کئی بزرگانِ دین کا تذکرہ کیا ہے جو زبردست روحانی قوت کے حامل تھے۔ ان میں سے ایک حضرت ملا شاہ صاحب تھے جو ترک دُنیا' فقر و غنا' توکل اور تسلیم و رضا میں اپنے ساتھیوں سے کہیں آگے بڑھ گئے تھے۔ سکینۃ الاولیاء میں حضرت ملا محمد سعید حضرت ملا شاہ کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت میاں میر جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ ملا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں رونق افروز تھے۔ میں نے اس موقعہ پر یہ بات عرض کی کہ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ تیس سال تک نہیں سوئے اور نہ پہلو کے بل لیٹے۔ ایک دفعہ ایک لمحہ کیلئے سو گئے تو اس ساعت میں خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اُٹھ کر اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ سو جانے اور نیند کرنے میں تیرا دیدار ہوتا ہے تو میں زیادہ عرصہ سویا رہتا۔ فرشتہ غیبی نے آواز دی کہ یہ تیس سال کی بیداری کا انعام ہے۔ مولانا شاہ صاحب نے اپنا منہ میری طرف کر لیا اور فرمایا کہ حضرت میاں میر جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایسے درویش بھی ہیں جو پانچ سال سے نہ سوئے ہوں اور نہ پہلو کے بل لیٹے ہوں' جب ملا شاہ صاحب چلے گئے تو حضرت میاں میر نے فرمایا کہ یہ بات شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں بیان کی ہے کہ پانچ سال سے نہیں سوئے' ان کے رات دن میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ آپ کی پہلی حالت تھی اب مدت گزر چکی ہے۔ آپ بیدار رہتے ہیں اور آپ کی عمر اس وقت اٹھاون برس کی تھی اور آپ نے بڑی بڑی سخت ریاضتیں کی تھیں لیکن بدن میں تازگی اور توانائی پوری طرح موجود ہے۔

ہم نے سکینۃ الاولیاء کے حوالے سے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے وہ احوال و افکار بیان کئے ہیں جو آپ سے روایت ہیں۔ آپ کو چونکہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی' اس لئے آپ سے روایت شدہ واقعات کی تعداد بھی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلفاء کی نسبت زیادہ ہے۔ اب ہم داراشکوہ کی روایت سے دیکھتے ہیں کہ حضرت قبلہ میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید صادق حضرت مولانا (ملاّ) محمد سعید قادری کے بارے میں کیا جذبات اور احساسات رکھتے تھے۔ داراشکوہ ایک خصوصی مجلس کا حال قلمبند کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس محفل میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ

marfat.com

علیہ نے ملا محمد سعید کا تذکرہ یوں فرمایا:

''پہلے حضرت ملا محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ آپ صحیح النسب سید ہیں۔ کمال درجہ کی فضیلت رکھتے ہیں اور تیس برس ہو گئے ہم اکٹھے رہتے ہیں (حضرت ملا محمد سعید کو اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی مزید صحبت نصیب ہوئی تھی) اور کشمیر کو ہم نے اپنا وطن بنا لیا اور میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی دوسری جگہ جائیں اور طریقہ تصوّف میں آج جو شخص کامل ہے وہ ملا محمد سعید خاں ہے۔ آپ عارف کامل ہیں' میں نے اپنے بعض دوستوں کو ان کے حوالے کر دیا ہے تا کہ تربیت فرمائیں اور ان کے فرزندوں کو میں اپنا فرزند جانتا ہوں' میں نے اپنا تمام اثاثہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوالِ مبارکہ سے جہاں حضرت مولانا محمد سعید قادری کی قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے جو آپ کو اپنے مرشد کے دربار میں حاصل تھی' وہاں حضرت میاں میر کے اس جملہ میں کہ'' میں نے اپنے دوستوں کو ان کے حوالے کر دیا ہے تا کہ تربیت فرمائیں''۔ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جن نیاز مندوں کو حضرت ملا محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیتے تھے' وہ معمولی نہیں ہوتے تھے۔ انہی خوش نصیب بزرگوں میں داتا شاہ جمال نوری بھی ہیں کہ پہلے تو انہیں حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خصوصی باطنی توجہات سے نوازا اور پھر انہیں حضرت ملا محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا کہ یہ شہباز ہے اس کی اڑان لاہوتی ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور داتا شاہ جمال نوری رحمۃ اللہ علیہ ان کی نگاہ فیض رساں سے خاص طور پر فیضیاب ہوئے۔

حضرت ملا محمد سعید قادری رحمۃ اللہ علیہ نے طویل عمر پائی اور وفات کے بعد موضع دھرم کوٹ رندھاوا ضلع امرتسر میں مدفون ہوئے' جہاں آپ کا سالانہ عرس پورے روحانی تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ عرس کی تقاریب میں مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو غیر مسلم بھی اس عظیم روحانی راہنما کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

marfat.com

مبلغ اسلام مولانا غلام احمد چشتی

جن دنوں پنجاب کا علاقہ ہندو تہذیب اور سکھا شاہی کی یلغار کی زد میں تھا۔ ان دنوں کفر و ضلالت کا زور اس قدر تھا کہ اصحاب ایمان کیلئے اپنے دین پر پامردی سے قائم رہنا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ ایسے عالم میں جن بزرگانِ دین نے ظلمت کدوں میں نورِ اسلام سے اُجالا کیا اور دلوں کو معرفت یقین سے آشنا کرتے رہے' ان میں سے قصبہ کولوتارڑ کے مولانا غلام احمد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ تیرھویں صدی ہجری کے تیسرے یا چوتھے عشرے میں موضع سہارن چٹھہ تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مولوی شیر محمد ولد جان محمد وسیر اپنے علاقہ کے معروف عالم دین تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ بعد میں علامہ غلام رسول علی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کی دولت بھی عطا ہوئی۔ دل میں کسی مرشد کامل کی برکات معرفت سے مستفیض ہونے کی طلب جاگ اُٹھی۔ یہی طلب آپ کو حضرت خواجہ محمد موسیٰ چشتی نظامی فتح پوری کی خدمت میں لے گئی۔ انہوں نے نہایت شفقت سے آپ کو ظاہری و باطنی فیوض عطا فرمائے اور آپ کو ہر چہار سلاسل میں خلافت و اجازت بخشی۔ آپ کے دادا پیر مکھڈ شریف والے بزرگ تھے۔

سند فراغت اور خلافت و اجازت کے حصول کے بعد اپنے گھر موضع سہارن پہنچے۔ وہاں سے بمطابق سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کی خاطر گھر سے نکلے اور موضع کولوتارڈ میں قدم رنجہ فرمایا اور پھر ہمیشہ کیلئے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس وقت یہ علاقہ شرک و گمراہی کا شکار تھا۔ مسلمان نام کے کلمہ گو تھے۔ ان کو مبادیاتِ اسلام سے ہی آگاہی نہیں تھی۔ ان کے وہاں قیام کے اوّلین ایام میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک شخص نے ان کی دعوت کی۔ آپ کے سامنے گوشت جیسی کوئی چیز رکھ کر اس شخص نے کہا کہ یہ وہ خون ہے جو عید قربان کے جانوروں کو ذبح کر کے اکٹھا کر کے خشک کیا جاتا ہے اور پھر پکا لیا جاتا ہے۔ یہ نہایت لذیذ چیز ہے...... آپ نے یہ

marfat.com

سن کر فرمایا کہ یہ تو حرام چیز ہے' کیا تمہیں پتہ نہیں کہ ہر قسم کے خون کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس پر وہاں کے لوگوں نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ آپ نے گاؤں کے جملہ باشندوں کو اکٹھا کر کے وعظ فرمایا جس میں سب کو اس گناہ کبیرہ پر نادم ہونے اور توبہ کرنے کی تلقین کی ...... آپ مسلسل تبلیغ اسلام کی خاطر مصروفِ عمل رہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد اس علاقہ میں ایسی بری رسوم کا قلع قمع ہو گیا جو مسلمانوں میں سیاسی و اقتصادی زوال کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوئی تھیں۔ آپ نے علاقہ کے سرکردہ افراد کو سمجھایا کہ اگر تمہارے زیر اثر علاقہ میں ایسی قبیح رسوم اور مشرکانہ عادات رہتی ہیں تو اس کا عذاب تمہیں ہو گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ معززین اپنے اپنے علاقہ میں اصلاحِ احوال کیلئے کام کرنے لگے۔

آپ کے پُر اثر اور پُر کشش انداز تبلیغ سے رفتہ رفتہ ظلمت و جہالت کی گھٹائیں چھٹنے لگیں اور انوارِ اسلام پھیلنے لگے۔ آپ کے انداز تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے خود کو شعائر اسلامی کے سانچے میں ڈھال لیا اور بہت سے ہندو اور سکھ بھی مسلمانوں کے کردار کی سربلندی دیکھ کر آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ آپ نے اصلاحِ احوال اُمت اسلامیہ کے ساتھ ساتھ یہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تا کہ یہاں کے مسلمانوں کو تعلیمات اسلامی سے صحیح معنوں میں آگاہی ہو سکے۔

اس علاقہ کے علاوہ دور دراز کے علاقوں کے طالبان علم بھی آپ کے حلقہ تربیت میں حاضری دینے لگے۔ آپ کی نگاہ فیض ترجمان اور سلسلہ تعلیم و تدریس نے اس علاقہ کی قسمت بدل کے رکھ دی۔ آپ کے تلامذہ میں متعدد ایسے علماء و فضلاء شامل ہیں' جنہوں نے آپ سے فیوض و برکات کے حصول کے بعد مختلف علاقوں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔

آپ نامور خطاط اور خوشنویس بھی تھے۔ آپ کی کتابت کردہ متعدد کتب آپ کی اولاد کی تحویل میں ہیں' جن سے فن کتابت میں آپ کی مہارت اور شاندار خطاطی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ چونکہ جملہ امورِ مذہبی میں عوام کی راہنمائی فرماتے تھے اس لئے فتویٰ بھی جاری فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کو اصحاب علم قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ہر جگہ شرعی اُمور میں آپ کی رائے کو مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اپنے دور کے نامور علماء و مشائخ سے آپ کے قریبی تعلقات تھے۔ حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری' مولانا غلام دستگیر قصوری' خواجہ زین الدین مکھڈوی' مولانا محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی جیسی شخصیات آپ کو بے حد عزیز جانتی تھیں۔

marfat.com

آپ عربی، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کے کلام بلاغت نظام کا زیادہ حصہ نعت گوئی پر مشتمل ہے۔ بزرگان دین کی شان میں مناقب بھی کافی تعداد میں ہیں۔ دیگر اصناف سخن پر آپ کی مشق سخن کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ آپ کے کلام مبارکہ میں سے چند منتخب اور مشہور و معروف مولود شریف، حلیہ شریف پنجابی اور حلیہ شریف فارسی بھی شامل ہیں۔ آپ کے پوتے اور نامور عالم دین حضرت حافظ محمد عالم آسی نقشبندی امرتسری نے وضع اطوار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے آپ کا کلام ۱۳۲۹ھ میں لاہور سے شائع کیا تھا جو آج کل نایاب ہے۔ اس کی ابتداء میں حضرت علامہ آسی نے تفصیلی دیباچہ بھی رقم فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کا لکھا ہوا پنجابی حلیہ شریف اور شجرہ طریقت بھی کئی بار طبع ہوئے ہیں۔ مولود شریف کا مطلع یہ ہے:

ذرہ خاک پایت گر بدست آید مرا
تو تیائے چشم سازم ہر صباح و ہر مسا

پنجابی کلام میں حلیہ شریف، پنجابی کے علاوہ نماز، شش کلمہ، دعائے قنوت اور ایمان مفصل و مجمل کے پنجابی منظوم تراجم بھی ہیں۔ حضرت علامہ محمد عالم آسی رقمطراز ہیں:

''مولانا غلام احمد رات دن سنت نبویہ کے مطابق اپنا رویہ رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کے مدنظر یہی امر رہا کرتا تھا کہ انسان کی بود و باش، صورت و سیرت، طرز، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونی چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکا طریق نبوی کے مطابق ہی اپنی خوراک، پوشاک اور صورت و سیرت رکھی ہوئی تھی اور اپنے شاگردوں اور احباب کو یہی وصیت فرما گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو ازبر اور یاد کرو تا کہ تمہیں اس طریق پر چلنے کی توفیق ہو۔ واقعی امر بھی یہی ہے کہ اس حلیہ شریف کو فارسی نظم میں ترجمہ کرنے اور پھر اُسی مضمون کو پنجابی نظم میں دہرانے سے بجز اس کے اور کچھ غرض نہیں کہ عوام الناس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک خصوصیات کی اطلاع ہو جائے اور اس سے اپنی وضع قطع کا اندازہ لگاتے رہیں کہ ہم کس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں یا کتنے دور پڑے ہیں؟

آپ کے نعتیہ کلام سے انتخاب کی صورت میں چند اشعار ملاحظہ ہو:

جاں بلب از حسرت دیدار پُر انوار تو
دل پُر از نومیدیٔ از کجروی گردش سما
روئے زیبا گر نمائی یکشب اے بدر الدجیٰ

marfat.com

از فروغ پرِ تو رویت شود روئم ضیا

....

اندر فراق آوردہ ام ز ہجر تو پژ مردہ ام
آرام از دل بردہ ام تسکین دہ دل عاشقاں
سازی بریں عاشق اگر اَز گوشۂ چشم نظر
یابم دگر بارہ عمر تازہ شود روحِ رواں

آپ کے حلیہ شریف منظوم پنجابی سے اقتباس پیش خدمت ہے:

وال مبارک بہتے کالے......ناں سدے ناں گھندھڑ یالے
زیتوں دے اوہ آہے پالے......صلی اللہ علیہ وسلم

ابرو دسن وانگ کماناں......لمیاں پلکان تیر سناناں
کرن شکار خوماب دیاں جاناں......صلی اللہ علیہ وسلم

رخسارے بھی بہت نورانی ......حوراں دیکھ ہوون قربانی
عاشق کردے جان مشانی ......صلی اللہ علیہ وسلم

نک کنڈ ہارا اُچا دسّے ......نور الٰہی چھم چھم وسے
منہ تبسم ہاسا ہسے ......صلی اللہ علیہ وسلم

موتیاں دنداں دا چمکارا......ملکاں کیتا جدوں نظارا
سجد ڈگا عالم سارا......صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا منظوم پنجابی ترجمہ نماز بھی فنی اور علمی لحاظ سے قابل قدر کاوش ہے۔ ایک شعر میں تعوذ کا ترجمہ فرماتے ہیں:

پناہ دیویں یا اللہ مینوں برکت ذات الٰہی
اُس شیطان رجیم کو لوں . جو سدا وچ گمراہی

مولانا غلام احمد عاشق رسول تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کو تمام عمر پیش نظر رکھا' نہ صرف خود تعلیمات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بدل و جان کاربند رہے بلکہ اپنے جملہ معتقدین اور فرزندان اسلام کو بھی سیرت و کردار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھل جانے کی تلقین فرماتے رہے۔ عمر بھر رشد و ہدایت کی خوشبو لٹانے کے بعد بالآخر آپ ۱۸ ربیع

marfat.com

الآخر ۱۲۹۹ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو موضع کولوتارڑ ہی میں سپرد خاک کیا گیا۔ کئی زبانوں میں آپ کے مادہ ہائے تاریخ وفات لکھے گئے۔

عابد و مولوی غلام احمد ۱۲۹۹ھ

آپ کا عرس مبارک صاحبزادہ محمد خالد نعیم کی زیر سرپرستی ہر سال شرعی تقدس کے ساتھ منعقد کیا جاتا ہے۔

marfat.com

خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

دربار قادریہ گوجرانوالہ

درگاہ معلیٰ حضرت غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ (بازار خراداں وگوجرانوالہ) بھی ایسی ہی خوش بخت درگاہ ہے جہاں سے علم و حکمت کے ظاہری و باطنی فیوض عطا ہوتے ہیں۔ ان فیوض کا مرکز و معدن وہ فرزندانِ جلیل ہیں جو مختلف ادوار میں اس درگاہ کو اپنا مرکز بنا کر فیوض اسلام کی دولت تقسیم کرتے رہے۔ مخدوم العصر خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک ۱۲۹۳ھ کو گوجرانوالہ میں ہوئی۔ آپ حضرت خواجہ محمد عبداللہ عباسی قادری کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ انتہائی خوش بخت تھے کہ آپ کو خواجہ محمد عبد اللہ جیسے ولی اللہ کی گود نصیب ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت غوث العصر بھی آپ کو باطنی توجہات سے نوازتے رہے۔ حضرت سلطان العصر آپ کو نگاہوں کا ستارا سمجھتے تھے اور انکی آرزو تھی کہ آپ درگاہ غوث العصر کی علمی وفکری پہچان بن جائیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کے والد اپنے فرزند کی صورت میں درگاہ عالیہ کے ایک بڑے کارواں سالار کو یادگار کردار ادا کرتے دیکھ رہے تھے۔

روحانی توجہات تو عظیم والد اور محترم دادا جان کی عنایات خصوصی سے حاصل ہو رہی تھیں۔ علوم دینیہ کی تحصیل اس درگاہ عالیہ کے صوفیائے کرام کا خصوصی اعزاز رہی ہے۔ خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بھی روحانی علوم کے پہلو بہ پہلو دینی علوم کی تحصیل کیلئے مچل رہی تھی۔ ان دنوں شمس العلماء والفقہاء حضرت مولانا محبوب عالم قادری رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہ قادریہ کھیالی دروازہ گوجرانوالہ) کے علمی کمالات کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ مولانا محبوب عالم نامور مفتی، فقیہ عالم دین، روحانی راہنما اور ممتاز مصنف تھے۔ حضرت خواجہ محمد عبد اللہ نے خواجہ محمد کریم اللہ کی دینی تعلیم کیلئے مولانا محبوب عالم کا ہی انتخاب کیا۔ ''خانقاہ نوریہ کھیالی دروازہ'' اور ''درگاہ معلیٰ غوث العصر بازار خراداں'' کے اکابر آپس میں محبت و ارادت اور روحانی تعلقات کے حوالے سے اس مقام پر تھے کہ عہد حاضر میں اس کی مثال تلاش کرنا محال ہے۔ خواجہ محمد کریم اللہ کھیالی دروازہ میں خانقاہ داتا شاہ

marfat.com

جمال اللہ نوری میں آئے تو انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ان دونوں خاندانوں کے درمیان روحانی فیضان کا سلسلہ تھا جو مختلف ادوار کے حوالے سے کبھی ادھر سے اُدھر اور کبھی اُدھر سے اِدھر منتقل ہوتا رہا تھا۔ مولانا محبوب عالم نے اس شاگرد رشید کو خصوصی توجہ سے نوازا۔ بعض اوقات استاد کیلئے خدمت بجا لانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو خواجہ محمد کریم اللہ آداب شاگردی بجا لانے کیلئے دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے مگر استاد محترم روک دیتے۔ کبھی نامور شاگرد کی ضد غالب آ جاتی تو مولانا محبوب عالم اجازت دے دیتے' آپ کے سامنے یہ حقیقت اپنی شرح کمال کے ساتھ اُجاگر تھی کہ

شیخ مکتب ہے ایک صنعت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی

مولانا محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ نے صنعت گری کا ثبوت بہم پہنچانے کیلئے اپنی تمام تر توجہات صرف کر دیں۔ خواجہ محمد کریم اللہ نے عربی زبان پر دسترس تو گھر میں ہی حاصل کر لی تھی جب مولانا محبوب عالم قادری کی علمی صحبت میسر آئی تو علوم دینیہ کا بحر بے کراں بڑی تیزی کے ساتھ سینے میں منتقل ہونے لگا۔

خواجہ محمد کریم اللہ اپنے استاد محترم کی راہنمائی میں جو کچھ یاد کرنا چاہتے تھے' بہت جلد کر لیتے تھے۔ انہیں کچھ ایسا محسوس ہوتا جیسے یہ سبق پہلے ہی یاد کر رکھا ہے۔ آپ نے بہت کم عرصے میں عربی و فارسی کی آخری درجے کی کتابوں پر عبور حاصل کر لیا۔ حضرت مولانا محبوب عالم قادری جیسی دانائے روزگار شخصیت کی تعلیم و تربیت نے حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخ علم و حکمت کا روشن باب بنا دیا۔ ایسا باب کہ جس کے مطالعہ سے مریدین کو علمی و روحانی بالیدگی عطا ہوتی تھی۔

آپ کا کمال گہرائی میں جا کر علوم دینیہ حاصل کرنا طلب علم صادق کی روشن مثال ہے۔ آپ پیرزادے تھے' ایک معروف روحانی خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ بے شمار افراد آپ کے چاہنے والے تھے۔ صاحبزادگی کا نشہ جب منفی انداز میں غالب آ جاتا ہے تو بہتوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور وہ منزل کے حصول سے پہلے ہی اپنی ذات کے خول میں گم ہو جاتے ہیں لیکن خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا۔ آپ کا تعلق جس روحانی خاندان سے تھا وہاں علم کو ہمیشہ سے غیر معمولی اہمیت دی گئی تھی۔ آپ کے احساسات علم کی خوشبو سے معنبر تھے اور پھر علم کی راہوں پر روانہ کرنے والے آپ کے عظیم والد خواجہ محمد عبداللہ قادری تھے جو آپ کے روحانی راہنما بھی تھے

marfat.com

اور پھر آپ جس شخصیت (مولانا محبوب عالم قادری) سے علوم دینیہ حاصل کر رہے تھے وہ اپنے دور کی بے مثال علمی، فقہی اور روحانی شخصیت تھے۔

علوم دینیہ کی طلب کے ساتھ ساتھ علوم روحانی کی طلب بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ کی نوازشیں بھی جاری تھیں اور والد حضرت قبلہ خواجہ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عنایات کا سلسلہ تو تھا ہی۔ جب آپ علوم دینیہ کی تکمیل کر چکے تو روحانی لطائف کی طلب فزوں تر ہو گئی۔ ادھر آپ کے بزرگ اس فرزند عظیم کا جذبۂ صادق مچلتا دیکھ کر روحانی سرشاری سے دوچار ہو رہے تھے۔ آپ نے کمال جذب وشوق سے والد محترم کی خدمت میں راہ طریقت کی راہنمائی کیلئے عرض کیا۔ اسی دوران خواجہ محمد عبد اللہ بیمار پڑ گئے تو آپ ان کیلئے ساگودانے کی کھیر پکوا کر لائے۔ حضرت خواجہ صاحب نے کھیر کھائی، ایک لقمہ باقی رہ گیا تو حضرت محمد کریم اللہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ کو کھانے کا اشارہ کیا۔ آپ حکم بجا لائے، نہ صرف لقمہ کھا گئے بلکہ پیالہ دھو کر تمام پانی بھی پی گئے۔ بس پھر کیا تھا انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے دنیاوی حجابات اُٹھتے جاتے ہیں، روحانی اسرار منکشف ہو رہے ہیں، قلب پر تجلیات معرفت کا بے تحاشا نزول ہو رہا ہے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے علائق دنیوی سے ان کا رشتہ کٹ گیا ہے اور عالم بالا کی طرف مائل پرواز ہیں۔ رقت طاری ہو گئی، آنکھوں سے آنسوؤں کے آبگینے چھلکنے لگے۔

آپ نے عبادت و ریاضت کو حاصل حیات بنا لیا۔ علوم دینیہ میں آپ کو یہاں تک دسترس تھی کہ آپ نے کئی بدعقیدہ افراد سے مناظرے کئے۔ شاتمان رسالت کے غرور کو مٹی میں ملایا۔ گستاخانِ بارگاہ نبوت کے غرور کے بت کو چکنا چور کر دیا اور زمانہ پر واضح کر دیا کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد کسوٹی ہے جس کی بدولت ایمان کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر سینے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہوں تو ایمان کا اظہار محض ایک لفظی دعویٰ بن کر رہ جاتا ہے۔ آپ کی باتوں میں گلوں کی خوشبو ہوتی تھی۔ باتیں دل سے نکلتیں اور غیر محسوساتی طور پر سننے والوں کے دل و دماغ کا احاطہ کر لیتیں اور آپ کی مجلس میں مستقل طور پر بیٹھنے والوں کو یہ اقرار کرنا پڑتا کہ مخدوم العصر کی باتیں ہم پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں جس طرح قطرہ قطرہ ٹپکنے والی بارش زمین کو حقیقی نم عطا کر دیتی ہے۔

آپ ذکر خداوندی میں اس قدر کھوئے رہتے کہ صرف ظاہر ہوتا کہ یہ عبادت و ریاضت محض آپ کا معمول ہی نہیں بلکہ رضائے الٰہی اور معرفت خداوندی کا نشانِ لازوال ہے۔ خواجہ محمد عبد اللہ قادری جوں جوں آپ کو عبادت و ریاضت میں محو دیکھتے، انہیں بے پناہ مسرت کا احساس ہونے

marfat.com

لگتا۔قبلہ عالم آپ پر اور زیادہ شفقت وعنایت فرمانے لگے۔ دراصل وہ جان چکے تھے کہ یہ نوجوان فرزند اپنے ہم عصروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ دنیا والوں کے درمیان رہ کر بھی زمانے بھر سے بیگانہ ہے۔ اسے صرف رضائے الٰہی عزیز ہے اور زمانہ بھر کے اعزازات اس کی نگاہ میں پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اپنے والد محترم کی خصوصی توجہ سے آپ نے بہت جلد وہ مقام حاصل کر لیا جو اوروں کو زندگیاں گزار کر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے اور آپ کا مقدر تو طریقت ومعرفت کے ہفت افلاک کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔

جب حضرت قبلہ خواجہ محمد عبد اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ان کا فرزند ارجمند دینی علوم اور روحانی بلندیوں سے بہرہ ور ہو چکا ہے تو اندازہ کر لیا کہ شاہین شہ لولاک اس قابل ہو چکا ہے کہ میرے بعد درگاہ معلیٰ قادریہ کی روحانی سربراہی کے منصب عظیم کا حقدار بن سکے تو آپ کو خرقۂ خلافت عطا کر کے آپ کی سجادہ نشینی کا اعلان کر دیا۔ آپ اس اعزاز کے متمنی نہ تھے۔ آپ تو فقط رضائے الٰہی کے نام پر زندہ رہنا چاہتے تھے مگر خلق خدا کو آپ کی ضرورت تھی' آنے والا دور اپنی تمام تر رفعتوں سمیت آپ کا انتظار کر رہا تھا' مستقبل اپنی بہت سی فکری سرفرازیوں کو لے کر آپ کے درِلطف وکرم پر دستک دے رہا تھا کہ:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشامی روی

اس درگاہ معلیٰ کے دوسرے عالی مرتبت اصحاب فقر کی طرح آپ نے بھی مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ دل خدا کا عرش ہے' اس میں رب اپنی تجلی فرماتا ہے' وہ بدقسمت ہے جو دل کے آئینے کو زنگ آلود کر لے۔ خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دلوں کی اجڑی ہوئی نگریاں آباد کر دیں۔ ویران دلوں کو ذکر خداوندی سے آباد کر دیا۔ وہ دل جو زمانے بھر کے توہمات کا شکار تھے ان کو خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ضوریز کر دیا۔ دلوں کو زندہ کرنا کارِ عظیم ہے۔ یہ عظمت انہی کا مقدر بنتی ہے جن کے اپنے دل یاد خداوندی سے ہر لحظہ اور ہر آن پُرنور رہتے ہوں۔ خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ارادت مندوں کو باور کرایا کہ وہ دلوں کو حیات نو بخش کر ہی کونین میں کامیابی کا تصور کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی تقاریر وخطبات' مواعظ حسنہ' پند ونصائح اور انمٹ شاعری کی بدولت عوام الناس کو یاد خداوندی میں محو کر کے دلوں کو آباد رکھنے کا ہنر سکھا دیا اور یہ عرفان بخش دیا کہ جس کا دل زندہ ہے' حقیقت میں وہی زندہ ہے اور مردہ دلوں کا جینا یا مر جانا برابر ہے۔

marfat.com

آپ کی طبیعت جمال و جلال سے عبارت تھی۔ آپ اپنے صحبت نشینوں سے محبت و شفقت سے پیش آتے مگر جب کسی کو اسلام کے جادۂ مستقیم سے بھٹکتا ہوا دیکھتے کہ وہ شعائر اسلامی کی خلاف ورزی کر رہا ہے پھر آپ کی طبیعت میں جلال جلوہ گر ہو جاتا اور گمراہوں کو جی بھر کر فہمائش کرتے۔ گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتے۔ جونہی ملاحظہ فرماتے کہ آپ کی باتیں دلوں پر اثر کر رہی ہیں اور راہ حق سے بھٹکنے والے منزل ایمان پر گامزن ہونے لگے ہیں تو فوراً جلال پر جمال غالب آ جاتا اور پھر پہلے کی طرح لطف و عنایت کا مظاہرہ فرمانے لگے اور انداز ایسا ہو جاتا جیسے ان کی طبیعت میں جلال کا عنصر ہی نہیں ہے سچ ہے کہ:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آپ حضرت خواجہ محمد عبد اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ایک طویل عرصہ تک درگاہ معلّٰی قادریہ کے سجادہ نشین کی حیثیت سے اپنی رُوحانی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف اپنے عظیم اسلاف کی روایات' اعراس مبارکہ اور تقریبات کے سلسلے کو قائم رکھا بلکہ اسے مزید فروغ عطا کیا۔ جب بھی اس خانوادۂ روحانی کی تاریخ لکھی جاتی ہے تو اپنے اسلاف کی طرح آپ کا نام نہایت نمایاں حیثیت سے سامنے آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ "شاعری جزویست از پیغمبری" یعنی شاعری پیغمبری کا جزو ہے۔ پیغمبر شاعر نہیں ہوا کرتے۔ کہنے والے کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح پیغمبران عظام کے اس کائنات میں تشریف لانے کا مقصد ایمان و یقین کی شمعیں روشن کرنا تھا' بت کدوں میں رکھے اصنام کے طلسم کو توڑ کر خدائے واحد کی حقانیت کے تصور کو دلوں میں راسخ کرنا تھا۔ مردہ اور ایمان کی حرارت سے محروم دلوں کو خداشناسی کی طرف راغب کرنا تھا۔ اسی طرح اگر شاعر بلند بخت چاہے تو وہ بھی اپنے اعجاز بیان سے مردہ نفسوں کو ایمانی حرارت بخش کر خواب غفلت سے بیدار کر کے خدا آشنا بنا سکتا ہے۔ خواجہ محمد کریم اللہ قادری علمی و روحانی اوصاف سے بدرجہ کمال بہرہ ور تھے۔ چنانچہ جب آپ نے تبلیغ دین' حمد رب جلیل' اصلاح احوال اور توصیف مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شاعری کو وسیلۂ اظہار بنایا تو پھر فکر و آگہی کے جواہر بے بہا بکھیرتے چلے گئے۔ آپ کی شاعری کا تذکرہ نہایت ہمہ گیر اور جامعیت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

شاعری کے ضمن میں آپ ان عظیم المرتبت صوفیائے کرام کے نقوش قدم پر چل رہے تھے' جن کی شاعری ان کے افکار کی شارح اور ان کے روحانی جذبات کی ترجمان ہوتی ہے۔ تاریخ

marfat.com

تصوف میں ایسے صوفیائے کرام بڑی تعداد میں ملتے ہیں' جنہوں نے تقریر' تبلیغ اور نثر کے ساتھ ساتھ شاعری کا سہارا بھی لیا۔ خواجہ محمد کریم اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس خوش بخت قافلے کے محترم رکن تھے' آپ نے لکھا اور خوب لکھا۔ راقم (پروفیسر محمد اکرم رضا) آپ کی شعری عظمتوں کو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین میں بالخصوص اُجاگر کر چکا ہے اور اس سلسلہ میں راقم کی تصنیف ''تجلیات مخدوم'' کا مطالعہ روحانی و علمی جادہ پیماؤں کیلئے یقیناً نشان منزل ثابت ہوگا۔ راقم کے قلم سے آپ کی حکیمانہ بصیرت کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ بدستور جاری ہے کیونکہ جہاں عشق اور دل کا معاملہ ہو وہاں قلم رکتا نہیں' بلکہ فکر کا راہوار تھوڑی دیر کیلئے سستا تا ہے اور پھر نئے عزم سے سرشار ہو کر کہیں زیادہ برق رفتار سے آگے کو روانہ ہو جاتا ہے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فیاضی قدرت نے آپ کو شعری ذوق کے حوالے سے خوب نوازا تھا۔ آپ عربی' اُردو' فارسی اور پنجابی پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ پنجابی شاعری میں آپ عاشق اور اُردو فارسی شاعری میں کریمی اور کریم تخلص فرماتے تھے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ستارے بکھیر کر کرافق ادب کو زرفشاں بنا دیا۔ اہل شوق کو توحید خداوندی کے حقیقی مفہوم سے آگاہ کیا۔ نعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے تو محبت و عقیدت کے گلاب کھلا دیئے۔ بزرگان دین کے مناقب رقم کرنے بیٹھے تو قلم سے پھول جھڑنے لگے۔ نظم' غزل' مسدس' مخمس' مثنوی' ترکیب بند' ترجیع بند' کافیاں' دوہڑے' چومصرے اور سی حرفیاں سمیت ہر صنف سخن میں فکر آزمائی کے جوہر دکھائے۔ توجہ طلب اور قابل تحسین امر یہ ہے کہ کسی بھی صنف سخن میں آپ اپنے حقیقی مقصود و مدعا سے غافل نہیں ہوئے۔ آپ نے ان اصناف سخن کے شکوہ یا عصری تقاضوں کو اپنی حکیمانہ بصیرت پر حاوی نہیں ہونے دیا بلکہ ان تمام اصناف سخن سے اپنی پسند اور مرضی کا کام لیا۔

آپ نے تمام اصناف سخن میں مقصدی شاعری فرمائی مگر مقصدیت کو اوّلیت دیتے ہوئے آپ نے ان اصناف سخن کے فنی لوازم اور سخن گوئی کے اہم امور کو فراموش نہیں کیا بلکہ قادر الکلامی اور فنی مہارت کے ساتھ شعر و سخن کی خوشولتائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری بیک وقت مقصدیت اور فنی و فکری لوازم سے آراستہ نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعری حقیقت آفرینی کی تصویر ہے۔ اس میں کمال کا درد و سوز ہے' ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے اپنے دل کے ٹکڑے کاغذ کی زینت بنا دیئے ہوں۔

اب ہم ایک نظر آپ کے شعری اسالیب پر ڈالتے ہیں تا کہ ہمارے قارئین تک آپ کی شعری سرفرازیوں کی ایک جھلک پہنچ سکے۔ حمد خدائے کائنات ہمیشہ سے اہل شوق کا موضوع خاص

marfat.com

رہی ہے۔ صوفیائے کرام نے بالخصوص خدا کو اپنا محبوب حقیقی جان کر معرفت کے اسرار تک رہنمائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ صوفیائے عظام خدا کیلئے ہی جیتے اور اُس کی رضا میں فنا ہوتے ہیں اور اسی فنا کو وہ بقا کی منزل سے تعبیر کرتے ہیں۔ خواجہ محمد کریم اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی محبت خدا میں حد درجہ گم رہنے والی شخصیت ہیں۔ آپ کو چاروں جانب سے اللہ ہو کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ آپ محبت رب دو عالم کے انوار میں گم ہو جاتے ہیں۔

ہے نور جمالت تیرا سُو بہ سُو
ہے ذکر جلالت ترا کو بہ کو
ہے دونوں جہاں میں تری جستجو
گل و برگ میں ہیں ترے رنگ و بو
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو
تو ہی ہے وحدہٗ وحدہٗ وحدہٗ

خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حمد یہ شاعری میں حسن صوت کی جلوہ گری بھی ہے یعنی اگر پڑھنے والا صدق دل سے پڑھے تو الفاظ کی موسیقیت اور معانی کا حسن اسے ایک نئی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ وہ دنیا جہاں حرص و ہوس کا گزر نہیں، جہاں اصل شہو و شاہد و مشہود کے ایک ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ جہاں زبان گنگ رہ جاتی ہے اور بے زبانی شرح حال کرنے لگتی ہے۔

پاک ہے وہ جس نے خود سبحانک اللہ کہہ دیا
حمد اس کی جس نے خود الحمد للہ کہہ دیا
شربت عرفاں پلا کر اولیاء اللہ کو
فرط اُلفت سے انہیں پھر رحمۃ اللہ کر دیا

خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار بشرح کمال ملتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار میں گم ہو کر معرفت الٰہی کے آداب سکھا رہے ہوں۔ نعت شریف کہنا حمد سے زیادہ مشکل امر ہے۔ کیونکہ یہاں قدم قدم پر یہ گمان ہوتا ہے کہ کہیں گستاخی نہ ہو جائے، نعت میں یہ احساس دامنگیر ہوتا ہے:

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

marfat.com

اس لئے نعت کہتے ہوئے شاعر کو قدم قدم پر راہوار فکر کو تھام کر رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ خواجہ محمد کریم اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کو تو علوم روحانی کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی دولت بھی وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی اور آپ شریعت کے تقاضوں کی بجا آوری کا بطور خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ قرآن کے معارف و اسرار پر گہری نظر تھی۔ نگاہوں میں صورت و سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سمائے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے بہک جانے کا گمان تک نہیں تھا۔ آپ تو صوفیائے کرامؒ کے اس سلسلے کی ایک روشن کڑی تھی جس نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوؤں میں کھو کر خدائے کریم کے انوار تک رسائی حاصل کی تھی۔

حضرت خواجہ محمد کریم اللہ کی شاعری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت کی تابشوں سے ضوبار ہے۔ جمال و کمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرفرازیاں ان کے اشعار میں جا بجا ملتی ہیں۔ حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مصدر شان لولاک ہیں۔ مصداق یٰسین و طٰہٰ ہیں۔ شرح و معنی اوّل و آخر ہیں، باعث تخلیق کائنات ہیں۔ قصۂ مختصر یہ کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کے مصداق کائنات کی بزرگ ترین شخصیت ہیں۔ جب خواجہ محمد کریم اللہ کا قلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کے کمالات بیان کرتا ہے تو افکار کو تازگی اور ذہنوں کو بالیدگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

یا رسول اللہ حبیب کبریا، خیر الوریٰ
نقطہ اک تعریف کا تیری ہے ''لولاک لما''
نورِ خورشید نبوت جب ہوا جلوہ فگن
ہر طرف ظاہر ہوئی عالم میں شان کبریا

آپ کی نعت گوئی کے درجنوں مظاہر قاری کے ذہن و فکر کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کی کہی ہوئی طویل پنجابی نعت ''نوری سہرا ہے''۔

پاک نبی سرسہرانی سیو پاک نبی سر سہرانی
پاک نبی سرتاج لولاکی روشن نوری چہرانی
احمد سرور دوہاں جہاناں کرسی عرش زمین اسماناں
چمک نوری تاج شہاناں، عرشیں راج بسیرانی

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو آپ نے غزلیات بھی لکھی تھیں لیکن صوفیائے

marfat.com

کرام تو غزل کے پیرائے میں بھی محبوب حقیقی خدائے کریم کی شان و تسبیح بیان کر جاتے ہیں۔ انہیں مجازی محبوبوں سے کیا لینا؟ ان کی نظروں میں تو خدائے ذوالجلال کے لافانی جلوے بسے ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے رقم کر چکے ہیں کہ خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب بھی رقم فرمائے۔ اپنے خاندان قدسیہ کے اکابرین کے علاوہ آپ نے عالم اسلام کی انتہائی محترم شخصیات کے حضور مناقب کی صورت میں خراج عقیدت پیش کیا۔ بالخصوص تاجدار بزم قادریت حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حضور آپ کی طویل منقبت عباسی پبلی کیشنز گوجرانوالہ کے زیر اہتمام ''ارمغانِ کریمی'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

مسدس کا ذکر چھڑا ہے تو آپ کی مسدس معرفت بذات خود ایک تحفہ بے بہا ہے' جس کے شعر شعر سے خداشناسی کی خوشبو پھوٹتی ہے' جس میں شریعت' معرفت اور طریقت کے اسرار منکشف کئے گئے ہیں۔ اسی طرح جب ہم آپ کی پنجابی شاعری پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو نعتوں' منظومات اور مناقب کے علاوہ معرفت آفریں سی حرفیوں اور کافیوں کا ایک بیش بہا خزانہ ملتا ہے۔ اگر ہم صرف انتخاب کے حوالے سے چند اقتباسات ہی نقل کرنے لگیں تو زیر نظر کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی۔ جبکہ ہمارا اصل مقصود تو اس حقیقت کو آشکار کرنا ہے کہ درگاہِ معلیٰ حضرت غوث العصر کا عظیم تر اعزاز ہے کہ یہاں سے یکے بعد دیگرے ابھرنے والی شخصیات نے اسے مسلسل مرکز تجلیات بنائے رکھا۔

حضرت مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ عالم اجل تھے' فاضل اکمل تھے' صوفی باصفا تھے' درویش بے ریا تھے' کاروانِ معرفت کے سالار تھے' ارادت مندوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے تاجدار تھے' تبلیغی دوروں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا' ہر آن شرح عقائد اور تبلیغ دین کا عمل بھی جاری تھا' درگاہ معلیٰ قادریہ کے روحانی معمولات بھی جاری تھے' لنگر شریف کا بھی اہتمام تھا' خدا کی مخلوق کی رضا جوئی بھی مطلوب تھی' عبادت و ریاضت بھی زندگی کا اعزاز تھی' یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اس قدر مؤثر شاعری کا اتنا بڑا ذخیرہ اللہ اکبر! تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ عین فضل الٰہی تھا۔ خدا جب کسی عظیم انسان سے بڑا کام لینا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو علوم کا مرکز و معدن بنا دیتا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا:

ع ادھر مخلوق میں اُدھر سے واصل

آپ کی حیات مقدسہ میں آپ کا ایک شعری مجموعہ ''کلام عاشق'' کے نام سے شائع ہو چکا تھا۔ یہ مجموعہ کلام ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوا تھا' جب گوجرانوالہ میں شائع ہونے والے شعری مجموعوں کی

marfat.com

تعداد معدودے چند تھی مگر آج عباسی پبلی کیشنز کے زیر اہتمام آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف زیو رطباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں جبکہ باقی زیر طبع ہیں۔

۱۔ گنج عرفان

۲۔ میزانِ عشق

۳۔ دیوان عشق

۴۔ برہانِ عشق

۵۔ ایقانِ عشق (پنجابی شعری مجموعہ جات)

۶۔ زمزمۂ احمد

۷۔ آداب المریدین

۸۔ بیان مخدوم

۹۔ ارمغانِ کریمی

حضرت مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ درگاہ عالیہ حضرت غوث العصر کے میر کارواں تھے۔ درویشی و پارسائی آپ کی پہچان تھی۔ آپ نے شاعری کو اپنی پہچان نہیں بنایا مگر ''مرکز تجلیات'' کو اپنے افکار سے منور کرنے والے مردِ کامل پر خدائے کریم کا خصوصی احسان تھا کہ یہ شعری سرمایہ آپ کے افکار کا ترجمان بن کر مخلوق خدا تک پہنچے اور اس کی بدولت بے شمار گم گشتگان راہ کو منزل عرفان خداوندی نصیب ہو۔ شاعری آپ کیلئے محض ایک ذریعہ ابلاغ تھی، مقصود بالذات نہیں۔ اور ''مرکز تجلیات'' کا فیضان دیکھئے کہ آج یہی شاعری کتنے ہی اصحاب نظر کے قلم سے خراج عقیدت لے رہی ہے۔

مخدوم العصر حضرت خواجہ محمد کریم اللہ نے ایک طویل عرصہ تک خلق خدا کی راہنمائی کی۔ بالآخر آپ کا وقت وصال آ پہنچا۔ یہ وقت وصال کیا تھا حبیب سے ملاقات کا بہانہ تھا۔ آپ ۱۹۴۲ء میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔

اور پھر شعبان ۱۳۶۱ھ کی اٹھاہ تاریخ آ پہنچی۔ پیر کا روز تھا، وقت تہجد کی نورانی ساعتیں تھیں اور آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ارادت مند ہجوم در ہجوم آنے لگے۔ (خانقاہ قادریہ نوریہ کھیالی دروازہ) کے سجادہ نشین حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری پانی ڈال رہے تھے، غسل مبارک کے بعد آپ کو

marfat.com

کفن کے کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا۔ ارادت مندوں کا ہجوم رات بھر قرآن خوانی کرتا رہا۔ جب جنازہ گھر سے اُٹھایا گیا تو اشکوں کا طوفان بہہ نکلا۔ کثیر ہجوم کے پیش نظر جنازہ کی چار پائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے۔ اس وقت بازار خراداں وسیع میدان کی صورت تھا۔ چاروں طرف انسانوں کے سر دکھائی دے رہے تھے۔ پہلے آپ کے صاحبزادے جناب صوفی محمد شریف غیرت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری مرتبہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ صاحبزادہ غلام سرور جان مجددی سرہندی سجادہ نشین باؤلی شریف گجرات کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ایک اور بزرگ نے تیسری مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ کا روئے مبارک ماہ تاباں کی طرح جگمگا رہا تھا۔ وصال سے چھتیس گھنٹے بعد آپ کے جسد پاک کو ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آپ کی والدہ ماجدہ کے قدموں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

marfat.com

امیر العصر

حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

دربار قادریہ گوجرانوالہ

حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم خواجہ محمد کریم اللہ نے آپ کی ولادت کو رشد و ہدایت کے سلسلے کی سرفرازی سے تعبیر فرمایا اور اس جذبے کا اظہار کیا کہ ان کا یہ فرزند روحانیت کی دنیا میں معتبر حوالہ بنے گا۔ آپ بچپن ہی سے ذہین و فطین اور صاحب فہم و ذکاء تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد محبوب عالم اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبروں کے ساتھ میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر مزید تعلیم کیلئے دیال سنگھ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ کالج میں تعلیم کے دوران آپ کا تعلیمی کردار لائق توصیف اور قابل رشک رہا۔ اپنی تعلیمی اور ذہنی استعداد کی بناء پر آپ کو دوسرے طلبہ پر فوقیت حاصل تھی۔ آپ کو اس دوران نامور اساتذہ کرام میسر آئے' جن میں ممتاز ادیب اور شاعر سید عابد علی عابد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سید عابد علی عابد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فارسی کے استاد تھے۔ ان کی خصوصی شفقت اور راہنمائی نے آپ کو فارسی زبان میں خصوصی مہارت عطا کی۔

قدرت حق سے آپ کو شعری ذوق ارزاں ہوا تھا۔ آپ مخدوم العصر خواجہ محمد کریم اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ہونہار لخت جگر تھے' جن کی شاعری کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اتنے عظیم والد کے سایۂ الطاف میں پرورش پا کر ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ شعری ذوق سے بے بہرہ رہتے بلکہ حیرت تو تب ہوتی جب شاعری کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے۔ اپنے شعری ذوق کو پروان چڑھانے اور بلندیوں سے آشنا کرنے کیلئے آپ نے اُردو کے نامور شاعر علامہ تاجور نجیب آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ علامہ تاجور نجیب آبادی ایک قادر الکلام شاعر تھے اور ان کے تمام معاصرین ان کی شعری مہارت کے قائل تھے۔ شاعری کے حوالے سے اس قدر قد آور استاد

marfat.com

شاعر کی راہنمائی آپ کے ذوق کی سربلندی کیلئے سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی اور آپ بہت جلد مختلف اصناف سخن میں مہارت علمی کے ساتھ اپنی شعری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے لگے۔

کالج کی تعلیم کے دوران آپ کے تعلیمی مشاغل تو جاری ہی تھے' آپ ان کے ساتھ ساتھ معاون نصاب سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا کرتے۔ خاص طور پر سپورٹس میں آپ کا نام گونج رہا تھا۔ آپ کالج کی ہاکی ٹیم کے کپتان تھے' قد رعنا اور دل کشا پایا تھا' ورزشی جسم' دلآویز خدوخال۔ آپ کی تعلیمی اور جسمانی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حکومت برطانیہ نے آپ کو فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کیلئے منتخب کرنے کے احکام صادر کر دیئے تھے۔ آپ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ والد گرامی حضرت مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ آپ کے روحانی راہنما بھی تھے) کی طرف سے ارشاد نامہ ملا کہ:

''بیٹے فوراً درگاہ عالیہ میں چلے آؤ''

آپ نے ایک لحظہ کیلئے بھی تأمل نہ کیا اور بلا تاخیر درگاہ عالیہ قادریہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تعلیم اور پھر حکومت برطانیہ کی طرف سے فوج میں آپ کے انتخاب سے بخوبی آگاہ تھے' انہوں نے اپنے ارشاد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''بیٹے! ہم نے آپ کو خلق خدا کیلئے تعلیم دلوائی ہے۔ اللہ کے پیغام کو عام کرنے کیلئے دینی اور دنیاوی علوم کی تحصیل کا اہتمام کیا تا کہ تم زیادہ سے زیادہ مخلوق خدا کے کام آسکو' رشد و ہدایت کے سلسلے کو پھیلا سکو' تمہاری تمام تر تعلیم اہل ایمان کی بہتری اور درگاہ عالیہ کے انوار کو عوام الناس تک پہنچانے کیلئے ہو' غیروں کیلئے نہیں۔ جو کام ہم تم سے لینا چاہتے ہیں وہ منشائے قدرت ہے اور وہ کام اس کام سے افضل ہے جو حکومت برطانیہ تم سے لینا چاہتی ہے۔ ہمارا مقصود خانقاہی نظام کا فروغ ہے' انگریز کی اطاعت نہیں''۔

مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ چونکہ آپ کو درگاہ عالیہ کا مستقبل قرار دے چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے آپ کو اپنی باطنی توجہات کا خصوصی مرکز بنا لیا۔ آپ تو پہلے ہی مرد ہونہار تھے۔ شیخ کامل کی صحبت میں بہت تیزی کے ساتھ طریقت و روحانیت کے مراحل طے کرنے لگے۔

مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ہمراہ رکھتے' اپنی نگرانی میں آپ کو مشاہدات حقیقی کے سفر پر گامزن کرتے۔ تذکار میں رقم ہے کہ مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سخت روحانی ریاضت سے گزارا۔ آپ کے دل کو عبادات کی لذات سے بہرہ ور کیا۔

جب حضرت مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر فقط بیس سال کی تھی لیکن

marfat.com

طریقت اور معرفت کی بلندیاں آپ کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال کے بعد سجادہ نشینی کے حوالے سے ایک بڑا خلا پیدا ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال انور کے کچھ عرصہ بعد ایک بڑی تقریب منعقد ہوئی' اس تقریب میں، شہر اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ممتاز علمائے کرام اور مشائخ عظام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ جانشینی کا مرحلہ آیا تو تمام علماء و مشائخ نے اتفاق رائے سے حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ کو درگاہِ عالیہ حضرت غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ کا سجادہ نشین منتخب کر کے دستارِ فضیلت و معرفت آپ کے سرِ اقدس پر سجا دی۔ یہ عظیم ذمہ داری بھی تھی اور بہت بڑا اعزاز بھی اور رحمت خداوندی کے سہارے آپ ان ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونے والے تھے۔

خواجہ محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلاف کے مزارات کی تعمیر کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ ان مزارات کی تعمیر اور مرصع کاری کیلئے تمام صلاحیتیں وقف کر دیں۔ آپ نے اپنی نگرانی میں حضرت غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک پہلے ۱۹۴۳ء میں اور پھر ۱۹۶۵ء میں تعمیر کروایا۔ یہ روضہ مبارک حسن تعمیر' آرائش' نقاشی اور مرصع کاری میں اپنی مثل آپ ہے۔ بیشتر اشعار اور قطعات حضرت امیر العصر رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے زور سخنوری کا نمونہ ہیں۔ یہ اشعار نامور خطاط محمد صدیق الماس رقم مرحوم کی خطاطی کا شاہکار ہیں۔ آیات قرآنی' احادیث نبوی اور صاحب مزار سے متعلق مناقب اشعار کی صورت میں فکر وفن کی نئی بہار بکھیر رہے ہیں۔ ایک شاعر جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتا ہے تو یہ نقاشی اور شعری تحریریں اس کے دامن خرد کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ حضرت امیر العصر رحمۃ اللہ علیہ نے خود عشق و عقیدت کو خضر راہ بنا کر خطاطی کے ان شہ پاروں کو پوری صحت لفظی کے ساتھ روضہ اقدس کی دیواروں پر منتقل کیا ہے۔ اس کمالِ فن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بھی خاص عطائے ربانی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ'' اللہ جمیل و یحب الجمال '' یعنی اللہ خود سراپا جمال ہے اور حسن کو پسند فرماتا ہے۔ جس طرح خواجہ صاحب نے روضہ اقدس کی تعمیر میں اپنی فکری اور فنی کاوشوں کا حسن بکھیرا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی یہ محنت اور جانکاری خدا کے نزدیک کس قدر محبوب تر ٹھہرے گی۔

اس کے علاوہ آپ نے اپنے خاندان کے مورثِ اعلیٰ فخر الاسخیاء' حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ (پیرو کوٹ ضلع گوجرانوالہ) کہ مزار اقدس کی تعمیر اور آرائش کا فریضہ بھی انجام دینا شروع کیا' آپ نے اس مزار اقدس کیلئے اعلیٰ قسم کا سنگ مرمر منگوایا۔ آپ کام کو بہت حد تک آگے لے گئے

marfat.com

تھے کہ زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وقت نے مزید مہلت نے دی' آپ کے وصال کے بعد اس فریضہ کو آپ کے جانشین جناب ڈاکٹر صاحبزادہ شبیر احمد کمال عباسی قادری نے اس حسن اہتمام سے انجام دیا کہ چاہنے والوں کے دلوں سے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں اور دیکھنے والوں کی نظریں اس روضہ اقدس کے حسنِ ظاہر پر مرکوز رہ جاتی ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحبزادہ شبیر احمد کمال عباسی صاحب کیلئے یہ فریضہ باعث سعادت بھی تھا اور اپنے والدہ ماجد کی ریاضت کی تکمیل کا باعث بھی۔ ہر گام پر نظر آتا ہے یہ خون جگر کے معجزات ہیں۔

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

آپ خوبصورت سراپا رکھتے تھے۔ لباس سادہ مگر قد موزوں پر سجتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ گفتگو میں غضب کی تاثیر ہوتی تھی۔ تقریر نہایت ایمان آفریں کرتے تھے۔ بات بات میں نکات' جملہ جملہ علم و حکمت کے جواہر سے مرصع' لوگ سنتے تو جھوم جھوم اُٹھتے۔ عوام کے حسب مذاق تقریر فرماتے تھے تا کہ آپ کی گفتگو دلوں میں گھر کر جائے۔ درگاہ عالیہ کے اعراس کے علاوہ اپنے ارادت مندوں کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان کے اصرار پر کلمات عالیہ سے نوازتے۔ آپ کی تقریر کی طرح آپ کی تحریر بھی دلکش اور موثر تھی۔

آپ روحانی معالج تو تھے ہی جسمانی امراض کا علاج بھی فرماتے تھے۔ حکمت اور طبابت ہمیشہ سے صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کا خاصہ رہی ہے۔ آپ کی ادائیں لطافت آشنا تھیں تو عزائم سے پہاڑوں کی بلندی اور وسعت جھلکتی تھی۔ آپ علم و حکمت کا ایسا خزانہ نظر آتے تھے کہ جس سے جتنا بھی فیضیاب ہوا جائے کم ہے۔ آپ سے مل کر یہی احساس ہوتا ہے کہ اقبال کے مرد مومن سے ملاقات ہو رہی ہے۔ وہ مرد مومن کہ جو عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات ابھر رہا ہے۔

عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات' عشق سے نار حیات

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آپ پر تاثیر مقرر تھے بلکہ آپ کی تقریر وعظ و تبلیغ کا رنگ لئے ہوتی تھی۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سامعین کے دلوں پر نقش ہو جائے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی پر آپ کی گہری نظر تھی۔ اشعار کا ذخیرہ بھی وسعت ذہن و فکر میں موجود ہوتا اور برمحل اشعار کے استعمال سے مضمون کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے۔ مولانا روم' سعدی'

marfat.com

جامیؒ اقبال سمیت بلند فکر شعراء کے شعری سرمایہ سے بھرپور استفادہ کرتے۔ گفتگو کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے اتنے دلائل پیش کرتے کہ دل بے اختیار سبحان اللہ پکار اُٹھتے۔ آپ کے علمی وقار کا قائل ہونا پڑتا۔

حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ جہاں علمی فضیلتوں سے بہرہ ور پیر طریقت اور صاحب اسرار معرفت تھے وہاں آپ صاحب فکر شاعر بھی تھے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شاعری آپ کو ورثہ میں عطا ہوئی تھی، جس طرح دوسرے صوفیائے کرام شاعری سے تبلیغ دین اور اشاعت پیغام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام لیتے آتے ہیں آپ کے پیش نظر بھی یہی مقصد تھا۔ آپ کی شاعری عظمت اسلام کا شکوہ لئے ہوئے ہے۔ اس میں عشق سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ستارے جگمگا رہے ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری سے اپنے والد محترم کی طرح اصلاح احوال اُمت کا کام لیا۔ آپ پنجابی، اُردو اور فارسی تینوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ زبان کوئی بھی ہو آپ نے اپنے مقصود و مدعا کو تبدیل نہیں کیا اور اپنی ایمان آفریں شاعری کی بہار لٹا کر نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزمے سنائے۔ دینی عقائد اور نظریات کو سادہ اور دلکش انداز میں بیان کیا۔

حضرت خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں اپنے جد اعلیٰ کی پُر مغز اور فکر انگیز شاعری کے شارح تھے۔ آپ کا یہ کمال کیا کم ہے کہ آپ نے خواجہ محمد کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر شعری سرمائے کو محفوظ رکھا۔ "سیرت الفقراء" کو ترتیب دیا کہ خاندان عباسیہ قادریہ کی تاریخ محفوظ رہے۔ مخدوم العصر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو محفوظ رکھنا اور اپنے تشریحی بیانات کے ساتھ دینی مجالس و محافل اور تقاریب کے ذریعہ اہل شوق تک پہنچانا آپ کا بہت بڑا روحانی کارنامہ ہے۔ ورنہ تاریخ کے سفر میں ایک کڑی بھی گم ہو جائے تو تاریخ کا حسن مجروح ہو جاتا ہے۔ جد اعلیٰ کے اتنے بڑے شعری سرمائے کی ترتیب و تدوین اور شرح کمال آپ کا وصف خاص ہے، جس پر انہیں کتنا ہی خراج عقیدت کیوں نہ پیش کیا جائے کم ہے۔ ہم نے جب خواجہ محمد کریم اللہ کے کلام بلاغت نظام کی شرح کے حوالے سے آپ سے گفتگو کی آپ معارف روحانی اور علوم دینی کے جواہر لٹانے لگے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کے تذکرہ نگاروں کو آپ کی اس امتیازی شان سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیئے۔

امیر العصر رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم کا سحاب مدتوں برستا رہا۔ دلوں کی بنجر کھیتیوں کو معرفت کا نم عطا ہوتا رہا۔ بالآخر ۲۶ جولائی ۱۹۸۵ء صبح چار بجے گلستان معرفت کا یہ گل نو بہار ہم سے جدا ہو گیا۔ وصال سے قبل آپ کچھ عرصہ کیلئے علالت سے دو چار ہوئے۔ آپ نے اس سال سخت

marfat.com

گرمی میں روزے رکھے، ماہ صیام کے آخر میں سر میں ہلکا ہلکا درد محسوس کرنے لگے مگر آپ نے روحانی معمولات کو ترک نہ کیا اور باقاعدگی سے روحانی تقاریب کا انعقاد کرتے رہے اور اعراس کی محافل میں تشریف لے جاتے رہے۔ آہستہ آہستہ بخار اور درد نے غلبہ پا لیا۔

پہلے شہر میں ہی علاج ہوتا رہا پھر آپ کو سروسز ہسپتال لاہور لے جایا گیا۔ بیماری کا حملہ جان لیوا تھا مگر آپ نے نہایت حوصلے اور پامردی کے ساتھ بیماری کا مقابلہ کیا۔ وصال خداوندی کا پیغام آ چکا تھا۔ بالآخر وہ ساعت آ پہنچی جو صوفیائے کرام کے لئے ساعت وصال اور ان کے نیاز مندوں کیلئے انتہائی پُر ملال ہوا کرتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون٥

اسی روز رات ساڑھے آٹھ بجے آپ کے جسد خاکی کو نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے درگاہ معلیٰ حضرت غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ میں لایا گیا تو چاروں طرف سے مغموم اصحاب عقیدت کا ہجوم اُمڈ پڑا۔ ہر شخص کی یہ کوشش تھی کہ وہ آپ کے چہرے کی ایک جھلک دیکھ لے۔ آپ کے چہرے پر اس وقت ملکوتی تبسم رقصاں تھا، چہرہ گل شادات کی طرح کھلا ہوا تھا اور احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کسی مرحوم شخصیت کا چہرہ ہے بلکہ گمان گزرتا تھا کہ آپ ابدی سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ حق ہے کہ:

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اُٹھیں وہ طیب و طاہر ملا

آپ کے وصال کے بعد آپ کی جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا تو اس مسئلہ کو آپ کے چہلم پر طے کرنے کا فیصلہ ہوا۔ آپ کے چہلم مبارک پر ارادت مندوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ ساتھ علمائے کرام اور صوفیائے عظام بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ آپ کے تمام صاحبزادگان اور دیگر قرابت دار بھی موجود تھے۔ محترم صوفیاء و مشائخ نے اتفاق رائے سے آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ جناب ڈاکٹر شبیر احمد کمال عباسی (مدظلہ العالی) کو منتخب فرمایا۔

امیر العصر رحمۃ اللہ علیہ کے تمام صاحبزادگان سمیت جملہ ارادت مندوں نے اس حسن انتخاب پر غیر معمولی مسرت و خوشی کا اظہار کیا۔ چونکہ صاحبزادہ ڈاکٹر شبیر احمد کمال عباسی کو آپ کی مجلس نشینی کا عرصہ زیادہ سے زیادہ میسر آیا تھا اور خواجہ صاحب کئی بار آپ کو اپنا جانشین قرار دے چکے تھے۔ اس لئے ہر طرف سے مرحبا مرحبا کی صدائیں ابھرنے لگیں۔ یہ منظر ایسا جاذب نظر تھا کہ اہل شوق کی نگاہوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جذب ہو کر رہ گیا۔

marfat.com

مجاہد تحریک پاکستان
سید بشیر احمد سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ

تحریک پاکستان کے دوران میں ضلع گوجرانوالہ سے جن علماء و مشائخ نے مسلم لیگ کے پیغام کو مقبول عام بنانے کیلئے خاص کردار ادا کیا' ان میں پیر سید بشیر احمد خورشید سوہدروی کا نام بھی شامل ہے۔ اس صدی کے آغاز میں آپ کی ولادت ضلع گوجرانوالہ کے مشہور قصبہ جلال پور جٹاں میں ہوئی۔ چھوٹی عمر ہی میں اپنے آبائی گاؤں سوہدرہ میں چلے آئے۔ آپ کے والد حافظ سید بہاؤ الدین ایک جید عالم دین تھے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کے بعد آپ فریضۂ تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔

سوہدرہ میں آپ نے انجمن حزب الاحناف کی بنیاد بھی رکھی اور اس کے تحت ہر ماہ باقاعدہ سے جلسے منعقد ہونے لگے۔ آپ نے جامع مسجد ارائیاں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے۔ آپ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کرنے کیلئے مسلسل کوشاں رہے اور اپنی خطابت سے مردہ دلوں کو آداب زندگی سے آشنا کرتے رہے۔ جامع مسجد میں ہی آپ نے ایک دینی مدرسہ جاری کیا اور تادم مرگ دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے ساتھ عام لوگوں کے کردار و عمل کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

آپ نے صرف روحانی و دینی میدان میں ہی اپنے علاقہ کی خدمت نہیں کی بلکہ سیاسی محاذ پر بھی اسلامی قومیت کی عملی تشریح و توضیح کیلئے کوشاں رہے۔ آپ نے ''تحریک حریت کشمیر' کی کامیابی کیلئے جس جوش و ولولہ اور جذبۂ ایمانی کا ثبوت دیا' اس سے کشمیری مسلمانوں کو آزادی کیلئے آپ کی خدمات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے ڈوگرہ سامراج کی پُر زور مذمت کی اور نوجوان میں جذبۂ جہاد اُبھارنے کیلئے غیر منقسم ہندوستان میں بے شمار دورے کئے۔

جموں میں توہین قرآن پاک کا روح فرسا واقعہ رونما ہوا تو وادیٔ کشمیر اور ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی غیرت ایمانی جوش میں آ گئی۔ احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا تو ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سرینگر کی سنٹرل جیل میں مسلمانوں پر گولی چلائی گئی' جس سے دو درجن مسلمان شہید ہوئے۔ اس موقعہ پر سید

marfat.com

بشیر احمد ڈیڑھ صد غیور مسلم مجاہدین کی جماعت ساتھ لے کر جموں پہنچے اور میدانِ جہاد میں قیادت کا حق ادا کر دیا' جب توہین قرآن کا دردناک سانحہ پیش آیا تو آپ نے عوام الناس کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! قرآن مجید کی حفاظت کیلئے سروں پر کفن باندھ کر عازم کشمیر ہو جاؤ۔ آج سے ہم نے ظالموں کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بلند کرنا ہے۔ اپنے عمل سے دیگر اقوام پر ثابت کر دو کہ اسلام ایک زندہ دین ہے اور تمہاری رگ حمیت میں اپنے اسلاف کی غیرت کا خون موجزن ہے' جنہوں نے روم و ایران جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو خاک میں ملا دیا تھا''۔

آپ کی یہ ولولہ انگیز تقریر اہل ایمان کے دلوں کو گرما گئی اور ان کے جذبۂ عمل میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت اور قوت پیدا ہو گئی۔

نظریۂ پاکستان کی ترویج و تبلیغ اور پاکستان کے مطالبہ کو عوام کی آرزوؤں میں ڈھالنے کیلئے آپ نے اپنے علاقہ میں قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں آپ نے قائد اعظم علیہ الرحمۃ اور مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس نظریہ کی مقبولیت کیلئے آپ نے تحصیل وزیر آباد کے مختلف دیہات کا دورہ کیا اور اپنے دلنشیں اندازِ تقریر سے عوام کے سامنے تحریک پاکستان کے بنیادی اسلامی محرکات پیش کئے۔ اس سلسلہ میں آپ کو مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر آپ پورے خلوص اور جذبۂ غیرت اسلامی سے سرشار ہو کر اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے کام کرتے رہے۔

پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو آپ نے اس کی ترقی و بقاء اور سالمیت کیلئے اپنا مشن جاری رکھا اور مہاجرین کی آبادکاری اور لٹے پٹے قافلوں کو مناسب مقامات پر مستقل سکونت میں مدد دینے کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد اقدارِ اسلامی کے فروغ اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کیلئے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ معاملہ خواہ وطن کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا تھا یا جغرافیائی سرحدوں کی پاسبانی کا' سید بشیر احمد ہمیشہ میدانِ عمل میں پیش پیش رہے۔ آپ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی قسم کی گستاخی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے جب تحریک ختم نبوت کے دوران میں شمع رسالت کے پروانے دلوں میں ایثار و قربانی کی شمعیں جلائے میدان عمل میں نکلے تو پیر سید بشیر احمد بھی اپنی غیرت ایمانی کے اظہار کیلئے کسی سے پیچھے نہ رہے۔ اس سلسلہ میں زندان کی کوٹھڑی بھی آپ کا مقدر بنی مگر انہوں نے

marfat.com

ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

جن دنوں وطن عزیز میں غیر اسلامی نظریات کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو پیر سید بشیر احمد نے مسلمانوں کی غیرت و حمیت کو جھنجھوڑتے ہوئے انہیں نظریۂ اسلام کی حرمت و تقدس کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا ''اے اہل ایمان ہم نے اسلام کے نام پر جدوجہد کی اور اس جدوجہد میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے۔ ہزاروں مسلمانوں کی عفت و عصمت برباد ہوئی۔ ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کو ہجرت کر کے اپنا تمام مال و اسباب غیر مسلموں کیلئے چھوڑنا پڑا۔ عجیب بات ہے کہ اسی خطۂ اسلامی میں اسلام کے خلاف آواز بلند کی جا رہی ہے۔ اسلام اس ملک کا مقدر ہے اور اسلام کے خلاف تمام نظریات باطل ہمارے لئے ناقابل قبول ہیں۔

آپ کا یہ آوازۂ حق علاقہ بھر کے عوام کی دینی حمیت کو بیدار کرنے کا باعث بن گیا۔

پیر سید بشیر احمد نے پچاس برس تک مسلسل شمعِ رشد و ہدایت جلائے رکھی۔ قرآن پاک اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں گم گشگان راہ کو منزل آشنا کرتے رہے۔ آپ کی تمام زندگی عشق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دلآویز نمونہ تھی۔ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے اسلاف کی تصویر تھے اور زندگی بھر ایمان و یقین سے بھٹکے ہوئے قافلہ حق و صداقت کو صراطِ مستقیم دکھاتے ہوئے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرتے رہے۔ ہزاروں لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر اپنی زندگیوں کو اسلامی کردار کے سانچے میں ڈھال لیا۔

۴ مئی ۱۹۷۳ء بروز جمعۃ المبارک راولپنڈی سے سوہدرہ واپس آتے ہوئے آپ نے وزیر آباد کے نزدیک اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ میت سوہدرہ لائی گئی اور دوسرے روز ہزاروں سوگواروں اور آہوں کے درمیان آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان دنوں سید محمد صفی اعظم جو کہ فرزند اور جانشین ہیں آپ کی جگہ پرچم ایمان و آگہی کی سربلندی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

بلاشبہ آپ ایک پیر طریقت ہی نہیں، صحیح معنوں میں عالم باعمل بھی تھے۔ آپ کی تمام زندگی شعائر اسلامی کے احیاء و فروغ اور مایوس دلوں کو حرارت ایمانی بخشنے کیلئے وقف تھی۔ تمام زندگی آپ کا معمول رہا کہ روزانہ بعد از نماز فجر دو گھنٹے تک قرآن مجید کا عام فہم زبان میں درس دیتے رہے۔ آپ نے تعلیمات قرآنی کی جو روشنی اپنے علاقہ میں پھیلائی تھی، وہ ہمیشہ پرستاران ایمان کیلئے نشان منزل بنی رہے گی۔

marfat.com

حضرت خواجہ دین محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تصوّف ایک ایسا گلشن سدا بہار ہے جس کی خوشبو ہمیشہ اصحاب بصیرت کے مشام فکر کو معنبر کرتی رہی ہے۔ اس گلشن صد رنگ کی جھلک جس کو بھی نصیب ہوئی دنیائے معرفت کا ستارا بن گیا۔ یہ وہ گلشن نور ہے جہاں خود شناسی سے خدا شناسی تک کی منزلیں آسان ہوتی ہیں۔ جہاں فنا فی الرسول کے آداب عطا ہوتے ہیں' جہاں درویشی کے روپ میں شہنشاہی کے آداب عطا ہوتے ہیں' جہاں خاک نشینوں کو کون و مکاں کے اسرار سے آگاہی ہوتی ہے' زمانہ شاہد ہے جن سعید بخت فرزندانِ توحید کو دنیائے تصوّف کی سربلندی نصیب ہوئی وہ حاصل کائنات بن گئے۔ انہوں نے اپنے افعال کو اس طور تقدیر ربانی میں ڈھالا کہ خود پرتوِ تقدیر یزدانی بن گئے۔

اقبال کے لفظوں میں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

صاحب اسرار تصوّف حضرت قبلہ دین محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے پیکر فقر و مستی تھے کہ جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ آپ سلطان دو عالم حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کی تصویر تھے۔ وہ فقر جو غلاموں کو اسرارِ سلطانی عطا کرتا ہے۔ آپ نے تصوّف کے کوچے میں اس شان سے قدم رکھا کہ ہمیشہ کیلئے اسی کے ہو گئے۔ فقر و مستی کی اداؤں کو اپنایا تو اصحاب شوق کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ آپ کا عمل آپ کے قول کی تفسیر تھا' ایسی پاکیزہ زندگی بسر کی کہ روحانیت کا گل کدہ کھلا دیا۔

حضرت خواجہ دین محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۸ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۰ھ میں لاہور ہی میں ترانوے برس کی زندگی میں وصال فرمایا۔ لاہور میں پیدا ہونے والے اس مردِ ایمان کو تصوّف و معرفت کی بلند منزلوں پر فائز کرنے کا فریضہ سرزمین گوجرانوالہ کو مسکن روحانیت بنا کر ایک زمانے کو سلوک کے انوار سے مستنیر کرنے والے غوث العصر حضرت خواجہ محمد عمر قادری عباسی رحمۃ اللہ علیہ (مدفون دربار قادریہ بازار خرداں گوجرانوالہ) نے انجام دیا۔ حضرت خواجہ محمد عمر تو

marfat.com

روحانیت کی دنیا کے وہ پارس تھے کہ جوان سے چھو گیا وہی زرِ خالص بن گیا۔ بے شمار بندگان الٰہ
آپ کے فیوض باطنی کے سبب سے مس خام سے کندن بن گئے' جب حضرت خواجہ دین محمد قادری
اس مردِ مومن کی بارگاہ ولایت میں حاضر ہوئے تو محسوس ہوا کہ کائنات کی ہر نعمت اس درویش
خدامست کے قدموں میں رکھی ہوئی ہے۔ جب آپ سے بیعت ہوئے تو مرشد کا رنگ اس طو
چڑھا کہ انہی کے اندازِ معرفت میں ڈھلتے چلے گئے۔ طریقت کا اصول ہی یہی ہے کہ جب کسی مر
کامل کے ہاتھ ہی ہاتھ دے دیا جائے تو اپنے وجود کو فنا کر کے اسی کی رضا جوئی میں ہی بقا ڈھونڈ
جاتی ہے۔ حضرت قبلہ دین محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے فکری اور نظریاتی طور پر خود کو حضرت خواجہ العص
محمد عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تربیت کے سپرد کر دیا۔ جب منازل سلوک پر فائز ہونے کا وقت
آیا تو غوث العصر خواجہ محمد عمر قادری نے مرید صادق خواجہ دین محمد قادری کو اس شان سے نوازا کہ آپ
سپہر روحانیت پر نجم کامل کی صورت جگمگانے لگے۔

حضرت دین محمد قادری علیہ الرحمۃ ہاتھ سے کما کر کھانے اور کھلانے کے قائل تھے۔ چک
سازی کو ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا جو ملتا اسی سے اپنے خرچ کا اہتمام کرتے' جو بچ جاتا خدا کی راہ میں
خیرات کر دیتے۔

اس فقر و مستی کے عالم میں بھی سخاوت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ سخاوت روحانی بھی تھی اور مادی
بھی اپنے در سے کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا' جس نے جو بھی مانگا آپ نے حسب طلب عطا کر دیا۔

آپ لوگوں کو مرید نہیں کرتے تھے لیکن پھر بھی کئی طلب صادق رکھنے والے خوش نصیب
آپ کے دامانِ ولایت سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے زندگی بھر خود کو کبھی شیخ طریقت یا بڑا پیر نہیں
سمجھا بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ لاہور میں حضرت قبلہ عالم میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا دربار عالی
انوارِ معرفت لٹا رہا ہے۔ جانا ہے تو وہاں جاؤ' راستے میں کیوں ٹھہرتے ہو' یہ آپ کی انتہا درجے کی
عاجزی اور سادگی تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ سچا درویش وہ ہے جو خود کو زمانے کی نمائش اور نمود سے بچا کر
رکھے۔ لیکن خوشبو تو خوشبو ہی ہوتی ہے' اسے آپ جس قدر بلند دیواروں میں چاہے قید کر لیں' وہ اپنا
وجود منوا کر ہی رہتی ہے۔ آپ کی خوشبوئے معرفت پھیلتی گئی اور اصحاب ایمان آپ سے اکتساب
فیض کرتے ہوئے فخر محسوس کرنے لگے۔ آپ حضرت خواجہ محمد عمر قادری سے روحانی نسبت کو اپنی
زندگی کا سب سے بڑا اعزاز تصوّر کرتے تھے اور اکثر یہ شعر آپ کی زبان پر رہتا تھا:

من کہ رو از نیک و بد برتافتم   ایں سعادت از قبولش یافتم

marfat.com

(میں نے ہر اچھے برے سے منہ موڑ لیا ہے اور اے شیخ طریقت آپ کے حضور قبول ہو کر سعادت حاصل کر لی ہے)

حضرت دین محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکیزہ کردار کے حامل انسان تھے۔ درویشی و خدامستی کی تصویر تھے جو وسیع العلمی کے باوجود کمزوروں اور ضعیفوں میں بیٹھتے تھے' اہل فقر سے عاجزی کے ساتھ پیش آتے' بڑوں کی عزت کرتے' چھوٹوں پر شفقت کرتے' سلام میں پہل کرتے۔ سرکشوں' ظالموں' مالداروں اور اللہ کے نافرمانوں کیلئے کھڑے نہ ہوتے۔ آپ کا دل ہمیشہ یادِ الٰہی میں سرمست رہتا۔ اولیائے کرام کے دستور کے مطابق تھوڑا کھانے' تھوڑا سونے اور کم بولنے کے عادی تھے۔ مگر جب بولتے تو ان کے لفظوں سے خوشبو پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی۔ شب بیداری زندگی کا لازمی حصہ بن گئی تھی۔ رزق حلال کو بے پناہ اہمیت دیتے اور دوسروں کو بھی رزقِ حلال کی سختی سے تلقین فرمایا کرتے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آپ حضرت خواجہ محمد عمر قادری عباسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید صادق تھے۔ حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادر اکبر' حضرت خواجہ سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین تھے۔ حضرت سخی احمد یار کا مزار موضع پیروکوٹ میں واقع ہے جبکہ خواجہ محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ بازار خراداں گوجرانوالہ میں آسودۂ لحد ہیں۔ حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادری جب بھی پیروکوٹ کی سرزمین پاک پر حضرت سخی صاحب کے عرس پر یا ویسے ہی حصولِ سعادت کیلئے حاضری دیتے تو آپ بھی ہمیشہ نیاز مندانہ ان کے ہمراہ ہوتے۔ پیروکوٹ پہنچنے کیلئے حافظ آباد روڈ کے راستے جانا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت قبلہ خواجہ دین محمد رحمۃ اللہ علیہ پر ہونے والی خصوصی نوازش ملاحظہ کیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اپنے پیر کامل خواجہ محمد عمر اور فخر الاسخیاء حضرت سخی احمد یار کو خواب میں دیکھا ہے یہ دونوں ہستیاں آپس میں مشورہ فرما رہی تھیں کہ دین محمد کو کہاں جگہ دی جائے تو حضور حضرت خواجہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا عصا مبارک زمین میں گاڑ کر فرمایا کہ یہاں ...... اگر کوئی آپ (سخی احمد یار) کی طرف جائے تو دین محمد راستہ میں ہو اور اگر آپ کی طرف سے کوئی میری طرف آئے تو بھی دین محمد راستہ میں ہو''۔

آپ کے مرید صادق جناب مرزا عبدالکریم قادری بیان کرتے ہیں کہ اس رویائے صادقہ کے بعد حضرت مجھے اس جگہ پر لے گئے اور حضور نے اپنا عصا مبارک بالکل اسی جگہ گاڑ دیا جہاں آج

marfat.com

آپ کا دربار مبارک ہے۔ میں نے دوسرے ہی دن جگہ کی الاٹمنٹ کرائی اور حضور کو اطلاع کر دی۔

حافظ آباد روڈ پر محلہ باغبانپورہ میں آپ کا مزار مبارک سڑک کے کنارے واقع ہے۔ دربار قادریہ کا سبز گنبد دور سے آپ کی روحانی سرفرازی کا ادراک بخشتا ہے۔ حضرت سخی احمد یار کی جانب جانے والے ارادت مندوں کے قافلے آپ کے مزار کے پاس سے گزرتے اور غوث العصر کے مزار تک لوٹتے ہیں۔

ان اصحاب شوق کے ان قافلوں کے پہلو بہ پہلو یقیناً آپ کی روح بھی سفر کرتے ہوئے روحانی طمانیت محسوس کرتی ہوگی۔ یہ تمام تر حقائق دلوں کی وادیوں میں سفر کرنے والوں کے ساتھ ہی پیش آتے ہیں ورنہ عالم مادیت کی کثافتوں میں گم اہل خرد کی ان مقامات تک رسائی کہاں۔ سچ کہا ہے کسی نے:

میانِ عاشق و معشوق رمز یست
کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

آپ کا سلسلہ عالیہ قادریہ کے ساتھ روحانی لگاؤ تھا۔ اسی سلسلہ عالیہ نے آپ کو ہر بلندی سے نوازا تھا۔ آپ مشائخ قادریہ سے غیر معمولی ارادت وعقیدت رکھتے تھے۔ خطۂ پنجاب میں بالخصوص حضرت میاں میر بالا پیر قادری لاہور رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پُر انوار مرجع خواص وعوام ہے۔ ایک واقعہ درج ذیل ہے جس سے آپ کی عاجزی وانکساری اور حضرت قبلہ عالم میاں میر رحمۃ اللہ علیہ لاہوری سے خصوصی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے:

"آپ گپت روڈ پر چک سازی کر رہے تھے تو ایک آدمی وہاں سے گزرا' پہلے تو وہ گزر گیا پھر وہ واپس مڑا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایک دو روز تک متواتر اسی طرح آتا اور کافی دیر تک کھڑا رہتا۔ ایک دن حضور نے کھڑا ہونے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا مجھے آپ سے بڑی عجیب پیاری پیاری مسحور کن خوشبو محسوس ہوتی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسی خوشبو کو محسوس کرتا رہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"تم کو داتا صاحب اور حضرت میاں میر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ راستے کی خوشبوؤں پر ٹھہرا نہیں کرتے"۔

اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ آپ کے وجود سے روحانی مہک محسوس کرنے والی شخصیت مرزا عبدالرحمٰن کی تھی' جنہوں نے آپ کے ارشاد کے موجب داتا گنج بخش رحمۃ

marfat.com

اللہ علیہ اور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے حضور باقاعدگی سے حاضری دی اور پھر حضرت خواجہ دین محمد قادری ہی ہے سے روحانی نسبت کا اعزاز اس شان سے عطا ہوا کہ آپ کے خلیفہ اوّل کہلائے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا......اونشیند در حضور اولیاء

گر تو سنگ خارا و مرمر شوی......چوں بصاحب دل روی گوہر شوی

یک زمانہ صحبت با اولیاء......بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تاریخ شاہد ہے کہ جب مردِ مومن خدا کی رضا میں فنا ہو جاتا ہے۔ اُس کی ہر ادا تقدیر خداوندی کا پرتو بن جاتی ہے۔ اس کی زندگی کا ہر عمل رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ خالق کونین کی رضا جوئی کیلئے بسر ہونے لگتا ہے تو پھر تقدیر یزدانی بھی اسے اس طور نوازتی ہے کہ یہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ اُس کی ہر آرزو مستجاب ہونے لگتی ہے اور اس کی ہر تمنا تقدیر کا فیصلہ بن کر کرامت کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ حضرت خواجہ دین محمد قادری علیہ الرحمۃ نے ''مرضی ٔمولا از ہمہ اولیٰ'' کو زندگی کا مرکز ومحور بنا لیا تھا' اس لئے خالق کونین کی رحمتیں کرامات کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی رہیں۔

آج یہ ولیٔ روشن ضمیر ہمارے درمیان جسمانی طور پر تو موجود نہیں مگر ان کی تعلیمات علم و حکمت کی شمعوں کی صورت جگمگا رہی ہیں۔ دربار عالیہ قادریہ باغبانپورہ حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ بے شمار اصحاب نظر کیلئے قلبی تسکین کا باعث بنا ہوا ہے۔ آپ کے فرمودات اور آپ کے ارشادات شامِ ابد تک دلوں کو عرفان خداوندی کی دولت عطا کرتے رہیں گے۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ماست

marfat.com

حضرت خواجہ پیر محمد بڈھا رحمۃ اللہ علیہ

دادوالی شریف

آپ ۱۹۰۷ء میں داد والی (متصل دھونکل) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دھونکل سے حاصل کی، ثانوی تعلیم کی تکمیل وزیر آباد سے کی۔ آپ کے والد گرامی کا نام خواجہ غلام علی تھا۔ آپ کی روحانی تربیت انہی کے زیر سایہ ہوئی اور اس تربیت کی تکمیل حضرت خواجہ پیر سید محمد حسین آستانہ عالیہ آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ کے فیض نظر سے ہوئی۔ والد گرامی کی وفات کے بعد سارا بوجھ آپ کے کندھوں پر آ گیا۔ گھریلو مصروفیات، دنیاوی تلخیاں اور معاندانہ سرگرمیاں آپ کے پائے ثبات کو ڈگمگا نہ سکیں اور آپ جذب و سلوک اور رشد و ہدایت کی وادیوں میں گامزن رہے۔ آپ نے گرد و پیش کا روحانی تزکیہ ہی نہیں فرمایا، معاشرتی نقطہ نظر سے بھی اپنے علاقے کو سنوارا اور نکھارا۔ صحت، علم اور سفر کی سہولتوں سے اگر آپ کا دیار مالا مال ہے تو یہ آپ ہی کی سعی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ایک رسالہ ماہنامہ "بتیان" داد والی سے جاری کیا، جس کے مدیر آپ کے صاحبزادے علامہ محمد فیض علی فیضی تھے، جو مدتوں مرکزی جامع مسجد راولپنڈی کے خطیب اور رؤیت ہلال کمیٹی کے رکن رہے اور اب وفات پا چکے ہیں۔ یہ جریدہ تبلیغی، علمی، روحانی اور دینی نوعیت کا تھا۔ اس میں بہت ہی بلند پایہ مضامین طبع ہوتے تھے۔ وزیر آباد کا موجودہ پبلک ہائی سکول اور گاؤں کا گرلز سکول آپ ہی کی توجہات سے وجود میں آئے تھے۔

حضرت خواجہ پیر محمد بڈھا رحمۃ اللہ علیہ دو بار حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہو چکے تھے۔ اس سفر میں آپ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم رکاب رہے۔ شیخ سرہند رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ پر بھی آپ کئی بار تشریف لے گئے۔ یہ دونوں حج آپ نے عنفوان شباب میں کئے اور ۱۹۶۱ء میں بھی آپ حج کیلئے تشریف لے گئے تھے۔

آپ کی زندگی انتہائی سادہ اور پُر وقار تھی۔ آسودگی آپ کے دروازوں پر دستک دیتی تھی مگر آپ کا فقراُ سے درخور اعتنا نہیں سمجھتا تھا۔ طبیعت میں جلال تھا، خلاف شریعت حرکات برداشت نہ کر

marfat.com

سکتے تھے اور آپ کی محفل میں کسی کو جرأت بھی نہ ہوتی تھی' دستر خوان وسیع تھا اور آپ کے دل کی وسعتوں کا اندازہ کوئی اہل دل ہی کر سکتا تھا۔

آپ کے پاس ہر مکتبہ فکر کے لوگ حاضری دیتے تھے۔ غریب بھی کہ انہیں غیرت کا درس ملتا تھا۔ امیر بھی کہ ان کے دل کی تنگیوں کو کشادگی عطا ہوتی تھی۔ اہل دل بھی کہ انہیں بصیرت و شریعت کی رفعتیں نصیب ہوتی تھیں اور گردوں وقار اور جلالت مآب بھی...... مگر تاج و تخت والوں کا فقیروں کی محفل میں آنا' فقیروں کی عظمت کی سند نہیں ہوا کرتا' تاریخ نے تخت و تاج کو قلندروں کی بارگاہ میں ہمیشہ سرنگوں' دست بستہ اور دامن پھیلائے دیکھا ہے۔

ہر قلندر کے در غربت پر
تاج محتاج کرم دیکھا ہے

اور یہ بے تاج بادشاہ جو دلوں پر حکومت کرتے ہیں' ان کی موجِ نفس ازل سے دلوں کے بجھتے چراغوں کو روشنی عطا کرتی رہی ہے۔ ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء کو روحانی دنیا کا یہ روشن چراغ قبر کی تاریکیوں میں اُتر گیا مگر قبر کی گہرائیاں' روح کی دولت کو کب افسردہ کر سکتی ہیں' قبر تو اس قوت آشفتہ کی شیرازہ بند ہے جو پھلتی' پھولتی اور پھیلتی ہے یہاں تک کہ گردن گردوں میں اپنی کمنڈ ڈال دیتی ہے۔

مُفَسِّرِ قرآن

مولانا محمد عمر رتالوی رحمۃ اللہ علیہ

تبلیغ دین کا مقدس فریضہ اصحاب ایمان نے ہر دور میں انجام دیا ہے۔ ان برگزیدہ شخصیات نے برصغیر پاک و ہند کے ایک ایک گوشے کو نور ایمانی سے منور کر دیا۔ اپنی تقریروں، تحریروں اور شعری و ادبی صفات کی بدولت ان مبلغین نے اسلامی عقائد و نظریات کی تبلیغ و ترویج کو زندگی بھر اپنا مقصد اولیٰ تصور کئے۔ یہ شخصیات ہر قسم کی نمود و نمائش، پروپیگنڈا، تشہیر اور ناموری کا اعلان کئے بغیر محض رضائے خداوندی اور خوشنودئ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہمیشہ سرگرم عمل رہیں۔ انہوں نے دور دراز کے دیہات کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر یہاں علم و حکمت کے وہ گلزار کھلائے کہ ان کی خوشبوئے جان نواز اب تک دلوں کو ایمان و یقیں کی غیر فانی مہک عطا کر رہی ہے۔

حضرت مولانا مولوی محمد عمر رتالوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی انہی محسنین علم و حکمت میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد حضرت مولانا محمد عبد اللہ درویش تھے۔ آپ رتالی ورکاں (ضلع گوجرانوالہ) کے معروف کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان شروع ہی سے علم و فیض کا منبع اور رشد و ہدایت کا مرکز تھا۔ طالبانِ علم دور دراز سے آپ کے بزرگوں کے پاس تحصیل علم کیلئے آیا کرتے۔ اس طور تدریس علوم دین اس خاندان کا کئی مدتوں سے شعار حیات رہا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں سے حاصل کی۔ پھر مروجہ دینی تعلیم کے حصول کیلئے دور دراز کے شہروں کا رُخ کیا اور وہاں کے معروف دینی مدارس سے اکتساب فیض کیا۔ مختلف علمائے کرام سے دینی و روحانی برکات حاصل کرتے ہوئے آپ دہلی جا پہنچے اور وہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ عالیہ میں اکتساب فیض کیلئے داخل ہو گئے۔ مقررہ مدت تک حصول تعلیم کے بعد اپنے آبائی گاؤں رتالی ورکاں میں تشریف لے آئے اور اپنے گاؤں کو مرکز تدریس بنا کر علاقہ بھر کے متلاشانِ علم و حکمت کو زیور علوم دینیہ سے آراستہ کرنے لگے۔

علوم دین کی تکمیل ہو چکی تو آپ کو علم طریقت میں راہنمائی کیلئے کسی مردِ یگانہ کی جستجو نے آ

marfat.com

لیا۔ مختلف مشائخ کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے آلو مہار شریف کے دانائے راز حضرت پیر سید محمد امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا پہنچے۔ پہلی حاضری میں ہی گوہر مقصود کے مل جانے کا احساس ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب سے باقاعدہ بیعت ہو گئے۔ شمع تیار ہو چکی تھی' اب اسے دیا سلائی دکھانے کی ضرورت تھی۔ حضرت پیر سید محمد امین شاہ بھانپ گئے کہ ان کے پاس حاضری دینے والا صاحب علم و حکمت ہے اس لئے انہوں نے مولوی محمد عمر کی روحانی تربیت پر خصوصی توجہ دی اور بہت جلد مولوی صاحب سوز و ساز روحانی کی دولت عظیم سے بہرہ ور ہو گئے۔ شیخ نے انہیں خلافت عطا کرتے ہوئے رتالی ورکاں میں فیوض روحانی عام کرنے کی تلقین فرمائی۔

اب رتالی ورکاں میں آپ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی۔ آپ اپنے طالب علموں کو علوم دینی بھی پڑھاتے اور انہیں اپنی زندگیاں سنت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کے آداب بھی سکھاتے۔ آپ خود بھی صاحب طریقت و شریعت تھے۔ اس لئے آپ کے تلامذہ اور متعلقین بھی تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بن گئے۔ آپ کی زبان میں تاثیر تھی اس لئے آپ جس پر توجہ فرماتے وہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیروکار بن جاتا۔

قدرت نے آپ کو شاعری کا ذوق بھی ودیعت کر رکھا تھا۔ آپ اپنی تعلیمات اور ارشادات کو آسان پنجابی اشعار میں ڈھال کر عوام الناس کے سامنے پیش کرتے تو عوام کے دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اسی اثناء میں آپ کے مرشد حضرت محمد امین شاہ صاحب نے آپ سے فرمائش کی کہ اپنی شعری صلاحیتوں کو پورے خلوص سے بروئے کار لاتے ہوئے قرآن پاک کی منظوم تفسیر پنجابی میں تحریر کریں۔ آپ نے اپنے شیخ طریقت کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اس کام کا آغاز کر دیا۔ آپ نے حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تقلید میں اپنے پیرو مرشد کے نام پر اس تفسیر کا نام تفسیر محمد امینی رکھا۔ آپ نے اپنی زندگی ہی میں اس تفسیر کا کچھ حصہ طبع کروایا۔ پہلی جلد پانچ سیپاروں کی پنجابی منظوم تفسیر پر مشتمل تھی' جس کا سن اشاعت ۱۳۱۸ھ ہے۔ اس کے صفحہ اوّل پر اس کا عنوان یوں رقم ہے:

قرآن مجید مترجم پنجابی مع تفسیر نور علیٰ نور

تفسیر محمد امینی پنجابی

یہ پہلی جلد جو ہمیں آپ کے خاندان کے فاضل رکن جناب پروفیسر عزیز الرحمٰن کی وساطت سے میسر آئی ہے۔ بڑی تقطیع کے ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آیات کے نیچے پنجابی ترجمہ دیا

marfat.com

گیا ہے جبکہ حاشیہ میں منظوم تفسیر ہے۔ اس جلد کے اختتام پر مولانا محمد عمر رقمطراز ہیں:

بلافخر گذارش ہے اور اللہ کو معلوم ہے اور روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ کس رُتبہ کا ترجمہ اہل زبان میں ہے۔ یہ ترجمہ ماشاء اللہ بہت صاف صاف تحت لفظی' بامحاورہ اور اہل زبان پنجاب ہوا ہے۔ توفیق الٰہی سے پارہ پارہ چھپتے رہیں گے۔ شائقین کو لازم ہے کہ اس کی اشاعت بڑھائیں۔ اب تفسیر کے پانچ پارے چھپ چکے ہیں اور چھٹا ماشاء اللہ زیر طبع ہے۔ اللہ تمام کرے۔ والدعا۔

احقر من عباد اللہ فقیر محمد عمر بن عبد اللہ درویش رتالیہ

قرآن کریم کی منظوم تفسیر علم و ادب کا بہت بڑا شہکار ہے۔ آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ جس کی نظیر محال ہے۔ آپ اور بھی بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے اربعین نووی کی تشریح بزبان پنجابی فرمائی۔ آپ کی بیشتر کتب امتداد زمانہ کے ہاتھوں عنقا ہیں۔ آپ کی اولاد میں بڑے بڑے عالم اور عابد و زاہد لوگ گزرے ہیں۔ آپ کی بدولت رتالی ورکاں ایک طویل عرصہ تک رشد و ہدایت کے خزانے لٹاتا رہا ہے۔ آپ کی اولاد نے آپ کے روحانی مشن کو مدتوں سربلند رکھا ہے۔ ابھی حال ہی میں آپ کی اولاد میں سے مولانا حاجی عبدالقادر کا انتقال ہوا ہے جو زہد و تقویٰ کی تصویر تھے اور جن کی زبان پر وقت آخر بھی آیات قرآنی اور کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔ حاجی عبدالقادر مرحوم کے انتقال پر پورا علاقہ رنج و اندوہ کی گہرائیوں میں کھو گیا۔ ان کے اُٹھ جانے پر پورے علاقہ نے جس شدت سے غم و اندوہ کا اظہار کیا۔ اس سے مولانا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ حاجی صاحب فی الواقع شعائر ایمانی کی تفسیر اور اپنے اسلاف کی روحانی عظمت کا نمونہ تھے۔ آپ مولانا محمد عمر کی روایت دہرائے ہوئے علاقہ میں علمی و روحانی جواہر بکھیرتے رہے۔

تفسیر محمد امینی جہاں علمی و روحانی لحاظ سے متاع بے بہا ہے وہاں ادبی و شعری لحاظ سے بھی لائق صد تحسین ہے۔ آپ نے تفسیر کے دوران اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ شاعری کے اسلوب میں قرآنی تفسیر کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔ آپ کی شاعری پُر تاثیر اور دلوں کو گدازِ شوق بخشنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو اپنے دور میں غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور اہل ایمان نے اسے سرمایۂ بصیرت بناتے ہوئے اس سے اکتساب فیض کرنے کو سعادت جانا۔ اب ہم نمونہ کلام کے طور پر آپ کی اس تفسیر کے مختلف مقامات سے چند اقتباسات نذر قارئین کر رہے ہیں تا کہ ادب ذوق حضرات اور اہل ایمان کو اس تفسیر کی علمی و ادبی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے۔

marfat.com

صحبت نیکاں

صحبت اولیا واں دی سارے مومن وا جب جانوں
اصحاب صفہ نبی دی صحبت رکھدے تسیں پچھانوں
صحبت پیراں کامل اکمل خاص رسولی جانوں
کیوں جو ایہہ رسولی نائب تسیں یقینوں مانوں
جدوں اللہ پیغمبر ساڈے رحمت نال بلایا
خیر الرسل ہوئے اوہ سانوں خیر الامم سنایا
صحبت نیکاں دی جے کرسو آخر نیکی پاؤ
ہو رحشر نوں سنگ انہاندے تسیں اٹھاندے جاؤ
بریاں صحبت کرنی ہر گز لائق نائیں بھائی
جوئیں چال رسول موافق اوہو بُرا ایہائی

حقیقی دوست

کافر مومن دشمن ظاہر یاری روا نہ آئی
خود اللہ فرماندے ایہن ویکھ کتاب الٰہی
زبانی نانی جانی یاری ترے قسماں ہے جانوں
زبانی دار مدار زبانی رکھدے تسیں پچھانوں
نانی تیرے نانی دوست جد تک نانے پاون
رات دن اوہ منہ تیرے تے گاوَن تیرے گاوَن
جانی یاراں حال سنائیں جو سرورتے بھائی
اوہ تے تیرے یار جانی نیں بھید نہ رکھیں کائی
ایسے تیرے کم آون گے اندر حشر دیہاڑے
جس دن یار نہ کم آون پر آون متقی بھارے

marfat.com

حضرت قبلہ پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے ظلمت کدوں کو نور ایمان سے منور کرنے کیلئے سب سے اہم کردار ان صوفیائے کرام نے ادا کیا ہے' جنہوں نے اپنی پوری زندگی ترویج مذہب اور اشاعت دین کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ یہ صوفیائے کرام عظمت توحید کے علمبردار اور عشق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے تھے۔ تبلیغ دین سے بڑھ کر انہیں کوئی مقصد عزیز نہیں تھا اور خدمت اسلام سے بڑھ کر انہیں کسی نصب العین سے پیار نہیں تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں پہلی شمع اسلام روشن کرنے والے بزرگانِ دین سے لے کر اب تک مختلف ادوار میں بے شمار صوفیائے کرام اور مشائخ عظام نے ظلماتِ باطل کے خاتمہ کیلئے نورِ ایمان کی ایسی لاتعداد شمعیں روشن کی ہیں' جن کی تابانیوں سے قلوب اُمت اسلامیہ اب تک روشن اور منور ہیں۔ حضرت پیر قبلہ محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ بھی صوفیائے کرام کے اس عظیم سلسلے کی کڑی تھے۔

حضرت پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۱ء کو ضلع جہلم کے موضع ملوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جہلم میں ہی حاصل کیا۔ آپ کے والد صوفی محمد نصر اللہ' صوفی منش اور درویش صفت آدمی تھے۔ وہ اپنے بیٹے کی اخلاقی تربیت اور بلندئ کردار کی خاطر خصوصی توجہ فرماتے رہے۔ اس طرح پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے وہ ماحول میسر آیا جس نے ان کے روحانی مدارج میں سربلندی کیلئے اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے نمایاں حیثیت سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا تو طبیعت میں روحانیت کا جذبہ بیکراں انہیں تلاش شیخ کیلئے بے چین کرنے لگا۔

تعلیم سے فراغت کے فوری بعد حضرت پیر سید مستان علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جو کچا کھوہ چک ۱۴ شریف ضلع ملتان میں مقیم تھے۔ ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہی آپ کو یوں محسوس ہوا' جیسے بے چین روح کو قرار آ گیا ہو اور قلب بے تاب نے اپنی منزل ڈھونڈ لی ہو۔ چنانچہ آپ حضرت پیر سید مستان علی شاہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو گئے۔ آپ روحانی سلسلے کے لحاظ سے قادری اور مشرباً چشتی تھے۔ شیخ کامل کی نگاہ فیض نے اپنے اس مرید کے

marfat.com

مقام باطنی کو فوراً ہی پہچان لیا اور چند معمولات اور اوراد کی ادائیگی کی تلقین کے ساتھ ہی انہوں نے آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرما دیا۔ بیعت کے پہلے دن ہی خلافت سے سرفرازی بلاشبہ مرید صادق کے روحانی مقام کی رفعت کی دلیل روشن ہے۔

پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ کو مرشد کی نگاہ فیض ترجمان نے اس قدر بے خود سرشار کر دیا کہ ان پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس جذب و مستی نے انہیں خرد کی تنگنائی سے ماورئ کر دیا۔ قریباً چودہ برس آپ اس کیفیت جذب و سرمستی میں غرق رہے لیکن اس جذب و سرمستی کے عالم میں بھی شیخ کی محبت اور شریعت کی سربلندی انہیں ملحوظ خاطر رہی اور بلاناغہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہے۔ آپ نے قریباً چالیس برس صبح و مسا اپنے شیخ حضرت پیر سید مستان علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں بلاناغہ حاضری دی۔ اپنے شیخ کی دعاؤں سے سرفراز ہوتے رہے اور روحانی سربلندیاں ان پر پیہم نچھاور ہوتی رہیں۔ آپ نے اپنے دادا پیر حضرت شاہ عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بھی دیکھا ہے جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت روحانی پیشوا تھے۔ ان کا مزار گارڈن ٹاؤن بستی جیون خانہ لاہور میں ہے۔

اپنی صلاحیتوں، زہد و تقویٰ اور خلوص و عقیدت کی بناء پر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ صرف اپنے شیخ کی آنکھوں کے ستارے ہی نہیں تھے بلکہ آپ کے دادا پیر بھی آپ سے انتہائی شفقت فرماتے اور آپ کو مسلسل اپنی دعاؤں سے نوازتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ گھر میں تشریف فرما تھے۔ دیکھا کہ شیخ محترم حضرت سید مستان رحمۃ اللہ علیہ علی شاہ اپنے پیر طریقت حضرت شاہ عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھوں میں ایک بھاری تھیلا اُٹھا رکھا تھا۔ حضرت محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ انہیں دیکھتے ہی فرطِ اشتیاق سے آگے بڑھے اور عرض کیا ''حضور یہ تھیلا مجھے دیجئے میں اُٹھا لیتا ہوں''۔ انہوں نے جواب میں فرمایا ''یہ تھیلا آپ کا ہی ہے لیکن ہم خود اُٹھائیں گے''۔

اس جملے سے ہی حضرت شاہ عبدالشکور کی شفقت کریمانہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے لئے انتہائی عزیز ہے اس لئے ہم اس کا ہر قسم کا بوجھ خود اُٹھائیں گے۔ پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اس معنی خیز جملے کا مطلب سمجھ کر فوراً اظہار تشکر کیلئے آپ کے قدموں میں جھک گئے۔

marfat.com

آپ کو داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے بڑی عقیدت تھی۔ اپنے مواعظ اور تقاریر میں اکثر آپ کا تذکرہ فرماتے۔ داتا صاحب کی تعلیمات اور ارشادات کو مؤثر انداز میں اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کے سامنے پیش کرتے۔ دربار حضرت داتا صاحب میں اکثر حاضری دیتے اور وہاں طویل عرصہ مراقبہ بھی فرماتے۔ آپ کا یہ سالانہ معمول تھا کہ ہر سال ماہ رمضان میں نماز تراویح کی باجماعت ادائیگی دربار داتا صاحب کی مسجد میں فرماتے۔ اپنے مریدین کو بھی داتا صاحب کے مزار پر پابندی سے حاضری کی تلقین فرماتے۔ آپ داتا صاحب کے مقام روحانی کو بخوبی سمجھتے تھے اور تبلیغ اسلام اور فروغِ دین کی خاطر داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے جو خدمات انجام دی تھیں' ان کا اکثر ذکر فرماتے رہتے تھے۔

زندگی کے آخری مہینوں میں آپ کے دماغ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ قریباً ڈیڑھ ماہ شدید بیمار رہے' علاج جاری رہا اور خدا کے فضل و کرم سے آپ شفایاب ہو گئے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپ کو پھر وہی عارضہ لاحق ہو گیا۔ ۱۴ فروری ۱۹۸۴ء کو رات کے دس بجے آپ کو سخت تکلیف کا احساس ہوا۔ رات اسی تکلیف میں بسر ہوئی۔ وقت سحر اپنے جملہ متعلقین کو جو وہاں موجود تھے پاس بلا لیا اور سب کو کلمہ طیبہ کا ورد کرنے کی تلقین کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ ''رونا نہیں'' اور پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ کو فوراً یو سی ایچ لاہور میں لے جایا گیا مگر ڈاکٹر کی سخت توجہ اور علاج کے باوجود آپ شفایاب نہ ہو سکے اور اسی مرض الموت میں آپ کا ۱۵ فوری ۱۹۸۴ء کو بوقت سحر انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ یہ بدھ کا دن تھا اور اسلامی کیلنڈر کے مطابق آپ کی تاریخ وفات ۱۲ جمادی الاوّل ۱۴۰۴ھ بنتی ہے۔

پیر محبت علی شکوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب طریقت و معرفت ہی نہیں تھے بلکہ علوم شریعت پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ رمز آشنائے عرفان تھے' عالم باعمل تھے۔ مذہبی امور میں امورِ شریعت کو ہمیشہ مقدم رکھا اور اپنی تمام زندگی شریعت محمدیہ کی تعمیل میں بسر کی۔ اپنے مریدوں اور ارادت مندوں کو شریعت کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی سختی سے تلقین فرماتے۔ سفر میں ہوتے یا حضر میں' بڑے اجتماع میں ہوتے یا چند نیازمندوں کے جھرمٹ میں ہمیشہ نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے اور خود مصلّٰی پر کھڑے ہو کر امامت فرماتے۔ یہ آپ کی تعلیمات کا ہی فیضان ہے کہ آپ کے مریدوں میں سنت حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مطابق زندگی گزارنے کا شدید جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔

آپ اخلاص و عمل' مہر و محبت اور شفقت و رحمت کے پیکر تھے' جو آپ سے ایک بار ملتا ہمیشہ

marfat.com

ہمیشہ کیلئے آپ کی شفقت کریمانہ کا اسیر ہو جاتا۔آپ کی جاں نواز شخصیت میں ایسی روحانی کشش تھی کہ اہل دل بے اختیار آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔تشنگان روحانیت ہوں یا طالبان حق و صداقت' اصحاب علم وفضیلت ہوں یا ارباب ایمان و یقیں سب کو آپ کی خدمت میں حاضری دے کر غیر معمولی سکون قلبی اور اطمینان حاصل ہوتا۔حق تو یہ ہے کہ اس ظلمت کدہ ہستی میں آپ کی ذات ایک ایسی شمع فروزاں کی مانند تھی جس نے اپنی ایمانی روشنی سے بے شمار انسانوں کے دلوں کو منور کیا اور اب جبکہ آپ جسمانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو آپ سے نسبت روحانی رکھنے والے اب بھی اپنے دلوں میں آپ کی تعلیمات اور ارشادات کی چمک دمک اور ضیاپاشی محسوس کرتے ہیں۔آپ کی لازوال تعلیمات اور ابدی فرمودات کی صورت میں اب بھی آپ کا فیض جاری ہے اور اہل دل اسی چشمہ فیض سے اب بھی روحانی شادکامی حاصل کر رہے ہیں۔

بعد از وفات تربتِ مادر زمیں مجو
دَر سینہ ہائے مردم عارف مزارِ ما

marfat.com

مشہور مصنف مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ

وہ بزرگ جن کا تعلق امرتسر سے رہا ہے۔ ان کیلئے یہ نام نیا اور بیگانہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا مانوس نام ہے جس کے گرد علم و فضل گھومتا تھا۔ یہ وہ شخصیت تھی جسے عربی کی بلاغتوں اور رفعتوں تک کماحقہٗ رسائی تھی وہ فارسی زبان کی حلاوتوں سے آشنا تھی اور اُردو جس کی باندی تھی۔ ان کو تبحر علمی اور بصیرت دینی کا اعتراف ہر کس و ناکس کو ہے۔ انہوں نے تحقیق و جستجو کے میدان میں ایسے موتی بکھیرے ہیں کہ ان کی چمک گردش ایام کی سنگیتوں پر بھی خندہ زن ہے۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے' ان کے شاگرد برصغیر میں بکھرے ہوئے ہے' ان کی شخصیت اس قدر بارعب تھی کہ ان تک ہر ایک کو رسائی نہیں تھی۔ امرتسر میں انہیں ایک ایسا علمی سمندر کہا جاتا تھا جس کی غواصی ہر کہ ومہ کے بس کی بات نہ تھی۔ گوجرانوالہ کی ایک بزرگ علمی شخصیت جناب خواجہ محمد اسحاق کا کہنا ہے کہ ان کے ہزاروں شاگرد تھے مگر آسی صاحب اتنے لئے دیئے رہتے تھے کہ تقرب کا شرف ہر ایک کو نہ تھا۔ صرف خواجہ عبدالرحیم بارایٹ لاء (مرحوم) ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے بطور شاگردان سے بہت کچھ لے لیا اور وہ بھی ان پر مہربان تھے مگر بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ مولوی محمد عالم آسی گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اکثریت انہیں امرتسر کا باشندہ سمجھتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ امرتسر میں گزارا اور وہیں وات کے بعد دفن ہوئے۔ ہمیں بھی ان کے ''گوجرانوالوی'' ہونے کا علم جناب حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی ؒ کی معروف کتاب ''انقلاب الحقیقت'' کے مطالعہ سے ہوا۔ حضرت بیربلوی سکون قلب کے متلاشی اور کسی مردحق کو کے جویا تھے۔ ایسی تلاش میں وہ اپنے فاضل دوست مولوی محمد عالم آسی کے پاس امرتسر بھی گئے اور جناب آسی ہی نے انہیں شرقپور شریف میں حضرت میاں شیر محمد کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا تھا اور وہیں سے حضرت بیربلوی کو بصورت و بصیرت کی وہ روشنی ملی کہ شکوک وشبہات کی ظلمتیں نور کا لباس پہن کر وحدت کے سانچے میں ڈھل گئیں اور ان کا وجود رشد و ہدایت' فکر و نظر اور سوز و گداز کا ایک ایسا مرکز محور ہو گیا' جس سے ایک عرصہ تک بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم' تشکیک زدہ ذہنوں کو فکری آسودگی'

marfat.com

سرگرداں عقل کو منزل کا احساس اور قلب و نظر کی گمراہیوں کو قرار و نور کی دولت ملتی رہی اور کتنے ہی تشنہ دہان، ان کے چشمہ فیوض و برکات سے سیراب ہوتے رہے اور یہ عظیم شرف جناب آسی ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے صاحبزادہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کو جناب شرقپوری کی طرف متوجہ کیا اور یوں ایک شخصیت خود بھی سنبھلی اور بہت سے گرتے ہوؤں کو بھی سنبھالتی اور تھامتی چلی گئی۔

مولانا آسی، موضع راکھوسیداں ضلع گوجرانوالہ[1] میں ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔

مدرسہ نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولوی عالم، مولوی فاضل زبدۃ الحکماء، حکیم صاذق، ادیب فاضل اور مختار عدالت وکالت وغیرہ کے امتحانات پاس کئے۔ آپ حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ اسلامیہ سکول امرت سر میں عربی کے استاد تھے۔ تمام عمر وہیں گزری، بہت بڑے عالم تھے۔ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۳۶۳ھ میں بمقام امرتسر واصل بحق ہو کر مدفون ہوئے۔

''الکاویۃ علی الغاویہ'' آپ کی ایک معروف تصنیف ہے جو تحقیق و جستجو کا ایک نادر نمونہ ہے، اس میں چودھویں صدی ہجری کے ان مدعیانِ نبوت کے مختصر تاریخی حالات ہیں۔ جنہوں نے امام الزمان، مسیح وقت، محمد ثانی اور کرشن و مظہر الٰہی، بن کر قرآنی تعلیم کو بدلتے ہوئے الگ الگ اپنا دستور العمل مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے اپنی تعلیم کو مدار نجات قرار دیا۔ لیکن تحقیق پسند مسلمانوں نے بڑے زبردست دلائل کی روشنی میں ان کی تعلیم کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اس کے علاوہ ان قرامطہ و ملاحدہ کا تذکرہ بھی ہے، جنہوں نے ساتویں صدی ہجری کے ماحول میں دعوائے نبوت اور ترمیم و تنسیخ کر کے اسلام پیش کیا اور جن میں حسن بن صباح اور دروزی زیادہ تر مشہور ہیں[2]۔

گویا یہ کتاب چودھویں صدی ہجری کے مدعیان نبوت کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کتاب کے حصہ دوم کے صفحہ ۵۵۰ پر گوجرانوالہ کے ایک مدعی نبوت سید محبوب عالم شاہ کا ذکر ہے، جن کی الہامی کتاب کا نام ''امام حقیقی'' تھا، جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ پنجاب میں پنجابی نبی بھی آ سکتا ہے۔

رموز الاجزاء آپ کی ایک مفید کتاب ہے، جس میں عربی صرف و نحو کی ابتدائی اصطلاحات کو آسان اُردو میں بطورِ جدید اور بطرز قدیم نظماً اور نثراً بیان کر کے، طلبہ کی مشکلات کو حل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح منظومۃ النحو بھی ان کی ایک کاوش ہے جو دراصل شرح مائۃ عامل عبدالرسول (فارسی) کل اردو نظم میں ترجمہ و تشریح ہے اور وہ مسائل بھی ہیں جو مائۃ عامل نہیں تھے، اسی طرح کتاب

---

(۱) بحوالہ رسالہ سلسبیل اگست ۱۹۸۲ء (۲) الکاویۃ علی الغاویہ مطبوعہ تمبر ۱۹۳۴ء

marfat.com

الصرف جدید اور کتاب النحو جدید بھی۔ ان کی کتابیں ہیں جو اپنے دور میں عربی زبان کی تحصیل کیلئے لازمی سمجھی جاتی تھیں۔ دور حاضر تو الا ماشاء اللہ عربی کی بلاغتوں' نزاکتوں اور گہرائیوں سے نا بلد ہے۔ فارسی کا بھی ذوق اُٹھ گیا ہے' عربی تو دور کی بات بھی ہے...... اور اب کہاں مولوی محمد عالم آسی کی سی شخصیات کہ جو عربی کی بحر نا پیدا کنار کے اسے غواص تھے کہ ان کا وجود خود اہل زبان کیلئے وجہ فخر و ناز تھا اور اب تو وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا ہے جس میں ایسے نابغہ وجود ڈھلا کرتے تھے۔ اس لئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ''آج تعلیم بڑھ گئی ہے علم گھٹ گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سائے بڑھ کر طویل ہوتے جا رہے ہیں اور انسان ٹھگنے اور بونے ہو کر گھٹتے چلے جا رہے ہیں اور شاید اسی کا دوسرا نام قحط الرجال ہے۔

آہ! یہ انسانوں کی بستی آہ کہاں انسان
چلتے پھرتے سایوں سے ہیں بام و در آباد

marfat.com

مسند آرائے علم وحکمت

علامہ مفتی بشیر حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ

علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا وجود رہ نوردان جادۂ شوق کیلئے منارۂ ہدایت سے کم نہیں ہوتا۔ ان کی تعلیمات' ان کے مواعظِ حسنہ اور ان کے پند ونصائح بلاشبہ اہل ایمان ویقین کیلئے سرمایۂ اعزاز ہوتے ہیں۔ یہ علمائے کرام دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان اور ناموس حق و صداقت کے پاسدار ہوتے ہیں۔ ان کی گفتار ان کے کردار کی گواہی اور ان کا روشن کردار ان کے اعجازِ نطق کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ پاکیزہ نفوس زندگی بھر اقدارِ اسلامی کے فروغ اور دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سربلندی کیلئے کوشاں رہتے ہیں اور وصال کے بعد ان کی تعلیمات کی روشنی نشانِ منزل بن کر تیرہ وتار دلوں میں جگمگاتی اور اُجالے بکھیرتی رہتی ہے۔

مولانا مفتی بشیر حسین بھی اسی قافلۂ علم وعمل کے ایک رکن رکین تھے' جنہوں نے اپنی تمام زندگی اتباع شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور تبلیغ واشاعت اسلام کیلئے وقف کر دی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت بڑے عالم دین تھے' علوم قرآنی کے ماہر اور علم حدیث کی عظمتوں کے آشنا تھے۔ بہترین خطیب اور علوم اسلامیہ پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔ جمیت اسلامی سے بہرہ ور اور تحریک پاکستان کے مثالی کارکن تھے' نامور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تحفظ ناموس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست علمبردار تھے۔ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے مفتی اسلام بھی تھے کہ جن کی رائے علمی حلقوں میں ہمیشہ احترام وتوقیر سے دیکھی جاتی تھی۔

آپ ۱۹۰۷ء میں قصبہ رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مفتی محمد دین رحمۃ اللہ علیہ معروف عالم دین اور وہاں کے ہائی سکول میں عربی کے استاد تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنے خاندان سمیت گوجرانوالہ میں رہائش اختیار کر لی۔ مفتی صاحب نے گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ سے میٹرک کرنے کے بعد والد محترم سے دینی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔ والد محترم کے علاوہ مولانا محمد چراغ سے بھی علوم دینیہ کی تحصیل کرتے رہے۔ ۲۵ برس کی عمر تک بیشتر علوم دینیہ پر عبور

marfat.com

حاصل کر چکے تھے۔

پھر علوم دینیہ کی مزید تحصیل کا شوق انہیں دارالعلوم دیو بند تک لے گیا۔ آپ وہاں دل لگا کر پڑھتے رہتے، وہاں تحصیل علم کے علاوہ جو فارغ وقت بچتا، اس میں مختلف بزرگانِ دین کے مزاروں پر حاضری دینے چلے جاتے۔ اسی دوران میں ایک دفعہ حضرت علی احمد صابر کلیر شریف کے دربار میں حاضری کیلئے گئے تو اچانک حالت مراقبہ میں صاحب مزار کی زیارت نصیب ہوئی، انہوں نے دست شفقت مفتی صاحب کے سر پر پھیرا۔ مفتی صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ پیر کلیری کے دست شفقت ہی کا فیضان تھا کہ میری قوت حافظہ پہلے کی نسبت بہت بڑھ گئی اور علم قرآن وحدیث کے حصول کے سلسلہ میں میری بہت سی مشکلات حل ہو گئیں۔

آپ کا خط تحریر اتنا خوبصورت تھا کہ الفاظ نگینوں کی طرح بکھرے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ایک دفعہ دارالعلوم دیو بند میں امتحان کے دوران میں آپ نے اپنے پرچے اس قدر خوشخطی سے تحریر کئے کہ آپ کے ممتحن حیران رہ گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ اس طالب علم نے یہ اوراق کتابوں سے پھاڑ کر لگا دیتے ہیں۔ ممتحن حضرات نے انہیں بلا کر اپنے سامنے لکھنے کا حکم دیا۔ آپ نے ان کے سامنے پھر اسی خوبصورت انداز سے لکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی بلندیٔ درجات کیلئے دعا کی۔ آپ نے درالعلوم دیو بند کے سالانہ امتحان میں اوّلین پوزیشن حاصل کی اور آپ کی تعلیمی قابلیت کے پیش نظر آپ کو ایک علیحدہ تعریفی سند بھی دی گئی۔

دینی تعلیم کے حصول کے بعد مرشد کامل کی تلاش کے سلسلہ میں شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے گوہر مراد پا لیا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کیا اور آپ کو اپنی بہترین دعاؤں سے نوازتے ہوئے تعلیمات اسلامیہ کی ترویج وتبلیغ کی تاکید کی۔ آپ تمام عمر اپنے مرشد روحانی کے اس فرمان کی بجا آوری کے سلسلہ میں مصروف عمل رہے۔

انہوں نے سب سے پہلے کھیالی دروازہ والی مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دینا شروع کئے اور پھر شہر سے باہر عید گاہ گراؤنڈ اور جنازگاہ میں جمعہ پڑھانا شروع کیا۔ یہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کی دعاؤں کا فیضان تھا کہ اطراف واکناف سے لوگ دیوانہ وار ان کا وعظ سننے آنے لگے اور بہت جلد آپ کے علمی مقام اور انداز خطابت کی دھوم مچ گئی۔ اُردو کے علاوہ پنجابی میں تقریر کرنا آپ پر ختم تھا۔ آپ کا لہجہ انتہائی دلکش اور اندازِ بیان ایسا موثر تھا کہ آپ کی ہر تقریر سامعین کے

marfat.com

دلوں کی دھڑکنوں میں ڈھل جاتی تھی۔

عوام کا اشتیاق اور حاضرین کی والہانہ عقیدت دیکھ کر آپ کو اسی جگہ پر جامع مسجد بنانے کا خیال آیا۔ ایک رات آپ کے ایک ساتھی کو خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ استفسار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مفتی بشیر حسین کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ صبح کو اس شخص نے یہ خواب آپ سے بیان کیا تو آپ نے قبرستان کے پاس وسیع رقبہ (جس کے سامنے عطا محمد ہائی سکول واقع ہے) خریدا اور اسی دن مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا اور پھر بہت جلد اس شہر کی یہ عظیم الشان مسجد ''الجامعۃ الغوثیہ'' کے نام سے تکمیل کے مراحل طے کرنے لگی۔

ضلع گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے آپ نے شبانہ روز کام کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح دو دفعہ گوجرانوالہ تشریف لائے تو آپ نے ان کی آمد پر دونوں جلسہ ہائے عام میں علمائے اہلسنت وجماعت کی بھرپور نمائندگی کی۔ ان جلسوں میں تلاوت کرنے کی سعادت بھی آپ ہی کے حصے میں آئی۔ مسلم لیگ میں نہ صرف اپنے رفقائے کار کے ساتھ شامل ہوئے بلکہ مسلم لیگ کو اپنے ضلع میں مقبول ومحبوب بنانے کیلئے بھی دن رات مختلف علاقوں کے دورے کئے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ اسی جذبۂ خدمت سے سرشار ہو کر مہاجرین کی دیکھ بھال اور آبادکاری کیلئے شہر کی انتظامیہ سے بھرپور تعاون کرتے رہے۔

مفتی بشیر حسین اقدارِ اسلامی اور شرع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ قیام پاکستان سے قبل نکا چوک گوجرانوالہ میں عصمت فروشی کا مذموم کاروبار ہوتا تھا' جب قیام پاکستان کے بعد بھی یہ گھناؤنا کاروبار اسی انداز سے ہوتا رہا تو آپ نے اپنے مواعظ میں عوام اور انتظامیہ کی حمیت اسلامی کو جھنجھوڑا مگر جب اصلاحِ احوال کے آثار نظر نہ آئے تو آپ نے نماز جمعہ کے بعد غیور مسلمانوں کے بہت بڑے ہجوم کو ساتھ لیا اور اس بازار میں پہنچ کر عوام سے خطاب میں احکام شرعیہ کی حرمت کو واضح کیا اور کہا کہ جب تک یہ بازار گناہ سے پاک نہیں ہو جاتا ہم نہیں جائیں گے۔ اس مذموم کاروبار میں حصہ لینے والوں نے جب باحمیت اور غیور مسلمانوں کے جم غفیر کو دیکھا تو پھر وہ مایوس ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ شہر چھوڑ گئے۔ اس دن سے یہ بازار پاک بازار کے نام سے پکارا جانے لگا۔

اسی طرح تحریک ختم نبوت کے دوران میں بھی آپ نے اپنی ایمان افروز تقریروں کے ذریعہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کا عظیم فرض انجام دیا۔ آپ کی تقاریر نہایت پُر جوش اور

marfat.com

مؤثر ہوتی تھی چونکہ آپ کا پیغام دل کی گہرائیوں سے نکلتا تھا' اس لئے فوراً دل میں گھر کر جاتا تھا' ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے سلسلہ میں ہی آپ کو پابند زنداں بھی ہونا پڑا مگر آپ اسی ولولۂ ایمانی اور جذبۂ اسلامی کے ساتھ اپنے پیغام حق کو عام کرتے رہے۔

آپ کی حمیت اسلامی کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد گوجرانوالہ میں حج پر مبنی فلم لائی گئی۔ یہ فلم عقائد اسلامی کے خلاف تھی اور بلاشبہ اس سے جمہور مسلمانوں کے جذبات شدید طور پر مجروح ہوتے تھے۔ آپ نے انتظامیہ سے اس فلم کی نمائش رکوانے کا مطالبہ کیا' جب مطالبہ کی پذیرائی نہ ہوئی تو آپ فرزندانِ توحید کا بہت بڑا جلوس لے کر سینما کے سامنے گئے اور فلم پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ پولیس نے وہاں آ کر لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ ایک پولیس افسر نے آپ کی توہین کی اور بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی پورا شہر احتجاج کی عملی تصویر بن گیا۔ سارے شہر میں ہڑتال ہو گئی اور ہر طرف سے احتجاجی جلوس نکلنے لگے۔ اس پر نہ صرف اس فلم کی نمائش کے ذمہ داروں کو مجبور ہو کر اس شہر میں فلم کی نمائش روکنا پڑی بلکہ حکومت نے پاکستان بھر میں اس فلم کی نمائش ممنوع قرار دے دی اور مفتی صاحب کو باعزت طور پر رہا کر دیا گیا۔

مفتی بشیر حسین رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر تعلیمات اسلامی پر کاربند رہے۔ زندگی بھر نماز تہجد پورے اہتمام سے ادا کرتے رہے۔ آپ کو رسولِ کریم حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بے پناہ عشق تھا' جب بھی آپ شانِ رسالت بیان کرتے تو فرطِ عقیدت سے آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ چاروں روحانی سلاسل میں خلافت سے نوازے گئے تھے۔ تادمِ آخر اپنے عقیدت مندوں اور ارادت کیشوں کو بھی شرعِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے۔

یہ رب کریم کی خاص کرم نوازی تھی کہ آپ نے پانچ مرتبہ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل کی۔ آپ اس سعادت کو حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ آپ کی تمام زندگی نیکی و پرہیز گاری اور سادگی کا نمونہ تھی۔ آپ کی علمی قدر و منزلت اور دینی امور میں آپ کی غیر معمولی دسترس کے سبھی قائل تھے۔ ملک کے طول و عرض سے علمائے کرام آپ سے مختلف امور دینی پر فتویٰ حاصل کرنے کیلئے آتے تھے۔ اس سلسلہ میں دوسرے مکاتیب فکر کے علماء بھی آپ کی رائے اور فیصلہ کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ پوری تحقیق' غور و خوض اور مطالعہ کے بعد فتویٰ جاری کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے

marfat.com

لکھے ہوئے فتاویٰ عدالتوں میں بھی پیش ہوتے تھے اور تسلیم کئے جاتے تھے۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ اسی لئے آپ قریشی فاروقی کہلاتے تھے۔ قدرت نے آپ کو عربی اور فارسی زبانوں پر بھی دسترس عطا کی تھی۔ آپ منطق' فلسفہ' صرف ونحو' حدیث اور تفسیر غرضیکہ تمام علوم اسلامی میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ انہیں دوسرے بزرگانِ دین اور علمائے کرام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ذات سے بھی بے پناہ عقیدت تھی اور اپنے مواعظ میں جابجا انہیں خراج عقیدت پیش کرتے تھے۔

قدرت نے انہیں کثرت مطالعہ کا ذوق بھی عطا کر رکھا تھا۔ تحقیقی وعلمی کتب کا حصول اور بھرپور مطالعہ زندگی بھر آپ کا معمول بنا رہا۔ آپ کی ذاتی لائبریری مختلف زبانوں میں دینی و مذہبی کتب کے بہت بڑے ذخیرہ پر مشتمل ہے۔ اس ذخیرہ کتب میں تین سو سے زائد غیر مطبوعہ قلمی نسخے بھی شامل ہیں۔ ان قلمی کتب میں سے بیشتر آپ کے بزرگوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔

مفتی صاحب نے مختلف موضوعات دینیہ پر متعدد کتب بھی تصنیف کی ہیں' جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

وسیلہ' ایثار خلیل اللہ' فتاویٰ حنفیہ' نماز جنازہ کے بعد دعا' نماز تراویح' عدم القراۃ خلف الامام' ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ' مسائل قربانی' حیات النبی۔

آپ کا انتقال جمعۃ المبارک کے روز بتاریخ ۸ دسمبر ۱۹۷۸ء ہوا۔ آپ اس رات حسب معمول نماز تہجد کیلئے بیدار ہوئے تو وضو کے وقت اچانک گر گئے۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا' آپ نے آنکھیں کھولیں تو اچانک مسکرانے لگ گئے۔ اس دل نواز تبسم کی بدولت اہل خانہ کو یقین ہو گیا کہ آپ خالق حقیقی سے وصال پانے ہی والے ہیں اور یہی ہوا۔ آپ اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے کچھ ہی دیر بعد اس دارِ فانی سے دارالبقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اقبال نے اسی ایمان افروز کیفیت کی نشاندہی یوں کی ہے:

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بادشاہی کا

وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۱ برس کی تھی۔ آپ کے انتقال سے علم وحکمت' زہد وتقویٰ اور

marfat.com

ایمان و یقین کی یہ شمع حسین گل ہو گئی، جس کی روشنی ایک عرصہ تک قلب و نظر کو اُجالا بخشتی رہتی ہے۔

وفات کی خبر بہت جلد سارے شہر میں پھیل گئی۔ نماز جمعہ کے بعد جب آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا تو بے شمار لوگ آپ کے جنازہ کے جلوس میں شامل تھے۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر دل رو رہا تھا کہ ایک عظیم عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، جب جنازہ اُٹھایا گیا تو جنازہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی کہ عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے۔ ہر مکتب فکر کے علمائے کرام نے اور ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے اصحاب فکر و نظر نے آپ کے جنازہ میں شمولیت کی۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ بعد از مرگ بھی آپ کے چہرے سے زندگی کی ضیائیں پھوٹ رہی تھیں۔ مفتی صاحب کے اہل خاندان کی روایت ہے کہ آپ نے اپنی موت سے تھوڑا عرصہ پیشتر گورکن سے کہہ دیا تھا کہ میری قبر فلاں جگہ بنانی ہے اور اتنے دنوں تک میں اس قبر میں ابدی نیند سونے کیلئے آ جاؤں گا۔

نماز جنازہ کے بعد آپ کو قبرستان میں اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

یہ امر واقعی ہے کہ مفتی صاحب کی پوری زندگی تعلیمات قرآنی کی تشریح اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر نظر آتی ہے۔ وہ ایسے عظیم المرتبت عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ انہوں نے ہر پہلو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سربلندی کو مقدم رکھا، بہت بڑے عالم دین تھے کہ جہالت کے اندھیروں میں علم و آگہی کے چراغ روشن کرتے رہے۔ توحید خداوندی کے علمبردار تھے کہ باطل قوتوں کے سامنے پوری جرأت ایمانی کے ساتھ ڈٹ جایا کرتے تھے، مرد مومن تھے کہ فرشتہ اجل کی آوز پر لبیک کہنے تک شعائر اسلامی کو شعارِ حیات بنائے رکھا۔ نظریہ پاکستان کے ایسے فدائی تھے کہ اپنی ولولہ انگیز تقریروں کے ذریعہ اس نظریہ کو دلوں کی آواز بنانے کے لئے کوشاں رہے۔

ع...... خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

marfat.com

حضرت مولانا محمد حسین اُپل رحمۃ اللہ علیہ

جذب وجنون اور سلوک وتصوف کی تاریخ اس ذکر کے بغیر تشنہ تشنہ سی ہے۔آپ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے مگر سلسلۂ قادریہ کی ایک عظیم شخصیت حضرت چودھری محمد امانت خاں رحمۃ اللہ علیہ رئیس اعظم بیگم پور کی توجہات سے دل امور دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور یادِ الٰہی سے معمور اس قلبی انقلاب کی روداد خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

میری پہلی دفعہ باریابی حضور اقدس کی خدمت میں جون ۱۹۲۵ء کے آخر میں ہوئی' جب حضور گوجرانوالہ میں اتفاقیہ میرے ایک عزیز کے ہاں تشریف فرما تھے۔بس نگاہ سے نگاہ ملتے ہی:

؎ آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بروش بیک نگاہے

زاں بعد جولائی کے مہینے میں' میں خود اُن کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ بس پھر کیا تھا' نظر کیمیا اثر نے دم بھر میں یہ کیفیت پیدا کر دی اور بار بار میری زباں پر یہ شعر آتا رہا:

؎ حاصل عمر فدائے سرِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

بعد میں مولوی اُپل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کے جملہ مکاتیب جو اُن کے نام آتے رہے۔ ایک کتاب (میخانۂ عشق) کی شکل میں جمع کر دیئے جو کم و بیش ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں راہِ سلوک کی مشکلات کا ذکر بھی ہے اور ان کا حل بھی۔ بصارت کی عظمت بھی ہے اور بصیرت کی رفعت بھی' محبت کی لَو بھی ہے اور عشق کی تحیر آفرینیاں' خود مرتب کے لحاظ میں ''یہ مکتوبات محض عشق اور فقر کے جوش سے لبریز ہیں۔ جو صاحب فقر سے محبت نہ رکھتے ہوں خدا کیلئے وہ ان کو نہ پڑھیں' ورنہ انکار اور اعتراض سے وہ کفر و ضلال کے گڑھے میں گر جائیں گے''۔

مولوی محمد حسین اُپل رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ ارادت خاصا وسیع تھا۔جبکہ آپ خود کفیل تھے۔ یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے کہ بہت سے وہ وکلاء بھی آپ ارادت مند تھے جو آپ کے ساتھ کام

marfat.com

کرتے رہے۔ بہرکیف آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ بیکراں تھا اور ایک دنیا تھی کہ بقدر ظرف حضوری اور کیف کی دولت سمیٹتی چلی جاتی تھی مگر موت کا ایک وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ ۷ جنوری ۱۹۶۲ء کو دنیائے عشق و مستی کی یہ دلآویز شخصیت مالک حقیقی سے جا ملی۔ آپ کو پہلے مقامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا اور پھر ۶۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو آپ کا صندوق جی ٹی روڈ متصل اوور ہیڈ برج (نزد سیالکوٹ بائی پاس) ایک مقام پر منتقل کیا گیا۔ جہاں آج کل آپ کا مزار مرجع خواص وعوام ہے۔ وہیں آپ کی اہلیہ محترمہ بھی دفن ہیں جو خود تصوف کی دنیا میں ایک قابل قدر مقام کی حامل تھیں اور حضرت چودھری محمد امانت خاں رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیاب تھیں۔ آپ فی الواقع فنا فی الشیخ کے عظیم مقام پر تھے اور بحر عشق کے شناور تھے۔ عشق کا نقطۂ آغاز خرد کا مقام آخر ہوا کرتا ہے۔ عشق جنون کے ساز پر رقص کرتا ہے اور عقل اس منظر کو دیکھ کر کانپتی اور لرزتی رہ جاتی ہے۔

درس عشقش رازبانے دیگر است

ایں معلم را بیانے دیگر است

حضرت محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ ادبیات میں ایسے درویش صفت اور صوفی منش شعراء کے شعری ورثہ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا' جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں' فکری رفعتوں اور علمی ریاضتوں کی بدولت لاتعداد طالبان حق و صداقت کو مقصودِ حقیقی سے بہرہ یاب کیا ہے۔ حضرت محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کاروان روحانیت اور کاروانِ شاعری کے ایک رکن ہیں' جس کا ہر فرد دولت ایمانی سے مالا مال ہوتا ہے۔ ان کی غزلیات' قطعات اور رباعیات کا ایک مجموعہ ان کی وفات کے بعد ۱۹۵۷ء میں ''دیوانِ ضیا حسین'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسرے صوفی شعراء کی طرح انہوں نے بھی اپنے حمدیہ' نعتیہ اور عارفانہ کلام کو غزلیات کا نام دیا ہے۔ چونکہ ان کا مطلوب اور مقصود ذاتِ خداوندی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات تھی اس لئے ان کی تمام شاعری کا مرکز و محور خدا اور اس کے حبیب پاک کی ذات ہے۔

بابا حسین شاہ ۱۸۶۶ء میں اٹاری ضلع امرتسر کے قریب ایک گاؤں چھینہ کے رہنے والے تھے۔ ایک روز آپ کسی کام سے جسر وال چھینہ پہنچے تو حضرت محمد خیر بہار رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین دربار فاضلیہ راجہ سانسی سے ملاقات ہوگئی۔ پہلی ملاقات ہی میں بیعت ہو گئے۔ حضرت خیر بہار نے جوہر قابل سمجھتے ہوئے ان پر خصوصی توجہ دی۔ شیخ سے ان کا تعلق خاطر اتنا بڑھا کہ زیادہ وقت شیخ ہی کی صحبت میں بسر کرنے لگے۔ یہ ان کے شیخ کی تربیت کامل اور ان کی عقیدت و محبت کا کمال تھا کہ حضرت خیر بہار کی وفات کے بعد ان کو وہاں کا سجادہ نشین منتخب کر لیا گیا۔

بابا حسین شاہ طویل عرصہ تک راجہ سانسی میں مقیم رہے اور ارادت مندوں کی تربیت روحانی فرماتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم پاک و ہند کا مسئلہ آیا تو ان کیلئے وہاں رہنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ اپنے وابستگان عقیدت کے ہمراہ وہاں سے چل پڑے اور موضع چنڈالی ضلع گوجرانوالہ میں مقیم ہو گئے اور تادم آخر یہیں سے اپنے سلسلۂ روحانی کو فروغ دیتے رہے۔ ۹۰ برس کی طویل عمر پا کر بالآخر جون ۱۹۵۶ء میں اس دارِ فانی سے کوچ کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار آپ کے

marfat.com

عقیدت مندوں کیلئے مرجع فیوض روحانی ہے۔

حضرت حسین شاہ صاحب علم و فضیلت اور واقف رموزِ شریعت بزرگ تھے۔ انہوں نے اوائل عمر میں مختلف اصحاب علم و دانش کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے اُردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں دسترس حاصل کر لی تھی۔ مشکل سے مشکل مسائل لمحوں میں سلجھا دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ اپنے پیغام کو مزید دل نشین اور قابل قبول بنانے کیلئے منظوم صورت میں پیش کرنے لگے۔ ان کی شاعری ان کے وسیع مطالعہ اور عمیق مشاہدات روحانی کی آئینہ دار ہے۔ ان کی صوفیانہ شاعری ایک لحاظ سے ان کے روحانی مراحل کے ارتقائی عمل کی داستان بھی ہے جس سے ہم ان کی ذاتی فکر انگیزیوں کے حوالے سے کائنات کے اسرار و رموز پر گہری نظر ڈالنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

دیوانِ ضیا حسین ان کا ضخیم شعری مجموعہ ہے جو ان کے ارادت مندوں نے ان کی وفات کے بعد بڑے سائز پر شائع کیا تھا۔ اس میں ان کی بیسیوں نعتیں اور دوسری نظمیں ہیں۔ مثنوی کی صورت میں طویل نظمیں بھی ہیں۔ کلام کا بیشتر حصہ پنجابی' اُردو اور فارسی زبانوں میں ہے۔ خواہ یہ حمد رب کریم لکھیں یا نعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی نظم' بہرصورت تصوف کی چاشنی ہر مقام پر موجود ہوتی ہے۔ حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں دلی لگاؤ تھا۔ وہ عقلی و فکری طور پر کسی نہ کسی صورت میں اپنے عقائد کی پختگی اور جذباتی وارفتگی کا اظہار کر جاتے ہیں۔ ہم ان کے نعتیہ کلام سے انتخاب کے طور پر چند شعر پیش کرتے ہیں:

محمد کا نقشہ ہے نقشہ خدا کا
جو منشاء خدا کا وہی مصطفٰے کا
جمالِ الٰہی اگر دیکھنا ہو
تو دیدار کافی ہے خیر الوریٰ کا
جو تیرا کہاوے وہ کس در پہ جاوے
کہ رحمٰن کا در ہے در مصطفٰے کا

....

عشق نے باندھا تصور جب رسول اللہ کا
علم میں تب آ گیا نقشہ صفی اللہ کا
نقطۂ علم الٰہی ہے محمد مصطفٰے

marfat.com

اس لئے اُمی لقب ہے اس حبیب اللہ کا
جنبشِ نقطہ سے ہے سارے دفاتر کی بناء
لب سے پیغمبر کے نازل ہے کلام اللہ کا

حضرت حسین شاہ کی کہی ہوئی نعتیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی شارح اور آپ کی شخصیت کی روحانی و ایمانی عظمتوں کی ترجمان ہیں۔ ایک نعت کے کچھ اشعار نذر قارئین ہیں، جن میں یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سامانی اور اپنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہیں:

عنایت کی نظر اک بار ہی مجھ پر کرو پیا
وگر رحمت نہ کچھ ہو گی تو مرنے سے بُرا جیا
نہ طاقت، نہ لیاقت ہے یہ کہنا بھی حماقت ہے
ترا جاروب کش روشن کرے دربار میں دیا
لب دریائے مدحت تشنہ لب بیٹھا ہوں مدت سے
پیاسا اس قدر خامش گلا خشکی نے ہے سیا
عنایت بس عنایت ہو تمہی شاہِ ولایت ہو
ہو روشن ہر دو عالم میں ترا دیا مرا لیا

اب چند نعتوں کے چیدہ چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں حسین شاہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی تابشوں اور سیرت و کردار کی بلندیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنا ماجرائے غم بھی سنائے چلے جاتے ہیں کیونکہ انہیں احساس ہے حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم باریوں کی بدولت ہی ان کی کشت آرزو کو نئی زندگی ملے گی۔

وہ اپنی شان میں کونین کے سردار بیٹھے ہیں
چمن میں جس طرح شاہ گل و گلزار بیٹھے ہیں
کئی عاشق مثال عندلیب زار بیٹھے ہیں
تڑپتے ہیں سسکتے طالب دیدار بیٹھے ہیں
جز تمہارے کچھ نہیں ہر دو جہاں میں رونما
کون ہے جز آپ کے جس سے مری امداد ہو

marfat.com

آپ کے کہلاتے ہیں ہم یک بُرے ہیں یا بھلے
ہم کہاں جائیں ترا در چھوڑ کر ارشاد ہو
جلوہ ریز زمانے میں وہ اللہ اللہ کون ہوا
عارض رنگیں کاکل مشکیں روئے مجلی کون ہوا
گیسو کالے کنڈل والے کون سنبھالے کون ہوا
چشماں مست الست کرشمہ نور تجلی کون ہوا
نور جمالی لب کی لالی کا کل کالی عارض پہ
صورت عالی پھبن نرالی ماشاء اللہ کون ہوا

....

خدا کا شکر ہے امشب پیا تشریف لے آئے
مبارک خیر مقدم ہے خوشی کا جام بھر لائے
تری بزم منور میں مری سرکار ہم کیا ہیں
فقیر بے سرو ساماں بجا لائے تو کیا لائے
منور کر دیا خانہ بدل دی نور سے ظلمت
خجستہ بام ہے میرا فلک نے پھول برسائے

....

آپ کے دربار میں آیا ہے طالب یا طلب
جام بھر دے ساقیا آیا گدائے تشنہ لب
کون ہے ایسا جو اس دربار سے خالی گیا
اے شہِ خیر الوریٰ خیر العطا عالی نسب

....

تیرا یہ دریوزہ گر مدت سے کرتا ہے صدا
طفل پن سے مانگتے کو وقت پیری آ گیا
داغ حسرت کو نہ لے جاؤں یہاں سے اے کریم
شاہ کے بازار کی رونق گداؤں کی صدا

marfat.com

حضرت حسین شاہ اُردو کے علاوہ عربی اور فارسی علوم کے بھی ماہر تھے۔ ان کی فارسی نعتیں بھی ان کے دلی گداز اور روحانی سوز و ساز کی غماز ہیں۔ ان فارسی نعتوں کے مطالعہ سے اُن کی فارسی زبان پر گرفت کا بجا طور پر احساس ہوتا ہے۔ بلاشبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ثناء کسی بھی زبان اور اہل زبان کیلئے وجہ صد اعزاز ہے۔ فارسی زبان میں نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رقم کرتے ہوئے جناب حسین شاہ کے قلم کی روحانی سرمستیاں ملاحظہ کیجئے۔

اے بت رشک بتانِ آزری
سجدہ گاہ عرشیاں ابروئے تو
تاجدارانِ جہاں خاک درت
کس نہ دیدم جز حسیں خوشخوے تو

....

مقدم خیر بسم اللہ شہِ خیر الوریٰ آمد
شہِ عرش بریں آقائے عالم مصطفےٰ آمد

....

چہ خوش نام نامیست نام محمد
کلام کلیم وَ کلام محمد
شدہ مست و مخمور آں مردِ عارف
چشیدہ کسے جامِ جام محمد
تصور الٰہی لقائے محمد
بنائے جہاں از ضیائے محمد
ثنائے محمد ثنائے الٰہی
ثنائے خدا شد ثنائے محمد

....

در خادمانِ شاہے بدنام خاکسارم
آوردہ بار عصیاں جز عیبہا ندارم
من چشمۂ ندامت اے صاحب کرامت

marfat.com

در خاک پائے دامت دم دائما گزارم
نے زہد نے ریاضت نے طاقت عبادت
نے پائے استقامت تاراج حال آرم
نادار و ناتوانم جز تو نہ ہیچ دانم
بندۂ بندگانم در گلشن تو خارم

الغرض حضرت محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ شاہ' قلب ونظر کی بصیرتوں' قرطاس وقلم کی عظمتو اور فکر و خیال کی رفعتوں کے امین تھے۔ وہ عامل بھی تھے اور عالم بھی' جوں جوں انسان غور کرتا ہے حیرت بڑھتی چلی جاتی ہے کہ ہم کیسے کیسے انسانوں کو مٹی کے حوالے کر آتے ہیں اور کیسے کیسے چرا ہیں کہ ان کی لو کو موت کے تھپیڑے بھی بجھا نہیں سکتے کہ وہ عشق کے نور سے روشن ہیں۔

کیا کیا چھپائے خاک میں انسان چاند سے
سچ پوچھیے اگر تو زمیں آسمان ہے اب

marfat.com

حضرت موسیٰ بن سلیمان ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ

کون سا انسان ہے جس پر عنایات الٰہی کا بادل نہیں برستا' کون سا دِل ہے جس میں انوار الٰہی کی بارش نہیں ہوتی اور کون سی روح ہے جو فیضان الٰہی سے سیراب نہیں ہوتی مگر بعض ایسے کور باطن اور بے حس لوگ بھی ہوتے ہیں جو انعامات الٰہی سے فیضیاب بھی ہوتے ہیں مگر اس کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتے۔ ہم پر ہر آن لطف و کرم نچھاور کرنے والی ذات خداوندی ہم سے کیا چاہتی ہے۔ فقط یہی کہ ہم اس کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہمارے تذکرے سے شان خداوندی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس ذکر خداوندی کی بدولت ہم پر رحمت خداوندی مزید شدت سے نازل ہونے لگتی ہے۔

بعض انسان خواب غفلت میں سرمست ہوتے ہیں۔ اپنے خدا کی یاد سے غافل اور دنیا بھر کے مشاغل میں اُلجھے رہتے ہیں۔ خدا نے انہیں ہر قسم کے انعامات اور لطف و کرم سے نواز رکھا ہوتا ہے مگر بدقسمتی سے ان کے دل میں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ چند لمحوں کیلئے ہی رب کریم کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں یا کبھی تو اپنے مالک و خالق کو ہی یاد کر لیا کریں' وہ ہر احساس سے بے نیاز ہوتے ہیں' جانوروں کی طرح' ہر سوچ اور عمل سے بے نیاز' لیکن قربان جائیں ذات خداوندی کے' ہم اسے بھول جاتے ہیں مگر وہ ہمیں کبھی نہیں بھولتی۔ ہماری غفلتوں میں بھی ہمیں یاد رکھتی ہے اور ہر لحظہ ہم پر دامانِ کرم دراز رکھتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رحمت خداوندی اپنے نافرمان بندے کو توبہ کی توفیق عطا کرتی ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے نافرمان اور سرکش انسان توبہ کے فیض سے اپنے خالق و مالک کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور پھر رحمت الٰہی کا بادل اس پر اس شان سے برستا ہے کہ یہی انسان خدا کے خصوصی بندوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ ایسے ہی موقعہ کیلئے علامہ اقبال نے کہا ہے:

marfat.com

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

ایسا ہی توبہ کا واقعہ حضرت موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی کے ساتھ پیش آیا۔ جو راہِ حق سے بھٹکا ہوا انسان تھا مگر جب رحمت خداوندی نے اسے آغوش میں لے لیا تو اس کا مقدر ہی بدل گیا۔ وہ ذرے سے آفتاب اور قطرے سے گہر بن چکا تھا۔ اس واقعہ کے راوی مشہور صوفی بزرگ حضرت محمد بن سماک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مشہور کتاب ''نزہۃ البساتین'' میں محمد بن سماک کے حوالے سے مرقوم ہے کہ موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی نہایت عیاش اور بے فکر نوجوان تھا۔ سوائے کھانے پینے' لہو لعب' راگ رنگ' خوش پوشاکی اور مہ جبین عورتوں کی صحبت کے اسے کوئی کام نہ تھا۔ وہ ہر اس کام میں مشغول رہتا تھا جو گناہ اور تاریکی کی طرف لے جاتا تھا۔

سال بھر میں اس کی تین لاکھ تین ہزار کی آمدنی تھی۔ وہ یہ بڑی رقم سب کی سب اپنے عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں گزار دیتا تھا۔ ایک رات وہ شراب پینے اور نغمہ گری کی محفل میں مصروف تھا۔ اس عالم میں محل کے پاس سے ایک نہایت دردناک لے میں کسی مضطرب دل کی فکر کو لرزیدہ کر دینے والی آواز گونجی۔ یہ آواز اس قدر سوز ناک اور دردانگیز تھی کہ اس کا دل تڑپ اُٹھا۔ اس کے دل پر چوٹ پڑنے لگی۔ سنانے والا سنا رہا تھا' کبھی یہ آواز اس کے کان میں آ جاتی اور کبھی خلا میں کھو جاتی۔

موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی نے محفل کو برخواست کیا اور پوری توجہ سے اس صدائے درد ناک کو سننے لگا اور اس کے ساتھ ہی غلاموں کو حکم دیا کہ وہ تحقیق کریں کہ یہ دردناک آواز کس کی ہے۔ اسے میرے پاس لاؤ' غلام اس مردِ ایمان کی تلاش میں چلے اور بالآخر اس تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ دردناک آواز میں آوازۂ حق بلند کرنے والا ایک نوجوان ہے' جو نہایت کمزور اور لاغر ہے' اس کی گردن بالکل سوکھ گئی ہے' رنگ اور لب خشک ہیں۔ سخت پریشان حال نظر آتا ہے' اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں' ننگے پاؤں کھڑا ہے اور اپنے پاک پروردگار کے حضور بڑی عاجزی کے ساتھ مناجات کر رہا ہے۔ انہوں نے اسے مسجد سے نکالا اور لے گئے۔ موسیٰ بن محمد شراب کے نشے میں دھت تھا' اس نے اپنے معاصرین سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ غلاموں اور نیازمندوں نے عرض کیا کہ:

marfat.com

حضور! یہ وہ آواز والا ہے جس کی آواز آپ نے سنی تھی۔

محمد بن سلیمان نے پوچھا:

یہ کہاں تھا؟

غلاموں نے عرض کیا:

یہ مسجد میں کھڑا نماز میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا تھا۔

محمد بن سلیمان نے اس خستہ حال درویش سے پوچھا:

''اے مردِ مومن! تو کیا پڑھ رہا تھا؟''

اس مردِ درویش نے کہا کہ

''میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا تھا''۔

محمد بن سلیمان کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ

''اے اللہ کے بندے جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ ہم کو پھر سناؤ''

اس مردِ درویش نے پہلے اعوذ اور پھر بسم اللہ شریف تلاوت کی اور پھر پڑھا:

''بے شک نیک بندے آرام میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے (سیر) دیکھ رہے ہوں گے، تو پہچانے گا ان کے چہروں پر تازگی نعمت کی۔ ان کو پلائی جائے گی خاص شراب سر بمہر۔ اس کی مہر موم کے بجائے مشک کی ہوگی اور اس شراب میں رغبت کرنے والوں کو چاہیئے کہ رغبت کریں اور اس میں تسنیم ملی ہوئی ہوگی۔ وہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب بندے پیتے ہیں''۔

اس مردِ درویش نے ان آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی پھر ترجمہ سنایا اور کہنے لگا:

''تم دھوکے میں پڑے ہوئے انسان ہو، ان نعمتوں کا بیان کہاں اور تیرا یہ محل کہاں، یہ سب متقیوں کیلئے ہے۔ اب کافروں کی سنئے ان کیلئے آگ ہے اور آگ بھی کیسی کہ جس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے اور عذاب کبھی ہلکا نہ کیا جائے گا''۔

جب موسیٰ بن سلیمان ہاشمی نے یہ سنا تو بے اختیار اُٹھا اور اس جوان سے لپٹ کر رونے لگا اور سب مصاحبوں، درباریوں اور غلاموں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ:

''میرے پاس سے چلے جاؤ اور خود اس جوان کو لے کر محل کے صحن میں آ کر بوریے پر بیٹھ

marfat.com

گیا اور اپنی عمر کے گزرے ہوئے ستائیس سال رائیگاں جانے پر افسوس' حسرت اور رنج والم کا اظہار کرنے لگا۔ اپنے نفس کو ملامت کرنے لگا کہ اے نفس امارہ تو نے مجھے تباہ کر دیا۔ مجھے آخرت کے انعامات سے غافل کر کے دنیا کے عیش وعشرت میں الجھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی موسیٰ بن محمد بن سلیمان زار وقطار روتا رہا۔ وہ مردِ درویش اسے نصیحت سے نوازتا رہا۔ پوری رات اسی عالم میں بسر ہوگئی۔ دونوں ہی رو رہے تھے ایک اپنے گناہوں پر تائب ہو کر اور دوسرا اپنی نصیحت کا ثمر دیکھ کر۔

موسیٰ بن محمد کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ اس کا دل یکسر مکروہات دنیاوی سے اُچاٹ ہو چکا تھا' خدا کے جلوے نگاہوں اور دل و دماغ میں بس گئے تھے' آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں' دل خوفِ خداوندی سے لرز رہا تھا۔ اس نے اپنی تمام دولت' مال ومتاع اور محلات' زمینیں غریبوں میں تقسیم کر دیئے اور اپنے آپ کو ہمہ وقت خدا کی یاد میں محو کر لیا۔ غلام اور کنیزوں کو آزاد کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ لے سکتے ہو لے جاؤ۔ میرا اب تم سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا اب فقط خدائے کریم سے رشتہ ہے اور میں گذشتہ عمر کے گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔

دنیا کے مکروہات سے یکسر کنارہ کشی کر کے موسیٰ بن محمد نے لباس فاخرہ اتار دیا اور موٹے کپڑے پہن لئے۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق اب اس کی یہ حالت ہوگئی کہ تمام رات عبادت میں مصروف رہتا' دن کو روزہ رکھتا' شبانہ روز خدا کی یاد میں مصروف رہتا۔ عبادت میں اس حد تک ڈوب گیا کہ بڑے بڑے عبادت گزاروں اور صلحاء کو پیچھے چھوڑ دیا۔ دوسرے صوفیائے کرام اس کی حالت کو دیکھتے اور کہتے کہ:

"اے خدا کے بندے اپنے نفس پر اتنی سختی نہ کرو"۔

وہ جواب میں عرض کرتا کہ:

"میں نے تمام عمر گناہ کئے' اللہ کی نافرمانی کی' راہ حق سے بھٹکا رہا' خدارا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو"۔

یہ کہہ کر وہ خوب روتا اور پھر خدا کی یاد میں گریہ زاری کرتے ہوئے عبادت میں کھو جاتا۔

اُس کی عبادت رنگ لائی' اس کے بے قرار دل کو قرار آنے لگا۔ اس پر یہ حقیقت واضح ہونی لگی کہ فقط اللہ کا ذکر ہی دلوں کو اطمینان دیتا ہے۔ اس کی روح پر اللہ کی تجلیات نازل ہونے

marfat.com

لگیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ منزل یقین کی طرف بڑھ رہا ہے اور منزل ابھی دور ہے۔ تجلیات ربانی نے اس کے دل و دماغ کو ضوبار کر دیا اور اس کے دل میں حج بیت اللہ اور روضۂ رسول کی زیارت کی تمنا جلوہ ریز ہونے لگی۔ اس نے سامانِ سفر پر غور کیا۔ اُس کے پاس ایک پیالے اور توشہ دان کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وہ اس شان سے حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوا کہ اس کے پاؤں ننگے تھے' پیالے میں پانی پیتا اور توشہ دان میں کچھ موجود ہوتا تو ایک دو لقمے کھا لیتا ورنہ کئی کئی دن فاقے سے کٹ جاتے۔ دنوں کو روزہ رکھتا اور دورانِ سفر میں ہر منزل پر جہاں بھی رات گزارتا پوری رات یادِ خدا میں بسر کر دیتا۔

بالآخر حج بیت اللہ کی سعادتوں کو سمیٹنے کیلئے منزل حق کا یہ مسافر مکہ مکرمہ پہنچ ہی گیا۔ وہاں وہ تجلیات ربانی میں کھویا رہتا۔ طواف کرتا اور پھر خدا کے گھر کو تکتے تکتے دن سے رات کر دیتا۔ سچی توبہ اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ ایک وقت کا گنہگار اور راندۂ درگاہ موسیٰ بن محمد اب عارف کامل اور خدا کا محبوب بندہ بن چکا تھا۔ اب لوگ اس کی زیارت کیلئے آتے۔ دل میں خیال آیا کہ خدا کا گھر دیکھ لیا' اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر دیکھ لیا' اب اور کیا چاہیئے؟ کیوں نہ مکہ مکرمہ ہی کو مستقل طور پر اپنا ٹھکانہ بناؤں تا کہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ بھی ادا ہوتا رہے اور بقیہ زندگی رحمت الٰہی کے پُر انوار سایوں میں بسر ہو جائے۔ چنانچہ وہ مکہ ہی میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گیا۔ بیت اللہ کے سامنے بیٹھا رہتا اور لوگوں سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتا۔ خواہ اس نے کسی کا نقصان کیا ہوتا یا نہ کیا ہوتا' یہ ہر ایک سے رو رو کر معافی کا طالب ہوتا' جب بھی دل بے چین ہوتا وہ بیت اللہ کے روبرو آ جاتا اور گریہ وزاری کرتے ہوئے غلافِ کعبہ کو تھام کر عرض کرنے لگتا:

اے رب کریم مجھے معاف فرما دے' میں نے زندگی بھر کوئی نیک کام نہیں کیا' میری گذشتہ زندگی رائیگاں گزر گئی' مجھ سے کوئی نیک کام نہ ہو سکا' میں جب حشر میں لایا جاؤں گا تو میرا نامۂ اعمال سیاہ ہو گا' تیری رحمت کے علاوہ میرا کوئی سہارا نہیں ہے' بس تیری رحمت ہی مجھے درکار ہے۔ مجھ سے درگزر فرما' اے سارے زمانے کو فیضیاب کرنے والے مجھے اپنی رحمت سے محروم نہ رکھ"۔

اس کا رونا سن کر دوسرے افراد بھی رونے لگتے۔ اس کی آواز میں بلا کا درد تھا۔ وہ خود کو گمنام رکھنا چاہتا تھا مگر جب ایک گمنام کوچے میں اس کی وفات ہوئی تو اولیائے مکہ نے خواب میں

marfat.com

دیکھا کہ منادی کرنے والا کہہ رہا ہے کہ کل میرے ایک دوست کا جنازہ اُٹھایا جائے گا جو اس کے جنازے میں شریک ہو گا وہ بخشش خداوندی کا حق دار ٹھہرے گا۔ اور پھر گمنام زندگی بسر کرنے والے کا جنازہ اُٹھا تو چشم فلک دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے جنازہ میں شرکت کیلئے پورا مکہ ہی اُمڈ آیا تھا۔ حق یہ ہے کہ توبہ ہو تو ایسی ہو کہ جس پر زمانہ رشک کرے۔

گناہوں پر جسے توبہ کا لطف عام ملتا ہے
اُسے ہی رحمت کونین کا پیغام ملتا ہے
جسے اپنی خطاؤں پر ندامت ہر گھڑی آئے
اسے اللہ کی بخشش کا نوری جام ملتا ہے

marfat.com

سلطان محمود غزنوی

ایک پُروقار شخصیت

اس وقت ہمارے سامنے یمن الدولہ سلطان محمود غزنوی کی شاندار شخصیت ہے۔ اس بت شکن کہلانے والے محمود کو تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اسلام کا یہ بطل جلیل راجگان ہند کو ایک عبرت ناک شکست دینے اور باطل کے طلسم کو پارہ پارہ کر دینے کیلئے اٹھا تھا۔ محمود ایک نیک دل' نیک سیرت اور خدا ترس حکمران تھا۔ اس کے حملوں کا مقصد مال و زر کی ہوس نہیں تھی بلکہ یہ ہندوستان کے راجوں اور مہاراجوں کو ان کی بدعہدیوں' بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی سزا دینے کیلئے آیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ہندوستان کے کسی بھی علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کیا' حالانکہ اگر وہ چاہتا تو بخوبی ایسا کر سکتا تھا۔

اس وقت محمود کی افواج لاہور' نگر کوٹ' ملتان اور متھرا کی تسخیر کے بعد قنوج پر حملہ آور ہیں۔ قنوج کے راجہ کے لشکر میں پانچ لاکھ پیادہ اور تیس ہزار سوار ہیں۔ سلطان کا لشکر صرف ایک لاکھ جانباز اور جانثاروں پر مشتمل ہے۔ قنوج کی افواج قلعہ بند ہیں۔

شام کا وقت ہے' سلطان نماز پڑھ کر اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ فوج کے سپاہی کل کو لڑی جانے والی جنگ کیلئے تیاری کر رہے ہیں۔ دو سپاہی ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ خیمہ کے اندر داخل ہوتے ہیں اور سلطان کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سلطان نے نظر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا "کیا کام ہے؟"

ایک سپاہی نے کہنا شروع کیا "عالی جاہ! ہم لشکر کے گرد گھوم رہے تھے کہ یہ بوڑھا ہمیں اس طرف دکھائی دیا۔ ہم نے اس سے متعدد سوالات کئے مگر یہ صرف یہی کہتا رہا کہ مجھے سلطان کے پاس لے چلو' یہ بہت گھبرایا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔

سلطان نے بوڑھے کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا' وہ کیچڑ میں لت پت تھا اور کانپ رہا تھا۔ سپاہیوں کو باہر جانے کا اشارہ کر کے سلطان نے بوڑھے سے کہا۔

marfat.com

''بیٹھ جاؤ'' (بوڑھا بیٹھ گیا)

سلطان نے کہا: آپ ہندو معلوم ہوتے ہیں۔

جی ہاں۔ بوڑھے نے جواب دیا۔

سلطان: ''اور آپ اسی علاقہ کے رہنے والے ہیں؟''

بوڑھا: ''ہاں عالی جاہ!''

سلطان: ''اب کہو' مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

بوڑھا: ''میں آپ سے امداد کا خواستگار ہوں''۔

سلطان: ''تعجب ہے کہ جب تمہیں معلوم ہے کہ ہم تم سے جنگ کرنے کیلئے آئے ہیں تم امداد کے طالب ہو''۔

بوڑھا: جب ایک انسان اپنوں سے مایوس ہو جاتا ہے تو غیروں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہاں سے تین میل دور شمال کی جانب ایک بستی ہے' میں وہاں کا نمبردار ہوں' میری بیوی فوت ہو چکی ہے' اسکی نشانی دو بچے ہیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔

دونوں جوان ہیں' لڑکا فوج میں ہے' لڑکی کی منگنی کر چکا ہوں' مگر آہ! یہاں کا ولی عہد شیو ہر بہت ظالم ہے' ملک کی جو بھی خوبصورت لڑکی اس کی نظر پڑتی ہے اسے بالجبر اپنی ہوس پرستی کا شکار بنا لیتا ہے' ان دنوں میری لڑکی نرملا کے در پے ہے۔ آج پچھلے پہر جب میرا لڑکا اور نوکر قلعہ میں تھے' وہ میدان خالی دیکھ کر ہمارے گھر تین چار غنڈوں کے ساتھ گھس آیا اور مجھے باہر نکال دیا۔ میں بھاگ کر آپ تک پہنچا ہوں''۔

سلطان (غصہ سے) تف ہے ایسے نالائق ولی عہد پر جس کے ملک میں کل فیصلہ کن جنگ لڑی جانے والی ہے مگر وہ عیش میں مست ہے۔

بوڑھا: ''(روتے ہوئے) عالی جاہ! اب آپ سمجھ گئے ہوں گے میں کیوں آپ کے پاس آیا ہوں۔ اگرچہ ہمارا حکمران بہت نیک ہے مگر اس وقت دادخواہی کیلئے اس تک رسائی انتہائی مشکل تھی''۔

سلطان: ''فکر نہ کرو اگرچہ تم مسلمان نہیں ہو' میرے مخالف ہو' مگر میں ضرور تمہاری مدد کروں گا''۔

بوڑھا: ''(منت سے) حضور! جلدی کیجئے کہیں میری لڑکی ان درندوں کا شکار نہ ہو جائے''۔

سلطان: (اٹھ کر ایک غلام سے) ''جاؤ میرا گھوڑا لاؤ''۔

marfat.com

گھوڑا لایا جاتا ہے۔ سلطان سوار ہو کر غلام کو بھی ایک اور گھوڑے پر ساتھ چلنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''جناب والا! کہیں یہ دشمن کی چال ہی نہ ہو' خدانخواستہ ....''

سلطان: (جوش سے) ''ہٹ جاؤ' تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے' تم نہیں جانتے کہ ایک دوشیزہ کی عصمت محمود کی جان سے زیادہ قیمتی ہے''۔ ایک اور سپاہی کو ساتھ چلنے کا حکم دیتا ہے اور اگلے ہی لمحہ دونوں گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے ہیں

رات کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا ہے۔ سلطان اور سپاہی گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے گاؤں میں پہنچ جاتے ہیں۔ گاؤں پر خاموشی طاری ہے۔ دونوں ایک طرف سے گزر رہے ہیں کہ انہیں بلند آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں' ٹھہر جاتے ہیں۔

''تمہیں میرے سامنے جھکنا پڑے گا' ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔ ''ذلیل کتے تم مجھے نہیں چھو سکتے' ' ایک کپکپاتی جوش بھری نسوانی آواز تھی'' تمہیں اچھی طرح معلوم ہے میں ولی عہد ہوں' جوان ہوں' خوبصورت ہوں' میرے ساتھ آدمی ہیں تم اکیلی ہو'' پہلی آواز پھر سنائی دی ''ہاں تم سب کچھ ہو مگر انسان نہیں ہو'' عورت کی آواز تھی۔

پھر انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے آگے بڑھنا چاہا' پھر اس کے سر پر کسی چیز کے پڑنے کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحہ غصہ سے بے قابو ولی عہد کی آواز سنائی دی۔ ''دیکھتے کیا ہو' سیدھا کر دو''۔

سلطان میں صبر کی ہمت نہ رہی' شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر سپاہی کو دروازہ میں ٹھہرا کر اندر داخل ہوا' تین بدصورت آدمی ایک عورت کی طرف بڑھ رہے تھے اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

''ٹھہر جاؤ''! سلطان نے گرج کر کہا۔

ایک نے تلوار اُٹھانے کی کوشش کی مگر سلطان کی تلوار نے اسے مہلت نہ دی اور ٹھنڈا کر دیا۔ سب پر اس افغان کا رعب طاری ہو چکا تھا۔ سلطان آگے بڑھا' لڑکی کو بازو سے پکڑا اور جب دروازے کے قریب آیا تو شیو ہر نے غصہ سے کہا:

''تم ان افغانوں کی سر پھری فوج کے ایک سپاہی معلوم ہوتے ہو' جو ہماری راجدھانی پر حملہ کرنے کیلئے قضا مول لے کر آئی ہیں' صبح کا سورج تمہاری زندگی کا آخری سورج ہو گا۔ کان کھول کر سن لو' میرا نام شیو ہر ہے اور میں یہاں کا ولی عہد ہوں۔ نرملا جہاں کہیں بھی ہو گی وہ برآمد کر لی جائے گی اور تمہیں اس جسارت کا بدلہ مل کر رہے گا''۔

marfat.com

سلطان مسکرایا اور کہا ''جس ملک کے تم جیسے ولی عہد ہوں' وہ ملک کبھی بھی سلامت نہیں رہ سکتا''۔

باہر نکل کر سلطان نے لڑکی کو گھوڑے پر بٹھایا اور لشکر میں لا کر اس کے باپ کے حوالے کر دیا۔

اگلی صبح سلطان کی فوج نے صفوں کو درست کرنا شروع کر دیا۔ سلطان خود فوج کو ہدایات دے رہا تھا۔ ابھی قلعہ بند فوج پر کسی کاری ضرب لگانے کے متعلق سوچا ہی جا رہا تھا کہ قلعہ کا بھاری دروازہ کھلا اور ایک آدمی صلح کا جھنڈا لہراتے آتا ہوا دکھائی دیا' قریب آیا' سلطان کے سامنے جھکا اور کہا:

''ہمارے راجہ نے بجائے جنگ وجدل کے آپ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور یہ ہیں شہر کی چابیاں۔ ہمیں اُمید ہے کہ شہریوں کو مکمل امان دی جائے گی''۔

یہ مسرت افزاء خبر سن کر لشکر نے اللہ اکبر کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ شہر کے در و دیوار تھرا اُٹھے۔

............o............

سلطان فاتحانہ انداز سے شہر کے اندر داخل ہوا۔ اہل شہر کو مکمل امان دی گئی۔ پہلے ہی راجہ کو برقرار رکھا گیا اور سپاہیوں کو کسی چیز کے لوٹنے کی قطعاً ممانعت کر دی گئی۔

امرائے شہر نے رسم کے مطابق سلطان کی خدمت میں تحائف پیش کرنے شروع کئے۔ ایک شخص نام پکارتا جا رہا تھا۔ جب ولی عہد شیو ہر کا نام بولا گیا تو سلطان نے نظر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ شیو ہر شاندار لباس پہنے' چہرے کو سجائے چھوٹا سا تاج سر پر رکھے ایک ادا کے ساتھ قدم اُٹھاتا اپنا تحفہ لئے مسند کی جانب آتا دکھائی دیا۔ جب وہ سلطان کے بالکل قریب آ گیا تو سلطان اس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز سے مسکرایا۔ شیو ہر نے بھی سلطان کی طرف دیکھا۔

یہ کیا ......!! یہ تو وہی افغان معلوم ہوتا ہے جس نے رات کے وقت نرملا کو اس کے پنجۂ ہوس سے چھڑایا تھا۔

سلطان نے ہولے سے کہا: ''شیو ہر! میں تمہارے سامنے حاضر ہوں' میری جسارت کی جو سزا دینا چاہتے ہو دے لو''۔

شیو ہر کانپ گیا

''شیو ہر تم اپنے معاملہ میں کیا کہنا چاہتے ہو؟'' سلطان نے دریافت کیا۔

شیو ہر پھر خاموش رہا' سلطان نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے تم قصور وار ہو اور کچھ نہیں کہنا

marfat.com

چاہتے۔ میں تمہارا مقدمہ تمہارے باپ کی عدالت میں پیش کرتا ہوں"۔ پھر سلطان راجہ اور درباریوں کی طرف مڑا اور بلند آواز سے راجہ سے کہا:

"مہاراج' رات کے وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے ولی عہد شیو ہر ایک دوشیزہ دام ہوس کا شکار بنا رہے ہیں لیکن میں نے عین وقت پر خدا کی مہربانی سے لڑکی کو بچا لیا' یہ لڑکی آپ کی رعایا ہے آپ ملکی قانون کے تحت فیصلہ دیجئے"۔

راجہ کا سر ندامت سے جھکا جا رہا تھا۔ اس نے سر اُٹھایا اور کہا "عالی جاہ! میں نے آپ کا قانون تسلیم کر لیا ہے' میرا قانون ختم ہو گیا' فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے"۔

سلطان یہ سن کر فوراً اُٹھا اور گرجدار آواز سے کہنا شروع کیا:

"ہمارے مذہب میں اس کی سزا تو بہت سخت ہے مگر میں ولی عہد شیو ہر کے ساتھ رعایت کرتا ہوں' اسے نرملا کے ساتھ شادی کرنا پڑے گی۔ اس نے ایک بے گناہ اور معصوم لڑکی کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے' اب کوئی دوسرا شخص اسے قبول نہیں کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی روانگی سے قبل شادی کا نظارہ خود دیکھوں' آج پچھلے پہر شادی ہو گی۔

..............o..............

شیو ہر اور نرملا کا بیاہ بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ سلطان خود بھی بیاہ میں شریک ہوا۔ جب شادی کی تمام رسومات ختم ہو گئیں تو سلطان آگے بڑھا' نرملا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"بیٹی! میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے' جب کبھی تکلیف ہو تو اپنے پٹھان باپ کو نہ بھولنا"۔

اس کے جواب میں نرملا کی نرگسی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے' یہ آنسو عقیدت اور محبت کے آنسو تھے۔

marfat.com

نیکی اور بدی کے دو کردار

واتل علیهم نبا ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل من الاخر ط قال لا قتلتك ط قال انما یتقبل الله من المتقین۔

پو پھٹ رہی تھی، تاریکی کا پردہ چاک ہوتا جا رہا تھا، ہر چیز اب صاف نظر آنے لگی تھی۔ جہاں رات کی تاریکیوں کا بسیرا تھا، وہاں اب صبح کی آمد آمد تھی۔ وہ کافی دیر سے ایک چٹان پر بیٹھا گردو پیش سے قطعاً بے نیاز کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی دکھائی دے رہی تھی، جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر کسی خاص بات پر غور کرتا رہا ہے۔ یکا یک اس نے خود سے دریافت کیا: آخر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

قابیلؔ! سوچنے سے کچھ نہیں بنے گا' یہ اس کے اندر کی آواز تھی' تم اقلیماؔ کے بارے میں سوچتے ہی رہ جاؤ گے اور وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔ اقلیماؔ تمہاری ہے اور تمہاری ہی رہے گی''۔ مگر ابا جانِ کا حکم؟ ...... اس کے جذبات سرد پڑ گئے۔ واہ! ابا جان تو مجھ سے نفرت کرتے ہیں' تبھی تو وہ یسودا کے ساتھ میری شادی کر دینا چاہتے ہیں اور پھر یسودا کا خیال آتے ہی اس کے دل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اقلیماؔ میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے تو کیا ہوا۔ یسوداؔ کی۔ جس کے ساتھ میری شادی ہونے والی ہے' اقلیما کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے۔ اقلیما آفتاب ہے تو یسودہ ذرہ۔ ایک دن ہے تو دوسری رات۔

میں اقلیماؔ کو ہر قیمت پر حاصل کروں گا خواہ مجھے اس کے لئے بغاوت ہی کرنا پڑے۔ ہاں بغاوت !...... اس نے دُہرایا اس کی رگیں تن گئیں' اس نے اپنے بازوؤں کی اُبھرتی ہوئی مچھلیوں اور کوہ وقار سینہ کی جانب فخر سے دیکھا۔ باپ سے بغاوت' مذہب سے بغاوت' میں کروں گا۔ ہابیل کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اقلیماؔ کے ساتھ شادی کرے۔ طاقت والے قانون خود وضع کرتے ہیں اور ابا جان تو میرا حق چھین کر ہابیل کو دینا چاہتے ہیں ......اور پھر وہ گھر کی طرف چل دیا۔

..............o..............

marfat.com

ہر طرف سناٹا سا طاری تھا' قدرت کی شہکاریاں اور فن کاریاں تو تھیں مگر ان کا نظارہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آخر قدرت نے انسان کی پیدائش کے تمام سامان مکمل کر لئے۔ خطۂ عرب کے میدانِ عرفات کے اندر طویل جدائی کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا ملاپ ہو چکا تھا۔ خدائے دو جہاں کی مشیت سے آدم علیہ السلام سے حضرت حوا کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہونے لگے' جن میں ایک لڑکی ہوتی تھی اور ایک لڑکا۔ ان کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب یہ جوان ہو جائیں تو لڑکے کی شادی اس کی بہن کے علاوہ جو اس کے ساتھ پیدا ہوئی ہو' کسی اور لڑکی کے ساتھ کر دی جائے۔ آپ اسی فرمان پر عمل کرتے رہے جس کے نتیجہ میں بے شمار جوڑے اس کرہ ارضی پر آباد ہو گئے۔ معمول کے مطابق ایک روز ان کے ہاں قابیلؔ اور اُس کے ساتھ ایک لڑکی اقلیماؔ پیدا ہوئی۔ اقلیما بہت ہی حسین' خوبصورت اور نازک اندام تھی۔ اس کے چند ہی دنوں بعد ہابیلؔ اور یسوداؔ پیدا ہوئے۔ یسودا اقلیماؔ جتنی خوبصورت نہ تھی بلکہ سانولے رنگ کی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ قابیل کی شادی یسودا ساتھ اور ہابیل کی اقلیما کے ساتھ کر دی جائے۔ جب قابیلؔ کو اس شادی کرنے کا پتہ چلا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میری شادی ہر صورت میں اقلیما کے ساتھ ہو گی۔

اب نازک صورتحال پیدا ہو گئی۔ آج تک کسی نے بھی ان کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کی تھی۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہی حکم نہیں تھا' بلکہ عین منشائے قدرت تھی جس سے روگردانی کرنا ناممکن تھا۔ آج قابیل فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ ہر صورت میں اقلیماؔ کو حاصل کر کے رہے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سوچا کہ قابیل کی شادی تو بعد میں ہو گی' پہلے ہابیل کی شادی اقلیماؔ کے ساتھ کر دی جائے۔ جب قابیلؔ کو آپ کے اس ارادہ کے بارے میں معلوم ہوا تو فوراً آپؑ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا ''ہابیل کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اقلیماؔ کے ساتھ شادی کرے اور اس کے بدلہ میں اپنی بدصورت بہن کو میرے نکاح میں دے دے''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ''ہم فرمان الٰہی کے پابند ہیں' تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے فرمانِ الٰہی کو ٹالا نہیں جا سکتا' میں کسی صورت میں بھی تمہاری شادی اقلیماؔ کے ساتھ نہیں کر سکتا''۔

قابیلؔ کیلئے یہ جواب بہت ہی سخت تھا' اُس نے غصہ میں آ کر کہا ''میں دیکھوں گا کہ ہابیل کس طرح اقلیماؔ کے ساتھ شادی کرتا ہے۔ میں ہابیلؔ کو قتل کر دوں گا'' حضرت آدم علیہ السلام نے سوچا کہ کہیں یہ سچ مچ ہی فساد نہ کر بیٹھے' چنانچہ اسے حلیمی سے سمجھایا...... قابیلؔ! خدا کا خوف کرو' خدا

marfat.com

کی پکڑ بڑی سخت ہے' وہ اپنے حکم سے سرتابی کرنے والوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرتا' مشیت ایزدی سے منہ موڑنے والوں کا اس دنیا میں کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اگر تم اس پر اڑے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر خدا کا عذاب نہ ٹوٹ پڑے' سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاؤ۔ جاؤ! اور ٹھنڈے دل سے اس معاملہ پر غور کرو' شاید تم صحیح راہ پر چل نکلو"

قابیل نے جو حضرت آدم علیہ السلام کو نرم ہوتے دیکھا تو اور گرم ہو گیا" میرا یہ فیصلہ اٹل ہے اور میں اس فیصلہ سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔ میں اقلیما سے شادی ضرور کروں گا" ......

حضرت آدم علیہ السلام نے بچھرے ہوئے قابیل کو دیکھا اور پھر ایک خیال آتے ہی اُن کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ قابیل اور ہابیل ! کل تم دونوں اپنی اپنی قربانیاں بارگاہِ ایزدی میں حاضر کرو۔ تم میں سے جو صحیح راہ پر ہو گا اس کی قربانی قبول ہو جائے گی۔ جاؤ اور اپنی اپنی قربانیوں کا بندوبست کرو تا کہ حق و باطل میں امتیاز ہو سکے"۔

اس شرط پر قابیل نے بھی سر جھکا لیا' اور باہر نکل گیا۔

............O..................

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کے متعلق یہ فیصلہ کرنا ہوتا تھا کہ وہ راہِ راست پر ہے یا نہیں' تو اُس کی قربانی ایک میدان میں رکھ دی جاتی تھی۔ آسمان سے آگ سی نمودار ہوتی تھی۔ اگر وہ آگ اس قربانی کو بھسم کر ڈالے تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ شخص مقبول خدا ہے اور اس کے ارادے نیک ہیں۔ اگر آگ اس قربانی کو نہ جلاتی تو اُسے اس شخص کی بے ایمانی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی شادی کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کیلئے دونوں کو قربانی کا حکم دیا تھا۔

آج قربانی کا دن تھا' ہابیل کے پاس بے شمار بھیڑ بکریاں تھیں۔ چنانچہ اس نے ایک عمدہ سی بھیڑ قربانی کے لئے منتخب کی۔ ہابیل کے دل میں خلوص تھا' وہ حضرت آدم علیہ السلام کے حکم کا ہر حالت میں پابند تھا۔ اس کے مقابلہ میں قابیل کے دل میں حسد و رقابت کی آگ جل رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہابیل چونکہ مسکین طبیعت' عاجزی پسند اور منکسر المزاج ہے اور اسے زیادہ شعور بھی نہیں ہے اس لئے وہ دربار خداوندی میں بھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس نے بے ادبی سے گندم کی ایک بوری چنی اور اسے لے کر قربان گاہ میں آ گیا۔

ہابیل اور قابیل دونوں نے اپنی اپنی قربانیاں بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ اچانک ایک زور دار گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی

marfat.com

دی۔ سب کے دل دہل گئے۔ بجلی سی کوندی، آگ کا ایک طویل و عریض شعلہ لپکا اور اگلے ہی لمحہ سب نے دیکھا کہ ہابیل کا مینڈھا قربان گاہ سے غائب ہو چکا تھا مگر قابیل کی گیہوں کی بوری جوں کی توں پڑی ہوئی تھی ...... دیکھا تم نے؟

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، اگر تمہارے دل میں خلوص ہوتا اور تم نیک نیت اور صحیح راہ پر ہوتے تو یقیناً تمہاری قربانی قبول ہو جاتی'' قابیل سب کے سامنے اپنی تذلیل برداشت نہ کر سکا۔ اس نے ...... حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھ کو پرے ہٹایا اور ...... ہونٹ سکوڑ لئے۔

............O............

اور پھر اسی روز شام کو وہ ہابیل سے چراگاہ میں کہہ رہا تھا ''ہابیل! میں تمہیں قتل کر دوں گا'' لیکن بھائی جان میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ ...... ''ہوں۔ تمہارا جرم یہی ہے کہ تمہاری قربانی کیوں قبول ہوئی''۔

تو یہ بات ہے بھائی جان ...... خدا کی قسم اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اُن لوگوں کی قربانی قبول کرتا ہے جو راہِ راست پر ہوتے ہیں اور جن کے دل کبر و حسد اور دشمنی سے یکسر پاک ہوتے ہیں''۔

''ہابیل! خواہ کچھ بھی ہو، میں اپنے آہنی ہاتھوں سے تمہاری گردن ضرور مروڑ دوں گا''۔ قابیل نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے لال لال آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''بھائی جان! ...... ہابیل نے حلیمی سے جواب دیا: میں آپ پر ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا خواہ آپ مجھے قتل کر دیں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر آپ نے حسد سے مغلوب ہو کر مجھے قتل کر بھی ڈالا تو پھر آپ پر خدا کا غضب نازل ہو گا اور گنہگار و مغضوب کا ٹھکانہ دوزخ کے علاوہ اور کہیں بھی نہیں ہے''۔

ہابیلؑ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ قابیل اسے قتل کر دے گا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یہ سب باتیں اشتعال میں آ کر کہہ رہا ہے اور جب اس کا غصہ اُتر جائے گا تو وہ اپنے رویہ پر شرمسار ہو گا لیکن اگلے ہی روز جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کہیں دور تشریف لے گئے تھے اور ہابیلؑ سویا ہوا تھا تو قابیل نے ایک بڑا سا پتھر اُٹھایا اور اسے ہابیلؑ کے سر پر دے مارا۔ ہابیلؑ نے ایک چیخ ماری، تھوڑی دیر تڑپا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا۔ اب قابیل کے سامنے سوال یہ پیدا ہوا کہ لاش کہاں چھپائے۔ یہ تختہ ارضی پر پہلا قتل تھا، اس کے قبل لوگ قتل کے حقیقی مفہوم سے بھی

marfat.com

نا آشنا تھے۔ اس نے لاش کو کاندھے پر اُٹھایا اور بھاگ نکلا۔ سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا' گرمی سے برا حال تھا' اس کی سانس اُکھڑ چکی تھی اور خیالات اس قدر پریشان تھے کہ وہ اس بار سے چھٹکارا پانے کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ اچانک اس کی نگاہ دو کووں پر پڑی جو لڑ رہے تھے۔ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا' اپنی چونچ سے چھوٹا سا گڑھا کھودا اور پھر وہیں مردہ کوّے کو دفن کر کے زمین برابر کر دی۔ یہ دیکھ کر قابیل کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اُس نے بھی گڑھا کھودا اور ہابیل کو اس میں رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔

............O............

اب وہ ایک انجانی سمت کی طرف بڑھ رہا تھا مگر اکیلا نہیں تھا بلکہ اب اس کے ساتھ اقلیما بھی تھی۔ قتل کرنے کے بعد اب اس کا بستی میں رہنا ناممکن تھا۔ انہیں متواتر چلتے ہوئے دو دن اور دو راتیں ہو چکی تھیں۔ دونوں تھکاوٹ سے چور ہو کر ایک چشمے کے کنارے ٹھہر گئے۔ قابیؔل نے کپڑے سے کھانا نکالا اور ابھی پہلا لقمہ ہی کھانے پایا تھا کہ اُسے آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک بوڑھا جو اس کیلئے بالکل اجنبی تھا اور جس نے جسم پر لمبا سا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور جس کے ہاتھ میں لمبا سا عصا تھا' اُس سے کہہ رہا تھا ''شاباش قابیل! تم نے واقعی ایک عظیم کارنامہ کر دکھایا''۔

''مگر تم کون ہو'' ......؟ قابیل کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں ''میں کوئی بھی ہوں' تمہیں اس سے کیا' میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں'' ......مگر تمہیں نہیں معلوم کہ مجھے اس کیلئے ایک جرم کا ارتکاب کرنا پڑا ہے'' ......؟ ''میں جانتا ہوں کہ اس کیلئے تمہیں معصوم بھائی کو قتل کرنا پڑا مگر تم جانتے ہو تمہاری قربانی کیوں قبول نہیں ہوئی؟

قابیؔل سراپا استعجاب بن کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ '' اُس کی وجہ یہ تھی کہ ہابیؔل آگ کی پرستش کرتا تھا' وہ سب سے چھپ کر چراگاہ میں آگ جلا کر اس کی پرستش کیا کرتا تھا اسی لئے آگ نے اس کی قربانی قبول کر لی''۔ ...... ''واقعی'' ......؟

''ہاں! ...... اور تمہارے گناہ بھی معاف ہو سکتے ہیں تم بھی ایک عظیم انسان بن سکتے ہیں مگر اس کیلئے تمہیں آگ کی پرستش کرنا پڑے گی۔ مجھے دیکھو میں آگ کی پرستش کرتا ہوں اور یہ دیکھو میری طاقت''۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں آگ پیدا ہو گئی۔ ''جھک جاؤ اس آگ کے سامنے'' اجنبی بوڑھے نے ہاتھ پھیلا کر کہا: قابیل جھجک گیا' دیکھتے کیا ہو؟ جھک جاؤ' تمہاری قربانی بھی قبول ہو سکتی ہے' اور پھر اگلے ہی لمحہ قابیؔل نے آگ کے سامنے سر جھکا دیا۔

marfat.com

............O............

قابیل دنیا میں سب سے پہلا قاتل آگ کے سامنے جھکا ہوا تھا اور بوڑھا ابلیس اس آنے والے دور کو دیکھ رہا تھا جس میں قابیل کی اولاد آگ کی پرستش کرنے کے ساتھ ساتھ شرک وفسق و گناہ کے سمندروں میں ڈوبی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ''میں انتقام لوں گا اولادِ آدم سے' خوفناک انتقام' ......ابلیس بڑبڑایا اور غائب ہو گیا۔

marfat.com

خواجہ محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ

سلسلۂ عالیہ قادریہ کے مہر منیر حضرت خواجہ محمد عمر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۶۴ء بکرمی میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں مان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ محمد جیون رحمۃ اللہ علیہ نہایت پارسا' خدا ترس اور صاحب سلوک شخصیت تھے جبکہ آپ کی والدہ ہمہ وقت ذکر خداوندی میں محو رہنے والی خاتون تھیں۔ یہ انہی محترم والدین کی دعاؤں کا اثر تھا کہ ان کے فرزند جلیل خواجہ محمد عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ مطلع رشد و ہدایت پر نجم تاباں کی صورت طلوع ہوئے۔ جب خواجہ محمد عمر پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ محترمہ کثرت ریاضت وعبادت سے نحیف ہوچکی تھیں اس لئے پرورش کی غرض سے آپ کو برادر بزرگوار فخر الاسخیا حضرت سخی احمد یار قادری کی اہلیہ محترمہ کی گود میں دے دیا گیا۔ یہی فخر الاسخیا تھے جنہوں نے خواجہ محمد عمر قادری کے شیخ طریقت کی حیثیت سے انہیں ذوق پرواز بخش کر عالم لاہوت کا شاہین بنا دیا۔

خواجہ محمد عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ ابھی پانچ برس ہی کے تھے کہ والد ماجد انتقال فرما گئے۔ عظیم والد کے سائے سے محرومی کے باوجود آپ نے حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اوائل عمر ہی میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ لیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون سے آشنائی حاصل کرلی۔ آپ بچپن ہی سے خلوت پسند اور عبادت کی طرف مائل تھے۔ دل میں یاد خداوندی کی تجلیات ضوفگن رہتیں۔ آپ کی روشن پیشانی سے آپ کی بلند مقامی کے آثار ہویدا تھے' آپ کا لڑکپن یاد خدا کی طرف مائل رہنے اور احکام شرعیہ کو بجالانے کی ہر ممکن سعی کرنے کی بناء پر اس حقیقت کا غماز تھا۔

ع ...... کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

آپ کی جوانی نہایت پاکیزہ اور صالحیت کی تصویر تھی' آپ کے سامنے برادر بزرگ حضرت سخی احمد یار قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت آسمان معرفت پر آفتاب کی صورت جگمگا رہی تھی۔ آپ کے بھائی بھی تھے اور آپ کی چاہتوں کا محور بھی۔ لہٰذا آپ نے بے اختیار ہوکر حضور فخر الاسخیا سے استدعا کی کہ مجھے بیعت فرمائیں۔ انہوں نے اس برادر خوش خصال کو کئی آزمائشوں سے گزارنے کے بعد

marfat.com

جب بیعت فرمایا تو خواجہ محمد عمر قادری کی دنیا ہی بدل گئی۔ کھانے پینے کا ہوش جاتا رہا' دنیاوی علائق سے دل بیزار ہو گیا اور ہر وقت یاد خداوندی کی فکر دامن گیر رہنے لگی۔ یہ دیکھ کر حضرت فخر الاسخیا نے فرمایا کہ جب دنیا میں رہنا ہے تو پھر اس سے بھی تعلق ہونا چاہیے۔ شیخ کامل کا یہ ارشاد ہی آپ کی دنیاوی امور کی طرف رغبت کا باعث بن گیا۔ اس کے باوجود بھی زیادہ سے زیادہ وقت شیخ کامل کی راہنمائی میں رضائے خداوندی اور خوشنودی مصطفیٰ ﷺ کے حصول کیلئے صرف کرتے۔

خواجہ محمد عمر قادری کی زندگی عبادت و ریاضت سے عبارت تھی۔ شیخ و مرید کی راہنمائی میں بلند سے بلند مقام عطا ہو رہا تھا مگر پھر بھی یہی تمنا مچل رہی تھی کہ مجھے اور آگے بڑھنا چاہیے۔ پیر و مرشد کے روکنے کے باوجود اصرار غالب آ جاتا۔ آپ کے سینے میں عشق خداوندی کا دھارا پھوٹ رہا تھا جو کہیں رکنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اسی دوران میں مقام حقیقت کے ادراک کے سلسلہ میں ایک الجھن پیش آ گئی جو آپ کے شعور سے بالاتر تھی۔ آپ نے فخر الاسخیا سے الجھن کا حل دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ابھی بچے ہو' اس پر آپ نے عرض کیا ''حضرت آپ مجھے سمجھا دیجئے' زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا سوکھ کر کانٹا ہو جاؤں گا''۔

آپ کا اتنا کہنا تھا کہ جسم سوکھنے لگا اور جسم و سر پر ایک بال بھی نہ رہا۔ حضرت نے فرمایا کہ ''بیٹا مجھے اسی بات کا خدشہ تھا' خیر مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ''

آپ کو مختلف طبیبوں' معالجین اور ویدوں کے پاس لے جایا گیا مگر بجائے صحت یابی کے مرض بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ معروف طبیب شنکر داس نے کہا کہ آپ کا مرض بہت بڑھ گیا ہے اس لئے آپ کو گاؤں سے باہر دوسروں سے الگ رکھا جائے اور آپ کے خورد و نوش کا بھی علیحدہ بندوبست ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس پر عمل ہونے لگا۔

آپ گاؤں سے باہر ایک مقام پر بیٹھے رہتے۔ اپنی حالت دیکھتے اور اسے خالق کی رضا سمجھ کر چپ ہو رہتے۔ ان ایام میں آپ کی زبان پر حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیف کردہ ''قصیدہ مضریہ'' ہر وقت جاری رہتا تھا' سوتے جاگتے اسی قصیدہ مبارکہ کا ورد کرتے رہتے۔ دل اس تمنا میں مچلتا رہتا کہ کاش وہ شرف مجھ کو عطا ہو جائے جو صاحب قصیدہ امام بوصیری کا مقصد بنا تھا۔

اور پھر اس خلوت کدۂ آرزو کے چراغاں ہونے کی ساعت آ پہنچی۔ یہ وہ ساعت ہے جس کی آرزو میں نجانے کتنے عشاق کی زندگیاں بیت گئیں۔ ایک دوپہر کو آپ شہتوت کے درخت کے نیچے بیٹھے قصیدہ مضریہ پڑھ رہے تھے۔ آنکھوں سے جوئے اشک رواں تھی' اتنے میں بجانب مغرب

marfat.com

ایک شعلۂ نور چمکا اور سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تشریف فرما ادھر سے گزرے۔ ایک غلام ہمراہ تھا اس نے عرض کی:

''یارسول اللہ! نگہ کرم فرمایئے یہ بھی ایک گنہگار ہے''۔

رحمت پناہ بے کساں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کمال رحمۃ للعالمینی سے ارشاد فرمایا:

''اگر یہ گنہگار ہے تو ہم نے معاف فرما دیا''

پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ آپ کے گلو سے سر کی طرف لہرایا اور پھر محبوب کائنات نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ آپ نے ایک کسان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدھر کو گئے ہیں۔ وہ کسان کیا بتاتا' یہ جلوۂ نظر تو فقط آپ کیلئے مخصوص تھا۔ آپ نے سر پر ہاتھ پھیرا تو ایک باریک چمڑے کی ٹوپی جس میں بالوں کے سوراخ نظر آتے تھے' الگ ہو گئی۔ ہاتھوں اور پاؤں کو دیکھا' چہرے پر ہاتھ پھیرا تو سب کچھ صحیح سالم نظر آیا جیسے کبھی بیمار ہوئے ہی نہ تھے۔ آپ حیران و متعجب حضرت فخر الاسخیا کی خدمت میں تشریف لائے تو وہ روشن ضمیر شخصیت دیکھتے ہی پکار اٹھی کہ:

''محمد عمر بے شک تم پر فضل الٰہی ہو چکا ہے''

آپ پھر ان حکیموں اور معالجوں کے پاس گئے جو آپ کو لاعلاج اور روگی قرار دے چکے تھے۔ انہوں نے بیک زبان کہا کہ یہ کسی طبیب کی دوا کا اثر نہیں بلکہ

''یہ تو محبوب عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے''

آپ کی حیرت انگیز صحت یابی نے عشاق مصطفیٰ کے دلوں کو غیر معمولی ایمانی تازگی بخش دی۔ آپ کی صحت یابی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان عام بن گئی۔ سچ ہے کہ:

ع ...... یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اگرچہ آپ کے مرشد آپ کے برادر بزرگ تھے جو آپ سے بیٹوں کی طرح والہانہ پیار کرتے تھے مگر آپ نے ارادت و عقیدت کی راہوں پر چل کر حضور فخر الاسخیا کو ہمیشہ اپنے شیخ محترم کی نظر سے دیکھا اور اس احترام و عقیدت کے رشتے میں خونی رشتوں کو حائل نہ ہونے دیا۔ حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو مقامات تصوف کی بلندیوں پر فائز کرنے کیلئے ہر قسم کی عبادات اور مجاہدات کے کٹھن مراحل سے گزارا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ بہت جلد اس روحانی مقام و مرتبہ پر فائز ہو گئے' جس کیلئے بہت سے اصحاب نظر عمر کی آخری ساعتوں تک تمنائی رہتے ہیں۔ حضور فخر الاسخیا

marfat.com

نے آپ کو اپنی زندگی ہی میں اپنی مسند ارشاد کا جانشین مقرر فرمایا۔جب ارادت مند آداب سلوک سے آشنا ہونے کیلئے فخر الاسخیا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ انہیں یہ فرماتے ہوئے خواجہ محمد عمر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرما دیتے کہ:

''محمد عمر میری کتاب ہے جس نے میری کتاب پر شک کیا' اس نے مجھ پر شک کیا' جس نے مجھے پڑھنا اور سمجھنا ہو وہ میری کتاب کو پڑھے اور سمجھے''۔

جب فخر الاسخیا حضرت سخی احمد یار رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما گئے تو ارادت مندوں کی تمام تر توجہ حضرت خواجہ محمد عمر قادری کی طرف ہوگئی۔آپ فخر الاسخیا کے چہیتے اور ان کے فکری ونظری جانشین تھے' اس لئے جب آپ نے مسند ارشاد پر جلوہ گر ہوکر روحانی فیوض کو عام کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو چاروں طرف آپ کے کمال سخاوت کی دھوم مچ گئی اور دور دور سے ارادت مند شوق آرزو لئے آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت فخر الاسخیا نے خواجہ محمد عمر قادری سے عالم رویا میں ارشاد فرمایا:

''بیٹا اب تم یہاں سے (پیروکوٹ سے) کسی اور جگہ چلے جاؤ''۔

آپ نے جواب میں شیخ کے قدموں سے دوری کا عذر کیا تو فخر الاسخیا نے فرمایا:

''بیٹا اسی میں بہتری سمجھتا ہوں کہ تم یہاں سے ہجرت کر جاؤ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس جگہ جاؤ گے میرے قدم بھی اسی جگہ جائیں گے یہاں نہیں رہیں گے''۔

صبح ہوئی تو آپ شیخ کے حکم کی تعمیل میں پیروکوٹ سے چل پڑے۔ استغراق کا غلبہ تھا۔ گوجرانوالہ کے قریب آکر معلوم ہوا کہ مشرق کی طرف چل رہے ہیں۔ چنانچہ گوجرانوالہ پہنچنے کو خدا کی مرضی پر محمول کیا اور پھر اس شہر میں سکونت فرمائی جو زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہی اور آج بھی بعد از وصال یہیں سے آپ کا اور فخر الاسخیا کا فیض روحانی جاری ہے۔

گوجرانوالہ میں غوث العصر خواجہ محمد عمر قادری کی تشریف آوری اس علاقہ کے عوام کے بنجر دلوں کیلئے باران رحمت کا سبب ثابت ہوئی۔ سکھا شاہی کے اس دور میں مسلمانوں کے حقوق پامال کئے جارہے تھے۔ مسلمان اپنے روشن ماضی سے بے خبر عہد حال کی تاریکیوں میں گم تھے۔ ان کے دلوں سے احساس زیاں رخصت ہو چکا تھا۔

آپ نے مسلمانوں کو احساس زیاں سے بہرہ ور کیا کہ تمہارے اسلاف کیا تھے اور اپنی بد اعمالیوں کی بدولت تم کس قدر ذلیل وخوار ہوگئے ہو۔ آپ نے مسلمانوں کو رسومات بد کی ادائیگی سے

marfat.com

روکا اور وہ غلط رسوم جو کفار کی دیکھی دیکھی ان میں رائج ہوگئی تھیں، ان کے خاتمہ کیلئے جدوجہد شروع کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے راستے میں بیشمار رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ آپ کی مبلغانہ اور اصلاحی مساعی کو ناکام بنانے کیلئے اغیار کی طرف سے طرح طرح کے حربے آزمائے گئے مگر آپ تو نورِ حق کی تنویر تھے اور

نورِ حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

آپ کے فیوض عام کا سلسلہ پھیلتا گیا۔ آپ کی صحبت سے مسلمان بھی مستفیض ہوتے اور غیر مسلم بھی۔ غیر مسلم جب آپ کے پاکیزہ کردار کا مطالعہ کرتے تو آہستہ آہستہ ان پر آپ کا رنگ غالب آنے لگتا اور بعض کی خوش بختی انہیں حلقہ بگوش اسلام کر دیتی۔ حضرت غوث العصر احکام شرعیہ کی مکمل تفسیر تھے۔ آپ کی زندگی سنت رسول کی تصویر تھی، خود بھی سنت رسول اور احکام شرعیہ پر سختی سے عمل فرماتے اور اپنے ارادت مندوں اور مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ دنیاوی و اُخروی فوز وفلاح کا واحد ذریعہ احکامات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع میں ہی مضمر ہے۔

غوث العصر خواجہ محمد عمر قادری سے ایک زمانہ فیضیاب ہوتا رہا۔ آپ کے فیوض کا بحرِ بے کراں صرف اپنوں کیلئے ہی نہیں بلکہ غیروں کیلئے بھی مواج تھا۔ یار و اغیار کی قید نہ تھی، آپ کی صحبت دلوں کو خدا آشنا کر دیتی۔ آپ کے حلقۂ تربیت میں علماء بھی آتے اور فضلاء بھی۔ درویش بھی حاضری دیتے اور اغنیاء بھی، غرباء بھی آتے اور امراء بھی۔ علوم ظاہری کے متلاشی بھی آتے اور نور باطنی کے جویا بھی۔ آپ کا سحاب لطف و کرم سب کو یکساں انداز سے فیضیاب کرتا۔ آپ کی نگاہ پرتاثیر تھی، جس پر پڑی اسے ذرے سے آفتاب اور ناقص سے کامل بنا دیا۔ دنیا دار آپ کی محفل میں آئے تو دین کی طلب کے سوا کچھ یاد نہ رہا۔ آپ کے خوان رحمت سے فیضاب ہونے والوں میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال جیسے نابغۂ روزگار بھی شامل تھے۔ غوث العصر کے ایک خلیفہ حضرت سائیں عبداللہ شاہ قادری سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ علامہ محمد اقبال سے غیر معمولی ارادت رکھتے۔ جب غوث العصر سیالکوٹ تشریف لے جاتے تو شیخ نور محمد مسلسل آپ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ علامہ محمد اقبال بھی اس مرد قلندر سے خصوصی ارادت و عقیدت رکھتے اور گوجرانوالہ آ کر بازار خراداں میں غوث العصر کے مزار پرانوار پر حاضری دیتے اور کافی دیر تک اس مزار پر حالت مراقبہ میں رہتے۔ شاعر مشرق کی ہمشیرہ کے صاحبزادے ڈاکٹر نظیر صوفی سیالکوٹی کے بقول "علامہ اقبال جس وقت چار برس کے تھے تو حضرت خواجہ محمد عمر عباسی

marfat.com

قادری اپنے خلیفہ سائیں عبداللہ قادری کے ہاں سیالکوٹ تشریف لائے۔ شیخ نور محمد نے اپنے دادا پیر کی دعوت کی اور اقبال کو مرشد کے توسط سے دادا پیر کی گود میں بٹھایا۔ غوث العصر نے اپنا لعاب دہن علامہ کے منہ میں لگا کر بسم اللہ پڑھوائی''۔

یہ حضور غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ ہی کا فیض تھا جس نے علامہ محمد اقبال کے گھرانے کو تصوف کا ترجمان بنا دیا اور سیالکوٹ سے شاعری کے افق پر ابھرنے والے محمد اقبال تاریخ اور شعر و ادب میں حکیم الامت' شاعر مشرق اور ترجمان اسرار خودی کے القاب سے یاد کئے گئے۔ ایک علامہ محمد اقبال ہی پر کیا موقوف یہاں تو علم و حکمت اور تصوف و روحانیت کا چمنستان کھلا ہوا تھا' جس کی خوشبو سے وقت کے اصحاب علم و حکمت اور اصحاب فکر و نظر یکساں طور پر اپنے مشام جان کو معنبر کر رہے تھے۔ طریقت و معرفت کی گتھیاں سلجھائی جاتیں' سلوک و تصوف کے انوار لٹائے جاتے۔ غوث العصر کی ذات میخانہ تصوف کی ساقی بنی ہوئی تھی' اور جو ایک بار اس میخانہ تصوف کے مئے معرفت سے بہرہ یاب ہو جاتا پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہیں کا ہو جاتا۔ کس کس کا ذکر کیا جائے' کس کس کا نام لیا جائے' ان اصحاب فکر کی ایک بڑی تعداد تاریخ کے البم میں محفوظ ہے جو غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ فیض ترجمان کی بدولت دینی و دنیاوی مدارج طے کر کے شہرت عام اور بقائے دوام کی سربلندیوں کے حق دار ٹھہرے۔

آپ کی سیرت صحیح معنوں میں سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ لئے ہوئے تھی۔ آپ کا کردار اسلاف کے کردار کا احسن نمونہ تھا۔ آپ سے بے شمار کرامات مروی ہیں جن کے اظہار کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ ہمارے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کا خطۂ پنجاب کو اسلامی شعائر اور دینی ماحول سے آشنا کرنا ہے۔ آپ نے مردہ دلوں کو اپنے انداز مسیحائی سے زندہ کر دیا اور یہ دل خدا کی محبت و عنایت کے مخزن بن گئے۔

آپ کی ذات غم و آلام کے ستائے ہوؤں کیلئے سراپا تسلی تھی۔ آپ نے دنیا بھر کے ٹھکرائے ہوؤں کو سینے سے لگا کر اپنا بنا لیا اور پھر وہی لوگ زمانے کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ غوث العصر نحیف البدن' دراز قد اور گندمی رنگت کے حامل تھے۔ چہرے سے نورانیت عیاں تھی' سینہ کشادہ اور محبت رسول کا معدن تھا۔ آپ نے گمراہوں کو صراط مستقیم کا شعور بخشا' بے یقینوں کو یقین کی دولت عطا کی۔ ایمان کی روشنی سے محروم انسانوں کے قلب کو نور ایمان سے ضوفگن کر دیا۔ وہ بدقسمت کہ جنہیں اپنی پہچان بھی محال تھی آپ کے حلقۂ تربیت میں آ کر عرفان خداوندی کی منزل پر فائز ہو کر خوش بخت بن گئے۔

آپ کی خلافت کا معیار کڑا تھا مگر آپ نے جسے خلافت عطا کر دی وہی روح عصر بن گیا۔ یہ اعزاز

marfat.com

عظمت حقیقت پر مبنی ہے کہ:

وہ اک مرد عمل جس کو دلوں کا تاجور کہیے
اسے غوث زماں کہیئے اسے خواجہ عمر کہیے
وہ جس کا اسوۂ پرنور شمع راہ ایماں ہے
اسی کی ہر ادا کو شوکت اہل نظر کہیے
(رضا)

ایک طویل عرصہ تک دلوں کو روشنی اور عشق رسول کے انوار سے آباد کرنے کے بعد یہ مرد عظیم ۵ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ بمطابق ۲۸ ساون ۱۹۴۹ء بکرمی بوقت تہجد اپنے عشاق کو غمزدہ وملول چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوگیا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۸۴ برس تھی۔ غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال انور کے بعد آپ کے سلسلۂ روحانیت کو آپ کے فرزند جلیل حضرت خواجہ محمد عبداللہ عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھایا۔ ان کے بعد ان کے فرزند حضرت خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری اس دربار عالیہ کے فیوض و برکات کو عام کرتے رہے۔ پھر یہ شرف ان کے فرزند حضرت قبلہ خواجہ محمد بشیر عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا مقدر بنا۔ آج یہ تمام شخصیات اپنے اپنے دور میں غوث العصر کے انوارِ روحانی کو عام کرنے کے بعد دربار عالیہ قادریہ بازار خراداں میں آسودۂ لحد ہیں مگر ان کی تعلیمات آج بھی مہر و ماہ کی طرح ضوریز ہیں۔

marfat.com

شہریارِ خطابت

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ انسانیت میں وہی لوگ حیات دوام کے مستحق ٹھہرتے ہیں جو حالات کی گردشوں کو ٹھوکر سے اڑاتے ہوئے مرکب وقت کے شہسوار ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ یہ سعید بخت نفوس زندگی کا وقار اور اپنے عہد کا افتخار ہوتے ہیں۔ آزادئ برصغیر کے جاں بکف قافلے کے ہراول دستے کے مردصف شکن خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی انہی فرزندان عظیم میں ہوتا ہے' جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریز اور انگریزی سرکار کے زیرسایہ پرورش پانے والی خانہ زاد نبوت کے خلاف اس مجاہدانہ انداز سے جنگ لڑی کہ اپنے تو اپنے اغیار بھی ان کی صلاحیتوں کو ارمغان عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ ۱۹۱۱ء کو پنجاب کے مشہور روحانی مرکز آلومہار شریف میں پیدا ہوئے' آپ کا خاندان کئی پشتوں سے پنجاب بھر میں روحانیت وطریقت کے انوار تقسیم کر رہا تھا۔ سادات آلومہار میں حضرت سید جیون شاہ وہ پہلے بزرگ ہیں' جنہوں نے اس بستی میں علم وعرفان کی دولت تقسیم کی۔ بعد میں ممتاز روحانی شخصیت حضرت پیر سید چنن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت یہ بستی اسلامیان برصغیر کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ سید چنن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ سید محمد امین شاہ اور ان کے بعد پیر سید محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلۂ عالیہ کو اس قدر وسعت دی کہ آلومہار شریف کا نام روحانی اقدار کی عملی تفسیر بن گیا۔ خطیب الاسلام سید فیض الحسن انہی خواجہ سید محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے اور اسی پیکر علم وآگہی نے اپنے فرزند ارجمند کی اس طور تربیت کی کہ یہ شاہسوار خطابت آنے والے ادوار میں آزادی و حریت کے قافلے کی آبرو بن گیا۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے مرے کالج سیالکوٹ سے امتیازی حیثیت سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ کالج کی تعلیم کے دوران میں یہ اپنی قوت تقریر کا

marfat.com

لوہا اس طرح منوا چکے تھے کہ پنجاب بھر کے کالجوں اور دینی مجالس میں آپ کی تقاریر کی صدائے باز گشت سنائی دینے لگی۔ اسی دور میں نامور شاعر فیض احمد فیض بھی اس کالج میں زیر تعلیم تھے۔ صاحبزادہ صاحب کے وصال کے بعد فیض مرحوم نے اپنے ایک انٹرویو میں صاحبزادہ سید فیض الحسن کی ادبی و شعری صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا۔ حالانکہ صاحبزادہ صاحب مدتوں اپنی شعر گوئی کی صلاحیت کو چھپائے رہے۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے دینی تعلیم کے حصول کیلئے نامور علمائے دین مولانا عبدالمجید سنبھلی اور مولانا لطف اللہ کیرت پوری کے حضور زانوئے تلمذ طے کیا۔ ۱۹۳۳ء میں جب پیر سید محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ اس مرکز روحانیت کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن کو قدرت نے جذبۂ حریت کی دولت اس شان سے ودیعت کی تھی کہ یہ زمانۂ طالب علمی ہی میں انگریزی سامراج کی متشددانہ پالیسیوں پر تنقید کرنے لگے تھے۔ یہ وہ وقت تھا' جب انگریزی اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر جگمگا رہا تھا۔ چاروں طرف ظلم وتشدد کی تاریک رات مسلط تھی۔ انگریز کا دعویٰ تھا کہ وہ برصغیر پر کم از کم ایک ہزار برس حکومت کرے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی سلطنت میں سورج کے غروب ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انگریزی پالیسیوں پر تنقید کا دوسرا مطلب دار و رسن کی آزمائش سے دوچار ہونا تھا۔ برطانوی سامراج نے ایک طرف وحشت و بربریت کے مہیب سائے پھیلا رکھے تھے اور دوسری طرف خطابات' القابات اور مراعات کے نام پر حرص و آز کا دام پھیلا رکھا تھا۔ یہ وہ کٹھن دور تھا جب آزادی وحریت کا نام لینا عبرتناک موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس پرآشوب دور میں صاحبزادہ سید فیض الحسن کی اولوالعزمی' ایمانی استقامت اور جذبۂ جہاد سے لگن آزادی پسند حلقوں کیلئے راہ عزیمت میں مردانہ وار آگے بڑھنے کا پیغام بن کر ابھری۔ انہوں نے ایک طرف حریت پسندوں کو ولولۂ تازہ سے آشنا کیا اور دوسری طرف برصغیر کے خانقاہ نشینوں کو یہ کہہ کر پیغام شبیری کے تقاضوں سے بہرہ ور کیا کہ:

ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی تھی' جہاں چاروں طرف خدام اور چاہنے والوں کا ہجوم تھا' ارادت مند گروہ در گروہ تھے مگر اس پیکر حریت کے سینے میں شعلۂ آزادی اس شان سے رقصاں ہوا کہ اٹھتی جوانی میں اس راہ کا انتخاب کرلیا جس پر

marfat.com

شہادت گہ الفت میں قدم رکھنے کا اطلاق ہوتا تھا۔ ایک بہت بڑے مقرر اور خطیب کی حیثیت سے آپ کی شہرت پنجاب کی حدود سے نکل کر دوسرے صوبوں تک پہنچ چکی تھی۔ ان دنوں مجلس احرار کی صورت میں انہیں ایک ایسا پلیٹ فارم میسر آیا' جہاں سے وہ برطانوی استبدادیت اور قادیانیت پر یکساں قوت سے ضرب کاری لگا سکتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ دونوں مفاسد اندر سے ایک ہیں۔ آپ نے اپنی ولولہ انگیز تقاریر سے ایوان باطل کو لرزا کر رکھ دیا۔ آپ کا سحر خطابت بے شمار دلوں کو ختم نبوت اور آزادی وحریت کی حرارت سے ہمکنار کرتا رہا۔ اس دوران میں برطانوی آقاؤں کی جانب سے اس جواں عزم پیکر استقلال کو خانقاہ کے گوشۂ عافیت میں واپس لوٹ جانے کے لئے کئی ترغیبات پیش کی گئیں' برے انجام سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دی گئیں مگر یہ سید زادہ تو سنت شبیری ادا کرنے کیلئے وقت کے میدان کربلا میں سر پر کفن باندھ کر آیا تھا اور اہل شوق کہتے ہیں کہ اس راستے پر سفر کا آغاز تو کیا جاسکتا ہے مگر واپسی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کی بارگاہ سے خطیب الاسلام اور رئیس المتکلمین کے القاب حاصل کئے اور ہر سمت اسم احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چاندنی بکھیرنے لگے۔

آلو مہار شریف کے سجادۂ روحانیت کے اس شہزادے نے دار و رسن کی آزمائش کو آزادی کا انعام سمجھ کر قبول کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کو جیل جانا پڑا تو غیر متزلزل ایمانی جذبے کیساتھ ہر صعوبت کو برداشت کیا مگر برطانوی استعماریت اور قادیانیت کا تعاقب ترک نہ کیا۔ اسی دوران میں حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں پاکستان کے حصول کیلئے جدوجہد فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی تھی۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن مجلس احرار میں رہتے ہوئے بھی قائداعظم محمد علی جناح کی مساعی کے معترف تھے اور پاکستان کو اسلامیان برصغیر کے خوابوں کی تعبیر سمجھتے تھے۔ چونکہ برصغیر کے جملہ سنی علماء و مشائخ اس معاملہ میں قائداعظم کے شانہ بشانہ چل رہے تھے اس لئے ایک بڑے شیخ طریقت ہونے کے ناطے صاحبزادہ سید فیض الحسن نے ہر گام پر قائداعظم کے مؤقف کو برحق اور پاکستان کو نجات کا واحد راستہ قرار دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے آپ نے مجلس احرار سے وابستگی ترک کر دی تاکہ قیام پاکستان کیلئے ان کے علاقہ میں زیادہ مؤثر انداز سے کام ہو سکے مگر فرنگی آمریت اور قادیانیت کو للکارنے کا عمل اسی شان سے جاری رہا۔

آپ ایک سحر طراز خطیب تھے' وہ خطیب کہ جس کے لبوں کی جنبش سے وقت کی نبض تھمتی اور حرارت حاصل کرتی ہے۔ پنجابی اور اردو میں یکساں مہارت سے خطاب کرتے۔ آپ کے قد و قامت'

marfat.com

حسن و جمال، دلکشی و رعنائی، مردانہ وجاہت، فکری ثقاہت، نظریاتی پختگی، الفاظ کے زیر و بم، انداز تکلم، پرجوش لہجے اور مرصع و مسجع پیرایۂ اظہار کو دیکھ کر بے اختیار یہ احساس ہوتا کہ قدرت نے حسن خطابت کیلئے یہ سانچہ بطور خاص موزوں کیا ہے۔ خطابت کا میدان آپ کی فکری و نظریاتی رزم گاہ تھا، جہاں آپ نے اسلام اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے خلاف فاتحانہ جنگ لڑی۔ آپ نے بمبئی اور راس کماری سے لے کر پشاور کے دور افتادہ دیہات تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آپ کا دور خطابت نصف صدی سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ دوران تقریر یوں محسوس ہوتا جیسے زمانے بھر کے الفاظ اس شہنشاہ اقلیم خطابت کے روبرو حاضر ہیں۔

لفظ اس کی بارگہ میں اس طرح تھے لا کلام
بادشہ کے سامنے جیسے کہ حاضر ہوں غلام
چن لیا جس لفظ کو اس نے ستارا ہوگیا
آسمان علم کا وہ شاہپارا ہوگیا
(محمد اکرم رضا)

تقریر کے دوران میں ہاتھوں کا اٹھانا، متضاد اور مترادف الفاظ کی یلغار، جوش تکلم کے ساتھ ساتھ بازوؤں کا بلند ہوتے جانا، الفاظ کی برستی ہوئی رم جھم، اشعار و تراکیب کا برمحل استعمال، قد رعنا اور پھر لفظوں کی ساحری، خوش لباسی و خوش پوشی اور نثر میں شاعری اور پھر انگشت شہادت کا اوپر کو اٹھانے کا مخصوص انداز، یوں محسوس ہوتا جیسے خطابت خود حسن خطابت کو دیکھ کر محو تماشا ہوگئی ہو۔ اجتماع ہزاروں کا ہوتا یا لاکھوں کا یہ شہریار خطابت سننے والوں کے دلوں میں اتر کر ہمیشہ ناقابل فراموش تأثر چھوڑنے میں کامیاب رہتا۔

ناطقہ تیری طلاقت پہ اگر قربان تھا
تھی طلاقت تیرے انداز خطابت پر نثار
اس طرح منہ سے ترے جھڑتے تھے پھول الفاظ کے
خلد سے جیسے بہاروں کا گرے اک آبشار

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت حق سے عشق مصطفوی کی دولت غیر معمولی طور پر ودیعت ہوئی تھی۔ ایک تو خاندانی روحانی تربیت اور پھر شاعر مشرق علامہ محمد اقبال سے والہانہ عقیدت، اقبال کا کلام دل پر حُبِ مصطفیٰ کے انوار کا نزول کرتا رہا۔ یہی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

ان کیلئے زندگی کی تمام مسافتوں میں خضر راہ بن گئی۔ تحریک آزادیٔ برصغیر سے لے کر ناموس رسالت کی پاسداری تک اور استحکام پاکستان سے لے کر نظام مصطفیٰ کی ترویج تک' انہوں نے ہر گام پر عشق رسول کا پرچم فراز وقت پر اس شان سے لہرانے کی کوشش کی کہ ان کی ہر ادا آوازۂ عمل میں ڈھل گئی۔ وقت کی ہر آزمائش گاہ میں' زندگی کے ہر دشت ابتلا میں' تاریخ کے ہر معرکۂ حق و باطل میں یہ محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہارے سرخرو رہے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے جملہ صلاحیتوں کا مرکز ومحور فروغ دین اسلام کو بنالیا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس وطن کی بنیادوں میں دو قومی نظریۂ اسلام کا نور موجزن ہے اور پاکستان کی نظریاتی اساس سے انحراف محبت رسول سے غداری کے مترادف ہے۔ ۱۹۷۴ء میں جب اس وقت کی حکومت نے قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا تو اس وقت بھی قادیانیت کے مفاسد سے عوامی اور قومی حلقوں کو آگاہ کرنے کیلئے جو ملک گیر تحریک تحفظ ختم نبوت چلائی گئی تھی' اس کے پس منظر میں بھی صاحبزادہ سید فیض الحسن کی مساعی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ جس روز قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا اعلان ہوا اس روز شام کو راقم کی آپ سے ملاقات ہوئی تو میں نے آپ کو اس قدر شاداں وفرحاں دیکھا کہ اس وقت کی کیفیت کو قلم بند نہیں کرسکتا۔ فرماتے تھے۔

آج ہمارا وہ عہد پورا ہوگیا ہے جس کی حرمت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے نصف صدی پیشتر عشق مصطفیٰ کی راہوں پر سفر کرنے کیلئے پہلا قدم اٹھایا تھا۔ اگر میرا آج ہی انتقال ہو جائے تو میں اس خوشگوار احساس کے ساتھ دنیا سے جاؤں گا کہ لحد میں رحمت خداوندی اور عنایات مصطفوی میری منتظر ہوں گی۔

؎ لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری قبر سنی تھی چراغ لے کے چلے

صاحبزادہ سید فیض الحسن ہمیشہ عوام وخواص کی آنکھوں کا تارا بنے رہے۔ تحریک ختم نبوت کے دوران ہمیشہ کلیدی کردار ادا کیا۔ جمعیت المشائخ اور جمعیت العلمائے پاکستان کی قیادت کرتے ہوئے ہمیشہ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت کو عزیز رکھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل اور مرکزی رویت ہلال کی رکنیت کے دوران بھی اسلامی شعار کی سرفرازی کیلئے کوشاں رہے۔ انہیں قدرت نے اس قدر تحمل' بردباری اور رواداری سے نوازا تھا کہ آج کے پرآشوب دور میں ان کی فراخی قلب و فکر کا اندازہ کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہے۔ سیاست کی وادیٔ پرخار میں سفر کرتے ہوئے' اسلام اور

marfat.com

پاکستان کے نظریاتی دشمنوں سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے' گستاخان بارگاہ رسول کے مقابل صف آرا ہوتے ہوئے انہیں بارہا طعن و تشنیع اور بے سروپا الزامات کے پل صراط کو عبور کرنا پڑا مگر یہ مرد مجاہد گالیاں کھا کر بھی مسکراتا رہا۔ پتھروں کی چبھن برداشت ہوئے دشمنوں کو دعا دیتا رہا۔ اپنے تو اپنے تھے اغیار کیلئے بھی کبھی اخلاق و تہذیب سے گری ہوئی زبان استعمال نہ کی۔ آل رسول سے تعلق رکھنے والا یہ مرد وحید اعداء کے بچھائے ہوئے کانٹوں پر چل کر بھی ان کی ہدایت کیلئے دست بدعا رہا۔ یہ غیر معمولی حوصلہ' بلند ظرفی' کشادگی' فکر و نظر عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھی جس کو فیاضی فطرت کے سبب صورت کی دلآویزی کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار کی خلعت دوام بھی عطا ہو چکی تھی۔ ان کی زندگی اس پیغام کی تفسیر تھی کہ:

دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے
سنگباری جو کرے کوئی دعا دی جائے

یہ محبت حضور ہی کا فیضان تھا کہ صاحبزادہ سید فیض الحسن کو نعت گوئی کی سعادت عظمیٰ عطا ہوئی۔ یہ علامہ محمد اقبال اور ظفر علی خاں کا زمانہ تھا۔ شاعری کے یہ آفتاب و ماہتاب برصغیر کی ہر تحریک آزادی پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن علامہ محمد اقبال کے زبردست مداح اور ان کی نظریاتی فکر کے پرستار تھے۔ یہی محبت انہیں کئی مرتبہ علامہ اقبال کی مجالس میں لے گئی۔ اقبال اور ظفر علی خاں کی فکر ان کے ذہن پر یوں اثر انداز ہوئی جب نعت گوئی کیلئے قلم سنبھالا تو اقبال کے سوز و گداز اور ظفر علی خاں کی شاعرانہ تب و تاب کے امتزاج سے مدحت حضور کے گلاب مہکانے لگے۔ ان کا شعری مجموعہ (نعت و نظم) ''ارمغان فیض'' کے عنوان سے شائع ہو کر ارباب نقد و نظر سے خراج تحسین حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی نعتیں ادبی و فنی لحاظ سے نہایت بلند پایہ ہیں۔ اس قدر خوبصورت شاعری رقم کرنے کے باوجود آپ نے اسے کبھی ذریعۂ شہرت نہ بنایا' جب اس کے بارے میں سوال کیا جاتا تو مسکرا کر ٹال دیتے۔ مشاعروں میں کبھی اپنا کلام نہ سنایا' تقاریر میں اپنے اشعار استعمال نہ کیے۔ آپ تو کلام اقبال کے حافظ تھے۔ دوران تقریر میں علامہ اقبال کے اشعار اس خوبصورتی سے برمحل استعمال کرتے کہ ان اشعار کے نئے نئے مفاہیم اجاگر ہونے لگے۔ آپ کی نعتوں میں محبت حضور تمام تر شدتوں کے ساتھ جلوہ ریز ہے۔ اس میں سوز و ساز جاودانہ کی تڑپ بھی ہے اور تمنائے ناتمام کی کسک بھی۔ دامان رسول سے وابستگی کا اظہار بھی ہے اور حسن عقیدت کا نکھار بھی۔

تبرکا چند اشعار درج ہیں۔

marfat.com

زہے نصیب سعادت ملی ہے مدحت کی
مری نجات کو یہ انتخاب کافی ہے
جناب! بندۂ بے دام مصطفےٰ ہوں میں
نکیر کو یہ لحد میں جواب کافی ہے

جمشید کا تو جام تھا جام جہاں نما
جام خدا نما ہے مگر جام مصطفےٰ

تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریم ذات
تیری نظر کے کیف سے مست ہے محفل حیات
مرہم زخم بے کسی خندۂ زیرلب ترا
چارۂ درد عاجزی تیری نگاہ التفات

یہ فیض عام ہے اے رحمت تمام ترا
جہاں میں درد کوئی لادوا نہیں ملتا
وہ آئے ساقیٔ کوثر کے میکدے میں ذرا
جسے گمان ہے آب بقا نہیں ملتا

صاحبزادہ سید فیض الحسن کی شخصیت میں ہمہ گیریت کا پہلو غالب تھا۔ ظاہری اور باطنی طور پر قدآور، جس مجلس میں گئے وہیں صدر محفل قرار پائے۔ ''اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' کی عملی تفسیر تھے، جرأت و ہمت کے پیکر، ایمانی استقامت کی علامت، حریت فکر کی پہچان، غیرت ملی اور تدبر و تفکر کا اک مظہر ذیشان، تمام عمر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جئے، خانقاہ نشینوں کو عصر حاضر کے نظریاتی تقاضوں کی بجا آوری کے آداب سکھائے، خاک نشینوں کو شاہینی پرواز کے لاہوتی نغمات سنائے۔ شاہ جی بولتے تو زمانہ ہمہ تن گوش ہو جاتا کہ روح عصر محو تکلم ہے، ان کی نواؤں میں بوئے اسد اللہی کی تاثیر اور اداؤں میں قلندری و آزادیٔ فکر کی تنویر نظر آتی۔ انہوں نے باطل قوتوں

marfat.com

کے سامنے جھکنا نہیں بلکہ انہیں جھکانا سیکھا تھا۔

شاہ جی ایسے پیر طریقت تھے کہ بے شمار ارادت مندوں کو عرفان الٰہی سے بہرہ ور کر
ایسے رہبر فرزانہ تھے کہ عشاق مصطفیٰ (ﷺ) کے دلوں کو عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے
بار کر گئے، قائد اہلسنّت تھے کہ ملت احناف کو اس کا فکری تشخص بخش گئے، وقار نقشبندیت تھے کہ با
قوتوں کو للکار کر سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نصب العین کو حیات تازہ عطا کر دی۔ راہنما
گردوں طراز تھے کہ زمانہ ان کی قیادت کو سرمایۂ اعزاز سمجھتا تھا۔ سحر طراز مقرر تھے کہ ان کے ا
نطق نے ملت اسلامیہ کے جسد مردہ میں آزادی کی روح پھونک دی، مدحت نگار مصطفیٰ صلی اللہ ع
وسلم تھے کہ ان کے نغمات نعت مدتوں مادیت زدہ دلوں کو عشق و عقیدت کی لطافتوں سے معمور کر
رہیں گے۔ ان کے تکلم پر ساحری اور ان کی تحریر پر شاعری کا گمان گزرتا تھا۔ بے داغ جوانی سے باوق
بڑھاپے تک زندگی اس شان سے گزاری کہ آج ان کا ذکر کرتے ہوئے بہت کچھ لکھ کر بھی قلم
عاجزی و درماندگی کا احساس ہوتا ہے کہ:

ع...... ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

آپ بڑے فخر سے اس سعادت کا اعلان کرتے کہ میں نے پچاس برس تک خدا اور اس کے
رسول ﷺ کا پیغام برصغیر کے ہر شہر اور قصبے میں پہنچایا ہے۔ زندگی کے آخری دور میں اپنی تقاریر
فقط روحانیت کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی کیلئے وقف کر دیا تھا۔ آپ کے اس دور کے خطابات بلاشبہ
تاریخ تصوف کا روشن باب ہیں۔ آپ کے ریڈیو پر نشر ہونے والے سینکڑوں خطبات اسلامی تعلیمات
اور ادب و انشاء کے امتزاج کا دل نشیں نمونہ ہیں۔ ۱۹۶۵ء کے معرکۂ پاک بھارت میں آپ کی
خطیبانہ مساعی پر آپ کو حکومت پاکستان کی طرف سے تمغۂ امتیاز دیا گیا۔ یہ تو ایک قومی اعزاز تھا
ورنہ آپ کا اصل اعزاز تو آپ کا وہ سفر آخرت تھا جو آپ کی لافانی محبت رسول کا انعام تھا۔ وفات
سے چند ماہ پیشتر دل کو تکلیف کا احساس ہوا۔ کچھ عرصہ میو ہسپتال میں رہے، طبیعت سنبھلی تو واپس
آ گئے۔ تقاریر اور خطابت کا سلسلہ ختم کر دیا اور خود کو فقط تعلیمات تصوف کے فروغ کیلئے وقف کر دیا۔
۲۳ فروری ۱۹۸۴ء کو دن کے ساڑھے گیارہ بجے گھبراہٹ کا احساس ہوا تو نقشبندی معمولات کو دہرایا۔
اچانک آپ کے چہرے کی دلکشی اور رعنائی میں اضافہ ہوگیا اور اہل خانہ سے فرمایا:

"روشنی آ رہی ہے، پردے ہٹا دو"

شہریار خطابت کی زبان سے ادا ہونے والا یہ آخری جملہ تھا اور پھر وہ شمع روشن لحد کی آغوش

marfat.com

میں ضوریز ہوگئی جس نے مدتوں اہل نظر کے دلوں میں اسم محمد سے اجالا کیا تھا۔ ایک شخص نہیں بلکہ ایک دور تاریخ کے نہاں خانوں میں روپوش ہوگیا۔ دبستان خطابت کا آخری زمزمہ پرداز خاموش ہوگیا۔ وہ بطل جلیل خاموش ہوگیا جو مجاہدین آزادی کا وقار بھی تھا اور ناموس رسالت کا پاسدار بھی۔ گلزار نعت کا وہ گل نو بہار نگاہوں سے اوجھل ہوگیا جس کی تعلیمات اور مدحت و نعت کی خوشبو ہمیشہ مشام افکار کو معنبر کرتی رہے گی۔

marfat.com

شیخ الحدیث

مولانا مفتی عبداللہ قادری مردانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحۂ ہستی پر بلاشبہ وہی شخصیات انمٹ نقوش ثبت کرنے میں کامیاب رہتی ہیں جن کی زندگی کا ہر عمل رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ یہ خوش بخت نفوس اپنی زندگیاں اس شان کے ساتھ اطاعت خداوندی اور اتباع سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کرتے ہیں کہ ان کا وجود صحیح معنوں میں مرد مومن کی تفسیر نظر آتا ہے۔ شیخ القرآن والحدیث، استاذ العلماء مولانا محمد عبداللہ قادری کا شمار بھی ان محسنین اسلام اور عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا ہے۔ آپ نے تمام عمر علوم دینیہ کی تدریس میں اس تندہی کے ساتھ بسر کر دی کہ آپ کا وجود اہل ایمان کی دھڑکنوں میں ڈھل گیا اور یہ آپ کی صفات حسنہ، خدمات جلیلہ اور فروغ اسلام کیلئے کی جانے والی مخلصانہ جدوجہد ہی کا نتیجہ ہے کہ آج آپ ظاہری طور پر جدا ہو کر اصحاب ایمان کے دلوں کے خلوت کدوں میں جاگزیں معلوم ہوتے ہیں۔

بعد از وفات تربت مادر زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ایک نابغۂ روزگار استاد اور اہل حق کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے والے مذہبی راہنما تھے۔ آپ محبت و شفقت کی روشن تصویر تھے۔ جو بھی ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ ہی کا بن جاتا۔ آپ متمدن علاقوں سے دور علاقہ جدون تحصیل صوابی ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ علم و حکمت کی فضا کیلئے انتہائی ناسازگار بلکہ بنجر تھا۔ جب آپ بچے تھے تو یہاں علم کے حصول کا تصور کرنا دیوانے کا خواب سمجھا جاتا تھا۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی مولانا فیض الرساں تھا، جو اپنے لخت جگر کو بھرپور انداز سے زیور تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے تھے مگر اُن کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنے بیٹے کو یتیمی کی تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ کر آغوش لحد میں آرام فرما ہو گئے۔ مولانا فیض الرساں جب تک حیات رہے محمد عبداللہ قادری بھی اپنے والد بزرگوار کی ایمان افروز صحبتوں سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ صوابی کا علاقہ پہاڑی

marfat.com

علاقہ ہے' جہاں برف باری کثرت سے ہوتی ہے اور جن چشموں سے پانی حاصل کیا جاتا تھا ان کے اوپر ہمہ وقت برف جمی رہتی تھی۔ مولانا فیض الرساں جب برف توڑ کر چشمے کے شدید خنک پانی سے وضو کرتے تو ننھے عبداللہ قادری بھی اپنے والد محترم کی اتباع میں اسی ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے اور والد محترم کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ مولانا فیض الرساں کی صحبت انہیں جتنا عرصہ بھی میسر رہی انہیں فقر و درویشی کے آداب سکھاتی رہی۔ اسی طرح آپ کی طبیعت بچپن ہی سے یاد الٰہی کی طرف مائل ہوتی گئی کیونکہ:

نہیں مشاطگی کی کچھ ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

والد محترم کی بے وقت رحلت کے بعد جب آپ نے علم کے حصول کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کے بھائیوں نے جواب آپ کے سرپرست تھے' آپ کی سخت مخالفت کی۔ اور آپ کی مزید حوصلہ شکنی کیلئے کھیتی باڑی کے مشکل ترین کام میں لگا دیا۔ ننھے عبداللہ قادری کھیتوں پر محنت بھی کرتے رہے مگر بھائیوں کی حوصلہ شکنی اور نامساعد حالات کی یورش ان کے شوق تعلیم کی جگمگاتی ہوئی شمع کو گل نہ کر سکی اور پھر ایک دن زمانے نے یہ منظر بھی دیکھا کہ تعلیم کے ابتدائی وسائل سے بھی محروم یہ بچہ آنے والے ادوار میں شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے متمدن علاقوں کے ترقی پذیر گھرانوں کے افراد کو تہذیب و تمدن کی حقیقی روشنی عطا کر رہا تھا۔

آپ نے تحصیل علم کیلئے مختلف علاقوں سے خوشہ چینی کی مگر دل کی تشفی نہ ہو سکی اور علم کی تشنگی کا احساس دل سے نہ مٹ سکا۔ بالآخر دینی علوم کے حصول کا جذبہ آپ کو فیصل آباد میں عظیم فقیہہ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر لے گیا۔ جب آپ اس بحرالعلوم کے آستانے پر پہنچے تو یوں محسوس ہوا' جیسے بے چین روح کو قرار آ گیا ہو۔ محدث اعظم حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ نامور عالم دین' عظیم شیخ الحدیث' تحریک پاکستان کے بے لوث کارکن' دوقومی نظریہ کے پاسدار اور عظیم المرتبت روحانی پیشوا تھے۔ ان کی علمی مجالس مولانا محمد عبداللہ کیلئے پیام شوق ثابت ہوئیں اور ان کے شب و روز اس مرد کامل کی فکری و روحانی صحبتوں کی نذر ہو کر رہ گئے۔ آپ محدث اعظم کے قائم کردہ دینی مدرسہ جامعہ رضویہ فیصل آباد سے دینی علوم کی تحصیل بھی فرماتے اور محدث اعظم کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ اندوز بھی ہوتے۔ آپ کا شمار محدث اعظم مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اولین اور ممتاز شاگردوں میں ہوتا ہے۔ حضرت محدث اعظم بھی

marfat.com

آپ سے غایت درجہ شفقت فرماتے تھے۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے جامعہ رضویہ کو ابتدائی مراحل سے لے کر ترقی کی بلند منازل کی جانب گامزن ہوتے دیکھا ہے۔ آپ نہ صرف محدث اعظم کے نامور شاگرد تھے بلکہ آپ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کر کے سلسلۂ قادریہ کے فیوض بھی حاصل کیۓ۔

دینی علوم کی تحصیل کے دوران میں آپ نے بہت سی معاشی اور مادی تکالیف کا سامنا کیا ہے۔ آپ نے محنت مزدوری کو کچھ عار نہ سمجھا بلکہ ہر جائز طریقے سے محنت کے ذرائع استعمال کیۓ۔ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کیلئے آپ نے جلد سازی کا کام بھی شروع کر دیا اور بہت جلد اس فن میں ایسے طاق ہوئے کہ آپ کے اساتذہ بھی آپ سے جلدیں بندھوانے لگے۔ آپ نے اپنے محترم اساتذہ کے ہر حکم کی تعمیل فرض عین عبادت سمجھ کر کی اور یہ محترم اساتذہ کی تربیت اور ان کی مخلصانہ دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے آئندہ زندگی میں دینی علوم کی تدریس کے سلسلہ میں جو مقام حاصل کیا' اسے دیکھ کر آپ کے اساتذہ بھی آپ پر فخر کرنے لگے۔ جب آپ محدث اعظم مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے درس نظامی کی تکمیل کر رہے تھے تو ایک مرتبہ تحصیل علم کے سلسلہ میں پیش آنے والی مشقتوں کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اسی رات خواب میں والد محترم مولانا فیض الرساں مرحوم کی زیارت نصیب ہوئی۔ جنھوں نے فرمایا کہ بیٹا علم میں محنت اور استقامت دو لازمی چیزیں ہیں' ہمت نہ ہارنا تم انشاء اللہ بہت جلد منزل بکنار ہونے والے ہو۔ مولانا محمد عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کے بعد میں نے پہلے سے بھی زیادہ ایمانی استقامت اور روحانی تب وتاب کے ساتھ تحصیل علم کیلئے اپنی صلاحیتیں نذر کر دیں اور بالآخر حضور محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیوض سے دل و جان کو ضو بار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے محدث اعظم مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان افروز مجالس میں جو وقت گزارا ہے اسے حاصل زندگی تصور کرتے تھے۔ محدث اعظم سے آپ کی محبت عشق کی سرحدوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ جب حضور محدث اعظم کا انتقال ہوا تو آپ کو یوں محسوس ہوا جیسے دنیا آپ کی نگاہوں میں اندھیر ہو گئی ہے' جب بھی محدث اعظم کا تذکرہ چھڑتا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں کے موتی پرونے لگتیں۔

آپ کی اپنے اعزا و اقارب سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ شہرت و ناموری کی بلندیوں پر پہنچ گئے تو وہی رشتہ دار جنھوں نے بچپن میں آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا' تجدید تعلقات کیلئے

marfat.com

آپ کے پاس آئے تو آپ نے کمال شفقت سے نہ صرف سب کو معاف کر دیا بلکہ ان کی تہذیب و اصلاح اور ترقی کیلئے سعی کرنے لگے۔ آپ اپنی زندگی میں جن شخصیات سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں محدث اعظم مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آپ کے والد محترم مولانا فیض الرساں سرفہرست تھے اور یہ والد محترم سے محبت ہی کا تقاضا تھا کہ جب آپ نے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی تو اسے اس نسبت سے دارالعلوم نعمانیہ رضویہ فیض العلوم کا نام دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب اس نام کو دہراتا ہوں تو مجھے روحانی گداز کا احساس ہوتا ہے۔

تحصیل علم کے بعد جب آپ گوجرانوالہ تشریف لائے تو کئی برس تک یہاں کی معروف دینی درس گاہ جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ نے کئی مساجد میں خطابت اور درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بالآخر آپ کے ذہن میں نئی جامعہ کے قیام کے منصوبے نے جنم لیا اور آپ نے دارالعلوم نعمانیہ رضویہ فیض العلوم جیسے معیاری دانش کدہ کی بنیاد رکھی۔ اس درس گاہ کے قیام سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک آپ شیخ القرآن والحدیث اور مفتی کی حیثیت سے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ آپ کو یہ درس گاہ اس قدر عزیز تھی کہ جس روز آپ کا انتقال ہوا' اس روز بھی اس کی عمارت کی شایان شان تکمیل اور اس میں خاطر خواہ اضافے کیلئے کام کرتے رہے۔

دارالعلوم نعمانیہ رضویہ فیض العلوم کے قیام کے ساتھ ہی آپ نے مدرسہ سے ملحق جامع مسجد نعمان کی بنیاد رکھی' جس جگہ آج مسجد نعمان کی خوبصورت عمارت نظر آتی ہے پہلے یہاں پانی ہی پانی تھا۔ اس جگہ کئی بار مٹی ڈلوائی گئی پھر یہ جگہ بنیاد رکھنے کے قابل ہوئی۔ آپ تعمیر کے کام کی دلجمعی سے نگرانی کرتے۔

مولانا محمد عبداللہ قادری اپنے کردار کے لحاظ سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نشانی تھے۔ آپ کی انتہائی آرزو تھی کہ جہالت کا دور دورہ ختم ہو اور امت اسلام کے افراد کے دل شمع اسلام کی عالمگیر روشنی سے جگمگا اٹھے۔ آپ کا شمار شہر کی مقبول ترین شخصیات میں ہوتا تھا۔ آپ سے علم حاصل کرنے والوں میں ایک تعداد ان خواتین کی تھی جو گھریلو ذمہ داریوں کی بناء پر باقاعدہ داخلہ نہیں لے سکتی تھیں۔ یہ خواتین فرط احترام سے آپ کو اباجی کہتی تھیں۔ ان کو دیکھا دیکھی علاقہ کی تمام خواتین اور بچیاں آپ کو اباجی کہنے لگیں۔ آپ نے پدرانہ شفقت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی دولت تقسیم کی۔ آپ کی زندگی اس حقیقت کی تفسیر تھی۔

marfat.com

؎ یہی ہے آرزو تعلیم قرآں عام ہو جائے
ہر اک پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے

مولانا محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں عالم باعمل اور عاشق رسول تھے۔آپ نے اپنی زندگی کو اس طرح سے سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ آپ کو دیکھ کر بے اختیار عشق مصطفیٰ کی رفعتوں کا احساس ہونے لگتا تھا' جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی سنتے تو آنکھیں شوق عقیدت سے نم ہو جاتیں۔ ہمیشہ اتباع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کرتے۔سادہ لباس زیب تن کرتے اور فرمایا کرتے کہ علماء کا حقیقی افتخار ''الفقر فخری'' ہے علماء کو دنیاوی تعیشات اور حرص و ہوس سے بے نیاز ہو کر اسوۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ آخری دنوں میں کہنے لگے کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری عمر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ رہی ہے۔ یہ تو عشق رسول نہ ہوا' عشق رسول تو محبوب خدا کی ایک ایک ادا کی پیروی کا دوسرا نام ہے۔آپ نے اپنی عمر کے بڑھنے کا حسرت آمیز ذکر جس روز کیا' اس سے دو دن بعد ہی آپ کا وصال ہوگیا۔

یہ محبت رسول ہی کا فیضان تھا کہ پوری زندگی میں انسانیت نوازی کو شعار حیات بنائے رکھا اور دکھیوں اور غریبوں کی دل کھول کر امداد فرماتے رہے۔

کہتے ہیں ہر بڑے آدمی کی زندگی کے پس منظر میں جھانکنے پر اس کی رفیقۂ حیات کی محنت بھی بدرجہ اتم کارفرما نظر آتی ہے۔آپ کی رفیقۂ حیات نے' جو ایک صالحہ اور نہایت پاکباز اور باہمت خاتون ہیں' اس علمی جدوجہد میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دیا۔آپ کو اپنی رفیقۂ حیات کے جذبۂ ایثار' فکری تعاون اور جرأت و حوصلہ کا بھرپور احساس تھا۔اس سلسلہ میں آپ خود کو نہایت خوش بخت تصور کیا کرتے تھے کہ ایسی خاتون کی رفاقت میسر آئی ہے جو مشکلات و حوادث کے مقابل ایمانی استقامت کے ساتھ سینہ سپر ہونے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

مولانا محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ زاہد خشک نہ تھے بلکہ صحیح معنوں میں عالم باعمل اور عابد شب زندہ دار تھے۔صبح تہجد کیلئے اٹھنا اور عبادت و ریاضت میں کثیر وقت صرف کرنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔قرآن حکیم کی بہت زیادہ تلاوت فرماتے۔ بالخصوص ماہ رمضان المبارک میں کثرت سے قرآن پاک ختم کرتے۔ان کی زندگی درویشی و پارسائی کا مرقع تھی۔سادگی ایسی کہ سجاوٹ کو رشک آئے۔پارسائی ایسی کہ ایمان کی سربلندیوں کا احساس ہونے لگے۔علوم دینیہ پر دسترس کا یہ عالم کہ

marfat.com

بڑے بڑے عالم آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا وجہ صد افتخار سمجھیں۔ آپ کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہونے والے بہت سے علماء شہر گوجرانوالہ اور ملک کے دوسرے علاقوں میں خطابت اور درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

آپ مطالعہ کے نہایت شوقین تھے۔ درس و تدریس سے جتنا وقت میسر آتا' کتب دینیہ کے مطالعہ میں صرف کر دیتے۔ آپ کی لائبریری قرآن و احادیث' تفاسیر اور فقہی مسائل پر مشتمل کتب کے بہت بڑے ذخیرے پر مشتمل ہے۔ جس رات آپ کا وصال ہوا' اس رات بھی آپ درس و تدریس سے فراغت پا کر کھانے سے فارغ ہوئے تو دیر تک عبادات اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ یہ سب کچھ آپ کے معمولات کا حصہ تھا۔ عبادات سے فارغ ہوئے تو مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔

دینی کتب کے مطالعہ کا یہ سلسلہ ساڑھے گیارہ بجے شب تک جاری رہا۔ ذرا دیر کے بعد دل کو گھبراہٹ ہوئی تو کتاب ایک طرف رکھ دی۔ گھر والے ڈاکٹر کی تلاش میں نکلے تو فرمایا اس کا کوئی فائدہ نہیں' ہمیں رب کائنات کی طرف سے بلاوا آ چکا ہے۔ ڈاکٹر بہت جلد مل گیا اور اندر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اہل خانہ کا بیان ہے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں جانے اور ڈاکٹر کے آنے کے دوران میں آپ نے کلمۂ شہادت کا ورد کیا' آیات قرآنی تلاوت فرمائیں' صبر کی تلقین کی اور خاموش ہو گئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ گھر والے اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں تھے کہ شیخ الحدیث ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔ وقت اجل یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ ابدی نیند سو رہے ہوں۔ چہرے پر ایک دائمی ملکوتی تبسم رقصاں تھا' اس وقت آپ اس بندۂ مومن کی تفسیر نظر آ رہے تھے جس کو دنیا کے قرب سے زیادہ خلاق عظیم کی قربت عزیز ہوتی ہے اور جو ''**موتو قبل ان تموتو**'' کی زندہ تفسیر میں ڈھل کر اس شعر کا مصداق بن جاتا ہے کہ:

اے موت آ کے فقیروں سے تجھے کیا لینا ہے
مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

آپ کی تاریخ وصال ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز پیر شریف ہے جبکہ آپ کے جدا ہونے کی ساعت ساڑھے بارہ بجے شب ہے۔ آپ کے وصال کی خبر آپ کے بے شمار تلامذہ' ارادت مندوں' عقیدتمندوں اور آپ سے جذباتی وابستگی رکھنے والے علماء و فضلاء' مشائخ اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اصحاب پر بجلی بن کر گری۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو چاروں جانب سوگواروں کا ہجوم ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نماز جنازہ میں ہزاروں غم زدہ افراد نے شرکت کی۔ ہر دل آپ کے فراق

marfat.com

میں گریہ کناں تھا اور ہر آنکھ اشکبار۔ بالآخر آپ کو اسی جامعہ نعمانیہ فیض العلوم کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا' جس کی فضاؤں میں آپ نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو بکھیری تھی اور جس کے درودیوار برسوں سے آپ کی علمی وفقہی کاوشوں کے شاہد تھے۔

آپ کے سانحۂ ارتحال کے بعد سب سے اہم کام آپ کے مدرسہ کو سلامت رکھنا' اس کے معیار کو قائم رکھنا اور اسے آپ کی دینی یادگار سمجھ کر چلانا تھا۔ حالات نہایت نامساعد تھے مگر آپ کی باہمت صاحبزادی محترمہ سمعیہ عبداللہ قادری جو دینی و دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور تھیں' ایمانی استقلال سے آگے بڑھیں اور جامعہ کی مہتمم کے فرائض بحسن وخوبی سنبھال لئے۔ لڑکوں کی تعلیم کیلئے حافظ و قاری اور علمائے دین فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں' جبکہ بچیوں کی دینی تدریس کا فریضہ وہ خود انجام دے رہی ہیں۔ پردے کا سختی سے اہتمام ہے اور لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے علیحدہ علیحدہ باپردہ حصے ہیں۔ صاحبزادی سمعیہ عبداللہ قادری دینی علوم کی عالمہ ہونے کے علاوہ ممتاز مقررہ بھی ہیں اور اصلاح احوال اور دینی موضوعات پر خواتین کے بڑے بڑے باپردہ اجتماعات سے خطاب کرتی ہیں۔

marfat.com

غزالیٔ دوراں

رئیس المحدثین حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی

مہد سے لحد تک

تاریخ اسلام اس امر کی شاہد ہے کہ علمائے حق نے تبلیغ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت کیلئے ہمیشہ ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ تحریک احیائے دین ہو یا ظلمات فکر کے خلاف جہاد کا مرحلہ' اصلاح امت اسلام کا مسئلہ ہو یا جدوجہد آزادی کی زہرہ گداز داستان عزیمت' ان بزرگان دین نے اپنی تمام فکری و روحانی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے مقصد عظیم کی کامیابی کیلئے لازوال کردار ادا کیا ہے۔ چونکہ ان کے مقاصد عظیم' عزائم سربلند اور حوصلے فراخ ہوتے ہیں اس لئے تائید ایزدی ان کے شامل حال ہوتی ہے۔

غزالیٔ دوراں' رازیٔ زماں حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی کی ذات والا صفات مدتوں ایک شمع حق و صداقت کی صورت ظلمات خرد کو منور کرتی رہی۔ آپ رئیس المحدثین تھے کہ آپ کے بے شمار تلامذہ علم حدیث میں غیر معمولی کمال حاصل کر چکے ہیں۔ استاذ الاساتذہ تھے کہ آپ کے حلقۂ تلمذ سے فیضاب ہونے والے علماء علوم دینیہ کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ دانائے عصر تھے کہ آپ کی فکری رفعتیں متلاشیان منزل علم و آگہی کو افکار تازہ کا سلیقہ بخش رہی ہیں۔ پیر طریقت تھے کہ ان کی نگہ فیض رساں سے ایک زمانہ روحانی لذتوں سے بہرہ یاب ہو رہا ہے۔ پیکر رشد و ہدایت تھے' عظمت اسلاف کے امین تھے' شفقت بے کراں کا نشان اور رفعت کردار کی پہچان تھے۔ ان کی فکری سربلندیاں اس امر کا منہ بولتا ثبوت تھیں کہ:

مستند ہے میرا فرمایا ہوا
سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا

علامہ کاظمی ۱۹۱۳ء کو امروہہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ والد گرامی حضرت سید محمد مختار کاظمی رحمۃ

marfat.com

اللہ علیہ تھے۔ ابتدائے عمر ہی میں آپ کے والد محترم وفات پا گئے تو برادر بزرگوار حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تعلیم وتربیت کا بار عظیم اٹھایا۔ علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہی اپنے وقت کے نامور عالم دین اور صاحب طریقت تھے۔ شاہ جہان پور کے مدرسہ بحرالعلوم میں جہاں علامہ سید محمد خلیل فرائض تدریس انجام دے رہے تھے' حضرت کاظمی کی تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ نے علوم دینیہ وشرعیہ پر اس تیزی سے عبور حاصل کیا کہ سولہ سال کی عمر ہی میں آپ کو فارغ التحصیل قرار دیدیا گیا۔ حضرت قبلہ شاہ حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی دستار بندی فرمائی۔

دستار بندی کے مبارک اجتماع میں صدرالافاضل حضرت مراد آبادی سمیت کتنے ہی نادر روزگار شیوخ وعلماء اس تاریخی اجلاس کی سعادتوں میں اضافہ کر رہے تھے۔

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز برصغیر کی عظیم مذہبی درس گاہ جامعہ نعمانیہ لاہور سے ہوا۔ آپ لاہور کے جید علمائے کرام سے ملاقات کی خاطر یہاں تشریف لائے۔ جامعہ نعمانیہ پہنچے اور وہاں دوران گفتگو دینی مسائل پر اس حسن اعتماد اور فکری سوز کے ساتھ گفتگو فرمائی کہ حضرت علامہ حافظ محمد جمال بے پناہ متاثر ہوئے اور فوراً جامعہ کے اکابرین سے کہہ کر آپ کی تقرری وہاں کروالی۔ آپ نے جامعہ نعمانیہ میں اس جذباتی لگن' علمی وارفتگی اور روحانی جذب وخلوص سے پڑھایا کہ جامعہ نعمانیہ تشنگان علوم دینیہ کیلئے روحانی سکون کا مظہر بن گئی۔ کچھ عرصہ اس جامعہ میں فرائض انجام دینے کے بعد آپ اپنے آبائی قصبہ امروہہ (مراد آباد) میں تشریف لے گئے اور چار سال تک وہاں کے مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ میں پڑھاتے رہے۔ آپ نے یہاں بھی اپنی علمی قابلیت کا لوہا منوا کر اس درسگاہ کو اصحاب علم کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔ ایک سال کیلئے آپ نے اوکاڑہ میں بھی فرائض تدریس انجام دیتے ہوئے ترویج علوم دین کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔

ایک عظیم شیخ الحدیث اور ماہر علوم اسلامی کی حیثیت سے آپ کی شہرت برصغیر پاک وہند میں پھیل چکی تھی۔ اب وہ وقت آ چکا تھا کہ آپ اپنی تمام علمی وروحانی قوتوں کو ایک مرکز پر سمیٹ کر کاروان سنیت کی حدی خوانی کا فریضہ انجام دیں۔ آپ نے علوم دین کی شمع روشن کرنے کیلئے مدینۃ الاولیاء ملتان شریف کا انتخاب کیا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ ملتان تشریف لے آئے اور مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ اس شہر میں تدریس کا آغاز آپ نے اپنے رہائشی مکان سے کیا۔ کچھ عرصہ ایک مسجد میں پڑھاتے رہے۔ چند سالوں کے بعد جب طالبان علوم اسلامیہ کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے ایک وسیع قطعہ زمین خرید کر عظیم الشان جامعہ انوار العلوم کی تعمیر کا آغاز کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے

marfat.com

یہ دار العلوم ایک شاندار عمارت میں اشاعت دین کا پرچم لہرانے لگا۔ آج جامعہ انوار العلوم ملتان کا شمار برصغیر پاک و ہند کے چند عظیم الشان دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے بے شمار تلامذہ کو علمی سر بلندیاں ہی عطا نہیں کیں' بلکہ اپنے افکار کی روشنی سے ان کے قلوب و اذہان کو یوں جگمگا دیا کہ وہ آج اپنے وطن ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں اسلامی تعلیمات کے فیوض عام کر رہے ہیں۔ سچ ہے کہ:

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

حضرت علامہ سید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار تحریک پاکستان کے نامور مجاہدین میں ہوتا ہے۔ مشائخ و علمائے اہلسنت و جماعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اسلامیان برصغیر کی بروقت ناخدائی کرتے ہوئے قیام پاکستان کیلئے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ حضرت علامہ کاظمی نے دوسرے شیوخ و علماء کے ہمراہ مسلم لیگ کے پیغام کو عام کرنے اور نظریۂ پاکستان کے حقیقی مفہوم کو برصغیر کے مسلمانوں تک پہنچانے کیلئے تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ آپ نے نہ صرف اسلام دشمن قوتوں کی ریشہ دوانیوں کا بھرپور جواب دیا بلکہ کانگریس نواز مسلم علماء کے پاکستان مخالف پروپیگنڈا کا بھی دندان شکن جواب دیتے رہے۔ آپ نے پاکستان کے مقاصد عظیم کی اہمیت کو عام کرنے کیلئے مختلف وقفوں سے منعقد ہونے والی سنی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہونے والی سنی کانفرنس میں آپ نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اس کی قراردادوں کو موثر بنانے اور کاروان آزادی کی رفتار کو تیز تر کرنے کیلئے کام کرتے رہے۔ صدر الافاضل حضرت مراد آبادی' حضرت محدث کچھوچھوی' حضرت امیر ملت محدث علی پوری' پیر صاحب مانکی شریف' شاہ عبدالعلیم میرٹھی' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا ابوالحسنات' شیخ القرآن علامہ ہزاروی (رحمۃ اللہ علیہم) جیسے مشائخ و علمائے اہلسنت کے ہمراہ آپ نے برصغیر کے طول و عرض میں دورے کئے اور بے شمار اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے قیام پاکستان کو اسلامیان برصغیر کا مقدر قرار دیا۔ آپ جب ۱۹۴۵ء میں حج کیلئے تشریف لے گئے تو وہاں بھی علماء کے عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ حضرت قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کر کے انہیں مسلمانان برصغیر کے جذبات سے آگاہ کیا اور نظریۂ پاکستان کی اسلامی اہمیت کو روشناس کرانے کیلئے اخبارات میں متعدد مضامین رقم فرمائے۔ انگریز اور ہندو کی مشترکہ قوت نے آپ کا راستہ روکنا چاہا مگر آپ ثابت قدمی سے اپنے موقف پر جمے رہے۔ بالآخر آپ اور دوسرے مشائخ و علماء کی قربانیوں

marfat.com

کا ثمر قیام پاکستان کی صورت میں صبح آزادی کی تنویر بن گیا۔

قیام پاکستان کے بعد ضرورت تھی کہ کاروان سنیت کو پھر سے منظم کیا جاتا۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر مدرسہ انوار العلوم ملتان میں ۱۹۴۸ء میں وسیع پیمانے پر مشائخ و علمائے کرام کا کنونشن بلایا گیا۔ اس اجلاس میں خدمت دین و وطن کی خاطر جمعیت علمائے پاکستان کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس موقع پر حضرت ابوالحسنات علامہ سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کے صدر اور آپ ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ آپ ایک عرصہ تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ آپ نے جمعیت العلمائے پاکستان کو عوام میں متعارف کروانے اور اس کے قیام کی افادیت بیان کرنے کیلئے طویل دورے کئے۔ آپ نے عوام اہلسنت کی بیداری کیلئے شبانہ روز کام کیا۔ آپ کی قیادت اور تعاون کے سہارے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ملتان میں کل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس تاریخی کانفرنس میں تیس لاکھ کے قریب غلامان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) شریک ہوئے۔ اسی اجتماع عظیم میں آپ اور حضرت مولانا شاہ احمد نورانی سمیت جملہ قائدین پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے جماعت اہلسنت پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسی تاریخی اجتماع میں آپ کو جماعت اہلسنت پاکستان کا مرکزی صدر منتخب کرلیا گیا۔ آپ وصال تک اسی عہدہ پر کام کرتے ہوئے ملت احناف کی روحانی و علمی قیادت فرمارہے تھے۔

حضرت علامہ کاظمی نومبر ۱۹۷۸ء میں تنظیم المدارس اہلسنت و جماعت پاکستان کے مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے قوم کی آواز پر لبیک کہا اور سنی مدارس کو اشاعت دین اور ترویج تعلیمات محمدیہ کی خاطر نئی زندگی بخش دی۔ ان مدارس کے طریق تعلیم، نصاب اور انداز تدریس کو پہلے کی نسبت کہیں زیادہ موثر بنا دیا۔ پاکستان کے مختلف شہروں سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں مدارس مدتوں آپکی راہنمایانہ بصیرت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آپکے علمی کمالات اور فقہی عظمتوں کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کا قیام عمل میں لایا گیا تو صدر شعبہ حدیث کے عہدہ کیلئے آپ سے درخواست کی گئی۔ یہ عہدہ آپ ہی کیلئے نہیں بلکہ جملہ علمائے اہلسنت و جماعت کیلئے اعزاز تھا۔ خدمت علم الحدیث کی خاطر آپ نے اس عہدہ کو قبول کرلیا اور اس یونیورسٹی میں ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۴ء تک علمی و فقہی جواہر پارے لٹاتے رہے۔

آپ کو خدائے کریم نے غیر معمولی طور پر مناظرانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ زبردست مطالعہ، عظیم قوت استدلال، بلند نکتہ رسی، تبحر دینی اور بے مثال فقہی کمالات کی بدولت آپ نے تبلیغ اسلام کی خاطر مخالفین اسلام کے ساتھ مناظرے کئے اور انہیں شکست دیکر عظمت اسلام کا پرچم لہرایا۔

marfat.com

آپ کی زندگی کا مشن تحفظ مقام مصطفیٰ تھا اس لئے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں معمولی سی گستاخی بھی آپ کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ آپ نے گستاخان مقام مصطفیٰ کو بروقت للکارا اور میدان مناظرہ میں اپنی ایمانی سطوتوں کا اظہار فرماتے ہوئے مخالفین کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ آپ نے فتنہ انکار حدیث' فتنۂ قادیانیت' فتنہ ارتداد کے ساتھ ساتھ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والوں کی اس طور سرکوبی کی کہ عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع حسین کی جلوہ گری خرد گزیدہ دلوں کو مستنیر کرنے لگی۔

آپ کے محاسن کا تذکرہ کرتے ہیں تو آپ کی ہمالہ صفت علمی و روحانی شخصیت کی رفعتوں کا تصور کرتے ہوئے ذہن وقلم کو عجز کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ آپ اپنے برادر محترم حضرت علامہ سید محمد خلیل رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ آپ کے استاد بھی تھے' بیعت تھے۔ انہی سے آپ کو خلافت عطا ہوئی۔ چھوٹی سی عمر میں اپنے برادر بزرگوار کے ہمراہ حضور اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے بے اختیار انہیں گود میں اٹھالیا اور دیر تک آپ کو اپنی دعاؤں اور شفقتوں سے نوازتے رہے۔ یہ انہی دعاؤں کا فیضان تھا کہ آپ عرصہ تک خاتم المحدثین کی حیثیت سے دنیائے اسلام کو اپنے فیوض و برکات سے بہرہ یاب فرماتے رہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سال کی عمر میں ہی دینی تعلیم مکمل کر کے تدریسی زندگی کا آغاز فرما دیا تھا۔ اس چھوٹی عمر میں اس قدر عظمت علم وفکر بہت کم اصحاب کو ودیعت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے معاصرین ہر دور میں آپ کے وجود کو سرمایۂ افتخار سمجھتے رہے ہیں جبکہ بزرگان دین آپ کے علمی کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو اپنی دعاؤں اور روحانی نوازشات سے نوازتے رہے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ اپنی تدریسی زندگی کے آغاز ہی میں جلیل القدر مشائخ وعلمائے کرام کی توجہ کے مرکز اور ان کی آنکھوں کا تارا بن گئے تھے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی' حضرت سید محدث کچھوچھوی اور حضرت مولانا دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہم اور جملہ بزرگان ملت آپ کو دعاؤں سے نوازتے اور آپ کی علمی صلاحیتوں کی تابندگی کی نوید سناتے رہے۔ بزرگان ملت اسلام کی یہی دعائیں تازیست امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی پشتیبان اور ان کی زندگی کا سرمایۂ افتخار بنی رہیں۔

سید صاحب کی شخصیت بلاشبہ بھی خواہان سنیت ہی کیلئے نہیں تمام فرزندان توحید کیلئے باعث اعزاز تھی۔ اپنے ہی نہیں بلکہ اغیار بھی آپ کی علمی صلاحیتوں کے معترف اور قدردان تھے۔ وطن عزیز

marfat.com

پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں آپ کے علمی کمالات کا علم صداقت آفریں لہرار تھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے فاضل رکن کی حیثیت سے آپ کی خدمات لائق صد تحسین تھیں۔ آپ بے شمار فقہی مسائل، اجتہادی نکات اور علمی امور میں کونسل کی راہنمائی فرماتے رہے۔

حضرت علامہ کاظمی اسلامی اقدار کے علمبردار اور نظریہ پاکستان کے فدائی تھے۔ آپ کو تحریک پاکستان میں مؤثر کردار ادا کرنے کا شرف حاصل رہا ہے اسلئے آپ کی تحریروں میں دو قومی نظریہ پاکستان کی تشریح و تعبیر جھلکتی ہے۔ جس طرح باغبان کو گوارا نہیں ہوتا کہ اس کے گلشن کو معمولی سا نقصان بھی پہنچے اسی طرح آپ بھی کسی ملک دشمن قوت کے ناپاک عزائم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ دوسرے سینکڑوں علماء و مشائخ کے ساتھ مل کر اپنے خون جگر سے گلشن پاکستان کی آبیاری کرتے ہوئے اور مخالفین پاکستان کی ناپاک جسارتوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے ہمیشہ اس مملکت خداداد کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کرتے رہے۔ چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے اس لئے آپ نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ اس کا نظریاتی تشخص فقط اسی صورت برقرار رہ سکتا ہے کہ یہاں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی نظام بلا تاخیر رائج کیا جائے۔ پاکستان دنیائے اسلام کا قلعہ اور عالم انسانیت کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اسلام اس ملک کا افتخار بھی ہے اور اس کی پہچان بھی۔

اک ابر نور بہار فضاؤں پہ چھا گیا
اسلام اس چمن کی رگوں میں سما گیا

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو رب ذوالجلال نے علمی و روحانی سربلندیوں کے ساتھ ساتھ تقریر و تحریر کی غیر معمولی رفعتوں سے بھی نوازا تھا۔ آپ کا انداز تقریر نہایت موثر اور دل نشیں تھا۔ بات کرتے تھے تو خوشبوئے جاں بخش کی طرح اس کی تاثیر مشام فکر کو معنبر کرنے لگتی تھی۔ دوران تقریر میں الفاظ کے جواہر بے بہا لٹاتے تھے تو حاضرین کو دامان ادراک کی تنگی کا احساس ستانے لگتا تھا۔ آپ کی تقریر کا یہ حیرت انگیز کمال دیکھا کہ علمی و فقہی مسائل سلجھاتے ہوئے حکمت و موعظت کا بحر بے کراں ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور عوام اس درجہ استغراق سے محو سماعت اور مصروف نظارا ہیں کہ انہیں وجود کا احساس تک نہیں ہو رہا۔ اگر احساس ہوتا بھی تو یہی:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

آپ صاحب تصانیف کثیرہ بھی تھے۔ مختلف مذہبی، اخلاقی و روحانی، علمی اور فکری و فقہی

marfat.com

موضوعات سے آپ کی متعدد تصانیف زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ یہ تصانیف دنیائے علم و ادب کا سرمایۂ اعزاز بھی ہیں اور علمائے امت محمدیہ کیلئے مشعل راہ بھی۔ مقالات کاظمی کے نام سے آپ کے مبسوط اور تحقیقی مضامین کے تین ضخیم مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ چوتھا مجموعہ عنقریب شائع ہو رہا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں سے ''الحق المبین'' ''معراج النبی'' اور ''حیات النبی'' خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی انتہائی آرزو تھی کہ تفسیر قرآن مکمل کر جاؤں مگر آپ دارالعلوم کی انتظامی و تدریسی ذمہ داریوں، جماعت اہلسنت کے تنظیمی امور، تبلیغ اسلام اور اپنے روحانی سلسلے کے ضمن میں مریدوں اور شاگردوں کی اصلاح احوال میں اس طور گھر چکے تھے کہ وقت نکالنا مشکل تھا۔ مصروفیات کے اس کوہ گراں سے نبرد آزما ہو کر بھی آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''البیان'' کے عنوان سے تفسیر قرآن کا کچھ حصہ مکمل کر چکے تھے۔ تاہم اسی نام سے ترجمہ قرآن اصحاب ایمان کی فکری و نظری جلا کا باعث بن رہا ہے۔ آپ نے باطل نظریات کے رد کیلئے اپنے قلم سے تلوار کا کام کیا۔ اس سلسلہ میں تقریر منیر، اسلام اور عیسائیت، مکالمہ کاظمی و مودودی، قربانی پر تحقیق، اسلام میں رجم کا مسئلہ، اسلام میں سیاسی جماعتیں وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

آپ کی ذات والا صفات سیرت و کردار کا ایک ایسا گلشن بے خزاں تھی جس کی عطر بیزی سے ایک زمانہ معطر ہوتا رہے گا۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا مینار ہدایت تھی جس سے پھوٹنے والی کرنیں ظلمات خرد کو کافور کرنے کا باعث بنتی رہیں گی۔ زندگی کے قافلے رواں دواں رہیں گے لیکن آپ جیسا دانائے راز شاید ہی دیکھنے کو ملے گا۔

سفر آخرت

ع ...... ایک روشنی تھی ساتھ گئی آفتاب کے

پیرانہ سالی میں آپ کی صحت عرصہ سے خراب تھی مگر آپ نے اپنے معمولات کو ترک نہیں کیا تھا۔ آپ اپنی پوری توجہ ترجمہ اور تفسیر قرآن اور مدرسہ انوارالعلوم پر صرف کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ صحت کی کمزوری کی بناء پر آپ بیرونی دوروں پر جانے سے گریز کرتے تھے۔ پھر بھی چاہنے والوں کی محبت تھی کہ آپ کو مجبور کر دیا کرتی تھی اور آپ کو تنظیمی اور تبلیغی اجتماعات سے خطاب کیلئے جانا ہی پڑتا تھا۔

آپ کے فیوض سے ایک زمانہ مستفیض ہو رہا تھا۔ آپ کی برکات کی کہکشاں دلوں کو عرفان خدا کی روشنی عطا کر رہی تھیں۔ اگرچہ آپ کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت عشاق کو بعض اوقات پریشان

marfat.com

کر دیا کرتی تھی پھر بھی ہر آن دلوں سے یہی دعا ابھرتی تھی کہ خدایا غزالی دوراں کی عنایات ہم پہ ہمیشہ سایہ فگن رہیں اور ان کی سیادت و قیادت میں کاروان سنیت اسی طور منزل مقصود کی جانب گامزن رہے۔

ع ...... پر ٹلا کرتی ہیں تدبیروں سے تقدیریں کہیں

۴ جون ۱۹۸۶ء کا دن امام اہلسنت کے چراغ حیات کے گل ہونے کا ایمان آفرین نظارا دیکھنے کیلئے افق فطرت سے ابھر آیا۔ یہ ماہ رمضان المبارک کی پچیس تاریخ تھی۔ خرابی صحت کے پیش نظر معالجین کے شدید طور پر منع کرنے کے باوجود آپ روزے رکھ رہے تھے۔ جملہ روحانی، تبلیغی اور نظریاتی معمولات بھی جاری تھے، محبان خاص، ارادت مندوں اور متلاشیان حق کا ہجوم آپ کی رہائش گاہ پر رات گئے تک موجود رہتا۔ دراصل پروانوں کو شمع کی روشنی ماند پڑنے کا احساس ہو چلا تھا اس لئے ان دنوں ہجوم کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا۔

اس تاریخ کو بھی آپ نے روزہ رکھا۔ دن ڈھلنے لگا، آپ کی رہائش گاہ کے لان میں پروانوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ افطاری کا اعلان ہوگیا تو آپ نے اہل خانہ کے ساتھ روزہ افطار کیا۔ صفیں بچھ چکی تھیں، امام اہلسنت آگے بڑھے اور مصلیٰ پر کھڑے ہوگئے۔ اچانک دل پر دباؤ محسوس ہوا، فوراً دل پر ہاتھ رکھا اور لیٹ گئے۔ صاحبزادگان آگے بڑھے، انہوں نے گمان کیا کہ یہ معمول کا دورہ ہے۔ آگے بڑھے اور آپ کے دل پر مالش کرنے لگے مگر کچھ حاصل نہ ہوا اور بہت جلد امام اہلسنت خالق حقیقی سے جا ملے۔

ے ہچکیاں دو آئیں گویا یار کا پیغام تھا
شاید پیک اجل کے ہاتھ مے کا جام تھا

صاحبزادگان نے آنسو بہاتی ہوئی نظریں اٹھا کر ارادت مندوں کے ہجوم کی طرف دیکھا۔ عشاق جاں نواز سمجھ گئے کہ ان آنسوؤں میں کیا پیغام پوشیدہ ہے۔ ان کے دم سینوں میں رکنے لگے، آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگے۔ وہ دیکھ رہے تھے اور ان کا قائد سفر ابدیت کی طرف ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روانہ ہو چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون○

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملتان میں پھیل گئی اور ذرائع ابلاغ، اخبارات و رسائل ٹیلیفون کے ذریعہ وطن عزیز کے اطراف و جوانب میں بلکہ عالم اسلام کے ہر اہل نظر تک پہنچ گئی۔ اس روز تو کاروباری زندگی اپنا دن بھر کا سفر طے کر چکی تھی اگلے روز کیلئے جملہ کاروباری اداروں کی طرف سے تعطیل اور تجارتی مراکز بند کر دیئے

marfat.com

کا اعلان کر دیا گیا۔

یہ خبر کیا تھی' درد و الم کی کوکھ سے ابھرتا ہوا وحشت اثر نغمہ تھا کہ جس نے سنا دل تھام کر رہ گیا کہ خدایا یہ کیا ہوگیا۔ ہماری دعائیں التجائیں سب رائیگاں گئیں اور تیری مشیت کی اسیر اجل نے ہماری محبوب ہستی کو ہم سے جدا کر دیا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی' ہر دل رو رہا تھا' ہر فکر پریشان تھی' ہر چہرہ غم و آلام کی علامت بنا ہوا تھا۔

اپنے رو رہے تھے کہ اب ان کے سر پر دست شفقت کون رکھے گا' بیگانے غمگین تھے کہ علم و حکمت کی گتھیاں کون سلجھائے گا' آشنا گریاں تھے کہ غزالیٔ دوراں کی تدبر آفرینی کی جھلکیاں دیکھنے کو نہیں ملیں گی' غیر آشنا مضمحل تھے کہ اس دانائے راز کے اٹھ جانے سے پیدا ہونے والا خلا کون پر کرے گا۔ ارادت مندوں کو قیامت ٹوٹنے کا گمان ہو رہا تھا کہ اب کتاب دل کی تفسیر کون لکھا کرے گا۔ شاگردوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں کہ اب اپنے اعجاز نطق سے ہمارا مستقبل کون سنوارے گا۔ علماء و فضلاء سر نہادہ تھے کہ اس بطل جلیل کے اٹھ جانے سے ہمارا بھرم جاتا رہا ہے' خطیبان ملت گنگ تھے کہ منبر و محراب کا وقار رخصت ہوگیا۔ مدینۃ الاولیاء ملتان کی عظیم المرتبت درگاہوں کے سجادہ نشین آنکھوں سے آنسوؤں کے ساغر چھلکا رہے تھے کہ ہم سے پوچھو وہ کیا تھا' جس کے دم قدم سے ملتان عظمت اسلاف کی علامت بنا تھا' وہ ولی اللہ ہم سے جدا ہوگیا' نوجوان اور بوڑھے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے۔ کوچہ و بازار' در و دیوار اداسی و غمگینی کی علامت بنے ہوئے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے شہر ملتان' ملت اسلامیہ کے رنج و اندوہ کو اپنے دامن میں سمو کر آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب گیا ہے۔ حوصلے شل اور جذبات زندگی اپنی تب و تاب کھو چکے ہیں اور افسردہ ہواؤں کا ایک ایک جھونکا زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ:

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں

وفات کی خبر عام ہوتے ہی آپ کی رہائش گاہ پر تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ آپ سے محبت کرنے والوں کا انبوہ کثیر جمع ہو چکا تھا۔ رہائش گاہ کے اندر اور باہر سڑکوں پر اہل نظر کا ہجوم تھا۔ یہ سب اس خبر کی تصدیق کرنے کیلئے یہاں جمع ہوئے تھے لیکن دلوں میں آرزو مچل رہی تھی کہ کاش یہ خبر غلط ہو۔ اس ہجوم میں علماء' فضلاء' طلبہ' مشائخ' دانشور' سیاستدان' صحافی' وزراء اور افسران حکومت سبھی شامل تھے۔ سب آپکے صاحبزادگان سے مل کر اپنے غم و اندوہ کا اظہار کر رہے تھے اور صاحبزادگان

marfat.com

تک اپنے غم کے جذبات پہنچاتے ہوئے انہیں اس سانحہ عظیم کو صبر و استقلال سے برداشت کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ دربار حضرت موسیٰ پاک شہید کے سجادہ نشین مخدوم سید وجاہت حسین گیلانی حضرت علامہ کاظمی کا آخری دیدار کرنے رہائش گاہ پر پہنچے تو فرط غم سے رو پڑے۔ وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے اپنے تعزیتی پیغام میں آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ آپ کی المناک رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پر ہونا مشکل ہے۔ وفاقی وزیر ریلوے سید یوسف رضا گیلانی نے اسی وقت اپنے تعزیتی تاثرات میں کہا کہ علامہ کاظمی کی وفات کسی عظیم قومی المیہ سے کم نہیں۔ آپ نے راہ فکر و عمل میں جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ مسلم قوم کیلئے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ درگاہ حضرت بہاؤ الدین زکریا اور حضرت شاہ رکن عالم کے سجادہ نشین اور گورنر پنجاب مخدوم سجاد حسین قریشی کو ٹیلیفون پر خبر پہنچی تو رو پڑے اور مرحوم کے انتقال کی تفصیلات دریافت کرتے رہے۔ انہوں نے علامہ سید احمد سعید کاظمی مرحوم کے صاحبزادگان سے کہا کہ وہ بھی آج لاکھوں سوگواروں میں شامل ہیں۔ بے شمار تنظیموں کے عہدیداران نے اس سانحہ پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ آج صرف ملتان شہر ہی نہیں بلکہ پورا پاکستان یتیم ہو گیا ہے۔

غرضیکہ ہر زبان پر آپ کا چرچا اور تذکرہ تھا۔ آپ کے محاسن اور اوصاف بیان کئے جا رہے تھے۔ آپ کے سر بلند کردار کے روشن پہلوؤں کو خراج عقیدت پیش کیا جا رہا تھا۔ چاروں طرف سے جذبات الم کا سیلاب امنڈ پڑا تھا۔ شہر کی مختلف مساجد میں علامہ کاظمی کی وفات کی خبر سنتے ہی اس روح فرسا سانحہ کے اعلانات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رات گئے تک ان کی نماز جنازہ کے بارے میں عوام کو اطلاعات بہم پہنچائی جاتی رہیں۔ شہر کی تمام بڑی بڑی مساجد میں نماز تراویح کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا گیا تھا اور ملک کے اطراف و جوانب سے آپ کے عقیدت مندوں، مریدین اور شاگردوں نے ملتان میں آمد کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ہر ایک کے دل میں آپ کے آخری دیدار کی آرزو مچل رہی تھی اور لبوں پر ایصال ثواب کیلئے آیات قرآنی کی تلاوت اور درود وسلام کی سوغات سجی ہوئی تھی۔ اسی روز اعلان کر دیا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ اگلے روز یعنی ۵ جون کو پانچ بجے شام ڈویژنل سپورٹس گراؤنڈ میں ادا کی جائے گی۔ ملک بھر کے ذرائع ابلاغ کے اہم ارکان بھی رپورٹنگ کیلئے ملتان پہنچ رہے تھے۔ اسی اثناء میں وفاقی وزیر حاجی محمد حنیف طیب بھی اشکوں کی برسات برساتے ہوئے ملتان آ پہنچے۔ انہوں نے آپ کے قل شریف تک تمام سرکاری مصروفیات منسوخ کر دی تھیں۔ غرضیکہ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ ایک سے ایک بڑھ کر شخصیت موجود

marfat.com

تھی مگر سب فرط الم سے نڈھال اور بے قرار تھے۔

اور پھر ۵ جون کا سورج لاکھوں ارادت مندوں کی متاع زیست کے لٹ جانے کا تماشا دیکھنے کیلئے طلوع ہوگیا۔ علامہ کاظمی مرحوم کی اقامت گاہ پر موجود ہجوم میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ اگر آپ کا آخری دیدار کر کے دس افراد جاتے تو پچاس اور آموجود ہوتے تھے۔ آپ کو غسل دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس وقت تک آپ کی رہائش گاہ اور ملحقہ سڑکوں پر ہجوم بہت بڑھ چکا تھا۔ ملک بھر سے عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد ملتان پہنچ چکی تھی۔ ریلوے اسٹیشن اور بس اسٹینڈ سے آپ کی رہائش گاہ تک سڑکوں پر غمزدہ انسانوں کے قافلے رواں تھے' ادراک کی وسعتوں سے ہر لحظہ صدا ابھر رہی تھی۔

؎ جو نقش ہے جاذب نظر ہے
کیا جانیے کس کی رہگور ہے

آپ کے وجود کو غسل دیا جا چکا تو ایک بار پھر ارادت مندوں کا ہجوم آپ کے آخری دیدار کو لپکا۔ بے شمار انسانوں کا ہجوم اپنے قائد کی آخری جھلکیوں کو اپنی نگاہوں کے البم میں سجانے کیلئے کوشاں تھا۔ دیکھنے والے آپ کا چہرہ دیکھتے تھے طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی' بار بار دیکھتے اور پھر دیکھنے کی آرزو کرتے۔

چہرے پر ایک ملکوتی تبسم رقصاں تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا جیسے آپ آسودۂ خواب ہیں۔ پر وقار چہرہ' شگفتہ لب کہ جن سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک قال اللہ اور قال الرسول کی مہک پھوٹی تھی۔ وہ وجود کہ جس نے وطن عزیز کے کونے کونے میں عظمت و شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمے سنائے تھے۔ آج ابدی سکوت کی چادر اوڑھے مرجع خلائق بنا ہوا تھا۔ امام اہلسنت کے چہرے کی شگفتگی ان کی ابدی سرخروئی کی غماز تھی۔

جنازہ اٹھا تو کہرام بپا ہوگیا۔ اہل دل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ہر شخص جنازے کو کندھا دینے کیلئے بے قرار تھا' جو کندھا نہیں دے سکتے تھے وہ فقط جنازہ کے ساتھ بندھے ہوئے بانسوں کو ہاتھ لگانے کو ہی سعادت تصور کر رہے تھے۔ علامہ کاظمی مرحوم کی رہائش گاہ سے ڈویژنل پولیس گراؤنڈ تک کا راستہ انسانوں سے اٹا ہوا تھا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے انسانوں کا جنگل اگ آیا ہو۔ علامہ کاظمی مرحوم کے خلف اکبر پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی (کہ جنہیں حضرت نے اپنا جانشین نامزد فرمایا تھا) اور دوسرے صاحبزادگان سید ارشد سعید کاظمی' صاحبزادہ سید راشد سعید کاظمی' صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی

marfat.com

جو کہ خود غم و اندوہ سے نڈھال تھے' سینے پر صبر کی سل رکھ کر ارادت مندوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم کی ڈھارس بندھا رہے تھے۔ سورج شدت سے چمک رہا تھا۔ لاکھوں عقیدت مند جو روزے سے تھے کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے جنازے کے ساتھ چل رہے تھے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بیسیوں آدمی شدت غم سے بے ہوش ہو گئے۔ ڈھاڑیں مار کر رونے والے کہہ رہے تھے کہ ہمارا باپ چلا گیا' بتاؤ ہم اسے کہاں ڈھونڈیں۔

؎ اب کہاں سے لائیں گے تجھ سا شفیق و مہرباں
چھوڑ کر کشتی بھنور میں چل دیئے سوئے جناں

جنازے میں دنیائے اہلسنّت کے سربرآوردہ اصحاب اور روحانیت وطریقت کے تابندے ستارے بڑی کثرت سے موجود تھے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے' وہاں تو ہر شخص یہی محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے زیادہ صدمہ کسی اور کو نہیں ہے۔ علامہ کاظمی مرحوم کی رہائش گاہ واقع شاداب کالونی ملتان (جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا) سے ڈویژنل سپورٹس گراؤنڈ کا فاصلہ قریباً ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوا۔ چاروں طرف سے کلمہ شہادت' کلمہ طیبہ' درود وسلام اور تسبیح وتہلیل کی قدسی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس روز سورج اگرچہ شدت سے روشن تھا مگر غم واندوہ کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ارادت مندوں کو اپنے شیخ کے تصور سے ہٹ کر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جنازے کے جلوس میں علماء وصلحاء' صوفیائے کرام' صنعت کار' طالب علم' تاجر' دوکاندار' مزدور اپنی متاع خلوص غزالی دوراں رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کرنے کیلئے بھیگی پلکوں پر آنسوؤں کے گہر ہائے تابدار سجائے ہوئے تھے۔ شرکائے جنازہ کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ یوں نظر آتا ہے جسے آج تمام راستے ڈویژنل سپورٹس گراؤنڈ کی جانب جا رہے ہیں۔ نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد بھی سوگواروں کی آمد جاری رہی۔ بعض ایسے علاقے تھے جہاں اخبار نہیں پہنچتا اور اگر پہنچتا بھی ہے تو تاخیر سے' اس لئے ان علاقوں سے آنے والے حضرات کا تاخیر سے پہنچنا ایک لازمی امر تھا۔

جنازہ ڈویژنل سپورٹس گراؤنڈ میں پہنچ گیا۔ علامہ کاظمی مرحوم کے صاحبزادگان' جید علمائے کرام عوام سے صبر واستقامت کی تلقین کرتے ہوئے انہیں صف بندی کی تلقین کر رہے ہیں مگر صفیں ہیں کہ بنتی ہیں تو پیچھے سے آنے والے سوگواروں کا ریلا انہیں توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ صف بندی کا عمل مکمل ہونے لگتا ہے تو سوال اٹھا کہ نماز جنازہ کی امامت کے فرائض کون انجام دے۔ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کے بارے میں بارہا اعلان ہو چکا تھا کہ وہ نماز جنازہ کی امامت فرمائیں گے مگر عین

marfat.com

وقت پر مولانا نورانی نے علامہ کاظمی مرحوم کے جانشین صاحبزادہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی کو مصلیٰ پر یہ کہتے ہوئے کھڑا کر دیا کہ یہ امامت آپ ہی کو زیبا ہے۔

نماز جنازہ ادا ہو چکی تو آپ کے جسد خاکی کو شاہی مسجد عید گاہ ملتان کے احاطہ میں سپرد خاک کرنے کیلئے لے جایا گیا۔ آپ کی قبر پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ شاہی مسجد عید گاہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ اس میں برسوں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ قبر کے گرد اصحاب فکر و نظر کا ہجوم تھا۔

یہ غزالی دوراں کی قبر تھی' رازی زماں کی قبر تھی' امام اہلسنّت اور نازش دین و ملت کی قبر تھی' یہ قبر اس درویش خدا مست کی تھی جس کی ساری زندگی اتباع شرع مصطفوی کا عملی نمونہ تھی' یہ قبر اس قائد اسلامیاں کی تھی جس نے ہر آڑے وقت میں ملت احناف کی ناخدائی کا فریضہ انجام دیا تھا۔ یہ قبر اس پیکر ایمان و یقین کی تھی جس نے اپنے خلوص عمل سے شمع محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن کر کے بے شمار دلوں کو عشق آشنا کر دیا۔ یہ اس حکیم فرزانہ کی قبر تھی جس کی تدبر آفرینیوں پر عظمت اسلاف کا گماں ہوتا تھا۔ یہ اس بطل جلیل کی قبر تھی جس نے اگرچہ چودھویں صدی ہجری میں جنم لیا تھا مگر جو اپنے فکر و عمل سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سیرت کا پرتو لئے ہوئے تھا۔ یہ اس غلام سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر تھی جس کی ایمان افروز تقاریر اور تصانیف نے ایک زمانے کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔

اور پھر وہ حسرت آفریں ساعتیں آ پہنچیں کہ جب آپ کے جسم پاک کو آغوش لحد میں اتار دیا گیا۔ ذرا سی دیر کو چہرے سے کفن کا پردہ ہٹا تو یوں محسوس ہوا جیسے بدلیوں سے چاند نکل آیا ہو اور پھر یہ ماہتاب رُشد و ہدایت' آفتاب علم و حکمت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لحد کے خلوت کدے میں روپوش ہو گیا۔ عقیدت مندوں' شاگردوں اور متعلقین کے اشکوں کی برسات آپ کی تربت کی مٹی میں جذب ہوتی رہی۔ لاکھوں ہاتھ بے اختیار خدا کے حضور دراز ہو گئے۔ آپ کے مقامات اخروی کی سرفرازی کیلئے' آپ کے درجات عالیہ میں سربلندی کیلئے۔ دور کہیں سے بزم گیتی مدھم سروں میں محو دعا تھی۔

یہ سعادت سر بسر اللہ کا انعام ہے
یہ ابد کی سرخروئی کا حسین پیغام ہے

marfat.com

علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

اس سفیرِ عظمتِ اسلام پر لاکھوں سلام
اس خدائے پاک کے اِنعام پر لاکھوں سلام
ایک ہی تھی آرزو اسلام کو عظمت ملے
دینِ سلطانِ عرب کو پھر نئی شوکت ملے
تھے مناظر اور مفسرِ شوکتِ ایام تھے
ہند ہو، یورپ ہو، ہر سو ذکر ان کے عام تھے
زندگی کی آرزو تھی عام ہو دینِ مبیں
ہر جگہ کرتے گئے قرآن کی شرحِ متیں
یہ محبِ مصطفےٰ تھے، دینِ فطرت کے سفیر
راہِ تبلیغ و اشاعت میں تھے آپ اپنی نظیر
اپنے بیگانے سبھی تھے معترف ان کے تمام
جملہ اصحابِ یقیں میں ان کا اونچا تھا مقام
ملکِ پاکستان کی خاطر کیا دن رات کام
کر دیا مشہور ہر سو اس حسیں خطے کا نام
چاہتے تھے اے رضاؔ یہ شہرِ طیبہ میں لحد
آرزو پوری ہوئی اِنعام ہے اب تا ابد

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

مبلغ اسلام

حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ عبدالعلیم میرٹھی عظیم مبلغ اسلام تھے' داعی پیغام حق تھے۔ دوقومی نظریہ پر دل و جان سے نثار تھے کیونکہ یہ نظریہ مکمل طور پر تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھا۔ آپ کی زندگی کا مرکز ومحور محبت رسول تھی' اس لئے آپ دوقومی نظریہ کے زبردست مبلغ اور داعی تھے اور اس ضمن میں جو تحریک بھی چلی آپ نے اس کے ساتھ تعاون کیا۔ آپ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور خانوادۂ امام احمد رضا نے برصغیر پاک و ہند میں دوقومی نظریہ کی پرچارک ہر تحریک کا ڈٹ کر ساتھ دیا۔ تحریری طور پر' تقریری طور پر' ہر لحاظ سے عظمت اسلام کا بول بالا کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر یہی نظریہ غالب آ کر رہا اور اسی نظریہ کی کوکھ سے پاکستان نے جنم لیا۔

حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ عربی' اردو' فارسی' سنسکرت' انگریزی' سواحلی زبانوں کے علاوہ کئی اور زبانوں پر مضبوط گرفت رکھتے تھے۔ آپ نے پاک و ہند کے علاوہ ملائیشیا' انڈونیشیا سمیت بہت سے یورپی ممالک کے طویل طویل سفر کئے اور ساٹھ ہزار سے زائد کفار کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔

جب تحریک پاکستان چلی تو آپ نے فاضل بریلوی کے دوسرے خلفاء اور ارادت مندوں کے ساتھ اس ضمن میں یادگار کردار ادا کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ملے اور جب قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ اور کانگریس کیلئے مشترکہ پلیٹ فارم کے بارے میں سوچ رہے تھے تو آپ نے اصرار کے ساتھ ان سے کہا کہ ہندو کے ساتھ اتحاد دوقومی نظریہ کی نفی ہے۔ ہندو کبھی پاکستان کا حامی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے پاکستان کیلئے تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔ قائداعظم محمد علی جناح آپ کی علمی شخصیت اور بین الاقوامی حیثیت سے آگاہ تھے اور آپ کے مقام و مرتبہ کو بھی خوب سمجھتے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے آپ کو تمام اسلامی دنیا میں پاکستان کا غیر سرکاری سفیر مقرر کر دیا کہ آپ جہاں تبلیغ اسلام کا کام کرتے ہیں' وہاں دنیا بھر کے مسلمانوں کو پاکستان کے قیام کے مضمرات سے

marfat.com

بھی آگاہ کریں۔ بحمد اللہ آپ قائد اعظم محمد علی جناح کی توقعات پر پورے اترے اور پاکستان کو عالم اسلام کی تمناؤں کا مرکز بنا دیا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تبلیغی اور نظریاتی مساعی کو تادم مرگ کما حقہٗ طریق سے ادا کیا۔

ایک مردِ با خدا عبدالعلیم میرٹھی
نازشِ بزم وفا عبدالعلیم میرٹھی
وہ مبلغ تھا مفسرِ' شارحِ قرآن تھا
روحِ فطرت کی صدا عبدالعلیم میرٹھی

سفیر اسلام شیخ التبلیغ علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۱۰ھ بمطابق ۳۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو میرٹھ (یو پی) کے ایک مشہور صدیقی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اُردو' فارسی' عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ سولہ برس کی عمر میں میرٹھ کے مشہور دینی ادارہ دارالعلوم عربیہ قومیہ سے درس نظامی کے نصاب سے فراغت حاصل کر کے علوم جدید بالخصوص انگریزی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔

اٹاوہ ہائی سکول سے میٹرک اور ۱۹۱۷ء میں ڈویژنل کالج میرٹھ سے گریجوایشن کی اور اول پوزیشن حاصل کی۔ ان کی روحانی تربیت ان کے والد محترم جناب علامہ شاہ عبدالحکیم' برادر حقیقی جناب مولانا احمد مختار صدیقی' حضرت سید علی شاہ محدث کچھوچھوی اور امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہم نے کی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

علاوہ ازیں مولانا عبدالباری فرنگی محلی' حضرت شیخ احمد الشمس اور لیبیا کے روحانی بزرگ حضرت شیخ السنوسی سے نہ صرف روحانی فیوض و برکات حاصل کیں بلکہ قرآن و حدیث اور فقہ میں بھی استفادہ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ نے خرقۂ خلافت سے نواز کر بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کیلئے روانہ فرمایا۔

مولانا موصوف بڑے پائے کے خطیب تھے۔ ۹ سال کی عمر میں آپ نے جامع مسجد میرٹھ میں محفل میلاد کے کثیر مجمع کے سامنے پہلی تقریر کی۔ تقریر کو سننے والوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ بچہ غضب کا خطیب بنے گا' اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ آگے چل کر آپ نے خطابت میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کو خطابت کا بادشاہ مانتے تھے۔ دوران تقریر لوگ نہایت خاموشی سے خطاب سنا

marfat.com

کرتے تھے' آپ کا انداز بیان اس قدر مسحور کن تھا کہ لوگ ہلنے کا نام نہیں لیتے تھے اور پھر یہ کمال صرف اردو زبان ہی میں حاصل نہ تھا جب آپ عربی' فارسی' انگریزی وغیرہ زبانوں میں خطاب فرماتے تو اہل زبان منہ میں انگلیاں لے لیا کرتے تھے۔ جاپان کے پروفیسر برلاس نے آپ کے کمال خطابت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ

''مولانا کی تقریر سے ہر شخص محظوظ و مستفیض ہوسکتا ہے کیوں نہ ہو جبکہ ایک طرف مولانا کی مقناطیسی شخصیت ہو' دوسری طرف آپ کی نغمہ بار آواز اور تیسری جانب آپ کی ٹھوس اور مدلل تقریر ہو''۔

اور پھر یہ کہ کسی ایک زبان میں خصوصاً مادری زبان میں ابوالکلام بن جانا بڑی بات نہیں ہے' مولانا کا کمال یہ تھا کہ وہ بیک وقت تمام اہم عالمی زبانوں میں خطابت کے شہنشاہ تھے اور اس سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مولانا کو کبھی جاپان' چائنہ' امریکہ اور برطانیہ کے اہل علم حضرات کے مجمع سے خطاب کرنا پڑتا اور کبھی پاک و ہند اور افریقہ کے پس ماندہ علاقوں میں غیر پڑھے لکھے لوگوں سے مخاطب ہونا پڑتا۔ حالانکہ ان علاقوں کے حالات مختلف ہیں' ان کی تہذیب و تمدن اور نفسیات بلکہ سوچنے سمجھنے کے معیار بھی مختلف ہیں لیکن قربان جایئے مولانا کے زور خطابت کے کہ آپ ان تمام مقامات پر خوب جم کر بولتے تھے اور لوگوں کے قلوب کی اتھاہ گہرائیوں تک اسلام کا پیغام محبت پہنچا دیا کرتے تھے۔ بلاشبہ اس فن میں مولانا اپنی مثال آپ تھے۔

تبلیغی سرگرمیاں

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے ایک مبلغ کی حیثیت سے اپنے مشن کا آغاز کیا۔ آپ نے پورے کرۂ ارض کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ کار بنایا' اسی لئے آپ متعدد بار دنیا کے مختلف ممالک کے دورے پر گئے' جس کی ایک نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

برطانیہ' امریکہ' جرمنی' فرانس' جاپان' چائنہ' کینیڈا' ویت نام' برما' ملائیشیا' انڈونیشیا' تھائی لینڈ' فلپائن' سیلون' ماریشیس' ری یونین' مڈگاسکر' ساؤتھ افریقہ' پرتگال' لبنان' کینیا' کانگو' تنزانیہ' یوگنڈا' سعودی عربیہ' مصر' شام' فلسطین' اردن' عراق' ویسٹ انڈیز' گیانا' ساؤتھ امریکہ' زنجبار' اٹلی' سنگاپور' بلجیم گئے۔

آپ نے مسلسل ۴۰ سال تک تبلیغی دورے فرمائے اور ایسے دور دراز علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچایا جہاں پہلے لوگ اسلام کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ آپ کے دورے کسی سرمایہ دار تاجر یا سیاح کے دورے نہیں تھے بلکہ ایک مبلغ کے دورے تھے'

marfat.com

جس میں ایک لمحہ کیلئے بھی آرام کی گنجائش نہیں ہوتی۔

یہی تھی آرزو اسلام ہر سو عام ہو جائے
ہر اک دل میں شہ کونین کا پیغام ہو جائے
تمنا تھی یہی اسلام سے ہر سو اجالا ہو
نہ کچھ خواہش تھی ان کی کہ ہمارا نام ہو جائے

مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے ایک عظیم مفکر' شعلہ بار مقرر اور بہترین ادیب تھے۔ آپ دنیا کی تقریباً ہر زبان بالخصوص انگریزی میں بڑی روانی سے تقریر کرتے تھے۔ آپ کا انداز خطابت نہایت دلنشیں اور آواز مسحور کن تھی۔ تقریر کے دوران مکمل سکوت طاری رہتا تھا۔ آپ نے برما' سیلون' ملائیشیا' انڈونیشیا' جنوبی و مشرقی افریقہ کی نو آبادیات' سعودی عرب' عراق' اردن' فلسطین' شام اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کیے۔ ان ممالک میں تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلامی لٹریچر ہر زبان میں شائع کیا۔ مذاہب عالم کی کانفرنسیں منعقد کیں' مناظرے' مکالمے' تبلیغی سوسائٹیاں' لائبریریاں' کالج' مدارس اور مساجد قائم کیں' اسی اثناء میں زیادہ تر سائنس دانوں' فلاسفروں اور دہریوں کے مذہب اور اسلام کے منکروں سے واسطہ پڑا' جن کی اکثریت مولانا کے ہاتھ قبول اسلام کرتی گئی۔

پاکستان نیوز' مسلم ڈائجسٹ' ٹرینی ڈاڈ مسلم اینول (جنوبی افریقہ) اور ملایا میں عربی یونیورسٹی کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی اور بہت سی مساجد تعمیر کرائیں۔ حنفی جامع مسجد کولمبو' سلطان مسجد سنگاپور اور مسجد ناگریہ جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں پوری دنیا کا طویل تبلیغی دورہ کیا جس کی مثال دور حاضر کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بورنیو کی شہزادی' جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک وزیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بانی پاکستان حضرت قائداعظم' مراکش کے غازی عبدالکریم' فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی' اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البنا' سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مروانی' کولمبو کے جسٹس ایم۔ ٹی اکبر' سنگاپور کے ایس این دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلاسفر جارج برنارڈ شا آپ کی روحانی و علمی شخصیت سے از حد متاثر تھے۔

حضرت علامہ صدیقی کی خدمات کو سراہتے ہوئے سنگاپور میں تمام مذاہب کے پیشواؤں کی مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہز اگز الٹڈ ہولی نس کا خطاب دیا۔ نیز مصر میں آپ نے مختلف اسلامی مکاتب فکر کی تنظیم بھی قائم کی جس کا نام تنظیم بین المذاہب الاسلامی رکھا گیا۔ تبلیغ اسلام کے ساتھ

marfat.com

ساتھ حضرت علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ نے نہایت گرانقدر سیاسی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ یہ خدمات صرف برصغیر پاک و ہند تک محدود نہیں تھیں بلکہ دنیا کے جس کسی ملک میں بھی آپ مسلمانوں پر ظلم و ستم ہوتے دیکھتے تھے آپ کی حساس روح فوراً مضطرب ہو جاتی تھی۔

تحریک خلافت اور اس کے بعد شدھی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' تحریک پاکستان کا جب آغاز ہوا تو آپ نے اپنے عالمی تبلیغی دوروں میں مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے حق میں زبردست پروپیگنڈہ کیا۔ مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر علماء کی ایک جماعت کے لیڈر کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے اور وہاں حج کی ادائیگی کیلئے آئے ہوئے تمام دنیا کے مسلمانوں کے سامنے تحریک پاکستان کی اہمیت واضح کی اور دیگر ممالک کے بڑے بڑے لیڈروں سے ملے اور ان کو نظریہ پاکستان کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی میں آپ کی اقتداء میں نماز عید ادا کی گئی۔

قائداعظم محمد علی جناح بھی اس میں شریک ہوئے۔ قائداعظم کے وصال کے کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ علیہ عالمی دورہ سے پاکستان واپس آئے اور کراچی میں سندھ' پنجاب اور مشرقی پاکستان کے علماء و مشائخ کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔

۱۹۳۶ء میں آپ نے جنوب مشرقی ایشیا کا دورہ کیا۔ اس دوران آپ نے فرانس' ہند چینی' یورپین چین (ہانگ کانگ) شنگھائی اور پیکنگ میں زیادہ عرصہ قیام کیا۔ جاپان کے مشہور شہر کعب کی جامع مسجد کمیٹی اور رینٹل کلچرل سوسائٹی کے زیر اہتمام آپ نے مختلف اجتماعات اور مجالس سے خطاب کیا۔ اس کے بعد آپ مصر تشریف لائے اور یہاں اخوان المسلمین کے بانی حسن البناء مرحوم کے ہاں مہمان ٹھہرے اور ان کی معیت میں پورے مصر کا دورہ کیا اور مختلف اجتماعات مجالس اور دینی پروگراموں میں حصہ لیا۔ اس کے بعد آپ شام' عراق' لبنان اور پھر ترکی تشریف لائے۔ اس کے بعد یورپ کا دورہ کیا۔ روم میں قیام کے دوران آپ نے پاپائے روم کو ایک عرضداشت بھی پیش کی جس میں انہیں دعوت دی کہ وہ دہریت کے خلاف ان کی (مولانا کی) مہم میں شریک ہوں۔ روم کے قیام کے بعد سپین' جرمنی اور پھر ہالینڈ تشریف لے گئے۔ شکاگو کے قیام کے دوران آٹھ امریکی مسلمان ہوئے۔ ایک دن نیویارک کے سٹی ہال میں آپ نے اسلام کی حقانیت کے موضوع پر بہت فاضلانہ تقریر کی اور جلسہ برخاست ہوتے ہی ۱۹۲ امریکیوں نے اسلام قبول کیا۔ جس میں مشہور سائنسدان مسٹر جارج ہنٹن ہیوف اور انکی بیگم شامل تھیں۔ واشنگٹن میں مختلف تعلیمی اداروں میں لیکچر دیئے اور ۳۶ انگریز پروفیسروں

marfat.com

نے مسلمان ہونے کے بعد آپ کی زیر سرپرستی ایک اسلامی میگزین The Islamic World and U.S.A ''اسلامی دنیا اور امریکہ'' کے نام سے جاری کیا جواب بھی شائع ہوتا ہے۔ کینیڈا میں گیارہ علمی اداروں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے۔ مونٹریال میں بھی کافی عرصہ تک قیام کیا۔

۱۹۳۵ء میں آپ نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا۔ یہاں آپ نے With Waters Rand یونیورسٹی میں متعدد بار خطاب کیا۔ اس کے بعد زنجبار' دارالسلام اور ممباسہ تشریف لے گئے۔

یہیں ۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو مشہور انگریز مفکر ڈاکٹر جارج برنارڈ شا کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر مکالمہ ہوا' جس کے اختتام پر ڈاکٹر برنارڈ شا نے کہا ''مجھے افسوس ہے کہ مجھے زیادہ دیر تک آپ سے گفتگو کا موقع نہ ملا''۔ یہیں فرانسیسی گورنر مروات نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور اسی کے توسط سے آپ نے مراکش کے مشہور لیڈر غازی عبدالکریم سے قید میں ملاقات کی۔ یہاں سے آپ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا تشریف لے گئے۔ اپنے شاگرد مسٹر عزیز ایچ عباسی کو نیوزی لینڈ میں اور ڈاکٹر محمد عالم کو آسٹریلیا میں تبلیغی امور پر مامور کیا۔

جہاں آپ پوری دنیا میں تبلیغ اسلام میں مصروف رہے' وہیں آپ برصغیر کی سیاست اور دو قومی نظریئے کی بقاء کی تحاریک سے بھی کبھی غیر متعلق نہیں رہے۔ تحریک پاکستان سے قبل آپ نے بین الاقوامی سطح پر فلسطین' کشمیر و دیگر مظلوم قوموں کی حمایت میں آواز بلند کی۔

۱۹۴۵ء میں ہندوستان میں جو زبردست فسادات ہوئے اس سلسلے میں آپ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی اور ہندوؤں کے رویئے کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ بمبئی اور مدراس میں تقریریں اور تنظیم کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔

۱۹۴۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت فرما کر تحریک پاکستان کی ببانگ دہل حمایت فرمائی۔ ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ اسی سال حج کے موقع پر مسلم لیگ کی طرف سے سعودی عرب تحریک پاکستان کے سلسلہ میں تشریف لے گئے اور یہیں آپ نے ''رابطہ اسلامیہ ہند'' کے رئیس وفد اور ملایا' مشرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں میں تخفیف کروائی اور حجاج کی مزید سہولتوں کیلئے سلطان عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات کی تفصیل ''البیان'' کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی' جس کا ابتدائیہ اخوان المسلمین کے بانی حسن البناء (مصر) نے لکھا' انہوں نے حضرت شاہ عبدالعلیم کی خدمات کا برملا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

marfat.com

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو سال ہوئے ارض مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ملاقات ہوئی۔ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب فضیلت استاد شیخ محمد عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے"۔ (عربی سے ترجمہ)

آپ نے تقریباً پینتیس برس تک (۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۴ء) یورپ' افریقہ' ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور جنوبی ایشیاء کے متعدد ملکوں میں تبلیغ اسلام کی' ان ممالک میں تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کیلئے آپ نے ہر پہلو پر توجہ دی۔ متعدد و مساجد و مدارس تعمیر کرائے' جن میں حنفی جامع مسجد کولمبو' سلطان مسجد سنگاپور' مسجد ناگریہ ٹوکیو' اسلامی کتب خانہ نائیجیریا اور عربک یونیورسٹی ملایا' بہت مشہور ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی ممالک سے مختلف جرائد و رسائل جاری کروائے جن میں پاکستان نیوز' مسلم ڈائجسٹ ٹرینی ڈاڈ' مسلم اینول (لاطینی امریکہ) سٹار آف اسلام (کولمبو) دی جینئن اسلام (سنگاپور) خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۹۲۳ء میں آپ مسلمانان سیلون کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے' اس وقت وہاں کے مسلمانوں میں بہت زیادہ مذہبی انتشار تھا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو متحد کیا اور ان کی مختلف متحارب جماعتوں کو توڑ کر ایک جماعت میں متشکل کیا۔ اسی دوران سیلون حکومت کے ایک عیسائی وزیر (مسٹر ایف کنگن بری) نے اسلام قبول کیا۔

۱۹۲۴ء میں جب تمام اسلامی ممالک سیاسی بحران میں گھرے ہوئے تھے تو ان کے مسائل کو حل کرنے کیلئے جو کانفرنس "مسلم کانگریس یروشلم" کے نام سے منعقد ہوئی اس میں حکومت مکہ کی طرف سے آپ ہی کو نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔

۱۹۲۸ء میں آپ دوبارہ سیلون کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے' وہاں پہنچ کر آپ نے "اسٹار آف اسلام" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جس کی ادارت اپنے شاگرد مسٹر موش جے میجد کو سونپی۔

یہاں سے فارغ ہو کر آپ نے جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کا بہت طویل دورہ کیا۔ ان ممالک میں مسلمان برائے نام مسلمان رہ گئے تھے۔ انہوں نے مرزائیت اور عیسائیت کے اثرات کو بہت حد تک قبول کر لیا تھا۔ ان تمام ممالک سیلون' برما' انڈونیشا' فرانس' ہند چینی' ملایا' جاپان اور سنگاپور میں قیام فرما کر عیسائی مشنریوں کے اثرات کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنانے کیلئے زبردست

marfat.com

کوششیں کیں۔ جن کے نتیجہ میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ مسلمان جو عیسائی یا قادیانی بن گئے تھے دوبارہ راہ اسلام پر گامزن ہوئے۔

آپ کے قدم ایک جگہ ٹکتے نہیں تھے۔ آج ہندوستان میں ہیں تو کل ملائیشیا' فلپائن اور انڈونیشیا کا دورہ کر رہے ہیں۔ آج ملایا اور جاپان میں ہیں تو کل یورپی ممالک میں پرچم اسلام کو سر بلند کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی زندگی سفیر اسلام کی زندگی تھی' تمام زندگی کبھی آرام سے بیٹھنا گوارا نہ کیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہر قدم پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچاتے رہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

آپ کی مساعی سے کتنے ہی عیسائی' لا مذہب اور دہریئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ آپ کی عظمت گفتار اور شوکت کردار کا کرشمہ تھا۔ آپ نے مختلف ممالک میں درجنوں تبلیغی مراکز قائم کئے' جن میں سے بعض اب بھی کام کر رہے ہیں۔ آپ کے بعد ان اداروں کی سرپرستی آپ کے عظیم فرزند علامہ مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے رہے۔

آپ کی انہی خدمات پر مدینہ منورہ کے لوگ آپ کو "الطبیب الہندی" کے نام سے پکارتے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت بھی آپ غیر ملکی دورے پر تھے' قائداعظم محمد علی جناح نے حضرت شاہ عبدالعلیم رحمۃ اللہ علیہ کو پاکستان کی پہلی نماز عید الفطر پڑھانے کیلئے قائد ملت خان لیاقت علی خاں کو کہا اور آپ نے وطن پہنچ کر پہلی نماز عید الفطر کا خطبہ ارشاد فرمایا' جس میں نوزائیدہ مملکت میں نفاذ شریعت پر زور دیا۔

متعدد تحقیقی اور نظریاتی کتب آپ کی یادگار ہیں۔ ان میں سے نو انگریزی زبان میں ہیں' چھ کتب اُردو میں اور دو عربی میں ہیں۔ یہ تصانیف کئی بار طبع ہوئیں اور کئی زبانوں میں ان کے ترجمے بھی ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں۔ کتب کے نام یہ ہیں۔

عربی زبان میں

۱) حقیقۃ المرزائیین
۲) ضرائب الحج

marfat.com

اُردو زبان میں

۱) ذکر حبیب

۲) کتاب التصوف

۳) بہار شباب

۴) صوت الحق

۵) مرزائی حقیقت کا اظہار

۶) احکام رمضان

انگریزی زبان میں

1. Elementary Teachings of Islam.
2. Principles Of Islam.
3. Quest of True Happiness.
4. How to Face Communism.
5. Islam,s Answer to the Challenge of Communism.
6. Women and their Status In Islam.
7. A Shavian and a Theologian.
8. The Forgotten Path of Knowledge.
9. Codification Of Islamic Law.

رضا فاروقی آپ کی وفات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بالآخر آپ کا وقت وصال آ پہنچا۔ آپ نے بارگاہ ایزدی میں یوں التجا کی تھی کہ

علیم خستہ جاں تنگ آ گیا ہے درد ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمان محمد ہو

پھر وہ وقت بھی آ پہنچا۔ ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ کو آپ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ اکثر آپ بیرونی ممالک کے دورہ سے واپسی پر روحانی تسکین کیلئے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر حاضری دیتے تھے اور مدینہ سے تو واپسی کو جی ہی نہ چاہتا تھا اور اکثر زبان پر رہتا تھا۔

marfat.com

؎ مدینے جاؤں پھر نہ آؤں وہیں پہ رہ جاؤں
در حبیب پہ قصہ تمام ہو جائے

یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

تھک گیا تھا جو مسافر گردش ایام سے
آج سوتا ہے مدینہ میں بڑے آرام سے
بزمِ ہستی رہنمائی آپ سے لیتی رہے
اس حسیں آغاز سے اور دلنشیں انجام سے

marfat.com

امام فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

وہ امامِ عاشقاں، وہ صاحبِ روشن ضمیر
برق تھا، طوفان تھا، سیماب تھا اس کا خمیر
خاندانِ علم و عرفان کا تھا اک روشن چراغ
کاروانِ حریت کا راہِ ایماں میں امیر
اس کی بے باکی و جرأت پر عدو حیران تھے
جگمگاتا ہی رہا ظلمت میں وہ بدرِ منیر
وہ برائے ظلم و استبداد تھا پیغامِ موت
رہنمائی کیلئے اونچا رہا اس کا سریر
کب جھکا وہ ظلمتِ طاغوت کے آگے کبھی
کب ڈرا سکتے تھے اس کو فتنہ ہائے داروگیر
اس کے ہر انداز میں مضمر تھی ملت کی بقا
شعلہ زن تھا شوکتِ اِسلام میں اس کا ضمیر
دین و دنیا میں رہا وہ کامیاب و سرخرو
حامی و ناصر تھے احمدؐ مہربان ربِّ قدیر
اس کی ہمت اور جرأت کو رضاؔ میرا سلام
رحمتیں اللہ کی ہوں اُس کے مرقد پر مدام

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

مجاہد تحریک آزادی

امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فکر و عمل میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک بہت بڑے علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ علوم دینیہ میں خوب خوب کمال حاصل کیا۔ تقریر و تحریر میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ تفسیر' حدیث' فقہ اور دیگر علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کی۔ اپنے دور میں اپنے علم و فضیلت کی بناء پر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ قاضی القضاۃ بھی رہے۔ انگریز کے دور حکومت سے پہلے' بہادر شاہ ظفر کے دربار اور مسلم ریاستوں میں ان کے علم کا طوطی بولتا تھا۔ نثر نویسی اپنی جگہ تھی' شاعری بھی کرتے تھے۔ آرزو ان کا تخلص تھا۔ اس سے بڑھ کر ان کا ادبی و شعری کمال کیا ہوگا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب نے اشاعت کیلئے اپنا مجموعہ کلام آپ کے حوالے کر دیا کہ آپ ہی اس میں سے انتخاب فرمائیں۔ چونکہ آپ مرزا غالب اور ہم عصر اصحاب سخن کے دوست تھے اس لئے غالب نے محض مروتاً ایسا نہیں کیا تھا بلکہ غالب کو آپ کے ادبی مقام و مرتبہ کا علم تھا۔ آپ نے غزلیات کا انتخاب فرمایا' درجنوں غزلیں نکال دیں' غالب اپنے عہد پر قائم رہے اور آپ ہی کا انتخاب شائع ہوا۔

آپ کو تدریس علوم میں کمال حاصل تھا۔ دور دور سے طالبان علم کھنچے چلے آتے اور خیر آباد کی عظیم المرتبت درس گاہ میں علم حاصل کرتے۔ والد محترم کا علم و فضل میں ڈنکا بجتا تھا۔ جب آپ کی باری آئی اور آپ کی علمی مہارتوں کی دھوم عام ہوئی تو زمانہ پکار اٹھا کہ اس بڑے باپ کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ عقیدت مند' ارادت کیش اور شاگرد آپ کو پلکوں پر بٹھاتے' آنکھوں میں جگہ دیتے۔ جب ہندوستان میں انگریز کے خلاف بغاوت ہوئی تو آپ نے ''آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی'' کی سنت کو ادا کرتے ہوئے انگریز کے خلاف فتویٰ دیا' ہر سزا برداشت کی مگر اپنے الفاظ پر قائم رہے کہ:

ہمی سے بزم وفا کی ہیں رونقیں قائم
کہ ہم نے سر کو جھکانا کبھی نہیں سیکھا

marfat.com

حضرت امام فضل حق ایک ممتاز خاندان کے فرد تھے، جن کے علم و فضل اور یگانہ کمالات کے باعث پورے خاندان کی شہرت کو چار چاند لگے۔ مولوی رحمٰن علی مصنف ''تذکرہ علمائے ہند'' انہیں عمری، حنفی، ماتریدی اور چشتی لکھتے ہیں۔ یعنی مولانا کا نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، فقہی لحاظ سے وہ حنفی تھے، عقائد میں ماتریدی اور سلسلہ چشتیہ میں انہوں نے بیعت کی تھی۔

ان کے والد علامہ فضل امام کو دہلی میں صدر الصدور کا منصب حاصل تھا۔ والد سے تعلیم پائی۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حدیث پڑھی۔ مولانا عبدالشاہد خاں شروانی نے اساتذۂ حدیث میں شاہ عبدالعزیز محدث کا اسم گرامی بھی شامل کیا ہے۔ ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ حافظہ اتنا اچھا تھا کہ چار مہینے میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔

ایک روایت ہے، جسے مولانا عبدالشاہد خاں نے تواتر کا درجہ دیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث کی ''تحفہ اثنا عشریہ'' شائع ہوئی تو ایران سے ملا باقر داماد صاحبِ افق المبین کے خاندان کا ایک جید عالم شاہ صاحب سے مناظرے کیلئے دہلی آیا۔ شاہ صاحب نے اس کے قیام کا بندوبست کر دیا۔ شام کے وقت مولانا فضل حق اس عالم کی خدمت میں پہنچے اور مزاج پرسی کے بعد علمی گفتگو شروع کر دی۔ پہلے ''افق المبین'' پر اعتراضات کئے جن کا جواب ایرانی عالم نہ دے سکا۔ پھر خود ہی شافی جوابات دیئے۔ آخر میں کہا کہ میں شاہ صاحب کا ادنیٰ شاگرد اور کفش بردار ہوں۔ ایرانی عالم یہ سن کر اتنا متاثر ہوا کہ مناظرے کا ارادہ ہی ترک کر دیا، سوچا کہ جس شخص کے شاگردوں کا یہ حال ہے وہ خود خدا جانے کیسا ہوگا؟

مولوی رحمٰن علی لکھتے ہیں کہ میں نے لکھنو میں مولانا کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ دیکھا کہ حقہ بھی پی رہے تھے اور شطرنج بھی کھیل رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ایک طالب علم کو ''افق المبین'' کا درس بھی دے رہے تھے اور تمام مطالب بڑی خوبی سے بیان فرماتے جاتے تھے۔

اس زمانے میں قاعدہ تھا کہ طالب علم سے فراغت کے بعد درس بھی دیا جاتا۔ اس کے بغیر حاصل کردہ علوم میں پختگی نہ آتی تھی۔ چنانچہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے بھی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا فضل امام نے ایک بڑی عمر کے طالب علم کو بھی آپ کے حوالے کر دیا جو غالبًا کند ذہن تھا۔ اسے تھوڑا سا سبق پڑھایا پھر کتاب اٹھا کر پھینک دی اور درس سے اٹھوا دیا۔ وہ مولانا فضل امام کی خدمت میں پہنچا اور کیفیت عرض کی۔ چنانچہ مولانا فضل حق بلائے گئے۔ مولانا فضل امام

marfat.com

نے اس زور سے تھپڑ مارا کہ دستار فضیلت دور جا پڑی' پھر فرمایا تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا' ناز و نعم میں پرورش پائی' جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طلبہ کی قدر و منزلت تو کیا جانے۔ اگر مسافرت کرتا' بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ۔

بہرحال مولانا نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی بھی دور میں درس و تدریس ترک نہ کی۔ جو بھی فیض حاصل کرنے کیلئے آتا اسے بے تامل مستفیض فرماتے۔ یہاں تک کہ مشاغل تفریح میں بھی اس کا خاص خیال رکھتے جیسا کہ مولوی رحمٰن علی کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے۔

مولانا نے دھومن شاہ دہلوی سے بیعت کی۔

والد کے انتقال کے وقت مولانا کی عمر اٹھائیس سال کی تھی۔ اس زمانے میں ملازمت اختیار کر لی اور ریزیڈنٹ دہلی کے دفتر میں سر رشتہ دار بن گئے۔ پھر نواب فیض محمد خان والی جھجر نے پانچ سو روپے ماہوار پر انہیں بلالیا۔ روانگی کے وقت ولی عہد (بعد ازاں بہادر شاہ ظفر) سے ملنے کیلئے گئے تو اس نے اپنا خاص دوشالہ آپ کو اڑھایا اور آبدیدہ ہو کر کہا جب آپ رخصت کا ذکر کرتے ہیں تو میرے لئے اسے قبول کئے بغیر چارہ نظر نہیں آتا' لیکن خدا جانتا ہے کہ رخصت کا لفظ دل سے زبان پر لانے کیلئے آلات جرثقیل استعمال کرنے پڑتے ہیں۔

جھجر کے بعد الور چلے گئے۔ بعد ازاں آٹھ برس رام پور میں رہے پھر لکھنو میں پہلے صدر الصدور بنا دیئے گئے۔ جب ایک نئی کچہری "حضور تحصیل" کے نام سے بنی تو اس کے مہتمم قرار پائے۔ ایک روایت ہے کہ مولانا نے ہنومان گڑھی کے واقعہ المیہ سے متاثر ہو کر لکھنو کی ملازمت چھوڑی۔ دوسری روایت ہے کہ ترک ملازمت مولانا احمد اللہ شاہ سے بات چیت کا نتیجہ تھا' بہرحال ۱۸۵۶ء میں لکھنو سے نکل کر آپ الور چلے گئے۔

امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سیاست کے آدمی نہیں تھے۔ تعلیم و تعلم آپ کا میدان تھا۔ طلبہ کی تدریس سے دلچسپی تھی۔ رشد و ہدایت کا مینار تھے۔ زمانہ ازخود ان سے رجوع کرتا تھا۔ تقریر اور خطابت تو علم و فضل کے ساتھ ساتھ ان کا امتیاز خاص تھے۔ مناظرہ میں بھی یہ حال تھا کہ کبھی پسپا نہ ہوئے بلکہ حریفوں کو پسپا کر کے چھوڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اس لئے انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں معمولی سی گستاخی بھی گوارا نہیں تھی۔ جو لوگ ان سے عداوت رکھتے تھے اور آپ سے علمی کمالات میں پست تھے وہ آپ کے علمی

marfat.com

فضائل کو کم کرنے کی کوشش کرتے لیکن کبھی پھونکوں سے بھی چراغ حق بجھا ہے' یا بادلوں سے بھی کبھی سورج کی روشنی چھن سکی ہے۔ آپ نے نہایت باوقار زندگی گزاری۔ لاکھوں چاہنے والے تھے' بے شمار علماء فخر سے اپنے آپ کو اس خاندان کا شاگرد لکھتے تھے۔ آپ نے ایام اسیری سے پہلے بڑی شاندار زندگی گزاری اور خود کو تعلیم و تدریس اور فتویٰ نویسی تک محدود رکھا۔ طبیعت میں جمال بھی تھا اور جلال بھی۔ جمال اپنوں کیلئے اور جلال غیروں کیلئے۔ مولانا اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم نواؤں نے اسلامی معتقدات پر ضرب کاری لگائی تو ہندوستان بھر کے علماء اور عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونک پڑے' ایک طوفان بپا ہوگیا۔ جناب اسماعیل دہلوی کے بقول انہیں خود بھی اس شدید ردعمل کا احساس تھا۔ ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جب احساس تھا تب کیا ہی کیوں؟ امام فضل حق خیر آبادی عالمِ بے نظیر تھے۔ عربی اردو فارسی پر یکساں گرفت رکھتے تھے۔ ''امتناع نظیر خاتم النبیین اور امکان نظیر'' کے حوالے سے میدان عمل میں آگئے۔ تحریروں کا انبار لگا دیا' کئی بار مناظرے کئے۔ ہر مرتبہ کامیاب رہے لیکن حریف نفرت کا جو تیر اپنے ترکش سے نکال چکا تھا وہ تو چل چکا تھا۔ آپ نے تمام زندگی محبت رسول اور فیوض و برکات بزرگان دین کے کمالات دیکھے تھے۔ ان کج فہمیوں کو کیسے برداشت کرلیتے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کیا جس کی بدولت وہ اپنا مدعا ہندوستان بھر کے علماء اور غلامان رسول تک پہنچا سکتے تھے۔

آپ کی علمی سرفرازی ہر جگہ کام آئی۔ آپ کے ساتھ شاگردوں اور علماء کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اپنا پیغام عام کر کے چھوڑا۔ لیکن کون جانتا تھا کہ وہ عظیم شخص جس کی اب تک کی زندگی علمی ریاضتوں اور فکری مباحثوں میں گزری ہے جو استاذ الاساتذہ کے منصب پر فائز ہے' اسے ایک روز ایام اسیری برداشت کرنے ہوں گے اور حق گوئی کی پاداش میں وہ سزا برداشت کرنا ہوگی جس کے بارے میں سوچ کر دل لرز اٹھتے ہیں۔ آپ کی زندگی کا قافلہ ایک ہی ڈگر پر رواں تھا یعنی تعلیم و تدریس۔ طلبہ کی تربیت' علماء و فضلاء سے علمی مباحث' ہندوستان بھر سے آنے والے سائلوں کیلئے فتویٰ نویسی' اگر کبھی وقت میسر آیا تو شاعری بھی کرلی اور مشاہیر علم و ادب سے ملاقاتیں بھی ہو جاتیں۔

آہستہ آہستہ آپ پر آشکارا ہونے لگا کہ انگریز ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے پر تلا ہوا ہے۔ وہ فارسی ختم کر رہا ہے' اسلامی شعائر کا مذاق اڑا رہا ہے' مسلمانوں کی نوکریاں ختم کر رہا ہے تو آپ نے سمجھا کہ انگریز سب کو عیسائی بنا لینے کے درپے ہیں اور ان کے نزدیک اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی یہی بہترین تدبیر ہے' معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سے انگریزوں کے متعلق طبیعت

marfat.com

میں تکدر پیدا ہوا جو آخری دم تک بڑھتا ہی گیا۔ مولانا نے انگریزوں کی مخالفت کے جو محرکات اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں' انہیں یہاں خلاصۃً درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱) داعیہ تبدیلی مذہب

۲) پیداوار کاشتکاروں سے لے کر انہیں نقد دام دینا' اس طرح خود خام جنسوں پر قابض ہو کر منڈیوں کے نرخ گھٹانے بڑھانے کا مختار بن جانا۔ مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو خوراک نہ ملے گی تو وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں گے۔

۳) مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنا' پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانا' نیز دوسرے احکام دین کو مٹانا۔

۴) ہندو اور مسلمان لشکریوں کو ان کے رسوم و اصول سے ہٹانا اور انہیں مذہب و عقائد سے گمراہ کرنا۔

ان محرکات پر بحث کی ضرورت نہیں' بعض ایسے ہیں کہ انہیں آج شاید محض وسوسہ سمجھا جائے لیکن اس زمانے میں مولانا کی طرح اکثر اصحاب کو قرائن کی بناء پر یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہونے کے وقت مولانا الور میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں بیٹھے ہوئے نشر و اشاعت کرتے رہے اور اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچنے کے بعد وہ دربار میں آتے جاتے ضرور تھے' بادشاہ سے مل کر باتیں بھی کرتے تھے بعض اوقات فرامین بھی لکھتے تھے لیکن ان سے کوئی خاص کام نہ لیا گیا۔ جیون لال کے روزنامچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶ اگست کو انہوں نے دربار میں حاضر ہو کر ایک اشرفی بطور نذر پیش کی۔ یہ غالباً الور سے آ کر پہلی حاضری تھی۔ ۱۸ اگست کے حالات میں مرقوم ہے کہ مولانا نے انگریزی اخباروں کی رپورٹ کا ذکر کیا جس کا مفاد یہ تھا کہ فتح دہلی کے بعد قتل عام کیا جائے گا۔ شہر کا نشان مٹا دیا جائے گا' بادشاہ کے حق میں ایک بھی صدا بلند نہ ہونے دی جائے گی اور نہ اسے پانی کا ایک قطرہ ملے گا۔

بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں ذکر ہے کہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو دوسرے افراد کے علاوہ مولانا نے بھی مختلف اشخاص کے نام فرامین لکھے لیکن ان پر مہریں نہ لگ سکیں اس لئے کہ نواب زینت محل ملکہ عالم استراحت فرما رہی تھیں اور مہر انہیں کے پاس تھی۔

دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ مولانا نے مولوی عبدالحق خاں کے نام ضلع گوڑگانوہ کے مالیے

marfat.com

کی تحصیل کیلئے فرمان لکھوایا اور مولانا کے ایک عزیز کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

مولانا کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی میں صورت حال کے معائنے کے بعد انہیں نتیجے کے متعلق کوئی حسن ظن نہ رہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں۔

۱) بہادر شاہ ضعیف‘ غم زدہ اور ناتجربہ کار تھا۔

۲) وہ آمر و حاکم ہونے کے بجائے اپنی اہلیہ اور وزیر یعنی زینت محل اور حکیم احسن اللہ خاں کا مامور و محکوم تھا۔

۳) اس کے بیٹے عاقبت نا اندیش‘ خالی ذہن‘ خائن اور بزدل تھے۔ انہیں دیانت دار عقل مندوں سے نفرت تھی۔

۴) انہیں نہ کبھی میدان جنگ سے سابقہ پڑا تھا‘ نہ فنون حرب سے آگاہ تھے۔ بازاری لوگوں کو انہوں نے اپنا ہم نشین و جلیس بنالیا تھا۔

انگریزوں کا مقابلہ کرنے والوں میں بعض بے سردار تھے اور بعض کی طاقت فقر و فاقہ نے سلب کر لی تھی‘ صرف ایک گروہ نصاریٰ کا جواب دیتے ہوئے بہادری سے لڑتا رہا۔

ظاہر ہے کہ ان تاثرات کے بعد مولانا یہ کیوں کر سمجھ سکتے تھے کہ نتیجہ حسب مراد نکلے گا؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بحث نتیجے سے نہ تھی‘ صرف یہ مطلوب تھا کہ جو کچھ ہوسکتا ہے اس میں توقف نہ ہونا چاہیے۔

فتویٰ

مولانا کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی بعض لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کیا تھا۔ مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا‘ جس پر علماء دہلی سے دستخط لئے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق خیر آبادی ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہیں نے علماء کے نام تجویز کئے جن سے دستخط لئے گئے۔ اسی فتویٰ پر مفتی صدر الدین آزردہ کے دستخط تھے جن کے سلسلے میں بعد ازاں ایک لطیف توجیہ کی گئی اور مفتی صاحب الزام شرکت سے بری ہوئے۔ غالباً یہی فتویٰ تھا جو انجام کار مولانا کے خلاف مقدمے کا باعث بنا ورنہ انہوں نے نہ کسی جنگ میں حصہ لیا تھا‘ نہ ان کے پاس کوئی عہدہ تھا‘ نہ کسی کے قتل میں شرکت کی تھی اور نہ ان کے خلاف کوئی اور سنگین الزام تھا۔

marfat.com

دہلی سے روانگی

۱۹ ستمبر کو شہر دہلی فتح ہوا' ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ روز بھوکے پیاسے مکان میں بند رہے پھر اہل و عیال کو ساتھ لیکر رات کے وقت چھپ چھپا کر نکلے اور مشقتوں کے بعد بھیکن پور ضلع علی گڑھ پہنچے۔ وہاں اٹھارہ روز چھپے رہے' ان کے فرزند ارجمند عبدالحق بھی ساتھ تھے پھر نواب صدر یار جنگ بہادر کے عم محترم نواب عبدالشکور خاں رئیس بھیکن پور نے سانکرہ کے گھاٹ سے جو بھیکن پور سے آٹھ میل پر ہے دریا کے پار اتار دیا۔ وہ کچھ مدت چھپے رہے' یہ زمانہ کہاں کہاں گزارا؟ اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

گرفتاری

جب ملکہ وکٹوریا کی طرف سے عفو عام کا اعلان ہوا تو مولانا بھی اس پر بھروسا کر کے خیر آباد پہنچ گئے۔ فرماتے ہیں۔

مجھے اس کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و پیان پر بھروسا اور بے دین کی قسم و یمین پر اعتماد کسی بھی حالت میں درست نہیں خصوصاً جبکہ وہ بے دین جزا و سزائے آخرت کا بھی قائل نہ ہو۔

چند روز اطمینان سے گزر گئے پھر دو آدمیوں نے مولانا کی مخبری کی جنہیں وہ مرتد' جھگڑالو اور تند خو بتاتے ہیں چنانچہ انہیں مکان سے جا کر گرفتار کر لیا گیا اور مقدمے کیلئے لکھنو بھیج دیا گیا۔ ''سیر العلماء'' کا بیان ہے کہ مولانا ۱۸۵۹ء میں سیتا پور سے لکھنو لائے گئے اور ان کی سلطنت مغلیہ سے وفاداری یا فتوائے جہاد یا جرم بغاوت میں مقدمہ چلا۔

مقدمے کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ منصفوں میں سے ایک نے واقعات سن کر مولانا کو رہا کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مولانا سرکاری وکیل سے خود بحث کرتے تھے لطف یہ کہ:

چند الزام اپنے اوپر خود ہی قائم کئے پھر خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی ادلہ سے توڑ دیئے۔ ن یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام سیکھا تھا۔

دوسرے دن مولانا نے مخبری کی تصدیق کر دی اور کہا کہ واقعی فتویٰ میں نے دیا تھا۔ گواہ نے پہلے سچ کہا تھا اب میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور اس نے جھوٹ بولا۔ فتویٰ میرا لکھا ہوا ہے

marfat.com

اور آج اس وقت میری بھی رائے یہی ہے۔

مولانا غلام رسول مہر اپنی کتاب ''۱۸۵۷ء کے مجاہد'' میں لکھتے ہیں۔

یہ بیان میرے نزدیک سراسر بے اصل ہے' اصل معاملہ بے حد نازک تھا اور اس کے ساتھ مولانا کی زندگی وابستہ تھی۔ یہ بات ذہن میں نہیں آسکتی کہ انہوں نے اسے اپنے علمی کمالات یا زور استدلال کی نمائش کا ذریعہ بنالیا ہو' وہ اس طرح کہ کبھی اپنے اوپر الزام لگا لئے اور کبھی رد کر دیئے۔ پھر خود ہی ہر شئے کا اقبال کرلیا۔ حقیقت یہ ہے کہ معقولات میں مولانا کی یگانگی کے پیش نظر لوگوں نے بطور خود داستان باخیال کرلیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس جج کو مولانا کا شاگرد اور ہمدرد بتایا گیا اس کے متعلق خود مولانا اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔

میرا معاملہ ایسا ظالم حاکم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا...... اس ظالم نے میری جلا وطنی اور عمر قید کا فیصلہ صادر کر دیا۔

اس واضح ارشاد کے بعد کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ حاکم مولانا سے واقف تھا اور چونکہ ان سے کام سیکھ چکا تھا اس لئے ہمدردی تھی۔

بہر حال مولانا کیلئے حبس دوام کا حکم صادر ہوا اور ان کی کتابیں' جائیداد' مال و متاع' اہل و عیال کے رہنے کا مکان غرض ہر شئے ضبطی میں آ گئی۔

مرزا غالب کے ایک مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ اس فیصلے کے خلاف مرافعہ کیا گیا تھا لیکن فیصلہ بحال رہا بلکہ تاکید کر دی گئی کہ مولانا کو جلد انڈیمان روانہ کر دو۔

مولانا بالکل بجا فرماتے ہیں کہ قید میں ہر ممکن اذیت پہنچائی گئی اور قصور صرف یہ تھا کہ وہ ایمان و اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے تھے اور ان کا شمار علماء اعلام میں ہوتا تھا۔

مولانا نے پوری زندگی اعلیٰ درجے کے امیرانہ انداز میں گزار دی تھی۔ قید میں انہیں ایسی خوفناک تکلیفوں سے واسطہ پڑا جو معمولی قیدیوں کو بھی شاید ہی پیش آئی ہوں' کس درد سے فرماتے ہیں۔

دشمن میری ایذا رسانی میں کوشاں اور میری ہلاکت کے درپے ہیں۔ دوست میرے مرض کے علاج سے لاچار ہیں۔ دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض اور کینہ مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہوگیا ہے۔ ان کے پلید سینے کینہ وعداوت کے گنجینے بن گئے ہیں۔ ان اسباب پر نظر کرتے ہوئے اپنی

marfat.com

رہائی سے مایوس اور اپنی امیدوں کو منقطع پاتا ہوں۔

کچھ معلوم نہیں کہ کب انڈیمان پہنچے' ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان سے پیشتر مفتی عنایت احمد کاکوروی' مفتی مظہر کریم دریابادی اور بہت سے دوسرے علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔ لہٰذا جس حد تک صحبت ومجلس کا تعلق ہے' انڈیمان یہاں کے اکثر شہروں سے زیادہ مرکز محفل علم بن گیا تھا لیکن معاملہ قید کا تھا اور قید اس زمانے میں بڑی ہی سخت تھی بلکہ انڈیمان میں تو بعد ازاں بھی بڑی سخت رہی۔

مولانا نے انڈیمان کا جو نقشہ چند الفاظ میں کھینچا ہے وہ آج کل بھی نادرست نہیں اور مولانا کے زمانے میں تو حرف بہ حرف درست تھا' وہ فرماتے ہیں آب و ہوا ناموافق' پہاڑی علاقہ' اس میں دشوار گزار گھاٹیاں اور راہیں' وہاں کی نسیم سحر گرم و تیز ہوا سے بھی زیادہ سخت' غذا حنظل سے زیادہ کڑوی' پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں' اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں۔

پھر قید خانے کی کیفیت بتاتے ہیں۔ ہر کوٹھڑی پر چھپر' جس میں رنج و مرض بھرا ہوا' چھتیں ٹپکتی تھیں' مرض ارزاں' درد گراں' بیماریاں بے شمار' خارش وقوبا دام' بیمار کے علاج' تندرست کی بقائے صحت اور زخم کے اندمال کی کوئی صورت نہ تھی۔

وہ خود بھی متعدد سخت امراض میں مبتلا ہو گئے۔ خارش کے باعث بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا' روح کو تحلیل کر دینے والے درد اور تکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا انڈیمان میں پہنچے تو انہیں صفائی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ ٹوکرا لے لیتے اور کوڑا کرکٹ جمع کر کے پھینک آتے۔ ان کے کپڑے اتروا لئے گئے تھے' تہبند اور کملی دے دی گئی' پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا۔

انڈیمان کے سپرنٹنڈنٹ کی پیشی میں ایک مولوی تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کے پاس علم ہیئت کی ایک قلمی کتاب تھی۔ مولوی کو دے کر کہا کہ اس کی عبارت درست کر دی جائے۔ مولوی یہ کام مولانا کے پاس لے آیا۔ انہوں نے نہ صرف عبارتیں درست کیں بلکہ مطالب میں اضافے اور حاشیے پر کتابوں کے حوالے دے دیئے۔ اس طرح مولانا کے علم وفضل اور علو مرتبت کا حال سپرنٹنڈنٹ پر کھلا۔ اس وقت سے مولانا کیلئے برائے نام تحریری کا کام تجویز کر دیا گیا اور تکلیفوں میں ایک حد تک کمی آ گئی۔

ادھر مولانا کے صاحبزادے نے ولایت میں مرافعہ کر دیا تھا۔ وہ منظور ہوا اور مولانا کی رہائی کا حکم آ گیا۔ صاحبزادہ انہیں لانے کیلئے انڈیمان روانہ ہو گیا' جہاز سے اترنے پر ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ بڑا مجمع تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مولانا کا جنازہ ہے۔

marfat.com

۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ/۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہان فانی سے عالم بقاء کی جانب سدھارے۔ مولانا عبدالشاہد خاں فرماتے ہیں کہ مولانا کا مزار اب تک مرجع انام اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

دیکھئے جہاد آزادی نے خاک وطن کے کتنے جواہر پاروں کو ان سنسان اور وحشت ناک جزیروں کی آغوش میں پہنچا دیا' جہاں کوئی انسان بہ طیب خاطر ایک دن بھی بسر کرنا گوارا نہ کرے۔

تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ نے جزائر کالا پانی میں اسیری کا زمانہ بڑی بہادری' دلیری اور اولوالعزمی سے بسر کیا۔ اپنے پائے استقلال میں کچھ بھی لغزش نہ آنے دی۔ آپ کی تحریریں جزائر انڈیمان کی سخت ترین زندگی اور آپ پر ہونے والے ظلم و ستم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ چونکہ آپ نے عملاً کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ایک بڑے عالم دین کی حیثیت سے عوام ہندوستان کی راہنمائی کرنا اور فتویٰ دینا آپ کا حق تھا۔ اس کے باوجود تمام عرصہ قید و بند میں آپ پر سخت ترین مظالم ڈھائے جاتے۔ لاکھوں شاگردوں کے استاد' کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے امام فضل حق کو غلامان کا لباس پہنا دیا گیا۔ سر پہ ٹوکری رکھ دی گئی کہ جہاں گندگی نظر آئے صاف کرو۔ بلکہ جو بھی انگریز آقا کہے اس کی اطاعت کرو۔ یہ سلوک بڑے بڑے جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی روا نہیں رکھا جاتا مگر آپ استقلال و پامردی کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ بڑھاپا بھی تھا' بیماریوں نے بھی پریشان کئے رکھا مگر کبھی کوئی رعایت طلب نہ کی۔ آپ کے صاحبزادے علامہ عبدالحق اپنی جگہ آپ کی رہائی کیلئے کوشاں رہے۔

مگر قربان جایئے اس مجاہد آزادی کے جذبۂ ایمانی پر کہ جیتے جی اس عقوبت گھر سے آنا گوارا نہ کیا' وہیں جان دے دی۔ یہ شہادت کی موت تھی۔ علم و حکمت کے گلستاں کا نذر خزاں ہونا تھا۔ علم و فضل کے آفتاب کا گہنا جانا تھا' کچھ بھی کہیئے مگر آپکی روح نے رہائی کیلئے انگریز کا ممنون احسان ہونا گوارا نہ کیا۔ حق تو یہی ہے کہ

؎ دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تخت جگہ آزادی کی یا تختہ مقام آزادی کا

حضرت امام فضل حق خیر آبادی صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف آپ کے علم و فضل کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ علم و فضل کا بحر بے کراں تھے۔ لیکن تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ آپ کا فارسی اور اردو میں پایہ اس قدر بلند تھا کہ بہت کم فضلاء اس مقام تک پہنچتے نظر آتے ہیں۔

مولانا نے دو شادیاں کیں۔ اصل اہلیہ سے تین صاحبزادیاں تھیں اور ایک صاحبزادہ یعنی

marfat.com

شمس العلماء مولانا عبدالحق' دوسری اہلیہ سے دو صاحبزادے تھے' مولوی شمس الحق اور مولوی عطاء الحق' تلامذہ کا حد و شمار نہیں بلکہ کہنا چاہیے' بعد کے دور کے اکثر اکابر علم انہیں کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے۔

مولانا نے گوناگوں مشاغل کے باوجود تصانیف بھی خاصی مقدار میں چھوڑیں۔

۱) الجنس الغالی شرح جواہر العلالی
۲) حاشیہ افق المبین
۳) حاشیہ تلخیص الشفاء
۴) حاشیہ شرح مسلم
۵) الہدیۃ السعیدیہ
۶) رسالہ تشکیک ماہیات
۷) رسالہ کلی طبعی
۸) رسالہ علم و معلوم
۹) الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود
۱۰) رسالہ قاطیغوریاس
۱۱) رسالہ تحقیقی حقیقۃ الاجسام
۱۲) الثورۃ الہندیہ یعنی حالات جنگ آزادی
۱۳) قصائد فتنۃ الہند
۱۴) مجموعۃ القصائد
۱۵) امتناع نظیر
۱۶) تحقیق الفتویٰ فی الطغوی

عقبیٰ میں ہر اک نعمتِ والا نصیب ہو
تجھ کو امام! جنتِ اعلیٰ نصیب ہو
تجھ پہ تھیں ختم علم و فضیلت کی خوبیاں
حُبِ نبی سے رُتبہٗ بالا نصیب ہو

marfat.com

حضرت قطب جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

شانِ فقر و آگہی حضرت جمال الدین تھے
سر بسر ہی روشنی حضرت جمال الدین کی
عالم کامل، فقیہِ وقت، روحِ زندگی
فکر و فن کی تازگی حضرت جمال الدین تھے
لاڈلے گنجِ شکر کے چشتیوں کے رہنما
معرفت کی دِلکشی حضرت جمال الدین تھے
آپ کی مہرِ صداقت تھی ولایت کی سند
دین حق کی رہبری حضرت جمال الدین تھے
بخش کر قلب و نظر کو علمِ و عرفاں کا جمال
اک پیامِ زندگی خواجہ جمال الدین تھے
زندگی کے نام پر سکھلائے آدابِ نیاز
شرحِ حسنِ بندگی حضرت جمال الدین تھے
منزلِ عرفانِ حق کا بخش کر ہم کو شعور
ذوق و شوقِ رہبری حضرت جمال الدین تھے
جن کے فرمودات تھے روشن رضاؔ ہر دَور میں
جگمگاتی روشنی حضرت جمال الدین تھے

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

حضرت قطب جمال الدین احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ جمال الدین احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ عظمت اسلام کی تصویر تھے۔ آپ عالم کامل، درویش اکمل اور صاحب جود و کرم تھے۔ آپ کا خزانہ برکات علمیہ سے بھرپور تھا، جو بھی ارادت مند آتا اسے حصہ وافر عطا کرتے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہوں سے فیوض سمیٹتے اور عمر بھر انہی فیوض کو مخلوق خدا میں تقسیم کرتے رہے۔ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے اتنا پیار تھا کہ جب کسی ارادت مند کو معرفت کی منزلوں سے گزار کر خلافت عطا فرماتے تو اسے یہ تاکید بھی کرتے کہ اس پر حضرت جمال الدین ہانسوی کے دستخط کروا کر ان کی مہر بھی لگوانی ہے۔ صوفیاء اور مشائخ میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ اپنے ہم عصروں میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور آج تک آپ کے روحانی مقام و مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ ہر آنے والا دور ان کی عزت و توقیر میں اضافہ کر رہا ہے۔

آپ بہت بڑے عالم دین تھے، اس لئے مختلف ادوار میں آپ سرکاری طور پر قضا اور خطابت کے مناصب پر بھی فائز رہے۔ سرکاری طور پر زمین ملی ہوئی تھی اور بہت سی مراعات بھی حاصل تھیں مگر جب مردان حق کی مجلس میں بیٹھنے لگے اور ان محافل سے روحانیت کے مدارج حاصل کئے تو پھر دنیا کے مناصب اور دنیاوی اعزازات سے یک دم جی اچاٹ ہو گیا اور وہ سب کچھ حکومت کو لوٹا دیا جو انہیں مل رہا تھا۔

دراصل سلسلہ عالیہ چشتیہ کی تعلیمات ہی کچھ ایسی ہیں۔ یہ مردان کامل جب رب کی رضا میں گم ہو جاتے ہیں تو دنیا ان کی نظروں میں گھاس کے تنکے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور ان پر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ دنیا اور رب دو عالم میں سے صرف ایک ہی سے محبت کی جا سکتی ہے اور جب وہ ان دونوں کا موازنہ کرتے ہیں تو انہیں دنیا اور اس کے جاہ و حشمت پر ہنسی آتی ہے اور پھر دل یاد الٰہی میں اس قدر سرشار ہو جاتا ہے کہ اگر دنیا ان کیلئے سونے کی بھی بنا دی جائے تو یہ اس کی طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ

marfat.com

حیف ہے اس کی بادشاہی پر
تیرے در کا جو گدا نہ ہوا

ان کی یہی درویشی اور فاقہ مستی ان کے روحانی کمالات میں مسلسل اضافہ کرتی رہتی ہے۔ عوام الناس تو کیا علماء و رفقاء ان کی بارگاہ میں حاضری دینا باعث سعادت اور سلاطین ان کی مجلس میں آنے کو سرمایۂ اعزازات سمجھتے ہیں۔ اس قطب یگانہ کے حالات زندگی قارئین کی نذر کئے جاتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی احمد اور لقب جمال الدین تھا۔ آپ ۵۸۳ھ میں غزنی شہر (افغانستان) میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد محترم حضرت قاضی حمید الدین عرف شیخ محمد تھے جو دینی علوم کے علاوہ فن سپہ گری میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر دوسرا حملہ کیا تو قاضی حمید الدین اس لشکر میں ایک پلٹن کے سالار تھے۔ جب جمال الدین ہانسوی پانچ سال کے تھے تو والدین کے ہمراہ مستقل طور پر رہنے کیلئے ہانسی آ گئے۔

حضرت قطب جمال کے نانا سید احمد گیسودراز غزنوی تھے جو خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ سراج النسب میں لکھا ہے کہ موصوف کی دو بیٹیاں تھیں' ان میں سے ایک بی بی حافظہ جمال صاحبہ تھیں جن کے بطن نوری سے حضرت شیخ شرف الدین عرف بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی پیدا ہوئے تھے۔ دوسری صاحبزادی سائرہ بی بی نامی تھیں جو حضرت قطب جمال کی والدہ تھیں۔

حضرت جمال الدین احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ بچپن سے ہی بڑے ذہین وفطین تھے۔ آپ کے والد بزرگوار آپ کی تعظیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ علوم مروجہ (یعنی تفسیر قرآن مجید' احادیث' فقہ' تاریخ' صرف ونحو اور طب) میں سند فضیلت حاصل کی۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ فقہ آپ کا خصوصی مضمون تھا۔ آپ فن تقریر میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ مبداء فیض نے آپ کو شاعری کا بھی ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ صاحب دیوان شاعر تھے اور خطیب تخلص کرتے تھے۔ حضرت جمال شریعت کے بڑے پابند اور خلق محمدی کا نمونہ تھے۔ نوجوانی میں بھی بڑے پارسا اور پرہیزگار رہے۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت کی ادائیگی کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت قاضی حمید الدین ابھی حیات تھے کہ آپ شہر ہانسی کے خطیب مقرر ہوئے۔

حضرت قطب جمال کی عمر پچاس برس تھی کہ آپ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین مسعود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ بابا صاحب سے آپ کی بیعت ہانسی میں ہی ہوئی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بوجہ محبت حضرت قطب جمال ہانسی میں ہی فروکش رہے۔

marfat.com

رواق منظر چشم من آشیانہ تست
کرم نماد فرود آ کہ خانہ خانہ تست

حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ ہانسی میں مقیم تھے کہ آپ کے پیر روشن ضمیر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کی وفات کی خبر آئی۔ چنانچہ آپ نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حسب ارشاد قطب الاقطاب آپ کو ان کی نعلین، عصا اور خرقہ سپرد کئے۔ بابا صاحب نے خرقہ زیب تن کیا اور تین چار روز آستانہ قطب صاحب پر قیام کرنے کے بعد عازم سفر ہوئے۔ آپ کے پیر بھائیوں اور مریدین قطب الاقطاب نے عرض کیا کہ چونکہ آپ کو قطب صاحب نے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے اس لئے اب آپ کا قیام دہلی میں ہی ہونا چاہیے لیکن آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہمیں جو نصیحت پیر نے عطا کی ہے وہ ہانسی اور اس کے جنگل میں ہے۔

چنانچہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ ہانسی پہنچے اور حضرت قطب جمال کو خلافت عنایت کی۔ نیز حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے تبرکات یعنی خرقہ، عصا، نعلین اور قلمی کتب عوارف المعارف مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عطا فرمائے۔ حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''جمال جمال است'' اور کبھی ارشاد ہوتا کہ ''جمال می خواہم کہ گرد سرتو بگردم'' اور کبھی یوں ارشاد فرماتے کہ ''از خود برنجم لیکن از جمال نرنجم'' (یعنی خود سے رنجیدہ ہو جاتا ہوں لیکن جمال سے کبھی نہیں) حضرت قطب جمال کو بھی اپنے مرشد سے کمال الفت تھی۔ ان کی منقبت میں بہت سے اشعار لکھتے ہیں۔

اپنی والہانہ خدمت و خلوص اور ارادت کی بدولت حضرت جمال الدین، بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر بن گئے۔ پاکپتن پہنچ کر انہوں نے کافی عرصہ اپنے مرشد کی خدمت میں گزارا۔ یہاں آپ کے سپرد لنگر فریدی کیلئے جنگل سے ڈیلہ (ایک قسم کا جنگلی پھل) لانے کی ڈیوٹی لگی۔ آپ یہ کام نہایت مستعدی سے سرانجام دیتے رہے۔

حضرت قطب جمال نے جب بابا فرید صاحب کی صحبت اختیار کی تو سرکاری عہدۂ قضا و خطابت سے استعفیٰ دے دیا۔ حکومت وقت نے مدد معاش کیلئے جو اس عہدہ و منصب کے ضمن میں دیہات اور کافی اراضیات دے رکھی تھیں، وہ قطب صاحب نے واپس کر دیں۔ متقدمین پیران سلسلہ کے طریق پر آپ تمام عمر بادشاہ یا امراء کے در پر نہیں گئے۔

marfat.com

ے پشت پازن تخت کیکاؤس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را

حضرت قطب جمال نے تمام عمر امیرانہ لباس زیب تن نہیں کیا۔ آپ کی خوراک سادہ ہوتی تھی اور مقدار بہت کم۔ آپ ہمیشہ کم گفتن، کم خفتن، کم خوردن پر عامل رہے۔ مہمان نوازی آپ کا خاصہ تھا۔

. سفر میں گھوڑے کی سواری کے علاوہ پیدل بھی چلتے تھے۔ قطب صاحب نے سات مرتبہ پاکپتن جا کر اپنے پیر و مرشد حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔

ے برائے دیدن روئے چو ماہست
ہمیشہ جان و دل سویت کشانت

دنیاوی شان و شوکت اور سرکاری مرتبہ و منصب ترک کر کے آپ نے درویشی اختیار کی اور یہ غریبی آپ کیلئے باعث فخر تھی۔

ے نزدیک جہانیاں گدائیم ...... در عالم فقر بادشاہیم

حضرت قطب جمال رحمۃ اللہ علیہ کسی سے کچھ طلب نہ کرتے تھے۔ تحائف قبول کرنے میں بھی آپ کو تامل رہتا۔ خانقاہ اور گھر بار کے خرچ میں تنگی رہتی تھی لیکن آپ نہایت حوصلہ مندی سے اور صبر سے گذر اوقات کئے جاتے تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلوی سے روایت ہے کہ وہ پاکپتن جاتے ہوئے ہانسی پہنچے اور شیخ جمال الدین قطب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ مرشد بابا فرید (رحمۃ اللہ علیہ) سے عرض کر دینا کہ میرے خرچ میں تنگی رہتی ہے، فراخی کیلئے دعا فرمائیں۔ بابا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے جواباً ارشاد فرمایا کہ قطب جمال کو واضح کر دیجئے کہ جب کسی کو کہیں کی ولایت دی جاتی ہے تو اس کو چاہیے کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی جانب مائل کرے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطب جمال کی قدر افزائی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک کرتے تھے کہ جب مجھے خلافت نامہ عطا ہوا تو مرشد نے ارشاد کیا کہ یہ خلافت نامہ مولانا جمال الدین کو دکھا دینا۔ چنانچہ ہانسی پہنچ کر میں نے اپنا وہ خلافت نامہ برائے ملاحظہ پیش کیا تو آپ خوش ہوئے اور شفقت سے میری (مزید روحانی) تربیت فرمائی اور یہ شعر پڑھا:

ے خدائے جہاں را ہزاراں سپاس که گوہر سپردم بگوہر شناس

marfat.com

صاحب طبقات حسامی نے تحریر کیا ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ جس کو خلیفہ نامزد کرتے اسی کو قطب جمال کے پاس بھیجتے تھے۔ قطب صاحب اس کی تربیت فرماتے۔ اگر لائق خلافت سمجھتے تو خلافت منظور فرماتے ورنہ خلافت نامہ چاک کر دیتے۔ وہ اگر بابا صاحب سے شکایت کرتا تو جواب ملتا کہ ''دریدۂ جمال رافرید نتو اندودخت''

نقل ہے کہ ایک بار حضرت بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرے سارے مرید اور خلفاء کے بدلے آپ احمد جمال کو ہمیں دے دیجئے اور شرط محبت یہ ہے کہ اس سودے کو آپ درہم برہم نہ کریں۔ بابا صاحب نے جواب دیا کہ جمال میرا جمال ہے' سودا مال میں ہوتا ہے نہ کہ جمال میں۔

مولانا شمس الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ قطب جمال احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر چند دن قیام کرنے کے بعد رخصت لینے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ قافلہ میں جو بزرگ ہوتا تھا اس کو مرشد رخصت کے وقت مناسب نصیحت فرماتے۔ اس موقعہ پر بابا صاحب نے قطب صاحب کو نصیحت فرمائی کہ نظام الدین کی خبر گیری کرنا۔ قطب جمال نے بڑی خبر گیری فرمائی۔ جب قصبہ اگروہہ وارد ہوئے تو وہاں کا حاکم حضرت قطب جمال کا دوست تھا وہ اپنے مکان پر لے گیا اور نہایت پر تکلف دعوت کی۔ قطب صاحب نے روانگی کیلئے اجازت چاہی تو اس نے عرض کیا کہ یہاں لوگ قحط میں مبتلا ہیں' جب تک بارش نہ ہو آپ یہیں تشریف رکھیں۔ قطب صاحب خاموش ہو رہے۔ صبح نہ ہونے پائی تھی کہ خوب زور سے بارش ہونے لگی' صبح کو حاکم اگروہہ نے سواری کیلئے گھوڑی پیش کی اور ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں (نظام الدین) جب خلیفہ نامزد ہونے کے بعد قطب صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے تعظیم نہ دی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ پہلے تو ہمیں تعظیم دیتے تھے اب کیوں نہ دی۔ وہ خود گویا ہوئے کہ اے نظام الدین تعظیم نہ دینے کا سبب یہ ہے کہ اب میں اور تم ایک ہوگئے کیا کوئی اپنے کو تعظیم دیتا ہے۔

جب میں (نظام الدین) اپنا خلافت نامہ لے کر قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کی نذر کیلئے جنگل سے کچھ خشک لکڑیاں اور مٹی کے چند ڈھیلے اپنے رخساروں سے صاف کر کے لے گیا۔ اس پر خلوص نذر پر حضرت قطب صاحب بے حد مسرور ہوئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے غسل

marfat.com

میت کا پانی ان لکڑیوں سے گرم کیا جائے اور یہ ڈھیلے ہماری قبر میں ساتھ رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

میں نے وصال کے بعد شیخ جمال الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا فرماتے تھے کہ میں ہمیشہ نماز مغرب کی سنتوں کے ساتھ صلوٰۃ الروح اور فرضوں کے متصل آیت الکرسی پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی عمل کے سبب بخش دیا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ نے مخدوم بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اجودھنی سے کئی مرتبہ شیخ جمال الدین احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کو مانگا لیکن بابا صاحب ہر بار یہی جواب دیتے کہ

''جمال الدین جمال ما است و کسے شخص جمال خویش را بہ دیگرے نمی دہد''

آخر خواجہ بہاؤ الدین زکریا نے اپنے جذب باطنی سے شیخ جمال الدین کو اپنی طرف کھینچا۔ شیخ جمال کے دل میں اضطراب پیدا ہوگیا اور انہوں نے بابا صاحب سے خواجہ زکریا ملتانی کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔ مرشد گرامی کو ان کا یہ اصرار ناگوار گزرا اور ایک روز حالت جلال میں شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔

''بر دو روئے خود سیاہ کن''

یہ الفاظ نکلتے ہی شیخ جمال الدین کا جمال صورت متغیر ہوگیا اور کمالات باطنی سلب ہوگئے۔ وہ خانقاہ فریدی سے نکل کر دیوانہ وار دشت نوردی کرنے لگے کہ بابا صاحب کی ناخوشی ان کیلئے سوہان روح بن گئی تھی۔ ہر وقت آہ وزاری کرتے اور مرشد گرامی کو یاد کرتے' اکثر حالت جذب وجنوں میں اپنا لباس پھاڑ ڈالتے اور کبھی سر پر خاک ڈالتے۔ اسی حالت میں ایک سال گزر گیا۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدت مند ایک سوداگر مسمی شیخ عالم اس جنگل سے اپنے قافلہ کے ساتھ گزرا جہاں شیخ جمال الدین پریشان پھر رہے تھے۔ اس نے آپ کو پہچان لیا اور آپ کے حال پر نہایت تعجب اور افسوس کا اظہار کیا۔ شیخ جمال نے ''ہائے فرید'' کا نعرہ مارا اور بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو سوداگر سے التجا کی کہ سرکار فرید میں میری طرف سے یہ عرض کر دینا۔

حضرت گنج شکر قطب زماں قطب زمیں
چشم رحمت بکشا جانب درویش بہ بیں

حضرت قبلہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی آہ وزاری دیکھ کر نظر کرم فرمائی اور تمام روحانی

marfat.com

مراتب دوبارہ بحال کر دیئے۔

بابا صاحب نے شیخ جمال الدین احمد کو قطب کا خطاب دے کر ہانسی روانہ کر دیا۔ جہاں آپ نے بقیہ عمر اصلاح خلق میں گزاری۔

حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ جب ہانسی پہنچے اور اپنی سند خلافت تصدیق و توثیق کیلئے شیخ قطب جمال کو پیش کی تو رات کا وقت تھا۔ حجرے کا چراغ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے بجھ گیا۔ مخدوم علاؤ الدین نے اپنی انگلی کھڑی کی اور وہ چراغ کی طرح روشنی دینے لگی۔ قطب جمال کو ان کا یہ اظہار کرامت پسند نہ آیا اور انہوں نے خلافت نامہ چاک کر دیا۔ مخدوم علاؤ الدین جلال میں آ گئے کہ آپ نے میری سند خلافت چاک کی اور میں نے آپ کا سلسلہ چاک کر دیا۔ مخدوم بلا توقف واپس اجودھن پہنچے اور سب واقعہ بابا صاحب کے گوش گزار کیا۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ ''تیر پہلوانان دیں خطانمی رود'' اور پھر پوچھا تم نے جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ کس طرف سے چاک کیا۔ مخدوم علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اول سے ''بابا صاحب'' نے فرمایا کہ یہ بھی اچھا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کچھ مدت بعد تمہارے ایک مرید کی دعا سے سلسلہ جمالیہ درست کر دے گا' میں تمہیں نئی سند لکھ دیتا ہوں۔

حضرت قطب جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو نکاح کئے' پہلی بیوی سے ایک صاحبزادہ تولد ہوا جنکا نام شاہ حامد عرف کمال الدین عرف رضی الدین تھا اور ایک بیٹی بانو نامی تھی۔ صاحبزادہ شاہ حامد کچھ مجذوب سے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی فرماتے تھے کہ وہ دیوانہ معنوی تھے۔ ایک روز جب ان سے پوچھا گیا کہ العلم حجاب الاکبر سے کیا مراد ہے تو فرمانے لگے کہ

''علم دون حق است وہر چہ دون حق است حجاب اکبر است''

اور یہ معانی ایسے ہیں کہ ہم نے ہزار ہوشیاروں سے بھی نہیں سنے۔ قطب صاحب کی دوسری زوجہ حضرت شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کی ہمشیرہ تھیں' جن کے بطن سے حضرت قطب دوم صوفی برہان الدین علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔

حضرت جمال الدین احمد خطیب قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی علمی یادگاروں میں ایک دیوان فارسی ہے جو دو جلدوں میں ہے اور ۱۸۸۹ھ میں طبع ہوا۔

آپ کا وصال ۱۲ شعبان المعظم ۶۵۹ھ بروز پنج شنبہ کو ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۶ سال تھی۔ آپ کا مزار ہانسی میں ہے جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ہر سال آپ کا عرس بڑی شان و شوکت

marfat.com

سے منایا جاتا ہے اور ہزاروں بندگان خدا کیلئے منبع فیوض و برکات ہے۔

آپ کے مجموعہ ہائے کلام چھ صد سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان میں حمد' نعت' مناقب' منظومات' غزلیات سب کچھ شامل ہے۔ کلام نہایت پختہ اور دلآویز ہے مگر تحریر کی طوالت اقتباسات پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بہرحال یہ کلام نہایت پختہ' اور ادبی اور عرفانی لحاظ سے بلند مرتبہ کا حامل ہے جسے بہت زیادہ پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ نمونہ کے طور پر امام ابوحنیفہ کیلئے کہی ہوئی منقبت کے اشعار درج ہیں۔

مرا فخر است بر اہل زمانہ — کہ گشتم مدح خوانِ بوحنیفہ
مسائل کے شود حل مفسر — نکردے ترجمانِ بوحنیفہ
قرین رحمت و رضوان خود دار — بماہ و سال جانِ بوحنیفہ

ایک صاحب نظر نے حضرت قطب جمال الدین ہانوسی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت کہی ہے۔ تبرک کے طور پر اس سے بھی کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

اے جمال ہانسوی اے جانِ جانانِ فرید — زینت و آرائش بزم درخشان فرید
تیری آنکھیں ایک مرکز کثرت انوار کا — تیرا دل ہے اک خزینہ وحدت الاسرار کا
تیری ہستی میں ہیں انوارِ ازل جلوہ فگن — خواجۂ ہندالولی کی زلف ہے سایہ فگن
طلعت بابا فرید الدین ہے طلعت تری — ہے مرے فہم و تصور سے کہیں رفعت تیری

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے خلیفہ خاص جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس قدر محبت تھی کہ بارہ برس تک حضرت بابا فرید ان کی محبت سے ہانسی میں رہے اور ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ "جمال" میرا جمال ہے اور کبھی فرماتے کہ جمال میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سر کے گرد پھروں اور جب اپنا خلافت نامہ آپ کسی کو عطا فرماتے' حضرت جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ بحال کر دیتے تو خلافت درست ہوتی اور اگر وہ رد کر دیتے تو شیخ بھی یہ کہتے ہوئے رد فرما دیتے کہ جمال کے پارہ کئے ہوئے کو میں بھی نہیں سی سکتا۔

رہبرِ راہِ ہدیٰ حضرت جمال الدین تھے — منبعٔ لطف و عطا حضرت جمال الدین تھے
ان کے جلووٴں میں جمال حضرت بابا فرید — معرفت کے ناخدا حضرت جمال الدین تھے

marfat.com

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چشتیوں کی سلطنت کے حکمراں خواجہ نظام
جن کے فیض عام سے ہے قلبِ ہستی شاد کام
ہے جبینِ شوق جھکتی جن کی عظمت کے حضور
روحِ ایماں' دل کا درماں ہیں وہی تو لاکلام
حضرت گنجِ شکر کے بے کراں الطاف سے
سر بسر نورِ ہدایت ہیں یہ بہرِ خاص و عام
ان کا مرقد ہے زیارت گاہِ اصحابِ یقیں
جو یہاں پر پیش کرتے ہیں عقیدت سے سلام
آپ کے لنگر سے تھا سارا زمانہ فیضیاب
آپ تھے عالی نسب' جانِ یقیں' عالی مقام
تذکرہ چھڑتا ہے جب بھی رہبرانِ قوم کا
نام لیتا ہے زمانہ آپ ہی کا صبح و شام
یہ ہیں محبوبِ الٰہی اہلِ ایماں کیلئے
ان کے ہر اک قول کو ہے اے رضاؔ حاصل دوام

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

محبوبِ الٰہی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دنیائے تصوف کی نہایت ہی برگزیدہ اور قابل تکریم شخصیت ہیں۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے حوالے سے بطور خاص بے شمار اہل نظر کے دلوں کی دھڑکن ہیں۔ آپ نے تبلیغ اسلام اور فروغ دین حق کیلئے تمام زندگی نا قابل فراموش کردار ادا کیا۔ آپ کے والدین نہایت پاکیزہ صفت اور متقی تھے۔ آپ کے والد خواجہ احمد بڑے صالح مزاج' کے پاکیزہ کردار کے حامل انسان تھے۔ وقت کے سربراہ نے انہیں بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ آپ ۲۷ صفر المظفر ۶۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ پانچ برس کی زندگی میں آپ یتیم ہوگئے۔ پچیس برس کے ہوئے تو اپنی والدہ ماجدہ کو لے کر دہلی آ گئے اور مولانا شمس الدین شمس الملک جیسی یگانۂ روزگار شخصیت کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ مولانا کمال الدین زاہد سے بھی کتب دینیہ پڑھیں۔ آپ حضرت نجیب الدین متوکل کے پڑوسی تھے۔ زندگی کے یہ تمام برس فقر و فاقہ میں بسر ہوئے۔ آپ نے فقر و فاقہ اور تنگدستی کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا' کبھی زبان پر شکوہ نہ آنے دیا۔ کئی درباروں سے ملازمت کی پیشکش ہوئی مگر اسے شان فقر و درویشی کے خلاف سمجھتے ہوئے انکار کر دیا۔ روزہ دار رہتے تھے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کی خوش بختی رہی ہے کہ اسے یکے بعد دیگرے ایسے نادر روزگار شیوخ اور جانشین میسر آئے' جن میں سے ہر ایک آسمان رشد و ہدایت کا ماہتاب ثابت ہوا۔ خواجہ غریب نواز خواجہ محمد معین الدین چشتی' خواجہ قطب الدین بختیار کاکی' حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر' حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے بعد کی شخصیات بھی اس قدر سربلند ہیں کہ ان میں سے کسی کے روشن کردار سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ حق تو یہ ہے آج برصغیر پاک و ہند اسلام کے جن انوار سے جگمگا رہا ہے ان میں غالب حصہ مشائخ چشتیہ کا ہے۔

marfat.com

اولیائے چشت ہیں بزم تصوف کا نگیں
ان کی تعلیمات سے پرنور ہے یہ سرزمیں
خواجہ ہندالولی کا فیض ہے پھیلا ہوا
تھے مثال ماہتاب نور ان کے جانشیں

آپ بدایوں میں جبکہ آپ کی عمر ابھی بارہ ہی سال کی تھی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور حضرت بابا فرید الدین کا شہرۂ کمال سن چکے تھے اور ابوبکر قوال سے یہ معلوم کر کے آپ کا قلب بابا صاحب کی طرف راغب ہو رہا تھا۔ دہلی سے سند فضیلت علوم ظاہری حاصل کر کے آپ بشوق ارادت پاکپتن روانہ ہوئے۔

حضرت بابا صاحب نے نہایت محبت سے ان کا استقبال کیا۔ اہل اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ حضرت کو علم ہوگیا تھا کہ ارض بدایوں سے ایک مرد جلیل آ کر آپ کی مسند پر متمکن ہوگا۔ آپ کی زبان سے کچھ بھی نہ نکلا۔ خدمت شیخ میں رہ کر شیخ سے چند اہم کتب پڑھیں' مرید ہو گئے۔ عرض کی کہ کیا اب ترک تعلیم کر کے مصروف عبادت رہوں' فرمایا ''میں کسی کو تعلیم سے نہیں روکتا' یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو''۔

پھر فرمایا ''درویش کیلئے علم ضروری ہے تا کہ وہ فریب شیطان سے محفوظ رہے۔ چنانچہ آپ مصروف عبادت ہوگئے اور چند روز بعد ۶۷۲ھ میں آپ کو خلافت بھی عطا کر دی گئی۔ فرمایا: ان دنوں شیخ پر بڑی تنگی تھی۔ مرید ہی اپنے ہاتھوں لکڑیاں پانی اور کریلا تے اور وہ ابال کر سب کھاتے۔ ایک روز میں نے تھوڑا سا نمک ڈال دیا۔ فرمایا: مشتبہ ہے نہیں کھاتا' عرض کی قرض لا کر نمک ڈالا ہے۔ فرمایا: درویش فاقوں سے مر جائیں گے مگر لذت نفس کیلئے قرضہ نہ لیں گے۔

نفس کیلئے قرض نہ لیں گے اس لئے کہ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے لیکن مجھے چلتے وقت دعا دی کہ تو کسی کا محتاج نہ رہے گا اور دشمنوں کو خوش رکھنا اور جس سے کبھی قرض لیا ہوا سے ادا کرنا۔

جب آپ دہلی آئے تو پہلے جنگلوں میں مصروف عبادت رہے۔ پھر غیبی حکم سے غیاث پور تشریف لے آئے۔ عبادت و ریاضت پر بہت وقت دیتے۔ ہمیشہ روزہ دار رہے۔ افطار کرتے تو باسی روٹی سے کرتے۔ خادم اصرار کرتے تو فرماتے کہ درویش تو فاقے سے رہیں اور میں اچھی روٹی کھاؤں۔ آپ نے معزالدین کیقباد کے بسائے ہوئے شہر میں جانے کا ارادہ کیا تو ایک فقیر نے نمودار ہو کر کہا:

marfat.com

''اول تو مشہور ہی نہ ہونا چاہیے اور مشہور ہوگیا ہے تو ایسا نہ کرنا کہ قیامت کے روز بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شرمندہ ہونا پڑے۔ حوصلہ مندی کا تقاضا یہی ہے کہ خلق خدا کے درمیان رہو اور خدا سے لو لگائے رکھو''۔

آپ نے ارادہ ملتوی کر دیا اور اسی فقر و فاقہ کو شعار حیات بنائے رکھا۔ ایک روز ایک پارسا عورت کو آپ کے فقر و فاقہ کا علم ہوا تو اپنے پاس موجود آدھ سیر جو کا آٹا لا کر انہیں دیا۔ مریدوں نے پانی ملا کر پلایا۔ ایک درویش حیرت انگیز طور پر اچانک وہاں آ گئے اور فرمایا ''نظام الدین کچھ کھلانے کو ہے''۔ آپ نے ہانڈی لا کر سامنے رکھ دی' اس نے گرم ہی گرم کھانا شروع کر دی اور کھا کر ہانڈی پھوڑ دی اور فرمایا:

''نعمت باطنی تو تجھے بابا فرید الدین گنج شکر سے ملی' تیرا ظاہری فاقہ ہم نے توڑ دیا ہے''۔

پھر وہ فقیر غائب ہوگیا۔ اس کے بعد فتوحات ظاہری و باطنی کی کمی نہ رہی۔ عوام الناس کثرت سے مرید ہونے لگے۔ وقت کے امراء بھی آپ سے بیعت ہونے لگے۔ یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ ہزاروں لاکھوں فاقہ کش اور مرید آپ کے لنگر سے فیضیاب ہونے لگے۔ آپ مرجع عام بن گئے۔ سلاطین بھی رشک کرنے لگے' آپ کی خانقاہ عالیہ عظیم روحانی اور باطنی درس گاہ بھی تھی جہاں صرف لنگر سے کھانا ہی نہیں عطا ہوتا تھا بلکہ عام طلبہ کے ساتھ ساتھ علماء فضلاء بھی یہاں سے تعلیم حاصل کرتے۔

آپ کی کرامات کثیرہ ظاہر ہونے لگیں۔ سلطان علاؤ الدین تغلق ادب سے حاضر ہوتا اور اپنی حاجات آپ سے عرض کر کے من کی مراد پاتا۔ سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے کشیدگی رکھتا تھا۔ اس نے آپ کو غیاث پورہ سے چلے جانے کو کہا اور کہا ''میں آ رہا ہوں' اس سے پہلے ہی چلے جائیں''۔ اس سے پہلے ہی آپ نے فرمایا ''ہنوز دلی دور است'' چنانچہ دہلی پہنچنے سے پیشتر تغلق آباد میں مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی بہت معتقد تھا۔ اس نے اپنے بیٹے خضر خاں کو کئی بار بھیجا کہ حضور میرے کاشانہ پر قدم رنجہ فرمایا کریں' اس میں میری سعادت ہے۔ جواب دیا ''بادشاہ سے کہنا ایک گوشہ میں پڑا ہوں' تیرا کچھ بگاڑ نہیں رہا' بادشاہ اور تمام مسلمانوں کیلئے دعائے خیر کرتا رہتا ہوں۔ اگر بادشاہ نے اصرار کیا تو میں دہلی سے چلا جاؤں گا۔ خضر خاں یہ جواب لے کر گیا تو اس نے خود آنے کا ارادہ کیا۔ فرمایا: اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں' میں یہیں سے مصروف دعا ہوں بلکہ غیب کی دعا زیادہ

marfat.com

موثر ہوتی ہے۔ میرے مکان کے دو دروازے ہیں اگر بادشاہ ایک دروازہ سے آیا تو میں دوسرے سے نکل جاؤں گا۔ جب چنگیزیوں نے دہلی آ کر یکایک گھیر لیا تو علاؤ الدین بہت پریشان ہوا کہ تمام لشکر دہلی سے باہر گیا ہوا تھا' آپ سے دعا کا خواستگار ہوا اور یہ آپ ہی کی دعا کا اثر تھا کہ رات کو خود بخود غنیم کے لشکر پر ہیبت طاری ہوگئی اور وہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے آپ کے مرید خضر خاں کو شہید کیا اور آپ کو بھی تکلیف دینی چاہی۔ تمام امراء و وزراء نے معتقد و مرید ہونے کے باعث چندے صبر کیا۔ ایک روز قاضی محمد غزنوی سے کہا کہ نظام الدین کے پاس خرچ کرنے کو اتنا روپیہ آ کہاں سے جاتا ہے؟ یہ بھی مخالف تھا۔ بولا' آتا کہاں سے آپ کے امراء و ملازمین تو دیتے ہیں' بھلا کہیں ٹھکانہ ہے کہ وہ ہزار تنکہ سرخ روز کا صرف ہے جو صرف لنگر کیلئے وقف ہے۔ اس نے فوراً ایک فرمان صادر کر دیا کہ ہمارے ملازمین و امراء میں سے کوئی نظام الدین کے پاس نہ جائے اور نہ کچھ دے ورنہ سزا پائے گا۔ آپ نے خبر پاتے ہی خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ آج سے لنگر خانہ کا طعام دگنا کر دیا جائے اور جو ضرورت ہو فلاں طاق سے بسم اللہ کہہ کر اور ہاتھ ڈال کر لے لیا کرے۔ سلطان وقت کا حکم' اہل شہر بھی خوف کے مارے نہ گئے۔ سلطان نے جو خفیہ معلوم کرایا تو پتہ چلا کہ واقعی کسی نے کچھ نہیں دیا۔ یہ محض کرامت ہے تو دل میں بہت شرمندہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ آپ شہر میں رہ کر مجھ سے نہیں ملتے حالانکہ شیخ رکن الدین جیسے بزرگ بھی میرے پاس آتے ہیں۔ اس میں میری تحقیر ہے۔ فرمایا: میرے پیروں کا یہ طریقہ نہیں رہا' سلطان نے غضبناک ہو کر کہلا بھیجا کہ آپ کو میرے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔

آپ نے شیخ علی سنجری کو بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس بھیجا کہ بادشاہ کو سمجھائیں' فقیر کی ایذا رسانی میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ اتفاق سے بہت علیل تھے۔ تیسرے روز وصال ہوگیا' ان کی فاتحہ میں تمام امراء و مشائخ و اکابر جمع ہوئے۔ آپ بھی تشریف لے گئے' آپ کو دیکھتے ہی سب کے سب تعظیم کیلئے کھڑے ہوگئے مگر سلطان وقت تلاوت قرآن میں مصروف رہا اور بالکل توجہ نہ کی۔ کچھ لوگ بولے کہ سلطان بھی شریک مجلس ہے' سلام علیک کر لیجئے۔ فرمایا: مصروف تلاوت ہے کوئی ضرورت نہیں' سلطان نے پھر مشائخ سے کہا کہ انہیں سمجھائیے' روز نہیں تو آٹھویں دن ورنہ ہر چاند رات کو مبارک باد دینے تو ضرور آیا کریں' آپ واپس چلے گئے تھے۔ چنانچہ سید قطب الدین یہ پیغام لے کر گئے اور کہا سلطان کا ارادہ اچھا نہیں' مصلحت یہی ہے کہ منظور کر لیں آپ نے صرف ان شاء اللہ کہا اور خاموش ہوگئے۔

marfat.com

سب سمجھ گئے کہ حضور جائیں گے۔ بادشاہ بھی خوش تھا' عین چاند رات کو امیر خسرو اور خواجہ وحید آئے اور جانے کو پوچھا۔ فرمایا: ہرگز نہیں۔ بولے سلطان منتظر ہے اور آپ انکاری' یہ تو بڑا فساد ہو جائے گا۔ فرمایا: سلطان مجھ پر غالب نہ ہوگا۔ ابھی تک ایک پہر ہی رات گزری تھی کہ امیر غیاث الدین تغلق نے سلطان اور قاضی دونوں کو کوشک ہزار ستون میں قتل کر دیا۔

(اخبار الاخیار' اخبار الاولیاء)

مولانا ضیاء الدین برنی ''تاریخ فیروز شاہی'' کے مصنف' امیر خسرو اور امیر حسن علائی یک جان سہ قلب دوست تھے۔ ایک روز سوچا کہ پہلے مشائخ مرید کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے' میرے شیخ احتیاط نہیں کرتے' نہ معلوم کیا حکمت ہے؟

فوراً حضرت نے فرمایا کہ:

''ہر زمانے کا رنگ اور حالات جدا ہوتے ہیں اور ان کے مطابق ہی عمل ہوتا ہے' کسی کا مرید ہونا غیر حق سے منقطع ہونا ہوتا ہے۔ پہلے بزرگ اس وقت تک ہرگز مرید نہیں کرتے تھے' جب تک کہ وہ مرید میں طلب صادق نہ دیکھ لیتے تھے مگر حضرت ابوسعید الخیر' مرشد غوث پاک کے عہد سے لے کر شیخ سیف الدین باخزری اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے زمانہ سے لے کر شیخ فرید الدین عطار کے وقت تک یہ حالت تھی کہ مشائخ کے دروازوں پر امراء و سلاطین و اہل خلق کا اجتماع رہتا تھا اور سلاطین بھی باز پرس آخرت کے خوف سے خود کو انہی کی پناہ میں رکھتے تھے اور یہ بھی از راہ مہربانی ہر کسی کو مرید کر لیتے تھے۔ محبوبان خدا کے معاملات کسی کے قیاس میں نہیں آسکتے' میں بھی پیر کی متابعت میں مرید کرنے میں احتیاط نہیں کرتا۔

اس میں متعدد فوائد بھی ہیں کہ میرے مرید نماز باجماعت ادا کرتے ہیں' گناہ سے بچتے ہیں' نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر شرائط بزرگان قدیم ان کے سامنے پیش کی جائیں تو وہ شاید تکمیل نہ کر سکیں اور اتنے ثواب سے بھی محروم رہ جائیں' پھر بیعت کرنا گناہ سے باز رکھنا ہے پھر میرے پیر سے مریدان چشت کو بخشنے کا وعدہ ہو چکا ہے' اس لئے جو آتا ہے مرید کر لیتا ہوں کہ مخلوق گنہگار ہے اور شاید وہ میرے ہی وسیلہ سے بخشی جائے۔

شیخ برہان الدین اتنے مؤدب تھے کہ تمام عمر غیاث پور کی طرف پشت نہ کی۔ بڑے صاحب ذوق و سماع تھے۔ دیوگری (دکن) میں مامور بہ تبلیغ ہوئے تھے۔ دور دور تک کرامت کا شہرہ تھا۔ شیخ زین الدین شیرازی سے آ کر مرید ہوئے' بہت سے مسلمان کیے۔ حضرت محبوب الٰہی درجہ قطبیت و غوثیت

marfat.com

سے عبور کر کے درجہ محبوبیت پر فائز ہو گئے تھے۔ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ بلاشبہ لاکھوں انسانوں کو آپ سے فیض پہنچا اور لاکھوں ہی مرید ہوئے۔ وہ آپ ہی بزرگ تھے جنہوں نے دنیا کے اس عروس البلاد اور سلطنت ہند کے عظیم الشان پایۂ تخت کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ یہ عالم تھا کہ دہلی میں جہاں چار آدمی ملتے' اللہ اور رسول ہی کا ذکر کرتے' اور تو اور کنیزان شاہی تک کی محلات میں ایک وقت کی نماز قضا نہ ہوتی تھی۔ غریب و امیر اور عورت و مرد بلامبالغہ سب کے سب نمازی اور پابند مذہب بن گئے تھے۔ ہر جگہ نوافل و عبادت و تلاوت کے چرچے تھے۔ ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ دہلی والے اس عہد میں قدوسیوں کی جماعت نظر آتے تھے۔ مساجد نمازیوں سے لبریز رہتی تھیں۔ دہلی سے غیاث پورہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا مگر راستہ میں ہر وقت لوگوں کی بھیڑ رہتی تھی اور راستہ گلزار تھا۔

اس عہد میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کا زمانہ آ گیا ہے۔ روزانہ ہزارہا مرید ہوتے تھے۔ ایک طرف آپ ہی ہدایت خلق' اصلاح مسلمین اور اشاعت اسلام میں مصروف نہ تھے جبکہ ملتان میں شیخ رکن الدین دور دور تک نور پھیلا رہے تھے۔ دوسری طرف آپ کے خلفاء اطراف ہند میں یہی خدمات انجام دے رہے تھے' شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم لہرا رہا تھا۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں دو بادشاہوں نے آپ سے مخالفت کی اور جس شدت کے ساتھ مخالفت کی' اسی شدت و سختی کے ساتھ تباہ ہوئے۔ یہ دونوں سلطان قطب الدین مبارک شاہ اور سلطان غیاث الدین تغلق تھے۔ حالانکہ اول الذکر کا باپ سلطان علاؤ الدین خلجی آپ کا بے حد معتقد تھا۔ اتنا کہ اس نے ملک قرا بیگ ترک اپنے مشیر خاص کو اس کام پر بطور خاص مامور کر رکھا تھا کہ وہ حضرت کی مجالس سماع میں خصوصیت کے ساتھ شریک ہوا کریں اور جن ابیات و اشعار پر حضرت کو وجد و حال رونما ہو لکھ کر حضور میں پیش کیا کریں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کو حدیقہ حکیم سنائی کے ان دو اشعار پر وجد ہوا۔

پیش منما جمال جاں افروز
در نمودی بروسپند بسوز
واں جمال تو چیست؟ مستیِ تو
واں سپند تو چیست؟ ہستیِ تو

سلطان کے سامنے جو یہ ابیات پیش ہوئیں تو بار بار پڑھتا اور روتا تھا۔ قرا بیگ خود بھی بہت

marfat.com

نیک اور حضرت کا مرید تھا۔ عرض کی کہ تعجب ہے کہ آپ اتنے اعتقاد و تاثر کے باوجود حضرت کے دیکھنے کیلئے تشریف نہیں لے جاتے۔ سلطان نے کہا قرابیگ میں بادشاہ ہوں اور سر سے پاؤں تک گناہوں میں غرق ہوں۔ اپنی اس آلودگی میں کیونکر ایسے پاک و مطہر وجود کو دیکھ سکوں گا۔ البتہ میں اجازت دیتا ہوں کہ تو میرے دونوں فرزندوں خضر خاں اور شادی خاں کو لے کر جا حضرت کے قدموں پر ڈال دے۔ مرید کروا لے اور دو لاکھ تنکہ خزانہ سے لے جا کر نذر پیش کر۔ چنانچہ یہ دونوں شہزادے حضرت کے مرید ہو گئے۔

سلطان غیاث الدین تغلق کا بڑا بیٹا محمد تغلق آپ کا بہت معتقد تھا' محبت رکھتا تھا۔ وہ بھی اسی محل کے اندر تھا۔ لیکن آپ کی عقیدت اس کی کشتیٔ حیات کی ناخدا بن گئی اور وہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے انتباہ پر چند لمحے پہلے ہی محل سے نکل آیا۔ محل اتنا مضبوط بنا ہوا تھا کہ اس کے منہدم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا اور نہ کسی سازش کی کرشمہ کاری کہی جاسکتی ہے جیسا کہ ظاہر بین لکھتے ہیں۔ نیچے کوئی بارود بچھا کر اسے بہ آسانی اڑایا جاسکتا تھا مگر نہیں گری اور صرف چھت گری اور حضرت کی بددعا سے گری۔

سلطان محمد تغلق کا چتر شاہی آپ کی عقیدت ہی بنی۔ سلطان علاؤ الدین خلجی' سکندر ثانی اور ارض ہند کا فاتح اعظم آپ ہی کی دعاؤں کے سائے میں بن سکا۔ اب اور سنئے' سلطان فیروز شاہ تغلق ارض ہند کا کتنا بلند پایہ' مشہور' نیک دل اور نیک نام بادشاہ گذرا ہے۔ اس کی تمام شہرتیں' تمام نیک نامیاں' تمام امن و امان اور تمام کارہائے نمایاں صرف آپ ہی کی دعائے عقیدت کے ثمرہائے شیریں تھے' جب صغر سنی ہی میں سلطان آپ کی زیارت کو غیاث پورہ آیا ہے تو بہت ادب و تعظیم کے ساتھ نیاز مندانہ سامنے گیا۔ آپ کو اس کا یہ ادب و احترام بہت پسند آیا۔

دریافت کیا ''بابا چہ نام داری؟'' جواب دیا فدوی بہ اسم کمال الدین مشہور است'' ارشاد فرمایا ''عمر بہ کمال دولت بہ کمال' نعمت بہ کمال اس ارشاد و دعا کا جو اثر تھا وہ دنیا کے سامنے ہے اور تاریخ شاہد ہے۔ سلطان کی زندگی کا ایک ایک ورق اس دعا کا پیکر صداقت رہا۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد سندھ اور گجرات کے جملہ امراء عمائد نے اسے بہ اتفاق بادشاہ بننے پر مجبور کیا۔ انتالیس سال حکومت کی' نوے برس کی عمر پائی۔ بہت نیک نام رہا' بہت امن رہا۔ ہر قسم کی نعمتیں حاصل رہیں' سب سے اہم ترین امر یہ ہے درویشانہ آئین و عقیدت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ضیاء الدین برنی نے اس عقیدت اور درویشانہ زندگی کے متعلق اپنی تاریخ میں پوری تفاصیل دی ہیں۔

marfat.com

تاریخ فرشتہ جلد اول مقالہ سوم میں مذکور ہے کہ سلطان علاؤ الدین بہمنی کو بھی آپ ہی کی دعا کے زیر اثر سلطنت نصیب ہوئی۔ حسن ایک نہایت مفلس و مفلوک شخص تھا۔ کچھ دنوں بعد دہلی میں ہی ایک برہمن کے ہاں کھیت جوتنے اور بونے پر ملازم ہوگیا اور دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد روکھی سوکھی ملنے لگی۔ ایک روز وہ خانقاہ کے دروازہ پر تصویر بے کسی بنا ہوا کھڑا تھا اور لوگ بہ کثرت کھانا کھا کر نکل رہے تھے۔ انہی کے نکلنے والوں میں شہزادہ محمد تغلق بھی تھا۔

شہزادہ ابھی کھانا کھا کر دروازہ سے نکلا ہی ہے کہ آپ نے خدام سے فرمایا:

''یک شاہ برفت و دیگرے بر آستانہ موجود''

''ایک بادشاہ نکلا ہے اور دوسرا دروازہ آستانہ پر موجود ہے''۔ خدام سوچنے لگے کہ ایک بادشاہ تو شہزادہ محمد تغلق ہوسکتا ہے مگر دوسرا کون ہے۔ باہر بھی دیکھ آئے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ استفسار پر فرمایا: ضرور ہے۔ پھر عرض کی کہ دروازہ پر تو ایک مفلوک و محتاج شخص ہے۔ فرمایا: اسے اندر لے آ، وہی بادشاہ ہے۔ جب اندر آیا تو کھانا ختم ہو چکا تھا۔ ایک کلچہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس کلچہ کو انگلی پر بشکل چتر رکھ کر حسن سے فرمایا کہ یہ اسی سلطنت کا چتر شاہی ہے جو ایک عرصہ کے بعد دکن میں تمہیں ملے گی۔ یہ کرامت ملاحظہ فرمائیے کہ اسی لمحہ سے حسن کے دن پھرنے لگے۔ غریب تھا مگر حضرت کی عظمت اور آپ کے الفاظ کی جلالت سے واقف تھا' اسلئے وہ پرامید ہو کر کچھ مدت کے بعد دکن روانہ ہوا۔ متعدد انقلاب کے بعد چتر شاہی اس کے سر پر تھا اور تخت فرمان روائی اس کے قدموں کے نیچے۔ بادشاہ ہو کر اس نے نہایت شکوہ و طمطراق کے ساتھ سلطنت کی اور اس کی اولاد بھی کئی صدیوں تک کامیابی و سطوت کے ساتھ حکومت کرتی رہی۔

گلبرگہ اس بہمنی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ اس خاندان کے تمام فرمانروا فقیر دوست تھے' سلطان احمد خاں بہمنی کو بھی ایک بزرگ ہی کی دعا سے تخت ملا تھا۔

اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے جابجا یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ تقریباً پچانویں فیصد فرماں رواؤں کی تخت نشینی صوفیاء اور فقراؤں ہی کی دعاؤں کی رہین منت رہی ہے۔ تیمور' بابر' ہمایوں' شیر شاہ' جہانگیر' شاہجہان' اورنگ زیب' بہادر شاہ اول' التمش' بلبن' غیاث الدین' محمد تغلق' علاؤ الدین خلجی' بہاول لودی' سکندر لودی' حسن کنگو' احمد خان بہمنی اور احمد خاں بنگش وغیرہ کے پرشکوہ فرماں روا ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا مگر صوفیاء اور اولیاء کی دعاؤں نے انہیں فرش سے اٹھا کر تخت پر بٹھا دیا۔ تقریباً تمام ہی فرماں روایان ہند اور امرائے سلطنت صوفیائے کرام کے مرید و معتقد بھی رہے ہیں مگر آج یہ

marfat.com

سب کچھ فضول سمجھا جاتا ہے' شرک ہے' بدعت ہے' افسوس وصد افسوس۔

سلطان محمد تغلق نے بہت سے مشائخین کو ستایا اور قتل کیا مگر اسے بھی آخر شیخ قطب الدین منور کے سامنے سر جھکانا اور معتقد ہونا پڑا۔

فرمایا کرتے تھے' کچھ ملے تو جمع نہ کرنا' نہ ملے تو فکر نہ کرنا کہ خدا ضرور دے گا' کسی کی برائی نہ کرنا' قرض نہ لینا' جفا کے بدلے عطا کرنا' ایسا کرو گے تو بادشاہ تمہارے در پر آئیں گے۔ فقر و فاقہ رحمت الٰہی ہے' جس رات فقیر بھوکا سویا وہ شب اس کی شب معراج ہے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی نے کہلا بھیجا کہ ایک مہم گئی ہوئی ہے' کوئی خبر نہ آنے سے فکر مند ہوں۔ براہ کرم چند لمحوں کیلئے یہاں تشریف لے آیئے۔ مراقبہ کر کے فرمایا: جا کر کہہ دو میرے آنے کی ضرورت نہیں' تمہارے بھائی الف خاں کو فتح حاصل ہوئی۔ کل آ جائے گا' ایسا ہی ہوا۔ سلطان نے پانچ ہزار دینار نذر کئے جو اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

آپ کی مجلس سماع میں ایک صوفی نے آہ جو کی تو جل کر خاکستر ہو گیا۔ آپ پر بھی حالت طاری تھی' سکون ہوا تو پوچھا کہ یہ خاک کیسی ہے؟ معلوم ہوا تو پانی چھڑکا اور وہ صوفی زندہ ہو گیا۔ ارشاد ہوا کہ تم ابھی خام ہو' جب تک پختگی نہ آ جائے' ہماری مجلس میں ہرگز قدم نہ رکھنا۔

ایک روز دیکھا کہ لب جمنا میر حسن علائی سنجری جو مشہور شاعر تھا یاران صحبت کے ساتھ بیٹھا ہوا جام و مینا کے کھیل میں مصروف ہے۔ آپ کو آتے دیکھ کر شرمندہ سا ہو گیا اور یہ شعر پڑھا:

سالہا باشد کہ باہم صحبتم
گرز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہدتان فسق از دل ما کم نہ کرد
فسق مایاں' بہتر از زہد شماست

ترجمہ کئی سالوں سے ہم ایک دوسرے کے ہم نشین ہیں' اگر صحبت و ہم نشینی اثر رکھتی تو وہ کہاں ہے؟

آپ کا زہد اور تقویٰ ہمارے دل سے فسق و فجور کو ختم نہ کر سکا' ہمارا فسق و فجور تمہارے زہد سے بڑھ گیا۔

یہ سن کر حضرت نے صرف اتنا ہی فرمایا کہ "صحبت میں تو بڑا اثر ہے" تو اس کے قلب کی دنیا بدل گئی' بے تاب ہو گیا' دوڑ کر قدموں پر گرا اور مرید ہو کر درجہ کمال کو پہنچا۔ اس وقت حسن کی عمر

marfat.com

تہتر کی تھی، فوائد الفواد انہی کی لکھی ہوئی ہے۔

آپ نے ۹۴ سال کی عمر میں ۱۷ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو وفات پائی۔ ربیع الاول میں پیدا ہو۔ اور ربیع الآخر میں انتقال کیا۔ حضرت رکن الدین ابوالفتح سہروردی عیادت کیلئے آئے ہوئے تھے، انہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مخلوق کا ایک اژدہام تھا، راستے میں ایک طوائف بڑے درد کے ساتھ گا رہی تھی۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

اسی وقت جنازہ سے ہاتھ باہر آ گئے، حضرت نے دوڑ کر روکا کہ سمجھتی نہیں، عاشق ربانی کا جناز ہے۔ قبر میں نعش اتاری گئی تو حضرت نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر دیکھا، اتنا اثر تھ کہ باہر نکلتے ہی فرط تاثر سے بیہوش ہو گئے۔

شہزادی جہاں آراء بیگم نے ایک دفعہ بغداد جانے کا عزم کیا، پہلے آپ کی زیارت کی، رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور غوث اعظم تشریف فرما ہیں اور کہتے ہیں جہاں آراء کہاں جا رہی ہو؟ عرض کی کہ حضور کی زیارت کو اور چادر چڑھانے کو جا رہی ہوں۔ فرمایا: میں تو یہیں دہلی میں ہوں۔ عرض کی: حضور مجھے کیا علم ہے کہ آپ دہلی میں کہاں تشریف فرما ہیں۔

فرمایا: نظام الدین کے پاس ہوں۔ جہاں آراء نے صبح ہی علماء و مشائخین کو بلا کر خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا: حضور غوث پاک شب کو حضور محبوب الٰہی کے پاس تھے کہ سب نے رات عجیب عجیب برکات کا مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ جہاں آراء بیگم نے چادر اور تمام سامان جو بغداد ساتھ لے جانے والی تھیں۔ سلطان المشائخ ہی کی بارگاہ میں تقسیم کر دیں اور زر نقد فقراء اور مساکین کو تقسیم کر دیا۔ مونس الارواح میں خود ہی جہاں آراء بیگم نے یہ خواب و واقعہ لکھا ہے۔ یہ شہزادی خاندان چشتیہ ہی میں مرید تھیں، بڑی صاحب دل اور باکمال خاتون تھیں۔

وصال سے کئی روز پیشتر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں فرما رہے تھے کہ نظام جلدی کر تیرا بہت اشتیاق ہے۔ آج بھی مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت سلطان المشائخ کے خلفاء بکثرت اور باکمال ہوئے۔ حضرت مولانا بدر الدین بڑے امیر اور دولت مند تھے، ترک علائق کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

شیخ وحید الدین یوسف جب سے مرید ہوئے، مور کی چال چلا کرتے تھے۔ دعائے شیخ سے ہوا پر پرواز کرنے لگے، حضرت نے آپ کو چندیری میں تبلیغ ہدایت کیلئے مامور کیا تھا، وہیں مزار ہے۔

marfat.com

خواجہ فخر الدین رازی کتابت قرآن کیا کرتے تھے۔ لوگ زیادہ دیتے مگر آپ چار آنہ روز سے زیادہ نہ لیتے' بصارت جاتی رہی تو ملک حمید الدین نے سلطان علاؤ الدین سے سفارش کر کے سوا سو روپیہ ماہوار وظیفہ کرا دیا۔ فرمایا: ہرگز نہیں' چار آنہ روز سے زیادہ نہ لوں گا۔ چار آنے میں کچھ کھاتے' کچھ خیرات کرتے۔ بڑی مشکل وسعی سے دس آنے روز سلطان سے منظور کروائے گئے۔ رجال بھی ملا کرتے تھے' بہت بڑے بزرگ تھے۔

شیخ اخی سراج الدین بدایونی زبردست اولیاء سے تھے۔ بنگال میں ہدایت خلق پر مامور ہوئے' ہزارہا غیر مسلم کو مسلمان کیا۔ وفات ۷۵۸ھ میں ہوئی۔

خواجہ احمد بدایونی طریقہ ابدالی رکھتے تھے' بہت بزرگ تھے۔ ماں کے سوال پر فرمایا تھا ''خوشی اسی وقت ہوتی ہے جب جماعت سے نماز ملتی ہے''۔ بے شمار خلفاء میں سے صرف چند خلفاء کے اسماء لکھ دیئے گئے ہیں' یہ سب تبلیغ واشاعت میں مصروف تھے۔

آپ کو محبوب الٰہی کا لقب حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہی کا عطا کردہ تھا۔ ایک بار حضور بابا صاحب نے اس چہیتے مرید خواجہ نظام الدین اولیاء کیلئے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی ''الٰہی! نظام الدین جو تجھ سے طلب کرے اسے عطا کر''۔ یہ دعا مقبول ہوئی اسی لئے وہ محبوب الٰہی کہلاتے۔ (سید العارفین) یہ خواجہ نظام الدین کی انتہائی خوش بختی تھی کہ جب بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پاکپتن پہنچے تو اگلے روز ہی حضور بابا صاحب نے فرمایا:

''میں کسی کو نعمت دینا چاہتا ہوں مگر میرے دل میں القا کیا گیا ہے کہ نظام الدین دہلی سے آ رہے ہیں ان کا انتظار کرو۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے حضرت بابا فرید سے روحانی فیوض کے ساتھ ساتھ تین کتابیں بھی آپ سے پڑھیں کیونکہ بابا فرید صرف فقید المثال شیخ کامل ہی نہیں تھے بلکہ بہت عالم دین اور فقیہ زمانہ بھی تھے۔

خواجہ نظام الدین نے اپنے شیخ کامل کی بارگاہ میں جو لذت حاصل کی اسے تمام عمر فراموش نہ کر سکے۔ فرمایا کرتے تھے۔

''بابا صاحب کے حسن عبادت' لطافت' لذت بیان اور شیرینی گفتار کا یہ عالم تھا کہ مخاطب کے دل پر اثر ہوتا تھا۔ حلاوت ایسی تھی کہ الفاظ کانوں میں رس گھولتے تھے اور سننے والا سوچتا تھا کہ کاش غایت ذوق وکیفیت میں اس وقت دم نکل جائے تو کتنا اچھا ہو؟

جب حضور بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ نظام الدین کو خلافت نامہ عطا کیا تو دستور کے

marfat.com

مطابق فرمایا کہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کو دکھاؤ تا کہ وہ بھی مہر لگا دیں۔ جب انہوں نے خلافت
نامہ شیخ ہانسوی کو دکھایا تو انہوں نے نہایت شفقت فرمائی اور یہ شعر پڑھا:

خدائے جہاں را ہزاروں سپاس
کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خوش بختی کی انتہا یہ ہے کہ جب ان کے مرشد کامل بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نظام الدین اولیاء کو بہت یاد کرتے تھے لیکن وہ تو دہلی میں تھے۔ باہر حضرت بابا فرید کے بیٹے ٹہل رہے تھے کسی کو اندر نہ جانے دیتے تھے' اچانک سید محمد کرمانی موقعہ دیکھ کر اندر داخل ہوئے اور بابا فرید کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ بابا فرید کے پوچھنے پر انہوں نے خواجہ نظام الدین اولیاء کا سلام پہنچایا۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تسبیح' خرقہ' نعلین' جامہ' مصلیٰ اور عصا جو حقیقتاً جانشینی کی علامتیں تھیں سید کرمانی کے سپرد کر کے کہا کہ خواجہ نظام الدین اولیاء تک پہنچا دینا۔ فرزندوں کو ناگوار گزرا مگر یہ فیصلہ روحانی صلاحیتوں کے گہرے مطالعے پر مبنی تھا اور یہ اعزاز بھی خواجہ نظام الدین اولیاء کو حاصل ہے کہ آپ نے شیخ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب بہشتی دروازہ بنوایا جہاں سے ہر سال لاکھوں زائرین گزرتے ہیں۔

marfat.com

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

عجب انسان تھا جس نے فقیری میں بھی شاہی کی
فقیر ایسا کہ ملکِ علم پر جس کی حکومت تھی
بخارا بلخ کا وہ حکمراں شوکت سے رہتا تھا
حکومت کا تھا نشہ بحرِ نخوت میں وہ رہتا تھا
اچانک اک فقیرِ بے نوا دربار میں آیا
نگاہِ لطف سے اس کی پلٹ دی آن میں کایا
تو پھر کیا تھا مٹا شاہی کا، تخت و تاج کا سودا
یکایک جاگزیں دل میں ہوا پھر فقر کا جذبہ
فقیرِ بے نوا بن کر زمانے پر حکومت کی
جہانِ فقر میں ہیں داستانیں ان کی شوکت کی
زہے قسمت امام اعظم کا ان کو سیدی کہنا
خدا کے ذکر میں ہر آن ہی کھوئے ہوئے رہنا
رضاؔ اسمِ حسیں ان کا براہیم ابن ادہم تھا
انہی کی بارگہ میں بادشاہوں کا بھی سر خم تھا
شہنشاہِ جہانِ معرفت کی شان کیا کہیے
زمانے بھر میں ان کی رِفعتِ ایمان کیا کہیے

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

شہنشاہ گلیم پوش

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابراہیم بن ادہم کا شمار ان اہل تقویٰ اور اصحاب صدق و صفا میں ہوتا ہے' جنہوں نے تمام زندگی رضائے الٰہی میں صرف کر دی۔ آپ کے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کو ہر دور کے اولیاء اللہ نے تسلیم کیا ہے۔ آپ نے حصول معرفت الٰہی کیلئے جو قربانی دی تھی وہ حیرت انگیز ہے اور لازوال بھی۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے رحمت خداوندی خود اس کی رضا ڈھونڈتی ہے۔ حضرت ابراہیم ادہم کو مشہور ترین علماء و فقہاء اور درویشوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ خطابات کے ساتھ یاد کیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ واقعی ان القاب اور اعزازت کے حق دار تھے۔ آپ کا سینہ فقط رضائے الٰہی کی تمنا سے آباد تھا اور دنیا بھر کی خواہشات سے بے نیاز تھا۔

آپ کی زندگی کئی ادوار پر مشتمل ہے۔ سلطان وقت تھے تو دور دور ان کا پرچم لہراتا تھا۔ معرفت کی سلطنت کے حکمران بنے تو دلوں پر قبضہ مسلم ہوگیا اور جب علم و حکمت اور علوم دین کے حصول کی طرف متوجہ ہوگئے تو بڑے بڑے علماء اور فضلاء آپ کو اپنی محفلوں میں بے پناہ عزت و تکریم سے جگہ دیتے تھے۔ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرتبہ شناس تھے اور آپ کو پیار سے اپنی محافل میں جگہ دیتے تھے جب بھی آپ آتے تو آپ کیلئے ''سیدنا'' کا لقب سن کر متعجب ہو جاتی مگر آپ فرماتے ''تم لوگ اس مرد درویش کا مقام کیا جانو' تمہارا سارا وقت دنیاوی مشاغل میں بسر ہوتا ہے اور اس کا ایک ایک سانس معرفت الٰہی میں گزرتا ہے۔

اس کے دل میں ہے ہمیشہ معرفت رحمٰن کی
مل چکی دولت اسے ایمان کی پہچان کی
اس کا جینا اس کا مرنا ہے خدا کے واسطے
ہیں ضیائیں اس کے دل میں عظمت قرآن کی

marfat.com

ابتداء میں آپ بلخ کے سلطان اور عظیم المرتبت حکمران تھے۔ ایک مرتبہ آپ محو خواب تھے کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی تو آواز دے کر پوچھا کہ چھت پر کون ہے؟ جواب ملا میں آپ کا ایک شناسا ہوں اور اونٹ کی تلاش میں چھت پر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ چھت پر اونٹ کس طرح آ سکتا ہے؟ جواب ملا کہ آپ کو تاج و تخت میں خدا کس طرح مل جائے گا۔ یہ سن کر آپ ہیبت زدہ ہو گئے اور دوسرے دن جس وقت دربار جما ہوا تھا تو ایک بہت ہی ذی حشم شخص دربار میں آ پہنچا اور حاضرین پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ کسی میں کچھ پوچھنے کی سکت باقی نہ رہی اور وہ شخص تیزی کے ساتھ تخت شاہی کے نزدیک پہنچ کر چاروں طرف کچھ دیکھنے لگا اور جب ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ تم کون ہو اور کس کی تلاش میں آئے ہو تو اس نے کہا کہ میں قیام کرنے کی نیت سے آیا تھا لیکن یہ تو سرائے معلوم ہوتی ہے' اس لئے یہاں قیام ممکن نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ برادرم یہ سرائے نہیں بلکہ شاہی محل ہے۔ اس نے سوال کیا کہ آپ سے قبل یہاں کون آباد تھا۔ فرمایا کہ میرے آباؤ اجداد' غرض کہ اسی طرح کئی پشتوں تک پوچھنے کے بعد اس نے کہا اور اب آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟ فرمایا کہ میری اولادیں۔ اس نے کہا ذرا تصور فرمائیے کہ جس جگہ اتنے لوگ آ کر چلے گئے اور کسی کو ثبات حاصل نہ ہو سکا' وہ جگہ اگر سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ کہہ کر وہ اچانک غائب ہو گیا اور ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ رات ہی کے واقعہ سے بہت مضطرب تھے اس لئے اس واقعہ نے اور بھی بے چین کر دیا اور آپ اس کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے اور ایک جگہ جب ملاقات کے بعد آپ نے ان کا نام دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے خضر کہتے ہیں۔ اس ادھیڑ بن میں آپ لشکر سمیت شکار کیلئے روانہ ہوئے لیکن لشکر سے بچھڑ کر جب تنہا رہ گئے تو غیب سے ندا آئی کہ اے ابراہیم! موت سے پہلے بیدار ہو جاؤ اور یہ آواز مسلسل آتی رہی جس سے آپ کی قلبی کیفیت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ پھر اچانک سامنے ہرن نظر آ گئے اور جب آپ نے شکار کرنا چاہا تو وہ بول پڑا کہ اگر آپ میرا شکار کریں گے تو آپ خود شکار ہو جائیں گے' اور کیا آپ کی تخلیق کا یہی مقصد ہے کہ آپ سیر و شکار کرتے پھریں' پھر آپ کی سواری کے زین سے بھی یہی صدا آنے لگی اور آپ گھبرا کر اس طرح متوجہ الی اللہ ہوئے کہ قلب نور سے منور ہو گیا۔ اس کے بعد آپ تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر صحرا بصحرا گریہ وزاری کرتے ہوئے نیشاپور کے قرب و جوار میں پہنچ کر ایک تاریک و بھیانک غار میں مکمل نو سال تک عبادت میں مصروف رہے اور ہر جمعہ کو لکڑیاں جمع کر کے فروخت کر دیتے اور جو کچھ ملتا آدھا راہ مولیٰ میں دے دیتے اور باقی ماندہ رقم روٹی خرید

marfat.com

کر نماز جمعہ ادا کرتے اور پھر ہفتہ بھر کیلئے غار میں چلے جاتے۔

موسم سرما میں یخ بستہ پانی کو جس نے برف کی شکل اختیار کر لی تھی توڑ کر نہائے اور پوری شب مشغول عبادت رہے اور صبح کو جب ہلاکت آمیز سردی محسوس ہونے لگی تو آپ کو آگ کا خیال آیا اور ابھی اسی خیال میں تھے کہ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے پشت پر گرم پوستین ڈال دی ہو' جس کی وجہ سے پرسکون نیند آ گئی اور جب بیداری کے بعد دیکھا تو ایک بہت بڑا اژدھا تھا جس کی گرمی نے آپ کو سکون بخشا۔ یہ دیکھ کر آپ خوفزدہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے تو اس کو میرے لئے وجہ سکون بنایا لیکن اب یہ قہر کے روپ میں میرے سامنے ہے۔ یہ کہتے ہی اژدھا پھن زمین پر مارتا ہوا غائب ہو گیا۔

جب عوام کو آپ کے مراتب کا صحیح اندازہ ہو گیا تو آپ نے اس غار کو خیر آباد کہہ کر مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس غار کی زیارت کر کے فرمایا کہ اگر یہ غار مشک سے لبریز کر دیا جاتا جب اتنی خوشبو نہ ہوتی جتنی ایک بزرگ کے اس غار میں چند روزہ قیام سے ہے۔

جب آپ نے بلخ کی سلطنت کو خیر باد کہا تو اس وقت آپ کا ایک بہت چھوٹا سا بچہ تھا اور جب اس نے جوانی میں اپنی والدہ سے پوچھا کہ میرے والد کہاں ہیں تو والدہ نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم ہیں۔ اس کے بعد اس لڑکے نے پورے شہر میں منادی کرا دی کہ جو لوگ میرے ساتھ سفر حج پر چلنا چاہیں' میں ان کے پورے اخراجات برداشت کروں گا۔ یہ منادی سن کر تقریباً چار ہزار افراد چلنے پر تیار ہو گئے' جن کو وہ لڑکا اپنے ہمراہ لے کر والد کے دیدار کی تمنا میں کعبۃ اللہ پہنچ گئے اور جب اس نے مشائخین حرم سے اپنے والد کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے مرشد ہیں اور اس وقت اس نیت سے جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہیں کہ فروخت کر کے اپنے اور ہمارے کھانے کا انتظام کریں۔ یہ سنتے ہی لڑکا جنگل کی جانب چل پڑا اور ایک بوڑھے کو سر پر لکڑیاں کا بوجھ لاتے دیکھا تو فرط محبت سے وہ بے تاب تو ہو گیا لیکن بطور سعادت مندی اور ناواقفیت کے خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے بازار پہنچ گیا اور جب وہاں جا کر حضرت ابراہیم نے آواز لگائی کہ کون ہے جو پاکیزہ مال کے عوض پاکیزہ مال خریدے' یہ سن کر ایک شخص نے روٹیوں کے عوض میں لکڑیاں خرید لیں جن کو آپ نے اپنے ارادت مندوں کے سامنے لے جا کر رکھ دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔

marfat.com

آپ اپنے ارادتمندوں کو ہمیشہ یہ ہدایت فرمایا کرتے کہ کبھی کسی عورت یا بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر نہ دیکھنا اور خصوصاً اس وقت بہت محتاط رہنا جب ایام حج کے دوران کثیر عورتیں اور بے ریش لڑکے جمع ہو جاتے ہیں' اور تمام افراد اس ہدایت کے پابند رہتے ہوئے آپ کے ہمراہ طواف میں شریک رہتے' لیکن ایک مرتبہ حالت طواف ہی میں آپ کا لڑکا سامنے آ گیا اور بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پر جم گئیں اور فراغت طواف کے بعد آپ کے ارادت مندوں نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے' آپ نے جس سے باز رہنے کی ہمیں ہدایت کی تھی اس میں آپ خود ہی ملوث ہو گئے' کیا آپ اس کی وجہ بیان کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو تمہارے علم میں ہی نہیں ہے کہ جب میں نے بلخ کو خیر باد کہا تو اس وقت میرا چھوٹا سا بچہ تھا اور مجھے یقین ہے کہ یہ وہی بچہ ہے پھر اگلے دن آپ کا ایک مرید جب بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا کہ وہی لڑکا دیبا وحریر کے خیمہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تلاوت قرآن کر رہا ہے۔ جب اس نے آپ کے مرید سے آمد کا مقصد دریافت کیا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحبزادے ہیں؟ یہ سنتے ہی اس لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا لیکن کل ایک بوڑھے لکڑہارے کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ شاید یہی میرے والد ہیں اور اگر ان سے کچھ پوچھ گچھ کرتا تو اندیشہ تھا کہ وہ فرار ہو جاتے کیونکہ وہ گھر سے فرار ہیں اور ان کا اسم گرامی ابراہیم بن ادہم (رحمۃ اللہ علیہ) ہے۔ یہ سن کر مرید نے کہا: چلئے میں ان سے آپ کی ملاقات کروا دوں اور اپنے ہمراہ آپ کی بیوی اور لڑکے کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہو گیا اور جس وقت بیوی اور بچے کی آپ پر نظر پڑی تو وفور محبت سے بیتابانہ لپٹ گئے اور روتے روتے بیہوش ہو گئے اور ہوش آنے کے بعد جب حضرت ابراہیم نے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ تو لڑکے نے جواب دیا ''اسلام''

پھر سوال کیا کہ تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ لڑکے نے اثبات میں جواب دے دیا۔ پھر پوچھا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟ لڑکے نے کہا ''جی ہاں'' یہ سن کر فرمایا: الحمدللہ۔ اس کے بعد جب آپ جانے کیلئے اٹھے تو بیوی اور بچے نے اصرار کر کے روک لیا' جس کے بعد آپ نے آسمان کی جانب چہرہ اٹھا کر کہا کہ الٰہی! اغثنی! یہ کہتے ہی آپ کے صاحبزادے زمین پر گر پڑے اور فوت ہو گئے اور جب ارادت مندوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب میں بچے سے ہم آغوش ہوا تو وفور جذبات اور فرط محبت سے بیتاب ہو گیا اور اسی وقت ندا آئی کہ ہم سے دوستی کے بعد دوسرے کو دوست رکھتا ہے۔ یہ ندا سن کر میں نے عرض کیا کہ یااللہ! یا تو لڑکے کی جان لے لے یا

marfat.com

پھر مجھے موت دے دے۔ چنانچہ لڑکے کے حق میں دعا قبول ہوگئی اور اگر اس پر کوئی اعتراض کرے تو میرا یہ جواب ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے زیادہ تحیر خیز نہیں کیونکہ انہوں نے بھی تعمیل حکم میں اپنے بیٹے کو قربان کر دینے کی ٹھان لی تھی۔

ایک دن آپ کے پاس حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ آئے اور سوال کیا کہ آپ نے دنیا سے فرار کیوں اختیار کیا؟ فرمایا کہ اپنے دین کو آغوش میں لئے صحرا بصحرا قریہ قریہ اس لئے بھاگتا پھرتا ہوں کہ دیکھنے والے مجھے یا تو مزدور تصور کریں یا دیوانہ' تا کہ اپنے دین کو سلامت لے کر موت کے دروازے سے نکل جاؤں۔ ماہ رمضان میں آپ جنگل سے گھاس لے کر فروخت کیا کرتے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو خیرات کر کے پوری شب مصروف عبادت رہتے اور جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو نیند نہیں آتی' فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے ہمہ وقت سیلاب اشک رواں ہو اس کو بھلا نیند نہیں آتی ہے اور آپ کا یہ معمول تھا کہ فراغت نماز کے بعد اپنا چہرہ چھپا کر فرماتے کہ مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نماز کو منہ پر نہ دے مارے۔

ایک یوم آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا تو شکرانے کی چار سو رکعتیں ادا کیں اور جب اسی طرح مکمل سات یوم گزر گئے اور آپکے ضعف و نقاہت میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو آپ نے بھوک کا اظہار کیا۔ چنانچہ اسی وقت ایک نوجوان آپ کے پاس آیا اور اپنے مکان پر لے جا کر عرض کیا کہ میں آپ کا دیرینہ غلام ہوں اور میری تمام املاک آپ ہی کی ملکیت ہے۔ یہ سن کر آپ نے اسے آزاد کر دیا اور تمام جائیداد بھی اسی کے حوالے کر دی اور یہ عہد کر لیا کہ اب کبھی کسی سے کچھ طلب نہ کروں گا کیونکہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی طلب پر پوری دنیا پیش کر دی گئی۔

ایک دن ارادت مندوں کے ہمراہ آپ ایک مسجد میں قیام فرما ہوئے اور جب رات کو تیز و تند سرد ہوائیں چلنے لگیں تو آپ مسجد کا دروازہ روک کر کھڑے ہو گئے اور مریدین کے سوال پر فرمایا کہ میں تمہیں اذیت سے بچانے کیلئے کھڑا ہو گیا تا کہ تم سرد ہواؤں سے محفوظ رہ سکو۔ دوران سفر ایک مرتبہ آپ کے پاس زاد راہ ختم ہو گیا تو آپ نے چالیس یوم مٹی کھا کر اس لئے گزار دیئے کہ میری وجہ سے کسی کو زاد راہ پیش کرنے کی زحمت نہ ہو۔

آپ نے جب سلطنت چھوڑ کر فقیری کو اختیار کیا تو پھر کبھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔ مختلف مواقع پر جو لوگ آپ کو پہچان لیتے انہیں آپ کا ملک میں خوشحالی کا دور یاد آجاتا۔ آپ کے پاؤں پڑ جاتے' ہاتھ جوڑتے' منت سماجت کرتے کہ خدا کیلئے ملک جا کر سلطنت کی باگ دوڑ سنبھالئے۔ وہ

marfat.com

یہ بھی کہتے کہ آپ بادشاہی بھی کیجئے اور درویشی بھی کیجئے۔ اس طرح عوام الناس زیادہ سے زیادہ درویشی اور خدا پرستی کی طرف مائل ہوں گے' سلطنت کا نظام بھی بہتر ہوگا اور تعلیمات اسلام کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔ آپ یہ کہتے ہوئے انکار کر دیتے کہ اس میں بھی شیطان کی چال ہے' جو ایک مرتبہ حکومت کے ایوان میں گیا' حکومت اپنے جلال شاہی کے ساتھ اسے جکڑ لیتی ہے اور پھر وہ کسی قسم کا نہیں رہتا' مزید فرمایا کہ جتنا آرام مجھے اس گلیم پوشی میں ہے وہ بادشاہی کے زریں لباس اور تخت و تاج میں کیا تھا۔

ہم دہر سے رشتہ توڑ چکے' ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے
جو زنجیریں ہم توڑ چکے تم لا کے وہی پہناتے ہو

ایک مرتبہ بوسیدہ لباس میں حمام کے اندر جانے لگے تو لوگوں نے آپ کو روک لیا اور آپ نے عالم جذب میں فرمایا کہ جب غریب کو ابلیس کے گھر (حمام) میں داخلہ کی اجازت نہیں تو پھر بغیر بندگی کے کوئی خدا کے گھر میں کیوں کر داخل ہوگا۔

سفر حج کے دوران آپ کو کھانا میسر نہ آیا تو ابلیس نے سامنے آ کر کہا کہ سلطنت چھوڑ کر سوائے فاقہ کشی کے اور کیا ملا؟ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ غنیم کو دوست کے پیچھے کیوں لگا دیا؟ ندا آئی کہ تمہاری جیب میں' جو چیز ہے اسے پھینک دو تمہیں اس کا راز معلوم ہو جائیگا۔ چنانچہ آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو تھوڑی سی چاندی برآمد ہوئی' وہ پھینکتے ہی ابلیس رفو چکر ہوگیا۔

آپ فرمایا کرتے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ کوئی کتاب سی بغل میں دبائے ہوئے ہیں اور میرے سوال کے جواب میں فرمایا ''میں اس میں اللہ کے دوستوں کے نام درج کرتا رہتا ہوں'' پھر میں نے پوچھا کہ کیا اس میں میرا نام بھی شامل ہے۔ فرمایا کہ تمہارا شمار خدا کے دوستوں میں نہیں ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے دوستوں کا دوست تو ضرور ہوں۔ یہ سن کر وہ کچھ دیر ساکت رہے پھر فرمایا کہ مجھے منجانب اللہ یہ حکم ملا ہے کہ سب سے پہلے تمہارا نام درج کروں' اس کے بعد دوسروں کا کیونکہ اس راستہ میں مایوسی کے بعد ہی امید ہوتی ہے۔

آپ فرمایا کرتے کہ میں ایک رات بیت المقدس میں مقیم تھا اور اس خوف سے کہ کہیں وہاں کے خدام باہر نہ نکال دیں' چٹائی لپیٹ کر بیٹھ گیا اور ابھی ایک تہائی رات باقی تھی کہ دروازہ خود بخود کھلا اور ایک بزرگ چالیس افراد کے ہمراہ تشریف لائے اور تمام حضرات ٹاٹ کے لباس میں ملبوس تھے پھر سب نے محراب مسجد میں نماز ادا کی اور محراب کی جانب پشت کر کے بیٹھ گئے اور ان میں سے

marfat.com

ایک نے کہا کہ آج مسجد میں کوئی شخص ایسا ضرور ہے جس کا تعلق ہماری جماعت سے نہیں۔ یہ سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ ابراہیم بن ادہم ہیں' جن کو چالیس راتیں عبادت کرتے گزر گئیں لیکن کوئی لذت نہ حاصل کر سکے۔ آپ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر چٹائی سے نکل آیا اور عرض کیا کہ اگر ریاضت کا یہی مفہوم ہے تو آج سے میں بھی آپ کی جماعت میں شامل ہوتا ہوں۔

آپ نے اپنے نفس کو کبھی بھی حاوی نہ ہونے دیا' جب دیکھتے کہ عوام الناس آپ کی بے پناہ پذیرائی کر رہے ہیں تو کوئی ایسی حرکت کر دیتے یا ایسا جملہ کہہ دیتے جس سے ظاہر بینوں کو غصہ آ جاتا اور وہ آپ کو زدوکوب کرتے۔ آپ برا ماننے کے بجائے اپنے نفس کو ملامت کرتے کہ تو نے اپنی ناجائز خواہشات اور اپنی خود پرستی کا انجام دیکھ لیا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ میں تجھے من مانی کرنے دوں گا۔ آپ مخلوق خدا میں گھل مل کر رہتے اور اپنی امتیازی حیثیت کا احساس تک نہ ہونے دیتے اور اگر کبھی ایسا ہونے لگتا تو بھرے ہجوم میں گم ہو جاتے۔ ایک مرتبہ آپ مکہ معظمہ میں حرم شریف کی زیارت کو چلے۔

آپ قطع مسافت کرتے اور گریہ و زاری فرماتے مکمل کئی برسوں میں مکہ معظمہ پہنچے اور جب اہل حرم کے بزرگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ برائے استقبال نکل کھڑے ہوئے اور آپ نے محض اس خوف سے کہ کوئی شناخت نہ کر سکے خود کو قافلہ سے جدا کر لیا اور جب خدام اہل حرم نے جو آگے آگے تھے دریافت کیا کہ ابراہیم بن ادہم کتنی دور ہیں؟ اس لئے کہ اہل حرم ان سے نیاز حاصل کرنے آ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ ایک ملحد و دہریہ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ یہ سنتے ہی خدام نے آپ کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا کہ ملحد و دہریہ تو خود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں اور وہ لوگ جب آگے نکل گئے تو آپ نے اپنے نفس سے فرمایا کہ اپنے کرتوت کی سزا بھگت لی۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل حرم کے استقبال کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی اور اس کے بعد جب لوگوں نے آپ کو شناخت کر لیا تو اس قدر عقیدت مند ہو گئے کہ آپ نے بھی وہیں سکونت اختیار کر لی اور بے شمار افراد آپ کے ہاتھوں پر بیعت ہوئے اور آپ کی یہ حالت تھی کہ جنگل سے خود لکڑیاں کاٹ کر لاتے' خود کھانا پکاتے' آپ بھی کھاتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلاتے۔

"تذکرۃ الاولیاء" میں رقم ہے۔

صحرائی سفر میں آپ کی ایک ایسے خدا رسیدہ بزرگ سے ملاقات ہوئی جس نے آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی اور آپ ہمیشہ اسی اسم اعظم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہے' پھر اسی دوران آپ

marfat.com

کی ملاقات جب حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ جن بزرگ نے تمہیں اسم اعظم کی تعلیم دی، وہ میرے بھائی حضرت الیاس ہیں۔ اس کے بعد آپ نے باقاعدہ طور پر حضرت خضر علیہ السلام کی بیعت کی اور بلند مراتب تک پہنچے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بیابانوں کی خاک چھانتا ہوا جب نواح عراق میں پہنچا تو میں نے ایسے ستر فقراء کو دیکھا جو راہ مولیٰ میں اپنی جان نچھاور کر چکے تھے لیکن ان میں ایک ایسا فرد باقی تھا جس میں زندگی کے کچھ آثار موجود تھے اور جب میں نے اس واقعہ کی نوعیت دریافت کی تو اس نے کہا کہ اے ابراہیم بس محراب اور پانی کو جزو حیات بنا کر آگے جانے کی سعی نہ کرو، ورنہ مجبور ہو جاؤ گے اور قربت کا تصور بھی چھوڑ دو ورنہ اذیت اٹھاؤ گے کیونکہ کسی کی تاب و طاقت نہیں کہ سلامت روی کی حالت میں گستاخی کا مرتکب ہو سکے اور اس دوست سے بھی ڈرتے رہو جو حجاج کو کفار روم کی مانند بذریعہ جنگ تہہ تیغ کر دیتا ہے اور ہم اس بیابان میں یہ عہد کر کے کہ خدا کے سوا کسی سے سروکار نہ رکھیں گے محض توکل الی اللہ کے سہارے مقیم ہو گئے اور جب قطع مسافت کرتے ہوئے بیت اللہ کے قریب پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام سے شرف نیاز ہو گیا اور ہم نے آپ کی ملاقات کو مبارک فال تصور کرتے ہوئے اپنی سعی کے بارآور ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا لیکن اسی وقت ندا آئی کہ اے عہد شکنو! اے فریب کارو! کیا تمہارا یہی عہد تھا کہ مجھ کو فراموش کر کے دوسروں سے رسم و راہ بڑھاؤ سن لو کہ میں تمہیں اس جرم کی سزا میں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ چنانچہ اے ابراہیم یہ تمام فوت شدہ لوگ اسی کے قہر کا شکار ہو گئے اور اگر تم بھی خیریت چاہتے ہو تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت زدہ ہو کر اس شخص سے پوچھا کہ تم کیسے زندہ بچ گئے تو جواب دیا کہ ابھی نیم پختہ ہوں اور اب انہی کی طرح پختہ ہو کر جان دینا چاہتا ہوں، یہ کہہ کر وہ بھی جاں بحق ہو گیا۔

آپ کے نزدیک درویش کا مقام بہت بلند تھا۔ یہ فرماتے تھے کہ ہر چیز فانی ہے مگر جس کو سچی درویشی نصیب ہوگی اس کا ذکر کبھی فنا نہیں ہوتا، اس کے تذکار سے زمانہ جگمگاتا رہتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ باہر سے زیادہ اپنے اندر سے رابطہ قائم کرو کہ اسی سے خدا ملتا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

آپ اکثر یہ فرماتے کہ پندرہ برس کی مکمل اذیتوں کے بعد سے یہ ندا سنائی دی کہ عیش و راحت کو ترک کر کے اس کی بندگی اور احکام کی تعمیل کیلئے مستعد ہو جا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا کہ آپ

marfat.com

نے سلطنت کو کیوں خیر باد کہا؟ فرمایا کہ ایک دن آئینہ لئے ہوئے میں تخت شاہی پر متمکن تھا تو اس وقت مجھے خیال آیا کہ نہ تو میرے پاس طویل سفر کیلئے زاد راہ ہے اور نہ کوئی حجت و دلیل' جبکہ میری آخری منزل قبر ہے اور حاکم بھی عادل و منصف ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی میرا دل بجھ سا گیا اور مجھے سلطنت سے نفرت ہوگئی۔

پھر لوگوں نے سوال کیا کہ خراساں کو خیر باد کیوں کہا؟ فرمایا کہ روزانہ لوگ مزاج پرسی کو آنے لگے تھے۔ پھر سوال کیا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ فرمایا کہ کیا کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر ننگی بھوکی رہنے کیلئے نکاح پر تیار ہو سکتی ہے' اور اگر میرا بس چلے تو میں خود اپنے آپ ہی کو طلاق دے دوں' پھر بھلا ان حالات میں کس طرح میں کسی عورت کو اپنی وابستگی سے فریب دے سکتا ہوں۔

کسی نے ایک درویش سے سوال کیا کہ کیا آپ کی بیوی ہے؟ تو درویش نے نفی میں جواب دیا۔ جس کے بعد سائل نے جواب دیا کہ آپ بہت اچھے رہے کیونکہ جس نے نکاح کیا وہ گویا کشتی پر سوار ہو گیا اور جب اولاد کا سلسلہ شروع ہوا تو سمجھ لو کہ کشتی غرق ہوگئی۔

کسی درویش نے آپ کے سامنے دوسرے درویش کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ تو نے مفت خریدی ہوئی درویشی بے سود اختیار کی' اور جب اس نے پوچھا کہ کیا درویشی بھی خریدی جا سکتی ہے؟ فرمایا کہ یقیناً کیونکہ میں نے سلطنت بلخ کے بدلہ میں درویشی خریدی اور بہت ارزاں خریدی کیونکہ درویشی سلطنت کے مقابلہ میں بہت بے بہا شئے ہے۔

آپ نے فرمایا کہ توکل کر کے ایک جنگل میں پہنچ گیا' کئی دن کچھ نہ کھایا۔ خیال آیا قریب ایک دوست سے کھا لیا جائے لیکن یہ تصور بھی آ گیا کہ میرا توکل ہی کالعدم ہو جائے گا۔ ایک مسجد میں جا کر یہ کلمہ ورد کرنا شروع کر دیا تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ یعنی میرا توکل اس پر ہے جو زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ ندائے غیبی آئی کہ اللہ نے متوکلین سے عالم کو پاک کر دیا ہے۔ پھر ندا آئی وہ متوکل نہیں جو دوستوں کے یہاں کھانے کا ارادہ کرے۔ فرمایا کہ میں نے ایک متوکل سے پوچھا کہ تمہارے پاس کھانا کہاں سے آتا ہے؟ جواب دیا کہ یہ سوال تو آپ اللہ کو کریں' میرے پاس ایسی بیہودہ بات کا جواب نہیں۔

ایک مرتبہ ایک غلام خرید کر نام پوچھا۔ جواب دیا: جس نام سے جی چاہے پکاریں۔ فرمایا: کھاتے کیا ہو؟ جواب ملا' جو کھلا دیں۔ فرمایا: تمہاری خواہش کیا ہے؟ جواب دیا: جو خواہش آپ کی' غلام کو ان چیزوں سے بحث نہیں۔ یہ سن کر میں نے سوچا کہ کاش میں بھی اللہ تعالیٰ کا یونہی اطاعت

marfat.com

گزار ہوتا تو کتنا بہتر تھا۔

سچ ہے کہ:

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سردارا

سلطان الفقر حضرت ابراہیم بن ادہم درویشی میں بھی بڑے فیاض تھے۔ کسی سے کسی حالت میں کچھ لینا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی محنت سے جو حاصل کرتے اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ اپنے ارادتمندوں کو مرید یا نیاز مند تصور نہ کرتے بلکہ ہر لحاظ سے ان کی خدمت کر کے خوش ہوتے۔ کوشش فرماتے کہ مجھ سے دنیا والوں کو زیادہ سے زیادہ راحت پہنچے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ کے ہمراہ دوران سفر بیمار ہوگیا اور آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب میری بیماری پر خرچ کر دیا، جب سب چیزیں ختم ہوگئیں تو اپنا خچر فروخت کر کے خرچ کیا اور صحت یاب ہونے کے بعد جب میں نے خچر کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ تو میں نے فروخت کر دیا۔ پھر جب میں نے عرض کیا کہ میں سفر کس طرح کرسکوں گا تو فرمایا کہ میرے کاندھوں پر۔ آپ یقین کر لیں کہ مجھے اپنے کاندھوں پر بٹھا کر تین منزل تک سفر کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کے پاس کھانے کو کچھ باقی نہ رہا تو مسلسل پندرہ یوم تک صرف ریت کھا کر گزار دیئے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی مکہ معظمہ میں اس لئے کوئی پھل نہیں خریدا کہ وہاں کی بیشتر زمینیں فوجیوں نے خرید رکھی تھیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے بے شمار حج کرنے کے بعد بھی محض اس خوف سے کبھی آب زمزم نہیں پیا کہ اس پر حکومت کا ڈول رہتا ہے۔

آپ دن بھر کی مزدوری کے بعد جو رقم ملتی وہ سب اپنے ارادت مندوں پر صرف کر دیتے، اور ایک رات جب آپ کو آنے میں بہت تاخیر ہوگئی تو اس تصور سے کہ شاید آپ نہ آئیں سب مریدین کھانا کھا کر سوگئے اور آپ نے واپسی پر سب کو محوِ خواب دیکھ کر خیال کیا کہ شاید یہ سب بھوکے ہی سوگئے ہیں۔ چنانچہ آپ آٹا لے کر آئے اور آگ روشن کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اتفاق سے اسی وقت ایک مرید بیدار ہوگیا اور سوال کیا کہ آپ یہ مصیبت کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ شاید تم لوگ بغیر کھائے سو گئے، اس لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوں۔ یہ سن کر مرید کو بے حد ندامت ہوئی اور دوسرے مرید سے کہنے لگا کہ ہم سب تو آپ کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے نہ جانے کن شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور آپ ہمارے لئے کتنی اذیت برداشت کر

marfat.com

رہے ہیں۔

اگر کوئی آپ کی معیت اختیار کرنا چاہتا تو آپ اس کے سامنے تین شرطیں پیش فرماتے۔ اوّل یہ کہ میں سب کا خادم بن کر رہوں گا۔ دوم اذان بھی خود دیا کروں گا۔ سوم جو شے مجھے میسر ہوگی وہ سب میں مساوی تقسیم کروں گا۔ اور جب ایک شخص نے کہا کہ میں ان شرائط کی پابندی نہیں کرسکتا تو فرمایا کہ مجھے تیری صداقت پر حیرت ہے۔

ایک شخص برسوں آپ کی صحبت میں رہ کر واپس جانے لگا تو عرض کیا کہ اگر کچھ خامیاں یا برائیاں آپ نے میرے اندر دیکھی ہوں تو متنبہ فرمادیں تاکہ میں ان کے ازالے کی سعی کرتا رہوں' فرمایا کہ میں نے تمہیں سدا نظر محبت سے دیکھا ہے اور عیوب پر صرف دشمن کی نظر ہوتی ہے۔ ایک دن کوئی مزدور دن بھر کی ناکامی کے بعد جب گھر کی طرف چلا تو خیال آیا کہ آج اہل وعیال کو کیا جواب دوں گا۔ اسی عالم میں سرراہ اس کی ملاقات حضرت ابراہیم بن ادہم سے ہوگئی اور اس نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی حالت پر صرف اس لئے رشک آتا ہے کہ آپ تو آسودہ و مطمئن ہیں لیکن میں شب و روز مصائب میں مبتلا رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آج تک کے عبادات صدقات میں تجھے نذر کرتا ہوں اور تو صرف آج کی پریشانیاں مجھے عطا کر دے۔

آپ اکثر یہ فرماتے کہ مجھے یہ جستجو ہو رہی ہے کہ رات میں کسی وقت خانہ کعبہ خالی مل جائے لیکن ایسا موقع نصیب نہ ہوتا تھا۔ اتفاق سے ایک شب بارش ہو رہی تھی اور میں تنہا طواف میں مشغول تھا اور میں حسن اتفاق سمجھ کر حلقہ کعبہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے لگا۔ لیکن یہ ندا آئی کہ پوری مخلوق مجھ سے طالب مغفرت ہوتی ہے اور اگر میں سب کو معاف کر دوں تو پھر میری غفاریت و رحمانیت کی کیا قدر رہ جائے گی۔ یہ سن کر آپ نے عرض کیا کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما دے۔ ندا آئی کہ دوسروں کے متعلق ہم سے سوال کر اپنے متعلق ہم سے کچھ نہ کہہ' کیونکہ دوسروں کیلئے تیری سفارش مناسب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اکثر یہ دعا کیا کرتا اے اللہ! تو علیم وخبیر ہے کہ تیری عنایت و کرم جو مجھ پر ہے اس کے مقابلہ میں آٹھوں جنتوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں اور اسی طرح تیری محبت کے مقابلے میں آٹھوں جنتیں ہیچ ہیں۔ لہٰذا اے خدا رسوائی معصیت سے بچاتے ہوئے مجھے اطاعت کا شرف عطا فرما دے اور جو تیری ذات سے واقف ہے اسے کیا خبر کہ اس شخص کی کیفیت کیا ہوگی جو تجھ سے قطعاً ناواقف ہے۔

اگرچہ کرامت نشان ولایت نہیں ہوتی اور اولیاء کرامتیں دکھانے سے احتیاط برتتے ہیں۔ ان

marfat.com

کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کا کردار دلوں کی تسکین اور ایمان کی پہچان کا باعث بن جاتے۔ وہ ایمان اور بلندی کردار کی سب سے بڑی علامت کردار و سیرت کی سرفرازی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اولیاء کے کردار نے کتنے ہی زمانے تسخیر کر لئے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کا کردار ایک شمع روشن تھا جس سے بے شمار لوگ فیضیاب ہو رہے تھے لیکن یہ خدا کی عطا ہے کہ وہ اپنے محبوب بندوں کے مقام کی سر بلندی دکھانے کیلئے ان سے کرامات کا ظہور کرواتے اور خلق خدا کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

ایک مجذوب پراگندہ حال اور چہرہ غبار آلود آپ کے سامنے آ گیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کا منہ دھویا اور فرمایا کہ جو منہ ذکر الٰہی کا مظہر ہو اس کو پراگندہ نہ ہونا چاہیے اور جب مجذوب کو ہوش آیا تو لوگوں نے پورا واقعہ اس سے بیان کیا جس کو سن کر اس نے توبہ کی' پھر آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے محض خدا کے واسطے ایک مجذوب کا منہ دھویا' اس لئے اللہ نے تمہارا قلب دھو ڈالا۔

آپ کسی بزرگ سے ایک پہاڑی پر مصروف گفتگو تھے تو انہوں نے سوال کیا کہ اہل حق کے مکمل ہونے کی کیا علامت ہے؟ فرمایا کہ اگر وہ پہاڑ کو چلنے کا حکم دے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے۔ یہ کہتے ہی وہ پہاڑ حرکت میں آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے چلنے کو نہیں کہا تھا' چنانچہ وہ ٹھہر گیا۔

کسی بزرگ کے ہمراہ کشتی میں شریک سفر تھے' اچانک شدید طوفان آیا۔ غیب سے ندا آئی' اندیشہ نہ کرو' ابراہیم بن ادہم (رحمۃ اللہ علیہ) تمہارے ہمراہ ہیں۔ اسی وقت طوفان تھم گیا۔ اسی طرح سفر کرتے شدید طوفان آ گیا۔ آپ نے قرآن کریم ہاتھ میں لے کر کہنا شروع کر دیا کہ یا اللہ! ہمارے ہمراہ تیری مقدس کتاب بھی غرق ہو جائے گی۔ ندا آئی ایسا نہیں ہوگا۔ سفر کے دوران ملاح نے کرایہ طلب کیا لیکن آپکے پاس کچھ نہ تھا۔ نماز پڑھ کر دعا کی کہ یا اللہ! یہ ملاح کرایہ طلب کرتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت پورا ریگزار سونا بن گیا اور آپ نے ایک مٹھی بھر کر ملاح کو دے دی۔

آپ کچھ بزرگوں کے ہمراہ ایک قلعہ کے نزدیک ایک پڑاؤ ڈال کر آگ روشن کرنے لگے تو کسی نے کہا کہ اس جگہ آگ اور پانی دونوں کا انتظام ہے اگر جائز قسم کا گوشت مل جائے تو بھون کر کھائیں۔ آپ یہ فرما کر کہ اللہ کو سب قدرت ہے مشغول نماز ہو گئے۔ اسی وقت شیر ایک گورخر کو گھیر لایا۔ چنانچہ گورخر کو ذبح کیا۔ جب تک یہ لوگ کھانا کھاتے رہے شیر ان کی نگرانی کرتا رہا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت سختی سے گزرتی تھی۔ گزر اوقات کیلئے شدید محنت کرتے' عبادت و ریاضت میں شدید طور پر مصروف رہتے۔ باقی جو وقت بچتا اس میں لوگوں

marfat.com

کو تعلیمات ایمانی کی تعلیمات فرماتے۔ اس کے علاوہ احوال عوام سے آگاہی کیلئے سفر بھی کرتے جہاں تک ممکن ہوتا' بھٹکے ہوئے عوام کی راہنمائی فرماتے۔ رزق حلال کی سختی سے تلقین کرتے اور فر کرتے کہ جس سینے میں رزق حلال نہ ہو اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور اس کا ہر عمل غیر موثر ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل حقائق پر نظر ڈالئے۔

آپ نے کسی سے سوال کیا کہ کیا تم جماعت حق میں شمولیت چاہتے ہو؟ جب اس اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ دنیا و آخرت کی رتی بھر پرواہ نہ کرتے ہوئے خود کو غیر ا سے خالی کرلو اور رزق حلال استعمال کرو۔ پھر فرمایا کہ صوم وصلوٰۃ اور جہاد و حج پر کسی کو جوانمردی مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ محسوس نہ کرلے کہ اس کی روزی کس قسم کی ہے۔

روایت ہے کہ کسی نے آپ سے ایک صاحب وجد اور عبادت و ریاضت میں مشغول ر والے نوجوان کی بہت تعریف کی۔ چنانچہ اشتیاق ملاقات میں جب آپ اس کے یہاں پہنچے تو ا نے آپ سے تین یوم کیلئے اپنے یہاں مہمان رکھنے کی استدعا کی' اور جب آپ نے تین یوم میں ا کے احوال کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ اس کی جتنی تعریف سنی تھی اس سے کہیں زیادہ بہتر ثابت ہوا لیکن پھر آپ کو یہ خیال آیا کہ کہیں ابلیس کے کسی فریب میں مبتلا تو نہیں ہے اس لئے یہ دیکھنا چاہ کہ یہ حلال رزق استعمال کرتا ہے نہیں؟ جب آپ کو یقین ہوگیا کہ اس کی روزی حلال نہیں ہے پھر آپ نے اس سے اپنے یہاں تین یوم مہمان رہنے کیلئے فرمایا اور اس کو اپنے ہمراہ لاکر کھانا کھلا جس کے بعد اس کی پہلی سی حالت باقی نہ رہی۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کر دیا ہے؟ تو فرما کہ تجھے رزق حلال حاصل نہ ہونے کی وجہ سے شیطان کی کارفرمائیاں جاری تھیں اور اب میرے یہاں کے رزق حلال نے تیری باطنی حالت کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تما عبادت و ریاضت کا تعلق صرف رزق حلال پر موقوف ہے۔

خلیفہ معتصم باللہ نے آپ سے آپ کی مصروفیات کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ میں نے دنیا و آخرت انکے طلب گاروں کیلئے وقف کر کے اپنے لئے آخرت میں صرف دیدار الٰہی کو منتخب کرلی ہے۔ پھر کسی اور نے آپ سے یہی سوال کیا تو فرمایا کہ اللہ کے کارندوں کو کسی بھی کام کی حاجت نہیں رہتی۔

ایک مرتبہ حجام آپ کا خط بنا رہا تھا کہ کسی نے عرض کیا کہ اس کو کچھ معاوضہ دے دیجئے گا۔ چنانچہ آپ نے ایک تھیلی اٹھا کر اس کو دے دی لیکن اسی وقت اتفاق سے ایک سائل آ گیا اور حجام نے

marfat.com

وہ تھیلی اسے دے دی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اس میں تو سونا اور اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے کہا کہ اس کا علم تو مجھ کو بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ انسان دل سے غنی ہوتا ہے نہ کہ دولت سے' لیکن میں جس کی راہ میں لٹاتا ہوں اس سے آپ ناواقف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ جملہ سن کر مجھے بے حد ندامت ہوئی اور میں نے نفس سے کہا کہ جیسا تو نے کیا ویسی ہی سزا مل گئی۔

کسی نے بطورِ نذرانہ آپ کو ایک ہزار درہم پیش کئے لیکن آپ نے فرمایا کہ فقیروں سے کچھ نہیں لیتا۔ اس نے عرض کیا کہ میں تو بہت امیر ہوں۔ فرمایا کہ کیا تجھے اس زائد دولت کی تمنا نہیں ہے؟ اور جب اس نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ اپنی رقم واپس لے جا کیونکہ تو فقیروں کا سردار ہے۔ روایت ہے کہ جب آپ کے اوپر واردات غیبی کا نزول ہوتا تو فرمایا کرتے کہ اگر سلاطین عالم آ کر دیکھیں کہ یہ کیسی واردات ہے۔ اپنی شوکت و سلطنت پر نادم ہوں' پھر فرمایا کہ خواہشات کا بندہ کبھی سچا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا کے ساتھ اخلاص کا تعلق صدق اور خلوص نیت سے ہے۔

آپ قرآن حکیم کی تعلیمات سے بخوبی واقف تھے۔ ہر لحظہ خدا کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ آپ پر آشکارا تھا کہ فقط خوف الٰہی ہی دلوں کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھتا ہے۔ آپ کا اسوہ زمانے بھر کیلئے قیامت تک کیلئے انتہائی روشن مثال ہے کہ کس طرح ایک بڑی سلطنت کا سردار خوف الٰہی سے لرز کر حکومت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ ہر دکھ کو برداشت کرتا ہے' ہر غم کو سہتا ہے کہ محبت الٰہی کو حاصل کر کے ہی رہنا ہے۔

جب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کس کی بندگی کرتے ہیں؟ آپ لرزہ براندام ہو کر گر پڑے' پھر بیٹھ کر یہ آیت تلاوت کی۔

ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبدا

آسمان اور زمین کے رہنے والے سب کے سب خدا کے سامنے بندے ہو کر آنے والے ہیں۔

لوگوں نے سوال کیا کہ زمین پر گرنے سے قبل آپ نے یہ آیت تلاوت کیوں نہیں کی۔ فرمایا کہ خود کو اللہ کا بندہ کہوں تو وہ حق بندگی طلب کرے گا اور بندہ ہونے سے منکر بھی ہوسکتا ہوں کسی نے پوچھا کہ آپ کے مشاغل کیا ہیں؟

فرمایا میرے پاس چار سواریاں ہیں' جب نعمت ملتی ہے تو شکر کی سواری پر' جب فرمانبرداری کرتا ہوں تو خلوص کی سواری پر' جب معصیت کا مرتکب ہوتا ہوں تو ندامت و توبہ کی سواری پر اور

marfat.com

مصائب میں مبتلا ہوتا ہوں تو صبر کی سواری پر اس کے سامنے جاتا ہوں۔ آپ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ جب تک بندہ اہل و عیال کو چھوڑ کر کتوں کی مانند گھوڑے کی کمر پر نہ لوٹے اس وقت تک وہ مردوں کی صف میں شمار نہیں ہوتا۔ اسلئے آپ نے سلطنت چھوڑ کر عاجزی و فروتنی اختیار کی جس کی وجہ سے دولت فقر سے مالا مال ہوئے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

marfat.com

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

اے امامِ ترمذیؒ نورِ عمل جانِ یقیں
شارحِ اقوالِ احمدؐ حافظِ ناموس دیں
ہے آئمہ پاک میں تیرا بہت اونچا مقام
نازشِ فکر و عمل اے نازش دینِ متیں
تیرے فرمودات ہیں جانِ قلوبِ مومناں
تیرے ارشادات ہیں ایمان کی شمع حسین
حافظہ تیرا بلا کا تھا خدا کی شان تھی
ناز تجھ پر تھا بخاری کو اے فطرت کے امیں
تو نے تعلیم و تعلم میں گزاری زندگی
تیری ہر تحریر تھی، جانِ نگارش، دلنشیں
خدمتِ اسلام تو نے کی تھی ایسی شان سے
عالموں کی شان ہے تو بحرِ حکمت کا نگیں
ایک مینارِ عمل ہے تو رضاؔ کے واسطے
تیری یادوں سے مہکتی ہے دلوں کی سر زمین

(محمد اکرم رضاؔ)

marfat.com

محدث کبیر

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوعیسیٰ ترمذی بلاشبہ تاریخ اسلام کے عظیم محسن ہیں۔ آپ نامور شخصیت اور مفسر تھے۔ آپ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی نادر روزگار شخصیت کے شاگرد تھے۔ ممتاز آئمہ اور محدثین کا کہنا ہے کہ ان کا شمار ان محدثین میں ہوتا ہے جن کی زمانہ تقلید کرتا ہے۔ آج ہم کس قدر خوش بخت ہیں کہ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعہ ہائے مبارک ہمارے سامنے ہیں' ان کی مدد سے تعلیم و تدریس کا کام ہو رہا ہے' مدرسے آباد ہیں' خانقاہوں میں علوم کے نور کی فراوانی ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ کتب منظر عام پر آ رہی ہیں۔ حدیثوں کے انہی مجموعوں کی بدولت تحقیق اور ریسرچ کے کام زوروں پر ہیں۔ ان کے وجود سے لائبریریاں آباد ہو رہی ہیں۔ کتب خانوں کی زینت اور مدارس کی رونق بڑھ رہی ہے۔ اساتذہ ان کے نور سے اپنے سینے اور اپنے شاگردوں کے دل و دماغ منور کر رہے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع تواریخ اور علل کی تصنیف کی۔ آپ ایسے نامور عالم دین تھے کہ جید علمائے کرام آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا باعث اعزاز سمجھتے تھے۔

اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ بھی بلا کا تھا مگر آپ نے بھی ذہن رسا پایا تھا۔ جو حدیث یا حدیث کی سند ایک مرتبہ ذہن و فکر کی الماری میں آ گئی' مجال ہے کہ ادھر ادھر ہونے پائے۔ امام ترمذی جہاں علوم حدیث کے فروغ میں نمایاں مقام رکھتے تھے' وہاں ہر وقت خوف خدا سے لرزتے رہتے۔ شب و روز میں سے کام کے ساتھ ساتھ جو وقت بچتا عبادت الٰہی میں گزار دیتے۔ ساری ساری رات گریہ وزاری کرتے کرتے گزر جاتی۔ یہ اسی شدید گریہ وزاری کا ہی اثر تھا کہ آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے۔

رب کریم بھی اپنے خاص خاص بندوں کو کس کس طرح آزماتا ہے۔

جو خدا کے ہو گئے شہر فنا میں کھو گئے
نورِ حق کا بیج ہر بنجر زمیں میں بو گئے

marfat.com

عمر ساری وار دی عشق خدائے پاک پر
داغ بزم زندگی کے آنسوؤں سے دھو گئے
وقت پیری ترمذی کی گو بصارت کھو گئی
خالق کونین کی نظروں میں بینا ہوگئے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ حدیث کی ترتیب و تدوین میں بہت ہی بلند ہے لیکن آپ کی عظمت تھی کہ شاگرد کو خراج تحسین پیش کرنے میں بھی کمال کر دیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے اتنا استفادہ نہیں کیا جتنا میں نے اس سے کیا ہے۔

ایک اور محدث عمران بن علان کا کہنا ہے کہ امام بخاری نے اپنے وصال کے بعد اہل خراساں اور دنیائے اسلام کیلئے علم و عمل میں امام ابوعیسیٰ ترمذی جیسا کوئی شخص نہیں چھوڑا۔

زہے قسمت کہ استاد کی نظر کرم نوازے بھی تو اس شان سے۔

صحیح ترمذی کے نام میں اختلاف ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس کو سنن ترمذی کہتے ہیں لیکن اس کا زیادہ مشہور نام "الجامع الصحیح" ہی ہے۔ سنن اصطلاح حدیث میں حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس کی ترتیب ابواب فقہ کی طرز پر کی گئی ہو اور چونکہ ترمذی کی ترتیب اسی طور پر ہے اسلئے اس کو سنن کہنا بھی درست ہے۔ رہا الجامع الصحیح کہنا تو ترمذی کے جامع ہونے میں تو کوئی کلام نہیں البتہ صحیح کہنے پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس میں حسن اور ضعیف روایات بھی کافی تعداد میں موجود ہیں پھر اس کو صحیح کہنا کیونکر درست ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ اسکو صحیح تغلیباً کہا گیا ہے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع کی ترتیب میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اس قدر عمدہ اور مفید ہے، جس کی وجہ سے اس کتاب کو تمام کتب صحاح میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح ترمذی کے حوالے سے مزید گفتگو کا ایک اور پہلو دیکھئے۔

شیخ ابواسماعیل ہروی نے کہا کہ میرے نزدیک ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب بخاری اور مسلم کی کتابوں سے زیادہ مفید ہے۔ انہوں نے اس کا سبب بتلاتے ہوئے کہا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے سوا ماہرین علوم حدیث کے اور کوئی شخص استفادہ نہیں کر سکتا' بخلاف صحیح ترمذی کے کیونکہ یہ کتاب فقہاء محدثین اور عام علماء کیلئے یکساں مفید ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو تصنیف کے بعد علمائے حجاز پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا۔ پھر علماء خراسان پر پیش کیا تو انہوں نے بھی اس کو تحسین کی نظر سے

marfat.com

دیکھا۔ امام ترمذی کہتے ہیں جس شخص کے گھر میں یہ کتاب ہو وہ یوں سمجھے گویا اس کے گھر میں نبی کلام کررہا ہے۔

کتب حدیث کے حوالے سے ناقدانہ اور گہری نظر رکھنے والوں کے نزدیک۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی کی جامع صحیح' ترتیب صحاح کے لحاظ سے نسائی اور ابوداؤد کے بعد آتی ہے لیکن اس کی اپنی جودت ترتیب' اوراوّلیت اور جامعیت کی وجہ سے جوشہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی' اس کے سبب اس کو عام طور پر بخاری اور مسلم کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہ اس کا ثالث الکتب الستہ کے عنوان سے کشف الظنون میں ذکر کرتے ہیں۔

حافظ ابن اثیر "جامع الاصول" میں لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کتب صحاح میں سب سے احسن ہے کیونکہ اس کی افادیت سب سے زیادہ اور ترتیب سب سے عمدہ ہے' نیز اس میں تکرار سب سے کم ہے۔ مذاہب آئمہ اور وجوہ استدلال کے ذکر اور انواع حدیث اور احوال رواۃ کے بیان میں یہ کتاب سب سے منفرد ہے۔

اب تک ہم صحیح ترمذی کے مقام ومرتبہ کے حوالے سے گفتگو کررہے تھے کہ آئمہ کرام' محدثین' مفسرین اور اہل فضیلت کے نزدیک اس تاریخی شہ پارہ اور نادرۂ روزگار مجموعہ حدیث کا کیا مقام ہے۔ اب ایک نظر محدث کبیر حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر ڈالتے ہیں تاکہ اندازہ ہوسکے کہ یہ یگانۂ روزگار شخصیت خاندانی حسب ونسب' تعلیم اور ذوق جمع حدیث کے حوالے سے کس مقام کی حامل ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک ابن السکن علمی ترمذی ۲۹۸ھ میں بلخ کے شہر ترمذ میں پیدا ہوئے جو دریائے جیحوں کے قریب واقع ہے۔

کنیت ابوعیسیٰ

امام ترمذی کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے۔ جامع ترمذی میں انہوں نے اپنے نام کی بجائے کنیت کو اختیار کیا ہے اور جہاں اپنا ذکر کرتے ہیں' قال ابوعیسیٰ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے پوری سند کے ساتھ اپنی تصنیف میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص کی کنیت ابوعیسیٰ تھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا "عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا"۔ اس روایت کے سبب بعض علماء نے ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیت ابوعیسیٰ سے نہ منع فرمایا ہے نہ اس کو ناپسند کیا ہے بلکہ صرف ایک امر واقعی کا

marfat.com

بیان فرمایا ہے کہ واقعہ میں حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ ثانیاً یہ کہ حضور کا یہ فرمان مزاح کے قبیل سے تھا جیسا کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کیلئے اونٹ مانگا تو آپ نے فرمایا میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔ وہ کہنے لگا: حضور اونٹ کا بچہ تو مجھے گرا دے گا۔ آپ نے فرمایا: ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

کنیت ابوعیسیٰ کے سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کنیت بھی ابوعیسیٰ تھی، جب حضرت عمر کو اس کنیت کا علم ہوا تو انہوں نے اس کنیت کو ناپسند فرمایا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بتلایا کہ ان کی کنیت حضور نے رکھی تھی تو حضرت عمر نے اس کو حضور کی خصوصیت قرار دیا اور اس کنیت سے بدستور منع کرتے رہے، لیکن اس استدلال میں بھی کچھ جان نہیں ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ کنیت خود حضور نے رکھی تھی اور حضرت عمر کا اس کو حضور کی خصوصیت قرار دینا اس وقت معتبر ہوتا جب حضور نے اس کنیت سے منع فرمایا ہوتا۔ نیز یہاں اب کا لفظ ابوت کے معنی میں ہے ہی نہیں بلکہ اشتغال اور لزوم کے معنی میں ہے جیسے ابوتراب، ابوہریرہ اور ابوبکر وغیرہ کنیتوں میں بھی یہی معنی ہے۔

امام ترمذی غضب کا حافظہ رکھتے تھے۔ انکی قوت حفظ سے متعلق ایک واقعہ عام تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے۔ خود امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ سے ان کی احادیث کے دو جز نقل کئے تھے۔ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں وہ میرے ہمراہ تھے، مجھے اب تک ان اجزاء کی دوبارہ جانچ پڑتال کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ان احادیث کی قرأت کریں اور میں سن کر ان کا مقابلہ کرتا جاؤں۔ شیخ نے منظور فرمالیا، پھر میں نے ان اجزاء کو اپنے سامان میں تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکے۔ بالآخر میں نے ان کے اجزاء کی مثل سادہ کاغذ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لئے اور شیخ سے قرأت کی درخواست کی۔

شیخ قرأت کرتے رہے اور میں اپنے ذہن میں ان احادیث کو محفوظ کرتا رہا۔ اتفاقاً شیخ کی نظر ان سادہ کاغذوں پر پڑ گئی اور وہ ناراض ہوکر کہنے لگے کہ تم کو شرم نہیں آتی مجھ سے مذاق کرتے ہو۔ پھر میں نے سارا ماجرا سنا کر اپنا عذر پیش کیا اور کہا کہ آپ کی سنائی ہوئی تمام احادیث مجھے محفوظ ہوگئی ہیں۔ شیخ نے کہا سناؤ۔ میں نے وہ تمام احادیث من وعن سنا ڈالیں۔ شیخ نے دوبارہ امتحان لینے کیلئے چالیس ایسی احادیث پڑھیں جو صرف ان سے روایت کی جاتی تھیں، امام ترمذی نے ان احادیث کو بھی اسی طرح ترتیب وار سنا ڈالا۔ اس پر شیخ نے انہیں تحسین و آفرین کرتے ہوئے بے اختیار کہا

marfat.com

''مارایت مثلک'' میں نے تمہاری مثل آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں سورج چمکتا ہے وہاں بادل بھی (عارضی طور پر ہی سہی) اس کی چمک دمک کو گہنانے کو آ جاتے ہیں۔ مگر ان بادلوں کا وجود مختصر سی مدت کیلئے ہوتا ہے جبکہ سورج نے تو چمکتے ہی رہنا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخصیت خدا کی رحمت کے سہارے عروج اور کمال کو چھوتی ہے تو اس سے بغض رکھنے والے اور اس کے کام میں نقائص تلاش کرنے والے بھی آ جاتے ہیں۔ بعض کور چشم ناقدین کو تو عظیم المرتبت شخصیت میں سرے سے ہی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ سارا زمانہ ایک طرف اور یہ خود تراشیدہ نقائص کا پٹارہ اٹھائے ڈھنڈوا پیٹنے والا ایک طرف۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کے ساتھ بھی یوں ہوا۔

؎ آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

بعض تذکرہ نگاروں کے نزدیک ابومحمد ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے الصال میں امام ترمذی کو مجہول قرار دیا ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات کیلئے ابن حزم امام اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں اس کے انکار پر تعجب ہوا اور انہوں نے ابن حزم کے قول کی تاویلات اور توجیہات کرنی شروع کر دیں لیکن ہمارے لئے یہ امر چنداں باعث حیرت نہیں ہے کیونکہ ابن حزم نے محلی میں امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام شافعی وغیرہم مجتہدین کرام کیلئے جگہ جگہ کذب اور سفاہت کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پس جو شخص ان جیسے صلحاء امت اور آئمہ دین کیلئے کذب اور سفاہت کے الفاظ لا سکتا ہے ایسے زبان دراز شخص کیلئے امام ترمذی کو مجہول کہہ دینا کیا بڑی بات ہوگی۔

اتفاق دیکھئے کہ امام ترمذی کے کئی ہم نام گزرے ہیں۔

امام ترمذی کے ایک ہم نام حکیم ترمذی ہیں اور بسا اوقات بعض ناواقف لوگ حکیم ترمذی کی روایات کو امام ترمذی کی روایات خیال کر لیتے ہیں' حالانکہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اکثر ضعیف اور غیر معتبر روایات جمع کر دی ہیں اور امام ترمذی کی جامع صحیح میں اکثر صحیح اور معتبر روایات ہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ ترمذی نام کے تین مشاہیر اعلام گزرے ہیں۔

۱) امام ابوعیسیٰ الترمذی صاحب الجامع الصحیح المتوفی ۲۷۹ھ

۲) ابوالحسن احمد بن الحسن بن جنید الترمذی المتوفی ۲۴۵ھ۔ یہ ترمذی کبیر کے نام سے مشہور تھے اور امام بخاری اور امام ترمذی کے استاذ تھے۔

marfat.com

۴) ابوعبداللہ محمد بن علی بن الحسن الحکیم الترمذی۔ المتوفی ۲۵۵ھ۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ نبوت پر ولایت کی فضیلت کے قائل تھے۔ اس عقیدہ کے سبب ان کو ترمذ سے نکال دیا گیا پھر یہ بلخ چلے گئے' جہاں ان کو ہمنوا مل گئے۔ ان کی کتاب نوادرالاصول فی معرفۃ اخبار الرسول بہت مشہور ہے جس میں ۲۸۸ احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ حافظ سیوطی نے ان پر زیادتی بھی کی ہے۔

بہر حال یہ تو تحقیق برائے محققین امام ترمذی کے ہم ناموں کی جستجو تھی۔ ورنہ اس کا امام ابو عیسیٰ ترمذی کے مقام و مرتبہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک آدمی کے کتنے ہی ہم نام ہوتے ہیں مگر جوہر قابل اسی کا مقدر بنتا ہے جس کی قسمت میں مالک تقدیر نے رقم کر دیا اور امام ترمذی بلاشبہ ایسے ہی خوش بخت ہیں جن سے حدیث کی ترتیب و تدوین کا سلسلہ آگے کو پھیلا۔

جس طرح کسی شخصیت کے حسب و نسب کو دیکھ کر اس کے بلند مرتبہ خاندان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح کسی عالم روزگار کے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی پر ایک نگاہ ڈالتے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخصیت کس قدر بلند رتبہ ہوگی جسے اس قدر بلند فکر' عالی نظر اور علوم و فنون پر کمال کی دسترس رکھنے والے اساتذہ کرام میسر آئے۔ یہ عین عطائے خداوندی ہے اور امام ابوعیسیٰ کو اساتذہ کرام کے فیوض کی نعمت وافر انداز سے دستیاب ہوئی۔

امام ترمذی نے حصول علم کی خاطر خراساں' عراق اور حجاز کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور اپنے وقت کے بہترین افاضل' علوم حدیث کے ماہرین اور جید اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔

قتیبہ بن سعید' ابومعصب' ابراہیم بن عبداللہ ہروی' اسماعیل بن موسیٰ اسدی' سوید بن نصر' علی بن حجر' محمد بن عبدالمالک بن ابی شوارب' عبداللہ بن معاویہ' محمد بن اسماعیل البخاری' مسلم بن الحجاج القشیری' امام ابوداؤد۔

جہاں ہم بلند مرتبہ اساتذہ کے میسر آنے سے شاگرد کی خوش بختی کا اندازہ لگاتے ہیں کہ ان کی نظر کرم نے اس شاگرد خاص کو کس شان سے بام عروج پر پہنچا دیا' وہاں جب وہ شخصیت بام عروج سے ہمکنار ہو جاتی ہے تو تذکرہ نگار اس کے شاگردوں کی جستجو کرتے ہیں تاکہ اندازہ لگا سکیں کہ عظیم اساتذہ کے فیضان سے خوشہ چینی کرنے والوں نے اگلی نسل کو کیا دیا اور اپنے شاگردوں اور جوئندگان علم کو کس طرح سے فیضیاب کیا۔ اس حوالے سے امام ترمذی کے شاگردوں کے اسماء بھی دیکھئے۔ جن میں سے کئی ایسے ہیں کہ ان کا شمار فروغ حدیث کیلئے کام کرنے والے نامور اساتذہ اور اہل کمال میں

marfat.com

ہوتا ہے۔

امام ترمذی کے تلامذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے اور بے شمار لوگوں نے ان سے احادیث کا سماع کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں سے بعض حضرات کا ذکر کیا ہے، جنکی تفصیل یہ ہے۔

ابو حامد احمد بن عبداللہ بن داؤد مروزی، ہیثم بن کلیب شامی، محمد بن محبوب، ابوالعباس محبوبی مروزی، احمد بن یوسف نسفی، ابوالحارث اسد بن حمدویہ، داؤد بن نصر بن سہیل بزدوی، عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمد بن نمیر، محمد بن محمود، محمد بن مکی بن فوج، ابوجعفر محمد بن سفیان بن نضر نسفی، محمد بن منذر ابن سعید ہروی اور امام بخاری۔

ہم ایک نظر دیکھتے ہیں کہ کتب احادیث میں صحیح ترمذی کا مقام کیا ہے۔

صحت احادیث اور قوت سند کے اعتبار سے جامع ترمذی کا مقام نسائی اور ابوداؤد کے بعد ہے اور کتب صحاح میں یہ پانچویں درجہ پر آتی ہے کیونکہ امام ترمذی طبقہ رابعہ سے اصالۃ احادیث روایت کرتے ہیں جبکہ نسائی اور ابوداؤد اس طبقہ سے صرف انتخاب کرتے ہیں۔ نیز امام ترمذی ضعفاء اور مجہولین کے پانچویں طبقہ سے بھی روایت قبول کر لیتے ہیں جبکہ نسائی اور ابوداؤد اس طبقہ سے اصلاً روایت نہیں کرتے۔ اسی سبب سے حافظ جلال الدین سیوطی امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کا مقام سنن نسائی اور ابوداؤد کے بعد ہے کیونکہ امام ترمذی مصلوب اور الکلبی کی روایات کا بھی اخراج کرتے ہیں۔

البتہ حسن ترتیب، حدیث اور فقہ کے متعدد علوم کے شمول اور افادیت کے لحاظ سے جامع ترمذی، نسائی اور ابوداؤد پر مقدم ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کے بارے میں یہ بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مجتہد کیلئے کافی ہے اور مقلد کیلئے مغنی ہے اور غالباً اسی وجہ سے حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اس کو ثالث الکتاب الستہ سے تعبیر کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی شاید اسی وجہ سے بخاری اور مسلم کے بعد اسی کا ذکر کرتے ہیں۔

دوسری کتب احادیث کی طرح امام ابوعیسیٰ ترمذی کی جامع ترمذی کی بہت سے حضرات علم و فکر نے شرحیں لکھیں لیکن افسوس کہ بعض تو مکمل نہ ہوسکیں اور بعض کے نام ملتے ہیں مگر ان تشریحات (شروح) کا وجود نہیں ملتا۔ یوں تو دنیا بھر میں ہی آپ کی شرحیں نایاب ہیں مگر برصغیر میں تو ایک بھی شرح دستیاب نہیں۔ آگے ہم جامع ترمذی کی چند شرحوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا تذکرہ حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ نے کشف الظنون میں کیا۔ بہرحال یہ بھی غنیمت ہے کہ شرحیں نہ

marfat.com

سبھی کچھ کے نام تو دستیاب ہوگئے۔ ان سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جامع ترمذی کا مقام محدثین، مفسرین اور شارحین کے نزدیک کیا تھا۔ شمع جس قدر شدت کے ساتھ ضوفگن ہوگی، پروانے بھی اسی شدت کے ساتھ اس جانب متوجہ ہوں گے۔

جامع ترمذی کی چند شرحوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱) عارضہ الحوذی:

یہ شرح الحافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المالکی المتوفی ۵۴۶ھ کی تالیف ہے جو ابن العربی کے نام سے مشہور ہے۔

۲) النفح الشذی:

یہ شرح حافظ ابوالفتح محمد بن محمد الشافعی المتوفی ۷۳۴ھ کی تالیف ہے، یہ ایک مبسوط کتاب ہے۔ ترمذی کے دو ثلث سے کم کی شرح دس جلدوں میں کی گئی ہے۔ مصنف اس شرح کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بعد میں حافظ زین الدین عراقی نے اس کو مکمل کرنا شروع کیا لیکن وہ بھی پوری نہ کر سکے۔

۳) شرح الزوائد علی الصحیحین و ابی داؤد:

یہ شرح سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ کی تصنیف ہے۔

۴) العرف الشذی:

یہ سراج الدین عمر ابن رسلان البلقینی المتوفی ۸۰۵ھ کی تالیف ہے اور نامکمل ہے۔

۵) شرح الجامع:

یہ شرح حافظ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ کی تالیف ہے اور ناتمام ہے۔

۶) شرح الترمذی:

یہ شرح حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن نقیب الحنبلی المتوفی کی تالیف ہے۔ یہ شرح بیس جلدوں پر مشتمل تھی مگر ایک فتنہ میں جل کر ضائع ہوگئی۔

۷) شرح الترمذی:

یہ شرح الحافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی المتوفی ۷۹۵ھ کی تالیف ہے۔

۸) قوت المغتذی:

یہ شرح الحافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے۔

marfat.com

۹) شرح ترمذی:

یہ شرح علامہ محمد طاہر گجراتی صاحب مجمع البحار المتوفی ۹۸۶ھ کی تالیف ہے۔

۱۰) نفع قوت المقتدی:

یہ شرح علامہ سید علی بن سلیمان المالکی المتوفی ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نامور محدث اور مفسر تھے۔ درس و تدریس آپ کا خصوصی امتیاز تھا۔ پھر فروغ حدیث کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرنا' جمع الحدیث کیلئے درجنوں شہروں کا سفر کرنا اور وہاں کے مشاہیر سے ملاقاتیں کرنا۔ عصر حاضر میں تو ہمارے سامنے مرتبہ مواد موجود ہے مگر ہم سلام نیاز پیش کرتے ہیں ان عالی مرتبت محسنین کو جنھوں نے اپنی زندگیاں عظمت اسلام کی نذر کر دیں۔ ان تمام امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ آپ کا کلام طلبہ کو مقامات احادیث سے آگاہ کرنا اور دین کی تعلیم سے بہرہ ور کرنا تھا۔ کئی بیماریوں نے بھی آزمایا مگر یہ بندۂ خدا اپنے عظیم الشان مشن میں مصروف کار رہا اور آج یہ اس کی علمی لگن اور حدیث سے محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ جامع ترمذی فیوضات اسلام اور معجزات بانی اسلام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔

درس و تدریس کی بے پناہ مصروفیات اور کثرت مشاغل کے باوجود امام ترمذی سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں۔

۱) جامع ترمذی

۲) کتاب التاریخ

۳) کتاب الزہد

۴) کتاب الاسماء والکنی

۵) کتاب الشمائل النبویہ

۶) کتاب العلل

جمع احادیث کیلئے جامع ترمذی اور دوسری قابل ستائش تصانیف کا ورثہ مستقبل کی نذر کرنے کے بعد بالآخر اس نابغۂ روزگار امام ابوعیسیٰ پر بھی موت نے پر پھیلا دیئے۔ موت ہمارے لئے خوف مسلسل کا دوسرا نام ہے مگر ان اولیائے کرام کیلئے موت محبوب حقیقی (رب کریم) سے وصال کا دوسرا نام ہے ان کیلئے تو یہ انتقال ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو جانا جہاں خدائے دوجہاں کی رحمتیں اور انوار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرزند جلیل کے منتظر ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں

marfat.com

یہ لوگ تو جیتے جی ہی رضائے الٰہی میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ انہیں موت کے آنے پر ہلکی سی آہٹ کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ

دانش میں خوف مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
میں جانتا ہوں موت ہے سنت حضور کی

لیکن اجل بہرحال ایک حقیقت ہے اور اس کی آرزو بھی مشیت ایزدی کا لازمی تقاضا ہے اور اسی تقاضے کے تحت امام عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی جان رب کائنات کے سپرد کر دی۔

۱۳ رجب المرجب ۲۷۹ھ کو مقام ترمذ میں امام ترمذی کا انتقال ہوگیا اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس سال جن اور مشاہیر محدثین کا وصال ہوا ان کے اسماء یہ ہیں:

۱) محدث ابن خلیل بن ثابت
۲) ابوجعفر برجلانی
۳) ابراہیم بن عبداللہ العبسی الکوفی
۴) محدث مکہ ابویحییٰ عبداللہ بن ابی مسرۃ
۵) محدث جعفر بن محمد بن شاکر

marfat.com

شارح مکتوبات امام ربانی

حضرت علامہ ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد سعید احمد مجددی کثیر الجہات شخصیت تھے۔ قدرت کا اٹل اصول ہے کہ جب وہ کسی انسان سے بڑے کام کی انجام دہی کی تمنائی ہوتی ہے تو اسے ایسی صفات سے نوازتی ہے جو اس کی شخصیت کا جزو لازم بن جاتی ہیں اور پھر جوں جوں وقت کی آزمائش گاہ میں اترنے اور تاریخ کی میزان پر فیصلہ کن کردار ادا کرنے کا وقت آتا ہے تو یہی صفات' اس شخصیت کا پرتو عمل بن کر ناممکنات زمانہ کو ممکنات کا ملبوس عطا کرنے لگتی ہیں۔ علامہ مجددی کے سینے میں حساس اور درد مند دل تھا جو اپنوں کیلئے ہی نہیں بلکہ غیروں کیلئے بھی تڑپتا تھا۔ یہی دل درد مند محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریاتی اور عملی تقاضوں سے آباد تھا۔ محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دولت انہیں پہلے اپنے ممتاز روحانی خانوادے اور پھر سرخیل دنیائے معرفت قبلہ عالم سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی سے عطا ہوئی تھی۔ وہ تاجدار آلومہار شریف کہ جسے پاسدار ناموس رسالت ہونیکا شرف حاصل ہوا تھا اور جو اپنی جان پر کھیل کر بھی ختم نبوت کے علم حق کو وقت کے ہمالہ کی زینت بنا سکتا ہے۔ اسی فیضان تربیت نے علامہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کو گوہر تابدار بنا دیا۔ اب ان کی تمام تر مساعی سے تحریکات اور تگ و تاز کے سرچشمے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹ رہے تھے۔

ختم نبوت پر ایمان مسلمات دین میں سے ہے اسی لئے جب بھی وقت نے آواز دی۔ زبان کی تلخیوں نے پکارا' وقت کے جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا وقت آیا تو آپ باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہوگئے۔ آپ جانتے تھے کہ جب مرد ایمان کارزار عمل میں داخل ہوتا ہے تو اپنی تمام صلاحیتیں داؤ پر لگا دیتا ہے وہ ہر حالت میں جہاد کرتا ہے جہاد ابالقلم ہو یا جہاد بالسیف' جہاد باللسان یا جہاد بالایمان وہ جرأت رندانہ دکھلاتا' مشکلات کو ٹھوکروں سے اڑاتا' طاغوتی قوتوں کو نیچا دکھاتا' عصر حاضر میں ماضی کی تاریخ دہراتا اور عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت منواتا ہوا اس احساس کے ساتھ آگے بڑھتا ہے کہ

marfat.com

؎ مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے نظروں کے آتا ہے

حضرت علامہ محمد سعید احمد مجددی کی زندگی بھی اشاعت تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھی۔ اس تبلیغ و اشاعت کے معدن و مرکز سے جتنے دھارے پھوٹے ان کا تعلق محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی عبارت تھا غلام قادیانی کی خانہ ساز نبوت کا مجاہدانہ تعاقب' آزادی کشمیر کیلئے سنی جہاد کونسل کا قیام اور اس کیلئے عملی جدوجہد اور تربیت کا اہتمام' روحانی سرفرازیوں سے ہمکنار ہوکر متلاشیان راہ حق کیلئے مجاہدوں اور روحانی ریاضتوں کا انصرام۔ اگر آپ کا بنظر غائر دیکھیں تو جہاد کے ان تمام پہلوؤں میں روحانیت کی تب و تاب کارفرما نظر آتی ہے۔ وہ روحانیت جو روباہی نہیں سکھائی بلکہ اسداللہی فقر کے اسلوب بخشتی ہے۔

۱۹۹۲ء میں آپ کی مساعی سے ایک ہزار سے زائد علماء مشائخ کی موجودگی میں آل جموں وکشمیر سنی جہاد کونسل کا قیام اس جذبہ جہاد کا نقش بلاخیز ہے جس نے ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک غلامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ دین حق کیلئے سربکف کر دیا۔ علامہ مجددی واضح طور پر سمجھتے تھے کہ جذبہ جہاد فقط قیل و قال کا محتاج نہیں بلکہ یہ تو وقت کی کارگاہ میں لہو اور حسن عمل کا خراج مانگتا ہے۔ آپ نے روحانیت کے گلستان سدا بہار کے معنبر ماحول میں روحانی مجاہدوں سے گزرتے ہوئے جہاد بالنفس کے مراحل طے کئے اور پھر یہیں سے جب آگے بڑھے تو آزمائشوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا۔

؎ ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو

علامہ مجددی کے فکر و تدبر کی تمام تر دلکشی و رعنائی اس فقر غیور سے عبارت ہے جو غلاموں کو اسرار شہنشاہی سکھاتا' بے نام و نشان افراد کو اعزاز حیات بناتا' مولوں کو شاہینوں سے لڑاتا' بزدلوں کو جرأت دلیری کا خوگر بناتا اور روحانیت کی مئے صد رنگ سے سرمست ہوکر وقت کی کجکلاہی کو اپنا پابند بناتا ہے وہ فقر غیور جو اس حقیقت کا غماز ہے۔

؎ تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

علامہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کا جذبۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیر متزلزل اور لازوال تھا۔

marfat.com

اس جذبے کی حدت نے انہیں ہر باطل قوت کے ساتھ نبرد آزما ہونا سکھا دیا تھا۔ آپ محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راہنمائے یگانہ تھے وہ راہنما جو نگاہ بلند سخن دل نواز اور جاں پرسوز کی عملی تفسیر ہوتا ہے۔ آپ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ تھے۔ جہاں بھی اشرار باطل کو انوار حق کے ساتھ معرکہ آراء دیکھا وہیں عشق خلیل کے ترجمان بن کر وقت کے دھارے میں اتر آئے۔ آپ کا شخصیاتی تجزیہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ جہاں استعماری قوتوں کیلئے اشداء علی الکفار کی تصویر تھے وہاں اپنوں کیلئے "رحماء بینھم" کا فکری پرتو لئے رہے تھے۔ آپ کا یہ تمام تر عمل ہر قسم کی جہادی قوت بلاخیز کے باوجود روحانیت ہی کے دبستان فکر ہی کا مرہون منت تھا اسی لئے آپ کی شخصیت اس صداقت کی عملی گواہی دیتی نظر آتی ہے۔

؎ ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

برصغیر پاک و ہند کے عظیم خطیب اور آستانہ عالیہ آلو مہار شریف کے تاجدار خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک عہد ساز مقرر، سحر طراز خطیب، نعت گو شاعر اور زبان و بیان کی معراج کو چھونے والے بطل جلیل تھے۔ آپ کے خانوادۂ روحانیت سے ایک زمانہ فیوضات روحانی سمیٹ رہا تھا۔ حضرت علامہ محمد سعید احمد مجددی نے خطیب الاسلام کے فکری و نظریاتی، علمی و روحانی اور ادبی و نظری انوار سے اپنی متاع قلب و جان کو یوں مستنیر کیا کہ ان کے خصائل کا بے مثال نمونہ بن گئے۔ تمام اصحاب نظر کا متفقہ فیصلہ ہے کہ علامہ مجددی صاحب روحانی اور نظری طور پر ہی نہیں بلکہ شوکت زبان اور حسن بیان کے لحاظ سے بھی خطیب الاسلام کے صحیح جانشین اور ان کے محاسن علمیہ کی منہ بولتی تصویر تھے۔

آپ نے سید فیض الحسن کے علاوہ متعدد مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ اس روحانی تناظر میں دیکھیں تو علامہ ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی کی بلند اوصاف شخصیت انسانی کمالات و خصائل کا ایک ایسا جامع سنگم نظر آتی ہے جہاں آ کر متعدد روحانی سلاسل کے نظری دھارے یکجا ہو جاتے ہیں۔

؎ ہوئی منزل کی جانب اس طرح سے جادہ پیمائی
کہ منزل خود بخود ان کے قدم کو چومنے آئی

شہریار خطابت حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ قدس سرہ، کا سحاب کرم ان پر مدتوں سایہ فگن رہا۔ ان کے فیضان خطابت سے آپ نے یوں راہنمائی لی کہ بہت جلد اس ممدوح علم کی خطابت

marfat.com

- نام ونسب، علامہ سید نصیر الدین نصیر گیلانی (گولڑہ شریف)
- ذکر ولی (تذکرہ حضرت قبلہ خواجہ احمد میروی) حکیم مولوی سید کرم حسین شاہ
- ماہنامہ ضیائے حرم، شیخ الاسلام نمبر
- حیات شیخ الاسلام، پروفیسر محمد اکرم رضا
- ماہنامہ ضیائے حرم، حضرت شمس العارفین نمبر، مدیر ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی
- انوار لاثانی، محمد رفیق ابن محمد اسماعیل کھوکھر، مطبوعہ حجازی پریس لاہور
- حضرت لاثانی، صائم چشتی، فیصل آباد۔ ۱۴۰۲ھ
- حیات اکبر، صائم چشتی، چشتی کتب خانہ فیصل آباد، ۱۴۰۲ھ
- نجم الہدیٰ، مرزا ریاض احمد، مکتبہ چراغیہ لاہور ۱۹۸۶ء
- انوار لاثانی، پروفیسر محمد امین آسی، دربار لاثانیہ علی پور سیداں شریف ۱۹۸۲ء
- مکاشفۃ القلوب، امام غزالی
- منہاج العابدین، امام غزالی، ترجمہ علامہ سعید احمد نقشبندی
- احیائے العلوم، امام غزالی، ترجمہ محمد صدیق ہزاروی
- کیمیائے سعادت، امام غزالی، ترجمہ علامہ محمد منشاء تابش قصوری
- رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر حسن
- عوارف المعارف، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، ترجمہ علامہ شمس بریلوی
- غنیۃ الطالبین، سیدنا عبدالقادر جیلانی بغداد، ترجمہ علامہ شمس بریلوی
- الفتح الربانی، سیدنا عبدالقادر جیلانی بغداد، قادری رضوی کتب خانہ لاہور
- فتوح الغیب، سیدنا عبدالقادر جیلانی بغداد، قادری رضوی کتب خانہ لاہور
- سر الاسرار، سیدنا عبدالقادر جیلانی بغداد، قادری رضوی کتب خانہ لاہور
- تصوف، سید خورشید احمد گیلانی
- نفحات الانس، حضرت عبدالرحمٰن جامی، ترجمہ علامہ شمس بریلوی
- نزہۃ المجالس، امام عبدالرحمٰن صفوری، ترجمہ علامہ محمد منشاء تابش قصوری
- تنبیہ الغافلین، فقیہ ابواللیث سمرقندی، فرید بک سٹال لاہور
- ہشت بہشت، علامہ عنصر صابری، شبیر برادرز لاہور
- انقلاب الحقیقت، حضرت محمد عمر بیربل شریف، زاویہ لاہور

marfat.com

تحفۃ القادریہ
سیدنا صدیق اکبرؓ
قبروں کے حالات
جہانِ اولیاء

سر الاسرار
عبادت کی حقیقت
کردارِ یزید
شاہان گوجر

انیس الطالبین
انوارِ مدینہ
حدائقِ بخشش
جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز
تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادرؒ
تحفہ حنفیہ
غنیۃ الطالبین
معجزات رسول کریم ﷺ
کشف المحجوب
مکاشفۃ القلوب
اعمالِ جنت
خطبات الحنفیہ
شانِ حبیب المنعم من روایات المسلم
فیض عنایت یزدانی
مدینے والے رسول ﷺ
نزہۃ المجالس
مدارج النبوت
قصص الانبیاءؑ
آدابِ رسول
سیرت مصطفیٰ
نزہۃ الخواطر
جنتی زیور
امام احمد رضا اور عشقِ مصطفیٰ
مولانا حافظ خان محمد قادری کی تقریریں

جلوہ دستِ قدرت
بارہ رسائل میلادِ مصطفیٰ
چار زندہ نبی
سیرتِ غوث اعظم
جہانِ انبیاء
راہنمائے نقابت
فضائل اہلبیت
خطبات مجددیہ
خطبات نورانی
نورانی حکایات
شانِ حبیب الباری
رسائل مجدد الف ثانی
نماز کے احکام
مسلمان کا عقیدہ
قولِ حبیب الہ
تاریخ گوجراں
تذکرۃ الاولیاء
سفرِ آخرت اور ہماری ذمہ داریاں

کیا آپ جانتے ہیں
فتوح الغیب

قادری رضوی کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور 042-7213575